
سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
موت کے سوداگر
حصہ
11

اقلیم علیم

[illegible]

ایک نوجوان کی خود نوشت جو اپنوں کے ہاتھوں برباد ہو کر منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔ اُن نوجوانوں کی داستانِ عبرت جن کی پرورش رشوت کے مال سے ہوئی تھی۔ اُن زر پرستوں کا احوال جنہیں سونے چاندی کی خیرہ کُن چمک نے بینائی سے محروم کر دیا تھا۔

موت کے اُن سوداگروں کا ماجرا
جو اپنے بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں
زہر پلا رہے ہیں۔

وان لِن کی لاش مجھے اپنے گلے پڑتی ہوئی نظر آنے لگی تھی۔

تھوڑی دیر قبل جب میں نے نادر ہیروں کا ذکر چھیڑ کر ڈون کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان قدیم شاہی ہیروں کی نحوست مجھے ڈون اور شی کے چوہے دان میں پھنسا دے گی۔

کراچی سے چلتے ہوئے ہی میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر مجھے ڈون کا تعاون حاصل ہو گیا تو میں بیم گن کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا لیکن اُس نے میرے ساتھ مخاصمانہ رویّہ برقرار رکھا تو میں بیم گن کے ساتھ اُس کے مقابلے پر ڈٹ کر، اسے یہ جتا دوں گا کہ اس کا پالا شی کے اُسی پرانے حریف سے پڑا ہے جو جمی لائیڈ جیسے مکّار مجرم کو چرکے لگانے کے باوجود آزادی کے ساتھ دندناتا پھر رہا ہے لیکن روزینی اور وان لِن نے درمیان میں آ کر میرے پورے منصوبے کو خاک میں ملا دیا تھا۔ اس وقت، مسلح وان کے مقابلے میں، میرے پاس بیم گن کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ میں اس کے استعمال سے گریز کرتا تو وان طاقت کے بَل پر مجھ سے نہ صرف ہیرے چھین لیتا بلکہ مجھے ہلاک بھی کر سکتا تھا۔ یہ میری بد قسمتی تھی کہ ڈون سے صلح ہونے کے باوجود مجھے اس کے ایک حریف پر بیم گن استعمال کرنی پڑی اور اب کسی بھی لمحے میں اس کے سنگین نتائج کا شکار ہو سکتا تھا۔

دیرا کی زبانی میں سن چکا تھا کہ ڈون بہت موٹا ہونے کے ساتھ ساتھ کاہل بھی ہے۔ وہ اپنی حویلی میں پڑے پڑے، فون پر سارے کام چلاتا تھا اور مدتوں بعد ہی حویلی سے قدم باہر نکالنے کی زحمت کرتا تھا۔ وہ یقینی طور پر خاص اور اہم مواقع ہوتے ہوں گے لیکن شوائے نے مجھے یہ بتا کر حیران کر دیا تھا کہ ڈون نے مجھ سے ملاقات کرنے کے لیے بذاتِ خود آنے کا فیصلہ کیا تھا۔

فکودا نامی جاپانی ڈرائیور کے ساتھ ڈون کی آمد کی اطلاع اس بات کی مظہر تھی کہ ڈون کے لیے اپنی حویلی میں بیٹھ کر میرا انتظار کرنا تکلیف دہ تھا اسی لیے وہ خود چل پڑا تھا۔ ڈون کی اس غیر معمولی حرکت کے دو ہی اسباب ہو سکتے تھے کہ وہ بیش قیمت ہیروں کو جلد از جلد اپنی تحویل میں لینے کے لیے بے چین تھا یا پھر وہ دیوانگی کی حد تک ہیروں کا شوقین تھا اور ان نوادرات کو بِلا تاخیر اپنی نظروں سے دیکھنے کے لیے بے قرار تھا۔

میں غصے اور بے بسی کے عالم میں اس بند بوری کو گھورنے لگا جس میں وان لِن کی منحوس لاش ٹھنسی ہوئی تھی۔ وہ اپنی موت کی تلاش میں میرے کمرے پر حملہ آور نہ ہوا ہوتا تو خود بھی زندہ رہتا اور میں بھی سکون سے فکودا کی آمد کا انتظار کر رہا ہوتا لیکن وہ قدرت کے کھیل تھے۔ میں اپنی تدبیر کر رہا تھا اور قدرت میری ان کوششوں پر خنداں تھی۔ وان لِن کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہوئی تھی اسی وجہ سے گولڈن ڈریگن پر روزینی میری طرف اور میں اُس کی طرف متوجہ ہوا۔ ہم دونوں کی دوستی سے شروع ہونے

والے سنسنی خیز ڈرامے کا آخری منظر وان لن کی موت کا تھا۔ وہ مرنے کے بعد' زندگی کے ہر جھنجٹ سے آزاد ہو گیا تھا جب کہ میں زندہ رہ کر نادیدہ خطرات کا انتظار کرنے پر مجبور تھا۔

اچانک میرے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو میرے کانوں میں استقبالیہ کلرک کی ہیجان آمیز اور دھیمی سرگوشی گونجی۔ "ہوشیار ہو جاؤ' ڈون خود آ پہنچا ہے۔" اس انتباہ کے ساتھ ہی فون یک لخت بے جان ہو گیا۔ میرے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنی شروع ہو گئیں۔

مزید چند لمحے صبر آزما انتظار کی کیفیت میں گزرے پھر باہر راہداری میں یک بیک متعدد قدموں کی ہلکی سی دھمک گونجنے لگی۔ میں نے اضطراری انداز میں اٹھ کر اپنے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔

باہر جھانکنے پر' آنے والوں پر نگاہ پڑتے ہی میرے فرشتے کوچ کر گئے۔

ان میں ڈون سب سے آگے تھا۔ وہ بہت ہی عجیب و غریب اور مہیب شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے بدن کا محیط کسی بھی طرح ساٹھ انچ سے کم نہیں تھا۔ وہ گوشت' چربی اور ہڈیوں کے کسی عظیم الشان مینار کی طرح متحرک تھا۔ عام چینیوں کے برعکس اُس کا قد بھی پونے چھ فٹ کے لگ بھگ تھا لیکن اس کے وجود کا پھیلاؤ اس کی طویل القامتی کو کھا گیا تھا۔

ڈون کا چہرہ بہت چوڑا اور پُر جلال تھا۔ پپوٹوں کی چربی میں دھنسی ہوئی بہت چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں کسی سانپ کی آنکھوں جیسی ساحرانہ چمک تھی۔ ناک بالکل چپٹی اور اس سے نیچے ہونٹوں کے دونوں سِروں پر منگولوں جیسی پتلی پتلی اور لمبی مونچھیں لٹک رہی تھیں۔ ڈون نے اس وقت سفید ٹی شرٹ اور سیاہ پتلون پہنی ہوئی تھی۔ نصف آستین والی ٹی شرٹ میں سے نکلے ہوئے بازوؤں کی سختی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈون صرف گوشت کا پہاڑ ہی نہیں تھا بلکہ اپنی بے پناہ طاقت کے مناسب ترین استعمال سے بھی بخوبی واقف تھا۔

ڈون کے گلے میں سونے کی زنجیر کے ساتھ مسیح مصلوب کا طلائی لاکٹ جھول رہا تھا اور اس کی گرگٹوں کی طرح پھولی ہوئی' بھدّی' موٹی اور ٹیڑھی میڑھی انگلیوں میں بڑے ہیروں کی متعدد انگوٹھیاں جھلملا رہی تھیں۔ وہ درحقیقت ایسا پُر شکوہ انسان تھا کہ اسے دیکھنے والے اُس سے مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

اُس کے داہنے پہلو پر گنجے سر والا ایک پستہ قامت جاپانی' اپنے دونوں ہاتھ ناف پر باندھے' سر جھکائے چلا آ رہا تھا۔ وہ یقینی طور پر ڈون کا ڈرائیور' فکوڈا تھا۔ ان دونوں کے پیچھے وانگ ماؤ کی قیادت میں مسکینوں اور مظلوموں کا وہی پانچ نفری جلوس چلا آ رہا تھا جو تھوڑی دیر پہلے وان لن کی بد نصیبی کا عبرت ناک منظر دیکھ چکا تھا۔ ڈون کی موجودگی میں ان سب کے شانے ڈھلک گئے تھے اور چہروں پر زلزلے کے آثار ہویدا تھے۔

میں نے اپنے کمرے سے باہر نکل کر ڈون کا استقبال کیا۔ "یہ میری خوش نصیبی ہے کہ تم خود چل کر میرے دروازے پر آئے ہو۔ اس عزت افزائی کے بعد زندگی کی ہر خوشی ہیچ محسوس ہو گی۔"

ڈون کے ڈیل ڈول کے مقابلے میں اُس کے ہونٹ بہت پتلے اور سفاکانہ ساخت کے تھے۔ میرے انداز پیشوائی پر اُس کے لبوں پر خفیف سا کھنچاؤ پیدا ہوا۔ شاید وہ مسکرایا تھا لیکن اُس کی مسکراہٹ میں قدرتی طور پر طنز' استہزا اور تضحیک کا عنصر شامل تھا۔

اُس نے پلٹے بغیر چینی زبان میں کچھ کہا۔ فکوڈا سمیت سب لوگ اپنی جگہوں پر جم کر رہ گئے اور ڈون دو قدم بڑھا کر میرے قریب آ گیا۔ میں اُس کے احترام میں اس وقت تک سرنگوں کھڑا ہوا تھا۔

"اندر چلو!" ڈون نے میرا شانہ تھام کر نرم غراہٹ کے ساتھ کہا۔ میں نے محسوس کیا کہ اوپر کی جلد سخت ہونے کے باوجود' ڈون کی ہتھیلیاں ریشم کی طرح ملائم تھیں۔

میں نے ڈون کے پیچھے کمرے میں پیش قدمی کی اور دروازہ بند کر دیا۔

ڈون نے پلٹ کر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور سرد لہجے میں پوچھا۔ "ہیرے کہاں ہیں؟"

ڈون کے اس سوال پر میں اندر سے لرز کر رہ گیا۔ میں نے زبان سے مزید کچھ کہے بغیر' اپنی اندرونی جیب سے براؤن پیکٹ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔ وان لن اور روزیلی کی وحشیانہ مداخلت یہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھی کہ اس پیکٹ میں نایاب ہیرے ہی تھے لیکن پھر بھی میرا رُواں رُواں کانپ رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ اس پیکٹ میں سے ہیرے برآمد نہ ہوئے تو ڈون کسی جن کی طرح میری ٹانگیں چیر ڈالے گا۔

ڈون نے بے تابانہ انداز میں پیکٹ پر چڑھا ہوا کاغذ پھاڑ دیا۔ روزیلی کے بیان کے مطابق اندر سے پلاسٹک کا ایک سُبک اور نفیس کیس برآمد ہوا اور جب ڈون نے تجسس اور اشتیاق کے ساتھ اس کیس کا ڈھکن کھولا تو اُس میں روئی میں لپٹے ہوئے سات گولے ربر کی نفیس پٹی میں پھنسے ہوئے تھے۔ وہ پیکنگ بتا رہی تھی کہ وہ ہیرے ہی تھے۔ ڈون کی آنکھیں کسی ایسے ندیدے بچّے کی طرح وفورِ مسرت سے چمکنے لگیں جسے خلافِ توقع اپنی پسند کی کوئی چیز نظر آ گئی ہو۔

اُس نے بے احتیاطی ترک کی اور پھرتی سے میرے بستر پر بیٹھ کر وہ ڈبّا اپنی گود میں رکھ لیا۔ اس کی حالت دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ۔ ڈون قیمتی ہیروں کا شیدائی تھا۔ اس کے ہاتھوں کی جنبش کے ساتھ اس کی انگوٹھیوں میں جڑے ہوئے وزنی ہیرے ایسی تیز' نیلگوں روشنی کی کرنیں خارج کر رہے تھے کہ نگاہیں خیرہ

ہوئی جا رہی تھیں۔ اُس کا ذوق و شوق ان پتھروں کی تراش خراش سے صاف ظاہر تھا۔

اُس نے سات میں سے ایک عدد اٹھایا اور روئی کی تہیں اُدھیڑ کر الگ کر دیں۔ لحہ بھر میں اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا ہیرا اپنے کناروں سے پُراسرار شعاعیں خارج کر رہا تھا۔ ڈون اپنے داہنے ہاتھ کی پہلی انگلی اور انگوٹھے میں دبا کر چند ثانیوں تک اُس ہیرے کی ساخت کو آنکتا رہا پھر اُس نے بے اختیار اس ہیرے کو چوم کر اپنی مٹھی میں بھینچ لیا۔ اس کی طرف سے ہیروں کی تصدیق ہونے پر میری جان میں جان آئی۔

وان لن کی لاش اور بیم گن کی تلوار بدستور میرے سر پر لٹک رہی تھی مگر مجھے خوشی تھی کہ ہیرے پا کر ڈون کا دماغ بہت اونچا اُڑنے لگا تھا اور اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ فیاضی کے ساتھ' بیک جنبشِ لب میری تمام کردہ اور ناکردہ خطاؤں کو معاف کر کے غزالہ کو میرے حوالے کر دیتا۔

پہلے ہیرے کو میرے بستر پر رکھنے کے بعد وہ دوسرے ہیروں کی طرف متوجہ ہو چکا تھا اور میں اس فکر میں تھا کہ اس کا جوش و خروش ذرا کم ہو تو میں اسے وان لن کی موت کی خبر دوں۔ شاید اسے کوئی بھی اس واقعے سے آگاہ کرنے کی جسارت نہیں کر سکا تھا۔ اسے معلوم ہوتا تو وہ سب سے پہلے اُسی کے بارے میں دریافت کرتا کیوں کہ وان لن کی موت اس کے لیے بھی اہم واقعہ سے کم نہیں تھی۔

ڈون یکے بعد دیگرے ہیرے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہا اور میں اُس کے سامنے ادب سے کھڑا رہا۔

آخری ہیرا میرے بستر کی چادر پر سجانے کے بعد ڈون کسی ماہر رقاص کی طرح' قالین پر ناچتا اور تھرکتا ہوا میری طرف بڑھا۔ اس جیسے دیوہیکل اور بھدّے وجود کو اس قدر ماہرانہ انداز میں ناچتا ہوا دیکھ کر میری آنکھیں فرطِ حیرت سے پھیل گئیں لیکن ڈون اس وقت اپنے خوابوں کی دنیا میں مگن تھا۔ اس نے میری کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر مجھے اپنے سینے سے لگا لیا مگر سینہ کہاں؟ وہ تو مجھ سے خاصی دور تھا۔ اُس کے پیٹ سے چپک کر کمان کی صورت میں آگے جھکنے کے بعد بھی اس کے سینے تک... رسائی حاصل نہیں کر سکا۔ مجھے تقریباً بھینچتے ہوئے جب اس نے میری پیشانی کا بوسہ لیا تو اس کے دہانے سے اٹھنے والے شراب اور کچی مچھلی کی بدبو کے بھبکوں نے میرا دماغ اُڑا کر رکھ دیا۔ میں نے سانس روک کر آنکھیں بند کر لیں۔

"تم نے وہ کام کیا ہے کہ میں اچانک تم پر ناز کرنے لگا ہوں۔" اُس نے مجھ سے الگ ہو کر جھومتے ہوئے کہا۔ "کہو کیا چاہتے ہو؟ میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔"

وہ اپنے جاہ و جلال اور پُر ہیبت چہرے کے باوجود اس وقت ایک بچّے کی طرح معصوم اور بے ضرر نظر آ رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر میں ان لمحات کی خیر منا رہا تھا جب اسے یہ معلوم ہوتا کہ اُس کے نافرمان' وان لن کو ہلاک کرنے کے لیے بیم گن استعمال کی گئی تھی۔

"میں تمہارا ممنون ہوں ڈون! مجھے تمہاری خوشنودی اور دعاؤں کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیے۔ بس میری غزالہ میرے حوالے کر دو۔ وہ روئے زمین پر میری سب سے عزیز ہستی ہے۔"

میری فرمائش پر ڈون اچانک سنجیدہ ہو گیا اور اُس کے چہرے پر حیرت کے آثار ابھر آئے۔ "تم صرف ایک عورت مانگ کر یہ سنہرا موقع ضائع کر رہے ہو۔ جو چاہتے ہو' مانگ لو آج میں بہت خوش ہوں۔ تمہیں نہال کر دوں گا۔ زندگی میں پہلی بار' اتنی بڑی تعداد میں نادر ہیرے میرے قبضے میں آئے ہیں۔ ان میں سے ہر ہیرا نایاب اور انمول ہے اور تمہاری محنت کی وجہ سے یہ میرے ذخیرے کا حصہ بنے ہیں۔"

"تم جو کچھ دینا چاہو' اپنی مرضی سے دے دو۔ میری آرزو صرف اُسی لڑکی کی ہے۔ میرے لیے وہ کوئی عام سی عورت نہیں بلکہ میری محبوبہ ہے۔ اُسے حاصل کرنے کے لیے دنیا کے خزانے بھی قربان کر سکتا ہوں۔"

"حیرت ناک!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "مجھے تمہاری صحیح الدّماغی پر شبہ ہو رہا ہے۔ شاید تمہیں علم نہیں ہے کہ مکاؤ کے گھاٹوں پر دنیا بھر کی حسین اور نوخیز دوشیزاؤں کی منڈی لگتی ہے۔ تم تمیں' چالیس ہزار ڈالر میں اس سے کہیں زیادہ حسین اور ہوش رُبا لڑکی' عمر بھر کے لیے خرید سکتے ہو۔ اس دَور میں روایتی عشق و محبت کے دعوے مذاق لگتے ہیں۔ وہ لڑکی تو تمہیں ویسے بھی مل جاتی ہے۔ ڈون جس کسی کو انعام دیتا ہے' اسے چند راتوں کے لیے دو چار حسین عورتیں بھی ملتی ہیں۔ عورت کے بغیر دنیا کی ہر خوشی ادھوری رہتی ہے اور یہ خوشی صرف اور صرف رقم سے ملتی ہے۔"

میں ڈون سے بحث نہیں کر سکتا تھا اس لیے سر جھکائے' خاموش کھڑا رہا۔

"مجھے دیکھنا پڑے گا کہ اُس لڑکی میں ایسی کون سی خوبی ہے کہ تم اُس کی خاطر دنیا کی ہر نعمت ٹھکرا سکتے ہو۔" چند ثانیوں کے بعد ڈون بولا۔ "میرے نزدیک تو عورت حسین چہرہ اور متناسب بدن کا دوسرا نام ہے۔ یہ دونوں چیزیں عمر کے ساتھ ڈھلتی جاتی ہیں۔ ان کے فریب میں آ کر' کسی لڑکی کو عمر بھر کے لیے اپنے گلے کا ہار نہیں بنایا جا سکتا لیکن تمہارا عزم اور دعویٰ میرے عمر بھر کے تجربے کی نفی کر رہا ہے۔ تم ابھی میرے ساتھ چلو۔ میں اُس لڑکی کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ میری حویلی میں ایک بہترین خوابگاہ تمہارے تصرف میں دے دی جائے گی۔"

"میں زندگی بھر تمہارا احسان مند رہوں گا۔" میں نے اپنے سر کو خم دے کر کہا۔

"اور اب وان لن کے بارے میں بتاؤ! اُس کی لاش کہاں

ہے؟"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میں اُس کا سوال سن کر بھونچکا رہ گیا۔ اسے شروع ہی سے سب کچھ معلوم تھا لیکن اس کے نزدیک وان لِن کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ اُس نے سارے معاملات سے فارغ ہونے کے بعد آخر میں اُس کا ذکر چھیڑا تھا۔

"شوائے نے موبائل فون پر مجھے بتایا تھا۔ میرے ایک دشمن کو مار کر تم نے میرا دل جیت لیا ہے!"

"میں اُسے ہرگز نہ مارتا۔" میں نے مدافعانہ انداز میں کہا۔ "لیکن اس نے تمہارے لیے نازیبا کلمات استعمال کرنے شروع کیے تو میرا دماغ سنک گیا....."

"وہ میری آستین کا سانپ تھا۔ اُس کا مزید ذکر نہ کرو۔ مجھے غصہ آجائے گا۔"

"اُس کی لاش اس بوری میں بند ہے۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔

ڈون ٹہلتا ہوا اُس بوری کی طرف بڑھا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"گڈ!" ڈون نے بوری دیکھ کر کہا۔ "تم نے اس کے آخری سفر کی پوری تیاری کی ہوئی ہے۔"

پھر اُس نے جھک کر اچانک ہی وہ وزنی بوری اپنے داہنے ہاتھ میں اٹھالی اور دو تین ہچکولے دینے کے بعد وہ بوری پوری قوت سے باتھ روم کی دیوار پر دے ماری۔

ایک پُرشور دھماکے کے ساتھ ہی لاش کی ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز آئی۔ ڈون نے وہی عمل دوسری اور تیسری بار بھی دُہرایا۔ اس کی قوت کے اس حیرت انگیز مظاہرے نے مجھے خاصا مرعوب کیا۔ میرا اندازہ تھا کہ لاش کی بیشتر ہڈیاں اپنی جگہ چھوڑ کر متعدد ٹکڑوں میں منقسم ہو چکی تھیں۔ میرے لیے اہم ترین بات یہ تھی کہ ڈون نے بوری کا منہ کھول کر وان لِن کی لاش کا جائزہ لینے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں لی تھی۔

ڈون نے پہلی مرتبہ بوری کو قالین پر سے اٹھایا تو وزن کی وجہ سے پیدا ہونے والے کھچاؤ اور زاویوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس بوری میں کوئی انسانی وجود مقیّد اور محبوس ہے لیکن دیوار پر' پوری طاقت سے لگائی جانے والی تین ضربات کے بعد یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں رہا تھا کہ اس بوری میں کسی انسان کی لاش تھی یا وزنی پتھر اور روڑے بھرے ہوئے تھے۔

اپنے مرے ہوئے حریف کی ہڈیوں کو توڑنے پھوڑنے کے بعد ڈون نے وہ بوری حقارت کے ساتھ قالین پر پھینک دی اور بڑبڑاتے ہوئے انگریزی میں بولا۔ "خس کم جہاں پاک"

"میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ مکاؤ میں رہنے والا کوئی مقامی تمہاری شان میں اس قدر گستاخانہ زبان استعمال کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔" میں نے اُس کی مزید خوشنودی حاصل کرنے کے لیے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "وہ ہیروں پر قابض ہونے کے بعد یہاں سے غائب ہونے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔"

ڈون کسی خونخوار درندے کی طرح وحشیانہ انداز میں دانت نکال کر ہنسا پھر غرّاتے ہوئے بولا۔ "اس کا منصوبہ سو فیصد کامیاب رہا۔ وہ مکاؤ سے ہی نہیں' دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ میں حیران ہوں کہ تم کیا بلا ہو۔ میرے آدمی پچھلے تین دنوں سے' مکاؤ میں داخلے کے ہر قانونی اور غیر قانونی راستے پر گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ حرام زادے قریب المرگ گِدھوں کی طرح اونگھتے رہ گئے اور تم ہیرے لے اُڑے۔ یہ تمہاری نیک نیتی تھی کہ تم نے ہیروں کے بارے میں مجھ سے رابطہ کر لیا۔ یہی خزانہ کسی اور کے ہاتھ لگا ہوتا تو وہ تھوڑی سی کوشش کر کے' چور بازار میں سودا کر کے لاکھوں کما سکتا تھا۔ تم نے میرا بہت بڑا کام کیا ہے۔"

"قدرت کو مجھے تمہارے سامنے سرخ رو کرنا تھا جو میں یہ کام کر گزرا ورنہ شوائے نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ تم میری آواز سننے کے بھی روادار نہیں ہو۔"

ڈون ایک مرتبہ پھر مسہری پر بیٹھ کر ہیروں کی چمک دمک سے اپنا دل بہلاتے ہوئے بولا۔ "اس لڑکی نے میرے ساتھ بہت بُرا کیا۔ غصے نے میرا دماغ الٹ کر رکھ دیا تھا لیکن تم حیرت ناک آدمی ہو۔ ہیرے لا کر تم نے میرا دل موہ لیا ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں وان لِن کے معاملے کی اہمیت گھٹا رہا ہوں۔ مکاؤ میں اس پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں تھا۔ چھوٹے موٹے بدمعاش تو اُس کے نام کی دہشت سے ہی میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے لیکن تم نے اسے کسی بیمار چوہے کی طرح مار کر بوری میں باندھ کر رکھ دیا۔"

اپنی اس تعریف پر میں خاموشی کے ساتھ سر جھکائے کھڑا رہا۔

ڈون کوانگ فو کے چہرے کے ایک ایک نقش سے اُس کی اتھاہ دلی مسرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ بار بار ہیروں کو دیکھ رہا تھا لیکن اُس کا دل بھرتا ہوا نظر نہیں آرہا تھا۔

آخر کار اسے احساس ہوا کہ وہ اپنی حویلی میں نہیں' بلکہ بنگو کلب کے ایک رہائشی کمرے میں بیٹھا ہوا ہے اور باہر' ہوٹل کے عملے کے ساتھ ہی' اس کا ایک ملازم بھی اس کی واپسی کا منتظر ہے۔ اس نے ان ہیروں کو بہت زیادہ احتیاط کے ساتھ روئی میں لپیٹ کر پلاسٹک کی ڈبیا میں سجانا شروع کر دیا۔

"ویرا سے تمہاری کیا رشتے داری ہے؟" آخری ہیرے پر روئی کی تہیں جماتے ہوئے' اس نے اچانک ہی ایک بونگا سوال داغ دیا۔

"کک... کوئی بھی نہیں!" میرے ذہن نے فی البدیہہ قلابازی کھائی۔ "اس کی غزالہ سے گہری دوستی ہے' میرا اور اُس کا بس اتنا ہی تعلق ہے۔"

یہ درست ہے کہ ڈون کوانگ فو' شی کا ایک پرانا آئی مین تھا لیکن وہ شی کے بین الاقوامی معاملات سے بڑی حد تک بے خبر معلوم ہوتا تھا۔ اس کی ساری دلچسپیاں اور ذمّے داریاں مشرق بعید کے اسی دور افتادہ علاقے تک محدود تھیں جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو میرا اور غزالہ کا نام سنتے ہی اسے چونکنا چاہیے تھا کیوں کہ جی لائیڈ سے میرے تصادم کے نتیجے میں یورپ کے کئی آئی مین مارے گئے تھے اور ڈیلی کا نام ان کے لیے ہوّا بنا ہوا تھا۔ ویرا نے ابتدا میں اس سے بات کی تو بھی کوانگ فو نے کسی تحیّر آمیز ردِ عمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں اس کے مزاج کی تیزی سے واقف ہونے کے باوجود' بے خوف و خطر مکاؤ تک دوڑا چلا آیا تھا۔

میرے لیے خطرناک بلکہ تباہ کن امکان' ڈان نیشی کاؤ کی آمد کا تھا کیوں کہ وہ میرے تنازع میں شی اور مافیا کے درمیان کوانگ فو کو ثالث بنانا چاہتا تھا۔ نیشی کاؤ کے ذریعے کوانگ فو کو میرے بارے میں ہر چھپی ہوئی بات معلوم ہو جاتی اور اسی کے ساتھ میں نیشی کاؤ اور کوانگ فو کی مشترکہ دشمنی کا ہدف بن جاتا۔

"اور ویرا خود کہاں غائب ہے؟" ڈون کے اگلے سوال نے مجھے چونکا دیا۔

"اُس کی سرگرمیاں کچھ پُراسرار سی ہیں۔" میں نے محتاط انداز میں کہا۔ "وہ ملتی ہے تو روز ہی ملتی رہتی ہے پھر کسی اطلاع کے بغیر اچانک مہینوں کے لیے غائب ہو جاتی ہے۔ اُس کے آنے جانے کا کسی کو کچھ علم نہیں ہوتا۔"

ڈون کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ہلکی سی غرور آمیز مسکراہٹ پھیل گئی' جیسے ویرا کی کارکردگی پر میرا تبصرہ سن کر اُسے کوئی اندرونی تسکین حاصل ہوئی ہو پھر وہ ہیروں کی ڈبیا کو بند کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

" فکودا!" اس نے وہیں سے تیز آواز لگائی۔ لمحہ بھر کی تاخیر کے بعد کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور میں نے لپک کر دروازہ کھول دیا۔ گنجا فکودا' کسی پشتینی غلام کی طرح سر جھکائے اور اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اندر آگیا۔

ڈون نے ٹہلتے ہوئے' آگے بڑھ کر وان لِن والی بوری کو ٹھوکر مارتے ہوئے' فکودا کو چینی یا جاپانی زبان میں ہدایات دینی شروع کر دیں۔ فکودا کی کھوپڑی مشینی تسلسل کے ساتھ اوپر نیچے ہلنے لگی۔

چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد میں نے اندازہ لگایا کہ دیو پیکر ڈون' چینی زبان نہیں بول رہا تھا۔ ایک اجنبی کے لیے چینی زبان کا صوتی تاثر چیں' چن' چیاؤں' ژنگ' ژیانگ جیسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر مشتمل ہوتا ہے جب کہ جاپانی زبان میں چ اور ش کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ الفاظ بھی قدرے کھینچ کر ادا کیے جاتے ہیں جس سے ہمارے ملک کی بڑی بوڑھیوں کی تحیّر آمیز گفتگو کی یاد تازہ ہونے لگتی ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ فکودا میں ایسی کون سی خوبی تھی کہ ڈون جیسا سخت گیر اور سفاک مجرم' اس سے گفتگو کرنے کے لیے' اس کی مادری زبان سیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

میرے لیے وہ صورتِ حال بہت دلچسپ اور مضحکہ خیز تھی۔ گوشت اور ہڈیوں کے ایک عظیم الشان گنبد کے اوپری حصے سے آوازیں خارج ہو رہی تھیں اور شفاف کھوپڑی والا' پستہ قد مسلسل سر ہلائے جا رہا تھا۔ جوں ہی ڈون خاموش ہوا فکودا اپنی جگہ چھوڑ کر تیزی سے دوڑا پھر اس نے وان لِن کی لاش والی وزنی بوری پہلی ہی کوشش میں دونوں ہاتھوں پر اپنے سر سے بلند کر کے باتھ روم والی دیوار پر دے ماری۔

اس مرتبہ وان لِن کے مُردے کی متعدد ہڈیاں اور پسلیاں کڑکڑا کر ٹوٹ گئیں۔

"چلو!" ڈون کوانگ فو نے محبت کے ساتھ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"لیکن وہ لاش؟" میں نے اُس کے ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"تم چلے آؤ' آج حرام زادہ وانگ ماؤ مُردہ ڈھوئے گا۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔

فکودا کسی سدھائے ہوئے خونخوار کتّے کی طرح ہم دونوں کے پیچھے چلا آرہا تھا۔

وانگ ماؤ اور اُس کے چاروں ملازمین اپنے مُتے ہوئے چہروں کے ساتھ راہداری میں کھڑے کانپ رہے تھے۔ ڈون ان کے قریب پہنچا تو وہ سب رکوع کے انداز میں تعظیماً دُہرے ہو گئے لیکن ڈون ان پر ذرا بھی توجہ دیے بغیر' متکبرانہ انداز میں آگے نکلتا چلا گیا۔ فکودا لمحہ بھر کے لیے ان کے قریب رکا اور کوئی ہدایت دینے کے بعد ایک مرتبہ پھر ہمارے پیچھے ہو لیا۔ وہ پانچوں تیزی کے ساتھ میرے کمرے میں جا گھسے تھے۔

نیچے ڈون کی نئی اور چمکدار پورشے کار موجود تھی جس کا شمار دنیا کی سب سے قیمتی کاروں میں کیا جا سکتا تھا۔ فکودا نے بڑھ کر ڈون کے لیے دروازہ کھولا۔ اسی اثنا میں وانگ ماؤ اپنے دو ملازمین کے ساتھ' وزنی بوری اٹھائے' ہانپتا کانپتا وہاں آپہنچا۔

ڈون اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وان لِن کی لاش بے دردی کے ساتھ سرخ پورشے کی ڈکی میں ڈال دی گئی۔ میرے حصے میں آرام دہ عقبی سیٹ آئی اور فکودا نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

اس بار مکاؤ کی سڑکوں پر اور تفریح گاہوں میں زیادہ رونق نظر آئی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے رات ڈھلنے کے ساتھ ساتھ مکاؤ میں زندگی کی خمار آگیں سرگرمیاں تیز ہوتی چلی جاتی تھیں۔

راستے میں ایک بار ڈون نے فکودا سے کچھ کہا اور فوراً ہی پورشے کا رخ نسبتاً گنجان اور خستہ حال آبادی کی طرف ہو گیا۔ میں خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ چند منٹ تک پُرپیچ راستوں پر سفر کرنے کے بعد سمندر کی لہروں کا شور سنائی دینے لگا اور آخر کار پورشے زمین چھوڑ کر ایک تنگ سی چوبی جیٹی پر چڑھ گئی۔ وہاں

پھیلی ہوئی تاریکی اور ویرانی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جیٹی عرصۂ دراز سے متروک تھی۔

پورشے کا انجن اور روشنیاں بند ہوتے ہی ایک طرف سے دو انسانی ہیولے دوڑتے ہوئے جیٹی پر چڑھ آئے۔ فکودا اندر سے کام کرنے والے خود کار میکانزم کے ذریعے ڈکی کو غیر مقفل کر چکا تھا جیسے ہی آنے والوں نے ڈون کی سمت والی بند کھڑکی کے سامنے رک کر' منمناتے ہوئے اُسے تعظیم دینے کا سلسلہ شروع کیا تو فکودا اپنی سیٹ چھوڑ کر نیچے اتر گیا۔

ڈون نے بٹن کے ذریعے کھڑکی کا شیشہ گرا کر چند بڑے نوٹ اُن دونوں کی طرف بڑھا دیے۔ اسی وقت فکودا نے کچھ کہا اور ان دونوں نے پھرتی کے ساتھ' ڈکی سے بند بوری نکال کر سمندر میں پھینک دی۔

چھپاک کی پُرشور آواز کے ساتھ ہی تاریک سمندر میں سے کچھ خونخوار حیوانی آوازیں ابھریں لیکن میں وان لِن کا انجام دیکھنے کے لیے وہاں نہیں رک سکا۔ فکودا نے ڈکی مقفل کر کے فوراً ہی گاڑی ریورس کر کے اس جیٹی سے اتاری اور واپس آبادی کی طرف روانہ ہو گیا۔

میرے لیے وہ تجربات انتہائی حیران کن بلکہ ناقابلِ یقین تھے۔ میں نے پاکستان میں بھی جرائم پیشہ لوگوں کی قانون پر بالا دستی کے بہت سے مظاہرے دیکھے تھے لیکن وہاں ہر مجرم اپنی شناخت اور ثبوتوں کی فراہمی کے ہر امکان کو ختم کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ ناقابلِ تردید شہادتیں سامنے آ جانے کے بعد راشی اور بدعنوان افسران بھی اُن پر مقدمے چلانے پر مجبور ہو جاتے تھے لیکن مکاؤ میں ڈون کی بادشاہی کا انداز ہی نرالا تھا۔

وان لِن مکاؤ کا کوئی گمنام یتیم اور مسکین نہیں تھا۔ ظاہری حمایت کے علاوہ اس کے بہت سارے درپردہ حلیف اور ہمدرد بھی ہو سکتے تھے لیکن ڈون اُس کے قتل پر ذرا بھی متردّد یا متفکر نہیں تھا۔ اس کے برعکس اس نے بنگو کلب میں یا متروک جیٹی پر اپنی شناخت چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ وان لِن کے سفاکانہ قتل کا ذمّے دار نہیں تھا لیکن اُس کی مسخ شدہ لاش کو ٹھکانے لگانے میں وہ ابتدا سے آخر تک کھل کر شریک رہا تھا۔

ڈون کی اس لرزہ خیز بے خوفی کی دو ہی وجوہ ہو سکتی تھیں۔ اسے کامل یقین تھا کہ مکاؤ کی بھری آبادی میں سے کوئی بھی شخص اس کے خلاف گواہی دینے کی جسارت نہیں کر سکے گا اور اگر کسی نے ایسی حماقت کا ارتکاب کر بھی لیا تو انتظامیہ یا عدلیہ میں موجود' ڈون کے نمک خوار اسے فاترالعقل قرار دے کر کہیں خرد برد کر دیں گے۔ ان امکانات پر سوچتے ہوئے میں اندر ہی اندر لرز کر رہ گیا۔

مکاؤ کی پُرپیچ پہاڑی سڑکوں کی چڑھتی اترتی ڈھلانوں پر سفر کرتے ہوئے ڈون اچانک ہی مجھ سے سوال کر بیٹھا۔ "تمہاری دانست میں اس وقت وان لِن کہاں ہو گا؟"

"سمندری لہروں کے دوش پر بھٹک رہا ہو گا۔" میں نے انجان بن کر کہا۔

ڈون سرد اور سفاکانہ انداز میں ہنس پڑا۔ "مکاؤ بہت بڑی تجارتی منڈی ہے' اس کے ساحل کا ہر انچ ان تجارتی سرگرمیوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ان سرگرمیوں کی وجہ سے مکاؤ کے اطراف میں پائے جانے والے سمندری گھڑیال خونخوار بلکہ آدم خور ہو گئے۔ انہیں جب اور جہاں موقع ملتا کشتیوں سے انسانوں یا مویشیوں کو سمندر میں گھسیٹ لے جاتے تھے۔ آخر کار ہم نے اُن کے لیے جنوب کا کچھ حصہ خالی کر دیا۔ اب وہ سب سمندری جانور اسی کھاڑی میں رہتے ہیں۔ ملّاحوں کی انجمن انہیں خوراک ڈالتی رہتی ہے لیکن اُن کے منہ کو انسانی خون لگ چکا ہے۔ اب تک وان لِن کی ہڈیاں بھی ان آدم خور گھڑیالوں کے معدوں میں پہنچ چکی ہوں گی۔ میرے باغی عام طور پر اسی خونی کھاڑی میں اتارے جاتے ہیں۔"

"تم جیسے بارسوخ آدمی کے باغیوں کے لیے یہی سزا مناسب معلوم ہوتی ہے۔" میں نے اضطراری طور پر جھرجھری پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تم بھی کانپ کر رہ گئے!" ڈون زور سے ہنسا۔ "تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ اب تم ایک ایسے شخص کے مہمان ہو' جس کے دشمنوں کا ٹھکانا آدم خور مگرمچھوں کے معدے میں ہوتا ہے۔"

"میں نے سنا ہے کہ تمہارے علاوہ' یہاں ایک گورنر ہوتا ہے۔ یہاں پرتگیزی قانون رائج ہے۔ یہ رکاوٹیں کبھی تمہارے آڑے نہیں آتیں؟" میں نے ڈرتے ڈرتے وہ سوال کر ہی ڈالا۔

"مکاؤ آزاد تجارتی منڈی ہے۔ یہاں کے آدھے سرکاری اخراجات میرے عطیات اور چندوں سے چلتے ہیں۔ مکاؤ کے آدھے سے زیادہ نائٹ کلب اور سپر اسٹور میری ملکیت ہیں۔ یہ کتّے جس دن مجھ پر بھونکنے کی غلطی کریں گے میں اپنا سارا سرمایہ سمیٹ لوں گا اور مکاؤ دیوالیہ ہو جائے گا۔ آزاد معیشت میں جہاں عیش اور آزادیاں ہیں وہاں یہ خرابی بھی ہے کہ بڑی بڑی اجارہ داریاں وجود میں آ جاتی ہیں۔ مکاؤ کا گورنر مجھ سے ٹکراؤ مول نہیں لے سکتا۔ میں اس سرزمین کی بجلی اور پانی تک بند کر سکتا ہوں۔"

سفر کا اختتام ایک مسطح پہاڑی پر بنے ہوئے محل نما مکان پر ہوا جہاں بہت بڑی محراب کے نیچے برقی موٹروں سے کھلنے اور بند ہونے والے آہنی پھاٹک نصب تھے۔ متعدد تیز اور دھیمی روشنیوں سے آراستہ اس پھاٹک پر مسلح اور باوردی محافظوں کا ایک دستہ مامور تھا۔ پھاٹک کے پیچھے' دیوار کے ساتھ دونوں طرف بڑے کمرے بنے ہوئے تھے جو آباد تھے۔ اس لاؤ لشکر کو دیکھ کر ہی اس حویلی میں رہنے والے کے رئیسانہ ٹھاٹ باٹ کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ ڈون کی پورشے پر جس کی بھی نظر پڑ رہی تھی وہ اپنی جگہ احتراماً جھکتا چلا جا رہا تھا۔ ڈون کی گاڑی کے آگے بڑھ جانے کے بعد بھی لوگ کئی ثانیوں تک اسی حالت میں تھے۔

پختہ اور سیاہ سڑک بَل کھا کر حویلی کی ایک دیوار کے ساتھ ہو گئی تھی۔ سڑک کے دونوں کناروں پر روشنی کے ساتھ ہی رنگ برنگے پھولوں کے خوشنما تختے اِستادہ تھے۔ داہنی طرف گھاس اور پھولوں کی کیاریوں کے متعدد قطعات پر مشتمل' دو ڈھائی ایکڑ وسیع میدان پھیلا ہوا تھا۔ احاطے کی دیوار کے علاوہ آہنی کھمبوں پر بھی جابجا روشنی کے انتظامات نظر آ رہے تھے جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ضرورت پیش آنے پر اس میدان کو کسی بھی وقت روشنی میں نہلایا جا سکتا ہے۔

معلوم ہو رہا تھا کہ ڈون اسی میدان میں اپنی تقریبات کا انعقاد کرتا رہا ہو گا۔ اس میدان سے آگے سڑک ایک مرتبہ پھر داہنی طرف گھوم گئی اور درختوں کے کنج میں سے گزرتی ہوئی' قدیم طرز کی ایک شاندار عمارت کے پورچ میں جا رکی۔ بڑے بڑے منقش ستونوں اور سیڑھیوں کے گرد پھول ہی پھول بکھرے ہوئے تھے۔ رنگوں کے انتخاب اور قرینے سے پھولوں کے بارے میں ڈون کی خوش ذوقی جھلک رہی تھی۔

خلافِ توقع اس حصے میں کوئی بھیڑ بھاڑ نظر نہیں آئی۔ سیاہ لبادوں میں ملبوس دو مضبوط خدمتگار' کار رکتے ہی آگے بڑھے۔ ایک نے ڈون کا اور دوسرے نے میرا دروازہ کھول کر سر جھکا لیا۔

ڈون کار سے اترا تو اس کے دیو پیکر وجود کے سامنے بقیہ تمام لوگ بونے اور حقیر نظر آ رہے تھے۔

کتھئی پتھر کی سلوں سے بنی ہوئی کشادہ سیڑھیاں عبور کر کے ڈون برآمدے میں پہنچا' پھر عمارت میں داخل ہو گیا۔ وہ کسی ہلکے پھلکے آدمی کی طرح تیزی' پھرتی اور آسانی کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ باہر والے دونوں ملازمین باہر ہی رہ گئے تھے۔

"میں تمہیں ڈرائنگ روم کے بجائے' اپنے خاص کمرے میں لے جا رہا ہوں۔" ڈون نے منقش اور آراستہ راہداریوں سے گزرتے ہوئے کہا۔ "میری اجازت کے بغیر کوئی بھی وہاں قدم نہیں رکھ سکتا۔"

"میں اس عزت افزائی کے لیے تمہارا ممنون ہوں۔" میں ڈون کی حویلی کی اندرونی ساخت اور بیش قیمت آرائش دیکھ کر دل ہی دل میں مرعوب ہوا جا رہا تھا۔ قالینوں' پردوں' دمکتے ہوئے سقف گیر فانوسوں' دیوار گیر روشنیوں کے ساتھ ہی شیشے اور سنگِ مرمر کے حسین و جمیل مجسموں پر دل کھول کر پیسہ بہایا گیا تھا۔

آخر کار ڈون ایک بڑے سے چوبی دروازے کو دھکیل کر اندر داخل ہو گیا۔ اس دروازے میں غالباً الیکٹرانک قفل نصب تھا جو ڈون کی کسی شناخت کے ذریعے حرکت میں آتا تھا۔

اسے کمرا کہا جا سکتا تھا نہ دالان۔ وہ ایک بہت طویل و عریض کمرا تھا جس میں ہر طرف نرم اور دبیز قالین بکھرے ہوئے تھے۔ سامنے کے حصے میں متعدد دروازے نظر آ رہے تھے جن پر ہلکے رنگ کے حریری پردے لہرا رہے تھے۔ ایک طرف شیشے کی ٹرالی پر بیش قیمت شرابیں' گلاس' بلور کے جام اور آئس پاٹ رکھے ہوئے تھے۔ دوسری بند ٹرالی میں سے مختلف اقسام کے بُھنے ہوئے گوشت کی اشتہا انگیز خوشبوئیں پھوٹ رہی تھیں۔ کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ دروازے سے کچھ دور' فرش سے تقریباً ایک فٹ بلند ایک تخت یا گدا تھا جو تقریباً بیس فٹ کے قطر پر محیط تھا۔ اس اونچے گدّے پر ریشم کی جھالروں والے ایرانی قالین پر نگاہ نہیں ٹھہر رہی تھی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ قالین اس گدّے کے لیے بنایا گیا تھا یا پھر قالین کے لیے خاص طور پر وہ گول گدا بنایا گیا تھا۔

اپنے اس عشرت کدے میں پہنچتے ہی ڈون نے شاید چینی زبان میں کسی کو طلب کیا۔ فوراً ہی سامنے والے حریری پردوں میں سے ایک میں جنبش ہوئی اور ایک نازک اندام اور کمسن دوشیزہ تقریباً دوڑتی ہوئی ڈون کے گول اور نرم بستر کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ اس وقت تک ڈون جوتوں سمیت' نرم گدّے پر گر چکا تھا۔ میں حیران و پریشان اس گول بستر کے کنارے پر کھڑا ہوا تھا۔

میرے لیے وہ عشرت کدہ ہی حیران کن تھا لیکن ڈون کے پکارنے پر جو نوخیز لڑکی نمودار ہوئی اس نے میرے ہوش و حواس کو منتشر کر کے رکھ دیا۔ وہ کم سن اور خوبرو تھی۔ اس کی جلد کا زہد شکن تناؤ اس کی عمر کا دہاڑتا ہوا پیمانہ تھا۔ وہ برہنہ نہیں تھی لیکن اس نے اپنی ستر پوشی کے لیے جو نرم اور چکیلا لباس استعمال کیا تھا وہ برہنگی سے کہیں زیادہ مختصر اور اشتعال آور تھا۔

ڈون نے چند چھوٹے چھوٹے فقروں میں اسے کوئی ہدایت دی اور وہ فوراً ہی حریری پردوں والے کمروں کی طرف چلی گئی۔ ڈون میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "جوتے اتار دو۔ اب تم بھی میرے ساتھ بیٹھو گے۔"

میں ابھی جوتوں کے بند کھولنے بھی نہ پایا تھا کہ اچانک چھ عدد حسین و جمیل' کم سن' نازک اندام' خوبرو اور خوش ادا لڑکیاں تکنیکی اعتبار سے ستر پوش لیکن دوسرے ہر اعتبار سے بے لباسی کے عالم میں دوڑتی ہوئی آئیں اور بے محابا ڈون جیسے تند خو شخص کے بستر پر چڑھ کر اس کے گرد پھیل گئیں۔ ان کے وہاں پہنچتے ہی کسی خفیہ نظام کے تحت ایک وزنی جال سا اُن پر آ گرا۔ سیمیں بدن لڑکیاں اس واردات کے لیے پہلے سے تیار تھیں۔ انہوں نے جال کو اپنے ہاتھوں پر سنبھالا اور پھر لمحہ بھر میں' اوپر سے گرنے والا جال' کپڑے کے ایک مخروطی خیمے کی صورت میں ڈون کی مسند کے چاروں طرف پھیلا دیا گیا۔ اس مخروطی خیمے کا اوپری' نکیلا حصہ بدستور چھت کے ساتھ منسلک تھا۔

خیمے کا کپڑا اتنا دبیز تھا کہ اُس کی دوسری طرف دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ میں اس خیمے سے باہر رہ گیا تھا۔ اندر کیا ہو رہا تھا اس کے بارے میں صرف قیاس ہی کیا جا سکتا تھا۔ میں سر جھٹک کر اپنے

دوسرے جوتے کے بند کھولنے میں مصروف ہو گیا۔
ڈون اپنے اس شاندار اور پُرتعیش بستر پر جوتوں سمیت دراز ہو گیا تھا لیکن اس نے مجھے جوتے اتار کر اپنے ساتھ بیٹھنے کی دعوت دی تھی۔ دونوں جوتے اتارنے کے بعد میں مخمصے میں پڑ گیا کہ خیمے میں گھسوں یا باہر ہی رک کر ڈون کے اگلے حکم کا انتظار کروں۔ اس دوران میں خیمے میں سے لڑکیوں کی کھنکتی ہوئی بے ساختہ ہنسی بھی سنائی دے رہی تھی جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بظاہر تند خو اور سخت گیر نظر آنے والا ڈون' خوبصورت چلبلی لڑکیوں میں گھر کر خوش مزاجی کے مظاہرے پر اتر آیا تھا۔

ڈون کی دہشت انگیز شہرت اور وان لرن کی لاش کے ساتھ اس کا وحشیانہ سلوک دیکھنے کے بعد' وہ تبدیلی میرے لیے شدید ذہنی جھٹکے سے کم نہیں تھی۔ چند منٹ بعد میرے ذہن نے سنبھالا لیا تو میں اپنے احمقانہ خیال پر دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

بادی النظر میں' اس کمرے میں ڈون اور اس کی چھ خادماؤں کے علاوہ صرف میں ہی باہر کا آدمی تھا۔ ڈون کو مجھ سے پردہ نہ کرنا ہوتا تو اس خوش باش ٹولی پر وہ دبیز مخروطی پردہ پھیلانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ مجھے جوتے اتار کر اندر گھسنے کے بجائے باہر ہی ٹھہرنا چاہیے تھا۔ وہ بالکل سامنے کی بات تھی لیکن ڈون کی پہلودار شخصیت کے رعب نے مجھے اس پر بھی سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

میں اندر سے آنے والوں پر سے اپنی توجہ ہٹانے اور وقت گزارنے کے لیے اس عشرت کدے کا تفصیلی جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔

میں نے عیاش اور فراخ دل رؤسا کے خلوت کدوں کے بارے میں بہت کچھ سنا اور پڑھا ہوا تھا لیکن ڈون کا وہ کمرا ان سب سے بہت آگے تھا۔ وہاں بہت سی چیزیں میرے لیے اجنبی تھیں لیکن چھت میں نصب خوبصورت روشنیوں وغیرہ کے درمیان میں ہر سمت میں حرکت کرنے والے نگراں کیمروں کی موجودگی میرے لیے تعجب خیز تھی۔ ان مووی کیمروں کے ذریعے اس کمرے کی صورت حال کو کہیں مانیٹر کیا جا سکتا تھا اور ساتھ ہی ویڈیو فلم بھی بنائی جا سکتی تھی۔

آخر کار میں سرسراہٹ کی آواز پر پلٹا تو وزنی پردہ سمٹ کر تیزی سے چھت کی طرف' ایک سنہرے آرائشی بکس میں غائب ہو رہا تھا۔ ڈون اکھاڑے کے کسی بدمست پہلوان کی طرح گاؤ تکیوں کے سہارے اپنی مسند پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر سے ٹی شرٹ اور پتلون غائب ہو چکی تھی اس کی جگہ کرتے اور تہمد سے ملتا جلتا' ایک ڈھیلا ڈھالا اور سفید لباس لے چکا تھا جس کی وجہ سے ڈون کا تن و توش مزید نمایاں ہو گیا تھا۔

لڑکیاں پردہ اوپر سرکنے تک اس مسند پر موجود رہیں۔ اُن کی کوشش تھی کہ اوپر جاتے ہوئے پردے کا کوئی بھی کنارا ڈون کے بدن سے نہ لگنے پائے۔

پردہ غائب ہوتے ہی تمام لڑکیاں ڈون کی طرف گھوم کر خمیدہ ہوئیں۔ اس وقت وہ منظر کسی اوپیرا کا منظر پیش کر رہی تھی جہاں پروگرام ختم ہونے کے بعد رقاص اداکار تماشائیوں کی داد کا جواب دے رہے ہوں۔ لمحہ بھر بعد ہی وہ لڑکیاں ڈون کی مسند سے اتر کر کمرے میں پھیل گئیں۔ بظاہر یوں معلوم ہوا جیسے وہ سارا ناٹک صرف ڈون کے کپڑے تبدیل کرانے کے لیے رچایا گیا تھا۔

اگر ڈون واقعی اس قدر کاہل تھا کہ خلوت میں جا کر خود اپنا لباس بھی تبدیل نہیں کرتا تھا تو یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ ویرا کی فرمائش پر اس نے ہانگ کانگ تک دوڑ لگا کر کس قدر غیر معمولی دلچسپی کا ثبوت دیا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں ویرا پر بہت بڑا احسان کرنا چاہا لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے اسے اپنے آدمیوں کی خود غرضی کا خمیازہ بھگتنا پڑا اور جب وہ اس مرحلے سے بھی گزرنے میں کامیاب ہو گیا تو غزالہ نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر کے اسے پولیس کی نظروں میں مشکوک بنا دیا۔

پاکستان میں بیٹھ کر ڈون کو انگ فو کی عادات و خصائل اور طرز زندگی کا تصور کرنا بھی ناممکن تھا۔ وہ اپنی تذلیل اور توہین پر مشتعل تھا تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔

اسی پیمانے پر' میرے دیے ہوئے ہیروں کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا کیوں کہ ان کی خبر پاتے ہی ڈون جیسا کاہل الوجود شخص فوراً حویلی چھوڑ کر بنگو کلب کی طرف دوڑ پڑا تھا۔ غزالہ نے اس کی پہلی بھاگ دوڑ کو قہر و غصے میں تبدیل کر دیا تھا لیکن یہ غنیمت تھا کہ میں نے اس کی دوسری پیش رفت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے دل میں اپنا ایک مقام پیدا کر لیا تھا جسے صرف مردود نیشی کاوُ ہی تباہ کر سکتا تھا۔

"آؤ! میرے پاس آ جاؤ!" ڈون نے کسی جاہ طلب شہنشاہ کی طرح نرم گدّے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "میں اُس لباس میں ہمیشہ بے آرام رہتا ہوں لیکن باہر نکلنے کے لیے کچھ نہ کچھ تکلف کرنا ہی پڑتا ہے۔ مکاؤ میں پتلون نہ پہننے والے چینیوں کو غیر ملکی حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔"

مجھے حیرت ہوئی کہ ڈون جیسے آدمی کو بھی غیر ملکیوں کی رائے کی فکر رہتی تھی۔

ڈون کی مسند کی نرمی عجیب سی تھی۔ محض لیٹ یا بیٹھ کر اُس مسند کی وسعت کو طے کرنا ممکن نہیں تھا اس لیے جب میں نے اس پر چلنا شروع کیا تو نہ میرے قدم بہت زیادہ دھنسے اور نہ ہی اس پر پڑا ہوا بیش قیمت قالین شکن آلود ہوا۔ قدم اٹھتے ہی قالین ہموار اور مسطح ہوتا جاتا تھا لیکن جب میں ڈون کے قریب بیٹھا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں دھنکی ہوئی روئی کے ڈھیر پر جا بیٹھا ہوں۔

"میں تمہارا محل دیکھ کر دنگ رہ گیا ہوں۔" درحقیقت میری یہ بات بالکل درست تھی لیکن اس وقت میری نیت ڈون کی انا کو

ابھارنے کی تھی۔ "یہاں کی کسی چیز پر نگاہ نہیں ٹھہرتی۔"

"یہ میرا شوق ہے۔ یہاں لیونارڈو ڈاونچی اور مائیکل اینجلو سے لے کر پابلو پکاسو تک کے شاہکار بھرے ہوئے ہیں۔ قانونی طور پر آرٹ کے جو نادر شاہکار میری تحویل میں ہیں ان کی مالیت ساٹھ لاکھ ڈالر سے زیادہ ہے۔ چھوٹی موٹی چیزوں کی تو کوئی گنتی ہی نہیں ہے۔"

میں نے قدرے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا اور انجان بن کر پوچھا۔ "تو کیا تمہارے پاس غیر قانونی ذخائر بھی موجود ہیں؟"

ڈون نے گھن گرج کے ساتھ ایک قہقہہ لگایا۔ "ہالینڈ کے ان قدیم شاہی ہیروں کو ہی لے لو' جو تم لے کر آئے ہو۔ انہیں تم کیا کہو گے؟ ان پر میرا کوئی قانونی حق نہیں بنتا لیکن میں اپنی پسند کی چیزیں حاصل کرنا جانتا ہوں۔ میرے جن دوستوں کو میرے جنون کا علم ہے وہ چُرائے ہوئے نوادرات مجھے تحفے میں دیتے رہتے ہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ اُن کے بارے میں مجھ سے سوال کر سکے۔"

اسی لمحے شراب اور بُھنے ہوئے گوشت کی ٹرالیاں ڈون کے قریب آ گئیں۔ ایک لڑکی نے ہاتھی دانت کے کام والی ایک بڑی سی چوبی ٹرے ڈون کے قریب رکھی پھر دونوں ٹرالیوں میں سے ضرورت کا چیدہ چیدہ سامان اس چوبی ٹرے میں منتقل ہونے لگا۔

بھاپ اُڑاتے ہوئے گوشت کے ٹکڑوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس ٹرالی میں چیزوں کو گرم رکھنے کا کوئی لاسلکی اور خودکار نظام نصب تھا۔

"ابھی بھی کچھ چیزوں پر میری نظر ہے۔" ڈون نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ تمہارے ٹیکسلا کے عجائب گھر میں بُدھ کا ڈھائی ہزار سال پرانا' ایک مجسمہ بہت قیمتی ہے۔ کانسی کا وہ مجسمہ میں منہ مانگے داموں پر خرید سکتا ہوں۔ دوسرا تائپے کے نیشنل میوزیم پیلس میں شانگ دور کا ساڑھے تین ہزار سالہ پرانا خوبصورت ٹی سیٹ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے دوست جلد یا بدیر یہ دونوں شاہکار مجھ تک پہنچا دیں گے۔ پرانی چیزوں کو پا کر میں خود کو بہت عظیم محسوس کرتا ہوں۔"

وہ خود ستائی کا شکار ہو کر بہک رہا تھا۔ اس لیے اس کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی میں نے گوشت کے گول ٹکڑوں کو دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔ "یہ کس چیز کے پارچے ہیں' ڈون؟"

اس نے چونک کر اِدھر دیکھا اور میری چال بازی کو سمجھے بغیر بولا۔ "تھائی لینڈ سے آگے کے لوگ اس کی لذت اور قوت سے ناآشنا ہیں۔ یہ اژدہے کے لذیذ سیخ کباب ہیں۔ میرا باورچی خاص مسالوں سے ان میں نشہ پیدا کر دیتا ہے' کھا کر دیکھو!"

"اژدہے کے کباب؟" میں نے اپنی کراہیت کو حیرت میں چھپاتے ہوئے دُہرایا۔

"ہاں! یہ ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتے۔ چھوٹے موٹے سانپوں کے پارچوں میں ہڈیوں کے جال پر برائے نام گوشت ہوتا ہے۔ وہ ہر جگہ ملتے ہیں لیکن اژدہے کی بات ہی کچھ اور ہے۔ ہڈیوں پر خستہ اور لذیذ گوشت کی موٹی تہیں ہوتی ہیں۔"

"ان کا زہر کوئی اثر نہیں کرتا؟" میں نے ذہن میں ابھرنے والا سوال من و عن دُہرا دیا۔

"یہ سب وہم ہے۔ اوّل تو سارے سانپ زہریلے نہیں ہوتے۔ جو ہوتے ہیں' ان کا زہر کچلیوں میں ہوتا ہے۔ انہیں کاٹنے سے پہلے ان کے زہریلے دانت نکال لیے جاتے ہیں۔ تم کھا کر دیکھو۔ سانپوں کی نسل کا مزہ منہ کو لگ گیا تو تم ہر چیز بھول جاؤ گے۔"

وہ تقریر بھی طویل ہونے لگی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں خود پر لعنت بھیجی کہ میں نے وہ ذکر کیوں چھیڑا؟ بظاہر آثار کچھ ایسے تھے کہ ڈون مجھے اژدہے کے سیخ کباب کھلانے پر تُل گیا تھا اور پھر اس نے اپنی گرگٹوں جیسی انگلیوں میں تھام کر ایک گرم گرم ٹکڑا میری طرف بڑھا دیا۔

میرے لیے وہ ڈون کا حکم تھا چنانچہ انکار یا فرار کی کوئی راہ نہیں تھی۔ وہ میرے انکار پر برہم بھی ہو سکتا تھا۔ میں نے بے چارگی سے اُس کی طرف دیکھا اور روہانسی آواز میں کہا۔ "مجھے مجبور نہ کرو' ڈون! میرے مذہب میں سانپ کھانا حرام ہے....."

ڈون کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ "اور شراب حلال ہے؟" اس نے تیزی سے پوچھا۔

"سانپ' سؤر اور شراب کے علاوہ میں سب کچھ کھا پی سکتا ہوں؟" میں نے رحم طلب آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس وقت میرا دل حلق میں دھڑک رہا تھا۔

میرا جواب سن کر ڈون کا چہرہ اتر گیا اور وہ مضمحل لہجے میں بولا۔ "میں سمجھ گیا۔ تم ذرا پکے قسم کے مسلمان معلوم ہوتے ہو۔ ورنہ میں مکاؤ میں آنے والے کئی ایسے مسلمان راہبوں سے واقف ہوں جو سؤر کے علاوہ کسی چیز سے پرہیز نہیں کرتے۔ تمہارے ساتھ محفل بالکل ہی بے لطف اور پھیکی رہے گی۔"

دو لڑکیاں ڈون کی خدمت کے لیے اس کے آس پاس ہی منڈلا رہی تھی۔ بقیہ چار' نجانے کہاں سے طنبورے اور سارنگیاں نکال لائی تھیں اور ایک طرف یوں سج کر بیٹھ رہی تھیں جیسے گانے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ ڈون نے جوں ہی روسی واڈکا سے لبریز گلاس اپنے پتلے پتلے ہونٹوں سے لگایا' ان سازوں سے کچھ دلدوز آوازیں بلند ہوئیں۔ چند لمحوں تک ساز ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے ماحول قدرے خوشگوار رہا لیکن جوں ہی ان کے سُر ملے' فضا یک بیک ماتمی اور بوجھل بوجھل سی محسوس ہونے لگی۔ کمال کی بات یہ تھی کہ وہ بدمزگی اور کوفت پیدا کرنے کے لیے ان چاروں لڑکیوں کو دل و جان سے محنت کر کے گانا پڑ رہا تھا۔

وہ میرے تاثرات تھے لیکن ڈون کوانگ فو' ساز و آواز کی اُس چیں چاں اور دردناک ہچکیوں پر جھومتے ہوئے اپنی پتلی سی اور لٹکی ہوئی مونچھ کو مروڑ رہا تھا۔ میرے لیے اطمینان کی بات یہ تھی کہ اس نالۂ مرگ کا آغاز ہوتے ہی ڈون' نوادرات اور سانپ کے سیخ کبابوں کو بھول گیا تھا۔ اس کے قریب منڈلاتی ہوئی دو میں سے ایک لڑکی خاموشی سے مسند پر چڑھی پھر اس نے نرمی کے ساتھ ڈون کے سر کے نیچے سے گاؤ تکیہ نکال کر وہاں زانو بچھا لیا۔

میرے لیے وہ منظر اس قدر ہوش رُبا تھا کہ میں نے جھرجھری لے کر اپنی نگاہیں دوسری طرف پھیر لیں لیکن ڈون جیسے عادی مجرم پر اس لڑکی کے وجود کا بظاہر کوئی اثر نظر نہیں آیا حالانکہ وہ لڑکی اپنے وجود کے عیوب و محاسن کے بارے میں کچھ منافقت کی قائل نہیں تھی۔ اس کے ظاہر اور باطن میں بس چند دھجیوں کا فرق تھا۔ وہ دھجیاں بھی اس قدر بے دلی یا اہتمام سے چسپاں کی گئی تھیں کہ دیکھنے والے کے لیے وہی مقامِ غور و فکر بن کر رہ گئی تھیں' لیکن ڈون' اپنے سرہانے براجمان اس زندہ شعر کو بھول کر سازوں کی ریں ریں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ باری باری داہنی اور بائیں مونچھ کو مروڑنے میں مصروف تھا۔

وہ غالباً ڈون کی معمول کی مصروفیات تھیں۔ انہیں ترک کر کے بنگو کلب جانا' اس کا ایک بڑا کارنامہ تھا جسے سرانجام دینے کے بعد وہ دوبارہ ان ہی رنگینیوں میں ڈوب جانا چاہتا تھا۔ اس نے جس تیز رفتاری سے اپنی واڈکا پینی شروع کی' اس کی بنا پر مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ وہ جلد ہی ہوش و حواس سے بیگانہ ہو جائے گا اور غزالہ کا معاملہ اگلے دن کے لیے ٹل جائے گا۔

"تمہیں یہ نغمہ پسند آ رہا ہے۔" ڈون نے نیم وا آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"افسوس کہ میں چینی زبان نہیں سمجھتا لیکن موسیقی میری روح میں اتری جا رہی ہے۔" یہ دیگر بات تھی کہ میری روح اس نغمے سے سیراب ہونے کے بجائے چھلنی ہوئی جا رہی تھی۔

"سامنے والے پردوں کے پیچھے ہر وقت تیس چالیس نوخیز لڑکیاں تیار رہتی ہیں۔ اُن میں سے بیشتر گانے اور ناچ کی ماہر ہیں تم آج کی رات برسوں نہ بھلا سکو گے۔"

"یقیناً!" میں نے پورے خلوص سے اقرار کرتے ہوئے فوراً ہی مطلب کی بات چھیڑ دی۔ "لیکن ڈون اگر غزالہ بھی آ جائے تو بہتر رہے گا۔ تم نے مجھے اپنی ایک خواب گاہ عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔"

"اوہ!" ڈون اتنی تیزی سے سیدھا ہو کر بیٹھا کہ میں بوکھلا گیا۔ "اچھا ہوا تم نے یاد دلا دیا۔ میں تو اُسے بھول ہی گیا تھا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "آج میں اُسے تمہاری نظر سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اُس میں کیا خاص بات ہے کہ تم اُس کے علاوہ کسی اور لڑکی کے بارے میں سوچنے پر آمادہ نہیں ہو۔"

میں نے محسوس کیا کہ ڈون کی رکھیل لڑکیاں سلیقہ مند اور اپنے آقا کی ضروریات کو پہچاننے والی تھیں۔ ڈون کے اٹھتے ہی سُروں کے ساتھ آوازیں بھی مدّھم ہو چکی تھیں۔

"اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔" میں نے ڈون کو تجسس سے دور رکھنے کے لیے جلدی سے کہا اور پھر نہایت ڈھٹائی کے ساتھ دوبارہ مذہب کی آڑ لے لی۔ "دراصل میرے مذہب میں غیر عورت بھی سؤر اور شراب ہی کی طرح حرام ہے۔"

"تم خاصے نادر الوجود مسلمان معلوم ہوتے ہو؟" ڈون خفیف سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "میرے تجربے کے مطابق خوبصورت لڑکیاں' مسلمانوں کی مرغوب ترین غذا ہیں۔ تم لوگوں کو چار پانچ شادیوں کی اجازت ہے۔ کنیزیں بھی پال سکتے ہو لیکن جن لوگوں کی جیب اجازت دیتی ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر' ہر سبز چارے پر منہ مارنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔"

"یہ انفرادی مزاج کی بات ہے۔" میں نے ڈون کی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ "اجازت چار شادیوں پر ختم ہو جاتی ہے لیکن اس کے لیے بھی کڑی شرائط ہیں....."

"تم کتنی شادیاں کر چکے ہو؟" ڈون نے میری بات کاٹ کر چُبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ایک بھی نہیں!" میں نے بے ساختہ اس حقیقت کا اعتراف کر لیا۔

ڈون ہو ہو کر کے بھدّے انداز میں ہنسنے لگا۔ اس نے دوسرے گلاس سے برف کو گھلاتی ہوئی واڈکا کا پہلا گھونٹ لیا اور بولا۔ "جب ہی اس پر مرمٹے ہو۔ جب تک شیر کے منہ کو آدمی کا خون نہ لگے' وہ انسان کے سائے سے بھی ڈرتا اور دور بھاگتا ہے لیکن پہلے خون کا مزہ لگنے کے بعد وہ آدم خور بن جاتا ہے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر آدمیوں کو مارنے لگتا ہے۔ تم اس لڑکی سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

"ارادہ یہی ہے۔" میں نے ڈون کے اصل عزائم کو سمجھے بغیر' سادگی سے کہا۔

"بس تو پھر یہ ٹھیک رہے گا۔" ڈون نے جوشیلے انداز میں گدّے پر ہاتھ مار کر کہا اور میں چونک کر اس کا منہ تکنے لگا۔ لیکن وہ میرے بجائے ایک لڑکی سے مخاطب ہو کر اُسے چینی زبان میں ہدایات دینے لگا۔ ڈون کے خاموش ہوتے ہی وہ لڑکی تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی حریری پردوں والے کمروں کی طرف بڑھ گئی۔

"میں کل ہی کینٹن سے کسی مسلمان پوپ کو پکڑ کر بلوا لوں گا۔" ایک مرتبہ پھر اپنے لب تر کرنے کے بعد ڈون نے کہا۔ "پرسوں یہاں تم دونوں کی شادی کرا دی جائے گی۔"

ڈون کے اس فیصلے پر میں بھونچکا رہ گیا۔ "لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہمارے....." میں نے ڈون سے بھرپور احتجاج کرنا چاہا لیکن اس نے ترشی سے میری بات کاٹ دی۔

"یہ میرا فیصلہ ہے۔" وہ داہنا ہاتھ اٹھا کر فیصلہ کن مگر ترش لہجے میں بولا۔ "وہ لڑکی یہاں سے جائے گی تو تمہاری بیوی بن

کر جائے گی ورنہ اسی چاردیواری میں بوڑھی ہو کر مرجائے گی۔"
میں سناٹے میں آگیا۔ ڈون کا فرمان سن کر میرا حلق خشک ہونے لگا۔

"یہ شادی ایسی یادگار ہوگی کہ تم دونوں ساری زندگی رشک کرو گے۔ روئے زمین پر کسی نے ایسی شاندار اور بھرپور شادی نہیں دیکھی ہوگی۔ پرسوں میرا بچپن کا لنگوٹیا دوست، نیشی کاؤ یہاں آرہا ہے۔ ہم تیس برس بعد ایک دوسرے سے ملیں گے۔ اس کے آنے کی خوشی میں، اس حویلی میں بہت بڑا جشن ہوگا اور اسی میں تم دونوں کی شادی ہوگی۔ تم دیکھنا میرے مہمان کتنی فراخ دلی کے ساتھ تمہیں شادی کے تحفے دیں گے۔ مکاؤ، چین، ہانگ کانگ اور تائیوان کے چیدہ چیدہ لوگ میری دعوتوں میں بلائے جاتے ہیں۔ جو لوگ کسی مجبوری کی وجہ سے خود نہیں آتے وہ اپنے ہم منصب دوستوں، عزیزوں یا رشتہ داروں کو بھیج دیتے ہیں۔ تمہیں فخر کرنا چاہیے کہ میں تمہاری شادی کا میزبان بن رہا ہوں۔ مکاؤ میں تو لوگ ڈون کی دعوتوں کے عام سا مہمان بن کر بھی برسوں غرور سے اکڑتے پھرتے ہیں۔" ڈون مجھے وہی سب بتا رہا تھا جو میں گولڈن ڈریگن نامی فیری کے کپتان، ریورچیانگ سے سن چکا تھا۔

ڈون اپنی دانست میں میری اور غزالہ کی عزت افزائی کر رہا تھا لیکن اُس کے عزائم سن کر میرا خون خشک ہوا جا رہا تھا۔ میں نیشی کاؤ کے نازل ہونے سے پہلے مکاؤ سے نکل بھاگنے کی تیاریاں کرنا چاہ رہا تھا لیکن ضدی ڈون نے بے خبری میں سب فریقوں کو برسرِعام ایک دوسرے کے سامنے کھڑا کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اس منصوبے میں ڈون کو انگ فو کا کوئی نقصان تھا، نہ ڈان نیشی کاؤ کا۔ سارا گھاٹا میرا تھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے اتنی عزت دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ بس صرف اتنی سی بات ہے کہ ہمارے دوست اور رشتے دار اس یادگار تقریب میں شرکت نہیں کرسکیں گے۔"

"دوست اور رشتے دار کہیں نہیں جاتے۔" ڈون نے سختی اور بے اعتنائی کے ساتھ کہا۔ "انہیں بتانے کی ضرورت ہی نہیں کہ تم دونوں مکاؤ میں شادی کر چکے ہو۔ اپنے وطن پہنچ کر دوبارہ شادی کر لینا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس ترکیب سے تم دونوں کے مذہبی رشتے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔"

"کسی کو نہ بتایا تو پھر مکاؤ میں شادی ہونے کا کیا لطف رہے گا۔ آدمی بہت کم ظرف مخلوق ہے۔ جب تک اپنی بڑائی کے قصے دوسروں کو نہ سنائے اسے سچی خوشی نہیں ملتی۔ اس کی مثال مور کی سی ہے جو جنگل میں حسن و ادا کے ساتھ ناچتا ہے لیکن اپنے اردگرد کسی قدردان کو نہ پاکر، تکان سے اداس ہو جاتا ہے۔" میں نے منطقی انداز میں بہت نرمی کے ساتھ ڈون کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"تم مور نہیں، انسان ہو۔" ڈون نے میری بات اُچکتے ہوئے کہا۔ "پھر مرد بہت ظالم شے ہے۔ وہ اپنی محبوباؤں کے قصے تو بہت شوق کے ساتھ اپنے دوستوں کو سناتا ہے لیکن بیوی کی ذات سے ملنے والی خوشیوں کی ہوا بھی کسی کو نہیں لگنے دیتا۔ خوشی، فخر اور اعتماد کا یہ رشتہ صرف ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے جس میں وہ کسی کو بھی اپنا حصے دار نہیں بناتے۔ مکاؤ میں شادی کا معاملہ بھی اسی ضمن میں آئے گا۔"

"میں تمہارے حکم کی تعمیل سے انکار کی جرات نہیں کر سکتا۔" میں نے بحث سے گریز کرتے ہوئے کہا۔

"میرے دل میں تمہاری بہت قدر ہے۔" ڈون نے اژدہے کے ایک گرم گرم پارچے کو دانتوں سے اُدھیڑنے کے بعد کہا۔ "میں تم پر اپنا فیصلہ مسلط نہیں کر رہا۔ اس سے شادی کرلینا تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔"

"میں تم سے متفق ہوں۔" میں نے اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے آہستگی سے کہا کیوں کہ اس وقت میں ڈون سے اختلاف ظاہر کرکے، اس کو برہم کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

میں ایسے رخ سے بیٹھا ہوا تھا کہ میری نظریں حریری پردوں والے کمروں کی طرف تھیں۔ اسی لمحے اچانک ہی ایک کمرے میں سے غزالہ کا سحر آفریں وجود نمودار ہوتا ہوا نظر آیا اور میرے تنفس کی رفتار یک بیک تیز ہوگئی، دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا اور خوشی کے احساس نے مجھے بے خود سا کردیا۔

میری دانست میں غزالہ پچھلے کافی دنوں سے قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہی تھی۔ پہلے ویرا نے اسے بھارتی قونصلیٹ کے شری مان سنگھ کے حوالے کیا۔ شری مان نے اسے نامعلوم ذرائع سے سرحد پار روانہ کردیا جہاں غزالہ کو نئی دہلی میں قید رکھا گیا پھر ویرا نے شری مان سنگھ سے سودے بازی کی تو غزالہ کو مس ترپاٹھی کے نام سے ہانگ کانگ بھیج دیا گیا لیکن مجھے اس لمحہ پورا یقین نہیں تھا کہ واقعی غزالہ ہی ڈون کی تحویل میں تھی۔ میری اس بے یقینی کا ذمے دار شری مان سنگھ تھا۔ میری مداخلت پر اس نے کہا تھا کہ غزالہ نئی دہلی کے ایسے حکام کی تحویل میں تھی جو اس کا اثر قبول نہیں کرتے تھے۔ اس لیے اس نے دباؤ میں آکر غزالہ کے بجائے لکھنؤ کی کسی شکنتلا دیوی کو ہانگ کانگ روانہ کردیا تھا۔

لیکن اسپیشل ٹاسک فورس کے ہاتھوں اس کا پول کھل چکا تھا اور میرے سامنے غزالہ بنفسِ نفیس موجود تھی۔

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ دور ہی سے اس کا چہرہ تروتازہ نظر آرہا تھا۔ اس کے بشرے پر کسی بھی قسم کے خوف یا تردّد کا سایہ تک نہیں تھا۔ ہاں، یہ ضرور تھا کہ اس کے بدن پر قمیص شلوار کے بجائے بلاؤز اور جینز نظر آرہی تھی۔ وہ کافی دنوں سے اپنے گھر سے دور تھی اس لیے اپنے صاف ستھرے لباس کے لیے وہ ان ہی لوگوں کی مرضی کی پابند تھی جنھوں نے اسے زبردستی کا مہمان بنایا ہوا تھا۔

غزالہ کے پہلو پر، ڈون کی وہی نیم برہنہ خادمہ تھی جو اس کی ہدایت پر چند منٹ پہلے گئی تھی۔ ان دونوں کے عقب میں سلطان شاہ سر جھکائے چلا آرہا تھا۔

ان دونوں کو دیکھتے ہی مجھے اپنی توانائیاں بحال ہونے کا احساس ہوا پھر جب غزالہ نے مجھے دیکھا تو اس کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ چہرے پر سرخی کی لہر دوڑ گئی اور اس کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہو گئیں۔ شاید وہ سوچ بھی نہیں سکی ہوگی کہ میں اس قدر دوستانہ ماحول میں ڈون کے ساتھ نظر آؤں گا۔

چند ثانیوں کے لیے غزالہ چلتے چلتے اپنی جگہ پر ٹھٹک کر رہ گئی پھر وہ تیزی سے چلتی ہوئی آگے بڑھی اور ڈون کی مسند کے قریب آ کر رک گئی۔ اس اثنا میں سلطان شاہ بھی مجھے دیکھ چکا تھا اور بھونچکا نظر آرہا تھا۔

"گُڈ!" ڈون نے اپنی انگلیوں میں دبے ہوئے اژدہے کے پارچے کی ہڈیوں کا جال خالی پلیٹ میں ڈال کر، غزالہ کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری محبوبہ واقعی حسین اور دلکش ہے۔ پہلے میں نے اسے غصے کی حالت میں دیکھا تھا تو یہ مجھے ذرا بھی متاثر نہیں کر سکی تھی۔ اس کی آنکھیں بہت حسین ہیں، شاید اس نے مصنوعی پلکیں لگائی ہوئی ہیں۔"

اپنے دو حمایتیوں کو سامنے پاکر میری قوت کے ساتھ ہی حاضر جوابی بھی بحال ہو چکی تھی۔ میں نے برجستہ کہا۔ "کمال یہی ہے کہ اس کی ہر چیز اصلی ہے۔ چاہو تو پلکوں کو چھو کر دیکھ لو۔"

ڈون ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ ہنسا اور بولا۔ "میں صرف پلکوں یا زلفوں پر قناعت کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ یہ تمہاری ہونے والی بیوی ہے، تم کو مبارک ہو۔ میں بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ یہ واقعی خوبصورت ہے۔ تم چاہو تو اٹھ کر اسے اپنی بانہوں میں لے سکتے ہو۔"

"اجازت ہو تو ہم بیٹھ جائیں؟" میرے بولنے سے پہلے ہی غزالہ نے ڈون سے اجازت طلب کی۔

"ضرور، ضرور!" ڈون غزالہ کے استفسار پر بوکھلا گیا۔ "نہ صرف بیٹھو، بلکہ چاہو تو اژدہے کے یہ لذیذ سیخ کباب بھی کھاؤ۔ انہیں حرام سمجھتی ہو تو ٹرالی میں تلی ہوئی چھپکلیوں کے ساتھ ہی ہرن اور بکرے کے پارچے بھی ہیں۔ میرا باورچی فرنچ ہے اور بہترین کھانے تیار کرنے میں کمال رکھتا ہے۔"

غزالہ مسند کے ایک کنارے پر ٹک گئی اور بولی۔ "میں رات کا کھانا کھا چکی ہوں اس لیے اب کچھ نہیں کھا سکوں گی۔ تمہاری اس پیش کش کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ میں ایک بار پھر معذرت کرنی ضروری سمجھتی ہوں کہ میرے خوف کی وجہ سے تمہیں ہانگ کانگ میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔"

ڈون نے داڑھ کا اپنے حلق میں انڈیلی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ہانگ کانگ میں تم نے مجھے واقعی ذلیل کرایا تھا لیکن تمہارے ڈیبی نے ایک ایسا کام کیا ہے کہ تم نے میرے آدمیوں کے دس خون بھی کیے ہوتے تو میں کھڑے گھاٹ تمہیں معاف کر دیتا۔"

"اس فراخ دلی پر میں تمہاری شکر گزار ہوں۔" غزالہ نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ "کیا میں توقع کروں کہ اب تم مجھے اپنی قید سے رہا کردو گے؟"

ڈون زور سے ہنسا اور بولا۔ "رہائی تمہارے مقدر میں نہیں ہے۔ میری قید سے رہا ہوگی تو ڈیبی کی قید میں بندھ جاؤ گی۔ پرسوں اسی حویلی میں تم دونوں کی شادی ہوگی....."

"یاھُو!" سلطان شاہ نے اضطراری طور پر بلند آہنگ نعرہ لگا کر ڈون کو خاموش ہونے پر مجبور کردیا۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے؟" ڈون نے اسے گھورتے ہوئے بدمزگی سے پوچھا۔

"میں معافی چاہتا ہوں، ڈون!" سلطان شاہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ "غزالہ اور ڈیبی کی شادی کی خبر ایسی تھی کہ میں اپنی زبان اور جذبات پر قابو نہیں رکھ سکا۔"

"دراصل یہ خوشی کا نعرۂ مستانہ تھا۔" میں نے فوری طور پر سلطان شاہ کی صفائی میں کہا۔

"تو کیا تم ان دونوں کی شادی کے فیصلہ سے خوش ہو؟" ڈون نے براہِ راست سلطان شاہ سے سوال کیا۔

"یہ میری خوشی کی انتہا ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "اگر ان دونوں میں سے کوئی اس شادی پر رضامند نہ ہو تو میں تم سے درخواست کروں گا کہ اسے باندھ کر چھت سے الٹا لٹکا دو۔"

ڈون نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"یہ میرا جگری دوست ہے۔" میں نے اسے بتایا۔ "اگر یہ اتنی انتہا پسندی پر آمادہ ہے تو میں کوئی عذر نہیں کرسکتا۔ ویسے بھی تم مجھے پہلے ہی پابند کر چکے ہو۔ اب یہ شادی کوئی نہیں روک سکے گا۔"

"میں عاشق اور معشوق کے درمیان رکاوٹ نہیں بننا چاہتا۔" ڈون نے روسی شراب کا گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میرے لیے میری قمریاں کافی ہیں۔ تم چاہو تو اپنی خواب گاہ میں جا سکتے ہو۔"

"تمہارا باغ بہت خوبصورت ہے۔ اگر ہم چاہیں تو وہاں ٹہل سکتے ہیں؟" غزالہ کے غیر متوقع سوال نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

"اب تم قیدی نہیں، میری مہمان ہو۔" ڈونگ نے ترنگ میں کہا۔ "جہاں دل چاہے، جا سکتی ہو۔ شہر گھومنا چاہو تو نکودا تمہیں ساری رات گھماتا رہے گا۔ بس جوا کھیلنے سے ذرا پرہیز کرنا۔"

"تو کیا مجھے بھی جانے کی اجازت ہے؟" میں نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"تم شراب پیتے ہو، نہ سانپ کھاتے ہو پھر یہاں بیٹھ کر کیا کرو

کے؟ جاؤ اور اپنی محبوبہ کے ساتھ پرسوں کی تیاری کرو۔ تمہاری ضرورت کی ہر چیز' میں مہیا کروں گا۔"

"شکریہ ڈون' میں زندگی بھر تمہارا احسان نہیں بھولوں گا۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تم نے واقعی میری ہر مشکل آسان کر دی ہے۔ اس دَور میں کون کسی کا اتنا خیال کرتا ہے؟"

"اٹھو نہیں' یہیں بیٹھ جاؤ!" ڈون نے میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ پھر وہ غزالہ اور سلطان شاہ سے مخاطب ہو گیا۔ "تم دونوں بھی بیچ میں آجاؤ' میں تمہیں تمہارے کمروں میں پہنچا دوں۔"

میری تقلید میں وہ دونوں جوتے اتارنے لگے۔ اسی اثنا میں ڈون نے چینی زبان میں کچھ کہا اور اس کی دو خادمائیں فوراً ہی اچھل کر ڈون کی مسند پر سوار ہو گئیں۔

غزالہ اور سلطان شاہ کے چڑھتے ہی' وہ دیو ہیکل مسند یا بستر آہستگی کے ساتھ نیچے کی طرف حرکت کرنے لگا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہم سب کسی روشن کنوئیں میں اترتے جا رہے ہوں۔

"تم لوگوں کی خواب گاہیں اسی حویلی کی زیرِ زمیں منزل پر ہوں گی۔" ڈون ہمیں بتانے لگا۔ "وہاں مکینوں کے علاوہ پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ تم لوگ باغ میں چہل قدمی کرنا چاہو تو عقبی زینے استعمال کر سکتے ہو۔ وہ براہِ راست آموں کے باغ میں نکلتے ہیں۔"

"میں دس بار مر کر بھی تمہاری ان عنایتوں کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔" میں نے کہا۔

"یہ میری کوئی عنایت نہیں۔ بس یہ یاد رکھنا کہ تمہاری ساری آزادیاں اس حویلی کی حدود میں ہیں۔ تم نے فکو دا کو ساتھ لیے بغیر حویلی سے باہر نکلنا چاہا تو بری طرح مارے جاؤ گے۔ اس کے بعد تمہیں زندہ ہونے اور مجھ سے معذرت کرنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔ میرے مسلح محافظ جان دے دیتے ہیں لیکن میرے احکام کی خلاف ورزی نہیں ہونے دیتے۔ وہ آسیبوں کی طرح اس حویلی کے چپے چپے پر موجود اور نگراں رہتے ہیں۔"

اچانک وہ دیو ہیکل مسند ایک خفیف سے جھٹکے سے رک گئی۔ ڈون کی ایک خادمہ نے پھرتی سے میرا بازو تھام لیا اور دوسری اسی سرعت کے ساتھ سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

مسند کے ایک رخ پر بڑا سا روشن دروازہ نظر آرہا تھا۔ ڈون نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس طرف تمہاری خواب گاہیں ہیں۔ تم تینوں آرام کرو۔ اب کل صبح ملاقات ہو گی۔ شب بخیر!"

ہم تینوں نے جھک کر' مقامی انداز میں ڈون کا شکریہ ادا کیا اور اس کنوئیں سے نکاسی کے روشن راستہ کی طرف بڑھ گئے۔ ڈون کی دونوں خادمائیں ہمارے ساتھ تھیں۔

میرے لیے وہ تجربہ انتہائی حیران کن تھا۔ ڈون کی حویلی میں روایتی آرام و آسائش کے ساتھ ہی جدید ترین سہولتوں کی بھی فراوانی معلوم ہوتی تھی۔ مسند کو نچلی منزل تک لے جانے کے لیے' کسی نے کوئی سوئچ وغیرہ نہیں ہلایا تھا۔ شاید اس کے لیے ڈون یا اس کی کسی خادمہ نے کوئی ریموٹ کنٹرول استعمال کیا تھا۔

مسند کے ساتھ کسی بھی قسم کے آہنی رسّے وغیرہ منسلک نہیں تھے۔ اس لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا فرش کا وہ حصہ کسی طاقتور جیک پر نصب تھا۔ ایسے جیک یا لفٹ وغیرہ کی معمولی اقسام' کاروں کی سروس کے وقت' انہیں اوپر اٹھا کر دھونے میں عام طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

ہم پانچوں کے باہر نکلتے ہی ڈون کی مسند کوئی آواز پیدا کیے بغیر اوپر اٹھتی چلی گئی اور وہ راستہ غائب ہو گیا۔

نکاسی کے راستے سے آگے ایک کشادہ راہداری تھی جو ڈون کی حویلی کی دیگر پیمائشوں کے مقابلہ میں تنگ نظر آتی تھی۔ اس راہداری میں دونوں طرف ایک ایک دروازہ تھا۔ ہمیں لانے والی لڑکیوں نے بیک وقت وہ دونوں دروازے کھول دیے۔ میں گرمجوشی کے ساتھ غزالہ کا ہاتھ تھام کر ایک دروازے میں داخل ہو گیا۔

"ہر طرف پیسے کی فراوانی نظر آرہی ہے۔" سلطان شاہ نے اس حسین خواب گاہ میں قدم رکھتے ہی' خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "کم درجے کی کوئی چیز دیکھنے میں نہیں آرہی۔"

ہمیں لانے والی ایک لڑکی نے بڑھ کر خواب گاہ کا عقبی دروازہ کھول کر چینی زبان میں کچھ بولنا شروع کر دیا۔ اس کی بات ہم میں سے کسی کی سمجھ میں نہیں آئی لیکن آگے جانے سے معلوم ہوا کہ اس دروازے سے باہر ایک عمودی سرنگ تھی جس میں لوہے کا گردشی زینہ اوپر جا رہا تھا۔ دوسری خواب گاہ میں بھی ویسا ہی بندوبست تھا۔

اپنی دانست میں ہمیں سب کچھ سمجھانے کے بعد وہ دونوں لڑکیاں اسی زینے سے اوپر چلی گئیں۔

"خدا کا شکر ہے کہ میں تمہیں آزاد اور خوش و خرم دیکھ رہا ہوں۔" میں نے غزالہ کو اپنی نگاہوں میں سموتے ہوئے کہا اور وہ ٹہلتی ہوئی بستر پر جا بیٹھی۔ اسے ڈر رہا ہو گا کہ میں جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی پیش دستی نہ کر بیٹھوں۔

"تم یہاں کب آئے اور ڈون تک رسائی کیسے حاصل کر لی؟" سلطان شاہ نے مسکراتے ہوئے سوال کیا "وہ بہت زیادہ برہم تھا۔ غنیمت یہ ہوا کہ اس نے ہمیں مروانے کا فیصلہ نہیں کیا۔ اس کا سامنا ہوتے ہی میرے فرشتے کوچ کر گئے تھے۔"

غزالہ نے مسکراتے ہوئے' اپنے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھ کر ہمیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر ایک گوشہ میں تپائی پر پڑے ہوئے پیڈ پر کچھ لکھنے لگی۔

ہم دونوں ہی اس کے سر پر پہنچ گئے "ڈون کی حویلی کا ہر حصہ بگ کیا ہوا ہے۔ یہاں بات کرنے میں احتیاط سے کام لو بلکہ باہر ہی نکل چلو تو بہتر رہے گا۔" اس نے لکھا اور میں اس کی دانش مندی کا

قائل ہو گیا۔

غزالہ سے میری ملاقات کافی عرصہ بعد ہوئی تھی اس لیے ہم تینوں کچھ دیر تک وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں ہم کسی نازک پہلو پر بات کرنے سے گریز کرتے رہے۔ ہر موضوع ڈون کے مزاج کے گرد گھوم رہا تھا۔ سلطان شاہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈون کی بہت زیادہ تعریف کی کہ اس نے آخرکار مجھے اور غزالہ کو شادی کے رشتے میں باندھنے کا بندوبست کر ہی لیا تھا۔ اس کے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں کس مشکل صورتِ حال سے دوچار ہو گیا تھا۔

غزالہ نے ڈون کے سامنے باغ میں ٹہلنے کی بات کی تو میں بری طرح چونکا تھا لیکن غزالہ کی تحریر پڑھنے کے بعد معاملہ پوری طرح میری سمجھ میں آگیا تھا اس لیے میرے اشارے پر غزالہ نے ڈون کے باغات کی تعریف کرتے ہوئے وہاں چلنے کے لیے کہا اور ہم تینوں اس خواب گاہ سے نکل گئے۔

چکردار زینے کا اختتام سات فٹ اونچی اور اتنی ہی چوڑی سُرنگ پر ہوا۔ دوسری خواب گاہ کا زینہ بھی ایک سرے پر اسی سرنگ سے ملا ہوا تھا۔ دوسری جانب اس سرنگ کی لمبائی دو ڈھائی سو فٹ سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ اختتام پر سیاہ رنگ کا بند چوبی دروازہ تھا۔ دروازہ کے تین بولٹ گرا کر ہم نے دروازہ کھولا تو خود کو درختوں کے ایک گنجان کنج میں پایا جو سُرنگ میں سے آنے والی روشنی میں منور ہو گیا تھا۔ پٹ بند کرتے ہی وہاں گھور اندھیرا پھیل گیا البتہ کنج سے باہر' باغ میں روشنی پھیلی ہوئی تھی جس کی مدد سے ہم کنج سے نکل آئے اور خود کو حویلی کے عقب میں پایا۔

ڈون کی ان زیرِ زمین خواب گاہوں کا محلِ وقوع بہت پُراسرار سا تھا۔ وہاں سے نکاسی کے لیے سُرنگوں والا راستہ تھا اگر اسے باہر سے مقفل کر دیا جاتا تو ڈون کی اجازت کے بغیر کوئی باہر نہیں آسکتا تھا۔ دوسرا راستہ جو مسند کے اوپر اٹھتے ہی خود بخود غائب ہو گیا تھا' وہ اس کنوئیں کے رخ پر تھا جس میں ڈون کی وسیع و عریض مسند چلتی تھی۔ اگر کوئی خود کار دروازہ توڑ کر کنوئیں تک رسائی حاصل کر بھی لیتا تو اس کے لیے باہر نکلنا ناممکنات میں سے تھا کیونکہ اس کا دہانہ ہر وقت مسند سے بند رہتا تھا۔

بادی النظر میں وہ زیرِ زمین خواب گاہیں' ڈون کی عیاشی کا محفوظ ٹھکانا معلوم ہوتی تھیں جہاں مکاؤ کی نام نہاد شریف زادیاں' ڈون سے اپنے حسن و جمال کا خراج وصول کرنے کے لیے' سُرنگ کے راستے آتی تھیں۔ ان کی دلجوئی کے لیے' ڈون اپنی مسند کے ساتھ نیچے آتا ہو گا اور چند قدم چل کر' ان کے پہلو میں ڈھیر ہو جاتا ہو گا۔

"ویرا بہت مکّار اور ناقابلِ اعتماد ثابت ہوئی۔" کھلی فضا میں آتے ہی' غزالہ کے دل کا غبار الفاظ کی صورت میں ڈھل گیا "نئی دہلی میں' میں نے بہت برا وقت گزارا ہے۔ وہ مجھ سے تمہارے اور اسپیشل ٹاسک فورس کے بارے میں باز پُرس کرتے رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پاکستان کی سرزمین پر اپنے متعدد آدمی گنوا چکے ہیں۔ وہ ان کے بارے میں بھی پریشان ہیں۔ اس فہرست میں ملّا سرکار اور کرنل میش پال کے علاوہ دوسرے نام میرے لیے اجنبی تھے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ وہ کسی بھی اعتبار سے نارمل نہیں ہے۔ اس پر جنون اور غصے کے دورے پڑتے ہیں تو وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتی ہے۔ نارمل ہونے کے بعد وہ خود اپنی حرکتوں پر پچھتاتی ہے۔ دیوانگی کے ایسے ہی دورے میں اس نے تمہیں بھارتی قونصلیٹ پہنچا دیا تھا۔ آئندہ اس پر اعتماد کرنے کی غلطی نہ کرنا......"

"لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ نئی دہلی سے مجھے اچانک ہانگ کانگ کیسے روانہ کر دیا گیا؟ اس مرحلے پر انڈین سیکرٹ سروس کے اعلیٰ افسران میری سخت جانی سے عاجز آکر تھرڈ ڈگری آزمانے کا ارادہ کر رہے تھے۔"

"مزے کی بات یہ ہے کہ یہ بھی ویرا ہی کا کمال تھا۔" سلطان شاہ تلخ لہجے میں بولا "تمہیں اسی کی کوششوں سے آزادی ملی ہے اور یہ ڈون' اس کا منہ بولا باپ ہونے کے ساتھ شی کا آئی مین بھی ہے۔"

"اس نے تمہاری رہائی کے لیے بہت بڑا کام کیا ہے۔ اسی کے ساتھ اس نے ایران سے آنے والی ایٹمی سازو سامان کی ایک بھاری کھیپ کو تباہ کرنے کے.... امریکی منصوبے کو بھی خاک میں ملا دیا۔ مجھے خوشی ہے کہ ہم نے اس جیسی مجرم اور تخریب کار عورت سے بھی اپنی مرضی کے اہم کام لیے ہیں۔"

کچھ دیر تک ہم غزالہ کے کٹھن تجربات اور ویرا کے سیماب صفت کردار پر گفتگو کرتے رہے پھر غزالہ نے چونکتے ہوئے سوال کیا "ہاں' ڈون شادی کے بارے میں کیا بکواس کر رہا تھا؟"

"لو' اب تم بھی شادی کو بکواس قرار دے رہی ہو!" سلطان شاہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر کراہا۔

"ڈون کے سامنے یہ خیال رکھنا کہ میں حرام چیزوں سے مکمل اجتناب کرتا ہوں' جن میں شراب بھی شامل ہے۔" میں نے فوری خیال کے تحت ان دونوں کو آگاہ کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "وہ مجھے دوسری لڑکیوں کی پیشکش کر رہا تھا پھر بات مذہب اور حرام حلال کی طرف مڑ گئی اب وہ شادی کے بغیر تم کو میرے ساتھ نہیں جانے دے گا۔"

"کبھی نہ کبھی تو شادی ہونی ہی ہے۔ لیکن مکاؤ میں ڈون جیسے بدمعاش کے زیرِ سایہ شادی کی کیا تک ہے؟ اس نے تمہیں پھانس لیا ہے تو میں صاف انکار کر دوں گی۔"

"ایسی حماقت نہ کرنا۔" میں نے جلدی سے کہا "تم اس کی غصہ ور طبیعت سے اچھی طرح واقف ہو چکی ہو۔ وہ ضد میں آگیا تو تم اسی حویلی میں بوڑھی ہو جاؤ گی۔"

"تو کیا تم اس مضحکہ خیز مذاق کے لیے تیار ہو؟" غزالہ نے تنک کر پوچھا۔

"میرا بس چلے تو میں ابھی یہاں سے بھاگ جاؤں۔ پرسوں مافیا کا ڈان 'نیشی کاؤ' یہاں آرہا ہے۔ یہ شادی اسی کی موجودگی میں' ایک بہت بڑے جشن میں ہوگی۔ یہ ڈون کی طرف سے میرے لیے انعام ہوگا۔"

ان دونوں کے لیے وہ باتیں ناقابلِ فہم تھیں۔ میں اختصار کے ساتھ انھیں پورے حالات سے آگاہ کرتا چلا گیا' ور ان کے چہروں پر بھی فکر کے سائے پھیلتے چلے گئے۔

"تم نے وہ ہیرے ڈون کو دے کر بہت بڑی حماقت کی ہے۔" میری کہانی ختم ہونے پر سلطان شاہ نے متاسفانہ انداز میں سر جھٹکتے ہوئے کہا "ہیرے گول کر کے تم اسے بڑی رقم کی پیشکش بھی کرسکتے تھے۔"

"اس کی حویلی میں رہنے کے بعد تمھیں اندازہ ہوجانا چاہیے کہ ڈون کے لیے پیسہ بے وقعت ہے۔ ہیروں کی وجہ سے اس نے مجھے فوری طور پر اپنا دوست بنالیا ورنہ وہ ویرا کے علاوہ کسی اور سے بات کرنے کا روادار نہیں تھا۔ پھر بعد کے واقعات نے بھی ثابت کردیا کہ میرا فیصلہ درست تھا۔ وان لن ایک گھنٹے سے بھی کم مدت میں میرا کھوج نکال کر' بنگو کلب پہنچ گیا تھا۔ اگر میں اس وقت ڈون کی پناہ میں آیا ہوا نہ ہوتا تو وان لن کو مار کر اتنی آسانی سے نکلنا ممکن نہ ہوتا۔ وان لن کے قتل کی خبر پھیلتے ہی ڈون کے شکاری کتے میری تلاش میں پھیل جاتے اور مجھ پر ہیروں کی چوری کا الزام آجاتا۔ میں نے فیری پر ہی اندازہ لگالیا تھا کہ ہیرے ہرحال میں ڈون ہی کے قبضے میں جائیں گے۔ اس لیے میں اپنی طرف سے نادر ہیروں کا تحفہ دے کر کیوں نہ اسے اپنے احسان سے زیرِ بار کردوں۔ یہ دیگر بات ہے کہ میری اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ڈون کی مہربانیاں میرے لیے عذاب بنتی نظر آرہی ہیں۔ ہمیں مل کر اس صورتِ حال کا کوئی توڑ تلاش کرنا ہوگا۔"

"سوال یہ ہے کہ ڈان نیشی کاؤ کب مکاؤ پہنچنے والا ہے؟" غزالہ معاملے کی سنگینی کو پوری طرح سمجھ گئی تھی۔

"تقریب کے دوران ہی ڈون کا ہیلی کاپٹر اسے لے کر آئے گا اور وہ آتے ہی مجھے اسٹیج پر دیکھ کر بدک جائے گا۔"

"ہم سہرے سے تمہارا چہرہ چھپادیں گے۔" سلطان شاہ دور کی کوڑی لایا "ڈون کو بتادیا جائے گا کہ ایسا کرنا ہماری اہم رسوم میں شامل ہے۔ وہ ہربات میں اپنی مرضی مسلط نہیں کرے گا۔"

"نہیں' یہ بات وہیں ختم نہیں ہوگی۔ نیشی کاؤ' ڈینی کے معاملے میں ڈون کو ثالث بنانے کا ارادہ لے کر آرہا ہے تاکہ وہ جمی لائیڈ کو اپنے اثرورسوخ سے قائل کرسکے۔ ان دونوں میں مذاکرات کا آغاز ہونے پر کوئی بھی بات پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔" غزالہ نے سلطان شاہ کو سمجھاتے ہوئے کہا "اس خطرے کا واحد اور بہترین حل یہ ہے کہ نیشی کاؤ کی آمد سے پہلے' ہم تینوں کسی طرح یہاں سے نکل جائیں ورنہ بے موت مارے جائیں گے۔"

"اگر مجھے یہاں سے نکالنے کا بندوبست ہوجائے تو میں ہانگ کانگ جاکر نیشی کاؤ کو ختم کرنے کی کوشش کرسکتا ہوں۔ وہ ہیلی کاپٹر میں سوار ہونے سے پہلے ماردیا جائے تو یہ کہانی اُسی کے ساتھ دفن ہوجائے گی۔" سلطان شاہ نے کہا۔

ہم بہت دیر تک درختوں کے سائے میں اور گھاس کے سرسبز قطعات پر ٹہلتے رہے۔ ڈون کے باغ میں روشنی کے لیے کافی کھمبے نصب تھے لیکن اس وقت اِکّا دُکّا بلب ہی روشن تھے جن کی وجہ سے دھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اپنے مسئلے پر دماغ لڑاتے ہوئے ہم نے اس سرنگ کا سراغ لگانے کی کوشش کی جو ڈون کی زیرِزمین خواب گاہوں کو اس باغ سے ملاتی تھی لیکن سطحِ زمین پر اس کی کوئی علامت نظر نہیں آئی۔ البتہ اس کے دہانے کے عقب میں پھولوں سے لدا ہوا ایک اونچا اور وسیع ٹیلہ موجود تھا جو بادی النظر میں باغ کی منصوبہ بندی کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا لیکن درحقیقت وہ ٹیلہ سرنگ کے بالائے زمیں حصے کو چھپائے ہوئے تھا۔

اس دوران میں مجھے غزالہ کی پوری کہانی کا علم ہوچکا تھا جس کی روشنی میں سرحد پار بیٹھے ہوئے منصوبہ سازوں کے تخریبی ذہنوں کو پڑھنا آسان تھا لیکن وہ سب بعد کی باتیں تھیں۔ ہمارے لیے اہم ترین اور فوری مسئلہ اس حسین زندان سے فرار کا تھا جہاں میری اور غزالہ کی شادی کا کھیل رچانے کا نادر شاہی فرمان جاری کیا جاچکا تھا۔

ہم لوگ اپنی رہائی کے مختلف امکانات پر غور کرتے اور خود ہی انھیں مسترد کرتے رہے۔

پھر اچانک ہی ایک نرم اور مترنم آواز سن کر ہم تینوں بری طرح چونک پڑے۔ چینی لب و لہجے میں کسی عورت نے مجھے ڈینی کے نام سے پکارا تھا۔ وہ آواز شوائے کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہوسکتی تھی۔

ہمارے پلٹتے ہی وہ درختوں کے نیم تاریک کنج سے باہر آگئی۔ وہ ایک عام سی' پستہ قد اور زرد رُو چینی عورت تھی جس نے سنہرے فریم والی عینک لگائی ہوئی تھی۔

"ہیلو! میرا نام شوائے ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے چینی تلفّظ میں انگریزی میں کہا "میں طویل انتظار سے اکتا کر باہر آئی ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں ڈون کا باغ بہت پسند آیا ہے۔"

"تمھیں ہماری کیا ضرورت پیش آگئی؟" میں نے اس کی طرف بڑھ کر بے تکلفی سے پوچھا۔

"ڈون کی حویلی میں انگریزی بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ میں تمھیں بتانے آئی تھی کہ اپنی خوردونوش کی اور دیگر ضروریات کے لیے تمھیں کیا کرنا ہوگا......"

"ڈون کے لیے گانے بجانے والی لڑکیاں بھی انگریزی سے

نابلد ہیں؟" غزالہ نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

وہ طنز شوائے کے سر پر سے گزر گیا "میرے اور ڈون کے علاوہ صرف ایک ایرانی مددگار انگریزی جانتا ہے۔"

"ایرانی؟" میں نے حیرت سے پوچھا "کیا نام ہے اُس کا؟"

"چو سین" شوائے نے سنجیدگی سے کہا اور میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔ میں فارسی داں نہیں تھا لیکن اتنا ضرور سمجھ سکتا تھا کہ ایران میں چو سین وغیرہ کی قسم کے نام نہیں ہوسکتے۔

"انگریزی میں تم یہ نام کس طرح لکھو گی۔؟" میں نے اصل نام کریدنے کی نیت سے پوچھا۔

"ایچ یو ڈبل ایس اے آئی این" اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

"چو سین۔ یہ کیوں پوچھا تم نے؟"

"چو سین نہیں' اسے حسین پڑھا جاتا ہے' بی بی شوائے!" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

وہ ہنس پڑی "اوہ' یاد آیا۔ وہ بھی شروع میں یہی اصرار کرتا تھا۔ لیکن ہمارے حساب سے اسے چو سین ہی پڑھا جاتا ہے۔ اب وہ خود بھی برا نہیں مناتا۔ ہنس مکھ اور ملنسار آدمی ہے۔ تمھاری اس سے ضرور ملاقات ہوگی۔"

وہ ہمیں باتوں میں لگا کر سرنگ کے بیرونی دہانے کی طرف لے چلی۔ چاروں کے اندر داخل ہونے کے بعد جب وہ چوبی دروازے کے بولٹ لگارہی تھی تو معاً مجھے خیال آیا کہ باہر جاتے وقت' ہمیں وہ دروازہ اندر سے بولٹ ملا تھا جب کہ اس سے قبل ڈون کی دونوں خادمائیں بھی چکردار زینوں سے ہی گئی تھیں۔ اگر انھوں نے باغ میں کھلنے والا راستہ استعمال کیا ہوتا تو وہ ہمیں بولٹ نہ ملتا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس سُرنگ میں بھی کوئی خفیہ راستہ موجود تھا۔

"اس سرنگ سے نکاسی کا دوسرا راستہ کہاں ہے؟" میں نے شوائے کے ساتھ چلتے ہوئے سرسری لہجے میں پوچھا اور وہ چونک کر مجھے گھورنے لگی۔

"تمھیں اس راستے کا علم کیسے ہوا؟" اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"چونکنے یا بھڑکنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے پچکار کر کہا "ہم سے پہلے دو لڑکیاں بھی ادھر آئی تھیں۔ باغ والا دروازہ ہم نے خود کھولا تھا۔ اگر وہ دونوں ہوا میں تحلیل نہیں ہوئیں تو اس سرنگ سے نکاسی کا کوئی اور راستہ بھی ضرور رہا ہوگا جو ہمارے علم میں نہیں ہے۔"

"تم بات سے بات ملانے میں ماہر معلوم ہوتے ہو۔" وہ میرے جواب سے مطمئن ہوتے ہوئے بولی "ڈون کے خاص ملازمین ہی ان پوشیدہ راستوں سے واقف ہیں۔ تمھیں اس بارے میں متجسس ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"تم ملازموں کی بات کررہی ہو لیکن میں نے ابھی تک یہاں کسی ملازم کو نہیں دیکھا۔" غزالہ نے قدم بڑھا کر شوائے کے قریب آتے ہوئے کہا "لیکن میں نے تو یہاں صرف ملازمائیں ہی دیکھی ہیں۔"

"ایک ہی بات ہے۔" شوائے کا جواب ترش تھا "تمھیں شکر گزار ہونا چاہیے کہ ڈون نے تمھیں اپنے ملازمین کے حوالے نہیں کیا۔ عورتوں کے حق میں وہ خاصے ناشائستہ ثابت ہوتے ہیں۔"

بات خطرناک رخ اختیار کررہی تھی۔ میں نے فوراً دخل اندازی کرکے موضوع تبدیل کردیا۔ ان ہی اضطراری کوششوں میں' میں نے شوائے کے تعاون کا شکریہ ادا کرنا چاہا تو اس نے بوکھلا کر میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ میری بے وقت کی راگنی پر اس کی آنکھوں میں خوف اُمڈ آیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ میرے سامنے دونوں ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔ میں نے تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلایا اور ہم خاموشی کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔

خواب گاہ میں پہنچتے ہی شوائے نے بالکل وہی حرکت کی جو غزالہ نے کی تھی۔ غزالہ اپنا لکھا ہوا ورق تلف کرچکی تھی اس لیے شوائے نے اوپر والے سادہ ورق پر جلدی جلدی کچھ لکھا اور وہ پرچا میری طرف بڑھادیا۔

"میں نے تم سے تاکیداً کہا تھا کہ میری ہمدردی یا حمایت کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان پر نہ لانا کیونکہ مکاؤ میں دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں لیکن تم وہی ذکر لے بیٹھے۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو تم میرے حق میں کانٹے بونے چاہ رہے ہو؟" پرچے کی تحریر کے ساتھ ہی شوائے کی آنکھوں میں التجا تھی۔

"میں معذرت خواہ ہوں۔" میں نے جواب لکھا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تنہائی میں بات کرنی بھی خطرناک ہوسکتی ہے۔ تم بے فکر رہو' آئندہ میں محتاط رہوں گا۔"

شوائے نے ہم تینوں کو کمرے میں موجود انٹرکام اور اس سے منسلک نمبروں کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

○☆○

ڈون بہت خود سر اور مشتعل مزاج آدمی تھا' اس لیے اس کی چھت کے نیچے محدود آزادیاں حاصل ہونے کے باوجود ہم میں سے کوئی بھی اپنی جگہ مطمئن نہیں تھا۔ ہر شخص کے دل میں اپنی سلامتی کے بارے میں ان جانا خوف جاگزیں تھا اور ذہن مسلسل اس لرزہ خیز صورتِ حال سے بچاؤ کی فکر میں الجھے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے ہم نے ڈون کی حویلی میں اپنی پہلی رات ایک ہی خواب گاہ میں بسر کی۔ وہ ڈون کی پُرتکلف حویلی کی خواب گاہ تھی' اس لیے وہاں بستر کے علاوہ ایک کشادہ دیوان اور دو نرم صوفے بھی موجود تھے۔

وہ زیرِزمین خواب گاہیں کسی مرکزی نظام کے تحت مکمل طور پر ائرکنڈیشنڈ تھیں۔ اس لیے وہاں تازہ ہوا کی کمی کا کوئی احساس نہیں تھا لیکن قدرتی روشنی کا گزر نہ ہونے کی وجہ سے وہاں دن اور

رات کا احساس مفقود تھا۔ میں اپنی رسٹ واچ کے مطابق صبح چھ بجے بیدار ہو گیا لیکن اس خیال سے صوفے پر پڑا رہا کہ میری نقل و حرکت کی وجہ سے ان دونوں کی نیند خراب نہ ہو۔ دھیمی سبز روشنی میں کافی دیر تک پہلو بدلنے کے بعد جب دوبارہ نیند نہ آئی تو میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگا لی۔ نیم اندھیرے میں لائٹر کا شعلہ لپکتے ہی غزالہ بول پڑی۔

"تم جاگ رہے ہو؟" اس کی تحیّر آمیز آواز میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"میں تو کافی دیر سے جاگ رہا ہوں۔ تمہاری نیند خراب ہونے کے خیال سے بلب روشن نہیں کیے تھے۔" میں صوفے پر اٹھ کر سیدھا بیٹھ گیا۔

"میں کافی دیر سے یہ تماشا دیکھ رہا ہوں کہ تم دونوں اپنی اپنی جگہوں پر کروٹیں بدل رہے ہو۔" دیوان کی طرف سے سلطان شاہ کی آواز ابھری "میں منتظر تھا کہ تم دونوں ہجر سے بے تاب ہو کر کب ایک دوسرے کا رخ کرتے ہو۔ شاید میری موجودگی تمہارے لیے کباب میں ہڈی بنی ہوئی ہے۔"

"بے ہودگی کی ضرورت نہیں!" غزالہ کو اس تبصرے پر غصہ آگیا "اس قدر ذہنی تناؤ میں' میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سو سکی اور تم کو مذاق سوجھ رہا ہے۔" اس کے ساتھ غزالہ نے بیڈ سوئچ دبا کر ایک فانوس روشن کر دیا۔

"ذہنی تناؤ غیر ضروری ہے' ڈارلنگ!" میں نے غزالہ کے تبصرے کو سنبھالتے ہوئے کہا "اب تم ڈون کی قیدی نہیں' بلکہ مہمان ہو' ہمیں یہاں ہر طرح کا آرام حاصل ہے....."

غزالہ سمجھ گئی کہ میں گفتگو سن لیے جانے کے امکان سے خائف تھا۔ اس نے بستر چھوڑتے ہوئے خوب صورتی سے بات بنا دی "اپنی جگہ کی اور بات ہوتی ہے۔ ہر رات ٹھکانا بدلنے سے چین نہیں ملتا۔"

ان خواب گاہوں کے غسل خانے ہزاروں خواب گاہوں سے زیادہ منور' کشادہ اور مزین تھے۔ جھلملاتی ہوئی سنہری فٹنگز کے ساتھ دیواریں آئینوں سے آراستہ تھیں' باتھ روم میں بھاپ کے ساتھ میں دیر تک باتھ ٹب میں پڑا رہا۔ کافی دیر بعد میں نہا دھو کر باہر نکلا تو پُر تکلف ناشتا میرا منتظر تھا۔

غزالہ اور سلطان شاہ' پیڈ اور بال پین سنبھالے' تحریری مذاکرات میں مصروف تھے۔

"ناشتے کی ٹرے بھی چکردار زینے سے لائی گئی ہے۔" غزالہ نے نوٹ لکھا "اس کا مطلب ہے کہ مسند والے کنوئیں کا راستہ صرف ڈون کے استعمال میں رہتا ہے۔"

"راستوں کی فکر چھوڑ دو۔ ہم ڈون کے آدمیوں کی آنکھوں میں دُھول جھونک کر یہاں سے فرار نہیں ہو سکتے۔" میں نے اپنا جواب لکھا اور سلطان شاہ کو آنکھ مارتے ہوئے بولا "گرم گرم ناشتا آگیا ہے تو انتظار کیوں کر رہے ہو؟ شروع ہو جاؤ۔ پھر ذرا باہر گھومنے نکلیں گے۔"

"میں جب آنکھیں بند کرتی تھی' ڈون کی محفل کا تصوّر مجھے چونکا دیتا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈون جیسا فیّاض آدمی ان لڑکیوں کو کپڑے دینے میں کنجوسی کیوں کرتا ہے؟ چینی عورت کا تصور تو ریشم' زر بفت اور کمخواب میں لپٹی لپٹائی گڑیوں کا ہے۔ کپڑے اتار کر وہ اپنی انفرادیت کھو بیٹھتی ہیں۔" غزالہ بولی۔

میں نے اسے گھورا۔ اس نے سرہلا کر آنکھ سے اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ وہ دیدہ و دانستہ اس متنازعہ موضوع پر بات کرنا چاہ رہی تھی۔ اس کا انداز ناقدانہ تھا اس لیے مجھ پر ڈون کا دفاع لازم ہو گیا تھا۔

"مکاؤ چین میں نہیں ہے۔ اس پُرتگیزی نو آبادی کا چلن چینیوں سے مختلف ہے اور اب تو چین میں بھی لڑکیاں جینز اور ہاٹ پینٹ پہننے لگی ہیں۔ اس میں ڈون کی کنجوسی سے زیادہ' لڑکیوں کی پسند کا دخل ہے۔"

ناشتے کے ساتھ باتیں ہوتی رہی پھر غزالہ اچانک ہی ہالینڈ سے چُرائے گئے نادر ہیروں کا ذکر لے بیٹھی "تم ڈون کے خیر خواہ ہو۔ اس کی خوشنودی بھی حاصل کرنی چاہتے تھے لیکن تم نے ساتوں ہیرے ڈون کو دے کر اچھا نہیں کیا۔ دو تین ہیرے میرے بھی کام آسکتے تھے۔"

میں بُری طرح چونکا مگر غزالہ کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"قسمت نے ساتھ دیا تو میں تمہیں دوسرے ہیروں سے لاد دوں گا۔ ان شاہی نوادرات پر ڈون ہی کا حق تھا۔"

"دوسرے ہیرے دوسرے ہی کہلائیں گے۔ ان ساتوں ہیروں کی ایک تاریخ ہو گی۔ وہ ہالینڈ کی شہزادیوں اور ملکاؤں کی زینت بنے ہوں گے۔ دوسرے ہیرے پہننے سے فخر اور خوشی کا وہ احساس پیدا ہی نہیں ہو سکتا جو تاریخی نوادرات کے ذاتی استعمال سے ہوتا ہے۔" غزالہ بات کرتے ہوئے' بدستور معنی خیز انداز میں مسکرائے جا رہی تھی۔

"قدیم ہیروں کے ساتھ اکثر المناک تاریخ وابستہ ہوتی ہے بعض ہیرے تو مستند طور پر منحوس قرار دیے گئے ہیں کہ ان کے ہر مالک کو دردناک اور غیر طبعی موت کا شکار ہونا پڑا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے وہ ساتوں منحوس ہیرے ڈون کے سر منڈھ دیے ہیں؟"

"غزالہ!" میں نے بے بسی کے ساتھ اسے گھورا "کچھ خدا کا خوف کرو۔ تم میری نیک نیتی پر شبہ کر رہی ہو۔ ان ساتوں ہیروں کے بارے میں میری جملہ معلومات صفر کے برابر ہیں۔ ڈون کو تمہاری اس زہر فشانی کی بھنک بھی مل گئی تو وہ مجھ سے بدظن ہو جائے گا۔ تم میرے ساتھ خود کو بھی مشکلات میں ڈال لو گی۔"

"ڈون کا رعب ایک آسیب کی طرح تمہارے دل و دماغ پر سوار ہے۔ میں خود بھی اسے قابلِ احترام سمجھتی ہوں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم تنہائی میں بھی کھل کر بات نہیں کرسکتے۔" غزالہ نے برا مان جانے والے انداز میں مجھ سے شکایت کی۔

"احترام منہ دیکھے نہیں کیا جاتا۔ اصل احترام پس پشت ہی کیا جاتا ہے۔ رُوبرو کی جانے والی ہر احتیاط صرف اور صرف خوف کا نتیجہ ہوتی ہے۔ میں ڈون سے خوف زدہ نہیں لیکن اس کی پُرشکوہ شخصیت سے مرعوب ضرور ہوں۔"

وہ گفتگو بھی ایک نرم و نازک موڑ لے کر ختم ہوگئی۔ پھر ہم تینوں باہر جانے کے لیے تیاریاں کرنے لگے۔

عین اسی وقت جب ہم روانگی کے لیے تیار تھے تو انٹرکام کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری طرف ڈون بذاتِ خود موجود تھا اور خاصے خوشگوار موڈ میں تھا۔

"تم لوگ ناشتے سے فارغ ہوگئے ہو تو اوپر ہی آجاؤ!" چند بزرگانہ اور رسمی فقروں کے بعد اس نے کہا۔

"لیکن ہم اوپر آنے کے راستے سے ناواقف ہیں۔" میں نے نرمی سے کہا "ہم سرنگ کے ذریعے تمہاری حویلی کے عقبی باغ میں پہنچ سکتے ہیں۔ ہمیں وہاں سے بلوالو۔"

ڈون کی ہنسی کی گونج سے میرے کان جھنجنا اٹھے، پھر وہ بولا "تم اسی جگہ ٹھہرو۔ شوائے یا چوسین میں سے کوئی تمہیں لینے آتا ہے۔ ان کمروں میں پڑے پڑے تم اکتا جاؤ گے۔"

میں نے اس کا شکریہ ادا کرکے انٹرکام کا رابطہ منقطع کردیا۔

میری خواہش تھی کہ اس موقع پر ہمارا چوسین سے تعارف ہوجاتا لیکن ایک بار پھر مس شوائے ہی ہمارے پلّے پڑگئی۔ اس نے اپنے چہرے کو جاذب نظر بنانے کے لیے خاصے جتن کیے ہوئے تھے لیکن مجھے اس کا زرد چہرہ متورم نظر آرہا تھا۔ وہ ہمیں لے کر عقبی زینے کی طرف بڑھی تو میں نے اسے ٹوک دیا کہ باغ تک پہنچنے کے لیے ہمیں اس کی رہنمائی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میری بات پر پہلے وہ مسکرائی پھر مڑ کر بولی "تم باغ میں نہیں، بلکہ براہِ راست حویلی میں جاؤ گے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ راستہ ہمارے لیے خفیہ نہیں رہے گا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"دیکھتے جاؤ" اس نے اختصار کے ساتھ کہا "تم بہت خوش نصیب ہو کہ ڈون تم پر مہربان ہے۔"

زینوں کے اختتام پر ہم افقی سرنگ میں داخل ہوئے تو شوائے باغ والے نکاس کے بجائے مخالف سمت میں چل دی، جدھر دوسری خواب گاہ کا عقبی زینہ سرنگ میں ملتا تھا۔ اس طوالت کے تقریباً وسط میں شوائے ایک جگہ رک کر دیوار کی طرف گھومی، پھر اس نے پھرتی کے ساتھ اپنے بلاؤز کے گریبان میں سے چھوٹی سی سیاہ ڈبیا نکال کر، اس پر لگا ہوا سبز بٹن دبایا۔ فوراً ہی دیوار کا ایک چوکور حصہ بقیہ دیوار سے الگ ہوکے پیچھے دھنسنے لگا۔ اس خلا کے پار ایک ڈھلان دار راستہ آگے، اوپر کی طرف جاتا ہوا نظر آرہا تھا۔

شوائے سب سے آخر میں اس ذیلی سرنگ میں داخل ہوئی۔ اس نے اسی ڈبیا میں لگا ہوا سرخ بٹن دبایا اور چند ثانیوں میں دیوار کا وہ حصہ اپنی جگہ پر واپس آگیا۔ وہ سارا کام اس قدر مہارت اور فن کاری کے ساتھ کیا گیا تھا کہ راستہ بند ہوجانے کے بعد دیوار پر جوڑ کا سراغ لگانا ناممکن ہوکر رہ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے کشادہ ذیلی سرنگ ایک سپاٹ دیوار پر آکر بند ہوگئی ہو۔ اس ذیلی سرنگ کی چوڑائی کسی بھی طرح دس فٹ سے کم نہیں تھی جبکہ دونوں سرنگوں کو ملانے والا خفیہ راستہ زیادہ سے زیادہ چار فٹ چوڑا رہا ہوگا۔ اس راستے کی تعمیر میں یہ خیال رکھا گیا تھا کہ کوئی ہنگامی ضرورت پیش آنے پر ڈون جیسے تن و توش والے آدمی کو وہاں سے گزرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ شوائے ہمیں لے کر آگے چل پڑی۔

وہ راستہ طے کرتے ہوئے اندازہ ہوا کہ ڈھلان بہت زیادہ تھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد پھر ایک دروازہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ ڈون ہمیں اسی مسند پر براجمان ملے گا جہاں پچھلی رات اس سے ہماری ملاقات ہوئی تھی لیکن شوائے اس خفیہ راستے سے نکلنے کے بعد، ایک موڑ گھوم کر ہمیں ایک بہت اونچے اور عظیم الشان کمرے میں لے گئی جو کسی سربراہِ مملکت کے ملاقاتی کمرے کی طرح سجا ہوا تھا۔ وہاں پڑے ہوئے تمام صوفے غیر معمولی طور پر بڑے تھے۔ ان کی پشت گاہیں بھی بلند تھیں، ڈون اس کمرے کے دور افتادہ حصے میں ایک صوفے میں دھنسا ہوا تھا۔ اس کے آس پاس تین موٹے اور پستہ قامت چینی مؤدب بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کی کھوپڑی بالکل چکنی اور شفاف تھی۔ ڈون کے بدن پر سفید رنگ کا ڈھیلا ڈھالا لباس تھا جب کہ وہ تینوں چینی شوخ، پھولدار قمیصوں اور پتلونوں میں ملبوس تھے۔

ہمارے داخل ہوتے ہی ڈون نے اونچی آواز میں جلدی جلدی، ان تینوں سے کچھ کہنا شروع کیا۔ وہ تینوں پورے انہماک کے ساتھ ڈون کی طرف جھک کر سہلاتے رہے۔ ڈون کے خاموش ہونے پر وہ اپنی جگہوں سے اٹھے، رکوع کی حالت میں ڈون کی طرف جھکے پھر واپس چل دیے۔

ہمارے سامنے رک کر ان تینوں نے بغور ہمارا جائزہ لیا، زرد دانت نمایاں کرکے مس شوائے کو اپنی دوستانہ مسکراہٹوں سے نوازا اور پھر آگے نکلتے چلے گئے۔

ہمارے پہنچتے ہی ڈون نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر نہایت خوش دلی سے ہمارا استقبال کیا پھر ہمارے ساتھ ہی مس شوائے کو بھی وہیں صوفوں پر بٹھالیا۔

اس نے بتایا کہ ہم لوگوں پر سے نقل و حرکت کی پابندی فوری طور پر ختم کردی گئی تھی لیکن مکاؤ میں بظاہر سکون ہونے کے باوجود

فضا مخدوش تھی کیونکہ وان لن کی یکایک گمشدگی کی وجہ سے اس کے حامیوں میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ وہ لوگ اپنی جانیں بچانے کے لیے مین لینڈ چائنا اور دوسرے علاقوں کی طرف فرار ہونے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے جب کہ ڈون کے گرگے ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ ڈون نے وان لن کے سات اہم ترین کارکنوں کے قتل کا فرمان جاری کردیا تھا۔ رات بھر میں، ان میں سے صرف دو ذبح کیے جاسکے تھے، بقیہ پانچ کی تلاش جاری تھی۔ ڈون کا خیال تھا کہ ہم لوگ ان بھگوڑے مجرموں کی کسی انتقامی کارروائی کا نشانہ بن سکتے تھے، اس لیے یہ ضروری تھا کہ ہم شہر میں جانے کے لیے مس شوائے کو اپنے ساتھ رکھیں تاکہ وہ خطرناک مقامات کی بروقت نشان دہی کرکے ہمیں وہاں جانے سے روک سکے۔ اس نے نکروا کو ساتھ لے جانے کی پابندی یکسر ختم کردی تھی۔

اس نرمی پر، غزالہ نے بہت بھرپور انداز میں ڈون کا شکریہ ادا کیا تو اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں غزالہ کے چہرے پر مرکوز ہوکر رہ گئیں۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہیں سات ہیروں کے چلے جانے کا قلق ہے۔" غزالہ کے خاموش ہوجانے پر ڈون نے میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "لیکن تم فکر نہ کرو۔ شادی کے تحائف میں ہیروں کے زیورات دیکھ کر تم دنگ رہ جاؤ گی۔"

غزالہ بھی دنیا بھر کی ٹھوکریں کھا کر بہت مکّار ہوگئی تھی۔ اس نے بوکھلانے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تم دلوں کی بات بھی جان لیتے ہو۔ میں صرف ایک آدھ ہیرا اپنے کسی زیور میں سجانا چاہتی تھی۔ ڈیڈی نے جو کچھ کیا، اچھا ہی کیا۔ مجھے کسی بات کا قلق نہیں ہے۔"

"مجھے سب معلوم ہے۔" ڈون نے بزرگانہ بے نیازی سے کہا۔ "اب تم لوگ جہاں جانا چاہو، جاسکتے ہو۔"

اس گفتگو سے یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ ڈون کی حویلی میں واقعی خفیہ اور حسّاس مائیکروفون لگے ہوئے تھے۔ جن کے ذریعے حویلی کے ہر حصے میں ہونے والی گفتگو سنی یا ریکارڈ کی جاتی تھی اور اس انکشاف کا سہرا غزالہ کے سر جاتا تھا۔ اس نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ، مسروقہ ہیروں کے بارے میں بات چھیڑ کر ڈون کو اس نجی گفتگو کا حوالہ دینے پر مجبور کردیا تھا۔ اگر غزالہ نے مجھے بروقت خبردار نہ کیا ہوتا تو پچھلی رات کھلی کھلی باتیں کرکے ہم نے ڈون کو دوبارہ اپنا دشمن بنالیا ہوتا۔

ڈون کی حویلی کے پُرشکوہ برآمدے سے باہر نکلنے تک شوائے خاموشی کے ساتھ ہماری رہنمائی کرتی رہی لیکن عمارت سے نکل کر ایک پختہ روش پر چڑھتے ہی اس کی زبان چل پڑی "تم لوگوں نے رات کو یقیناً ہیروں کے بارے میں بات کی ہوگی۔ میں تم سے کہہ رہی تھی کہ ڈون سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔"

"اول تو تمہارا یہ مفروضہ غلط ہے۔ دوم یہ کہ ہم نے کوئی بات کی بھی ہوگی تو اپنی مادری زبان میں کی ہوگی۔ ڈون نے اسے کیسے سمجھ لیا ہوگا؟" میں نے اپنی الجھن دور کرنے کے لیے شوائے سے بحث شروع کردی۔

"یہ کمپیوٹر کا دور ہے۔ ڈون کی حویلی میں دو عدد منی سپر کمپیوٹر ہیں جن میں دنیا کی ستائیس اہم زبانوں سے چینی میں فوری ترجمے کی سہولت نصب ہے۔ تمہاری زبان بھی ستائیس میں سے ایک رہی ہوگی۔ یہ کہاں کہاں بولی جاتی ہے؟"

"پاکستان کے علاوہ بھارت کے بڑے حصے میں یہی بول چال کی زبان ہے۔" میں نے کہا۔

"اوہ! ہندی تو ضرور اس پروگرام میں شامل ہے۔ اسی وجہ سے ڈون باخبر ہوگیا۔"

"ہندی نہیں، اسے اردو کہتے ہیں۔" میں نے اس کی تصحیح کرنے کی کوشش کی۔

"ایک ہی بات ہے۔" وہ بے پروائی کے ساتھ بولی "بولی ایک ہی ہے لیکن دونوں ملکوں میں رسم الخط مختلف ہے اس سے مفہوم اور معنوں پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پچھلی رات، تم نے میری ہمدردی اور حمایت کا ذکر کرکے مجھے بھی مروانے کا بندوبست کرلیا تھا۔ میں پھر کہے دیتی ہوں کہ تم نے حویلی میں احتیاط نہ برتی تو مارے جاؤ گے۔ ڈون جب غصے میں بپھرتا ہے تو ہر شخص کی اگلی پچھلی خدمات اور قربانیوں تک کو بھلا بیٹھتا ہے۔"

"اور تم یہاں خوش ہو؟" میں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنے کی کوشش میں نرمی سے سوال کیا۔

شوائے نے غور سے میری طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ خوف سے مزید زرد ہوگیا تھا "میرا امتحان لے رہے ہو؟"

"امتحان سمجھ رہی ہو تو میری بات کا جواب دینے کی ضرورت نہیں، میں دل کی گہرائیوں سے تمہارا احسان مند ہوں۔ اگر تم نے مجھے روسینا کا پتا نہ دیا ہوتا تو میرے آج کے حالات بہت مختلف ہوتے۔"

"تو کیا تم نے اسے بھی کسی چکر میں پھانس لیا؟" اس نے بھڑک کر سوال کیا۔

"کوئی چکر نہیں۔ تم کیوں بھول رہی ہو کہ میری مکاؤ آمد کا بندوبست اسی نے کیا تھا۔" میں نے جواب دے کر شوائے کو ٹال دیا لیکن یہ حقیقت تھی کہ روسینا نے میری کامیابی میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ اس کے ذاتی مراسم کی وجہ سے مجھے گولڈن ڈریگن کے کپتان، ریور چیانگ سے تعارف حاصل ہوا۔ ریور چیانگ سے گپ شپ کے نتیجے میں خوف زدہ روزینی میری طرف متوجہ ہوئی اور میں، اس کی پوری کہانی سننے کے بعد، اس کے قبضے میں موجود، نادر ہیرے حاصل کرکے ریور چیانگ کے ساتھ فرار ہوگیا۔ اگر گولڈن ڈریگن پر وہ خوش بختی میرا ساتھ نہ دیتی تو میں اتنی آسانی کے ساتھ ڈون اور غزالہ تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا تھا۔

حویلی کی عمارت سے قدرے دور ایک احاطے میں ڈون کی نئی نویلی گاڑیوں کا بیڑا پارک تھا۔ وہاں دو تین مقامی' گاڑیوں کی دیکھ بھال میں منہمک تھے۔ مس شوائے پر نگاہ پڑتے ہی ان کا نگراں اس کے پاس آگیا۔ ان دونوں نے سر جھکا کر ایک دوسرے کو خوش آمدید کہا۔ معلوم ہوتا تھا کہ چینیوں میں ہاتھ ملانے کا رواج نہیں ہے۔

شوائے نے گاڑیوں کے بارے میں ہماری پسند جاننی چاہی لیکن ہم میں سے کوئی بھی ایسے چھچھورے موضوع پر اظہارِ خیال کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ شوائے نے اپنے طور پر اس سے سیاہ مرسڈیز کی چابی لے لی۔

مرسڈیز ہچکولے لیتی ہوئی گیراج سے نکلی تو میں نے شوائے سے کہا "باہر جانے سے پہلے ہم وہ میدان بھی دیکھنا چاہیں گے جہاں کل جشن ہونے والا ہے۔"

"اوہو۔ میں تم دونوں کو مبارکباد دینی تو بھول ہی گئی۔ ڈون کل کے جشن میں تمہاری شادی کرا رہا ہے۔ کس قدر خوش نصیب ہو تم دونوں! تمہیں اس قدر اور ایسے ایسے بیش قیمت تحفے ملیں گے کہ تم ان ہی کو بیچ بیچ کر ساری عمر بے فکری سے گزار سکو گے۔"

"بے فکری کی زندگی گزارنے کے لیے پیسے کے علاوہ کچھ اور بھی لوازم ہوتے ہیں' شوائے!" میں نے دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "پردیس میں شادی رچانے کے بعد ہم اپنے دوستوں اور عزیزوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ ڈون نے ہمیں سخت امتحان میں ڈال دیا ہے۔"

"ڈون کوئی فیصلہ کرلے تو وہ کسی کی نہیں سنتا۔" شوائے اداسی کے ساتھ بولی "عام حالات میں وہ بہت ہمدرد اور نرم خو انسان ہے۔ ہماری ہر ضرورت پوری کرتا ہے۔ لیکن جب وہ من مانی پر اتر آتا ہے تو سب کچھ تہس نہس کرڈالتا ہے۔ ایسے وقت میں ہم لوگ اس کے سائے سے بھی دور بھاگتے ہیں۔"

حویلی کے پھاٹک کے قریب والے میدان میں' شوائے نے کار روک دی۔ وہاں متعدد ٹرک اور مشینیں وغیرہ موجود تھیں جن میں سے کچھ فعال تھیں۔ میدان میں بہت سے کارکن پھیلے ہوئے تھے۔ سرسبز لان سے آگے' کچی زمین پر نرم ریت پھیلانے کے ساتھ ہی آہنی شہتیر زمین میں گاڑے جارہے تھے۔

شوائے نے ہمیں جو کچھ بتایا' اس کے مطابق کچے میدان میں بُل فائٹنگ کے لیے بندوبست کیا جارہا تھا۔ پھاٹک والے رخ پر بھینسے کی جالی والی گاڑی آنی تھی۔ بُل فائٹنگ کے میدان کے دونوں طرف مہمانوں کی نشستوں کا بندوبست کیا جانا تھا۔ اس کے تیسرے رخ پر' گھاس کے میدان میں ڈون کی مسند ہونی تھی۔ اس کے ساتھ اہم غیر ملکی مہمانوں اور قریبی دوستوں کی میزیں ڈالی جانی تھیں۔ چوتھی سمت میں' یعنی پھاٹک والے رخ پر بُل پیج کے علاوہ ساز بجانے والوں کا انتظام کیا جانا تھا اور یہ سب بندوبست وسیع رقبے پر پھیلنا تھا۔

"ڈون کے مہمان کا ہیلی کاپٹر یہاں اترا تو بہت دھول اڑائے گا۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔

"ڈون کی مسند کے پیچھے' لان پر ہی کنکریٹ کا ایک چھوٹا سا ہیلی پیڈ ہے۔ ڈون کا دوست وہاں اترے گا اور گھاس پر بچھے ہوئے قالینوں پر چلتا ہوا' ڈون تک پہنچے گا۔" وہ اگلے روز کی تقریب کی منظر کشی کرتے ہوئے کچھ زیادہ ہی پُرجوش نظر آنے لگی تھی "میرا خیال ہے کہ تم دونوں کو ڈون اپنے قریب بٹھائے گا۔"

"اور میں کہاں جاؤں گا؟" سلطان شاہ نے برجستہ سوال داغ دیا۔

"ڈون تمہیں بھی عزت کی جگہ بٹھائے گا۔ شادی کے لیے کینٹون سے ایک مسلمان پوپ کو بلایا جارہا ہے۔ تم لوگوں کی نشستوں کی ترتیب اُسی کے مشورے کے مطابق رکھی جائے گی۔"

"اس تقریب میں تم کہاں رہوگی؟" میں نے پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔

"کل ڈون کے ملازمین پر خاصا بھاری وقت گزرے گا۔ مہمانوں میں قیمتی شرابیں پانی کی طرح بہائی جائیں گی۔ ان کی ساقی گری ہم لوگوں کے ذمے ہوگی۔ کچھ مہمان پی کر بہکنے لگتے ہیں تو ہماری صورتوں میں ان کو اپنی ناکام محبتوں اور تصوراتی پریوں کے عکس نظر آنے لگتے ہیں اور ہمارے لیے مشکل پیدا ہوجاتی ہے۔"

میں آنے والے دن کا نقشہ اپنے ذہن میں جماتا ہوا' واپس مرسڈیز کی طرف چل دیا۔

شوائے گاڑی چلاتے ہوئے بھی بار بار ہم لوگوں کی اس خوش قسمتی پر کہ ڈون ہماری شادی کرا رہا تھا' رشک کیے جارہی تھی۔ لاکھ آزاد منش اور فراخ دل سہی' لیکن وہ ایک عورت ہی تھی جو کسی تناور درخت کی چھاؤں کے بغیر' اپنی زندگی کے سینتالیس برس ایک بے نخل و ثمر صحرا میں گزار چکی تھی۔ ڈون کے مزاج کی رنگینی دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ شب و روز کی محنت کے علاوہ' شوائے اپنے عنفوانِ شباب میں ڈون کے جنسی استحصال اور تلذذ کا نشانہ بھی بنتی رہی ہوگی۔ وہ ہمیشہ سے ڈون کی وفادار رہی تھی لیکن اس کی زندگی اسی ڈگر پر چلی جارہی تھی جب کہ شوائے کی نگاہ میں' غزالہ پچھلی رات تک ڈون کے قہر و عتاب میں آئی ہوئی ایک قیدی تھی لیکن اگلے دن ڈون ہی اسے بیاہنے والا تھا۔

دن کے اجالے میں مکاؤ کا رنگ روپ بالکل پھیکا اور اجڑا اجڑا سا نظر آرہا تھا۔ نہ روشنیوں کا سیلاب تھا' نہ بازاروں اور تفریح گاہوں کی وہ پُرہجوم سج دھج تھی جو میں نے پچھلی رات سرسری نظر میں دیکھی تھی۔ مجھے بے اختیار بازارِ حسن کی وہ آبرو باختہ طوائفیں یاد آگئیں' جو دن کے اجالے میں بے روپ' مکار اور بے شرم نظر آتی ہیں لیکن شام ڈھلتے ہی معصومیت و پُرکاری کے لبادے میں' بارہ سنگھار کرکے گاہکوں کو پھانسنے کے لیے کھڑکیوں اور چوباروں پر آکھڑی ہوتی ہے اور خریدار یکے بعد دیگرے ان کے دام میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ لوگ سچ ہی کہتے ہیں کہ مکاؤ صرف آسودہ حال جواریوں اور عیاشوں ہی کی جنت ہے ورنہ عام لوگوں کے لیے وہاں کوچہ نوردی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ آتے ہیں اور رنگا رنگ تماشے دیکھ کر لوٹ جاتے ہیں۔

شوائے نے مکاؤ کے مرکزی بازار میں چائنا آرٹ امپوریم سے ذرا آگے کار روک دی۔ فوراً ہی کہیں سے ٹریفک کا ایک سپاہی نمودار ہوا اور شوائے کی سمت مکمل مؤدب کھڑا ہوگیا۔ شاید ڈون کی گاڑیاں پورے مکاؤ میں دور ہی سے پہچانی جاتی تھیں۔

شوائے ہم لوگوں کے ساتھ اطمینان سے' مرسڈیز سے اتر گئی۔ اس نے چابی اگنیشن میں لگی چھوڑ دی تھی۔ وہ باوردی سپاہی انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی پارکنگ لاٹ کی طرف لیتا چلا گیا۔

شوائے نے ہمیں دکانوں وغیرہ میں لے جانا چاہا لیکن میں نے انکار کردیا۔ اس وقت میرا ذہن تیزی سے ساتھ کام کررہا تھا اور میں ہاکروں وغیرہ سے بھرے ہوئے' ایسے کسی بازار میں گھسنا چاہ رہا تھا جہاں میں شوائے سے نظریں بچا کر اپنے کام کی کوئی چیز تلاش کرسکوں۔

شوائے کو غزالہ نے اپنے ساتھ الجھا لیا تھا۔ وہ موقع کی نزاکت اور شاید میری نیت بھانپ گئی تھی اس لیے وہ شوائے کے ساتھ آگے آگے چل رہی تھی۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ قصداً پیچھے رہ گیا تھا۔

سلطان شاہ نے موقع ملتے ہی ایک بار پھر وہاں سے کھسک جانے اور ہانگ کانگ پہنچ کر نیشی کاؤ کو ٹھکانے لگانے کا خیال ظاہر کیا جسے میں نے سختی کے ساتھ مسترد کردیا۔

"تم کل رات کو باغ میں بھی یہ بات کہہ چکے ہو۔ یہ سوچنا آسان ہے لیکن اس پر عمل کرنا قطعی ناممکن ہے۔" میں نے کہا۔ "ہانگ کانگ کے حکام غیر قانونی تارکینِ وطن سے عاجز آئے ہوئے ہیں۔ ہوائی اڈے پر پولیس اور امیگریشن کے سخت کنٹرول کی وجہ سے تم تارمک پر نہیں جاسکو گے۔ پھر نیشی کاؤ بھی تنہا نہیں ہوگا۔ ڈون کے آدمیوں کی بھیڑ اس کے استقبال کے لیے تیار ہوگی۔ وہ تمہاری تکا بوٹی کرڈالیں گے۔"

"پھر بھی کوشش کرلینے میں کیا حرج ہے؟" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔

"دیدہ و دانستہ موت کے مُنہ میں کودنے سے بہتر ہے کہ یہیں رہ کر کچھ کرنے کی کوشش کی جائے۔"

"لیکن کیا؟ یہاں رہ کر ہم کیا کرسکیں گے؟ نیشی کاؤ آئے گا اور ڈون ہماری گردنوں میں طوق ڈلوا دے گا۔ ڈون اور نیشی کاؤ کی ملاقات روکے بغیر ہم نہیں بچ سکیں گے۔" وہ جھلّا کر بولا۔

اس وقت تک غزالہ' شوائے کو باتوں میں لگا کر خاصی دور نکل گئی تھی۔ میں سلطان شاہ کا ہاتھ تھام کر اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا قریب ترین دکان میں گھس گیا۔ وہ دکان زیادہ بڑی اور گہری نہیں تھی۔ وہاں ہر طرف بھانت بھانت کے ہیٹ ہی ہیٹ بکھرے ہوئے تھے۔ اپنی دکان میں دو غیر ملکیوں کو دیکھتے ہی ایک جواں سال سیلز گرل ہمارے سروں پر مسلط ہوگئی۔

"میں تمہاری کیا خدمت کرسکتی ہوں؟" اس نے ہماری راہ میں حائل ہوکر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں' مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ اس وقت تک ہم دونوں دروازے کے سامنے سے ہٹ کر اوٹ میں ہوچکے تھے۔

"مجھے اپنے بچے کے لیے کاؤ بوائے کِٹ چاہیے۔" میں نے ہیٹوں کے ہیٹ دیکھتے ہوئے کہا۔

"کاؤ بوائے کِٹ؟ یہ کیا ہوتی ہے؟" اُس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہی لباس اور ہتھیار جو میکسیکو کے لڑاکا گھڑسوار پہنتے ہیں۔ تم نے کسی نہ کسی ویسٹرن فلم میں ایسا لباس ضرور دیکھا ہوگا۔" میں نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے وضاحت کی۔ سلطان شاہ نے ہوشیاری سے کام لیا اور مڑ کر الماریوں میں رکھے ہوئے سامان کے معائنے کے بہانے شیشوں میں سے باہر کی نگرانی کرنے لگا تاکہ شوائے ہمیں اپنے ساتھ نہ پاکر واپس لوٹے تو وہ مجھے ہوشیار کرسکے۔

"ایسا لباس نہیں ملے گا۔" میری وضاحت سن کر' سیلز گرل کی مسکراہٹ مایوسی میں بدل گئی "ہم ہر قسم کے ہیٹ بیچتے ہیں۔ ویسے تمہیں اپنی مطلوبہ چیز مکاؤ میں نہیں ملے گی۔ ہانگ کانگ جاؤ تو وہاں تلاش کرلینا۔"

"مغربی نہ سہی تو کوئی مقامی لباس ہی دے دو۔" میں نے ہیٹوں کا ایک ہیٹ اٹھا کر اپنے سر پر جماتے ہوئے کہا "دس سال کے بچے کے لیے ایسا کوئی ہیٹ' جوڈو وغیرہ کا کوئی ڈھیلا ڈھالا لباس اور بلو پائپ وغیرہ!" میں نے ڈرتے ڈرتے آخری دو الفاظ کہے جن میں میرا اصل مقصد پنہاں تھا۔

"ہیٹ تو یہ ٹھیک رہے گا۔" میری وضاحت پر وہ کھل اٹھی۔ "باقی چیزیں پچھلی گلی میں نُکڑ کی دُکان سے مل جائیں گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے بیٹے کے لیے مکاؤ کی کوئی سوغات لے جانی چاہتے ہو۔"

"بالکل' تم ٹھیک سمجھیں!" میں نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "پستول نہ سہی تو بلو پائپ ہی سے کام چل جائے گا۔ وہ نئی چیزوں کا بہت شوقین ہے۔"

"لیکن بلو پائپ خطرناک ہوتا ہے۔ اُس کے ساتھ عام طور پر زہر میں بجھی ہوئی پتلی پتلی سوئیاں ہوتی ہیں جو ذرا سی پھونک سے بیس پچیس فٹ دور تک جاتی ہیں۔ لوگ انہیں موذی جانوروں کو ہلاک کرنے کے لیے خریدتے ہیں۔ کچھ سوئیاں اپنے شکار کو فوراً بے ہوش کردیتی ہیں۔ تم دُکاندار سے اپنا مُدعا ظاہر کروگے تو وہ

تمہیں ایسی سوئیاں دے دے گا جن کے اثر سے پورے بدن میں دس پندرہ منٹ تک خارش رہتی ہے پھر آدمی نارمل ہو جاتا ہے۔ مذاق اور کھیل کے لیے وہی سوئیاں بے ضرر رہیں گی۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔ ہیٹ کے کیا دام ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"آٹھ امریکی ڈالر!" اُس کا جواب سن کر میں اپنی جیب سے رقم نکال ہی رہا تھا کہ سلطان شاہ نے مجھے بتایا کہ شوائے بوکھلائے ہوئے انداز میں غزالہ کے ساتھ واپس جاتی ہوئی نظر آئی تھی۔

میں نے دس ڈالر کا نوٹ لڑکی کو تھماتے ہوئے کہا "باقی دو ڈالر تم رکھ لو اور ہاں' یہ تو بتاؤ کہ آگے سے پچھلی گلی میں نکلنے کا کوئی راستہ بھی ہے؟ دراصل ہم ترتیب سے پورا بازار دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"سیدھے جا کر بائیں طرف گلی میں اور پھر اگلے موڑ سے دوبارہ بائیں طرف مڑ کر تم پچھلی گلی میں پہنچ جاؤ گے۔" اس نے تنکوں کا ہیٹ ایک تھیلی میں ڈال کر میرے حوالے کرتے ہوئے کہا اور میں تیزی سے دُکان سے نکل آیا۔ مجھے ڈر تھا کہ ہم دونوں کو سڑک یا فٹ پاتھ پر نہ پا کر شوائے ہمیں دکانوں میں ڈھونڈنا نہ شروع کر دے۔

"تو تم نے بلو پائپ حاصل کرنے کے لیے یہ سارا بکھیڑا پھیلایا ہے!" سلطان شاہ بہت حیرت زدہ تھا "تم تو بیم گن ساتھ لائے ہو۔ وہ بلو پائپ سے زیادہ کارگر رہے گی۔ میں اپنی جان پر کھیل کر نیشی کاؤ کو اُڑا دوں گا۔"

"میں جب تک بلو پائپ کی ساخت نہ دیکھ لوں' کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس بارے میں میرا ذہن صاف نہیں ہے لیکن بیم گن بالکل ہی خارج از امکان ہے۔ اوّل تو فائر ہوتے ہی تمہیں دیکھ لیا جائے گا۔ بالفرض وہ سب اندھے بھی ہو گئے تو ڈون' نیشی کاؤ کی لاش دیکھتے ہی سمجھ جائے گا کہ اس کے دوست کو بیم گن کا نشانہ بنایا گیا ہے اور بات فی الفور جی لائیڈ تک پہنچ جائے گی۔ ڈون جاننا چاہے گا کہ مکاؤ میں اس کے علاوہ اور کون بیم گن کا مالک پیدا ہو گیا ہے اور ہم بازی ہار جائیں گے۔ مکاؤ میں بیم گن ہمارے لیے شجرِ ممنوعہ بن چکی ہے۔ بلو پائپ کارآمد نظر آیا تو اسے تم ہی چلاؤ گے مجھے تو دلہا بنا کر باندھ دیا جائے گا۔"

اس وقت واپسی کے بجائے' آگے کا راستہ صاف اور محفوظ تھا اس لیے ہم دونوں تیزی سے اسی طرف چل دیے۔ مجھے بازار سے خاک دلچسپی نہیں تھی۔ میں شوائے کی نظروں میں آنے سے پہلے' جلد از جلد بلو پائپ خرید لینا چاہتا تھا تاکہ مقامی شکار کے لیے مقامی ہتھیار قبضے میں آسکے۔

ہم دونوں لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے' آگے سے گھوم کر عقبی گلی میں داخل ہوئے اور چند ہی منٹ میں مطلوبہ دُکان پر پہنچ گئے۔ وہ بڑی دُکان تھی ہم دونوں اندر پہنچنے کے بعد بے پروایانہ انداز میں چیزوں کا جائزہ لیتے رہے۔ ہانگ کانگ کی طرح یہاں بھی چینیوں کے مسخرے بادشاہوں کے شرمناک مجسموں کی بہتات تھی۔ ہم نے غیر ضروری طور پر چند اشیا منتخب کیں پھر میں اس مقفل شوکیس کے سامنے رک گیا جس میں متعدد نلکیاں' سگریٹیں اور لمبی لمبی' باریک سوئیوں کے پیکٹ رکھے ہوئے تھے۔

"یہ بلو پائپ ہیں۔ عام اور روایتی شکل سے لے کر یہ سگریٹ اور بانسریوں میں بھی پوشیدہ ہیں' تم ان میں اپنی پسند کی چار سوئیاں استعمال کر سکتے ہو۔" مجھے اس شوکیس کی طرف متوجہ پاتے ہی دُکاندار کی زبان چل پڑی اور اس نے قفل کھول کر بلو پائپ شیشے پر ڈھیر کر دیے۔

میرے استفسار پر اُس نے چند بلو پائپ استعمال کر کے دکھائے' اس مظاہرے میں اُس نے بے ضرر سادہ سوئیاں استعمال کیں جو پھونک مارتے ہی' ہوا میں تیرتی ہوئی' چوبی نشانوں میں پیوست ہو گئیں۔ وہ سوئیاں اس قدر سخت اور لچک دار تھیں کہ ان کی باریکی کے باوجود انہیں موڑنا آسان نہیں تھا۔

میرے ذہن پر شوائے کا خوف سوار تھا۔ اس لیے میں نے عجلت میں چار مختلف بلو پائپ اور چاروں قسم کی سوئیوں کا ایک ایک پیکٹ خرید لیا۔ میں نے یہ خیال رکھا تھا کہ میرے خریدے گئے کسی بلو پائپ کی لمبائی چند انچ سے زیادہ نہ ہو تاکہ اسے آسانی کے ساتھ ہتھیلی میں چھپایا جا سکے۔

میں نے ڈون سے کہہ دیا تھا کہ میں شراب نوشی سے مکمل پرہیز کرتا تھا جب کہ میری وہ عادت اپنی جگہ برقرار تھی اس لیے اس دُکان کے ایک حصے میں بھانت بھانت کی مقامی' علاقائی اور غیر ملکی شرابوں کا ذخیرہ دیکھ کر میری طلب جاگ اٹھی اور میں نے پوری یا آدھی بوتل کے بجائے بلیک لیبل کے چھ نپ خرید لیے۔ ان میں سہولت یہ تھی کہ چند گھونٹوں میں نیٹ اسکاچ معدے میں منتقل کرنے کے بعد' ننھی سی بوتل کو بہ آسانی کہیں بھی ٹھکانے لگایا جا سکتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ واپسی سے پہلے میں موقع نکال کر سارے نپ خالی کر دوں گا۔

سیلزمین نے میری خریدی ہوئی اشیا ٹل سے ملحقہ کاؤنٹر پر رکھیں تو وہاں موجود چینی نے مسکرا کر کیش رجسٹر کے قفل میں چابی گھمانی چاہی لیکن اس کی کئی کوششیں بھی بارآور ثابت نہ ہوئیں تو وہ خفت اور پریشانی کے عالم میں اس پر جھک گیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے اعصاب پر تناؤ سوار ہوتا جا رہا تھا۔ جب کئی منٹ گزر گئے اور کیش رجسٹر نہ کھلا تو میں نے اس سے کہا کہ وہ حساب کر کے یوں ہی رقم لے لے اور بعد میں اسے ٹل میں جمع کر لے لیکن اس نے خندہ پیشانی سے بتایا کہ ایسا کرنا اسٹور کے اصول کے خلاف تھا۔

وقفہ طویل ہونے لگا تو میں نے اُس کی اجازت سے' وہیں کھڑے کھڑے اسکاچ کی منی ایچر بوتل خالی کر کے ڈسٹ بن میں

پھینک دی۔ اس دوران میں دُکان میں مزید کئی گاہکوں کا اضافہ ہو چکا تھا۔

آخر کار کیشیئر کو کامیابی ہوئی اور وہ میری خریدی ہوئی اشیاء کو تھیلیوں میں ڈال کر' مشین پر ان کی قیمت کا اندراج کرنے میں مصروف ہو گیا۔ عین اسی وقت شوائے بدحواسی کے عالم میں وہاں گھس آئی۔ اس کے پیچھے غزالہ بھی ہانپتی کانپتی چلی آ رہی تھی۔

شوائے کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ ہم دونوں پر نظر پڑتے ہی وہ ناراضی کے عالم میں بولی "تم یہاں مزے سے خریداری کر رہے ہو اور میرا سیروں خون خشک ہو چکا ہے۔"

"مس شوائے! اتنی فکرمندی اچھی نہیں ہوتی۔ ہم دونوں عاقل و بالغ ہیں۔" میں ہنستے ہوئے کاؤنٹر کے سامنے آگیا تاکہ وہ میرے خریدے ہوئے بلو پائپ نہ دیکھ سکے۔

"تم نے برا کیا' بہت برا کیا" وہ بڑبڑا کر رہ گئی۔ غزالہ اس کے ساتھ اندر آنے کے بجائے باہر ہی رک گئی تھی۔

دُکان سے باہر نکلتے ہی شوائے میرے سر ہو گئی "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اس گلی میں آ گئے ہو۔ ہیٹ والی مجھے نہ بتاتی تو ہم تم تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے بلو پائپ کیوں خریدا ہے؟"

"سوغات کے لیے!" اسے جواب دینے کے بعد میں نے اُس کے الفاظ پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ اس نے میرے خریدے ہوئے ہتھیار نہیں دیکھے تھے بلکہ ہیٹ والی کے الفاظ پر انحصار کیا تھا۔

معاملہ یک بیک بگڑ گیا تھا۔ اگر میں سوغات والی کہانی پر جما رہتا تو شوائے واپسی پر ڈون کو بتا دیتی کہ میں نے کیا خریدا تھا اور نیشی کاؤ کی امکانی ہلاکت کے بعد ڈون مجھے گردن سے دبوچ لیتا۔ میرے ذہن میں پرورش پانے والے پورے منصوبے کی کامیابی کا دارومدار اچانک شوائے کی شمولیت پر ہو گیا۔ اُسے اپنی زبان بند رکھنے پر آمادہ کیے بغیر ہم ذرا سی بھی کامیابی کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔

"سوغات!" وہ خوف زدہ لہجے میں کہہ رہی تھی "تم کچھ سوچ کر ہم سے الگ ہوئے اور بلو پائپ والے کا پتا معلوم کر کے پھرتی سے وہاں پہنچ گئے۔ مجھے دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔ پہلے تم نے حیرت ناک طور پر کروڑوں کے ہیرے ڈون کے قدموں میں ڈال دیے اور اُسے اپنا مطیع بنانے کے بعد بلو پائپ خرید لائے ہو۔ تم نے ذرا سی دیر میں میری عقل ماؤف کر کے رکھ دی ہے۔"

"تمہیں سہمنے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے ہیٹ والی تھیلی ایک کوڑے دان میں اچھالتے ہوئے دوستانہ انداز میں کہا "یہ مکاؤ کی سوغات ہی ہے لیکن تم ڈون سے اس کا ذکر نہیں کرو گی۔"

"نہیں' یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ ڈری ڈری ہذیانی آواز میں بولی۔ "میں جاتے ہی اسے خبر دوں گی اور وہ تمہاری جامہ تلاشی لے گا۔ یہ سوغات ہی ہے تو واپسی میں تمہارے حوالے کر دی جائے گی... اور ڈون نے تو کہا تھا کہ تم شراب کو چکھتے بھی نہیں ہو مگر تمہارے سانسوں سے الکحل کی تیز بُو آ رہی ہے۔ تم سرے سے فراڈ معلوم ہوتے ہو۔"

اس وقت شوائے سے الجھنا مناسب نہیں تھا۔ اس کے بھڑکے ہوئے رویّے کی وجہ سے لوگ ہمیں دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے۔ غنیمت یہ تھا کہ ہماری گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی اور مکاؤ والے اس زبان سے بڑی حد تک نابلد تھے۔

شوائے نے پارکنگ لاٹ پر مختصر سپاہی سے مرسڈیز کی چابی لینے کے بعد سفر کا دوبارہ آغاز کیا تو میں نے اسے کسی پارک کی طرف چلنے کی ہدایت کی۔ وہ مجھ سے برہم اور اُکھڑی اُکھڑی تھی لیکن اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ چند منٹ بعد ہماری گاڑی ایک مختصر لیکن ویران پارک کے کنارے' درختوں کے سائے میں رک گئی۔

میں نے بلیک لیبل کا دوسرا منی ایچر کھول کر ایک ہی سانس میں اپنے حلق میں انڈیل لیا۔ میں اس وقت اپنے اعصاب کو سکون پہنچانے کی شدید ضرورت محسوس کرنے لگا تھا۔ شوائے حیرت' خوف اور بے یقینی کے ساتھ مجھے یوں گھور رہی تھی جیسے میرے ماتھے پر اچانک ہی سینگ نکل آئے ہوں۔

"میری شراب نوشی اور بلو پائپ!" میں نے شوائے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سختی سے کہا "تم ان دونوں باتوں کا ڈون سے کوئی ذکر نہیں کرو گی۔ میں تمہیں اپنی زبان بند رکھنے کی مُنہ مانگی قیمت دوں گا۔"

"یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔" وہ اپنی ضد پر اڑی رہی "میں ڈون سے غداری نہیں کروں گی۔"

میں نے اسے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ میں نے اپنا پینترا تبدیل نہ کیا تو وہ غصے اور صدمے کے عالم میں چلّانا شروع کر دے گی۔

"تم میری بات نہیں مانو گی تو میں اپنے ساتھ تمہیں بھی پھنسوا دوں گا۔ تم شروع سے اب تک' میری برابر کی شریک رہی ہو۔" آخر کار میں نے اس کے ساتھ بے رحمی سے پیش آنے کا فیصلہ کر لیا۔

"ڈون تمہارے جھوٹ پر یقین نہیں کرے گا۔ وہ مجھے مدتِ دراز سے جانتا ہے۔ میں نے اپنی جوانی کے بہترین دن اس پر قربان کیے ہیں۔ وہ مجھ سے آنکھیں نہیں بدلے گا۔" میری دھمکی اس پر کارگر ثابت نہ ہو سکی۔

"بائی ڈارلنگ' شوائے!" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "ڈون کو جوان غنچوں سے جو رس چوسنا تھا وہ چوس چکا ہے۔ بوڑھی ہڈیوں اور مرجھائے ہوئے جسموں سے اسے کوئی دلچسپی نہیں کیوں کہ اس

کے لیے ہر روز حسن و شباب کے نت نئے پیکر جمع کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ اس کی طرف سے تمہیں کسی خوش فہمی میں رہنے کی ضرورت نہیں۔ اوّل تو وہ کانوں کا کچا ہے۔ نہایت آسانی سے میری بات مان لے گا۔ نہ مانا' تو اسے قائل کرنے کے لیے رو وینا کو سامنے لانا پڑے گا۔ وہ ایک سادہ لوح اور ڈرپوک سی لڑکی ہے۔ وہ زیادہ دیر تک ڈون کی خشمناک نظروں کا سامنا نہیں کرسکے گی اور اُگل دے گی کہ مجھے مکاؤ پہنچانے میں تمہاری ذاتی دلچسپی اور کوششوں کا دخل ہے۔ اس ناقابلِ تردید گواہی کے بعد تم ڈون کے سامنے نہیں ٹھہر سکو گی۔"

اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور پھر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر کراہی۔ "تم مارِ آستین ہو۔ پتا نہیں وہ کون سی منحوس گھڑی تھی جب میں نے تم پر اعتبار کیا تھا۔"

"اس انکشاف پر ڈون تمہاری ٹانگیں چیر سکتا ہے۔" میں نے اس پر اپنا دباؤ برقرار رکھنے کی نیت سے کہا۔ "ہم دونوں کے مشترکہ مفاد کا تقاضا ہے کہ تم وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔ تم نے اس سے انحراف کیا تو صرف میں ہی نہیں' تم بھی ناقابلِ بیاں مشکلات میں گھر جاؤ گی۔"

اپنی مجبوری اور بے چارگی کا احساس کرتے ہی وہ اسٹیئرنگ وہیل پر سر ٹکا کر رونے لگی۔

"تم جھوٹے' چال باز اور دغا باز ہو۔" وہ سسکیوں کے درمیان میں بڑبڑا رہی تھی۔ "میں نے تم پر ترس کھا کر تمہارے ساتھ نرمی کا رویّہ اختیار کیا اور آج تم مجھ کو آنکھیں دکھا رہے ہو۔ یہ کسی کے ساتھ بھلائی کرنے کا زمانہ نہیں ہے۔ جس کے ساتھ نیکی کرو' موقع ملتے پر وہی پھاڑ کھانے کو آتا ہے۔"

میں نے سرد مہری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کچھ دیر تک اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد وہ خود ہی مجھ سے مخاطب ہونے پر مجبور ہوگئی۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم ڈون کو ہلاک کرنے کا پختہ ارادہ کر چکے ہو؟" اس نے نمناک آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"یہ کس نے کہا تم سے؟" میں نے بے ساختہ جوابی سوال داغ دیا۔

"پھر تم نے بلو پائپ کس لیے خریدا ہے؟ اس کی مدد سے تم کس کو مارنا چاہتے ہو؟"

"کسی کو بھی نہیں۔" اسے راہِ راست پر آتا ہوا دیکھ کر میں نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرلی۔ "تم یقین کرو کہ میرے دل میں ڈون کی طرف سے ذرا بھی عناد نہیں۔ میں اپنی شراب نوشی اور بلو پائپ کی خریداری کا قصہ اس لیے چھپانا چاہتا ہوں کہ ڈون میری طرف سے بدظن نہ ہو جائے ورنہ میں نے بلو پائپ صرف سوغات کے طور پر ہی خریدا ہے۔ میرے نزدیک وہ مہلک ہتھیار نہیں' بلکہ ایک دلچسپ کھلونا ہے۔"

"میں نہیں مان سکتی۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ تمہاری نیت میں کوئی نہ کوئی کھوٹ ہے۔"

"بالفرض کوئی کھوٹ ہے بھی تو اس کا ڈون کی ذات سے کوئی تعلق نہیں؟" میں نے اسے یقین دلانا چاہا۔ "زیادہ سے زیادہ تم اسے حفظِ ماتقدم کہہ سکتی ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میرے مکاؤ پہنچنے تک ڈون میری ذات سے اس قدر متنفر تھا کہ مجھ سے بات کرنے کا بھی روادار نہیں تھا۔ اس کی حویلی میں ہر طرف بے اعتباری نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ وہ حویلی میں لیے جانے والے ہر سانس تک پر نظر رکھتا ہے۔ بے اعتمادی کی اس فضا میں اُسے بہکانے اور سکھانے والے لوگ بھی موجود ہیں۔ وہ کانوں کا کچا ہے۔ کچھ بھروسا نہیں کہ وہ کب ان لوگوں کی باتوں میں آکر مجھ سے دوبارہ برہم ہو جائے۔ میں نے ایسے ہی کسی برے وقت کے لیے بلو پائپ خریدا ہے۔ یہ ہتھیار ڈون کے خلاف نہیں' بلکہ اسے بہکانے والے کے خلاف استعمال کیا جائے گا۔"

"تم خود غرض اور پکے بلیک میلر معلوم ہوتے ہو۔ میں اس وقت تک اپنی زبان بند رکھوں گی جب تک تم ڈون کے لیے خطرہ نہیں بنتے۔ جوں ہی تمہارے ارادوں میں کوئی تبدیلی نظر آئی' میں اپنی خاموشی توڑ کر ڈون کو حقیقت سے آگاہ کردوں گی۔"

میں نے محسوس کیا کہ ڈون برا' بھلا جو کچھ بھی تھا' اپنے زیرِ کفالت لوگوں میں بہت مقبول تھا۔ ان میں سے کوئی بھی' کسی بھی حالت میں اُس سے مُنہ موڑنے کا تصور نہیں کرسکتا تھا یہی وجہ تھی کہ جزیرہ نما مکاؤ اور اس کے آس پاس کے جزائر پر ڈون راج کر رہا تھا۔

میری اور شوائے کی اس تلخ بحث میں غزالہ یا سلطان شاہ نے ذرا بھی دخل اندازی نہیں کی۔ وہ دونوں خاموش تماشائی بنے رہے لیکن وہ معاملہ نمٹتے ہی غزالہ بول پڑی۔ "یہ بلو پائپ ہے کیا بلا۔ تم دونوں اس پر اتنی بری طرح کیوں الجھ رہے تھے؟"

"بظاہر یہ ایک حقیر اور معمولی سی نلکی ہوتی ہے جسے بعض اوقات سگریٹ' پنسل یا کسی اور چیز میں چھپا دیا جاتا ہے لیکن یہ بہت خطرناک ہتھیار بھی ہے۔" مجھ سے پہلے شوائے نے بولنا شروع کیا۔ "اس میں اسٹیل کی بہت باریک اور لمبی سوئیاں استعمال ہوتی ہیں۔ جو نلکی میں پھونک مارتے ہی' اڑتی ہوئی نشانہ پر پیوست ہو جاتی ہیں۔ یہ سوئیاں زہر میں بجھی ہوئی ہوں تو شکار پل بھر میں موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔"

"تو کیا تم ڈون کی حویلی میں موت کا کھیل کھیلنا چاہ رہے ہو؟" غزالہ نے شوائے سے نظر بچا کر مجھے آنکھ مارتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔ "ایسا کوئی قدم اٹھا کر تم زندہ نہیں بچ سکو گے۔"

"میں کچھ بھی نہیں کرنا چاہ رہا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر بے بسی سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ شوائے کے بعد اب تم

پر مغز زنی کرنی پڑے گی۔ ڈون کی حویلی میں ہمیں غیر یقینی صورتِ حال کا سامنا ہے۔ میں صرف اپنے تحفظ کا بندوبست کر رہا ہوں۔ حالات نارمل رہے تو بلو پائپ سوغات بن کر رہ جائے گا۔"

"تم ڈیبی سے زیادہ سمجھ دار معلوم ہوتی ہو۔" شوائے نے غزالہ سے کہا۔ "اسے سمجھاؤ کہ یہ آگ سے کھیلنے کی کوشش نہ کرے، یہ آگ ڈیبی کے ساتھ تم دونوں کو بھی جلا کر راکھ کر سکتی ہے۔"

"فی الحال اس قصے پر لعنت بھیجو، میں تنہائی میں اسے سمجھانے کی کوشش کروں گی۔ یہ بتاؤ کہ اب تم ہمیں کہاں لے جا رہی ہو۔" غزالہ نے اس کے ساتھ ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔

شوائے اپنا چشمہ اتار کر ٹشو پیپر سے آنکھیں اور چہرہ صاف کرتے ہوئے بولی۔ "ڈیبی نے اس وقت مجھے بدترین ذہنی صدمہ پہنچایا ہے اور میں سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہی ہوں۔ تم جہاں کہو ہم وہاں چل سکتے ہیں، ہم باہر آئے ہیں تو کم از کم لنچ کر کے ہی واپس چلیں گے۔"

مجھے مکاؤ کے بارے میں بہت زیادہ معلومات نہیں تھیں لیکن غزالہ نے بتایا کہ مکاؤ کے ساحل سے کچھ دور، اسی کی سمندری حدود میں کولون اور تائپہ نام کے دو خوبصورت جزائر ہیں جو ہانگ کانگ اور کولون کی طرح، زیرِ آب سرنگ کے ذریعہ ملے ہوئے ہیں۔ مکاؤ والے ان دونوں جزائر کا ہانگ کانگ والے کولون اور تائیوان والے تائپہ سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن وہاں سیاحوں کے لیے رنگا رنگ تفریحات کی بہتات تھی۔

شوائے نے ادھر جانے کا مشورہ رد کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ کولون، مقتول وان لن کا سب سے مضبوط ٹھکانا تھا جہاں اس کے حامی سب سے بڑے کاسینو کے مالک تھے۔ تازہ ترین کشیدگی کی وجہ سے اس امر کا قوی امکان تھا کہ ڈون کے آدمیوں نے کولون میں ان کا صفایا کرنے کی مہم شروع کر دی ہو۔ مار دھاڑ اور فسادات کے اس ماحول میں ہم وہاں دشواریوں میں گھر سکتے تھے۔

میرا حویلی سے باہر نکلنے کا مقصد حاصل ہو چکا تھا اس لیے مجھے اس امر میں ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی کہ شوائے ہمیں کہاں لے جاتی۔ مکاؤ کی خوبصورت سڑکوں پر آوارہ گردی کے بعد وہ ہمیں لبرن ریستوران میں لے گئی جہاں کا ماحول پُرشور اور پُرہجوم تھا۔

ہماری واپسی تک ڈون کی حویلی میں جشن کی تیاریاں زور پکڑ چکی تھیں۔ داخلی پھاٹک کے قریب میدان میں میلے کا سا سماں تھا۔ بل فائٹنگ کا رِنگ تیار ہو چکا تھا۔ اس کے دائیں بائیں، دور تک زمین کو خوبصورت قالینوں سے ڈھانک دیا گیا تھا۔ ان قالینوں پر رنگ برنگ چھتریوں کے نیچے مہمانوں کے لیے میزیں اور کرسیاں بچھانے کا کام شروع ہو چکا تھا۔ رِنگ سے آگے خوبصورت لان پر اسٹیج سجایا جا رہا تھا جو زمین سے صرف ایک فٹ بلند تھا۔ اسٹیج کے سامنے اور دائیں بائیں بھی میزیں کرسیاں ڈالی جا رہی تھیں۔

ڈون کی نشست یقینی طور پر اسٹیج پر ہی ہونی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ مجھے اور غزالہ کو بھی اسی کے ساتھ بیٹھنا پڑتا اور آخر کار نیشی کاؤ بھی وہیں براجمان ہوتا۔ وہ ایسا نازک مقام تھا کہ میں کوئی بھی کارروائی کرنے کے لیے ڈون کی آنکھ بچا کر غائب نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے بلو پائپ کے علاوہ دیگر اشیا شوائے کے حوالے کر دیں جو اُس نے خاصے تردّد کے بعد قبول کر لیں۔ حویلی کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے میں نے اسے ایک بار پھر یاد دلایا کہ اس نے بلو پائپ کے بارے میں ڈون کے سامنے ایک لفظ بھی کہا تو ہمارے ساتھ وہ خود بھی ناقابلِ تصور مشکلات میں مبتلا ہو جائے گی۔

شوائے ہمیں لے کر حویلی کے جن حصوں سے گزری، وہاں ڈون کی موجودگی کی کوئی علامات نہیں تھیں۔ حویلی میں نکلنے والے خفیہ راستے کے ذریعے ہمیں زیرِ زمین خوابگاہ تک پہنچا کر شوائے واپس چلی گئی۔ اس نے بظاہر میرے سامنے ہتھیار تو ڈال دیے تھے لیکن وہ بہت زیادہ خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ اس حالت میں وہ ڈون کے سامنے گئی تو وہ گھاگ آدمی فوراً ہی اس تبدیلی کو بھانپ لے گا۔ اگر وہ شوائے سے تلخ و ترش باز پرس پر اتر آتا تو شوائے کے لیے اپنے وعدے پر قائم رہنا مشکل ہو جاتا۔ لیکن میرے پاس کوئی دوسری راہ نہیں تھی۔ بلو پائپ والی دکان کے کیش رجسٹر کا قفل خراب ہونے سے پیدا ہونے والی الجھن گلے پڑ چکی تھی اور ہمیں اس سے ہر حال میں نمٹنا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد ڈون کی طرف سے ہمارا بلاوا آ گیا۔ اس دوران میں سلطان شاہ سادہ سوئیوں کے ذریعے بلو پائپ کے استعمال کی مشق کرتا رہا تھا۔ اس نے اپنے لیے سگریٹ میں چھپے ہوئے بلو پائپ کا انتخاب کیا جسے بہ آسانی ہتھیلی میں چھپا کر استعمال کیا جا سکتا تھا۔

حویلی میں ڈون سے تیسری ملاقات اسی شاہانہ کمرے میں ہوئی جہاں ہم صبح اس سے مل چکے تھے۔ ڈون کے پاس صبح والے تنو موٹے چینیوں میں سے گنجا اور مکار ترین چینی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے برابر میں سفید ٹوپی اور سیاہ لبادے میں ایک منحنی سا باریش چینی بھی موجود تھا اس کی گود میں کچھ کاغذات بھی رکھے ہوئے تھے۔ اس کی وضع قطع سے بہ آسانی یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ کینٹون سے بلایا گیا کوئی مسلمان عالم یا مولوی ہے۔

ڈون کے سامنے تپائی پر گلاس، واڈکا کی بڑی بوتل اور آئس پاٹ کے ساتھ مونگ پھلی کے تلے ہوئے نمکین دانوں کی پلیٹ رکھی ہوئی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سارا دن ہی شراب پیتا رہا ہو۔

ڈون ہم سے مخاطب ہوا تو اس کے لب و لہجے میں بہت زیادہ تازگی اور شگفتگی نہیں تھی۔ اس نے غزالہ سے خاص طور پر شہر کی سیر کے بارے میں چند سوالات کیے۔ پھر ہمیں مسلمان مولوی سے متعارف کرانے لگا۔

مولوی نے السلامُ علیکم کہہ کر مجھ سے اور سلطان شاہ سے ہاتھ ملایا۔ اس نے مزاج پُرسی کے کچھ کلمات بھی کہے جو چینی زبان میں ہونے کی وجہ سے ہماری سمجھ میں نہ آ سکے۔

"اس شخص نے بتایا ہے کہ تم لوگوں میں نکاح کے لیے گواہوں وغیرہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمیں کہیں سے ایک اور مسلمان پکڑوانا ہو گا۔" ڈون نے مسلمان پکڑوانے کا ذکر اس انداز میں کیا جیسے وہ کوئی چوہا پکڑنے کی بات کر رہا ہو اور میں زیرِ لب مسکرا کر رہ گیا۔

"گواہوں کا مسلمان اور بالغ ہونا ضروری ہے۔" ڈون اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "ایک گواہ تمہارا ساتھی ہو گا۔ دوسرے کی کمی ہے۔ تمہارا پوپ ہم میں سے کسی کی گواہی قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔"

"یہ ٹھیک کہتا ہے۔ اس مذہبی ضرورت کو تبدیل کرنا ہر ایک کے بس سے باہر ہے۔" میں نے کہا۔

ڈون گنجے چینی سے مخاطب ہو کر اپنی زبان میں کچھ بولنے لگا۔ ڈون کے خاموش ہوتے ہی گنجے نے اپنی جگہ چھوڑ کر اپنے سر کو احتراماً خم دیا اور تیزی کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔

"یہ تمہارا مذہبی معاملہ ہے اس لیے پوپ کا خیال ہے کہ نکاح پڑھانے کا قصہ کل صبح، حویلی ہی میں نمٹا دیا جائے۔ تم دونوں کو صبح دس بجے تیار رہنا ہو گا۔"

وہ میرے لیے خوشی کی بات تھی۔ اس طرح مجھے ڈون کی تقریب میں ہمہ وقت چوکنا رہنے کا موقع مل سکتا تھا۔

"ڈون!" اچانک شوائے کی بھرائی ہوئی آواز نے سب کو چونکا دیا۔ ہمیں لانے کے بعد وہ ایک صوفے کی پشت پر کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا تو اس کا چہرہ بالکل زرد ہو رہا تھا۔ آنکھیں چڑھ گئی تھیں اور بولتے ہوئے اس کی زبان اینٹھ رہی تھی۔

"میں نے زندگی بھر تمہارا نمک کھایا ہے۔" وہ رک رک کر انگریزی میں بول رہی تھی۔ نامعلوم درد اور اذیت کی وجہ سے اس کی آنکھوں کی پتلیاں پپوٹوں میں چڑھ کر غائب ہو چکی تھیں۔ "میں اس عمر میں تم سے غداری نہیں کر سکتی۔"

پھر اُس نے چینی میں کچھ کہا۔ اس کی بات ادھوری رہ گئی کیوں کہ یکایک ہی اسے منہ بھر کر خون کی قے ہوئی اور وہ پلٹ کر قالین پر ڈھیر ہو گئی۔

"زہر!" ڈون کی آواز کسی زخم خوردہ سانپ کی غضبناک پھنکار سے مشابہ تھی۔ وہ اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ تیزی سے اٹھا اور حیرت ناک سرعت کے ساتھ شوائے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کی حالت ابتر تھی اور وہ اپنی پوری قوت مجتمع کر کے کچھ بولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ہتھیلیاں ٹھنڈے پسینوں میں ڈوب گئیں اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلنے لگا۔ غزالہ اور سلطان شاہ کے چہروں کے رنگ بھی اُڑ گئے تھے۔

شوائے نے گرنے سے پہلے چینی زبان میں جو کچھ کہا، اگر اس میں بلو پائپ کا ذکر موجود تھا تو وہ پیغام ہم تینوں کے لیے موت کا پھندا ثابت ہو سکتا تھا۔

میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سلطان شاہ سے استفسار کیا اور اس کے اشارہ سے سمجھ لیا کہ بلو پائپ اس کی جیب میں موجود تھا جب کہ میں بیم گن سے مسلح تھا۔ ہم لوگ کسی بھی غیر متوقع اور خراب صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھے۔

شوائے کی زبان سے ڈون کے نمک اور پھر غداری کا ذکر خطرے کی نشاندہی کر رہا تھا۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ حالات سے سمجھوتا کرنے کے باوجود بدترین ذہنی دباؤ برداشت نہیں کر سکی تھی اور اس نے ڈون کو سب کچھ بتا ڈالنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

میں سلطان شاہ کے ساتھ محتاط انداز میں ڈون کی طرف بڑھنے لگا۔ چینی مولوی اپنے کاغذات سنبھالے، ایک طرف کھڑا خوف اور حیرانی کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا جیسے اسے کسی مناسب جائے پناہ کی تلاش ہو۔

چینی مولوی اس غیر متوقع صورتِ حال پر بہت زیادہ خوف زدہ اور گھبرایا ہوا تھا۔ اس منحنی اور باریش چینی نے کاغذات والا بستہ اپنی بغل میں دبالیا تھا۔ اس کی بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ بستے میں سے نکل کر متعدد کاغذات قالین پر بکھر گئے تھے لیکن اسے ان کا ہوش ہی نہیں تھا۔ وہ کسی بدکے ہوئے غزال کی طرح اپنی جگہ پر کھڑا' اِدھر اُدھر سر گھما رہا تھا جیسے دوڑ لگانے سے قبل محفوظ سمت کا تعین کرنے کی کوشش کررہا ہو۔ پھر اس نے اچانک ہی دوڑ لگادی اور اس وسیع و عریض کمرے کے ایک دور اُفتادہ حصے میں صوفے کے پیچھے گھس گیا۔

وہ چینی مولوی مسلمان ضرور تھا لیکن ڈون کا بلایا ہوا تھا اس لیے میں اُس پر نگاہ رکھنے پر مجبور تھا لیکن اس کے مقابلے میں ڈون میرے لیے زیادہ اہم اور خطرناک تھا۔ وہ قالین پر گری ہوئی مس شوائے پر جھکا ہوا تھا۔ میں دبے قدموں اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ میرا ہاتھ جیب میں موجود بیم گن کے دستے پر تھا۔ اسی طرح سلطان شاہ بھی ضرورت پیش آنے پر اپنے بلو پائپ سے کام لینے کے لیے تیار تھا۔

دیو ہیکل ڈون کا وزن کسی بھی طرح چار من سے کم نہیں تھا۔ اپنے اس بھاری بھرکم وجود کے ساتھ جب وہ کسلمندانہ انداز میں کہیں بیٹھا یا لیٹا ہوا ہوتا تھا تو اسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بغیر کسی دقت کے چند قدم بھی نہ چل پاتا ہوگا۔ اس کا حد سے بڑھا ہوا وزن اور آگے نکلی ہوئی توند اس کی آزادانہ نقل و حرکت میں بری طرح حارج ہوتی ہوگی لیکن میں دیکھ چکا تھا کہ ڈون کسی بھینسے سے زیادہ طاقت کا حامل ہونے کے ساتھ ہی غیر معمولی حد تک پُھرتیلا بھی تھا۔ اس کی چال تیز اور ہموار ہوتی تھی۔ وہ کسی سبک اندام شخص کی سی پھرتی کے ساتھ' کرب میں مبتلا مس شوائے کی طرف لپکا تھا اور اسی انداز میں اس پر جھکا ہوا' اسے ٹٹول رہا تھا۔

اچانک وہ چینی زبان میں کچھ بڑبڑاتا ہوا سیدھا کھڑا ہوگیا۔ اُس کے قدموں میں خون آلود قالین پر مس شوائے کا بدن بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس کے دہانے کے نچلے گوشے سے' خون کے ساتھ ساتھ نیلے رنگ کے گاڑھے جھاگ بھی بہہ رہے تھے۔

ڈون ہماری طرف پلٹا تو اس کے چہرے پر غم یا صدمے کے بجائے شدید برہمی اور اشتعال کے آثار نمایاں تھے۔

"مرگئی!" وہ میری طرف گھورتے ہوئے انگریزی میں دہاڑا۔ "مگر کیوں؟"

ڈون کے اس انداز پر میں بوکھلا کر رہ گیا۔ میرے پاس اُس کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"وہ... وہ تمہارے نمک اور غداری کا ذکر کررہی تھی۔" میں نے کمزور سے مدافعانہ لہجے میں کہا "پھر تم نے بھی کسی زہر کا تذکرہ کیا تھا' ان باتوں میں کوئی نہ کوئی ربط ضرور رہا ہوگا۔"

ڈون میرے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر' خاموشی سے میری طرف بڑھنے لگا اور میرے پورے بدن میں یک بیک ہزاروں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ میرا داہنا ہاتھ بدستور جیب میں تھا۔ غیر ارادی طور پر بیم گن کے دستے پر میری گرفت سخت ہوگئی۔

"شوائے نے اپنی جوانی کی سیکڑوں راتیں میری خوشیوں پر قربان کی تھیں۔" ڈون اپنا سر جھٹک کر خود کلامی کے انداز میں بولنے لگا "وہ میری بہت پرانی نمک خوار تھی۔ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ اس نے زہر کھالیا ہے۔ تم نے خود سن لیا ہوگا کہ وہ مجھ سے غداری کرنے سے خوف زدہ تھی اور اُس نے اسی الزام سے بچنے کے لیے زہر کھا کر خودکشی کرلی مگر وہ کون ہے جو اُسے مجھ سے غداری کرنے پر مجبور کررہا تھا؟ شوائے اتنی بزدل اور کمزور نہیں تھی کہ ذرا سی بات پر خودکشی کرلیتی۔ وہ مجھ سے مدد طلب کرسکتی تھی لیکن یوں معلوم ہوتا ہے کہ میرے کسی انجان دشمن نے شوائے کی کوئی کمزوری اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد اس پر دباؤ ڈالنا شروع کردیا تھا۔"

غنیمت یہ تھا کہ ڈون نے میرے چہرے پر سے نگاہیں ہٹالی تھیں اور میرے قریب سے گزر کر اس عظیم الشان صوفے کی طرف بڑھ گیا تھا جس پر وہ پہلے بھی براجمان تھا۔

ڈون کے الفاظ میں' میرے لیے نجات کا پیغام مضمر تھا۔ یہ سن کر میری جان میں جان آگئی تھی کہ ڈون کو شوائے کی موت کے بارے میں ہم پر براہ راست کوئی شبہ نہیں تھا۔ اس کے ذہن کے کسی دور دراز گوشے میں بھی ایسا کوئی امکان ہوتا تو وہ کسی مرّوت کے بغیر ہم پر ہاتھ ڈال بیٹھا ہوتا۔

میرے تنے ہوئے اعصاب اعتدال پر آگئے اور میں نے اپنا ہاتھ جیب سے باہر نکال لیا۔

"تمہارا یہ مولوی کہاں مرگیا؟" اس نے اپنے صوفے پر بیٹھنے کے بعد اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی ابھی تو یہیں تھا۔ شاید ڈر کر بھاگ گیا ہوگا۔" میں نے مسمسی آواز میں جواب دیا۔

ڈون حلق کے بل' چینی زبان میں دہاڑا۔ چینی مولوی کانپتا ہوا اپنی کمین گاہ سے طلوع ہوا تو دہشت سے اُس کا چہرہ دھواں ہورہا تھا۔

صوفے کے پیچھے سے نکلتے ہوئے اسے وہ کاغذات بھی نظر آئے جو اُس نے بدحواسی میں پورے کمرے میں گرادیے تھے۔ وہ ان کاغذات کو سمیٹتا ہوا' ڈون کی طرف آنے لگا۔

اسی وقت' کہیں سے تین نیم برہنہ لڑکیاں تقریباً دوڑتی ہوئی اس کمرے میں گھس آئیں اور ڈون کے سامنے رکوع کی حالت میں جھک کر سیدھی کھڑی ہوگئیں۔

ان تینوں لڑکیوں کے جسموں پر لباس کے بجائے' سفید موتیوں کی لڑیاں جھول رہی تھیں۔ یہ لڑیاں بغلوں کے نیچے بندھی ہوئی یا کسی ہوئی ایک سفید ریشمی ڈوری کے سہارے اُن کے گھٹنوں تک آئی ہوئی تھیں۔ ان لڑیوں پر کشش ثقل اس قدر ظالمانہ انداز میں کام کررہی تھی کہ ڈوریاں یا لڑیاں بالکل سیدھی رہنے پر مجبور تھیں۔ لڑکیوں کے بدن کے کسی بھی فراز پر ان کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ ایسے نازک مقامات پر لڑیاں دائیں بائیں جھولی ہوئی تھیں۔ وہ لڑکیاں جب ڈون کو تعظیم دینے کے لیے جھکیں تو صورتِ حال اس قدر سنگین ہوگئی کہ غزالہ بوکھلا کر نصف دائرے کی صورت میں دوسری طرف گھوم گئی۔

"لاحول ولا قوۃ!" سلطان شاہ میرے کان کے قریب منمنایا۔ "ڈون نے اپنی بدذوقی کی وجہ سے ان بے چاریوں کو بھرے مجمع میں تماشا بنا کر رکھ دیا ہے۔"

"تم ان بے چاریوں کو گھور کیوں رہے ہو؟ ڈون کی طرف دیکھتے رہو' ان کا تماشا نظر نہیں آئے گا۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں جواب دیا "اس وقت گولی ہمارے کان پر سے گزری ہے اور تمہیں ان بے شرم لڑکیوں کی فکر لاحق ہورہی ہے۔ تمہیں اب تک ڈون کی حویلی کے رسم و رواج کا عادی ہوجانا چاہیے۔"

ڈون چینی زبان میں اُن لڑکیوں کو ہدایات دیتا رہا۔ اُس کے خاموش ہوتے ہی وہ تینوں اس طرف بڑھ گئیں جدھر شوائے کی لاش پڑی ہوئی تھی اور ڈون ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوگیا "تم لوگ میرے سر پر کیوں کھڑے ہوئے ہو؟ تمہیں بیٹھنے میں کیا تکلیف ہے؟"

"ہم اجازت کے منتظر تھے ڈون!" میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا اور بیٹھ گیا۔ غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ ہی چینی مولوی نے بھی میری تقلید کی۔

ڈون کی پیشانی پر سیکڑوں تفکّر آمیز شکنیں نمودار ہوچکی تھیں۔ وہ چند ثانیوں تک خاموش بیٹھا رہا پھر اُس نے مجھ سے سوال کیا۔ "شوائے نے آج اپنا بیشتر وقت تم لوگوں کے ساتھ گزارا ہے' اس نے تم سے اپنی کسی پریشانی یا مایوسی کا ذکر تو نہیں کیا تھا؟"

"نہیں' اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔" میں نے جواب دینے کی ذمّے داری لیتے ہوئے کہا "البتہ وہ پریشان ضرور تھی۔ باتیں کرتے کرتے اچانک اس طرح خاموش ہوجاتی تھی جیسے اس کا ذہن کسی اور جگہ الجھا ہوا ہو۔ ہمارے ٹوکنے پر وہ چونک کر ہنس پڑتی تھی۔ وہ بہت اچھی اور خوش اخلاق عورت تھی۔ ہمیں شبہ تک نہیں ہوسکا کہ وہ کچھ دیر بعد خودکشی کرنے والی ہے۔"

میں نے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ ڈون کو اپنی اس معصومانہ رائے سے آگاہ کردیا تھا لیکن میں اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ مس شوائے نے ہم لوگوں کی مشتبہ حرکات سے پیدا ہونے والے ذہنی دباؤ کے نتیجے میں خودکشی کی تھی۔ اس کو شبہ ہوچکا تھا کہ ہم نے مکاؤ کے بازار سے بلو پائپ کسی خاص مقصد کے لیے خریدا تھا۔ میں پوری کوشش کے باوجود اپنی اس خریداری کو شوائے سے پوشیدہ رکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ مس شوائے پوری ایمانداری کے ساتھ اپنے آقا کو میری اس خریداری سے آگاہ کرنے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن میں نے اپنے ساتھ اُسے بھی پھنسوانے کی بے رحمانہ دھمکی دے کر الجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ اپنی جوانی میں ڈون کی منظورِ نظر رہ چکی تھی اور ڈھلتی ہوئی عمر میں' ڈون سے اپنی ماضی کی خدمات کا خراج وصول کررہی تھی۔ اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ کسی بھی وجہ سے ڈون کی نظروں سے گر کر' اس کے عتاب کا نشانہ بن جائے۔

وہ زبان بند رکھتی تو ڈون سے غداری اور نمک حرامی کا بوجھ اس کے ضمیر کے لیے عمر بھر کا روگ بن جاتا۔ زبان کھولتی تو میں رووینا کو گواہ بنا کر ڈون کے ہاتھوں اُس کی مٹی پلید کرادیتا۔

مس شوائے کے لیے وہ دونوں ہی صورتیں ناقابلِ قبول' بلکہ کربناک تھیں۔ اسی وجہ سے اس نے تیسرے راستے پر چلنے کا فیصلہ کرتے ہوئے زہر کھالیا۔ شاید وہ مرنے سے پہلے ڈون کو ہماری مشتبہ حرکات سے بھی آگاہ کرنے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن یہ ہماری خوش بختی تھی کہ اس کے منتخب کیے ہوئے زہر کی ہلاکت خیز تیزی نے اسے ہمارے خلاف زبان کھولنے کا موقع فراہم نہیں کیا اور وہ چند ادھورے اشارے چھوڑ کر اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

مس شوائے اپنے کردار کے اخلاقی پہلو سے قطع نظر' ایک اچھی عورت تھی۔ اس نے میرے ساتھ تعاون کیا تھا اگر وہ مجھے رووینا سے رجوع کرنے کا مشورہ نہ دیتی تو میرے لیے مکاؤ میں ڈون تک پہنچنا ناممکن ہو کر رہ جاتا۔ مجھے اُس کی خودکشی کا قلق تھا لیکن وہ حالات کی ستم ظریفی تھی کہ اس کی موت ہی ہمارے مفادات کے حق میں بہتر تھی۔ وہ زندہ رہتی تو ہمارے لیے ناقابلِ بیان دشواریاں کھڑی کرسکتی تھی۔

"وہ اچھی تھی یا بری' یہ بات اب بالکل غیر اہم ہے۔" ڈون کا لہجہ بالکل سرد اور سپاٹ تھا "برے آدمیوں کی طرح اچھے لوگوں کو بھی ایک دن مرجانا ہوتا ہے۔ اسی طرح شوائے بھی مرگئی۔ مجھے قلق اس بات کا ہے کہ موت نے اسے اپنی بات پوری کرنے کی مہلت نہیں دی۔ مجھے تشویش ہونے لگی ہے کہ میری حویلی میں ایسا کون سا نمک حرام پیدا ہوگیا ہے جو میرے جاں نثاروں کو بلیک میل کرکے مجھ سے غداری پر اکسا سکتا ہے۔"

"ایسا تو نہیں کہ وہ تم سے بے وفائی کو اپنی دانست میں غداری سمجھ بیٹھی ہو؟" ڈون کو غلط راہ پر ڈالنے کی نیت سے میں نے سادگی سے رائے ظاہر کی۔

"کیا مطلب؟" ڈون چونک کر مجھے گھورنے لگا۔ اضطرار کے عالم میں وہ حسبِ عادت اپنی لٹکی ہوئی باریک مونچھوں کے سرے تیزی سے' مروڑنے لگا تھا۔

"شاید تمہارے کسی مرد ملازم نے اسے بہکایا ہو اور وہ اس کے دام میں آگئی ہو۔ بعد میں اسے خیال آیا ہوگا کہ وہ تو تمہاری محبوبہ رہی تھی۔ کسی اور سے دوستی کرکے وہ تم سے بے وفائی کی

مرتکب ہوئی ہے.....“

ڈون نے تیزی سے میری بات کاٹ دی ”یہ میری حویلی ہے کوئی خانقاہ یا گرجا نہیں ہے جہاں کنواری راہباؤں کو عمر بھر اپنے مربّی کے علاوہ کسی اور سے آشنائی پیدا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ میری طرف سے چھوٹ ملنے کے بعد ہر لڑکی آزاد اور خودمختار ہو جاتی ہے۔ میں کبھی کسی پر ناروا پابندیاں عائد نہیں کرتا۔“

”تم بہت عظیم ہو!“ میں نے پورے خلوص کے ساتھ اس جھوٹ کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ”اپنی حویلی کے اسرار تم ہی سمجھ سکتے ہو۔ ہم اجنبی اس بارے میں کچھ کہنے سے قاصر ہیں۔“

موتیوں کی لڑیوں میں ملبوس تینوں لڑکیاں، چند منٹ بعد مِس شوائے کی لاش کو وہاں سے اٹھا لے گئیں۔ اس دوران میں ڈون اپنی مونچھوں کو مروڑتے ہوئے، واڈکا کے گھونٹ لیتا اور مونگ پھلی کے نمکین دانے ٹھونگتا رہا۔ اس نے ہم سے ایک لفظ بھی نہیں کہا، اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں غلطاں تھا۔

کینٹون سے بلوایا گیا، چینی مولوی ڈون سے بہت زیادہ خائف تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے گود میں رکھے ہوئے کاغذات کو تھامے پلکیں جھپکائے بغیر ڈون کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ جیسے ڈون نے کسی بھی لمحے، اسے اپنی طرف متوجہ نہ پایا تو اسے گردن سے پکڑ کر سُولی پر ٹانگ دے گا۔

مِس شوائے کی لاش لے جائے جانے کے بعد قالین کے متاثرہ حصے کی صفائی کے لیے چار عورتیں ایک بڑی سی ٹرالی لڑھکاتی ہوئی وہاں پہنچ گئیں۔ اس ٹرالی پر نصب طاقتور ویکیوم کلینر دور ہی سے نظر آ رہا تھا۔ ٹرالی کے ایک حصے میں قالین کی صفائی میں کام آنے والا شیمپو اور اسپرے قرینے سے سجے ہوئے تھے۔

بظاہر وہ نچلے درجے کی ملازمائیں تھیں۔ شاید اسی لیے اُن پر اپنی جسمانی دلکشی کے اظہار و نمائش کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ وہ چاروں قرینے کے لباس میں تھیں، اپنی ٹرالی قالین کے متاثرہ حصے کے قریب پہنچا کر وہ ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔ شاید وہ اپنا کام شروع کرنے کے لیے ڈون کی اجازت کی منتظر تھیں۔

ڈون اس وقت سب لوگوں کی موجودگی سے بالکل بے خبر یا لاتعلق نظر آ رہا تھا اور بے پروایانہ انداز میں مسلسل مے نوشی میں مصروف تھا۔

آخرکار تین موٹے گنجے اور پستہ قامت چینی وہاں آموجود ہوئے۔ وہ تینوں بھی، اپنے دیگر ساتھیوں کی طرح شوخ رنگوں کی قمیصیں اور پتلونیں پہنے ہوئے تھے۔ اُن کے بگڑے ہوئے چہروں پر پرانے زخموں کے متعدد نشانات اُن کی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کی بھرپور غمازی کر رہے تھے۔ ڈون کے پاس صبح بھی میں تین موٹے اور پستہ قامت چینیوں کو دیکھ چکا تھا جن میں سے ایک کی کھوپڑی کسی انڈے کے چھلکے کی طرح صاف اور چکنی تھی اور وہی مکّار گنجا تھوڑی دیر قبل ڈون کے پاس سے اٹھ کر گیا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ ڈون کے تمام ہی مرد کارکن پستہ قامت اور موٹے تھے جہاں تک اُن سب کی قامتوں کا تعلق تھا تو چینی عام طور پر پستہ قد ہی ہوتے ہیں۔ خود ڈون بھی چھ اور پونے چھ فٹ لمبا تھا اگر وہ بے حد موٹا نہ ہوتا تو اپنی نسل کا ایک دراز قامت شخص کہا جا سکتا تھا۔ اس کے پالتو غنڈوں یا کارکنوں کے موٹے ہونے کا ایک ہی سبب نظر آتا تھا کہ ڈون کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اس نے جتنے آدمی پالے ہوئے تھے، اتنا کام نہیں تھا اس وجہ سے ڈون کے آدمی کھاتے پیتے اور عیش کرتے رہتے تھے۔ ڈون کا صرف ایک معیار تھا کہ آدمی اس کا وفادار ہو۔ ایسی صورت میں وہ اس کی ہر ضرورت پوری کرتا رہتا تھا۔ کھانے پینے کی آزادی اور بے فکری کے نتیجے میں ڈون کے تمام کارکن موٹے ہو گئے تھے۔ اس بھیڑ میں چینی مولوی کا منحنی سا وجود بہت عجیب محسوس ہو رہا تھا۔

اس اعتبار سے ڈون کی حویلی لڑکیوں کو سبک اندام اور مردوں کو فربہ اور مجرّب بنانے کا کارخانہ کہی جا سکتی تھی لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ وہ تمام موٹے موٹے چینی، کارکردگی کے معاملے میں ڈون کی مثال سامنے رکھتے ہوں گے۔ وقت پڑنے پر وہ سب ہی اپنے حریفوں کے لیے جان کا عذاب ثابت ہوتے ہوں گے۔

ان تینوں چینیوں کی تعظیم قبول کرنے کے ساتھ ہی ڈون نے چینی زبان میں کچھ بولنا شروع کیا اور پھر صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ان تینوں نے بڑھ کر واڈکا کی بوتل سمیت، ڈون کے پینے پلانے کے لوازمات اٹھا لیے۔ آثار سے نظر آ رہا تھا کہ ڈون اس مرصع کمرے سے رخصت ہونے کا ارادہ رکھتا تھا اس لیے ہم تینوں نے بھی اس کی تقلید میں اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ چینی مولوی ہم سے پہلے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اس نے قالین صاف کرنے والیوں کو اپنا کام شروع کرنے کا اشارہ کیا اور ہمیں اپنے پیچھے آنے کی ہدایت کرتا ہوا، شاہانہ انداز میں ایک طرف چل دیا۔ تینوں نوارد چینی اس کے پیچھے تھے اور ہم تینوں آخر میں چل رہے تھے۔

ایک طویل راہداری میں موڑ گھومنے کے بعد ڈون جس کمرے میں داخل ہوا وہ وہی کمرا تھا جہاں ڈون کی فرش میں دھنسنے والی فرشی مسند موجود تھی اور حریری پردوں کے عقب میں ہر وقت تیس چالیس نوخیز لڑکیاں ڈون کی دل جوئی کے لیے تیار بیٹھی رہتی تھیں۔

میں نے راجہ اِندر کی رنگین سبھا اور رنگیلے شاہ کی پُرہجوم خلوتوں کے بارے میں بہت کچھ سنا اور پڑھا تھا لیکن میری دانست میں مکاؤ کا ڈون کوانگ فواُن سے کئی قدم آگے تھا۔ کسی بادشاہ جیسا اقتدار اور اختیار نہ رکھتے ہوئے بھی وہ اتنا خوش نصیب تھا کہ مکاؤ کی حسین و جمیل ترین لڑکیاں بھی اُس کی ہم نشینی میں فخر محسوس کرتی تھیں۔ میں نے دیکھا تو نہیں لیکن بدنصیب مِس شوائے سے سنا ضرور تھا کہ ڈون کی حویلی میں خوب صورت اور نازک اندام دوشیزاؤں کی اقوامِ متحدہ قائم تھی۔ ان میں چینی لڑکیوں کی کثرت ضرور تھی لیکن ان کی ٹولی میں یورپ، امریکا، برطانیہ، مشرقِ وسطیٰ اور دیگر ممالک کی لڑکیاں بھی آتی جاتی رہتی تھیں۔

ڈون اس خطے میں شی کا آئی مین تھا۔ وہ لوگ ہیروئن کے عالمی انسداد کے دعوے دار تھے لیکن میں اس تلخ حقیقت سے واقف تھا کہ جی لائیڈ امریکی صدر کے لامحدود اختیارات کی بھرپور پشت پناہی کے ساتھ ہیروئن کو اس کے پیداواری ممالک اور علاقوں میں کھپانے کے مذموم مشن پر کام کر رہا تھا۔ ان کا فلسفہ یہ تھا کہ ہیروئن کی مقامی کھپت میں ہولناک اضافہ کروا دیا جائے تو ان ممالک میں فاضل پیداوار باقی نہیں رہے گی جسے ان کے ملک اسمگل کیا جا سکے۔ اپنے ملک کی جوان اور بے راہ رو نسل کو اس موذی نشے سے بچانے کے لیے دوسری قوموں کے ہونہاروں کو اس بھٹی کا ایندھن بنانے کا منصوبہ خود غرضانہ ہی نہیں، شرمناک بھی تھا۔

اور ڈون اسی ہیروئن کے پیسے میں کھیل رہا تھا۔ اس نے کروڑوں کے نوادرات جمع کیے ہوئے تھے۔ ایکڑوں پر پھیلی ہوئی خوب صورت حویلی کا مالک تھا۔ ہزاروں کارندوں کا بے تاج حکمراں تھا، اسے ہر وہ قوت حاصل تھی جس کے سہارے وہ اپنی پسند کی ہر چیز حاصل کر سکتا تھا۔

اس وسیع و عریض کمرے میں، اپنے وقت کے راجہ اندر کی ناز برداریوں کی تیاریاں جاری تھیں۔ وسیع کمرا مختلف قوموں کی خوب صورت لڑکیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ڈون کی مسند کے اِردگرد، فرشی قالین پر گاؤ تکیے پڑے ہوئے تھے۔ ڈون کی خوب صورت اور جدید ترین ٹرالی اس کی مسند کے قریب موجود تھی۔

وہاں موجود لڑکیوں نے لپک کر، ڈون کے ساتھ آنے والوں سے واڈکا کی بوتل وغیرہ لے لی۔ ڈون کسی فاتح جرنیل کی طرح اپنی مسند پر جا چڑھا۔ تینوں گنجے اور موٹے چینی فرشی قالین پر گاؤ تکیوں کے سہارے بیٹھ گئے۔ ہم تینوں نے بھی اُن سے ہٹ کر قالین پر نشست جمالی۔ چینی مولوی فطری طور پر ہمارے ہی ساتھ آبیٹھا تھا۔ آخرت سے بے خبر اور دنیاوی عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے ڈون کی حویلی کے وہ بدلتے ہوئے رنگین مناظر اس چینی مولوی کے لیے ہوش رُبا ثابت ہو رہے تھے۔

ڈون نے مسند پر بیٹھتے ہی واڈکا کا باقی ماندہ گلاس ایک گھونٹ میں خالی کر دیا۔

میں نے محسوس کیا کہ ڈون کے پاس آنے والوں میں سے ایک بدمعاش چینی بار بار دزدیدہ نگاہوں سے غزالہ کو دیکھے جا رہا تھا۔ شاید غزالہ بھی اُس کی نازیبا حرکت کو بھانپ چکی تھی۔ وہ بے چین سی تھی لیکن اس نے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ میں بظاہر انجان بن کر، اس بدفطرت چینی کا جائزہ لیتا رہا۔

لڑکیوں نے پیتل کی چمکتی ہوئی منقش تھالیوں میں شراب کی بوتلیں، گلاس اور آئس پاٹ سجا کر ہمارے اور چینیوں کے سامنے الگ الگ رکھ دیں۔

وہ ڈون کی حویلی تھی اس لیے وہاں وہسکی بھی رائل سیلوٹ تھی۔ ڈون خود سفید روسی شراب پی رہا تھا لیکن اپنے ملاقاتیوں کے لیے اس نے بیش قیمت وہسکی فراہم کی تھی۔ تینوں چینیوں نے ندیدے پن کے ساتھ اپنے گلاسوں میں شراب انڈیلی، اس میں برف کے چند ڈلے ڈالے۔ پھر سائفن سے سوڈے کی دھاریں مارنے لگے۔ پیگ کے بجائے چوڑے منہ والے گلاسوں میں ڈرنک تیار کرتے ہوئے بدمعاش چینی نے اپنے ساتھیوں سے زیرِ لب کچھ کہا۔ اس کا تبصرہ شاید غزالہ کے بارے میں تھا کیونکہ اس کے دونوں ساتھیوں نے فوراً ہی غزالہ کی طرف دیکھا پھر وہ تینوں ہی معنی خیز، بلکہ شیطانی انداز میں مسکرانے لگے۔

ڈون ان چینیوں سے مخاطب ہو گیا۔ ابتدا میں وہ تینوں ہی ہمہ تن ڈون کی طرف متوجہ رہے لیکن ڈون سے چینی زبان میں مذاکرات کرنے کا فریضہ ایک ادھیڑ عمر چینی نے سنبھالا ہوا تھا، اس لیے چند لمحوں بعد، بدمعاش چینی نے ایک بار پھر غزالہ کی طرف تاکنا جھانکنا شروع کر دیا۔

”مجھے یہاں وحشت ہو رہی ہے۔“ غزالہ نے سرگوشی کی۔ ”میں اپنے کمرے میں واپس جانا چاہتی ہوں۔“

”کیوں؟ کیا بات ہے؟“ میں نے انجان بن کر، سادگی سے سوال کیا۔

”یہاں لڑکیاں جس قدر بے شرمی کے ساتھ اپنے جسموں کی نمائش کر رہی ہیں، اس سے مجھے گھن آ رہی ہے۔ میں یہ بے حیائی برداشت نہیں کر سکتی۔“

”تم اپنی نظریں جھکا لو۔“ میں نے اسے مشورہ دیا۔ ”یہاں کا تو یہی دستور ہے۔“

”لیکن میں اس احساس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتی کہ میں جسموں کی ایک منڈی میں ہوں۔ انہیں دیکھ کر مجھے قصابوں کی دُکان پر لٹکا ہوا گوشت یاد آ رہا ہے جسے اچھی طرح دیکھ بھال کر مول تول کیا جاتا ہے۔ اُن بے جان راسوں کے مقابلے میں، یہ زندہ بدن زیادہ گھناؤنے لگ رہے ہیں۔“

غزالہ نے اس مردود چینی کا ذرا بھی ذکر نہیں کیا جو اسے دیکھے جا رہا تھا۔ شاید وہ اس امکان سے خوف زدہ تھی کہ کہیں میں اس چینی کی طرف سے اشتعال کا شکار نہ ہو جاؤں۔

ڈون نے ان لوگوں سے اپنے مذاکرات ختم کیے تو میں نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ ”ڈون! اب ہم تینوں کے لیے کیا حکم ہے؟“ اس سے پہلے میں موقع پا کر بیم گن سلطان شاہ کے حوالے

کرچکا تھا۔
"شوائے کی موت نے میری طبیعت مکدر کردی ہے۔ اس صدمے کو بھلانے کے لیے اب یہاں محفل جمے گی۔ تم لوگ میرے مہمان ہوگے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم شراب چکھ کر دیکھو۔ تمہیں لطف آجائے گا۔"

"میں اس عزت افزائی کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں لیکن دن بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد' تکان کی وجہ سے میرے ساتھیوں کی طبیعت ناساز ہورہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ محفل میں ان کی وجہ سے رنگ میں بھنگ پڑ جائے۔ اجازت ہو تو ان دونوں کو خواب گاہ میں بھیج دیا جائے؟"

"تم یہیں رکو گے نا؟" ڈون نے میری کہی ہوئی بات کی تہ تک پہنچتے ہوئے کہا۔

"یقیناً!" میں نے پُرزور لہجے میں اس کی تائید کی۔ "ہم تینوں کا ایک ساتھ چلے جانا' معیوب ہی نہیں آداب کے خلاف بھی ہوگا۔"

"ٹھیک ہے!" ڈون فوراً ہی مجھ سے متفق ہوگیا۔ "تمہارا پوپ بہت گھبرایا ہوا نظر آرہا ہے۔ یہ کل صبح ہونے والے نکاح کے لیے فارم بھرنا چاہتا ہے۔ یہ دونوں' پوپ کے کاغذات مکمل کرادیں تاکہ یہ بے چارہ بھی سونے کے لیے جائے۔ چین کے مسلمان پوپ' عورت اور شراب سے ہر وقت خوف زدہ رہتے ہیں۔" وہ زور سے ہنسا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "پتا نہیں یہ بے چارے شادی کے بعد اپنی بیوی سے کیا سلوک کرتے ہوں گے!"

ڈون کا وہ تبصرہ بہت جارحانہ بلکہ بے ہودہ تھا جس پر چینی مولوی برہم ہونے کی جسارت نہ کرپاتا تو زیرِ لب لاحول ضرور پڑھتا لیکن غنیمت یہ تھا کہ گفتگو انگریزی زبان میں ہورہی تھی جس سے مولوی یکسر نابلد تھا۔ میں ڈون کی خوشنودی کے لیے مسکرا کر رہ گیا۔

"سارا!" ڈون نے زور سے آواز دی اور فوراً ہی سرخ بالوں اور نیلی آنکھوں والی ایک سفید فام دوشیزہ ڈون کے سامنے آکر تعظیم دینے کے بعد سیدھی کھڑی ہوگئی۔

ڈون اسے چینی زبان میں کچھ سمجھانے لگا۔ سارا تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتی رہی۔

"چوسین باہر گیا ہوا ہے۔" ڈون نے سارا سے گفتگو ختم کرکے ہم لوگوں سے کہا۔ "مس سارا ایک انگریز شہزادی کی ہم نام اور ہم شکل ہے۔ انگریزی اس کی مادری زبان ہے مگر یہ چینی زبان بھی خوب بولتی ہے۔ اسے میں نے سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ پوپ کے کاغذات کی خانہ پُری کروانے کے بعد' یہ تمہارے ساتھیوں کو ان کے ٹھکانے پر پہنچادے گی۔ بعد میں تم اس کا ڈسکو ڈانس دیکھ کر حیران رہ جاؤ گے۔"

مس سارا کے بدن پر اطلس کے مختصر سے زیر جاموں سے یہ معلوم ہورہا تھا جیسے وہ سورج کی شعاعوں میں اپنا بدن سینکتے سینکتے اچانک ڈون کی محفل میں آگئی ہو۔ اس نے دلفریب انداز میں ہم سب کو خوش آمدید کہا' پھر مولوی سے کچھ بولی۔

غزالہ مجھے گھورتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے دانستہ اُس سے نظریں چُرالیں۔

وہ چاروں وہاں سے روانہ ہوئے تو اضطراری طور پر' میری نگاہیں دور تک سارا کی لچکیلی چال کا تعاقب کرتی رہیں۔ ٹھگنی' چپٹی اور زرد رُو چینی حسیناؤں کی بھیڑ میں سارا کا سحر انگیز وجود ایک خوشگوار تجربہ تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس جیسی دلکش اور خوش انداز لڑکی ڈون کی حویلی میں کیا کررہی تھی۔ اس کے لیے اپنے ہم قوم لوگوں میں ایک خوش حال شوہر اور دو چار دل پھینک بوائے فرینڈز تلاش کرلینا بائیں ہاتھ کا کام ہونا چاہیے تھا۔ شوہر کی وزنی جیب اسے مالی تحفظ فراہم کرسکتی تھی جب کہ بوائے فرینڈز کی مستانہ خوش فعلیاں اس کے نا آسودہ یا نیم آسودہ تصورات میں خوشیوں کے رنگ بھر سکتی تھیں۔

"اچھی لگ رہی ہے تو میں تم ہی کو بخش دوں گا۔" ڈون کی تمسخرانہ آواز نے مجھے چونکا دیا اور میں خفت آمیز انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔ وہ تینوں موٹے چینی شاید انگریزی سے ناواقف تھے ورنہ میرا مضحکہ اُڑائے جانے پر وہ ضرور اپنی خوشی کا اظہار کرتے۔

"میں سارا کو نہیں' اپنے ہونے والی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ نقاہت کی وجہ سے اُس کی چال میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ وہ شوائے کی موت سے بھی متاثر ہوئی ہے۔" میں نے اپنی صفائی پیش کی۔

"میری بات مانو اور مٹی چینی کی خوب صورت بوتل سے تھوڑی سی شراب چکھ کر دیکھو۔ تم اپنی ساری پریشانیوں کو بھول کر کل کے جشن کے لیے ترو تازہ ہوجاؤ گے۔" ڈون نے اصرار کیا۔

"میں تمہارا حکم نہیں ٹال سکتا۔" میں نے اپنے سامنے والی تھالی سے بوتل اٹھاتے ہوئے کہا۔ "بہک کر کوئی گستاخی کر بیٹھوں تو مجھے معاف کردینا۔"

میں نے اناڑیوں کے سے انداز میں وہسکی گلاس میں انڈیلی اور اس میں برف یا سوڈا ملائے بغیر ایک ہی گھونٹ میں نیٹ پی گیا۔ ڈون ہائیں' ہائیں کرکے مجھے روکتا ہی رہ گیا۔ جب میں نے انتہائی بُرے بُرے منہ بناتے ہوئے' خالی گلاس واپس رکھا تو تینوں چینی بہت دلچسپی کے ساتھ میری طرف متوجہ تھے۔

میرے منہ بنانے اور کھانسنے پر ڈون بہت محظوظ ہوا اور زور زور سے ہنستے ہوئے بولا۔ "تم بالکل ہی گھامڑ ہو۔ دوسروں کو دیکھ کر بھی کچھ نہیں سیکھ سکے۔ وہسکی سوڈے' برف یا پانی کے ساتھ ملا کر پی جاتی ہے۔ نیٹ پینے سے تو عادی شرابی بھی پناہ مانگتے ہیں۔"

"سینے میں آگ کی لکیر سی اتر گئی ہے۔" میں نے اپنا سینہ مسلتے ہوئے' بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "لیکن کچھ سرور سا آرہا ہے جیسے میری کھوپڑی خلا میں ہلکورے لے رہی ہو۔"

ڈون نے میری بھلائی کے خیال سے مجھے اُن تینوں چینیوں کے سپرد کردیا۔ نیلی قمیص والے بدمعاش چینی نے میرے لیے اگلا گلاس بناتے ہوئے' شفاف گلاس ہتھیلی میں چھپا کر' اس میں وہسکی کی غیر معمولی مقدار انڈیلی اور اس میں جلدی سے سوڈا ملا دیا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ وہ مجھے نشے میں دھت کرکے میرا تماشا بنانا چاہ رہا تھا لیکن اس مردود کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کا واسطہ ایک پرانے پاپی سے پڑا ہے۔

اس دن میرے ستارے کچھ اچھے تھے کہ اس محفل میں المناک چینی سُروں کے بجائے مغربی سازینوں کے ریکارڈ لگا دیے گئے۔ متعدد لڑکیاں ڈون کی مسند پر اسے گھیر کر بیٹھ گئیں۔ ایک چینی اور تین سفید فام لڑکیوں نے رقص شروع کردیا اور ہماری ٹولی کی دلجوئی کے لیے چار لڑکیاں ہمارے پاس آبیٹھیں۔

اس دوران میں مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ وہ تینوں چینی' انگریزی فقرے بولنے یا سمجھنے سے قاصر تھے لیکن ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اُن کو اپنی بات سمجھائی جاسکتی تھی۔

نیلی قمیص والا بدمعاش مجھے تیز وہسکی کے دو گلاس پلانے کے بعد حیران اور خائف سا نظر آنے لگا۔ میں ظاہری طور پر تو بہت زیادہ جھوم جھام رہا تھا لیکن عملاً میرا ذہن دھند سے محفوظ تھا۔ نیلی قمیص والا میرے بارے میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ لڑکیوں پر زیادہ توجہ نہیں دے سکا جب کہ اس کے دونوں ساتھی ناشائستہ ہنسی مذاق میں محو تھے۔

اچانک ہی میری نیم وا آنکھوں نے سارا کو واپس آتے دیکھا۔ اس کے نمودار ہوتے ہی ڈیک پر موسیقی کا شور قدرے بلند ہوگیا۔ سب لوگ چونک کر مڑے اور سارا نے رقاص لڑکیوں کے درمیان میں' قالین پر اپنے قدم جما کر' اپنے بدن کو کسی پھرکی کی طرح چاروں طرف گھمانا شروع کردیا۔

اس کے قدم ایک جگہ جمے ہوئے تھے لیکن اوپری دھڑ' ربر کے لچکیلے مجسمے کی طرح بتدریج تیزی کے ساتھ گھومے جارہا تھا۔ اچانک موسیقی بدل گئی۔ تیز سازینوں کے ساتھ سارا فضا میں اچھلی پھر اُس کے بدن میں بجلی سرایت کرگئی۔ وہ کسی ماہر اور پیشہ ور بازی گر کی طرح' موسیقی کی دھنوں پر سولو ڈسکو کا مظاہرہ کررہی تھی۔

سارا اپنے بدن کے ہر زاویے سے بھرپور کام لے کر اتنی تیزی کے ساتھ ناچتی رہی کہ اس کے وجود پر نظریں جمائے رکھنا دشوار ہورہا تھا۔ آخر کار وہ راؤنڈ ختم ہوا اور ہال داد و تحسین سے گونج اٹھا۔

میرے دل میں' نیلی قمیص والے چینی کے خلاف بغض و نفرت کا لاوا اُبل رہا تھا۔ پھر میں نشے میں مدہوش ہونے کی اداکاری بھی کررہا تھا' اس لیے وہ وقفہ آتے ہی میں جھومتا ہوا' اٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہاری پلائی ہوئی شراب سے میرا خون گرم ہوگیا ہے ڈون!" میں نے لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"گرم خون کا علاج عورت ہے۔" ڈون بے پروائی سے بولا۔ "سارا کو اپنے پاس بلالو۔"

"نہیں' ڈون! میرا کسی سے لڑنے کو جی چاہ رہا ہے۔" میں نے فضا میں اِدھر اُدھر جھولتے ہوئے کہا۔

"یہاں سارا سمیت کئی لڑکیاں جوڈو... کراٹے اور دوسرے مارشل آرٹس میں ماہر ہیں۔ جس سے چاہو' لڑلو۔ تم جیت گئے تو وہ لڑکی تمہاری ہوجائے گی۔ کیونکہ میں ہارنے والیوں کو اپنے قرب سے محروم کردیتا ہوں۔ بولو' تم کس سے لڑنا چاہتے ہو؟"

"لڑکیوں سے لڑا نہیں' کھیلا جاتا ہے۔ مجھے کسی مرد سے لڑوالو۔" میں نے کہا۔

"تو تم سنجیدگی سے لڑنے پر آمادہ ہو؟" ڈون کی آواز میں تحیّر آمیز مسرت رقصاں تھی۔ "جیالے مردوں کو لڑوانا تو میرا پسندیدہ مشغلہ ہے مگر تم نشے میں دھت ہو۔ بری طرح ہارے جاؤ گے۔"

"تم میری فکر نہ کرو' بس مجھے کسی سے لڑوادو۔" میں نے شکستہ لہجے میں اصرار کیا۔ "تم نے مجھے جو نشہ پلایا ہے' اس نے میری رگوں میں طاقت کا ایک سمندر موج زن کردیا ہے۔ تم دیکھ لینا کہ میں ہارا بھی' تو آسانی کے ساتھ نہیں ہاروں گا۔ تمہارا دل خوش ہوجائے گا۔"

"ان تینوں میں سے اپنا حریف چھانٹ لو!" ڈون نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"نیلی قمیص والا۔" میں نے اپنے شکار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ڈون اپنے اردگرد بیٹھی ہوئی لڑکیوں کو اِدھر اُدھر دھکیلتا اور ان پر سے پھلانگتا ہوا اپنی مسند سے نیچے آگیا۔ وہ اونچی آواز میں کچھ کہتا بھی جارہا تھا۔ ڈون کے الفاظ کے جواب میں پیدا ہونے والے دبے دبے شور' سسکاریوں اور ہیجان آمیز ردِ عمل سے میں نے اندازہ لگایا کہ متوقع لڑائی کے بارے میں ہر ایک پُرجوش تھا۔

تینوں موٹے اور گنجے چینی بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ نیلی قمیص والا کینہ توز نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ چربی کی تہوں میں دھنسی ہوئی' اس کی چوٹی چھوٹی آنکھوں سے قہر اور غصے کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ کمرے میں پھیلی ہوئی تمام لڑکیاں تیزی کے ساتھ کناروں کی طرف سمٹنے لگی تھیں۔ وہ سب بھی اس محفل ناؤ نوش میں پیتی رہی تھیں اس لیے ان سب کا ردِ عمل بے ساختہ اور بہت زیادہ جوشیلا تھا۔

ڈون نے اپنے ہاتھ میں تھامی ہوئی واڈکا کی بوتل میں رہی سہی سفید شراب' بوتل سے منہ لگا کر اپنے معدے میں انڈیل لی اور بوتل اپنے گدے پر اچھال دی۔

اس نے دائیں ہاتھ سے نیلی قمیص والے کا ہاتھ اور بائیں ہاتھ سے میرا ہاتھ تھاما اور ہم دونوں کو اس وسیع و عریض کمرے

کے تقریباً وسط میں لے آیا۔

پہلے اس نے میرے حریف کو چینی زبان میں لکچر دیا پھر مجھ سے مخاطب ہوگیا۔

"دانتوں اور ناخنوں کا استعمال منع ہے۔ جس نے بھی ایسا کوئی فاؤل کیا' میں اُس کی کمر پر لات رسید کروں گا۔ لڑائی کی فرمائش تم نے کی ہے اس لیے ہارنے کی صورت میں تمہیں اپنے حریف کا مطالبہ پورا کرنا پڑے گا۔ وہ دو دن اور دو راتوں کے لیے تمہاری ہونے والی بیوی کو لے جائے گا۔"

میرے خون کا دوران میری کنپٹیوں میں چڑھ آیا۔ وہ شرط سخت ذلّت آمیز تھی۔ میرا خون کھولنے لگا لیکن ڈون بہت خوش اور پُرجوش نظر آرہا تھا۔ وہ اس مقابلے کو ایک کھیل سمجھ رہا تھا۔ میری طرف سے حجّت یا انکار کی صورت میں بات بگڑ سکتی تھی۔ میں نے بدستور نشے میں دھت ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"اور اگر میں جیت گیا تو کل اسے برہنہ کرکے بل فائٹنگ رِنگ میں بھینسے کے آگے پھینک دیا جائے گا۔ یہ بھینسے کو ہلاک کیے بغیر رِنگ سے باہر نہیں آسکے گا۔ یہ میری شرط مان لے تو میں اس کی شرط تسلیم کرلوں گا۔"

"تمہاری شرط بہت سخت اور ذلّت آمیز ہے۔" ڈون نے کہا۔ وہ رشتوں کے بندھن سے آزاد' حیوانی زندگی گزار رہا تھا اس لیے اسے اندازہ ہی نہیں ہوسکا کہ میرے حریف نے غزالہ کا ذکر درمیان میں لاکر مجھے کتنی بڑی اور ناقابلِ برداشت گالی دی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ڈیوڈ تاؤ بھی ایک حسین اور لاولد بیوی کا مالک ہے۔" تم جیت کر اسے ایک ہفتے کے لیے حاصل کرسکتے ہو۔ مکاؤ میں بیویوں اور محبوباؤں پر ایسی شرطیں لگانا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ اچھی دل لگی رہتی ہے اور جوڑوں کی آب و ہوا بھی تبدیل ہوجاتی ہے۔"

میرا جی چاہا کہ ڈون کا منہ نوچ لوں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مکاؤ کے عادی اور پیشہ ور جواری اس قدر گرے ہوئے اخلاق و کردار کے مالک تھے کہ جوئے اور شرطوں پر اپنی بیویوں کو بھی داؤ پر لگا بیٹھتے تھے۔

"نہیں' ڈون!" میں نے جھوم کر اصرار کیا۔ "اس نے میری منگیتر کو دیکھ کر شرط عائد کی ہے جب کہ میں نے اس کی عورت کو نہیں دیکھا۔ میں اس کی شرط مان رہا ہوں تو اسے بھی میرا مطالبہ تسلیم کرلینا چاہیے....."

ڈون نے میری بات کاٹ دی۔ "خیر' یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے کھیل شروع ہونا چاہیے۔ تم چاہو تو اپنی حوصلہ افزائی کے لیے اپنے ساتھیوں کو بھی بلوا سکتے ہو۔"

ڈون کے لب و لہجے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مجھے نشے میں دھت سمجھ رہا تھا اور اُسے میری کامیابی کی ذرا بھی امید نہیں تھی۔ اُس کی ساری دلچسپی اس انسانی مقابلے تک محدود تھی۔

"کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں' میں لڑنے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے تلخی سے کہا۔

اس دوران میں ڈیوڈ تاؤ مجھے پھاڑ کھانے والی خونخوار نظروں سے گھورتا رہا تھا۔

ڈون نے ہم دونوں کے ہاتھ فضا میں بلند کیے پھر ایک جھٹکے سے نیچے گرا کر چھوڑ دیے۔

میں اپنے قدم بدلنے بھی نہ پایا تھا کہ ڈیوڈ تاؤ اپنے بھاری بھرکم ...وجود کے ساتھ اچانک فضا میں اچھلا اور میرے منہ پر بھرپور لات رسید کرکے اُڑتا ہوا دور جاگرا۔

وہ ضرب غیر متوقع اور بہت شدید تھی۔ میں تیورا کر قالین پر گر پڑا۔ وہ ہال لڑکیوں کی ہیجان آمیز چیخوں سے گونج اٹھا۔ مقابلہ اُن کی توقع سے زیادہ تیز رفتاری سے شروع ہوا تھا۔

میں گر ہی چکا تھا اس لیے میں نے قالین پر سے اٹھنے میں عجلت سے کام نہیں لیا۔ وہیں پڑا قالین ٹٹولتا رہا مگر میری نیم وا آنکھیں ڈیوڈ تاؤ پر جمی ہوئی تھیں جو اپنے پہلے ہی وار میں مجھے گرا دینے کے بعد لڑکیوں کی طرف جھک جھک کر داد وصول کر رہا تھا۔

اُس کے دونوں ساتھی پُرجوش ہوگئے تھے اور مٹھیاں بھینچ بھینچ کر کچھ چلا رہے تھے۔ کسی نے ڈون کے ہاتھ میں شراب کی نئی بوتل تھما دی تھی۔ اس مقابلے کی سنسنی سے بوکھلا کر چند لڑکیاں ڈون سے جا چپکی تھیں لیکن سارا الگ تھلگ کھڑی کچھ افسردہ سی نظر آرہی تھی۔

میں لڑکھڑاتا ہوا قالین پر رینگتا اور ٹٹولتا رہا۔ میں اپنی اداکاری سے ڈیوڈ تاؤ کو فریب دینا چاہ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے زیادہ شراب پی ہوئی تھی جو اُس کی کھوپڑی پر چڑھ چکی تھی۔ داد و تحسین وصول کرنے کے بعد وہ دونوں ہاتھوں کے بل' الٹی قلا بازیاں کھاتا ہوا میرے قریب آیا۔ پھر اُس نے جوں ہی میرے گریبان پر ہاتھ ڈالا' میں نے پوری قوت سے اس کی پسلیوں پر ٹھوکر رسید کی اور وہ مجھ سے ذرا دور ہی ڈھیر ہوگیا۔

اُس کی بے ساختہ چیخ بہت دلدوز اور کریہہ تھی۔ اس بار سارے تماشائیوں کو سانپ سونگھ گیا' بس سارا کی تالیوں اور ہُرّے کی آوازیں ہال میں گونج کر رہ گئیں۔

میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر' ڈیوڈ تاؤ کی چمکتی ہوئی گنجی کھوپڑی پر لات رسید کی اور وہ قالین پر دُہرا ہوگیا۔ میری پہلی لات شاید اس کے گردوں وغیرہ پر پڑی تھی اس لیے وہ قالین پر ہی پڑا ہوا کراہتا رہا۔ ڈیوڈ کی بدنگاہی کی وجہ سے میرے دل میں اس کے لیے رحم کا ذرا سا بھی شائبہ نہیں تھا۔ میں نے اپنی ایڑی سے اس کی کنپٹی پر مضبوط ضرب لگائی اور اس نے بلبلا کر میرا پیر دبوچ لیا۔

تین پے در پے ضربات کی وجہ سے وہ اس قدر کرب کے عالم میں تھا کہ ڈون کے بتائے ہوئے ضابطوں کو بھی فراموش کر بیٹھا اور میرے تلوے میں اپنے دانت گاڑ دیے۔ میں نے اذیت سے چیختے

ہوئے' ڈون کو اس فاؤل کی طرف متوجہ کرنا چاہا لیکن ڈون اس سے پہلے ہی حرکت میں آچکا تھا۔ کمر پر ڈون کی لات پڑتے ہی ڈیوڈ کئی فٹ دور سرک گیا۔ میرا پیر اُس کے دانتوں کی گرفت سے آزاد ہوگیا لیکن جھٹکے کی وجہ سے میں بھی نیچے گر گیا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میرے تلوے کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔

میں قالین پر سرک کر' ڈیوڈ تاؤ پر جا پڑا۔ وہ اذیت کے عالم میں ضرور تھا لیکن اس موٹے چینی کے بدن میں کسی سانڈ جیسی قوت تھی۔ خطرہ بھانپتے ہی وہ بری طرح میرے بدن سے لپٹ گیا۔

ہم قوم ہونے کی وجہ سے ڈون کی ہمدردیاں ڈیوڈ تاؤ کے ساتھ تھیں لیکن فاؤل کرنے پر' اس نے تاؤ کو سزا دینے میں ذرا سی بھی رعایت سے کام نہیں لیا تھا۔ ڈون کے اس رویّے نے میرا حوصلہ بڑھا دیا اور میں نے اپنے نیچے دبے ہوئے گنجے کے سر کو اپنا مسلسل نشانہ بنانے کا فیصلہ کرلیا۔

ڈیوڈ کے دونوں ہاتھ میری کمر کے گرد کسے ہوئے تھے اور وہ بتدریج اپنا دباؤ بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ میرے ہاتھ آزاد تھے۔ میں نے اس کے چہرے پر تابڑتوڑ کئی مُکّے رسید کیے اور ایک جگہ سے اس کا جبڑا چٹخ گیا۔ اس ناگہانی آفت کی وجہ سے میری کمر پر اس کی گرفت کمزور ہوئی تو میں نے اوپر سرک کر اس کی کھوپڑی اور کنپٹیاں سہلا ڈالیں۔ وہ بہت بری طرح تڑپا اور میرے نیچے سے نکل گیا۔

اس بار ڈیوڈ تاؤ اپنی تمام تر مزاحمانہ قوتیں یکجا کرکے قالین سے اٹھا اور مجھ پر آپڑا۔ وہ اندھا دھند مُکّے' لاتیں اور گھٹنے استعمال کر رہا تھا۔ ابتدا میں' میں بوکھلا گیا اور اس کے وار روکنے میں ناکام رہا لیکن سنبھالا لیتے ہی میں نے اُس کی بائیں آنکھ پر بھرپور ٹکر رسید کی جس کے نتیجے میں وہ کراہ کر الٹ گیا۔ وہ میرے لیے' اسے زیر کرنے کا بہت اچھا موقع تھا لیکن اس کی لگائی ہوئی چوٹوں کی وجہ سے میں اپنی جگہ سے تیزی سے حرکت نہیں کرسکا اور ڈیوڈ تاؤ کسی زخمی درندے کی طرح غراتا ہوا ایک بار پھر اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔

اُس کی بائیں آنکھ سوج کر بند ہوچلی تھی۔ اس پر پھٹی ہوئی پیشانی سے بہنے والا خون نمایاں نظر آرہا تھا۔ داہنے رخسار کی ہڈی بھی ٹوٹ چکی تھی۔ غزالہ کی طرف بری نیّت سے دیکھنے والی' بس ایک آنکھ سلامت تھی۔ اس کی تاک جھانک کا خیال آتے ہی میرا خون کھول اٹھا اور میں اپنی ہر تکلیف کو فراموش کرکے سیدھا کھڑا ہوگیا۔

اس بار ہم دونوں میں مُکّے بازی کا وحشیانہ مقابلہ شروع ہوگیا۔ دونوں ہی تھکن اور زخموں سے چور ہوچکے تھے اس لیے ایک دوسرے سے دور رہ کر لڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس خوں ریز مقابلے کا تماشا دیکھنے والوں پر سنسنی خیز سکوت چھایا ہوا تھا۔ ہمارے چڑھے ہوئے سانسوں کے علاوہ وقفے وقفے

سے ڈون کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ شاید چینی اور انگریزی زبان میں ہم دونوں سے ایک ہی سوال پوچھ رہا تھا لیکن کوئی ہار ماننے پر آمادہ نہیں تھا۔

یک بیک ڈیوڈ تاؤ ذرا ست ہوا اور میرا بایاں مُکاّ پوری قوت سے اس کی آنکھ کے ڈھیلے پر جا پڑا۔ مجھے ڈیوڈ کی وہ آنکھ بچنے کی ذرا بھی امید نہیں تھی۔ اسے تقریباً اندھا کرتے ہی میں نے وحشیانہ انداز میں نیچے گرا دیا پھر ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر' فضا میں اچھل کر' اپنے گھٹنے سے اس کی کنپٹی پر ہولناک ضرب لگائی۔ فضا اُس کی کرب ناک چیخ سے لرز اٹھی اور اس کے بدن پر تشنج کی کیفیت طاری ہوگئی۔

میرے سر پر خون سوار ہو چکا تھا۔ وہ غزالہ کا کُھلا دعوے دار بن کر میرے مقابل آیا تھا۔ میں اسے تہس نہس کردینا چاہتا تھا۔ میں نے اس کے سرہانے رینگ کر' اس کے سر اور چہرے پر مُکے برسانے شروع کیے ہی تھے کہ کسی نے پیچھے سے میری کمر تھام کر مجھے دور کھینچ لیا۔

"ہوش میں آؤ!" وہ ڈون کی تیز آواز تھی۔ "تم نے اسے مار دیا ہے۔ دم توڑتے ہوئے حریف پر ہاتھ اٹھانا دلیروں کا شیوہ نہیں ہے۔"

میں نے آنکھیں پھاڑ کر ڈیوڈ تاؤ کی طرف دیکھا۔ وہ قالین پر ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور شاید واقعی قریب المرگ تھا۔ میں نے اپنا بدن ڈھیلا چھوڑ دیا۔ میری آنکھیں بند ہونے لگی تھیں اور اپنے بدترین حریف پر مکمل ترین فتح کے احساس کے ساتھ ہی مجھے اپنے زخموں میں تکلیف کا احساس ستانے لگا تھا۔

"یہ واقعی مر رہا ہے' ڈون!" میرے کانوں میں سارا کی کانپتی ہوئی آواز آئی۔ "اسے فوراً طبی امداد نہ دی گئی تو یہ یہیں دم توڑ دے گا۔"

"اس کے دماغ کی رگیں پھٹ گئی ہیں۔" ڈون کی پُرسکون آواز سنائی دی۔ "دنیا کا کوئی علاج اسے مرنے سے نہیں روک سکتا۔ اسے سکون اور آزادی سے مرنے دو!"

ڈون کی زبان سے وہ خوش خبری سننے کے بعد میرا ذہن اندھیروں کی نرم اور آرام دہ دلدل میں دھنستا چلا گیا۔ غزالہ پر بری نگاہ ڈالنے والے کو جہنم واصل کر کے میں نے اتنی بڑی بازی جیتی تھی کہ اس کے بعد ڈون میرے بدن کے ٹکڑے بھی اُڑا دیتا تو مجھے پروا نہ تھی۔

"کنپٹی پر لگنے والی' گھٹنے کی ضرب مہلک اور فیصلہ کن تھی۔" قدرے توقف کے بعد ڈون کی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آتی سنائی دی۔ "دیکھ لو' یہ ٹھنڈا ہو گیا۔"

"ڈون! اب کیا ہو گا؟" سارا کی رو دینے والی' کانپتی ہوئی آواز میری سماعت سے کسی موہوم سی بازگشت کی طرح ٹکرائی پھر میرے ہر طرف اندھیرا اور لامتناہی سناٹا پھیل گیا۔

نجانے کتنی دیر بعد' جب دوبارہ میرے حواس بحال ہوئے تو سب سے پہلے مجھے اپنے نتھنوں میں کسی اجنبی وجود کی بھڑکا دینے والی تیز مہکار گھستی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولنی چاہیں لیکن میرے پپوٹے بدستور منوں وزنی تھے۔

"یہ ہوش میں آ رہا ہے۔" ایک پُرتجسس آواز کے ساتھ' دو نرم اور گداز ہاتھ تیزی کے ساتھ میرے دونوں رخساروں کو تھپتھپانے لگے۔ وہ آواز غزالہ کی نہیں لیکن جانی پہچانی معلوم ہو رہی تھی۔

یک بیک مجھے بے ہوش ہونے سے پہلے کے واقعات یاد آئے اور میں مضطرب ہو گیا۔ ڈون کی حویلی میں ڈیوڈ تاؤ میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ پتا نہیں اس واقعہ پر ڈون کا کیا ردِّعمل تھا۔ کہیں میں اُس کی قید میں تو نہیں تھا؟ وہ نسوانی آواز میری کسی نگراں کی تو نہیں تھی؟

میرے تھکے ہوئے ذہن میں پے درپے ابھرنے والے سوالات کے تسلسل نے میرے اعصاب پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ میں نے اپنی تمام تر قوت یکجا کر کے آنکھیں کھول دیں۔

میں اس وقت ڈون کی حویلی کی اسی زیرِ زمین خواب گاہ کے آرام دہ بستر پر موجود تھا جس میں ہمارا قیام تھا۔ سارا پُرتشویش انداز میں میرے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ غزالہ میرے پیروں کے قریب بیٹھی ہوئی تھی اور سلطان شاہ صوفے پر براجمان' چیونگم چبا رہا تھا۔

"اوہ! خدا کا شکر ہے کہ تم ہوش میں آ گئے!" سارا ایک گہرا سانس لے کر خوشی کے ساتھ بولی۔ "میں ڈر رہی تھی کہ کہیں تم بھی اندرونی ضربات کا شکار نہ ہو گئے ہو۔"

مجھے کوئی اندرونی چوٹ نہیں آئی تھی۔ بیرونی ضربات وقت کے ساتھ مندمل ہو جاتیں۔ البتہ تکان سے میرا جوڑ جوڑ ہلا ہوا تھا اور شاید اسی وجہ سے میں نقاہت محسوس کر رہا تھا۔

اس وقت سارا مجھ سے' سب سے زیادہ قریب تھی اور اسی کے جوان وجود کی تیز خوشبو میرے نتھنوں میں گھسی جا رہی تھی۔ میرے لیے وہ ایک خوشگوار تجربہ تھا۔ میں سارا کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

"دیکھو! تمہارا ہونے والا شوہر ہوش میں ہے اور مسکرا رہا ہے۔" سارا نے شاید غزالہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم اس کے پاس نہیں آؤ گی؟ اس سے میرا ایسا کوئی رشتہ ہوتا تو میں نے اس پر گرمجوشی کے ساتھ بوسوں کی بھرمار کر دی ہوتی۔"

"وہ تم اب بھی کر سکتی ہو!" غزالہ کی آواز ابھری۔ "ڈینی شاید اسی توقع پر تمہاری طرف دیکھ کر مسکرایا ہے۔ تمہیں اس کا دل رکھنا چاہیے۔"

"اوہ' خدا!" سارا کراہی۔ "میں اب سمجھی کہ تم اتنی دیر سے مجھ سے کھنچی کھنچی کیوں ہو۔ شاید تم سمجھ رہی ہو کہ میں تمہارے شوہر پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کر رہی ہوں...."

غزالہ نے تُرشی کے ساتھ اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہاں کے رنگین اور رومان پرور ماحول میں ہر مرد اور عورت کے بہکنے کا امکان ہے..."

سارا نے بھی غزالہ کو اپنی بات پوری نہیں کرنے دی۔ وہ لاکھ آزاد خیال اور مخلوط مغربی معاشرت کی عادی سہی' لیکن غزالہ کی الزام تراشی برداشت نہیں کر سکی اور کاٹ دار لہجے میں بولی۔ "ہوش میں رہ کر بات کرو' لڑکی! میں ڈون کی خدمت پر مامور ہوں۔ ایسی لڑکیوں کو کسی اور مرد سے میل جول کی اجازت نہیں ہوتی۔ ڈون ہزار آنکھوں سے اُن کی نگرانی کرتا ہے۔ ڈون سے بے وفائی کرنے والی لڑکیوں کو عبرت ناک انجام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میں اپنا مستقبل اپنے ہاتھوں کیسے برباد کر سکتی ہوں؟"

"لڑو نہیں!" میں نے تھکی ہوئی آواز میں' انگریزی میں کہا۔ "غزالہ میرے بارے میں بہت جذباتی ہے۔ میں اس کی غلط فہمی دور کر دوں گا۔"

"عورت برطانیہ میں ہو یا مکاؤ میں' اپنے مرد کے قریب دوسری عرت کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ میں نے انسانی ہمدردی کے تحت تمہارا ساتھ دیا اور تمہاری بیوی مجھے یہ انعام دے رہی ہے۔ اپنی جلن اور حسد میں اسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ تم نے اپنی زندگی موت کے جبڑوں سے چھینی ہے۔" سارا پیر پٹختی اور بڑبڑاتی ہوئی میرے سرہانے سے دور چلی گئی۔

"ہمدردی جتانے سے پہلے پورا یقین کر لیا کرو کہ مرد اکیلا ہی ہے۔" سلطان شاہ کی سنجیدہ آواز سنائی دی۔ "اس اصول کو نظر انداز کرو گی تو ایسے الزامات کا سامنا کرتی رہو گی۔"

"تم بالکل احمق بلکہ اوّل درجے کے گدھے ہو۔" سارا کی جھلائی ہوئی آواز ابھری۔ "ہمدردی ایک اضطراری انسانی جذبہ ہے۔ یہ کسی مصلحت کے تحت دیکھ بھال کر نہیں کی جاتی۔ میرا خیال تھا کہ تم لوگ صرف انگریزی سمجھتے ہو اس لیے میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں گی' لیکن تم تو سب ہی تنگ نظر اور حاسد معلوم ہوتے ہو۔ میں جا رہی ہوں۔ اب ڈون کسی چینی لڑکی ہی کو بھیجے گا۔"

"ارے نہیں ڈارلنگ!" سلطان شاہ بوکھلا کر صوفے سے کھڑا ہو گیا اور سارا کا بازو تھام کر خوشامدانہ انداز میں بولا۔ "میں تو مذاق کر رہا تھا اور تم برا مان گئیں۔ میں نے کروٹ لے لی تھی اور اس وقت وہ دونوں میرے سامنے آ گئے تھے۔

"مذاق!" سارا نے غصے سے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یہ جرأت کیسے ہوئی؟ ابھی تو میرا تم سے باقاعدہ تعارف تک نہیں ہوا ہے۔" اس نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو آزاد کرا لیا۔ "تم نے مجھ سے یہی مذاق برطانیہ میں کیا ہوتا تو میں اب سے بہت پہلے تمہارے منہ پر تھپڑ رسید کر چکی ہوتی۔ ہم لوگ شناسائی اور تعارف کے بغیر کسی کو ہیلو کہنا بھی سخت معیوب سمجھتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" غزالہ بھی تیکھے تیوروں کے ساتھ اس معرکے میں شامل ہو گئی۔ "تعارف کے بعد ہیلو کہتے ہی تم لوگ کورٹ شپ شروع کر دیتے ہو۔ زندگی بھر بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ بدلتے رہتے ہو۔ اس بے ہودہ عمل میں جو بچے وجود میں آتے ہیں' انہیں سرنیم کی بیساکھی بھی لگا دیتے ہو۔ ایسے بچوں کی پیدائش سے تعلیم اور ملازمت حتیٰ کہ وفات تک کوئی ان سے ان کی ولدیت نہیں پوچھتا کیوں کہ اس سوال کو تمہارے معاشرے میں معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن بن بیاہی ماؤں کو کوئی بدکار نہیں کہتا۔ حکومت انہیں معاشی تحفظ دیتی ہے اور معاشرہ اپنے ندیدے پن کی وجہ سے انہیں سر آنکھوں پر بٹھاتا ہے...."

غزالہ کے الفاظ پر سارا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور وہ بپھر کر بولی۔ "اپنی زبان کو لگام دو۔ رذیل طبقے کی حرکتوں کی وجہ سے تم شرفا پر الزام تراشی نہیں کر سکتیں۔"

"ڈون سے تم نے کس چرچ میں شادی کی ہے جو اُس کی خدمت گار بنی پھر رہی ہو؟" غزالہ نے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔ "تم تو شاید برطانوی شرفا میں اعلیٰ مقام رکھتی ہو گی؟"

"یہ سراسر زیادتی ہے۔ میں یہ بکواس برداشت نہیں کر سکتی۔" سارا روہانسی ہو گئی اور تیزی سے نکاسی کے راستے کی طرف مڑ گئی۔

"سارا!" میں نے اُسے پکارا۔ "ٹھہر جاؤ۔ یہ دونوں پاگل ہو گئے ہیں۔ ان کی باتوں پر مت جاؤ۔ مجھے تمہاری موجودگی اور مدد کی شدید ضرورت ہے۔"

وہ رک کر میری طرف پلٹی تو اُس کی چمک دار' نیلی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ "یہاں کئی لوگ انگریزی بولتے اور سمجھتے ہیں لیکن تمہاری زبان اور لب و لہجے کی مٹھاس کی وجہ سے میں نے اپنائیت محسوس کی تھی۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "یہاں ڈون اور چند یورپی لڑکیوں کے علاوہ میں کسی سے مانوس نہیں ہو سکی ہوں لیکن یہ دونوں میری دل آزاری پر اتر آئے۔ میں ان کی غلط فہمی کو خوب سمجھ رہی ہوں لیکن انہیں دوسروں کے جذبات کا بھی پاس ہونا چاہیے۔ میری دشمنی میں یہ لوگ تمہاری تکلیف بھی فراموش کر بیٹھے ہیں۔"

"سوری! میں ان کی طرف سے معذرت خواہ ہوں۔" میں نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تم نے کیا کیا ہے؟ سوری تو ان دونوں کو کہنا چاہیے۔" سارا نے شکوہ کیا۔

ان دونوں نے میرے مطالبے سے پہلے بیک وقت سوری کہا اور سارا مسکرا دی۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمارا باقاعدہ تعارف ہو چکا ہے۔" سلطان شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لیکن کوئی بدمزگی والی بات نہیں ہو گی۔" سارا نے ہتھیلی

سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔ اس بے چاری کے جسم پر لباس ہی ناکافی تھا تو وہ رومال کہاں سے لاتی۔

"بس ایک بات!" سلطان شاہ نے اصرار کیا۔ "میرا بس چلے تو انگریزی لغت سے سوری کا لفظ خارج کرا دوں۔ یہ بڑی سے بڑی خطا کا تیر بہدف توڑ ہے۔ بیوی پوری رات بوائے فرینڈ کے ساتھ گزار کر آئے تو شوہر سے اُس کا مہینوں جھگڑا رہتا ہے لیکن جوں ہی وہ سوری کہتی ہے' اس کی بے وفائی سمیت ہر بات ختم ہو جاتی ہے۔"

اس بار سارا بدستور مسکراتی رہی اور بولی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ برطانیہ میں کافی دن گزار چکے ہو۔ چلتے پھرتے سیاحوں کو اندر کی باتوں پر اتنی معلومات نہیں ہوتیں۔"

"تم نے تین گھنٹے گزر جانے کے باوجود یہ نہیں بتایا کہ اوپر ڈینی کے ساتھ کیا ہوا تھا؟" غزالہ نے سارا کے ساتھ صوفے پر بیٹھتے ہوئے نرم لہجے میں شکایت کی۔

"کیسے بتاتی؟ مجھے اس کے ساتھ دیکھتے ہی تمہارا منہ بن گیا تھا اور تم نے مجھے نظر انداز کر کے 'اسٹریچر پر لانے والی چینی لڑکیوں پر طبع آزمائی شروع کر دی تھی۔ تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ تمہاری شادی کے کاغذات مکمل کرانے میں' میں نے کتنی فراخ دلی سے تمہاری مدد کی تھی۔"

سارا نے ڈیوڈ تاؤ سے ہونے والے خوں ریز مقابلے کی کہانی سنانی شروع کی تو وہ دونوں ہی بھونچکا رہ گئے اور جب سارا نے میرے گھٹنے کی ضرب سے ڈیوڈ تاؤ کی کربناک موت کا ذکر کیا تو غزالہ اپنی بے ساختہ چیخ پر قابو نہ رکھ سکی۔ سلطان شاہ بھی بے اعتباری سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہسکی ڈینی کے دماغ پر چڑھ گئی تھی ورنہ یہ لڑنے کی خواہش ظاہر نہ کرتا۔" سارا نے اپنی رائے ظاہر کی۔ "ڈیوڈ تاؤ' ڈون کے آدمیوں میں سب سے زیادہ سفاک مشہور تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ ڈینی کی گردن ہی نہ توڑ دے لیکن اس کے ستارے یاور تھے کہ یہ سرخ رو رہا۔"

"پھر۔ پھر اب کیا ہو گا؟" غزالہ کو فوری طور پر مستقبل کی فکر لاحق ہو گئی۔

"کچھ بھی نہیں!" سارا نے بے پروائی سے کہا۔ "ڈینی جیت گیا۔ اب کل ڈیوڈ کو برہنہ کر کے بھینسے کے سامنے پھینکنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ڈون زبان کا پکا ہے۔ ڈیوڈ بچ جاتا تو ڈینی کی فاتحانہ خواہش ضرور پوری کی جاتی۔ اب کل کا فنکشن خون کی سرخی سے محفوظ رہے گا۔"

وہاں تین چینی تھے۔ ان میں سے ڈیوڈ کون تھا؟" غزالہ نے پوچھا۔

"نیلی قمیص والا۔" سارا سے پہلے میں بول پڑا۔ میرا لہجہ معنی خیز تھا لیکن غزالہ نے اس پر غور نہیں کیا۔

"میں اسی لیے شراب سے روکتی ہوں۔" غزالہ مجھے ملامت کرنے لگی۔ "تمہیں اپنے اعصاب پر ناز ہے اور میں کہتی ہوں کہ یہ کسی بھی وقت سر چڑھ کر بولنے لگتی ہے اور آدمی اپنے جامے سے باہر ہونے لگتا ہے۔"

میں اُسے بتانا چاہتا تھا کہ اس مقابلے کا سبب نشہ نہیں بلکہ ڈیوڈ تاؤ کی نظربازی تھی لیکن ڈون کی حویلی میں خفیہ ڈکٹا فونز کی موجودگی کی وجہ سے میں نے زبان بند رکھی۔ وہ راز کھل جانے کی صورت میں ڈون اپنے آدمی کی موت کو اتفاقی حادثے کے بجائے سازش کا نتیجہ قرار دے سکتا تھا جو ہمارے لیے پریشانیوں کا سبب بن جاتا۔

"اوپر والی محفل کا کیا حال ہے؟" میں نے موضوع بدلتے ہوئے سارا سے پوچھا۔

"تمہاری فتح اور ڈیوڈ کی موت کے ساتھ ہی محفل کا رنگ اکھڑ گیا۔ اب اوپر سناٹا ہو گا۔ ڈون اسی وقت اپنے عملے کو ہدایات دے کر چند لڑکیوں کے ساتھ ایک خوابگاہ میں چلا گیا تھا۔"

"ڈیوڈ کی لاش کا کیا بنا ہو گا؟" غزالہ اس موضوع سے ہٹنے پر آمادہ نہیں تھی۔

"لاش اُس کے ساتھی لے گئے۔ وہ اپنے عقائد کے مطابق اُس کی آخری رسوم ادا کریں گے۔"

"ڈون آخری رسوم میں شرکت نہیں کرے گا؟" غزالہ نے پوچھا۔

"ڈون کہیں نہیں آتا جاتا۔" سارا نے اسے سمجھایا۔ "اس کی طرف سے ڈیوڈ کی بیوہ کو خطیر امداد ضرور بھجوا دی جائے گی۔ وہ مرنے والوں کے پسماندگان کا بہت خیال رکھتا ہے۔"

"ڈیود کے ساتھی ہمارے لیے مشکلات پیدا کرنے کی کوشش ضرور کریں گے۔"

"ناممکن!" سارا نے کہا۔ "وہ شرطیہ مقابلہ ڈون کی اجازت سے ہوا تھا۔ کسی کی مجال نہیں کہ تمہاری طرف میلی آنکھ سے بھی دیکھ سکے۔ مکاؤ میں ڈون کی مرضی الہامی قانون کا درجہ رکھتی ہے۔"

"اگر یہ شرطیہ مقابلہ تھا تو جیتنے کی صورت میں ڈیوڈ تاؤ کو کیا حاصل ہوتا؟" غزالہ اچانک پوچھ بیٹھی۔

"وہ دو روز کے لیے تمہیں لے جاتا۔" سارا نے برجستہ کہا اور غزالہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اور تم نے یہ شرط قبول کر لی؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے زخمی لہجے میں سوال کیا۔

"مقابلہ طے ہونے کے بعد اس نے یہ شرط عائد کی تھی جو ڈون کی وجہ سے مجھے قبول کرنی پڑی۔ اسی پر میں نے اپنی جوابی شرط عائد کی تھی۔" میں نے اسے آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سلطان شاہ نے بھی میرا اشارہ دیکھ لیا اور ہوشیاری کے ساتھ بولا۔ "جو ہو چکا ہے' اب اس پر سر کھپانا بے سود ہے۔ میری الجھن یہ ہے کہ چینیوں میں انگریزی اور چینی ناموں کا مرکب کیوں ملتا ہے؟ ڈیوڈ تاؤ' وان لن' سائرس لی! ہانگ کانگ میں بھی یہ وبا عام ہے۔"

سارا ہنس پڑی۔ "مین لینڈ چائنا سے ہجرت کرنے یا فرار ہونے والوں کی دوسری یا تیسری نسل سے یہ شوق پیدا ہوا ہے کہ لوگ اپنے ذاتی نام مغرب سے لینے لگے ہیں لیکن آخر میں خاندانی نام بھی لگاتے ہیں۔ اس طرح وہ شاید یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اُن کی پیدائش چین سے باہر' انگریزی اور پرتگیزی مقبوضات میں ہوئی ہے۔ چین میں ایسے مرکب نام ناپید ہیں۔ شروع میں مجھے بھی الجھن ہوتی تھی۔"

کچھ دیر تک ناموں اور رہن سہن کے بارے میں اُن چینیوں کی نفسیات پر باتیں ہوتی رہیں جو مکاؤ اور ہانگ کانگ میں رہتے تھے۔ سارا نے چینیوں کی زبان کے ساتھ ہی ان کے بارے میں بہت کچھ سیکھا تھا۔ اسے موقع ملا تو وہ اپنی معلومات فخر کے ساتھ ہمارے سامنے دُہرانے لگی۔

لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ مقابلے کی شرط سے آگاہ ہونے کے بعد غزالہ کو چپ سی لگ گئی تھی اور وہ صدمے کے عالم میں خاموش بیٹھی ایک ایک کی صورتیں تک رہی تھی اس لیے میں نے تکلیف اور بے چینی میں مبتلا ہونے کی اداکاری شروع کر دی حالانکہ مجھے اپنے داہنے تلوے کے زخم کے علاوہ کہیں بھی زیادہ تکلیف کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ اس زخم پر مجھے خاصی دبیز اور آرام دہ پٹی چڑھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

"ہم نے ساری رات یوں ہی گزاری تو کل دن بھر سوتے رہیں گے۔" آخر کار سارا انگڑائی لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "تم لوگوں کو تو صبح ڈون کے سامنے حاضری بھی دینی ہے۔"

اس بار کسی نے سارا کو روکنے کی کوشش نہیں کی کیوں کہ ہر ایک تخلیئے کا خواہاں تھا۔ سارا اگلی صبح آنے کا وعدہ کر کے ہم لوگوں سے رخصت ہو گئی۔

مجھے اندازہ تھا کہ سارا کے جاتے ہی مجھ پر سوالات کی بھرمار ہو جائے گی' اس لیے میں نے فوراً ہی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ان دونوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور قلم کاغذ سنبھال لیا۔

غزالہ ناراضی کے عالم میں اپنی جگہ بیٹھی رہی لیکن سلطان شاہ سے صبر نہ ہو سکا اور وہ بستر پر مجھ سے تقریباً جڑ کر بیٹھ گیا۔

ڈون کی حویلی میں ہونے والے خون ریز مقابلے کے پس منظر کی وضاحت میں جوں ہی میں نے ابتدائی سطور مکمل کیں تو سلطان شاہ نے میرے ہاتھ سے قلم لے لیا اور تحریر کے ذریعے مجھے مطلع کیا کہ غزالہ' ڈیوڈ کی چھیڑ چھاڑ سے بہت پریشان اور نروس ہو گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میں ڈیوڈ کی حرکتوں سے بے خبر تھا۔ اس نے محض اسی وجہ سے ڈون کی محفل سے اٹھنے کا فیصلہ کیا کہ کہیں میں ڈیوڈ کی حرکات دیکھ کر مشتعل نہ ہو جاؤں۔ اُس نے سارا کے ساتھ خواب گاہ میں پہنچتے ہی سلطان شاہ کو ان باتوں سے باخبر کر دیا تھا۔ سلطان شاہ کو حیرت تھی کہ میں بظاہر بے خبر نظر آنے کے باوجود پوری طرح مستعد اور چوکنا تھا۔

وہ بات بہت سیدھی سادی سی تھی لیکن غزالہ کے اداس اور ناراض ہونے کی وجہ سے میں قدرے جذباتی ہو گیا پھر شاید ان دنوں بھی میرے ذہن میں لکھنے لکھانے کے جراثیم کلبلا رہے تھے اس لیے میری وہ تحریر ایک صفحے سے بھی تجاوز کر گئی۔ میں نے آخر میں لکھا۔ "میں تمہاری خاطر لڑا اور میں نے اُس مردود کو کندۂ جہنم بنا دیا' جس نے تم سے چھیڑ چھاڑ کے بعد' میرے روبرو تم کو لے جانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔"

میرے تلوے کی تکلیف اتنی زیادہ نہیں تھی کہ میں چل بھی نہیں پاتا لیکن میں بستر پر ہی بیٹھا رہا اور وہ صفحات میں نے سلطان شاہ کو تھما دیے۔ سلطان شاہ نے فکر انگیز خاموشی کے ساتھ وہ کاغذ غزالہ کو دے دیے جن کی ابتدا میں سلطان شاہ کی تحریر بھی تھی۔

غزالہ نے بے زاری اور برہمی کے عالم میں میری تحریر پڑھنی شروع کی لیکن فوراً ہی اُس کے چہرے پر تحیّر کی علامات ابھر آئیں جو لمحہ بہ لمحہ گہری ہوتی چلی گئیں۔

چند منٹ گزر گئے۔ غزالہ کی بدلتی ہوئی' جذباتی کیفیات اُس کے چہرے اور وجود سے ظاہر ہو رہی تھیں۔ پھر وہ برداشت نہیں کر سکی۔ صوفے سے اٹھ کر والہانہ انداز میں دوڑتی ہوئی آئی اور میرے سینے سے لپٹ کر' پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میرے لیے وہ بہت دل گداز اور جذبات آفریں لمحات تھے۔ مدتوں کی چاہت اور مراسم کے بعد وہ پہلا موقع تھا کہ غزالہ ایسے محبوبانہ اور والہانہ انداز میں میرے سینے سے آ لگی تھی۔

میں اپنی رہی سہی تکلیف کو بالکل ہی بھول گیا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے وجود کے چاروں طرف دھیمی سی حرارت اور حلاوت کا ایک گداز سمندر پھیل گیا ہو۔ میں خود کو روئی کے گالوں سے بھی ہلکا محسوس کر کے' اس سمندر سے اوپر ہی اوپر' فضاؤں میں پرواز کرنے لگا۔ غزالہ کے سحر انگیز پیکر کے بھرپور لمس نے مجھے یک بیک زندگی کی اچھوتی اور دلفریب رعنائیوں سے روشناس کرا دیا تھا۔

میں نے جب سے اسے دیکھا' یہی سوچا تھا کہ وہ میری ہے اور اس نے بھی شاید پہلے ہی دن سے مجھ کو اپنا اٹوٹ انگ سمجھ لیا تھا۔ اس بات کو برسوں بیت گئے تھے۔ ہم دونوں نے زمانے کے ان گنت سرد و گرم دیکھے لیکن گزرتے ہوئے دنوں کے ساتھ وہ چاہت ماند نہیں پڑ سکی۔ ہمارے درمیان پیدا ہونے والے فاصلے' ہمیشہ اس آگ کو مزید بھڑکاتے رہے۔ ابتدا سے ہی وہ میری تھی اور میں اس کا تھا لیکن جسمانی طور پر ہم کبھی بھی ایک دوسرے سے اتنا قریب نہیں آئے تھے کہ جذباتی ماحول میں ایک دوسرے کے وجود کی

حرارت محسوس کر سکیں۔

میں نے غزالہ کو اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔ اس کے ہونٹوں سے ایک دبی دبی سی آواز نکلی۔ میں اس وقت خیال و خواب کی ایک نئی کائنات میں سفر کر رہا تھا۔ مجھے احساس ہی نہ ہو سکا کہ غزالہ کی اس آواز میں ہلکا سا احتجاج پنہاں تھا یا وہ ممنونیت کا کوئی ڈھکا چھپا اظہار تھا۔ ان چند لمحوں میں' میں نے یہ محسوس کیا کہ ویرا' رووینا' شوائے اور سارا کے تمام روپ نرے بہروپ تھے۔ وہ سب خوابوں میں یاد رہ جانے والی حسین اکائیاں تھیں۔ ان کی لذّت و رعنائیاں ان ہی چند لمحوں' گھنٹوں یا دنوں کے لیے تھیں جب تک وہ سائے کی طرح ساتھ ہوتی تھیں۔ اس کے بعد' ان کا وجود ایک خواب ہو کر رہ جاتا تھا... ایک منتشر سا خواب' جس کے بارے میں کبھی بھی یہ بھروسا نہیں ہوتا کہ وہ خواب دوبارہ نظر آ سکے گا۔ کائنات میں اگر وجودِ زن سے رنگ برقرار ہیں تو وہ کوئی چلتی پھرتی عورت نہیں ہوتی۔ یہ وہ عورت ہوتی ہے جو اپنی ہوتی ہے اور جس پر ہر آن اپنا حق جمایا اور جتایا جا سکتا ہے۔ راہ چلتے ہونے والی لمحاتی آشنائیوں کو کائنات میں پیدا ہونے والے رنگوں کا بہانہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

"میں چلتا ہوں۔" سلطان شاہ نے کھنکھار کر کہا۔ "اب صبح نکاح کے وقت ملاقات ہوگی۔"

میں نے خجالت آمیز انداز میں غزالہ کو اپنی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کہا۔ "تم بہت مردود اور زبان دراز ہو گئے ہو۔ اس وقت تم نے بالکل بے وقت کی راگنی الاپی ہے۔"

"فرانس اور یورپ کے شہزادوں میں' حسین لڑکیوں کے لیے ڈوئیل لڑنے کا ایک روایتی انداز ابھی تک چلا آ رہا ہے۔ ایسے مقابلے قانوناً ممنوع ہیں لیکن پھر بھی' چند شرفا یکجا ہو کر ایسے مقابلوں کا اہتمام کر لیتے ہیں۔ جیتنے والے کو اپنی محبوبہ مل جاتی ہے اور مرنے والے کو خاموشی کے ساتھ پیوندِ زمین کر دیا جاتا ہے۔" سلطان شاہ اس کمرے میں ٹہلتے ہوئے بولنے لگا۔ "دیکھا جائے تو تم نے بھی ڈیوڈ تاؤ سے ڈوئیل لڑ کر غزالہ کو جیتا ہے۔ میں تمہارے ہارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن تمہارے کامران ہونے پر خوش ہونا میرا فرض ہے۔ تمہیں غزالہ کے ساتھ یکجا دیکھ کر مجھے یہ یقین ہونے لگا ہے کہ آنے والی صبح ایک حسین پیغام لے کر آئے گی۔"

"تم بالکل ڈفر ہو!" غزالہ نے خفّت آمیز ہنسی کے ساتھ کہا۔ "جو باتیں تمہارے علم میں ہیں' ان کے سہارے تم اپنی علمیت کا رعب گانٹھنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"میرا بس چلے تو میں ڈون کے پیر دھو کر' وہ پانی پینا شروع کر دوں۔" سلطان شاہ نے پُرزور لہجے میں کہا۔ "یہ اسی کا دم اور حکم ہے کہ کل صبح تم دونوں کا نکاح ہونے والا ہے۔ ڈون درمیان میں نہ آتا تو نہ جانے کب تک تم دونوں لنڈورے ہی پھرتے رہتے۔"

"تم ہم دونوں میں سے کس کو بدنیّت قرار دے رہے ہو؟" غزالہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"کسی کو نہیں!" سلطان شاہ نے برجستہ کہا۔ "اس کارِ خیر میں بس تم دونوں کی اَنا آڑے آ رہی تھی۔ شادی کے معاملے میں کوئی بھی پہل کرنے پر آمادہ نہیں تھا اور نہ ہی تم دونوں کو کسی بڑے کا سایہ میسّر تھا۔ ڈون نے اپنی مطلق العنانیت سے یہ کمی پوری کر دی ہے۔"

"مجھے غزالہ کی بات دُہرانی پڑے گی کہ تم بالکل ڈفر ہو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اَنا کا سرے سے سوال ہی نہیں تھا۔ حالات کے الجھاؤ نے اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ ہم اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں کچھ سوچ سکتے۔ ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا مسئلہ کھڑا ہوتا رہا....."

سلطان شاہ کے ہونٹوں پر شوخ مسکراہٹ آ گئی۔ "بس اب تھوڑی دیر کی بات ہے۔ صبح ہوتے ہی قاضی ان سارے مسائل کو نمٹا دے گا۔"

ڈیوڈ تاؤ سے ہونے والے مقابلے کے نتیجے میں میرے بدن کے کئی حصوں میں خاصا درد تھا۔ میرے کپڑے بھی کئی جگہ سے پھٹ گئے تھے۔ اس لیے میں بستر سے اتر کر لنگڑاتا ہوا غسل خانے کی طرف چل دیا۔ میری لنگڑاہٹ میں تکلیف سے زیادہ اس موٹی پٹی کا دخل تھا جو غزالہ اور سارا نے میرے زخم پر چڑھا دی تھی۔ میں نے غسل خانے کے آئینے میں اپنا عکس دیکھا تو داہنے رخسار پر نیل آلود ورم کے علاوہ کسی ٹوٹ پھوٹ کے آثار نہیں تھے۔ یہ میری خوش قسمتی ہی تھی کہ اتنے سخت مقابلے میں مجھے کاری ضربات نہیں آئی تھیں۔

لباس اتارتے ہوئے مجھے اپنے بائیں بازو میں ٹیس سی محسوس ہوئی۔ اس ٹیس کے مقام کا تعین ہوتے ہی مجھے انجکشن کی سوئی کا تازہ نشان بھی نظر آ گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ میرے ہاتھوں ڈیوڈ تاؤ کے وحشیانہ قتل کے باوجود ڈون نے مجھے بے یار و مددگار نہیں چھوڑا تھا بلکہ مجھے باقاعدہ طبّی امداد دی گئی تھی۔ بازو کا انجکشن یقینی طور پر زہرباد کا کوئی توڑ رہا ہوگا کیوں کہ انسانی دانتوں کے لگائے ہوئے گہرے زخم میں زہر پھیل جانے کے قوی امکانات ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ امکان بھی تھا کہ میرے زخم کی مرہم پٹی ڈون کے کسی پیشہ ور ڈسپنسر نے کی ہو۔

میرے لیے وہ نئے انکشافات بہت حوصلہ افزا تھے۔ سارا نے ڈون کے امکانی ردِّعمل کے بارے میں جو کچھ کہا وہ زبانی تقریر سے زیادہ اہم نہیں تھا۔ ڈون کے صحیح ردِّعمل کا اندازہ' اس سے سامنا ہونے پر ہی ہو سکتا تھا لیکن میری طبّی دیکھ بھال کی جو علامات سامنے آئیں' وہ سارا کے بیان کی تائید کر رہی تھیں۔

میں نے ڈون کا اعتماد جیت کر' اپنی کامیابی کا سفر بہت تیزی کے ساتھ طے کیا تھا۔ کراچی سے مکاؤ کے لیے روانہ ہونے تک مجھے خود یقین نہیں تھا کہ میں ڈون جیسے خرانٹ اور تند خو شخص تک رسائی حاصل کر سکوں گا لیکن ہانگ کانگ پہنچنے کے بعد ہی حالات میں تیزی کے ساتھ ایسی تبدیلیاں رونما ہوئیں کہ خود ڈون اپنی حویلی سے چل کر بنگو کلب آ پہنچا جہاں میں ٹھہرا تھا۔

پچھلی صبح تک سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا۔ بس ایک مرحلہ نازک تھا کہ مافیا کے ڈان' نیشی کاؤ کی آمد پر خود کو کس طرح بچایا جائے؟ وہ خطرہ شروع سے سر پر منڈلا رہا تھا۔ میں نے کراچی ہی میں نیشی کاؤ کی زبان سے اس کا پروگرام سننے کے بعد فوری طور پر مکاؤ کی طرف دوڑ لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس خطرے کا سدِّباب کرنے کے لیے میرے ذہن میں ایک منصوبہ پرورش پا رہا تھا اسی کی ایک کڑی کے طور پر میں نے بلو پائپ اور اس سے پھینکی جانے والی زہریلی سوئیاں خریدی تھیں لیکن دن میں مس شوائے ہمارے سروں پر مسلط رہی پھر ڈون کی حویلی میں جا بجا نصب خفیہ آلات کی وجہ سے میں غزالہ اور سلطان شاہ سے تبادلۂ خیال نہ کر سکا۔ وقت بہت تیزی کے ساتھ گزرتا جا رہا تھا اور ہمارے درمیان باہمی تبادلۂ خیال کے فقدان کے نتیجے میں ہم پر کوئی بہت بڑی تباہی بھی نازل ہو سکتی تھی۔

ایک طرف وہ پریشان کن ذہنی دباؤ تھا پھر مس شوائے کی اچانک خودکشی نے ڈون کو چوکنّا کر دیا تھا۔ ہم لوگوں کو اس بدنصیب عورت کی خودکشی کے اسباب کا بخوبی علم تھا کیوں کہ وہ ہمارے پیدا کردہ الجھاؤ کے نتیجے میں ہی راہیٔ ملکِ عدم ہوئی تھی مگر ڈون کے لیے وہ واقعہ ناقابلِ فہم تھا اور اس کا ذہن یقینی طور پر ہر امکانی تجزیے میں مصروف تھا۔ وہ سوچ سکتا تھا کہ مس شوائے ہمیں مکاؤ کی سیر کرانے کے لیے لے کر نکلی تو ہشاش بشاش اور خوش و خرم تھی لیکن واپس لوٹنے کے کچھ ہی دیر بعد اس نے یکایک زہر کھا لیا۔ ڈون کے ذہن کو صرف ایک بات نے اس راہ پر چلنے سے روکا ہوا تھا کہ اُس کی دانست میں ہماری اور مس شوائے کی شناسائی کی مدت بہت قلیل تھی اور اتنی کم مدت میں ڈون کے کسی جاں نثار کو اس کی پٹڑی سے اتار کر اپنے ساتھ ملانا' بلیک میل کرنا یا غداری پر اکسانا ناممکنات میں سے تھا۔

ڈون کو بھنک بھی مل جاتی کہ میں نے اس کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر' کراچی سے کی جانے والی فون کالز کے دوران ہی شوائے کے دل میں ایک نرم گوشہ پیدا کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں تو وہ بلا توقف ہم تینوں کو گولی مار سکتا تھا۔

شوائے کی الم ناک خودکشی نے میرے ذہن پر بُرا اثر ڈالا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں ڈون کی حویلی سے نکلنے تک بہت محتاط رہوں گا لیکن پھر ڈیوڈ تاؤ کی ڈھٹائی اور بے حیائی نے مجھے بے لگام کر دیا۔ میں دل ہی دل میں' اس کے ٹکڑے اُڑا دینے کے بارے میں ضرور سوچ رہا تھا لیکن مقابلہ شروع ہونے تک میرے ذہن میں دور دور تک یہ گمان نہیں تھا کہ میں واقعی اسے ہلاک کر دوں گا۔ اشتعال اور حیوانی انتقام کے جذبات سے مغلوب ہو کر' میں نے اُسے پے در پے ایسی کاری ضربات لگائیں کہ وہ جاں بر نہ ہو سکا۔ اس کی موت نے میرا دل تو ٹھنڈا کر دیا۔ ڈون نے بھی اپنی روایتی وضع داری برقرار رکھتے ہوئے مجھے کوئی سرزنش کرنی ضروری نہیں سمجھی لیکن میں دل ہی دل میں سمجھ رہا تھا کہ ڈون کے ایک معتمد کو ہلاک کر کے' میں نے اُس کی نظروں میں اپنی وقعت گرا لی تھی۔

اندھیرے کمرے میں' آرام دہ بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے میرا ذہن ان ہی سب باتوں میں الجھا رہا۔ ہر نیا خیال اور امکان ایک بھیانک آسیب کی طرح میرے ذہن پر حملہ آور ہوتا تھا اور میرے اعصاب کو کمزور کر کے کسی نئے خطرے کو جنم دے دیتا تھا۔ اس ہولناک پیکار نے مجھے اتنا تھکا دیا کہ آخر کار میری آنکھ لگ گئی۔

میں صبح کے ابتدائی اوقات میں سویا ہوں گا۔ جب کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر جگایا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری آنکھ لگتے ہی مجھ پر دھاوا بول دیا گیا ہو۔ میں نے بیدار ہوتے ہی' اضطراری طور پر اپنی رِسٹ واچ پر نظر ڈالی تو وہ نو بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔ میں نے ہڑبڑا کر بستر چھوڑ دیا۔

سارا مسہری کے قریب کھڑی فاتحانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔ پچھلی رات کے مختصر اور بھڑکدار زیرِ جاموں کے برعکس اس وقت سارا کے بدن پر معقول لباس تھا۔ ہلکے پھلکے' تازہ میک اپ کے ساتھ وہ رات کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت اور باوقار نظر آ رہی تھی۔

"دس بجنے والے ہیں اور تم لوگ ابھی تک بے سُدھ پڑے ہوئے ہو!" وہ چہکی۔

میں نے دیکھا کہ مجھ سے پہلے' وہ غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کر چکی تھی اور وہ دونوں اپنی جگہوں پر بیٹھے آنکھیں مل رہے تھے۔

پھر میری نگاہ اُن دو چینی لڑکیوں پر پڑی جو سارا کے پیچھے ہینگر پر عروسی ملبوسات لیے' بے جان مجسموں کی طرح کھڑی ہوئی تھیں۔

ایک ہینگر پر ٹخنوں تک آنے والا سفید عروسی جوڑا تھا جس کا گلا بہت خوبصورت اور جھالردار تھا۔ دور ہی سے نظر آ رہا تھا کہ وہ لباس بیش قیمت ریشم سے تیار کیا گیا تھا۔ دوسری لڑکی کے ہاتھ میں موجود ہینگر پر سفید شارک اسکن کا مکمل مردانہ سوٹ لٹکا ہوا تھا۔ کوٹ کی اوپر والی جیب میں نیلے رنگ کا پھولا ہوا رومال' سلیقے سے اُڑسا ہوا تھا اور قمیص کے کالر کے گرد' رومال کے رنگ کی ٹائی لگی ہوئی تھی۔

"یہ... یہ سب کیا ہے؟" میں نے اُن دونوں چینی لڑکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بوکھلا کر سارا سے سوال کیا۔ "یہ کپڑے

کس کے لیے ہیں؟"

"ڈون نے یہ دونوں عروسی جوڑے، تم دونوں کے لیے خاص طور پر تیار کروائے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"تو کیا یہ ابھی پہننے ہوں گے؟" اس بار غزالہ نے سٹپٹا کر سوال کیا۔

سارا چند ثانیوں تک خاموش رہ کر ہماری پریشانی سے محظوظ ہوتی رہی پھر اطمینان سے بولی۔ "اب وقت نہیں رہا۔ تم لوگ تیار ہو کر سادہ کپڑے پہن لو۔ یہ دونوں جوڑے شام کو پہن لینا۔"

"وقت کو گولی مارو اور یہ بتاؤ کہ ڈون کی کیا خواہش ہے؟" میں نے بھنّا کر بستر چھوڑ دیا۔ "تمہاری رائے پر عمل کر کے میں ڈون کو برہم کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

"میرا خیال ہے ڈون بھی یہی چاہتا ہے۔" سارا نے دھیمے سے کہا۔ وہ ہمارے اضطراب سے دل کھول کر لطف اندوز ہو رہی تھی۔ "ڈون نے یہ کپڑے شام والی تقریب کے لیے بھجوائے ہیں۔"

"یہ کپڑے وارڈروب میں لٹکا دو۔ ہم بس ابھی تیار ہو جاتے ہیں۔" میں نے کہا۔

میں نے بستر سے اترتے ہوئے احتیاط سے کام لیا تھا لیکن قالین پر کھڑا ہونے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ پٹی کے ساتھ استعمال کی جانے والی دوا نے چند ہی گھنٹوں میں درد میں حیرت ناک کمی کر دی تھی۔ میری چال ناہموار ضرور تھی لیکن تکلیف ناقابلِ برداشت نہیں رہی تھی۔

میں منہ ہاتھ دھونے کے بعد لباس تبدیل کر کے خوابگاہ میں واپس آیا تو غزالہ مجھ سے پہلے تیار ہو کر آچکی تھی اور سارا سے باتیں کر رہی تھی۔

کپڑوں کے ہینگر لانے والی دونوں چینی لڑکیاں واپس جا چکی تھیں۔ چند منٹ بعد سلطان شاہ بھی تیار ہو کر آگیا اور ہم تینوں سارا کی رہنمائی میں ڈون کی حویلی کی طرف چل دیے۔

زیرِ زمین سرنگ کے خفیہ حصے سے حویلی میں داخل ہونے کے بعد سارا نے ایک بالکل ہی مختلف راستہ لیا تو مجھے قدرے الجھن ہوئی لیکن جب وہ ایک اور بڑے ہال میں داخل ہوئی تو میری پریشانی رفع ہو گئی۔

ڈون کی حویلی کی تعمیر نہایت فیاضانہ انداز میں کی گئی تھی جس کی بنا پر وہاں عام سائز کے کسی کمرے کا وجود نہیں، ہر کمرا وسیع و عریض ہال کی طرز کا تھا۔ میں نے اس وقت تک جتنے بھی کمرے دیکھے، ان میں سے کسی کا رقبہ ہزار مربع فٹ سے کم نہیں تھا! البتہ ہماری زیرِ زمین خوابگاہوں کے باتھ روم ضرور عام کمروں کے سائز کے تھے۔ وہ ہال بھی اسی معیار کے مطابق مستطیل اور کافی لمبا تھا جس میں لگی ہوئی مستطیل ٹیبل کے گرد چالیس سے زیادہ کرسیاں قرینے سے رکھی ہوئی تھیں۔ کرسیوں کے گرد پوش سے لے کر میز پوش تک، ہر چیز سفید اور بے داغ تھی۔ میز پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رکھے ہوئے گل دانوں میں تازہ سیاہ، گلابی اور سرخ گلاب اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ میز کے قریبی سرے پر آٹھ افراد کے لیے ناشتے کے برتن اور لوازمات قرینے سے سجے ہوئے تھے۔

ہمارے اندر داخل ہوتے ہی، سفید براق لباس اور گلابی اسکارف میں ملبوس، ایک خوبصورت خادمہ مسکراتی ہوئی آئی اور اس نے نہایت پھرتی کے ساتھ ہمارے لیے چار کرسیاں میز کے نیچے سے باہر نکال دیں۔ سارا نے چینی زبان میں اُس سے کچھ کہا اور وہ اندرونی دروازے سے گزر کر کہیں غائب ہو گئی۔

"تم لوگوں کی کاہلی کی سزا تو یہ تھی کہ میں تمہیں ناشتے کے بغیر ڈون کے روبرو لے جاتی۔" سارا نے شگفتگی کے ساتھ کہا۔ "لیکن یہ بدشگونی ہوتی کہ تمہاری ازدواجی زندگی کی ابتدا فاقے سے ہوتی اس لیے میں تمہیں یہاں لے آئی۔ اب تم جلدی سے ناشتے سے فارغ ہو لو!"

"ہم سب تہ دل سے تمہارے ممنون ہیں" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "غنیمت ہے کہ خدا نے رزق کی فراہمی اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ اس نے یہ کام بھی اپنے بندوں کو سونپ دیا ہوتا تو آدھی سے زیادہ انسانی آبادی بھوکوں مر رہی ہوتی۔ کسی بھی کمزور کو زندہ رہنے کا حق ہی نہ ہوتا....."

"تم لوگ ہر بات پر سنجیدہ ہو کر لڑنے پر تیار ہو جاتے ہو۔" سارا میری بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "میں رات والے واقعے کو اتفاقی سمجھ رہی تھی لیکن حویلی میں افواہیں گردش کر رہی ہیں کہ وہ مسلسل غزالہ کو اشارے کر رہا تھا۔ اسی وجہ سے تم نے اُس سے لڑنے پر اصرار کیا اور پھر اُسے مار ڈالا۔" آخری فقروں پر اس کا لہجہ بہت دھیما، بلکہ رازدارانہ ہو گیا۔ شاید وہ بھی شوائے کی طرح حویلی کے سراغرسانی کے نظام سے باخبر تھی۔

میں نے سرد اور خشک نگاہوں سے اُسے گھورا اور کہا۔ "یہ افواہیں ہمارے بدخواہوں کے گندے ذہنوں کی پیداوار ہیں۔ ڈیوڈ تاؤ کے ساتھی، ڈون کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتے لیکن ایسی افواہیں پھیلا کر وہ حویلی میں ہمارے خلاف بدگمانی پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ کوئی سر پھرا، مشتعل ہو کر ہم پر حملہ کر دے۔"

"جب تک تم ڈون کے مہمان ہو، کوئی یہ جرأت نہیں کر سکتا۔" وہ میرا بازو دباتے ہوئے بولی۔

"شاید تمہیں علم نہیں ہے کہ میں الکحل کا عادی نہیں ہوں۔ پہلے ڈون نے اصرار کر کے، پھر اس کے آدمیوں نے مجھے تیزی کے ساتھ اتنی شراب پلا دی کہ مجھے کچھ ہوش ہی نہیں رہا تھا۔ اسی مدہوشی کی رو میں، میں نے کچھ کہا ہو گا۔ مجھے بس اتنا یاد ہے کہ میرے منہ پر لات پڑی تھی اور میں حرکت میں آگیا تھا۔"

"میرے ساتھ تو کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں ہوئی۔" غزالہ نے ٹوسٹ پر مکھن اور پنیر لگاتے ہوئے معصومیت کے ساتھ کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ ڈون کی حویلی میں ایسے افسانہ طراز بھی موجود ہیں جو رائی کا وجود نہ ہونے کے باوجود پہاڑوں کی فصیل تخلیق کر لیتے ہیں۔ یہ سراسر الزام تراشی ہے۔"

اسی وقت سفید پوش خادمہ بھاپ اُڑاتی ہوئی، خوشبودار چائے کی کیتلی لے آئی اور ہماری گفتگو کا وہ سلسلہ اسی مقام پر منقطع ہو گیا۔

میز پر ناشتے کے لذیذ ترین لوازمات موجود تھے جن میں منتخب پھولوں کے شہد اور تازہ پھلوں کے رس سے لے کر نایاب اور تازہ پھل تک موجود تھے لیکن ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں رہا تھا اس لیے ہم تینوں نے عجلت میں اپنی شکم پُری کرنے کے بعد چائے کی پیالیاں سنبھال لیں۔

سگریٹ کے گہرے کش لیتے ہوئے، میرا ذہن ڈون کی حویلی میں پائے جانے والے خوفناک ماحول سے لحہ بہ لحہ بے نیاز ہوتا چلا گیا۔ میرے لیے وہ مبارک اور یادگار دن تھا کہ ڈون جیسا خطرناک اور مغلوب الغضب مجرم میرے اور غزالہ کے جبری نکاح کا بندوبست کرا رہا تھا۔ اُس کی یہ شرط کہ غزالہ اس کی حویلی سے گئی تو میری بیوی بن کر جائے گی ورنہ وہیں پڑے پڑے بوڑھی ہو جائے گی، عجیب ہی نہیں مضحکہ خیز بھی تھی۔

اس دن کی یادوں سے بھرپور لطف اٹھانے کے لیے میں نے اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔

ناشتے کے بعد ہمارا چار نفری جلوس، سارا کی رہنمائی میں اسی ہال میں جا پہنچا جہاں ڈیوڈ تاؤ سے میرا خون ریز مقابلہ ہوا تھا۔

ڈون کی حویلی کی ساخت کچھ اس قدر پُرپیچ تھی کہ وہاں کئی مرتبہ کی آمدورفت کے باوجود، مختلف کمروں کے راستے میرے ذہن نشین نہیں ہو سکے تھے البتہ یہ ضرور اندازہ ہو گیا تھا کہ فرشی نشست والا وہ ہال ہماری زیرِ زمین خوابگاہوں کے عین اوپر واقع تھا کیوں کہ ڈون اپنی مشینی مسند کو حرکت میں لا کر، براہِ راست ان خوابگاہوں تک رسائی حاصل کر سکتا تھا اور وہ اس وقت اپنی مسند پر ہی نیم دراز تھا۔

اس ہال میں پچھلی رات کو ہونے والی مار دھاڑ کے ذرا بھی آثار باقی نہیں تھے۔ قالین پر چینی مولوی کے ساتھ ہی دو اجنبی بھی براجمان تھے۔ ان میں سے ایک شخص واضح طور پر چینی تھا۔ کلین شیو ہونے کے باوجود، اس کے سر پر بُنی ہوئی سفید ٹوپی منڈھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ والا دوسرا شخص صحت مند ہونے کے ساتھ ہی سرخ و سفید بھی تھا اور کسی بھی اعتبار سے چینی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اُس کی چمک دار اور بے چین آنکھیں پُراشتیاق انداز میں ہماری طرف مرکوز ہو گئی تھیں۔ ان تینوں کے علاوہ وہاں ڈون کے تین جاں نثار بھی مؤدبانہ انداز میں دو زانو بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ تینوں خبیث بدمعاش میرے لیے اجنبی نہیں تھے۔ ان میں سے ایک تو وہی گنجا چینی تھا جسے ڈون نے کینٹون سے ایک مسلمان گواہ پکڑ لانے کی ہدایت کی تھی لیکن ان میں ڈیوڈ تاؤ کے ساتھیوں میں سے کوئی نہیں تھا۔

ڈون کی پشت پر پانچ لڑکیاں ادب سے ایستادہ تھیں۔ ان میں سے تین چینی اور دو سفید فام تھیں۔ ان میں سے ایک جرمن اور دوسری اطالوی معلوم ہو رہی تھی۔ میرے اس قیاس کی بنیاد میرے اپنے مشاہدے پر تھی کیوں کہ جرمن لڑکی حسین اور سبک اندام ہونے کے باوجود، دراز قامت اور فربہی مائل تھی جب کہ دوسری کے خدوخال اتنے تیکھے تھے کہ اس پر کسی اساطیری دیوی کا گمان ہوتا تھا۔

یہ ذکر ہی بے سود ہے کہ ڈون کی محفلوں کے آداب بے حجابی کے مطابق وہ پانچوں لڑکیاں لباس کے بدترین قحط کا شکار تھیں، اس کے باوجود بہت آسودہ اور مطمئن نظر آ رہی تھیں۔

ہال میں کہیں پھول نظر نہیں آ رہے تھے لیکن فضا مختلف پھولوں کی ملی جلی اور تیز خوشبو سے مہک رہی تھی۔

ہمیں دیکھتے ہی ڈون نے ہٹلر کے سے آمرانہ انداز میں اپنا ایک ہاتھ فضا میں بلند کر کے ہمیں خوش آمدید کہا۔ "آؤ! آج کا دن تم دونوں کے لیے ہے۔ ہم سب کی دعائیں اور نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

ڈون کے اس مشرقی اندازِ تہنیت پر یک بیک میرا دل بھاری ہو گیا۔ وہ ایسے مبارک لمحات تھے جو میری یا غزالہ کی زندگی میں دوبارہ نہیں آ سکتے تھے لیکن اس موقعے پر ہم دونوں ہی ایک اجنبی سرزمین پر غریب الوطن تھے۔ میں نے ڈون کو جواب دینا چاہا لیکن فرطِ جذبات سے میری آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔

ڈون کی آواز کے ساتھ ہی مسلمان قاضی سمیت، سب لوگوں نے کھڑے ہو کر ہمارے احترام میں اپنے سر جھکا دیے تھے اور اسی حالت میں منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔

اچانک ڈون کی پانچوں خادمائیں نیچے جھکیں۔ جب وہ سیدھی ہوئیں تو اُن کے ہاتھوں میں پھولوں کے وزنی اور لمبے لمبے ہار تھے۔

دو لڑکیوں نے خالص گلاب کے دو ہار میرے اور غزالہ کے گلے میں ڈال دیے۔ ایک ہار چینی قاضی کے گلے میں ڈالا گیا جو اُس کے گھٹنوں سے نیچے تک لٹکنے لگا۔ زرد اور سفید پھولوں کے بقیہ دو ہار غزالہ کے گلے میں ڈال کر لڑیوں کی صورت میں اس کے ہاتھوں پر لپیٹے گئے اور پھر کلائی کے اختتام پر گجروں کی طرح لپیٹ کر باندھ دیے گئے۔ نجانے وہ گلاب کے سرخ پھولوں کا انعکاس تھا یا حیا کا بوجھ کہ غزالہ کا چہرہ سرخ ہو کر دہکنے لگا۔ تمام تر سادگی کے باوجود، ڈون کے اہتمام نے اسے پھولوں کی شہزادی اور حقیقی دُلہن بنا دیا تھا۔

میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ حویلی کی بند دیواروں میں ہونے والی اس محدود سی تقریب میں ڈون اس قدر رنگ بھر دے گا۔ وہ بدمعاش اور شقی کا آئی مین ہونے کے باوجود صاحبِ دل تھا اور اپنے خیر خواہوں کی خوشیوں کو چار چاند لگانے کے فن سے خوب واقف تھا۔ ہمارے نکاح کے لیے اس نے مشرق کی ہر روایت کا دھیان رکھا تھا۔

ہمیں ہاروں اور پھولوں سے لادنے کے بعد ڈون کی خادمائیں واپس اپنی جگہوں پر چلی گئیں۔

"تم دونوں یہیں میرے پاس آ جاؤ!" ڈون نے حسبِ عادت اپنی لٹکتی ہوئی پتلی پتلی مونچھوں کو مروڑتے ہوئے کہا۔ میں نے اس کی ہدایت کی تعمیل میں فوراً پیش قدمی کرنی چاہی لیکن ٹھٹک کر رک گیا کیوں کہ غزالہ کے لیے بڑھنا دوبھر ہو رہا تھا۔ میں نے اسے اپنے ہاتھ کا سہارا دیا اور دھیرے دھیرے ڈون کی مسند پر پہنچ گیا۔

ڈون، جو اپنی مسند پر لگے ہوئے بڑے بڑے گاؤ تکیوں کے سہارے نیم دراز تھا، فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے بزرگانہ انداز میں غزالہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور اسے اپنی داہنی جانب بٹھا لیا پھر اس نے میرا داہنا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے بائیں جانب بٹھالیا۔ اس وقت ڈون کا رویہ ہر اعتبار سے باوقار تھا۔ بس ایک ہی بات اس وقار کے منافی تھی کہ اُس کے سامنے کسی سفید شراب سے بھرا ہوا، بلور کا نیلگوں گلاس رکھا ہوا تھا۔

"یہ چوسین ہے۔" ڈون نے قاضی کے برابر میں کھڑے ہوئے سرخ و سفید شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے آگاہ کیا۔ ڈون کی زبان سے تعارفی کلمات ادا ہوتے ہی، چوسین ... اپنے سر کو بار بار تعظیمی..... انداز میں خم دیتا ہوا تیزی سے مسند پر آیا جیسے ڈون کے وہ الفاظ اس کے لیے پیش قدمی کے حکم کا درجہ رکھتے ہوں۔ اُس نے آتے ہی تپاک کے ساتھ مجھ سے ہاتھ ملایا اور شستہ انگریزی میں بولا۔ "ڈون تمہاری ہمت اور مردانگی کا اس قدر معترف ہے کہ مجھے تم سے ملنے کا اشتیاق ہو گیا تھا۔ میرا نام چوسین ہے اور میں ایرانی ہوں۔"

اُس کی زبان سے آخری فقرہ مجھے بہت عجیب محسوس ہوا اور میں نے کہا۔ "مکاؤ میں رچنے بسنے کے بعد تم بھی اپنے آپ کو حسین کے بجائے چوسین کہنے لگے ہو؟" اس وقت تک میرا جذباتی ابال دب چکا تھا۔

"دن رات اسی نام سے پکارا جاتا ہوں۔" ڈون کے احترام کی وجہ سے اس نے ہنسنے کے بجائے صرف مسکرانے پر اکتفا کرتے ہوئے کہا۔ "اب تو میں خود اپنے اصل نام کو اس حد تک فراموش کر چکا ہوں کہ کوئی مجھے حسین کہے تو میں لاشعوری طور پر اس خطاب کو نظر انداز کر دیتا ہوں۔"

"اور دوسرا لطیفہ سنو!" ڈون اپنے بلوری گلاس سے ایک گھونٹ لے کر بولا۔ "میں نے تمہاری شادی کا دوسرا گواہ فراہم کرنے کے لیے کل ڈنگ سیانگ کو کینٹون دوڑایا تھا لیکن ابھی تمہارے آنے سے چند منٹ پہلے، مجھے پہلی بار معلوم ہوا کہ چوسین بھی مسلمان ہے اور تمہاری شادی کا گواہ بن سکتا ہے۔"

میں ڈون کے ساتھ ہنسنے لگا۔ بقیہ افراد اس وقت تک اپنی جگہوں پر کھڑے ہوئے تھے۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں۔ تم اپنے مذہبی طریقے کے مطابق رسوم پوری کراؤ!" بلند آہنگ ہنسی ہنس لینے کے بعد ڈون نے حسین کو ہدایت کی۔

اس نے جھجکتے ہوئے قاضی اور دونوں چینی گواہوں کو مسند پر ہی بلا لیا۔ ڈون کسی مربّی یا سرپرست کی طرح لاتعلقانہ انداز میں کارروائی کا جائزہ لیتا رہا۔

قاضی نے آنکھیں موند کر عربی میں تعوذ، تسمیہ اور درود پڑھا تو مجھے شدید حیرانی ہوئی۔ چینی نژاد ہونے کی وجہ سے قاضی کا تلفظ اور مخرج بہت مختلف بلکہ غلط تھا لیکن مجھے خوشی تھی کہ چین میں بسنے والے مسلمان بھی اپنی مذہبی رسوم اور شاید تمام عبادات میں الہامی زبان ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس دوران میں، ڈون کے اشارے پر بقیہ لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ چکے تھے۔ حسین کی شمولیت کی وجہ سے سارا مسند پر بیٹھنے کے اعزاز سے محروم ہو گئی تھی۔

درود مکمل کر لینے کے بعد چینی قاضی نے اپنی قومی زبان میں ایجاب و قبول کا سلسلہ چھیڑا تو حسین میرے اور غزالہ کے لیے انگریزی ترجمہ کر کے، ہمارا اقرار چینی زبان میں قاضی کو سمجھاتا رہا۔ میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ وہ سوالات تین مرتبہ دُہرائے گئے پھر قاضی نے ایک مختصر سا فارم ہمارے سامنے کر دیا۔

وہ فارم چینی زبان میں چھپا اور لکھا ہوا تھا۔ میرے لیے وہ کیڑے مکوڑے ناقابلِ فہم تھے۔ حسین نے وہ فارم پڑھنے کے بعد ان... مقامات کی نشان دہی کی، جہاں ہم دونوں کو دستخط کرنے تھے۔

ہمارے دستخطوں کے بعد قاضی نے اس کاغذ پر مہر ثبت کی، اپنے ایک کاغذ پر کچھ اندراج کیا اور مہر لگا ہوا کاغذ میرے حوالے کر دیا۔ جس کے مطابق غزالہ کا حق مہر ایک لاکھ پاکستانی روپے مقرر کیا گیا تھا جو مطالبہ کرنے پر ادا کیا جانا تھا۔ اس کے بعد ہی قاضی نے عربی میں خطبۂ نکاح پڑھنا شروع کر دیا۔

شاید چینی مسلمانوں کے دستور میں خطبے کے بعد دعا مانگنے کا رواج نہیں تھا اس لیے قاضی نے مصافحہ کر کے مجھے مبارکباد دی پھر حسین میرے دونوں ہاتھ بھینچ کر چومنے اور آنکھوں سے لگانے لگا۔ اسی اثنا میں ڈون نے میرے گلے میں ہاتھ ڈال کر بیٹھے بیٹھے ہی مجھے اپنے دیو پیکر اور پلپلے وجود سے لپٹا لیا۔ اُس نے بہت گرمجوشی سے میرے دونوں رخساروں کے بوسے لیے تو اُس کے دہانے سے واڈکا کے بھبکے آ رہے تھے۔

"بہت سادہ اور پُراثر طریقہ ہے تمہارا!" ڈون نے مجھے اپنی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے کبھی شادی کا ارادہ کیا تو اسلامی طریقے سے ہی کروں گا۔"

میں پورے خلوص کے ساتھ سر ہلا کر رہ گیا لیکن میرے ذہن میں ایک نیا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اگر ڈون نے غزالہ کو بھی میری ہی طرح مبارکباد دینی شروع کر دی تو میں اس بدتمیزی کو کیسے برداشت کر سکوں گا؟ ڈون اس وقت سرور میں نظر آ رہا تھا اور اس جیسے مطلق العنان آدمی سے کوئی بھی حرکت بعید نہیں تھی۔ میرے دماغ میں ایک بھیانک سی سنسناہٹ ہونے لگی۔

لیکن وہ مرحلہ فوراً ہی گزر گیا۔ نکاح ہو جانے کے بعد، غزالہ حیا کے بوجھ سے اپنے ہی وجود میں جھکی جا رہی تھی۔ ڈون نے ایک مرتبہ پھر اُس کے سر پر اپنا دستِ شفقت رکھ دیا۔

پھر سلطان شاہ مسند پر چڑھ آیا اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں بے پایاں خوشی کے آنسو جھلملا رہے تھے اور فرطِ جذبات سے ہونٹوں کے گوشے کپکپا رہے تھے۔ میں نے بے اختیار اسے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔ اس بھیڑ میں وہی میرا سب سے عزیز اور سچا ساتھی تھا۔

دوسروں کی مبارکباد کا سلسلہ ختم ہوا تو ڈون کے پاس دو ڈبّے آ چکے تھے جن پر مخمل منڈھی ہوئی تھی۔ ڈون اپنا گلاس خالی کر چکا تھا اور ایک خادمہ اس کے لیے مزید شراب انڈیل رہی تھی۔ حسین، قاضی اور گواہوں کو لے کر مسند سے اتر چکا تھا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

ڈون نے بڑا ڈبّا غزالہ کو دے دیا۔ غزالہ نے اس کا ڈھکن کھولا تو میری نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ وہ جڑاؤ ہیروں کا ایک وزنی سیٹ تھا۔ چھوٹا ڈبّا میرے حصے میں آیا۔ اس میں سٹیزن کی طلائی رِسٹ واچ موجود تھی جس کے ڈائل پر ہندسوں کی جگہ بے داغ ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ وہ دونوں تحائف لاکھوں سے کم مالیت کے نہیں تھے۔ میرے دل میں ڈون کے لیے عزت و عظمت کا ایک نیا مقام پیدا ہو گیا۔

ڈون کی ان تمام ضیافتوں اور عزت افزائیوں نے میرے ذہن میں ایک انقلاب سا برپا کر دیا اور میں دل ہی دل میں خود کو ملامت کرنے لگا۔ میں نے ڈون کی دوستی کا جواب کھلی مکاری سے دیا تھا۔ شوائے میرے دباؤ کی وجہ سے خودکشی کر بیٹھی تھی۔ ڈیوڈ میرے انتقام کا نشانہ بن چکا تھا اور پھر ڈون کے بچپن کے دوست، نیشی کاؤ کی باری آنے والی تھی۔

میرا دل چاہا کہ میں ڈون کے سامنے اپنی خطاؤں کا اعتراف کر کے، اس سے معافی مانگ لوں لیکن جلد ہی میری خود غرضی، ضمیر کی اس آواز پر غالب آ گئی۔

جہاں تک ڈان نیشی کاؤ کا تعلق تھا تو وہ مارنے یا مر جانے والا معاملہ تھا۔ قدرت کی ستم ظریفیوں نے جو صورتِ حال پیدا کر دی تھی، اس میں ہم دونوں کے بیک وقت زندہ رہنے کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ میں اُسے چھوڑ دیتا تو وہ مجھے ڈون ہی کے ہاتھوں مروا دیتا۔

"چلو! میں تمہیں تمہارے کمروں میں پہنچا دوں" ڈون نے چوسین کو کچھ ہدایات دینے کے بعد مجھ سے کہا۔ "تم لوگوں نے رات کو بھی آرام نہیں کیا۔ شام کو میں تمہیں تازہ دم دیکھنا چاہتا ہوں۔ چھ بجے چوسین تمہیں بگھی میں بٹھا کر تقریب میں لے جائے گا۔"

"ڈون!" میں نے آہستگی سے کہا۔ "میں ڈیوڈ کی ہلاکت پر شرمندہ ہوں۔ جو کچھ ہوا، اس میں میرے کسی ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔"

"اسے بھول جاؤ!" ڈون نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں جن باتوں کا ذکر نہیں کرتا، اُن کا یاد دلایا جانا بھی پسند نہیں کرتا۔ آج تمہاری شادی اور خوشی کا دن ہے، اسے اسی طرح گزرنے دو۔ تلخیوں کا ذکر کر کے میرا موڈ خراب مت کرو!" ایک لڑکی ہمارے جوتے لے کر ڈون کی مسند پر آ گئی۔

ڈون نے اپنی جیب سے ایک سیاہ ڈبیا نکال کر اُس کا سرخ بٹن دبایا اور کسی ریموٹ کنٹرول نظام کے تحت اُس کی مسند آہستگی کے ساتھ فرش میں دھنس کر، ایک کنوئیں میں اترنے لگی۔ ہمارے لیے وہ تجربہ نیا نہیں تھا۔ زیرِ زمین منزل پر پہنچ کر وہ مسند غیر محسوس انداز میں رک گئی۔

"فی الحال خدا حافظ۔ اب شام کو چھ بجے ملاقات ہو گی۔" ڈون نے ہمیں اترنے کا اشارہ دیا۔

ہم اپنے جوتے سنبھال کر مسند سے اترے اور روشن دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ ہم تینوں کے نکلتے ہی مسند نے اوپر کی طرف حرکت کی اور کنوئیں سے نکاسی کا راستہ فوراً غائب ہو گیا۔ ہم تینوں ایک کشادہ راہداری کے بند سرے پر کھڑے رہ گئے جس کے دونوں جانب دو خواب گاہیں موجود تھیں۔

ہم تینوں نے پچھلی دونوں راتیں ایک ہی کمرے میں بسر کی تھیں۔ میں غزالہ کا ہاتھ تھامے اسی کمرے کی طرف بڑھا تو سلطان شاہ شرارت آمیز انداز میں دوسری خواب گاہ کی طرف مڑ گیا۔

"اُدھر کہاں چلے؟" میں نے پوچھا۔ "ہمارے ساتھ آؤ!"

"یہ تمہاری شادی کا پہلا دن ہے۔ آج کباب میں کوئی ہڈی نہیں ہونی چاہیے۔"

میں نے اسے گردن سے پکڑ لیا اور زبردستی پرانے کمرے کے دروازے کی طرف دھکیل دیا۔

ہماری غیر حاضری میں وہ کمرا نہ صرف صاف کر دیا گیا تھا بلکہ جا بجا تازہ پھول سجا دیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ بھی کمرے میں ضرورت کی کئی نئی اشیا نظر آ رہی تھیں۔

"آج تم خاموش کیوں ہو؟" صوفے پر بیٹھ کر، میں نے اپنا ہار اتارتے ہوئے غزالہ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "ماں' باپ اور بھائی کا خیال آ رہا تھا۔ یہ میری بد قسمتی ہے کہ آج کا مبارک دن دیکھنے سے پہلے ہی وہ تینوں مرحوم ہو چکے ہیں۔"

"ماں اور باپ کا تو کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔" سلطان شاہ' غزالہ کی افسردگی پر یک بیک جذباتی ہو گیا۔ "لیکن تم مجھے اپنے سگے بھائی سے بڑھ کر پاؤ گی۔"

"پہلے ہی دن سے تمہاری تمام حرکتیں کسی سعادت مند سالے جیسی تھیں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ تم جلد یا بدیر سالا ہونے کا اعتراف کر ہی لو گے۔" میں نے کہا اور ہم تینوں ہی ہنس پڑے۔

غزالہ اس وقت ایک جذباتی بھنور میں پھنسی ہوئی تھی۔ میں خود بھی اُس کی دلجوئی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا لیکن وقت تیزی کے ساتھ گزرا جا رہا تھا اور ہم نے شام کو پیش آنے والے متوقع خطرات کے سدِ باب کے لیے کوئی بھی پروگرام طے نہیں کیا تھا' اس لیے میں نے باتوں ہی باتوں میں کچھ وقت ڈون کے حسین باغ میں گزارنے کا ارادہ ظاہر کیا اور اُن دونوں نے میرا اشارہ بھانپ لیا۔

ڈون کی لڑکیوں نے غزالہ کے بازوؤں پر پھولوں کی لڑیاں بہت تیزی اور مہارت کے ساتھ لپیٹی تھیں لیکن انہیں اتنی آسانی کے ساتھ غزالہ کے بازوؤں سے الگ نہیں کیا جا سکا۔ سلطان شاہ نے دھاگے کاٹ کر وہ تمام پھول مسہری کے سرہانے رکھے اور ہم نکاسی کے راستے کی طرف چل دیے۔

ڈون کی حویلی کا اندرونی حصہ اس طرح تعمیر کیا گیا تھا کہ وہاں دن اور رات میں تمیز کرنی ممکن نہیں تھی کیوں کہ کہیں بھی سورج کی براہِ راست روشنی کا گزر نہیں تھا۔ اگر کچھ شیشے بیرونی رخ پر نصب بھی تھے تو اُن پر ہر وقت دبیز پردے کھنچے رہتے تھے جن کی وجہ سے باہر کے موسم کا کوئی اندازہ نہیں ہو پاتا تھا۔

سرنگ سے کھلی فضا میں نکلتے ہی خوشگوار دھوپ بدن کو بہت بھلی محسوس ہوئی اور ہم تینوں گھاس کے گہرے سبز قطعات پر' رنگ برنگ پھولوں کے تختوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے باغ کے ایسے حصے کی طرف بڑھنے لگے جہاں ہم اپنے قرب و جوار پر گہری نظر رکھ سکتے تھے۔

اس وقت تک شام کے جو انتظامات سامنے آئے تھے' ان کے مطابق مجھے اور غزالہ کو ڈون کے قریب موجود رہنا تھا جب کہ ڈان نیشی کاؤ کو ہیلی کاپٹر سے اتر کر' چلتے ہوئے ڈون تک آنا تھا۔ ان حالات میں صرف سلطان شاہ ہی کوئی کارروائی کر سکتا تھا۔ اسے کسی بھی اقدام کے لیے بہت کم وقت میسّر ہوتا جو ڈان نیشی کاؤ کے ہیلی پیڈ پر اترنے سے شروع ہو کر' اس کے ڈون تک پہنچنے پر ختم ہو جاتا۔

ایک بار نیشی کاؤ میری جھلک بھی دیکھ لیتا تو جیتی ہوئی بازی الٹ سکتی تھی۔

غزالہ نے تجویز پیش کی کہ کشت و خون میں الجھنے اور ڈون کوانگ فو کی خوشنودی گنوانے کا خطرہ مول لینے کے بجائے میں شدید بیماری کا عذر کر کے' شام کی تقریب سے غیر حاضر ہونے کا جواز پیدا کر لوں۔ ڈان نیشی کاؤ صرف مجھے پہچانتا تھا' غزالہ اور سلطان شاہ کی موجودگی سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا تھا۔

لیکن میں نے وہ مشورہ مسترد کر دیا۔ میرے بچاؤ کے لیے نیشی کاؤ کی موت ناگزیر ہو چکی تھی۔ وہ اپنی اور ڈون کی بچپن کی دوستی کا سہارا لے کر مکاؤ آ رہا تھا۔ اس نے یقینی طور پر ڈون کو اپنی آمد کے اصل مقصد سے آگاہ نہیں کیا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ نیشی کاؤ میرے اور جمی لائیڈ کے تنازعے میں ڈون کے اثر و رسوخ کو استعمال کر کے' ٹی اور مافیا کے درمیان پائی جانے والی بدترین کشیدگی کا سدِّ باب کرنا چاہتا تھا۔ میں اُس کے سامنے نہ بھی آتا تو وہ اپنی آمد کے بعد' پہلا موقع میسر آتے ہی میرا ذکر چھیڑتا یا پھر ڈون ہی اُسے شادی کے حوالے سے میرے نام سے آگاہ کرتا تو نیشی کاؤ فوراً چوکنا ہو جاتا اور میں ڈون کی حویلی میں بری طرح پھنس کر رہ جاتا۔ ہمارے سنگین مسئلے کا واحد حل نیشی کاؤ کی موت میں پوشیدہ تھا۔

لیکن سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ تقریب کے شرکا کو ڈون کے سامنے پھیلے ہوئے میدان میں بیٹھنا تھا جب کہ نیشی کاؤ کو ڈون کے عقب میں بنے ہوئے ہیلی پیڈ پر اترنا تھا۔ ہیلی پیڈ اور اسٹیج کے درمیانی راستے پر ڈون کے نجی عملے کے علاوہ' کسی غیر متعلقہ فرد کے موجود رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اگر سلطان شاہ اس گزرگاہ پر نیشی کاؤ پر قاتلانہ حملہ کرتا تو اس کی کامیابی اور ناکامی کے مساویانہ امکانات سے قطع نظر' ڈون کا عملہ فی الفور اس پر ہاتھ ڈال دیتا اور بساط الٹ جاتی۔

ہم کافی دیر تک سر جوڑے اس کٹھن صورتِ حال پر مغز زنی کرتے رہے لیکن کوئی محفوظ حل سامنے نہیں آ سکا۔ نیشی کاؤ کی آمد اور استقبال کا بندوبست اس قدر محفوظ تھا کہ اس میں کسی بھی قسم کی رخنہ اندازی کی کوشش خود کشی کے مترادف ہو سکتی تھی۔

"تم مجھے بھول جاؤ' اگر میں اپنی جان پر کھیل کر تم دونوں کو خطرات سے بچا سکا تو یہ میری بہت بڑی کامیابی ہو گی۔ ڈون اور اس کے آدمی میری زبان نہیں کھلوا سکیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ وہ لوگ مجھے ہلاک کر دیں گے۔ میں اس کے لیے تیار ہوں۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"یہ بھی ناممکن ہے۔" میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے' پُرخیال انداز میں کہا۔ "ڈون کی حویلی میں ہم تینوں کی شناخت ایک دوسرے سے ہے۔ تم پکڑے گئے تو ہم بھی عتاب میں آ جائیں گے۔ ہم تینوں کو بچنا ہے یا پھر ہم ایک ساتھ مارے جائیں گے۔ میں دان لن کی لاش کے ساتھ ڈون کا وحشیانہ سلوک دیکھ چکا

ہوں۔ وہ اپنے منحرفین اور دشمنوں کے معاملے میں بہت خونخوار اور کینہ پرور آدمی ہے۔ اُس نے ہم میں سے ایک پر بھی ہاتھ ڈال دیا تو تینوں کا حشر خراب کر دے گا۔"

سلطان شاہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ آخری اور فیصلہ کن لمحات قریب آنے پر' سب کچھ جمود اور تعطل کا شکار ہوتا نظر آ رہا تھا۔

میں نے ایک ایسا بلو پائپ بھی خریدا تھا جو سگریٹ میں چھپایا جا سکتا تھا۔ پچھلے حصے کا تمباکو نکال کر' کاغذ کی نلی میں بلو پائپ چھپانے کے بعد' اگلے حصے میں ہلکا سا تمباکو بھر دیا جاتا تو کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ اسے استعمال کرنے والا شخص پھونک مار کر اپنے بلو پائپ سے زہریلی سوئی چلانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ بادیُ النظر میں یہی معلوم ہوتا کہ وہ شخص اپنے ہونٹوں میں دبی ہوئی سگریٹ سلگانے کا ارادہ رکھتا ہے۔

وہ تدبیر صرف ایک ہی صورت میں کارگر ہو سکتی تھی کہ نیشی کاؤ کی گزرگاہ کے اطراف میں بھیڑ بھاڑ موجود ہوتی۔ سلطان شاہ اس ہجوم میں مل کر بہت آسانی کے ساتھ اپنا کام کر سکتا تھا۔ اس نے بے ضرر سوئیوں پر مشق کے ذریعے اتنی مہارت حاصل کر لی تھی کہ پندرہ بیس فٹ کے فاصلے سے کسی متحرک شخص کے بدن کے اوپری حصے کو بہ آسانی نشانہ بنا سکتا تھا۔ شرط صرف یہ تھی کہ تیز ہوا نہ چل رہی ہو۔

اس بلو پائپ میں ایک بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں بیک وقت تین سوئیاں سما سکتی تھیں۔ پہلی سوئی نکلتے ہی' اوپری حصے کی باریک جھری سے دوسری سوئی نلی میں گرتی تھی اور اگلی پھونک سے اسے بھی نشانے کی طرف اُڑا لے جاتی۔ اس طرح بلو پائپ کو دوبارہ لوڈ کیے بغیر' چند سیکنڈ کے قلیل سے عرصے میں' اس سے مسلسل تین سوئیاں پھینکی جا سکتی تھیں۔

اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد سلطان شاہ وہ سگریٹ زمین پر پھینک دیتا جو لوگوں کے قدموں تلے روندی جاتی اور انتہائی باریک بینی سے چھان بین کے باوجود کچلے ہوئے بلو پائپ اور باقی ماندہ سوئیوں کا سراغ لگانا ناممکن ہو جاتا۔

مایوسی کے عالم میں سلطان شاہ نے بیم گن کے استعمال کی تجویز پیش کی۔ میں اضطراری طور پر دان لن کو بیم گن کا نشانہ بنانے کے بعد جس کربناک ذہنی عذاب سے گزر چکا تھا' وہ میں ہی جانتا تھا۔ بیم گن ٹی کے بڑوں کے خاص اور امتیازی ہتھیار کا درجہ رکھتی تھی۔ ڈون' نیشی کاؤ کے جسم کے جلے ہوئے حصے کو دیکھتے ہی سمجھ لیتا کہ اسے بیم گن کا نشانہ بنایا گیا ہے پھر بیم گن کے نوزل سے خارج ہونے والی نیلگوں شعاعوں کی مہلک دھار بھی چھپنے والی چیز نہیں تھی۔

اس تقریب کا بندوبست بہت محفوظ اور بے داغ ہے۔"

غزالہ نے ٹہلتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو بچاؤ کی ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ نیشی کاؤ کے پہنچنے سے پہلے اس تقریب کو درہم برہم کر دیا جائے اور اسی افرا تفری میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے!"

"اتنی بڑی اور منظم تقریب کو درہم برہم کرنا ناممکن ہے۔ میدان میں ڈون کے عملے کی بھاری تعداد موجود ہو گی۔ وہ ایسی ہر کوشش کو ناکام بنا دیں گے۔" سلطان شاہ پر بددلی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ "پھر یہ قوم تو ایسی بے خوف ہے کہ سانپوں تک کو کھا جاتی ہے۔ پاکستان میں تو ایک دو بے ضرر سانپ چھوڑ کر بھی بڑے سے منظم اجتماع کو درہم برہم کیا جا سکتا ہے۔"

"بس ایک ہی صورت نظر آتی ہے۔" میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد کہا۔ "اگر بیل مشتعل ہو کر ہجوم پر چڑھ دوڑے تو سب سر پر پیر رکھ کر بھاگ نکلیں گے۔"

"اس کے لیے ضروری ہے کہ بیل اردو یا انگریزی سے واقف ہو اور ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائے۔" سلطان شاہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

اس کے جلے کٹے تبصرے پر غزالہ بے اختیار ہنس پڑی۔ سلطان شاہ زیرِ لب بڑبڑانے لگا۔

"اگر تم صرف اردو سمجھ لو تو بیل کی زبان دانی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔" میں نے کہا۔

"تم کل ہی دیکھ چکے ہو کہ مضبوط چوبی شہتیر زمین میں گاڑ کر' اُن پر افقی تختے ٹھونکے جا رہے تھے۔ بیل کو اس مضبوط حصار سے باہر لانا ناممکن ہو گا۔"

"غور کرو گے تو امکانات روشن ہو جائیں گے۔" میں نے اصرار کیا۔ "یہ ناممکن نہیں ہے۔"

"بولے جاؤ۔ میں سن رہا ہوں۔" سلطان شاہ نے منہ پُھلا کر کہا۔ شاید اُسے توقع نہیں تھی کہ میں کوئی معقول تجویز پیش کر سکوں گا۔

وہ نیم دلی کے ساتھ میری تجویز سنتا رہا پھر اس نے کئی اعتراضات کیے۔ غزالہ بھی اُس کا ساتھ دے رہی تھی لیکن میں اپنے منصوبے کی طرف سے ناامید نہیں تھا۔

اس وقت بھی بیم گن' بلو پائپ سمیت سلطان شاہ کے پاس موجود تھی۔ ڈون کے عملے کی لڑکیوں کی طرف سے کمروں کی تلاشی کے خطرے کی وجہ سے وہ ہتھیار ہم اپنے ساتھ ہی رکھتے آ رہے تھے۔ میں نے سلطان شاہ کو ایک بار پھر اُس کا کام سمجھایا اور وہ کسلمندانہ انداز میں نرم اور دبیز گھاس پر دراز ہو گیا۔

ہم دونوں اسے وہیں چھوڑ کر واپس تہ خانے کی طرف چل دیے۔ سرنگ میں داخل ہونے کے بعد ہم نے دروازہ بولٹ نہیں کیا تاکہ سلطان شاہ اپنا کام ختم کر کے اسی راستے سے واپس

آسکے۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے انٹرکام سنبھال لیا کیوں کہ شام کے پروگرام کی تصدیق کے لیے مجھے سارا یا حسین کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ پروگرام کی متوقع ترتیب میں کوئی بھی تبدیلی میرے منصوبے کو تباہ کر سکتی تھی۔

تیسری کوشش میں میرا' سارا سے رابطہ ہو گیا اور وہ فوراً ہی نیچے آنے پر آمادہ ہو گئی۔

میں نے اس کے آنے سے پہلے غزالہ کو دوسرے کمرے میں بھیج دیا۔ میرا خیال تھا کہ سارا تنہائی میں زیادہ کھُل کر بات کر سکے گی۔ بظاہر اپنے حالات سے خوش نظر آنے کی شعوری کوششوں کے باوجود' وہ ڈون کی حویلی کے ماحول کی یکسانیت سے اکتائی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

اس نے آتے ہی غزالہ اور سلطان شاہ کے بارے میں استفسار کیا تو میں نے اُسے بتایا کہ سلطان شاہ حویلی کی سیر کو نکلا ہوا تھا اور غزالہ دوسرے کمرے میں آرام کر رہی تھی۔

"اسے اتنی جلدی آرام کی ضرورت پیش آگئی؟" سارا نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"تم بے ہودہ ہو۔ یہ کیوں بھول رہی ہو کہ وہ پچھلی رات کی جاگی ہوئی ہے۔"

"میرے پیر کی بھاری ڈریسنگ مجھے پریشان کر رہی ہے۔ میں اسے تبدیل کرنا چاہتا ہوں تاکہ شام کو لنگڑانے کی نوبت نہ آئے۔" رسمی گفتگو کے بعد میں نے کہا اور اس نے فوراً ہی اپنی خدمات پیش کر دیں۔ میرے علاج کے بارے میں وہ پوری طرح باخبر معلوم ہوتی تھی۔

میرے بازو میں ایک انجکشن لگانے کے بعد اس نے پٹی بدلنی شروع کی تو میں نے سرسری انداز میں شام کے پروگرام کا ذکر چھیڑ دیا۔

اس نے بتایا کہ مہمانوں کو چھ بجے مدعو کیا گیا تھا۔ اسی وقت مجھے اور غزالہ کو وہاں پہنچنا تھا۔ سوا چھ بجے ڈون آکر مہمانوں کو خوش آمدید کہتا پھر ہماری شادی کا اعلان کرتا۔ اسی کے ساتھ شیمپئن کا ایک دَور چلتا اور ڈون کے خاص مہمان ہمیں شادی کی مبارکباد دیتے۔ پونے سات بجے سے سوا سات بجے تک بُل فائٹنگ کا پہلا مقابلہ ہوتا اور اسی وقت ڈون کا بچپن کا دوست' ہانگ کنگ سے ہیلی کاپٹر کے ذریعے حویلی کے ہیلی پیڈ پر اترتا اور ڈون اس کا استقبال کرتا۔ شراب کے مسلسل دَور کے ساتھ' نو بجے تک بل فائٹنگ کے مقابلے جاری رہتے جن کے اختتام پر ڈنر شروع ہو جاتا۔ گیارہ بجے تقریب ختم ہو جاتی اور ڈون اپنے دوست کے ساتھ حویلی میں واپس لوٹ جاتا۔

وہ پروگرام بہت مناسب اور میرے منصوبے کے لیے سازگار تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ ڈون کی تمام تقریبات میں وقت کی پابندی کا بہت خیال رکھا جاتا تھا اس لیے پروگرام کی ترتیب یا اوقات میں ردّوبدل کا کوئی امکان نہیں تھا۔

سارا بہت خلوص اور اپنائیت کے ساتھ میرے زخم کی مرہم پٹی کرتی رہی۔ اس کی آنکھوں کی چمک' لہجے کے تاثرات اور جسمانی چھیڑ چھاڑ سے اُس کی تشنگی کا اظہار ہو رہا تھا لیکن خفیہ ڈکٹا فونز کے ذریعے آوازوں کی مانیٹرنگ کے خوف سے اُس کی زبان بند تھی۔ وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہی تھی لیکن اس کی نگاہیں کچھ اور کہہ رہی تھیں۔

میں کسی خفگی یا اپنی پاکبازی کا اظہار کیے بغیر' میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی حوصلہ افزائی کرتا رہا۔ ایسا نہیں تھا کہ میں غزالہ سے نکاح کے چند گھنٹوں بعد ہی ہیراپھیری پر اتر آیا تھا' اس وقت غزالہ میرے دل و دماغ پر بلکہ حواس پر چھائی ہوئی تھی لیکن ڈون کی حویلی میں ہم تینوں جس غیر یقینی اور خطرناک صورتِ حال سے دوچار تھے' اس کے پیشِ نظر' ڈون کے جاں نثاروں میں کسی بھٹکے ہوئے دوست یا ہمدرد کا وجود ہمارے لیے نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں تھا اگر سارا کو میری ذات میں اپنی تشنہ آرزوؤں کی تسکین کا کچھ سامان نظر آ رہا تھا تو اپنی ناگزیر ضروریات کی وجہ سے مجھ پر لازم ہو گیا تھا کہ فیصلہ کن لمحات گزر جانے تک اس کی خوش فہمی کو برقرار رہنے دوں تاکہ بازی الٹ جانے کی صورت میں اس کی خفیہ مدد ملنے کا امکان برقرار رہے۔

وہ باتیں کرتی اور ڈریسنگ کے عمل کو طول دیتی رہی۔ اس کے ساتھ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ میرے تلوے کا زخم زیادہ گہرا نہیں تھا اور اس پر کھرنڈ جمنا شروع ہو گیا تھا۔

"میں ساڑھے پانچ بجے درد کم کرنے والا انجکشن لگا دوں گی اور تمہیں پوری تقریب میں درد کا احساس نہیں ہو گا۔ ویسے تمہارے خون میں زبردست قوت نمو ہے۔ یہ زخم بہت تیزی سے بھر رہا ہے۔"

"ابھی کون سا انجکشن لگایا ہے تم نے؟" میں نے اسے چھیڑتے ہوئے پوچھا۔

"اینٹی بایوٹک!" اس نے والہانہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "چوبیس گھنٹے گزرنے سے پہلے ایک اور لگے گا' پھر اس کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔"

سارا کی وہ بے زبان لگاوٹ دیکھ کر مجھے بے اختیار وہ عورتیں اور لڑکیاں یاد آگئیں جو اپنے محرموں کے ساتھ بیٹھ کر چوری چھپے اپنے محبوبوں سے آنکھیں لڑاتی ہیں۔ ڈون' سارا کا محرم تو نہیں تھا لیکن اس پر کسی شوہر سے زیادہ تصرف کا دعوے دار تھا۔ وہ سارا کی سپاٹ آواز ضرور سن سکتا تھا لیکن اس کی نظروں میں ہلکورے لیتے ہوئے پیغام کو دیکھنا ڈون کے بس سے باہر تھا۔

حویلی کی اس زیرِ زمین خوابگاہ کی خنک تنہائی میں سارا کی گرمیٔ جذبات کے چند بے آواز لمحات بھی آئے جنہیں میں نے خاموشی سے سہہ لیا اور سارا لہراتی ہوئی واپس چلی گئی۔

اس کے جاتے ہی غزالہ اندر آگئی اور آتے ہی قدرے خفگی سے بولی۔ "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ خوبصورت لڑکیاں تم سے مل کر اس قدر خوش کیوں ہوتی ہیں؟"

"اب ہماری شادی ہو گئی ہے۔ یہ تمام راز جلد ہی تم کو معلوم ہو جائیں گے۔" میں نے ہنستے ہوئے اسے اپنی گرفت میں لے کر وہ موضوع وہیں ختم کر دیا' ڈکٹا فونز کی وجہ سے میں اسے کچھ نہیں بتا سکتا تھا اور میری خاموشی اُس کی برہمی میں اضافے کا سبب بن سکتی تھی۔ اس لیے بہتر یہی تھا کہ اس کا منہ بند کر دیا جائے۔

جب ایک گھنٹا گزر گیا تو مجھے سلطان شاہ کی طرف سے تشویش لاحق ہونے لگی۔ میرے ذہن میں وسوسے سر ابھارنے لگے کہ کہیں وہ موقع پر ہی رنگے ہاتھوں نہ پکڑا گیا ہو۔ غزالہ بھی فکر مند تھی لیکن پھر وہی مجبوری کہ ہم اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بول سکتے تھے۔

خدا خدا کر کے ڈھائی بجے سلطان شاہ کی واپسی ہوئی اور وہ آتے ہی بستر پر گر گیا۔ میدان میں ڈون کے آدمیوں کی موجودگی کی وجہ سے اسے اپنا کام کرنے میں خاصا وقت لگ گیا۔ جب وہ لوگ کھانا کھانے کے لیے میدان سے ٹلے تو اُسے موقع ملا اور وہ پوری احتیاط کے ساتھ اپنا کام سرانجام دے کر لوٹ آیا۔ میدان اور اس کے قرب و جوار میں گھومتے پھرتے ہوئے اس نے بعض چینیوں کا ہاتھ بٹایا جس پر وہ اس سے بے حد خوش ہوئے اور کسی نے اس کی وہاں موجودگی پر تعرض نہیں کیا۔ اُس کی تحریر پڑھ کر میں نے وہ کاغذ جلا دیا۔

سلطان شاہ کے آتے ہی میں نے کھانا طلب کر لیا۔ کھانا لانے والیوں کے ساتھ سارا کا رقعہ بھی آیا۔ وہ غزالہ کو تیاری میں مدد دینے کے لیے چار بجے آنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

جوں جوں وقت قریب آ رہا تھا' ہم تینوں پر بے چینی اور اعصابی کشیدگی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ سب سے بڑی الجھن تو یہ تھی کہ ہم اپنے مسائل پر بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ڈون کی محفل میں شراب نوشی کر کے میں نے اپنی راہ ہموار کر لی تھی اس لیے کھانے کے ساتھ آنے والی' سرخ وائین کی دونوں بوتلیں آہستہ آہستہ خالی کر دیں۔ اس سے یہ فرق ہوا کہ میرے ذہنی انتشار میں کمی واقع ہو گئی اور میں ایک مرتبہ پھر پورے منصوبے پر غور کرنے میں مصروف ہو گیا۔

سارا' اپنے وعدے کے مطابق چار بجے آگئی۔ اُس کے ساتھ تیکھے خدوخال والی اطالوی لڑکی بھی تھی۔ وہ بے چاری چینی زبان کے علاوہ صرف اپنی مادری زبان بول سکتی تھی اس لیے مسکراہٹوں کے علاوہ براہِ راست کوئی بات نہیں ہو سکی۔ سارا نے ترجمان کے فرائض ادا کیے' پھر وہ دونوں غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر دوسری خوابگاہ میں چلی گئیں۔ غزالہ کا عروسی لباس' جڑاؤ ہیروں کا سیٹ اور جوتے وغیرہ اُن کے ساتھ تھے۔

آہستہ آہستہ ہم دونوں نے بھی شیو وغیرہ کر کے تیاری شروع کر دی۔

ٹھیک ساڑھے پانچ بجے سارا میرے کمرے میں آئی تو مجھے نیم تیاری کے عالم میں دیکھ کر داد دینے لگی۔ سلطان شاہ کو کمرے ہی میں موجود پا کر اُسے قدرے مایوسی ہوئی تھی۔ اس نے درد کو کم کرنے والی دوا ہائپوڈرمک سرنج میں منتقل کرنی شروع کی تو سلطان شاہ لباس تبدیل کرنے کے لیے باتھ روم میں چلا گیا۔

غزالہ کو اطالوی لڑکی نے الجھایا ہوا تھا لیکن میں اُس کی چھٹی حِس سے خائف تھا۔ سارا نے انجکشن لگانے سے قبل ایک بار پھر تخلیئے سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی لیکن میں نے اُسے زیادہ کھُلنے کا موقع نہیں دیا پھر سلطان شاہ نے باتھ روم سے برآمد ہو کر میری مشکل مزید آسان کر دی۔

اس نے سارا کے ہاتھ میں موجود' بھری ہوئی سرنج کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ سارا کو جو وقت ملا تھا' اس میں دوا انجکشن میرے بازو میں اُتارے جا سکتے تھے۔ اُس نے سرنج میں سے ہوا خارج کرنے کی اداکاری کی اور انجکشن لگا کر واپس لوٹ گئی۔

چند منٹ بعد غزالہ پوری سج دھج کے ساتھ تیار ہو کر' ان دونوں کے ساتھ آئی تو میں اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ ملائم ریشم کے سفید لباس اور ہیروں کے چمکتے ہوئے سیٹ میں وہ بیر بہوٹی کی طرح دمک رہی تھی۔ اُس کے گلے میں موتیے کی ایک ہلکی سی لڑی اور کلائیوں پر موتیے کے ہی گجرے تھے۔ اپنے سرخ و سفید اور حسین چہرے کے علاوہ' وہ شانوں سے ایڑی تک کسی پری جیسی ہی سفید نظر آ رہی تھی۔ اس پر اُس کی سیاہ زلفیں کچھ اور ہی قیامت ڈھا رہی تھیں۔ کمال کی بات یہ تھی کہ اُس نے اپنی تیاری میں بہت ہلکے بلکہ برائے نام میک اپ کا سہارا لیا تھا لیکن اُس کے چہرے پر نگاہیں نہیں ٹھہر رہی تھیں۔

"تم خوش نصیب ہو کہ ڈون نے جنّت کی حور تمہیں بخش دی ہے۔" سارا نے رشک آمیز نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج یہ ہر ایک کی نگاہوں کا مرکز بنی رہے گی۔"

"میں دوسروں کی نگاہوں کا مرکز بننے کے بجائے ڈیِی کے قدموں میں بیٹھے رہنے کو ترجیح دوں گی۔" غزالہ نے مسکراتے ہوئے سارا کو لاجواب کر کے میرا دل خوش کر دیا۔

میں نے ڈون کی دی ہوئی طلائی گھڑی کلائی پر باندھ کر اپنا کوٹ پہنا پھر ہم سب راہداری میں نکل گئے۔ اس بار راہداری سے کنوئیں میں رسائی کا دروازہ کھُلا ہوا تھا اور وہاں ڈون کی خالی مسند موجود تھی۔ ہم پانچوں جوتے اُتار کر مسند پر جا بیٹھے۔ سارا نے اپنے اسکرٹ کی بیلٹ پر لگی ہوئی ڈبیہ کا بٹن دبایا اور مسند اوپر اُٹھنے لگی۔

برآمدے تک سارا اور اطالوی لڑکی ہمارے ساتھ آئی۔ وہاں پورچ میں سیاہ رنگ کی بگھی ہمارے انتظار میں تیار کھڑی تھی۔ بگھی کی سیاہ لکڑی پر پیتل کی منقش چادریں جا بجا نصب تھیں۔ آگے، دو دو کی قطار میں آٹھ سفید گھوڑے جُتے ہوئے تھے۔ مجھے وہ سب خواب سا محسوس ہو رہا تھا۔

میں، غزالہ کے ساتھ نرم مخملی نشست پر بیٹھ گیا، سلطان شاہ ہمارے سامنے براجمان تھا۔ ہمارے سوار ہوتے ہی وہ خوابناک سواری حرکت میں آگئی۔

پھولوں کی کیاریوں کے درمیان بنی ہوئی پختہ سڑک پر بگھی آہستہ آہستہ بڑھتی رہی پھر ہمیں رنگین چھتریوں اور مہمانوں سے بھرا ہوا میدان بھی نظر آنے لگا۔ وہاں ہمارے استقبال کے لیے صرف ستر پوشی کی حد تک ملبوس، لڑکیوں کا ایک جلوس موجود تھا۔ بگھی رُکتے ہی مہمانوں کے ہجوم میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ مرد عورتیں اپنی جگہوں سے اُٹھ اُٹھ کر ہمیں ایک نظر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

بگھی رکتے ہی، سلطان شاہ اُتر کر کہیں غائب ہو گیا۔ ہم دونوں کو دھیرے دھیرے اسٹیج کی طرف لے جایا جانے لگا۔ وہاں پانچ منقش کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ مجھے اور غزالہ کو درمیانی کرسی کے دائیں بائیں بٹھایا گیا۔ زمین سے قدرے اونچے اسٹیج پر بیٹھنے کے بعد میں نے میدان کا جائزہ لیا تو مہمانوں کی کثیر تعداد کو دیکھ کر میرا دل بیٹھنے لگا۔ اُن کی تعداد کسی طرح بھی ڈیڑھ ہزار سے کم نہیں تھی۔ اُن کے درمیان پھرنے والی میزبان لڑکیاں اس کے علاوہ تھیں۔ مردوں اور عورتوں کے اتنے بڑے مجمع میں ڈون کے ایک معزز ترین مہمان کو قتل کرنا آسان کام نہیں تھا۔ آنکھ سے کاجل چُرانے کے مقابلے میں وہ مشن مجھے یک بیک ناممکن نظر آنے لگا۔

میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سُلگا لی۔ اُسی وقت ایک لڑکی، میری ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے، تھالی میں سجی ہوئی دو صراحیاں لے کر اسٹیج پر آگئی، اُس کی مدد کے لیے دوسری لڑکی ساتھ تھی۔ ایک صراحی میں بیئر اور دوسرے میں اسکاچ تھی۔ میری فرمائش پر مجھے ادب سے اسکاچ کا گلاس دے دیا گیا۔ غزالہ نے سر کی خفیف سی جنبش سے شکریہ ادا کر کے انہیں لوٹا دیا۔

"میرا دل بیٹھ رہا ہے۔" غزالہ نے سرگوشی کی تو اُس کی آواز سے گھبراہٹ عیاں تھی۔ "اتنے بڑے مجمع میں سلطان شاہ کسی کیڑے کی طرح روند ڈالا جائے گا۔"

"میں بھی فکر مند ہوں لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ یہاں پہنچتے ہی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا ہے؟ اپنے اوپر قابو رکھو ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔" میں نے ایک بار پھر خالی رنگ کے گرد دور دور تک پھیلے ہوئے مہمانوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ مجھے اندازہ تھا کہ تشویش کی وجہ سے میرے فقرے بے ربط ہو رہے تھے۔ میں نے اسکاچ کی بڑی مقدار اپنے معدے میں اُنڈیل لی۔

وہ اتنا بڑا مجمع تھا لیکن کبھی کبھار اُبھرنے والے قہقہوں کے علاوہ وہاں ناگوار شور نہیں تھا۔ چھتریوں کے نیچے منڈلاتے ہوئے سگریٹ کے دھوئیں کے ساتھ فضا میں بس سرگوشیوں اور نیچی آوازوں کی ایک ہم آہنگ سی گونج تھی جو کانوں کو بھی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ اونچے اونچے آہنی کھمبوں پر نصب، تیز سرچ لائٹس نے دُھند لکا پھیلنے کے باوجود پورے میدان کو بقعۂ نور بنایا ہوا تھا۔

"ایسے بدترین حالات میں بھی تم نے پینی شروع کر دی ہے۔" غزالہ دانت پیستے ہوئے منمنائی۔ "یہ یاد رکھو کہ یہ ہماری زندگی کا آخری دن بھی ہو سکتا ہے....."

"میں پریشان ضرور ہوں لیکن مایوس نہیں ہوں۔" میں نے اُسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا۔

ایک مرتبہ پھر مہمانوں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ کسی طرف سے اونچی آواز میں کچھ کہا گیا پھر سب لوگ کرسیاں چھوڑ کر کھڑے ہونے لگے۔ اِسی کے ساتھ فضا تالیوں کے شور سے گونجنے لگی۔ ہر شخص کی نگاہیں اُسی طرف تھیں، جدھر سے ہم گزر کر آئے تھے۔ لمحہ بھر میں ہی ہر کرسی خالی ہو چکی تھی۔

"پتا نہیں، کیا مصیبت ہے۔ تم بھی کھڑی ہو جاؤ۔ اس وقت صرف ہم دونوں ہی احمقوں کی طرح بیٹھے ہوئے ہیں۔" غزالہ نے فوراً میری ہدایت کی تعمیل کی۔ میں نے گلاس خالی کر کے نیچے ڈال دیا۔

اُٹھتے ہی مجھے ڈون نظر آ گیا۔ وہ اپنے سادہ سے روایتی لباس میں ملبوس، اپنی مونچھ مروڑتا ہوا، باوقار انداز میں اسٹیج کی طرف چلا آ رہا تھا۔ اُس کے پیچھے نیم برہنہ لڑکیوں اور اُس کے پروردہ غنڈوں کا غول تھا۔

ڈون اسٹیج پر آکر، مہمانوں کی طرف رخ کر کے کھڑا ہوا تو اُس کے احترام میں تمام مہمانوں نے اپنے سر جُھکا دیے۔ ڈون نے اپنی موٹی گردن کو خفیف سا خم دے کر اُن کی تعظیم قبول کی پھر داہنے ہاتھ سے اُن سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سب لوگ مشینی انداز میں بیٹھتے چلے گئے۔ ڈون کے ساتھ آنے والے مرد خالی میزیں تلاش کرنے لگے۔ نووارد لڑکیاں پہلے سے موجود میزبان لڑکیوں میں شامل ہو گئیں۔ ہم دونوں بدستور کھڑے رہے۔

ڈون لمحہ بھر خاموش رہا پھر اُس نے چینی زبان میں کچھ بولنا شروع کر دیا۔ اُسی وقت سارا کہیں سے نمودار ہو کر غزالہ کے برابر میں آ کھڑی ہوئی۔ اس وقت وہ بھی ناکافی لباس میں تھی۔

بولتے بولتے، ڈون نے مجھے اور غزالہ کو اپنے قریب کر لیا۔ مجمع میں ایک تیز گونج پیدا ہوئی۔ شاید ڈون نے ہماری شادی کا اعلان کیا تھا جس پر سب نے مل کر مبارکباد دی تھی۔

وہ مکاؤ میں ڈون کی عزت اور ہیبت کا ایک ناقابلِ یقین مظاہرہ تھا۔

ڈون نے مزید چند فقرے کہے پھر انگریزی میں ہمیں بیٹھنے کی

ہدایت کرتے ہوئے خود بھی درمیانی کرسی پر بیٹھ گیا۔

میزوں کے درمیان کھڑی ہوئی لڑکیاں تیزی سے حرکت میں آ گئیں۔ کسی نے ڈون کے سامنے شیمپئن کی ایک بہت بڑی بوتل میز پر رکھ دی تھی پھر بلور کے چار گلاس بھی آ گئے۔

"تمہاری شادی کی خوشی میں!" ڈون نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پھر وہ چینی مہمانوں سے کچھ کہنے لگا۔ اچانک ہی اس نے شیمپئن کی بوتل کی سیل توڑی اور اُس کا کاگ ایک دھماکے کے ساتھ اوپر کی طرف پرواز کر گیا اور بوتل کے دہانے سے جھاگ اُبلنے لگے۔

ڈون کی تقلید میں پورے میدان میں شیمپئن کی بوتلوں کے کاگ اُڑائے جانے لگے۔

ڈون بہت خوش تھا اور گلاس بھر بھر کر شیمپئن کے جھاگ پی رہا تھا۔ اِسی اثنا میں اگلی میزوں سے مقامیوں اور غیر ملکیوں کے جوڑے، باری باری اسٹیج پر آنے لگے۔ وہ ڈون کے ساتھ ہی مجھے اور غزالہ کو مبارکباد دے رہے تھے۔ اُن کے لائے ہوئے تحائف، غزالہ کے برابر میں بیٹھی ہوئی سارا جمع کرتی جا رہی تھی۔ ایک معمّر سفید فام نے مجھے بی ایم ڈبلیو کی چابی دی پھر ایک ادھیڑ عمر مقامی کی طرف سے فیرارے کی چابی آئی۔ سارا کے پاس ڈبّوں اور لفافوں کا ڈھیر لگتا جا رہا تھا اور میری عقل چکرا رہی تھی۔

دو بیش قیمت گاڑیوں کی چابیاں مجھے مل چکی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی چابی غزالہ کو بھی دی گئی ہو گی۔ ڈون نے سچ ہی کہا تھا کہ ہم پر تحائف کی ایسی برسات ہو گی کہ ہم حیران رہ جائیں گے۔

آخر ڈون نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر کے مہمانوں کو کوئی اشارہ کیا اور اُس کی آواز دور تک گونجنے لگی۔ اسٹیج کی طرف آتے ہوئے لوگ درمیان میں سے ہی اپنی میزوں کی طرف لوٹنے لگے۔

"یہ سلسلہ آدھی رات تک ختم نہ ہوتا۔" میرے کانوں میں سارا کی آواز آئی۔ "ڈون نے تم لوگوں کی پریشانی کی وجہ سے سب کو روک دیا ہے۔ اب میزبان لڑکیاں، میزوں سے ہی تحفے جمع کر لیں گی۔" وہ شاید غزالہ کو بتا رہی تھی۔

میزبان لڑکیاں اسٹیج کے پہلو میں تحائف جمع کرنے لگیں۔ شیمپئن کا دَور ختم ہونے کے ساتھ ہی محفل میں گرمی آ گئی تھی اور اسکاچ، رم، برین، جن، واڈکا وغیرہ کی پوری پوری بوتلیں میزوں پر پہنچائی جانے لگی تھیں۔ اسی کے ساتھ باربی کیو کا آغاز ہو چکا تھا۔ انگاروں پر سِنکے ہوئے بھانت بھانت کے گوشت کے پارچے، مے نوشوں کی خواہشات کے مطابق، تیزی سے انہیں فراہم کیے جا رہے تھے۔

ڈون کے سامنے رائیل سیلوٹ کی بوتل اور اُس کے مرغوب سانپ کے بُھنے ہوئے قتلوں سے بھری ہوئی ٹرے آ گئی۔ ڈون کے بعد سارا نے بھی سانپ کھانا شروع کر دیا۔ میرے لیے شاید پہلے ہی یہ ہدایت کر دی گئی تھی، اس لیے چکن یا بطخ کے پارچے بھی آ گئے۔ غزالہ، کھانے پینے کے اس شغل سے الگ تھی۔

آخر کار اس پروگرام کا سنسنی خیز مرحلہ بھی شروع ہو گیا۔ بل فائٹنگ رنگ کے مضبوط چوبی احاطے کے دور افتادہ حصّے کے ساتھ ایک بند گاڑی آ لگی تھی اور اس میں سے لڑاکا سانڈ کو رنگ میں اتارنے کی تیاریاں شروع کر دی گئی تھیں۔ سلطان شاہ کی تلاش میں میری بے چین آنکھیں ہر طرف بھٹک رہی تھیں لیکن اُس کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ اس کوشش میں میری نگاہ گولڈن ڈریگن کے کپتان، ریورچیانگ پر پڑی جو اپنی نشست سے اُچھل اُچھل کر ہاتھ کے اشاروں سے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

شاید اُس کے لیے یہ اعزاز کی بات ہوتی کہ ڈون کے ساتھ اسٹیج پر براجمان شخص سے اُس کی شناسائی ثابت ہو جاتی لیکن میں نے اُسے نظر انداز کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ آتا تو ڈون سے بھی اُس کا تعارف ہوتا۔ وہ دونوں چینی نژاد تھے۔ نہ جانے اُن میں کیا باتیں ہوتیں اگر ریورچیانگ شاہی ہیروں والی کہانی چھیڑ دیتا تو میری اِس تمام حاشیہ آرائی کی نفی ہو سکتی تھی جو میں ڈون سے کر چکا تھا۔ اس سُبکی سے بچنے کی بہترین صورت یہی تھی کہ میں ریورچیانگ کو سرے سے نظر انداز کر دیتا۔ بعد میں کسی بھی موقع پر میں اپنے اس محسن سے معذرت کر سکتا تھا۔

ابتدا میں ڈون کی اس تقریب پر سنجیدگی اور بردباری طاری تھی۔ وہ آیا تو شرکاء پر گنے چُنے مواقع کے علاوہ احترام آمیز خاموشی طاری رہی لیکن ڈون کی طرف سے مامور کی جانے والی حسین و جمیل اور کسی حد تک بے حجاب لڑکیاں جلد ہی فراخ دلی کے ساتھ میزوں کے درمیان گردش کر کے، فیاضی سے شرابیں تقسیم کر رہی تھیں، اِس کے اثرات جلد ہی نظر آنے لگے۔ بھنبھناہٹ قدرے اونچی آوازوں میں تبدیل ہو گئی۔ بوجھل آوازیں اور مخمور قہقہے بھی بکثرت سنائی دے رہے تھے۔ بیویوں کی جگہ گرل فرینڈز کے ساتھ آنے والوں نے اس ماحول اور آزادی کا پورا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی ساتھیوں سے بے تکلف ہونا شروع کر دیا تھا۔ کہیں کہیں مردوں نے اپنی دل جوئی کے لیے میزبان لڑکیوں کو اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔ اُس روز مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ ڈون نے اپنی حویلی میں خوبرو اور آزاد خیال لڑکیوں کی کتنی بڑی فوج پالی ہوئی تھی۔

آخر کار بند گاڑی کا عقبی دروازہ کھُلا اور اُس میں سے ایک جوان اور مضبوط سانڈ دوڑتا ہوا، چوبی احاطے میں داخل ہو گیا۔ وہ سر جُھکائے اور اپنی دُم کو فضا میں اُٹھائے، وحشیانہ انداز میں رنگ میں اِدھر سے اُدھر دوڑتا رہا۔ اسے دیکھ کر حیرت اور خوف سے کئی ملی جلی چیخیں بلند ہوئیں۔ اور مجمع میں سنسنی کی نئی لہر دوڑ گئی۔ میں نے اپنی طلائی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو سات بجنے میں بیس منٹ باقی تھے گویا صرف پانچ منٹ بعد میدان میں ایک نیا خونی تماشا شروع

ہونے والا تھا۔

اسٹیج پر رکھی ہوئی پانچ میں سے ایک کرسی خالی تھی جو شاید ڈان نیشی کاؤ کی منتظر تھی۔ سارا مستقل طور پر غزالہ کے برابر والی کرسی پر بیٹھی ہوئی اُس کا دل بہلانے کی ناکام کوششیں کر رہی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ ڈون کو سانپ کے پارچے کھاتے دیکھ کر غزالہ کو گِھن آ رہی ہو گی۔ ویسے بھی اِس مادر پدر آزاد تقریب کا ماحول اس کے لیے پسندیدہ نہیں تھا لیکن ڈون کی موجودگی میں کوئی بھی وہاں سے ہلنے کی گستاخی نہیں کر سکتا تھا۔

چوبی باڑھ کے اندر کالا سانڈ بہت مضطرب تھا۔ وہ اپنے نتھنوں سے غضبناک پُھنکاریں نکال کر اپنے کُھر زمین پر مار رہا تھا۔ وہ بار بار اپنا سر جُھکا کر نکیلے سینگوں کو فضا میں یوں اوپر اُچھالتا تھا جیسے اپنے نادیدہ دشمنوں کو سینگوں میں پرو کر زمین سے اوپر اُٹھا رہا ہو۔

یہ مکاؤ کا سب سے جوان اور طاقتور سانڈ ہے۔" ڈون مجھ سے کہہ رہا تھا۔ "اسے چند ہفتے پہلے میلسیکو سے طیارے میں یہاں لایا گیا ہے۔ آج مکاؤ میں اس کا پہلا مقابلہ ہے۔ یہاں کُتوں کی ریس کے بعد بُل فائٹنگ سب سے زیادہ مقبول کھیل ہے۔ اس کے مقابلے میں مکاؤ کا چیمپئن بل فائٹر رنگ میں اُترے گا۔"

"رنگ میں بُل فائٹر مرتے بھی رہے ہوں گے؟" میں نے ڈون سے سوال کیا۔

زندگی اور موت تو ہر مردانہ کھیل کی جان ہوتی ہے۔" ڈون اپنی لٹکی ہوئی باریک مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولا۔ "ریس میں گھوڑا گر جائے تو جاکی اس کے سموں تلے روندا جاتا ہے۔ کھلاڑی کو اپنے اناڑی پن کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ یہاں رنگ کے باہر کئی ماہر نشانے باز ہر لمحے تیار رہیں گے۔ بُل فائٹر کی جان کو خطرہ ہوا تو وہ سانڈ کو شوٹ کر دیں گے مگر بعض اوقات سب مجبور ہو جاتے ہیں۔ سانڈ اور بُل فائٹر اس طرح اُلجھے ہوتے ہیں کہ گولی دونوں میں سے کسی کو بھی لگ سکتی ہے اور سانڈ اپنے حریف کو سینگوں پر اُٹھا لیتا ہے۔"

اسی وقت میدان میں کچھ اعلان ہونے لگا۔ سب کرسیوں کے رخ تیزی کے ساتھ رنگ کی طرف ہو گئے۔ رنگ کے ایک جانب چست سیاہ لباس میں ملبوس ایک تندرست اور چاق و چوبند شخص میز پر کھڑا اپنے جسم کو تیزی کے ساتھ آگے پیچھے اور دائیں بائیں جُھکا کر ہلکی پھلکی ورزش کر رہا تھا۔

اعلان ختم ہوتے ہی اس نے میز پر سے جست لگائی اور سانڈ سے کچھ دور جا کھڑا ہوا۔

سانڈ بہت تیزی کے ساتھ گُھوما۔ اُس نے کسی کدورت کے بغیر اپنے مدِ مقابل کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ بُل فائٹر نے اپنی پوزیشن ٹھیک کر کے فضا میں سرخ کپڑا لہرا دیا۔

سانڈ فوراً ہی چوکنا ہو گیا۔ اس نے جارحانہ انداز میں اپنا سر جُھکا کر پُھنکاریں مارنی شروع کر دیں۔ اُس کی ڈھیلی دم تن کر، نیم دائرے کی صورت میں فضا میں کئی انچ بلند ہو گئی۔ بل فائٹر اپنا کپڑا لہرا لہرا کر سانڈ کو تاؤ دلاتا رہا پھر سانڈ نے یکایک اپنے پچھلے پیروں سے دھول اُڑائی اور پوری رفتار سے اپنے حریف کی طرف دوڑ لگا دی۔ ہجوم میں سنسنی خیز شور بلند ہوا، معلوم ہو رہا تھا کہ سانڈ اپنے حریف کے اوپر جا پڑے گا لیکن آخری لمحے پر بُل فائٹر نے ایک طرف سرک کر سانڈ کی پشت میں چھوٹا سا تیر گھونپنا چاہا۔ سانڈ کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ اپنی جھونک میں آگے نکل گیا۔ بل فائٹر کا وار بھی خالی گیا۔

سانڈ بہت وحشی اور بلا کا طاقتور تھا۔ نشانہ خطا ہونے کا اندازہ ہوتے ہی وہ چند گز آگے نکل کر رکا اور پھر غضب ناک انداز میں واپس پلٹا۔ اس بار بُل فائٹر اس کی زد سے بچنے کی کوشش میں لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔ میدان میں شور بہت تیز ہو گیا۔

سانڈ پلٹ پلٹ کر بہت پُھرتی کے ساتھ اپنے حریف پر حملے کر رہا تھا۔ بُل فائٹر اپنے حریف کی پشت کے اُبھار میں تیر پیوست کرنے کی ناکام کوششوں میں کئی بار سانڈ کے جسم کے پچھلے حصّے سے ٹکرایا تھا لیکن دونوں میں سے کوئی بھی پوری طرح کامیاب نہیں تھا۔

لڑتے لڑتے وہ دونوں کئی بار مضبوط چوبی باڑھ تک آ گئے۔ بُل فائٹر کے لیے وہ علاقہ خطرناک تھا کیوں کہ سانڈ اسے چوبی شہتیروں کے ساتھ رگید سکتا تھا۔ ہر بار وہ جست لگا کر میدان کے وسط میں پہنچنے کی کوشش کرتا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سانڈ بہت زیادہ مشتعل اور خطرناک ہوتا جا رہا تھا جب کہ بُل فائٹر قدرے مضمحل ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ سانڈ کے تابڑ توڑ حملوں نے اُسے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اپنے دشمن کو اچھی طرح پہچان چکا تھا اور سرخ کپڑے کی جھلک دیکھے بغیر اُس کا پیچھا کر رہا تھا۔

اسی جاں گسل کشمکش میں بُل فائٹر ایک مرتبہ پھر چوبی باڑھ کے قریب گھر گیا۔ سانڈ غضبناک ہو کر فضا میں اُچھلا پھر اُس نے بدک کر اُس کی طرف دوڑ لگا دی۔ بُل فائٹر سراسیمگی کے عالم میں داہنی طرف سرک گیا۔ اُس نے سانڈ پر جوابی حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید وہ بھاگ دوڑ میں اپنا ہتھیار گنوا چکا تھا۔

بُل فائٹر کے ہٹ جانے سے سانڈ کی ٹکر باڑھ کے اُفقی تختوں پر پڑی اور چرچراہٹ کی ہولناک آواز کے ساتھ وہ تختے ایک طرف سے اُکھڑ گئے۔

تختے ٹوٹتے ہی وحشی سانڈ رنگ سے باہر نکل کر میزوں کی طرف دوڑ پڑا۔ ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔ نشانہ بازوں نے بیک وقت کئی فائر کیے لیکن وہ سب بے سود رہے۔ اس وقت سانڈ کا نشانہ لینا ہی ممکن نہیں رہا تھا۔ پیچھے سے چلائی جانے والی گولیاں بھٹک کر مہمانوں کو ہلاک یا زخمی کر سکتی تھیں۔

سانڈ پُھنکاریں مارتا اور میزیں اُلٹتا ہوا مہمانوں میں جا گُھسا۔ اُس نے اپنے سامنے آنے والے کئی افراد کو ٹکروں سے دور اُچھال پھینکا۔ وہشت زدہ چیخوں نے آسمان سر پر اُٹھا لیا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کو دھکیلتے اور روندتے ہوئے بھاگے جا رہے تھے۔ اُلٹی ہوئی بوتلوں سے ہر طرف شراب بہہ رہی تھی۔ چند لمحوں تک رعنائی پر آئی ہوئی وہ محفلِ طرب و نشاط یک بیک ہنگامۂ دار و گیر میں بدل گئی تھی۔

بُل فائٹنگ کے منتظمین موٹے رسّوں کے پھندے سنبھالے سانڈ کے تعاقب میں میزیں اُلٹتے پھر رہے تھے۔ ڈون کے چہرے پر تشویش اور بدمزگی کی علامات اُبھر آئی تھیں۔ وہ چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہا تھا لیکن بپھرے ہوئے سانڈ کی دہشت کی وجہ سے کوئی اُس کی بات پر کان دھرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔

میں نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ باڑھ کے اُکھڑے ہوئے تختے ایک طرف عمودی شہتیروں سے بدستور جڑے ہوئے تھے جب کہ دوسری طرف کی کیلوں نے بالکل جگہ چھوڑ دی تھی۔

منتظمین پستول اور پھندے لیے سانڈ کے پیچھے دوڑ رہے تھے لیکن وہ لڑاکا اور خونی سانڈ تھا۔ وہ بھیڑ بھاڑ سے دور بھاگنے کے بجائے ہجوم کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ رنگ کی ایک سمت میں حملہ آور ہوا تھا لیکن تقریب گاہ میں ہر طرف بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں اُلٹی ہوئی میزیں، ٹوٹی ہوئی کراکری، اوندھی بوتلیں، جوتے، پرس، چشمے اور دوسری چیزیں پڑی رہ گئی تھیں۔ سارے مہمان چھتریوں سے باہر نکل بھاگے تھے۔

میں نے اضطراری طور پر اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو سات بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔

"سب کچھ تباہ ہو گیا۔" ڈون اضطراری طور پر غصّے میں بڑبڑایا۔ "میں باڑھ کھڑی کرنے والوں کو مار ڈالوں گا۔"

پھر یک بیک فضا میں کسی ہیلی کاپٹر کے انجن اور پنکھے کا مخصوص شور سنائی دینے لگا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی ہیلی کاپٹر دور سے نیچی پرواز کرتا ہوا، ہماری طرف آ رہا تھا۔

غزالہ بھی ہمارے اس منصوبے میں شریک تھی لیکن اسے پوری تفصیل کا علم نہیں تھا۔ ڈون کی حویلی میں، قدم قدم پر چُھپے ہوئے حسّاس مائیکرو فونز کے خوف کی وجہ سے سلطان شاہ اپنی کارگزاری پر مکمل بات نہیں کر سکا تھا، نہ ہی تحریری طور پر پوری تفصیلات سے آگاہ کرنا ممکن تھا۔ اس نے ہمیں صرف اتنا بتایا تھا کہ سنگین خطرہ مول لے کر، وہ باڑھ کے ایک اہم حصے کو نقصان پہنچا کر کمزور کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

بپھرا ہوا لڑاکا سانڈ، مضبوط چوبی باڑھ کے تختے اکھاڑ کر ہی تماشائیوں پر حملہ آور ہوا تھا اس لیے یہ سمجھ لینا بہت آسان تھا کہ ڈون کی اس عظیم الشّان محفل میں سب کچھ ہمارے پلان کے مطابق ہو رہا تھا۔ سلطان شاہ کی کوششیں بار آور ثابت ہوئی تھیں اور ڈون کی جمی جمائی محفل کا رنگ اکھڑ چکا تھا، نظم و ضبط سرے سے ختم ہو چکا تھا، ہر طرف افراتفری کا راج تھا اور کسی کو بھی اپنی ذات کے علاوہ کسی اور کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔

اس تبدیلی پر غزالہ بہت زیادہ سراسیمہ اور خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ سارا کے چہرے کا رنگ بھی اُڑا ہوا تھا۔ میرے اور غزالہ کے درمیان ڈون کا دیوہیکل وجود حائل تھا۔ اس لیے میں غزالہ کی تسلی کے لیے دو لفظ بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ ڈون سخت اشتعال اور اضطراب سے دوچار تھا۔ وہ اپنی مٹھیاں بھینچ بھینچ کر خود کلامی کے انداز میں غرّائے جا رہا تھا۔ وہ اس وقت چینی زبان بول رہا تھا جو میرے لیے ناقابلِ فہم تھی۔

تقریب کے شرکا، بدحواسی اور وہشت کے عالم میں کافی دور نکل گئے تھے۔ ان کے تعاقب میں کالا سانڈ بھی اسی طرف چلا گیا تھا۔ بس فضا میں اِکّا دُکّا ہوائی فائروں کے ساتھ بے پناہ شور و غل کی آوازیں گونج رہی تھیں لیکن پھر بھی ڈون کے جاں نثاروں نے اپنے آقا کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا تھا۔ آٹھ مضبوط اور مسلح چینی، ڈون کی مسند کے پیچھے اور دونوں پہلوؤں پر موجود تھے۔ ان میں شفّاف کھوپڑی والا فکو وا بھی شامل تھا۔

اس وقت ہمارے منصوبے میں کلیدی اہمیت ڈان نیشی کاؤ کی تھی جو اپنے بچپن کے دوست، ڈون کوانگ فو سے ملنے کے لیے پاکستان سے آ رہا تھا۔ نیشی کاؤ مافیا کا ڈان تھا اور کوانگ فوشی کا آئی مین۔ میں ہر قیمت پر ان دونوں کی تفصیلی ملاقات کو روکنا چاہتا تھا۔ اس لیے میرا ذہن آنے والے لمحات میں الجھا ہوا تھا۔ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ڈون کا ہیلی کاپٹر معزز مہمان کو لے کر، ہانگ کانگ سے سوا سات بجے ڈون کی حویلی میں بنے ہوئے ہیلی پیڈ پر اترنے والا تھا۔

اپنے خصوصی ارتکاز کی وجہ سے میں نے دور سے سنائی دینے والی، ہیلی کاپٹر کی آواز سن لی جو فوری طور پر ڈون وغیرہ کی توجہ حاصل نہیں کر سکی لیکن ہیلی کاپٹر کی تیز رفتار کی وجہ سے چند ہی ثانیوں میں وہ آواز اس قدر نمایاں ہو گئی کہ کسی کے لیے بھی اسے نظر انداز کرنا ممکن نہیں رہا اور ڈون ہڑبڑا کر اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔ میرے ساتھ غزالہ اور سارا نے بھی ڈون کی تقلید کی۔

ڈون اٹھتے ہی ان آٹھوں پر برس پڑا۔ وہ ہذیانی انداز میں گلا پھاڑ کر اور فضا میں ہاتھ لہرا کر چلّا رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے سے پہلے ہی، ان آٹھوں میں سے تین آدمیوں نے مختلف سمتوں میں دوڑ لگا دی۔ دو آدمی بھگوڑوں کے تعاقب میں دوڑے تھے، تیسرا ویران رِنگ کی طرف گیا تھا۔

"آؤ! میرے ساتھ آؤ!" ڈون نے اسٹیج سے اترتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ وہ اس وقت بہت زیادہ جھلّایا ہوا تھا۔ "سب لوگ بھاگ گئے۔ اب مجھے خود ہی نیشی کاؤ کا استقبال کرنا ہو گا۔"

فضا میں ہیلی کاپٹر کے انجن اور پنکھوں کا شور واضح ہونے کے

ساتھ ہی ڈون کی حویلی کے ملازمین تیزی سے واپس لوٹنے لگے۔ ان میں ڈون کے نمک خواروں کے ساتھ نیم برہنہ میزبان لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ اسی کے ساتھ میدان میں نصب مردہ لاؤڈ اسپیکروں میں جان پڑ گئی۔ ان پر پہلے چینی زبان میں کوئی اعلان کیا گیا پھر وہی لرزہ خیز اعلان انگریزی میں دہرایا جانے لگا۔ میں نے اپنی پوری توجہ اسی آواز پر مرکوز کردی۔

لب و لہجہ مہذب تھا لیکن بولنے والے کے الفاظ سراسر دھمکی آمیز تھے۔ وہ ڈون کی طرف سے اس ناخوشگوار حادثے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے مہمانوں کو مطلع کر رہا تھا کہ حویلی سے نکاسی کے راستے بند کیے جا چکے تھے۔ جب تک سارے مہمان تقریب گاہ میں جمع ہو کر ڈون کے مہمان کو خوش آمدید کہنے کے بعد روایتی ڈنر میں شریک نہیں ہوں گے' بند راستے نہیں کھولے جائیں گے۔ جو شخص بھی ڈون کی درخواست کو نظرانداز کرکے' اپنی مرضی سے رخصت ہونے کی کوشش کرے گا' وہ ڈون کی برہمی اور ناراضی مول لے گا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ لوگ واپس آکر منتظمین کو اپنا کام کرنے کا موقع دیں تو وہ پیشہ ور لوگ چند منٹ میں سانڈ کو زندہ یا مردہ حالت میں پکڑ لیں گے اور تھوڑی ہی دیر میں دوسرے سانڈ کا بندوبست کرکے نئے سرے سے بل فائٹنگ کا آغاز کیا جائے گا کیوں کہ اس سنسنی خیز مقابلے کے بغیر تقریب ادھوری رہے گی۔

اس اعلان کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ لوگ سانڈ کی زد سے بہت دور ہونے کے باوجود' دوسروں کی دیکھا دیکھی بے مقصد بھاگ دوڑ میں مبتلا تھے' وہ تیزی کے ساتھ واپس لوٹنے لگے۔

ڈون لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا' ہیلی پیڈ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ چند ثانیوں بعد ہیلی کاپٹر فضا میں نظر آیا تو نہ صرف ڈون ہیلی پیڈ کے کنارے پر موجود تھا بلکہ اس کی وجہ سے وہاں خاصا بڑا ہجوم جمع ہو چکا تھا اور ڈون کے آدمی ان سب کو راستے کے دونوں صف آرا کرنے کی کوششیں کر رہے تھے۔

میری آنکھیں نہایت بے چینی کے ساتھ سلطان شاہ کی متلاشی تھیں لیکن اس کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

یہ سوچ کر میرا دل بیٹھنے لگا کہ سلطان شاہ اس بھگدڑ اور افراتفری میں کہیں ریلے کی زد میں آکر زخمی یا بے ہوش نہ ہو گیا ہو۔ اس کی کاوشوں سے منصوبے کا ایک ناقابلِ عمل حصہ پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا لیکن آخری مرحلے پر اگر وہ ہیلی پیڈ کے قرب و جوار میں پہنچنے میں ناکام رہتا تو ڈان نیشی کاؤ اپنے میزبان کے ساتھ مجھے دیکھتے ہی الجھن میں پڑ جاتا اور پھر وہ کسی بھی لمحے ڈون کو میری طرف سے چوکنا کر سکتا تھا۔

ادھر تقریب گاہ کے منظر نے ہیلی کاپٹر کے ہوا باز کو شاید مخمصے میں ڈال دیا تھا۔ اسے یقینی طور پر پورے پروگرام کا علم رہا ہو گا لیکن فضا میں واجبی سی بلندی سے وہ بخوبی الٹی ہوئی میزیں' گری ہوئی رنگین چھتریاں' ٹوٹی ہوئی کرسیاں اور ویران رِنگ دیکھ سکتا تھا۔ الٹے ہوئے گرد آلود قالینوں پر دور دور تک بکھری ہوئی جوتیاں اور مہمانوں کی دیگر ذاتی اشیا دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ کچھ ہی دیر پہلے وہاں گھمسان کا رَن پڑا ہو گا جس کے نتیجے میں ڈون کی الف لیلوی سبھا بکھر کر رہ گئی۔

اس تذبذب کی وجہ سے ہیلی کاپٹر فوری طور پر ہیلی پیڈ پر نہیں اترا بلکہ فضا میں ایک جگہ معلّق ہو گیا۔ شاید ہوا باز نیچے آنے سے پہلے' ریڈیائی رابطے پر اپنے زمینی ساتھیوں سے صورتِ حال کے بارے میں کوئی یقین دہانی حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سلطان شاہ کہیں نظر نہیں آ رہا۔" میرے برابر میں کھڑی ہوئی غزالہ' پُرتشویش لہجے میں بڑبڑائی۔ "کہیں وہ ریلے میں آکر کچلا ہی نہ گیا ہو!"

میں اس بدشگونی پر اسے گھور کر رہ گیا۔ میرے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا کیوں کہ میرے دل میں بھی درحقیقت اسی قسم کے اندیشے سر ابھار رہے تھے۔

ڈون کئی منٹ تک سر اٹھائے' اضطراب کے عالم میں معلّق ہیلی کاپٹر کو دیکھتا رہا پھر اس سے نہ رہا گیا۔ انتظار کرنا اس کی مغلوب الغضب اور سیماب صفت فطرت کے خلاف تھا۔

وہ ہیلی کاپٹر کی طرف مکّے لہرا لہرا کر کچھ چلّانے لگا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس دیوہیکل مشینی پرندے کے تیز شور کے باوجود ہوا باز کو براہِ راست للکار رہا ہو۔

پتا نہیں کہ ہوا باز نے ڈون کی غصیلی حرکات دیکھ لی تھیں یا اسی لمحے اس کو زمینی رابطے سے کلیئرنس کا ریڈیائی اشارہ مل گیا تھا کہ یکایک ہیلی کاپٹر کے انجن کا شور تیز ہونے کے ساتھ ہی وہ تیز ہچکولے کے ساتھ حرکت میں آیا پھر آہستگی کے ساتھ نیچے آنے لگا۔ ہوا کا دباؤ ہمیں تیزی سے پیچھے دھکیلنے لگا۔

زمین پر ٹکتے ہی ہیلی کاپٹر کا انجن بند کر دیا گیا۔ ایک دو چکر کھانے کے بعد ہیلی کاپٹر کی پنکھڑیاں جھٹکے کے ساتھ رک گئیں۔ ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھلتے ہی' وہاں موجود ہجوم میں' ڈون کے معزز مہمان کو دیکھنے کے لیے تجسّس کی لہر بیدار ہو گئی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ لوگ کچھ دیر کے لیے سانڈ والے حادثے اور اپنی ہیئت کذائی کو یکسر فراموش کر بیٹھے ہوں۔

ہیلی کاپٹر کے دروازے سے ڈان نیشی کاؤ ہیلی پیڈ کے پختہ فرش پر کودا تو وہ بہت پُرسکون اور پُراعتماد نظر آ رہا تھا۔ وہ ڈون کی طرف ہاتھ لہراتا ہوا' اس کی طرف بڑھا تو بڑھتے ہوئے ہجوم میں سے یک بیک متعدد سریلی چیخیں بلند ہوئیں' کسی نے انگریزی میں سانپ سانپ کی تکرار بھی شروع کی ہوئی تھی اور وہ یقیناً کوئی اہلِ زبان ہی تھا۔ ایک مرتبہ پھر بھگدڑ سی مچ گئی۔

بہت سے خوفزدہ لوگوں کا ریلا ہیلی پیڈ پر چڑھ دوڑا۔ ڈون کے محافظ اور سیمیں بدن لڑکیاں انہیں روکنے کی کوششوں میں ناکام رہیں۔

اس وقت میں نے پہلی بار سلطان شاہ کی صورت دیکھی۔ وہ ہیلی پیڈ پر چڑھ آنے والوں میں شامل تھا۔ اس نئی افراتفری پر ڈون کے چہرے پر قہر و غضب کے کوندے لپکنے لگے تھے۔ اگر اسے اپنے مہمان کا پاس نہ ہوتا تو شاید وہ خود ہی مجمع پر پل پڑا ہوتا۔

نیشی کاؤ فضا میں دونوں ہاتھ آگے بڑھائے' ڈون کی طرف آ رہا تھا۔ اس وقت وہ دونوں براہِ راست ایک دوسرے کی طرف متوجہ تھے۔ میں نے دانستہ اپنا رخ قدرے پھیر لیا تھا تاکہ ڈان نیشی کاؤ پہلی ہی نظر میں مجھے پہچان کر اپنی حیرت کا اظہار نہ کر سکے۔ میرے لیے وہ نہایت سنسنی خیز اور اعصاب شکن صورتِ حال تھی۔ میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ شارک اسکن کے سوٹ کے اندر' میرے بدن کے تمام مسامات سے پسینے کی دھاریں بہہ نکلی تھیں کیوں کہ وہ چند لمحات ہماری زندگیوں کے لیے فیصلہ کن تھے۔

میں کوشش کے باوجود خود کو سلطان شاہ کی طرف دیکھنے سے باز نہ رکھ سکا۔ وہ متعدد خوفزدہ افراد کی بھیڑ میں سیدھا بھاگا چلا آ رہا تھا۔ یکایک اس کا داہنا ہاتھ' ادھ کھلی مٹھی کی صورت میں اس کے دہانے کی طرف بڑھا۔ بادی النظر میں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ انگوٹھے اور پہلی انگلی کے درمیان' ہتھیلی کی طرف دبی ہوئی سگریٹ کا کش لینا چاہ رہا ہو۔

ڈان نیشی کاؤ نے ڈون سے دو قدم دور رک کر' روایتی چینی انداز میں اپنے سر کو تعظیم کے انداز میں خم دیا۔ اسی لمحے سلطان شاہ کا ہاتھ اس کے دہانے سے نیچے گیا' شاید وہ کچھ کر گزرا تھا۔ میں ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں تیزی کے ساتھ پلٹا۔ میرے کانوں میں ہلکی سی انسانی کراہ کی آواز آئی پھر میں نے ڈان نیشی کاؤ کو منہ کے بل پختہ ہیلی پیڈ پر گرتے دیکھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اضطراری انداز میں اس کے گلے سے لپٹے ہوئے تھے جیسے کوئی نادیدہ قوت اس کی شہ رگ کو دبا رہی ہو۔

ڈون کی چھٹی حِس نے اسے خطرے کا احساس دلا دیا تھا۔ وہ اپنے جگری دوست کے گرتے ہوئے بدن کو سہارا دینے کے لیے تیزی کے ساتھ آگے کی طرف لپکا لیکن گرانڈیل ڈون' پوری کوشش کے باوجود منحنی سے نیشی کاؤ کے بدن کی جھونک نہیں سنبھال سکا۔ شاید مرتے ہوئے آدمی کا وجود آخری لمحوں پر اصل کہیں زیادہ وزنی ہو جاتا ہو۔ ورنہ ڈون تو وہ شخص تھا جس نے بوری میں ٹھنسی ہوئی وان لن کی لاش کو کسی ہلکے پھلکے کھلونے کی طرح دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر توڑ پھوڑ ڈالا تھا۔

ان چند ثانیوں میں سلطان شاہ بھیڑ کے ساتھ آگے نکل چکا تھا۔ اس نے اپنی کارروائی ایسی پھرتی اور روانی سے مکمل کی تھی کہ شاید کوئی بھی اسے نوٹ نہیں کر سکا ہو گا۔

میں ڈون کی مدد کے لیے آگے بڑھا تو میرے دل و دماغ پر سے ہر بوجھ اتر چکا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ نیشی کاؤ کے ہولناک فتنے کا سدِّباب ہونے کی خوشی میں وہیں والہانہ رقص شروع کر دوں لیکن وہ ایسے کسی ردِّعمل کا موقع نہیں تھا۔

ڈون پنجوں کے بل فرش پر اکڑوں بیٹھا اپنے بچپن کے دوست کے بے جان بدن کی نبضیں ٹٹول رہا تھا۔ اس کے مسلح آدمیوں نے ہمارے اور اس کے گرد گھیرا ڈال لیا تھا۔

نیشی کاؤ کے ساکت بدن میں نبض کا دور دور تک پتا نہیں تھا اس کے بدن کے کھلے ہوئے حصوں کے علاوہ' چہرے پر بھی دھندلائی ہوئی نیلاہٹ پھیلنے لگی تھی۔ ڈون نے اتمامِ حجت کے طور پر نیشی کاؤ کی آنکھوں کے پپوٹے الٹ کر دیکھے تو وہاں صرف سفیدی ہی سفیدی نظر آئی۔ اس کی پتلیاں پپوٹوں میں بہت اوپر چڑھ کر معدوم ہو چکی تھیں۔ ڈان نیشی کاؤ کی موت کی دہشت میں ڈوبی ہوئی سفید آنکھیں دیکھ کر میں پھریری لے کر رہ گیا۔ اس وقت مجھے موت اپنے تصور سے کہیں زیادہ بھیانک نظر آئی تھی۔

ڈون نے بیٹھے ہی بیٹھے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا تو اس کی سکڑی ہوئی آنکھوں میں سفاکانہ سرد مہری رچی ہوئی تھی۔ "یہ مردہ ہے۔" اس نے آپے سے باہر ہونے کے بجائے سرد اور دھیمے لہجے میں انگریزی کے تین الفاظ میں اعلان کیا۔

"مم..... مگر کیسے؟ ابھی تو یہ زندہ تھا؟" ڈون کے تیوروں نے مجھے پریشان کر دیا۔

ڈون میری بات کا جواب دیے بغیر' نیشی کاؤ کی لاش کو الٹ پلٹ کر اُس کا تفصیلی جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔ وہ اس وقت بہت خطرناک موڈ میں نظر آ رہا تھا۔

اس وقت تک ڈون نے چینی زبان میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا لیکن ڈون کے گرد رہنے والے افراد نجانے کتنی لاشیں دیکھ چکے تھے۔ نیشی کاؤ کے بے جان بدن کو دیکھ کر انہوں نے سب کچھ سمجھ لیا اور ان کے چہروں پر سراسیمگی کے آثار پھیلتے چلے گئے۔

آخر کار ڈون نے نیشی کاؤ کی پشت سے کوئی چیز' چٹکی میں دبا کر نکالی اور ہیلی پیڈ کے فرش سے اٹھتا چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں بال سے قدرے موٹی اور کم از کم تین انچ لمبی ایک سوئی موجود تھی جو میرے لیے نئی نہیں تھی۔

"یہ میری حویلی میں تیسرا خون ہے۔" ڈون نے وہ سوئی میرے چہرے کے سامنے لا کر کہا۔ "حویلی کی تاریخ میں یہ پہلی مسلسل خوں ریزی ہے۔ اسے بلو پائپ سے مارا گیا ہے اور اب تم مجھے بتاؤ گے کہ حویلی میں تمہارے قدم آتے ہی یکایک یہاں کیا ہونے لگا ہے؟"

ڈون کا لہجہ بدستور سرد اور دھیما تھا۔ اس کی آنکھوں میں قاتلانہ سفاکی رقصاں تھی اور خاص بات یہ تھی کہ وہ چینی زبان میں کچھ کہے بغیر' صرف انگریزی بول رہا تھا جس کا واضح مطلب تھا کہ اس کا واحد مخاطب صرف میں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ نیشی

کاؤ کی موت کے سلسلے میں وہ مجھ پر کسی قسم کا شبہ کر رہا تھا۔ مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں' ڈون؟" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "میں تو تمہارے ساتھ' اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا اور سوئی اس کی پشت سے برآمد ہوئی ہے۔ بھگدڑ اور افراتفری سے فائدہ اٹھا کر تمہارا کوئی بھی بدخواہ یہ حرکت کر سکتا تھا۔"

"تم سے حویلی میں بات ہوگی۔" مجھ سے یہ کہہ کر ڈون ایک جھٹکے سے اپنے آدمیوں کی طرف گھوم گیا اور چینی زبان میں انہیں کچھ ہدایات دینے لگا۔ اس بار اُس کی آواز سے برہمی اور کبیدگی عیاں تھی۔

ڈون کے خاموش ہونے سے پہلے ہی اس کے ایک آدمی نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر میرے اوپر تان لیا اور غزالہ کا چہرہ دھواں ہو گیا۔

تھوڑی دیر قبل ہم دونوں ہر ایک کی آنکھوں کا تارا بنے ہوئے تھے۔ ہم پر بیش قیمت تحائف کی برسات ہو رہی تھی۔ اتنی عزت افزائی کے بعد یوں ریوالور کی زد پر لیے جانا بدترین صدمے سے کم نہیں تھا لیکن میں نے خاموشی کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔

"تماشا بنانے کی ضرورت نہیں۔" ڈون مجھے گھورتے ہوئے غرّایا۔ "ہاتھ گرا لو لیکن یہ یاد رکھنا کہ ذرا بھی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میرے آدمی دریغ نہیں کریں گے۔ حویلی میں خون ریزی کا سلسلہ چل ہی پڑا ہے تو مرنے والوں کی تعداد میں دو چار کے اضافے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"لیکن ڈون!" غزالہ روہانسی اور بھرّائی ہوئی آواز میں بولی۔ "ہمارا کیا قصور ہے؟ اتنی عزت دینے کے بعد اب ہمیں ٹھوکروں سے کیوں اڑانا چاہ رہے ہو؟"

ڈون نے غزالہ کی پوری بات سنی لیکن کوئی جواب دیے بغیر مڑ کر واپس چل دیا۔ اس کے بیشتر آدمی اسی کے پیچھے چل پڑے تھے۔ صرف سارا' مسلح آدمی کے ساتھ ہمارے پاس رہ گئی تھی۔

ڈان نیشی کاؤ کی لاش کو ہیلی کاپٹر کے پائلٹ اور اس کے ساتھی کی تحویل میں چھوڑ کر' وہ دونوں ہمیں بھی اس طرف لے چلے جدھر ہماری بگھی کھڑی ہوئی تھی۔

اس وقت تک افراتفری اور بھگدڑ بالکل ختم ہو چکی تھی۔ بپھرا ہوا سانڈ مارا جا چکا تھا یا پھر پکڑ لیا گیا تھا۔ اسی کے ساتھ شاید نیشی کاؤ کے پُراسرار قتل کی خبر بھی جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی جس کے نتیجے میں فضا پر ماتمی خاموشی طاری ہو گئی۔ بہت سے لوگ جگہ جگہ ٹولیوں کی شکل میں کھڑے ہوئے نیچی آوازوں میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ معززین' شرفا اور امرا کے طبقات سے تعلق رکھنے والے اُدھیڑ عمر اور عمر رسیدہ مہمان ویران تقریب گاہ میں بے ترتیبی' بے زاری اور خوف کے عالم میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

ڈون کی اس روح پرور اور رنگین ضیافت نے عروج پر آنے کے بعد تیسری بار رنگ بدلا تھا۔ پہلے شراب و شباب کی افراط نے چہروں سے سنجیدگی کے نقاب نوچ کر ہر مہمان کو زندگی کی حرارت آمیز رعنائیوں میں غوطے دینے شروع کیے پھر کالا سانڈ کسی دیومالائی عفریت کی طرح باڑھ توڑ کر باہر نکلا تو ہر طرف وحشت' خوف اور افراتفری پھیلتی چلی گئی اور انجام کار' ڈان نیشی کاؤ کے قتل نے ہر طرف ایک سوگوار سی خاموشی پھیلا دی تھی اور اس خاموشی میں لوگ اپنے سایوں سے بھی خوفزدہ نظر آ رہے تھے۔ جب بھرے میدان میں ڈون کا خاص مہمان مار ڈالا گیا تھا تو پھر کوئی بھی شخص کسی اگلے وار کا نشانہ بن سکتا تھا۔

میرے اور غزالہ کے عروسی لباس کی وجہ سے لوگ ہمیں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ لوگوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے' ڈون کے آدمی نے اپنا پستول والا ہاتھ اس طرح چھپا لیا تھا کہ وہ لوگوں کی نظروں سے محفوظ ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود کسی نے ہمارے قریب آنے کی کوشش نہیں کی۔ دہشت' خوف اور مایوسی سے بوجھل ماحول نے ہر شخص کو اس کی ذات کے آہنی خول میں منجمد کر کے رکھ دیا تھا۔

ہمارے پیدل سفر کا اختتام اسی خوبصورت' سیاہ بگھی پر ہوا جس میں آٹھ سفید گھوڑے دو قطاروں میں جُتے ہوئے تھے۔ میں غزالہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ سارا' ریوالور بردار کے ساتھ ہمارے سامنے والی نشست پر بیٹھ گئی اور بگھی ہولے سے حرکت میں آ گئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آج یہاں کیا ہو رہا ہے؟" میں نے جمود توڑنے کی نیت سے سارا پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"آج ہم سب کی عقلیں ماؤف ہیں۔" سارا نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "مکاؤ میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی بدنصیب ڈون کی حویلی میں ایسی ہنگامہ آرائی کی جرات کرے گا۔ ڈون نے آج ناقابلِ بیاں تحمل سے کام لیا ہے۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ مشتعل ہو کر دس بیس آدمیوں کو خود ہی ٹھکانے لگا دیتا۔ آج اس کی عمر بھر کی ساکھ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا گیا ہے۔"

"لیکن وہ ہم سے کیوں بدک گیا؟ ہم تو شروع سے آخر تک اس کے ساتھ تھے' پھر حویلی میں ہمارا کسی سے بھی رابطہ نہیں تھا۔ ہم سے زیادہ بے بس اور بے ضرر تو کوئی بھی نہیں تھا۔" میں نے احتجاج کیا۔

"ڈون کے ذہن میں ہولناک لاوا کھول رہا ہو گا۔ وہ اس وقت اپنے آپے میں نہیں ہے۔" سارا نے مجھے سمجھایا۔ "اگر تم نے برداشت سے کام لیا اور اسے مزید برہم نہ کیا تو وہ ہر معقول بات کو مان لے گا۔ ڈون ہر معاملے میں انتہا پسند ہے۔ تم نے اسے قائل کر لیا تو تم پھر سے سُرخرو ہو جاؤ گے۔"

"لیکن ڈون کہاں رہ گیا؟ اب تقریب کا کیا بنے گا؟" میں نے پوچھا۔

"نیشی کاؤ کے قاتل کی تلاش ضروری ہے۔ ڈون اپنے مہمانوں سے معذرت کر کے ضیافت کے خاتمے کا اعلان کرے گا پھر مہمانوں کو پوچھ گچھ اور ضروری ہوا تو تلاشی کے بعد باری باری رخصت کیا جائے گا۔ یہ تمام بندوبست ڈون ہی کو کرنا ہو گا۔"

"تو کیا وہ خود مہمانوں کو رخصت کرے گا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "پھر تو شاید صبح ہونے سے پہلے حویلی میں واپس نہیں آ سکے گا۔"

"اس وقت ڈون کے بارے میں کوئی قیاس آرائی نہیں کی جا سکتی۔ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ سفارتی نمائندوں اور قرب و جوار کے ممالک سے آئے ہوئے اہم مہمانوں کو خود ہی رخصت کرے گا۔ وہ یہ پسند نہیں کرے گا کہ اس قدر بدمزگی کے بعد اس کے کسی اہم مہمان کے ساتھ اس کے آدمی بدتمیزی کر بیٹھیں اور وہ آئندہ ان کی میزبانی سے محروم ہو جائے۔"

رنگ میں بھنگ پڑنے کے بعد تقریب کا فوری اختتام تو یقینی نظر آ رہا تھا لیکن قاتل کی تلاش والا معاملہ تشویشناک تھا۔ اپنا کام دکھانے کے بعد سلطان شاہ ایک مرتبہ پھر لاپتا ہو گیا تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کہاں اور کس حالت میں ڈون کے شکاریوں کے ہتھے چڑھتا۔

"سلطان شاہ نجانے کہاں رہ گیا؟ اسے ہمارے ساتھ ہی نکل آنا چاہیے تھا۔" غزالہ اردو میں بڑبڑائی۔ "یہ لوگ اس وقت خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ وہ ان کے ہاتھ لگ گیا تو یہ اس کی بوٹیاں بھی اڑا سکتے ہیں۔ یہاں سے نکلنے تک ہم تینوں کو حتی الامکان ایک دوسرے کے قریب رہنا چاہیے۔"

"نکاح ہو جانے کے بعد کم از کم ہمارے قریب رہنے میں تو کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی۔"

وہ سر جھکا کر پھیکے انداز میں مسکرا دی۔ "یہ وقت مذاق کا نہیں ہے۔ ان باتوں کے لیے اب عمر پڑی ہے۔"

"بشرطیکہ ہمارا میزبان ہمیں یہاں سے زندہ نکل جانے دے۔" میں نے دانستہ ڈون کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد میرے دل میں یہ حسرت باقی رہے کہ تم سے شادی ہونے کے بعد بھی میں تمہارے ساتھ خوشی کے چند لمحے بھی نہیں گزار سکا۔ ہم سلطان شاہ کی عملی مدد کرنے سے معذور ہو گئے ہیں پھر اس کے بارے میں سوچ کر اپنے ذہن کو تھکانے سے کیا فائدہ؟ اسے تدبیر کے بجائے اب تقدیر کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔"

"سنو!" اچانک سارا نے آہستگی سے مجھے مخاطب کیا۔ "تم لوگ آپس میں زیادہ باتیں نہ کرو۔ موجودہ حالات میں یہی سمجھا جائے گا کہ تم ڈون کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہو۔"

"لیکن اس کھلی فضا میں ڈون نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ احمق آدمی انگریزی کے ساتھ ہی اردو سے بھی نابلد ہے۔ اسے کیا پتا کہ ہم کس زبان میں بات کر رہے ہیں؟ ہاں' تم مخبری کر گزرو تو اور بات ہے۔"

"تم مجھ سے ایسی امید رکھتے ہو؟" سارا نے اتنی اپنائیت کے ساتھ شکوہ کیا کہ میں بوکھلا گیا۔ "عام چینی بہت معصوم اور سیدھے سادے ہوتے ہیں۔ ان کے ملک میں جو چیز پہلی بار بنتی ہے' وہ سمجھتے ہیں کہ اسے انہی کی پارٹی اور قیادت نے ایجاد کیا ہے لیکن بگڑے ہوئے چینی بہت شاطر اور چالاک ہوتے ہیں۔ یہ بھی انگریزی تلفظ اور لب و لہجے سے مانوس ہے اور صرف اسی بنا پر اندازہ لگا سکتا ہے کہ تم کوئی دوسری زبان بول رہے ہو۔"

"ہم اپنے ساتھی کے بارے میں فکرمند ہیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر اسے بتایا۔ "حویلی میں داخل ہونے کے بعد تو ہم کھل کر بات بھی نہیں کر سکیں گے۔ نہ ہی تم ہمیں کوئی دوستانہ مشورہ دے سکو گی۔"

"یہ نہ سمجھ لینا کہ میں ڈون کی غدار ہوں۔" سارا نے چونک کر غزالہ سے وضاحت کی۔ "میں پوری طرح اس کی وفادار ہوں لیکن اسی کے ساتھ تمہاری پوزیشن بھی سمجھ رہی ہوں۔ اسی لیے تمہارے فائدے کی بات بتا رہی ہوں۔"

"خوبصورت لڑکیاں عام طور پر ڈینی سے بہت جلد ہمدردی محسوس کرنے لگتی ہیں۔" غزالہ نے مسکرا کر' خوش دلی کے ساتھ کہا لیکن اس کے الفاظ میں پنہاں طنز مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ وہ مجھ سے ہمیشہ اس امر کی شاکی رہتی تھی کہ عورتیں اور لڑکیاں میرے ساتھ بہت جلد بے تکلف ہو جاتی ہیں۔

سارا اپنی آزاد خیالی کی وجہ سے غزالہ کے الفاظ کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکی اور ایک ٹھنڈا سانس لے کر بولی۔ "تم خوش نصیب ہو کہ تمہیں ڈینی جیسا' چاہنے والا شوہر ملا ہے۔ اسی وجہ سے یہ مجھے پسند ہے کہ مجھے نہ سہی' یہ کسی ایک عورت کو تو دل و جاں سے چاہتا ہے۔ میری طرح تم بھی عورت ہو اور اچھی طرح جانتی ہو کہ عورت میں چاہے جانے کی خواہش کس قدر شدید اور مُنہ زور ہوتی ہے اور میں تو جب سے مکاؤ آئی ہوں' اپنی شناخت ہی کھو بیٹھی ہوں۔"

"شناخت؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔ "تم ڈون کی منظورِ نظر ہونے کے باوجود یہ شکایت کر رہی ہو؟"

"سارا ڈون کی منظورِ نظر نہیں ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "وہ ایک برطانوی شہزادی کا عاشق ہے۔ اس بے چاری کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو گا کہ مکاؤ کی اس حویلی میں اس کا ایک عاشقِ نامراد پل رہا ہے۔ ڈون نشے میں دھت ہونے کے بعد مجھ پر اسی وقت

مہربان ہوتا ہے جب میرے وجود میں اسے اپنی محبوبہ کا عکس نظر آنے لگتا ہے۔"

"کیا حویلی میں ہمیں قید کردیا جائے گا؟" غزالہ نے جلدی سے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

"فی الحال ایسی کوئی ہدایت نہیں دی گئی۔ تمہیں تہ خانے کے بجائے اسی پُرتعیش خواب گاہ میں پہنچایا جائے گا جو آج کے لیے سجائی گئی ہے۔ اس سے آگے کا فیصلہ ڈون کی واپسی کے بعد ہوگا۔"

آٹھ گھوڑوں والی بگھی آہستہ آہستہ حویلی سے قریب ہوتی جا رہی تھی۔ اسی کے ساتھ آزادانہ گفتگو کے لمحات بھی ختم ہونے والے تھے اس لیے میں نے باقی ماندہ مہلت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرلیا۔

"اور اگر ہمارا ساتھی واپس آیا تو اس کا کیا بنے گا؟" میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

"آج کے لیے اس کا کمرا تمہاری خواب گاہ سے ملحق ہے۔ اسے وہاں پہنچا دیا جائے گا۔" وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی' پھر پُرتفکر انداز میں گویا ہوئی۔ "یہ بات واقعی قابلِ غور ہے کہ ڈون کی حویلی میں پے درپے سنگین واقعات کیوں رونما ہو رہے ہیں۔ صرف ڈیوڈ تاؤ کی موت ایک طے شدہ مقابلے کا نتیجہ تھی ورنہ شوائے کی خودکشی' تقریب کی برہمی اور نیشی کاؤ کا قتل' سب ہی ناقابلِ فہم واقعات ہیں۔ اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ ان واقعات کا سلسلہ تمہاری آمد کے بعد شروع ہوا ہے....."

"میں خود فکر مند ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "اب ڈون کی بھری حویلی میں صرف تم ہی ہماری ہمدرد رہ گئی ہو۔ کوئی سنگین صورتِ حال رونما ہونے والی ہو تو ہمیں باخبر ضرور کر دینا۔"

"میں وعدہ نہیں کرتی لیکن کوشش ضرور کروں گی۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

اچانک پختہ سڑک پر صحت مند گھوڑوں کے سموں کی آواز تھم گئی۔ سارا کے ساتھ بیٹھے ہوئے بدنما چینی نے اپنے ریوالور کی نال ہلا کر ہمیں نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ پہلے میں نیچے اترا پھر میں نے سہارا دے کر غزالہ کو بھی سیاہ بگھی سے نیچے اتار لیا۔ اسی لمحے برآمدے کے ستونوں کی آڑ سے مزید دو چینی سامنے آگئے۔ وہ دونوں' ڈون کی حویلی کی روایات کے برعکس دبلے پتلے تھے لیکن ان کے تیور کسی بھی طرح دوستانہ نہیں تھے۔

ان دونوں نے پہلوؤں پر سرک کر ہمیں اپنے درمیان میں سے گزرنے کا راستہ دیا پھر ہمارے پیچھے مسلح چینی اور سارا کے ساتھ ہولیے۔ سارا نے ان کے ساتھ چینی زبان میں باتیں شروع کردی تھیں۔

کشادہ' بلند اور آراستہ راہداریوں سے گزرنے کے بعد سارا نے ہمیں اسی ہال میں داخل ہونے کی ہدایت دی جہاں ڈون کی کنوئیں میں اترنے والی مشینی مسند موجود رہتی تھی۔ ہال میں پہنچنے کے بعد سارا تیزی کے ساتھ آگے آگئی اور اس نے ہماری رہنمائی کا فرض سنبھال لیا۔

سارا کا رخ ان حریری پردوں کی طرف تھا جن کے عقب سے ڈون کی پالی ہوئی حسین و جمیل لڑکیاں برآمد ہوا کرتی تھیں۔ ادھر جا کر اندازہ ہوا کہ ان پردوں کے پیچھے کوئی دیوار نہیں تھی بلکہ محرابیں بنا کر اسی ہال کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا' اس طرح حریری پردوں کے اس پار' نرم قالین سے مزین ایک وسیع دالان وجود میں آگیا تھا۔ اس دالان کے اختتام پر متعدد چوبی دروازے نظر آرہے تھے جو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے درمیانی فاصلے سے کمروں کی کشادگی کا اندازہ ہوتا تھا۔

سارا ہمیں اس قطار کے آخری کمرے کی طرف لے گئی اور سنہری دستہ گھما کر وزنی دروازہ کھول دیا۔

"اور سلطان شاہ کے لیے کون سا کمرا مخصوص ہے؟" میں نے اندر داخل ہونے سے پہلے سوال کیا۔

"یہ کمرا نہیں' پورا مکان ہے۔" وہ بولی۔ "ساری حویلی میں یہ سب سے شاندار خوابگاہ ہے۔ اندر سونے کے کمرے کے علاوہ نشست گاہ اور ملازم کا کمرا بھی ہے۔ تمہارا ساتھی ملازم والے کمرے میں لایا جائے گا۔ وہ کمرا بھی ہر قسم کی سہولتوں سے آراستہ ہے۔"

میں نے مقامی انداز میں اپنے سر کو قدرے خم دیا اور منقش چوبی دروازے سے گزر کر اندر داخل ہوگیا۔ غزالہ مجھ سے پہلے اندر داخل ہوچکی تھی اور چند قدم آگے مبہوت سی کھڑی تھی۔

میں نے وہاں سب سے پہلے دو باتیں نوٹ کیں کہ بقیہ حویلی کے برعکس اس حصے کی بلندی کسی بھی طرح بارہ فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ دوم یہ کہ وہاں کہیں بھی دیوار کا وجود نہیں تھا بلکہ قالین سے چھت تک اونچے اونچے بے داغ اور بے جوڑ آئینے آویزاں تھے جن میں کرسٹل کے دمکتے ہوئے' سقف گیر فانوس کے سیکڑوں عکس جھلملا رہے تھے۔ آئینوں کی کثرت کی وجہ سے نکاسی کے راستے کا تعین کرنا دشوار تھا۔ کیوں کہ کھلے ہوئے راستے کے پیچھے' اندر بھی آئینے ہی آئینے آویزاں تھے۔

آئینوں کی ان دیواروں کی اونچائی میں کہیں کوئی جوڑ نہیں تھا اور شاید اسی وجہ سے اس حصے کی بلندی بارہ فٹ تک محدود رکھی گئی تھی کیوں کہ اس سے بڑے آئینے ملنے شاید محال تھے البتہ چوڑائی میں ہر چار فٹ پر جوڑ تھا جسے سنہری پٹیوں سے سجا دیا گیا تھا اسی طرح چھت پر آئینوں کے ٹائل آویزاں تھے۔

داخل ہوتے ہی لابی نما حصہ تھا۔ جب چند منٹ بعد میری نگاہیں اس ماحول کی عادی ہوئیں تو بائیں ہاتھ پر ایک کمرا نظر آیا اس کے کھولنے پر ہمیں پہلی بار پردے اور دیواریں نظر آئیں۔ یہ کمرا بھی بہت آراستہ اور پُرآسائش تھا۔ وہاں دوہرا بستر موجود تھا۔ اگر ہمیں وہاں شب بسری کے لیے کہا جاتا تو ہم کوئی سبکی محسوس نہیں کرتے لیکن سارا ہمیں بریف کرچکی تھی۔

"یہ سلطان شاہ کا کمرا ہے۔ آؤ اس حیرت کدے میں آگے چلتے ہیں۔" میں نے نرمی اور محبت کے ساتھ غزالہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "یہ تو واقعی تصوراتی دنیا معلوم ہو رہی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ ڈون کے پاس دولت ابل رہی ہے۔" غزالہ بے خیالی میں کہہ گئی۔

میں نے اسے گھورا پھر سلفے کا کش لینے کا اشارہ کرکے اسے یاد دلایا کہ وہ ہیروئن کے ایک بادشاہ کی حویلی میں موجود تھی جہاں دولت کا ہر شمار اپنی وقعت کھو بیٹھتا تھا۔

لابی میں آبنوس کے مخملیں صوفے سجے ہوئے تھے اور اندرونی دیوار کا پورا ایک شیشہ ہٹا کر اندر جانے کا راستہ بنایا گیا تھا۔ اس راستے سے گزرنے کے بعد آئینوں کی دیواروں والی نشست گاہ تھی جہاں بیش قیمت قالین پر نہایت خوبصورت فرنیچر سجا ہوا تھا۔ شاید فرنیچر کی تیاری میں صندل کا استعمال بکثرت کیا گیا تھا کیوں کہ فضا میں صندل کی بھینی بھینی خوشبو سے مہک رہی تھی لیکن عجیب بات یہ تھی کہ اس نشست گاہ کی بقیہ تین دیواروں میں کہیں کوئی دروازہ یا خلا نہیں تھا۔ ہمیں ہر طرف اپنے اور روشنیوں کے عکس کا تسلسل نظر آرہا تھا۔

غزالہ سحر زدہ انداز میں اس طلسماتی ماحول کو دیکھ رہی تھی لیکن مجھے اصل خوابگاہ کی فکر تھی۔ میں نے کسی اندھے کی طرح' ایک طرف سے آئینے کی دیواروں کو ٹٹولنا شروع کردیا۔

پھر میں جوں ہی بائیں دیوار کے ایک حصے کے سامنے پہنچا تو میرے ہاتھ لگانے سے پہلے ہی ایک پورا آئینہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر' خود بخود ایک طرف سرک گیا اور اس جگہ تقریباً چار فٹ چوڑا خلا نمودار ہوگیا۔ وہ راستہ نمودار ہوتے ہی غزالہ تحیرزدہ انداز میں میری طرف لپکی اور ہم اس راستے سے اپنی پُرشکوہ خوابگاہ میں داخل ہوگئے۔ ہمارے چند قدم آگے جانے کے بعد دروازے نما آئینہ سرک کر اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ اس آئینے کے ایک حصے میں سنہری گھنڈی نصب تھی۔ میں اسے آزمانے کی نیت سے آگے بڑھا تو وہ راستہ دوبارہ نمودار ہوگیا مگر میں نے بڑھ کر اُس گھنڈی پر ہاتھ ڈالا تو وہ بہ آسانی ایک طرف سرک گئی اور پھر میرے وہاں سے ہٹے بغیر وہ راستہ دوبارہ بند ہوگیا۔ وہ کمرا بھی صندل کی قدرے تیز اور وحشیانہ خوشبو سے مہک رہا تھا۔

وہ بندوبست بھی ڈون کے اعلیٰ ذوق کا آئینہ دار تھا کہ وہ راستہ اسی سمت سے مقفل ہو سکتا تھا' جدھر خلوت کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔ باہر گھنڈی تھی' نہ راستہ مقفل کرنے کا کوئی اور انتظام۔

پھر میں آئینہ گیر سوئچ بورڈ پر طبع آزمائی کی تو روشنیاں یکے بعد دیگرے بجھتی چلی گئیں لیکن آخری روشنی گل ہوتے ہی اس خواب گاہ میں ستاروں کی ایک کہکشاں اتر آئی۔ خوابگاہ میں کہیں کوئی ننھا سا بلب روشن تھا اور ہر طرف اس کا عکس جھلملا رہا تھا۔ چھت میں نصب آئینے کے ہر ٹائل میں پڑنے والے عکس کی بنا پر پوری چھت ستاروں یا جگنوؤں سے بھری ہوئی نظر آرہی تھی۔ عکس در عکس پیدا ہونے والی اس صورتِ حال میں حقیر ترین روشنی کے اصل مخرج کا سراغ لگانا ناممکن تھا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ وہ خوابگاہ بلور کی بے شمار چھوٹی بڑی آرائشی اشیا سے بھری ہوئی تھی کیوں کہ بلور کے ہر کٹ اور کرسٹل میں بھی اسی نادیدہ روشنی کے جگنو جھلملا رہے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ہم طلسم ہوشربا کے دور میں چلے گئے ہیں۔" غزالہ کی ہیجان آمیز سرگوشی ابھری۔ کمرے میں پھیلے ہوئے انعکاس میں' میں اسے بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو۔" میں نے جذبات سے مغلوب ہو کر اُس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "اپنے سفید عروسی لباس میں تم کوہ قاف کی پری لگ رہی ہو۔ تمہارے سحر انگیز وجود نے اس ماحول کو اور بھی پُراسرار بنا دیا ہے۔ اس رات کے لیے ہم اس سے بہتر کی آرزو نہیں کرسکتے تھے۔"

"ابھی دور رہنا' ڈیبی!" غزالہ نے سختی سے کہا۔ "یہ نہ بھولو کہ ہم ریوالور کی زد پر یہاں لائے گئے ہیں۔ ڈون کسی بھی لمحے ہمیں طلب کر سکتا ہے۔ کاش! آج ہم پر ریوالور نہ تانا گیا ہوتا! ایک طرف ڈون نے ہمیں اس قدر عزت اور آسائش مہیا کرکے عرش پر پہنچا دیا پھر اپنے ایک حقیر کارندے کے ہاتھوں ہمیں تحت الثریٰ میں پھنکوا دیا۔ وہ واقعہ نہ ہوا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا!"

میں نے بہت ملائمت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ غزالہ نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں بھی آرزوؤں اور امنگوں کے جگنو چمک رہے تھے۔ چند لمحوں تک ہم دونوں پتھر کے بتوں کی طرح' یونہی کھڑے ایک دوسرے کی بولتی ہوئی آنکھوں میں جھانکتے رہے' پھر غزالہ اچانک ہی میرے سینے سے لگ گئی اور میں نے اس کے پگھلتے ہوئے وجود کو اپنی مضبوط بانہوں میں سمیٹ لیا۔

○☆☆○

خواب گاہ میں جلترنگ جیسی گھنٹی کی موہوم سی مترنم آواز گونجی تو میں چونک پڑا۔ غزالہ تو ہڑبڑا کر نرم اور شاہانہ مسہری سے ہی اتر گئی۔

گھنٹی کی وہ آواز اس قدر موہوم اور مختصر سی تھی کہ اگلے ہی لمحے مجھے شبہ ہونے لگا کہ کہیں وہ میرا وہم نہ رہا ہو' میرے ذہن میں بجنے والی گھنٹیوں کی بازگشت نہ ہو لیکن چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہی آواز دوبارہ ابھری اور غزالہ نے بھی مجھے جھنجھوڑا تو مجھے پھرتی سے مسہری چھوڑنی پڑی۔

میں نے ایک سوئچ آن کیا تو روشنی ہوتے ہی، آئینوں میں نظر آنے والے ہزاروں جگنو یکلخت معدوم ہو گئے۔ کمرے میں کہیں بھی اس ننھی سی پُراسرار روشنی کا وجود باقی نہیں رہا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے سورج طلوع ہونے کے بعد ستارے خلا کی بے کراں پنہائیوں میں کھو جاتے ہیں۔

میں نے جونہی سنہری گھنڈی کو اس کی جگہ سے سرکایا، آئینے کی دیوار کا وہ حصہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور میں نے سارا کو اپنے مقابل پایا۔ اس کے پیچھے ڈون کسی بپھرے ہوئے بلڈاگ کی طرح اپنا مُنہ سُجائے ایک صوفے میں دھنسا ہوا تھا۔

"ڈون تم سے بات کرنے آیا ہے۔" سارا نے سہمے ہوئے لہجے میں مجھے مطلع کیا۔ وہ واڈکا کی بوتل تھامے ہوئے تھی۔

"بس تم آجاؤ، لڑکی کو بلانے کی ضرورت نہیں۔" مجھے مڑتے دیکھ کر ڈون بیٹھے بیٹھے غرایا۔ اس کا لہجہ بہت درشت تھا۔ میں ننگے پاؤں ہی باہر نکل آیا۔

میں نے رکوع کی حد تک جھک کر ڈون کو خوشامدانہ تعظیم دی اور اُس کی جھڑکی نما ہدایت پر، اس کے سامنے ہی دوسرے صوفے پر براجمان ہو گیا۔ سارا بھی سکڑ کر ایک طرف بیٹھ گئی۔

"تمہارا تیسرا ساتھی کہاں ہے؟" ڈون کے پہلے ہی سوال نے میرے حواس گم کر دیے۔

"مم... میں... ہم خود اس کی طرف سے فکر مند ہیں۔" میں نے اپنے اوسان بحال کرنے کی مہلت لینے کے لیے ہکلاہٹ کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔

"وہ بلو پائپ کی سوئی نہیں تھا جو مٹی میں گر کر غائب ہو گیا۔" ڈون غصے میں دہاڑا۔ "سچ سچ بتاؤ کہ وہ کہاں ہے اور یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ مجھے درست جواب نہ ملا تو میں جوتے مار مار کر تمہاری کھال گرا دوں گا۔ یہ نہ سمجھنا کہ نادر ہیرے دے کر تم نے ڈون کو خرید لیا ہے۔"

ڈون کی آواز میں طنز، تضحیک اور دھمکی کے سارے ہی عناصر سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔ میں نے سر جھکا کر مغموم آواز میں کہا۔ "تم نے اس کے بارے میں سوال کر کے مجھے دہلا دیا ہے۔ کہیں وہ سانڈ کے کُھروں تلے ہی نہ کچلا گیا ہو۔ تم اجازت دو تو میں تمہارے آدمیوں کی نگرانی میں اسے تلاش کروں۔"

"بکو مت! میرے آدمی اندھے نہیں ہیں جو انہیں تمہاری آنکھوں کی ضرورت محسوس ہو۔ وہ اسے حویلی میں ہی نہیں، پورے مکاؤ میں سونگھتے پھر رہے ہیں۔ وہ جہاں بھی ہوا، کسی خارش زدہ کتے کی طرح پکڑا جائے گا۔" ڈون نے درشت اور اونچی آواز میں کہا۔

"یہ میری بدنصیبی ہے کہ تم ہم سے بدگمان ہو گئے ہو۔" کسی واضح کوشش کے بغیر میری آواز خود بخود رُندھ گئی۔ "تم ہمارے محسن ہو۔ میں تمہارے بارے میں کوئی غلط بات سوچ بھی نہیں سکتا۔ جہاں تک شاہی ہیروں کا تعلق ہے تو وہ تمہارے ہی تھے اور میں نے تمہیں پہنچا دیے۔ مجھے یقین ہے کہ میرا ساتھی کہیں نہیں گیا۔ وہ جس حال میں بھی ہو، اسی حویلی میں ہو گا اور جلد یا بدیر تمہارے سامنے آجائے گا۔"

"ویرا جمعہ جمعہ آٹھ دن کی لڑکی ہے۔ اس الّو کی پٹّھی نے کچھ سوچے سمجھے بغیر مجھے تمہارے معاملات میں الجھا دیا۔ اگر تم اسی قدر معصوم ہو تو مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے قدموں میں ایسی کون سی برکت ہے کہ تمہارے آتے ہی یہاں آسمان سے لاشیں برسنے لگیں؟" ڈون نے جھلا کر سوال کیا۔

"ویرا تمہاری مُنہ بولی بیٹی ہے، ڈون! ہماری وجہ سے اسے بُرا بھلا مت کہو۔ ہمارا قصور ثابت ہو جائے تو تم بے شک ہمیں سولی چڑھا دینا۔ تم نے ہمیں چند روز میں اتنی عزت دی ہے جو ہم نے عمر بھر بھی نہیں کمائی ہو گی۔ ہم تم سے کیسے ٹکر لے سکتے ہیں؟"

"پھر یہ کیا ہو رہا ہے؟" ڈون صوفے میں پہلو بدلتے ہوئے دہاڑا۔

اچانک میری کھوپڑی پر جمی ہوئی برف پگھلنی شروع ہوئی اور میں نے آہستگی سے کہا۔ "مشتعل ہونے کی وجہ سے تم اپنے دشمنوں کو فراموش کر رہے ہو۔"

ڈون کے مُنہ سے اضطراری طور پر مغلّظات کا ایک طوفان ابل پڑا۔ سارا کی موجودگی کی پروا کیے بغیر وہ اپنے دشمنوں کے لیے ایسی ایسی نادر الوجود گالیاں ایجاد کرتا رہا جو تکنیکی اعتبار سے یکسر ناقابلِ عمل تھیں۔ جب اس کا ابال ذرا کم ہوا تو وہ بولا۔ "مکاؤ میں کون مائی کا لال ہے جو ڈون کی دشمنی مول لے گا۔ سب جانتے ہیں کہ میں کون ہوں۔ میں تو اپنے دشمن کو اس کی ماں کی کوکھ سے بھی گھسیٹ سکتا ہوں۔"

"تم وان لن کو بھول رہے ہو۔" مجھے خوشی تھی کہ میری کھوپڑی چل پڑی تھی اور اس میں ایک جاندار کہانی کا تانا بانا شروع ہو گیا تھا۔

میری زبان سے وان لن کا نام سنتے ہی ڈون بری طرح چونکا مگر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔ "اس وقت اُس حرامی کا ذکر کہاں سے آ گیا۔ اس کی تو ہڈیاں تک مگرمچھ کھا چکے ہوں گے۔"

"کوئی نہ کوئی تو وجہ ہو گی کہ وہ تمہارے خلاف درپردہ سازشیں کرنے کے باوجود مکاؤ میں پنپ رہا تھا؟" میں نے پُراعتماد انداز میں کہا۔

"وان لن!" ڈون نے دہرایا پھر الجھن آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟ مجھ سے کھل کر بات کرو!" اس بار ڈون کی آواز اونچی نہیں تھی۔

"سیدھی سی بات ہے، ڈون۔ تمہارے خلاف وان لن اکیلا نہیں تھا۔ مکاؤ میں اس کے معاون، دوست اور ہمدرد بھی رہے ہوں گے۔ وان لن کے عبرت ناک انجام کے بعد کچھ ڈر گئے ہوں گے لیکن ان ہی میں سے بعض غدّار وان لن کے قتل کا انتقام لینے پر بھی تل سکتے ہیں۔"

میں ڈون کے تاثرات کا اندازہ لگانے کے لیے لمحہ بھر کو رکا تو وہ بے تابی کے ساتھ بولا۔ "رک کیوں گئے، بولتے رہو۔ میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔"

"وان لن کو تم نے نہیں، میں نے مارا تھا۔ بعد میں تم نے میری پشت پناہی کی۔ اب اگر تم مجھ سے بدگمان ہو کر مجھے مار ڈالتے ہو تو یہ ان کی ایک بڑی کامیابی ہو گی۔ تم خود ہی اپنے غدار کے قاتل کو سزا دو گے اور تمہارے حریف خوشیاں منائیں گے۔" میں نے اپنی مدافعت کا پہلو اجاگر کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن انہیں میری حویلی پر کیسے کنٹرول حاصل ہو گیا؟" ڈون کافی حد تک ٹھنڈا ہو گیا تھا اور براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ تمہاری طرح مکاؤ کے پرانے باسی ہوں گے۔ شوائے ہمارے ساتھ باہر گئی تو بازاروں کی بھیڑ بھاڑ میں کئی مرتبہ اِدھر اُدھر ہو گئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس دوران میں، ان میں سے کسی نے شوائے کو گھیرنے کی کوشش کی ہو۔ اس کی کسی کمزوری کی بِنا پر اسے بلیک میل کر کے تمہارے خلاف استعمال کرنا چاہا ہو۔ وہ اپنی کمزوری سے ڈرتی تھی اور تم سے بھی غداری نہیں کر سکتی تھی۔ اسی کشمکش میں اس نے خود ہی اپنی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس طرح تمہارے حاسد تمہاری حویلی میں پھٹکے بغیر ایک المناک واردات کو جنم دینے میں کامیاب ہو گئے۔" میری کہانی غیر معمولی حد تک مربوط اور قابلِ فہم ہو چلی تھی۔

"تم یہ سب ایسے بتا رہے ہو جیسے ساری منصوبہ بندی تمہاری ہی رہی ہو۔" ڈون نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ تم بھی میرے زیرِ زمیں حریفوں سے ملے ہوئے ہو؟"

اس کے آخری فقرے نے میرا خون خشک کر دیا۔ میں نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "بار بار مجھ پر شبہ نہ کرو۔ میں ان کا چیلا ہوتا تو وان لن کبھی میرے ہاتھوں نہ مارا جاتا۔ مجھے تو فخر ہے کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے تمہارے ایک غدار کو جہنم واصل کیا اور تم مجھ پر ہی شبہ کر رہے ہو۔"

"اور بعد کے واقعات؟" ڈون نے سوال کیا پھر سارا کے ہاتھ سے واڈکا کی بوتل لے کر، ڈھکن کھولنے کے بعد مُنہ سے لگا لی۔ ایک طویل گھونٹ اپنے معدے میں اتارنے کے بعد اس نے بوتل سارا کو لوٹا دی۔

"بعد میں کچھ بھی نہیں ہوا، جو کچھ ہوا، آج ہی ہوا ہے اور مجھے اس میں انہی لوگوں کا ہاتھ نظر آتا ہے۔"

ڈون نے چند ثانیوں تک کچھ سوچا جیسے میرے بیان کی صداقت کا حساب لگا رہا ہو، پھر پوچھا۔ "وہ کیسے؟"

"میرے آنے سے پہلے تک تمہیں اندازہ نہیں تھا کہ وان لن تمہاری دشمنی میں کتنا آگے جا چکا ہے۔ اس وقت تک تم دعوت نامے جاری کر چکے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ وان لن زندہ ہوتا تو وہ بھی تمہارا مہمان ہوتا۔ تقریب میں بہت سے ایسے لوگ آئے ہوں گے جو درپردہ وان لن کے ہمدرد ہوں....."

ڈون نے مکّا لہرا کر میری بات کاٹ دی اور پُرجوش لہجے میں بولا۔ "بس میں سمجھ گیا۔ یہ سب وان لن کے دوستوں کی سازش ہے۔ میں ان سب کو فنا کر دوں گا۔ شاید تمہیں معلوم نہ ہو کہ آج میرے سترہ مہمان شدید زخمی ہوئے۔ میرے بچپن کے دوست، نیشی کاؤ کے دیدہ دلیرانہ قتل کے علاوہ تین آدمی کچل کر مرے اور دو بوڑھی عورتوں کے ہارٹ فیل ہو گئے۔ اتنی بڑی تباہی کے بعد تو میں مکاؤ کو جہنم بنا دوں گا۔ تمہاری باتیں میرے دل کو لگتی ہیں۔ وان لن کے قریبی ساتھیوں پر یہ رات بہت بھاری پڑے گی۔ میں انہیں مزید ڈھیل نہیں دوں گا۔"

ڈون شیشے میں اتر آیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ میری حاشیہ آرائی سے متاثر ہو کر وان لن والی کہانی میں الجھ گیا تھا۔ وہ مکاؤ کو جنت بناتا یا جہنم۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ جس شہر کے جواری شرطوں میں اپنی بیویاں ہار کر دوسروں کی بیویاں جیتنے کے خواب دیکھتے ہوں، اس پر قیامت ٹوٹنی ہی چاہیے تھی۔ میں تو بس اپنا اور اپنے ساتھیوں کا تحفظ چاہتا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وان لن کے سارے قریبی ساتھی اس سازش میں شریک نہ ہوں۔" قدرے توقف کے بعد میں نے مساویانہ انداز میں اپنی رائے ظاہر کی۔ "لیکن مکاؤ میں تمہاری بالادستی قائم رکھنے کے لیے ان کی سرکوبی ضروری ہے۔ آج تم اپنے حریفوں کا یہ کاری وار سہہ کر خاموش بیٹھ گئے تو کل مکاؤ کے دوسرے شورہ پشت بھی ہمت پکڑ لیں گے۔"

"میں یہ سب باتیں بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں۔" اس نے جز بز ہو کر کہا۔ میری باتیں شاید اس کے تازہ زخموں پر نمک پاشی کر رہی تھیں۔ "میں نے اپنی پوری عمر اسی میدان میں گزاری ہے اور میں اپنے حریفوں کا سر کچلنے کی اہمیت سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم اپنے اصل دشمنوں کو پہچاننے میں کامیاب ہو گئے ہو ورنہ میں تمہاری برہمی سے بہت زیادہ خوف زدہ تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں تمام تر عزت افزائی کے بعد تم اس حسین اور نازک شیش محل کو ہمارے مقبرے میں ہی تبدیل نہ کر دو۔"

ڈون پہلی بار آسودہ انداز میں ہنسا اور مربّیانہ انداز میں بولا۔ "تم بہت معصومانہ انداز میں باتیں کرتے ہو۔ آئینوں والی اس خواب گاہ کے لیے شیش محل کا نام تمہیں پہلی بار سوجھا ہے اور یہ اچھا نام ہے۔ یہ شیش محل حسین اور پُرتعیش ضرور ہے مگر نازک نہیں ہے۔ یہ تمام آئینے بلٹ پروف ہیں۔ ریوالور یا پستول تو

درکنار، سات ملی میٹر کی رائفل کی گولیاں بھی ان آئینوں پر خراش نہیں ڈال سکتیں۔ بلجیم کی وان ہاگ کارپوریشن نے یہ بیش قیمت آئینے میرے علاوہ صرف امریکی حکومت کو فراہم کیے تھے۔ امریکا میں ایسے آئینے وہائٹ ہاؤس میں نصب کیے گئے ہیں۔ چاہو تو ان آئینوں کی مضبوطی کو آزما سکتے ہو۔"

"مجھے تمہارے دعوے پر پورا یقین ہے۔" میں نے پورے خلوص سے کہا۔ "اصل خوابگاہ کی سجاوٹ میں بلور اور کرسٹل کے فیاضانہ استعمال نے اسے مسحور کن بنا دیا ہے۔ روشنیاں گُل ہوتے ہی، اس خوابگاہ کے گوشے گوشے میں کہکشاں جگمگانے لگتی ہے۔"

"اور یہی میرے منصوبہ سازوں کا کمال تھا کہ انہوں نے میرے تصور کو حقیقت کا روپ دے دیا۔" ڈون پُرغرور انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "اس موہوم سی روشنی کا مخرج ایک راز ہے۔ آئینوں میں اس کے ہزاروں عکس ضرور نظر آتے ہیں لیکن اصل روشنی کا سراغ لگانا ناممکن ہے۔ شادی کی پہلی رات کے لیے وہ کمرا مخصوص کر کے میں نے تمہاری عزت افزائی کو درجۂ کمال پر پہنچانے کی کوشش کی تھی لیکن تقریب میں ہونے والی بدمزگی نے آج کا سارا لطف غارت کر دیا....."

"میرے نزدیک اس بدمزگی سے زیادہ اہمیت تمہاری برہمی کی تھی۔ جو مر گئے، انہیں دوبارہ زندہ کرنا ناممکن ہے لیکن تمہارا موڈ بحال نہ ہوتا تو ہم بھی ان مرنے والوں میں شامل ہو سکتے تھے۔"

اپنی بڑائی کا اعتراف سن کر ڈون زور زور سے ہنسنے لگا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر سارا سے واڈکا کی بوتل لے کر اپنے مُنہ سے لگالی اور دو گھونٹ لینے کے بعد بوتل میری طرف بڑھا دی۔

"تم بھی پیو!" اس نے پُرخلوص تحکم کے ساتھ کہا۔ "یہ روس کی بہترین شراب ہے جو آلو سے کشید کی جاتی ہے، یہ پیتے ہی تم سرور میں آ جاؤ گے۔ ابھی تم اناڑی ہو لیکن کچھ دن میرے مہمان رہے تو عمدہ شرابیں پی کر بہکنے کا سلیقہ بھی سیکھ جاؤ گے۔ لو! ڈرنے کی ضرورت نہیں، یہ تمہیں الٹا نہیں کرے گی۔"

میں خود بھی اپنا حلق تر کرنے کی ضرورت محسوس کر رہا تھا لیکن ڈون کی دانست میں، مَیں نیا شرابی تھا، اس لیے میں نے ڈرتے اور جھجکتے ہوئے اس کے ہاتھ سے بوتل لے لی اور پوچھا۔ "لیکن یہ تو خالص شراب ہے۔ تم نے کہا تھا کہ یہ پانی ملا کر پی جاتی ہے۔ نیٹ پینے سے عادی شرابی بھی پناہ مانگتے ہیں۔"

ڈون نے میرے احمقانہ سوال پر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور تقریباً کراہتے ہوئے بولا۔ "اپنے اخذ کیے ہوئے یہ نتائج میری ذات سے منسوب نہ کرو۔ وہ بات وہسکی کے لیے کہی گئی تھی۔ واڈکا میں صرف برف ڈالی جاتی ہے۔ ہر شراب پینے کا الگ قرینہ ہوتا ہے۔ کل کو تم وائن اور شیمپئن میں بھی سوڈا یا پانی ملانے لگے تو میرے ہاتھوں سے پٹو گے۔ بہت سی شرابیں پانی کی طرح بے ضرر ہوتی ہیں۔ ان میں کچھ نہیں ملایا جاتا۔"

میں نے بوتل مُنہ سے لگا کر، ایک بڑا سا گھونٹ لیا اور بُرے بُرے مُنہ بنا کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔ ڈون دلچسپی کے ساتھ میرا جائزہ لیتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ فرصت اور قدرے بے فکری کے ان لمحات میں وہ ایک مرتبہ پھر اپنی لٹکی ہوئی، باریک مونچھیں مروڑنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ شاید وہ اُس کی اضطراری عادت تھی جس پر قابو پانا اس کے بس سے باہر تھا۔

اچانک اس نے اپنے دونوں پیر آگے کی طرف پھیلا دیے۔ شاید وہ کسی قسم کا اشارہ تھا کیوں کہ سارا نے فوراً ہی قالین پر بیٹھ کر اس کی پنڈلیاں دبانی شروع کر دیں۔

تقریب میں ہونے والی ہنگامہ آرائی کا ایک جواز سامنے آ جانے کے بعد، ڈون کا اشتعال پانی کے بلبلوں کی طرح ختم ہو چکا تھا اور وہ موڈ میں آگیا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں مجھے اکسا کر مزید پینے پر آمادہ کیا اور پھر میرے ساتھ چھیڑ چھاڑ کے درمیان ہی تاکید کی کہ میں واپس لوٹنے کے بعد ویرا سے اس بات کا ہرگز ذکر نہ کروں کہ اس نے اشتعال اور غصے کے عالم میں ویرا کو گالیاں دی تھیں۔

اس کی زبان سے واپسی کا ذکر سنتے ہی، میں نے مکاؤ سے جلد از جلد واپسی کی خواہش کا اظہار کر دیا۔ اس وقت میرا ذہن سلطان شاہ میں الجھا ہوا تھا۔ میں اس کی واپسی، بلکہ سلامتی کے بارے میں فکرمند تھا لیکن میں خاموشی کے ساتھ ڈون کی کھوجی پارٹی کی طرف سے آنے والے نتائج کا انتظار کرنے پر مجبور تھا اور اس کی بازیابی کے بغیر مکاؤ سے نکلنے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن اس کے ساتھ ڈون کی طرف سے روانگی کی اجازت ملنی بھی بہت ضروری تھی۔ عام حالت میں، مَیں اس سے تکرار نہیں کر سکتا تھا لیکن اس تخلیے میں، اپنے نشے میں ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ڈون سے ضد اور بحث شروع کر دی۔

وہ سلسلہ جاری تھا کہ باہر سے یک بیک کچھ آوازیں آنے لگیں۔ یوں معلوم ہوا جیسے بیرونی دروازہ کھول کر کچھ افراد اندر آئے ہوں۔ ڈون مطمئن بیٹھا رہا۔ اس لیے میں بھی تردّد کا اظہار نہیں کر سکا۔

چند سیکنڈ بعد ہی، آئینوں کے درمیان موجود خلا میں ایک زرد رُو چینی نمودار ہوا۔ ڈون کو تعظیم دینے کے بعد اس نے مشینی انداز میں کچھ چیاؤں میاؤں کی اور الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔

"مبارک ہو!" اس کے جاتے ہی ڈون نے مجھ سے کہا۔ "تمہارا ساتھی مل گیا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ زخمی حالت میں دور افتادہ جھاڑیوں میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔"

"زخمی اور بے ہوش!" میں نے حیرت اور بے یقینی سے دہرایا۔ "یہ تو افسوس کی بات ہے، ڈون۔ تم خوشی کا اظہار کیوں کر رہے ہو؟"

"یہ اُس کی بے گناہی کا کھلا ثبوت ہے۔" ڈون ہنستے ہوئے بولا۔ "وان لن کے ساتھیوں والی کہانی کے بعد اس کی پوزیشن صاف ہو گئی تھی لیکن تم اسے اضافی ثبوت کہہ سکتے ہو۔"

ڈون اپنی کھوپڑی کے مطابق صحیح کہہ رہا تھا۔ سلطان شاہ کے یکایک لاپتا ہو جانے کی وجہ سے ڈون کے ذہن میں شکوک و شبہات کے زہریلے بچھو کلبلانے لگے تھے اور اس نے سلطان شاہ کی تلاش میں نہ صرف حویلی میں بلکہ پورے مکاؤ میں آدمی پھیلا دیے تھے۔ سلطان شاہ کے مل جانے کے بعد بیک وقت بہت سی باتیں صاف ہو گئی تھیں۔ اوّل یہ کہ وہ حویلی سے کہیں فرار نہیں ہوا تھا بلکہ زخمی ہو جانے کے بعد جھاڑیوں میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ وہ زخمی اور بے ہوش تھا اس لیے اُس پر یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ نیشی کاؤ کے قتل میں اس کا کوئی ہاتھ رہا ہو گا۔ مجھے دل ہی دل میں بے انداز خوشی ہوئی کہ چند گمبھیر اور پُرہَول لمحات آنے کے باوجود ہم تینوں کو اپنے یقینی جرائم سے بری الذمہ قرار دیا جا رہا تھا۔ ڈون ایک ایسا عظیم الشان جانور تھا جس کا دماغ ایک وقت میں صرف ایک ہی ٹریک پر چلتا تھا۔ جب تک وہ ہمارے خلاف سوچتا رہا، ہمیں ذلیل و خوار کر کے ہمارے ٹکڑے اڑانے کے منصوبے بناتا رہا لیکن جب میں کمال ہوشیاری سے اس کے ذہن کو دوسری راہ پر ڈالنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ یک بیک ساری واقعاتی شہادتوں کو نظرانداز کر کے ہمیں معاف کر بیٹھا۔

سلطان شاہ بے ہوش ضرور پایا گیا تھا لیکن اس کے آدمیوں کی کوششوں کے نتیجے میں جلد ہی ہوش میں آگیا تھا۔ اس کی پیشانی زخمی تھی لیکن وہ اپنے قدموں پر چل کر حویلی میں پہنچا تھا۔

ڈون کے ایما پر مرہم پٹی کے بعد سلطان شاہ کو وہاں لایا گیا تو مجھے دیکھتے ہی اس کا چہرہ کِھل اٹھا۔ اس کا چہرہ نقاہت سے زرد پڑا ہوا تھا۔ لباس پر خون کے دھبے تھے اور پیشانی پر، کھوپڑی کے گرد پٹی بندھی ہوئی تھی۔

ڈون کے استفسار پر اس نے بتایا کہ سائڈ کے باہر نکلتے ہی، وہ دہشت زدہ مہمانوں کے ایک بھاری ریلے میں پھنس کر کسی الٹی ہوئی میز یا کرسی پر جا گرا تھا اور اس کی پیشانی سے خون کے فوارے بہہ نکلے تھے۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ فوراً اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہوا تو بھاگنے والے اسے روند کر مار ڈالیں گے، اس لیے وہ اپنی پوری قوت مجتمع کر کے ریلے میں سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوا جھاڑیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا پھر وہاں اس کی قوتِ برداشت جواب دے گئی اور وہ بے ہوش ہو کر وہیں گر گیا۔ بعد کے واقعات کا اسے کوئی علم نہیں تھا۔

"تو کیا تمہیں نہیں معلوم کہ نیشی کاؤ کو بلو پائپ سے ہلاک کر دیا گیا؟" ڈون نے حیرت سے پوچھا۔

ہلاکت کے ذکر پر سلطان شاہ کی آنکھیں خوف سے کشادہ ہو گئیں اور اس نے معصومانہ سادگی سے سوال کیا۔ "یہ نیشی کاؤ کون تھا؟"

"باہر سے آنے والا میرا جگری یار جو آج کی تقریب کا مہمانِ خصوصی ہوتا۔" ڈون نے کہا۔

سلطان شاہ متاسفانہ انداز میں سر ہلانے لگا۔ "یہ تو بہت بری خبر ہے۔ دراصل مَیں بھگدڑ مچنے کے بعد ہی زخمی ہو گیا تھا۔ میرے بے ہوش ہونے کے بعد کیا ہوا، میں اس سے بالکل بے خبر ہوں۔"

سلطان شاہ کی اس بھرپور ریاکاری پر میری عقل چکرا کر رہ گئی۔ اس نے اتنے اعتماد سے وہ کہانی سنائی تھی کہ لمحہ بھر کے لیے میں خود سوچ میں پڑ گیا کہ نیشی کاؤ کو کس نے مارا ہو گا۔ اگر میں نے نیشی کاؤ کے قتل کے لمحات میں سلطان شاہ کو اپنی آنکھوں سے، اس کے پیچھے سے گزرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو شاید میں بھی اس کی کہانی پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں اس کے ساتھ تخلیے میں تحریری گفتگو کرنے کے لیے بے چینی محسوس کرنے لگا۔

وہاں ہر طرف آئینے ہونے کی بنا پر میں بہت زیادہ محتاط تھا کیوں کہ ہم سب ہر زاویے سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ میں سلطان شاہ سے خاص طور پر نظریں چرا رہا تھا کہ کہیں وہ بوکھلاہٹ میں مجھے کوئی اشارہ کرنے کی حماقت نہ کر بیٹھے۔

"تم اندر چلے جاؤ، غزالہ تمہاری طرف سے بہت فکرمند ہے۔" میں نے اسے ٹالنے کی نیت سے خوابگاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انگریزی میں کہا تاکہ ڈون بھی میری بات سن لے۔

"مگر کہاں؟" سلطان شاہ نے حیرت سے کہا۔ "ادھر تو شیشے کی ٹھوس دیوار ہے۔"

"یہ ڈون کی حویلی کا طلسم ہے۔ بائیں ہاتھ گھوم کر سیدھے چلے جاؤ، راستہ پیدا ہو جائے گا۔"

"دروازہ اندر سے مقفل ہوا تو تمہارا عکس پڑتے ہی فوٹو سیل کے ذریعے وقفے وقفے سے اندر اس وقت تک گھنٹی بجتی رہے گی جب تک دروازہ کھول نہ دیا جائے۔" سارا نے اس کے ساتھ میری معلومات میں بھی اضافہ کیا۔

"تم عجیب احمق آدمی ہو!" ڈون تیزی کے ساتھ بولا تو میں چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"شادی تمہاری ہوئی ہے اور حجلۂ عروسی میں اپنے دوست کو بھیج رہے ہو۔" بات پوری کر کے، ڈون اپنے زبردست مذاق پر خود ہی زور زور سے ہنسنے لگا۔ سارا نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس صورتِ حال میں، میرے لیے بھی کھسیائے ہوئے انداز میں ہنسنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

"ان دونوں میں بہن بھائی جیسی محبت اور چاہت ہے..." میں نے خفت کے ساتھ وضاحت کرنی چاہی لیکن ڈون نے میری بات کاٹ دی۔ موقع ملتے ہی وہ بدمعاشی پر تل گیا تھا۔

"ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والوں کے علاوہ کوئی مرد اور عورت بہن بھائی نہیں ہو سکتے۔ سنکیانگ میں تو مردوں کا طریقۂ واردات ہی یہی ہے۔ وہ جس عورت یا لڑکی پر ڈورے ڈالنے چاہتے

ہیں‘ سب سے پہلے اسے بہن بناتے ہیں پھر پہلا موقع میسر آتے ہی عشق کا اظہار کر بیٹھتے ہیں۔ لڑکی کو اگر لڑکا پسند نہ ہو تو وہ اس کی زبان سے پہلی بار بہن کا خطاب سنتے ہی‘ بدک کر دور بھاگ لیتی ہے۔“

”ونڈر فل۔“ سارا‘ ڈون کی پنڈلیاں دباتے ہوئے حیرت سے بولی۔ ”چین واقعی عظیم روایتوں کا امین اور ایک دلچسپ ملک ہے لیکن مغرب میں یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ چین میں محبت بھی پارٹی لیڈر کی اجازت کے ساتھ یا اس کی ہدایت پر کی جاتی ہے۔ میں کچھ دن کے لیے چین ضرور جاؤں گی۔“

ڈون نے مغرب اور اہلِ مغرب کو چند بھاری بھرکم گالیوں سے نوازا‘ پھر بولا۔ ”یہ وہ لوگ کہتے ہیں جن کے معاشروں میں سگے بہن بھائی کے رشتے کا تقدس تک فنا ہوتا جا رہا ہے اور مرد‘ مرد سے‘ عورت‘ عورت سے شادی کرنے کا قانونی حق رکھتی ہے۔ چند برس کی بات ہے پھر یہ لوگ آوارہ کتوں اور بلیوں کی طرح رہنے کی بات کریں گے۔ چین میں جس مقام پر شرم و حیا کی حدود ختم ہوتی ہیں‘ مغرب کی ابتدا اس سے بھی بہت آگے ہے۔“

ڈون ایک مجرم اور تارکِ وطن شخص تھا۔ وہ مکاؤ کی پرتگیزی کالونی میں‘ نیم مغربی معاشرے میں زندگی گزار رہا تھا۔ اس کے پرکھوں نے نجانے کتنی مدت پہلے اپنے وطن سے خود ساختہ جلا وطنی اختیار کی تھی لیکن ڈون کے خون میں اس کی اصلیت اب بھی رچی ہوئی تھی۔ اسے اپنے چینی بزرگوں کے تہذیبی ورثے پر ناز تھا اور وہ اس کے خلاف کسی کی ہرزہ سرائی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ سارا نے آہستگی سے کہا۔ ”ان بے چاروں کی شادی کی پہلی رات گزری جا رہی ہے۔ اس وقت صبح کے ساڑھے تین بج رہے ہیں۔ ہم کب تک یہاں بیٹھے رہیں گے؟“

”تم جاؤ!“ ڈون نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”تمہیں کس نے روکا ہوا ہے؟“

”کسی نے نہیں لیکن یہ میری عزت افزائی ہے کہ تم یہاں بیٹھے ہوئے ہو۔ تمہاری موجودگی میں‘ میں کہیں نہیں آجا سکتا اور پھر وان لن کے ساتھیوں کا معاملہ بھی ہے جو طے ہونا ہے۔“ میں نے خوبصورتی کے ساتھ اسے یاد دلایا۔

ڈون اچانک ہی صوفے پر سے اٹھ گیا اور مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ ”وان لن کے ساتھیوں کے معاملے میں تمہیں کیا دلچسپی ہے؟ وہ میرا حساب کتاب ہے‘ اسے میں خود ہی دیکھوں گا۔“

”میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ڈون کے دشمنوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔“ میں نے خواہ مخواہ کہہ دیا۔

”تمہاری اس یادگار رات کے رہے سہے لمحات بھی آگ اور خون کی نذر ہو جائیں گے۔“

”تو کیا صبح کچھ نہیں ہو گا؟“ میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا۔

”صبح تک میرے دشمنوں اور بدخواہوں کے لیے عبرت کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔“ ڈون کا لہجہ سرد اور گمبھیر ہو گیا جیسے وہ تصور سے‘ آنے والے مناظر دیکھ رہا ہو۔ ”جو کچھ ہونا ہے اجالا نمودار ہونے سے پہلے ہو گا۔ آگ کے شعلے رات کے اندھیرے میں اپنا جوبن دکھاتے ہیں۔ ان کے جلتے ہوئے گھر اور کاروبار دور دور تک دیکھے جائیں گے۔ ان کی درد میں ڈوبی ہوئی آخری چیخیں پورے مکاؤ کی فضاؤں میں گونجیں گی اور اس بار میرے چنگل سے بچ جانے والوں کو عمر بھر آسیبی خوف میں جکڑے رکھیں گی۔ ڈون کا حساب اسی دن ہوتا ہے۔ دن بدل گیا تو بات پرانی ہو جائے گی۔“

اپنے دشمنوں کا خیال آتے ہی ڈون پر ایک غضبناک نشے کی کیفیت طاری ہونے لگی اور وہ سارا کی پتلی سی کمر میں ہاتھ ڈال کر‘ تیزی کے ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے بیرونی چوبی دروازے تک آ کر اپنے اس خطرناک مگر بڑی حد تک سادہ لوح میزبان کو رخصت کیا اور تیزی کے ساتھ اپنے اس عشرت کدے کی طرف چل دیا جہاں سلطان شاہ کسی نئی کہانی کے ساتھ میرا منتظر تھا۔

میں وہاں پہنچا تو سلطان شاہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھا‘ ایک کاغذ پر تیزی کے ساتھ کچھ لکھنے میں مصروف تھا اور غزالہ اس کے پیچھے کھڑی نہایت اشتیاق کے ساتھ اس کی تحریر پڑھ رہی تھی۔

اگر وہاں نصب خفیہ مائیکرو فون اس وقت بھی آن تھے تو واپسی پر میرا خاموش رہنا غیر فطری اور اشتباہ آمیز ثابت ہوتا اس لیے میں نے وہاں پہنچتے ہی سلطان شاہ سے گفتگو شروع کر دی۔

”اس کمرے کے در و دیوار میں رچی ہوئی مہکار اور خوشبوئیں بتا رہی ہیں کہ یہ کمرا آباد ہو چکا ہے۔“ چند فقروں کے تبادلے کے بعد سلطان شاہ نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا اور غزالہ بری طرح شرما کر وہاں سے غسل خانے کی طرف چلی گئی۔

”معلوم ہوتا ہے کہ خون کے ساتھ تمہارا کچھ بھیجا بھی بہہ گیا ہے‘ جب ہی ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔“ میں نے خفت آمیز انداز میں اس کی گردن دبوچتے ہوئے کہا۔

”تھوڑی دیر بعد‘ میں اس کمرے سے چلا جاؤں گا تو اپنا ہاتھا پائی کا شوق بھی پورا کر لینا لیکن فی الحال ہم زبانی بات کر رہے ہیں۔ جو کچھ کہنا ہے آرام سے بیٹھ کر کہو۔“ سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔

”تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ڈون کی سکھا شاہی کے نتیجے میں آج تم میرے سالے بن چکے ہو۔“

”یہ تمہاری بھول ہے۔ میرا یہ رشتہ اسی وقت تک برقرار تھا جب تک غزالہ اکیلی تھی۔ شادی ہو جانے کے بعد اب وہ میری بھابی ہے۔ تم زبردستی مجھ پر اپنی بالادستی جتانے کی کوشش نہ کرو۔“

میں نے اس کی گردن چھوڑ دی اور مسہری پر دراز ہو گیا۔ میری خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد اپنی کہانی مکمل کر لے تاکہ مجھے واقعات سے مکمل آگاہی حاصل ہو سکے۔

مجھے یہ تو معلوم تھا کہ اس نے دوپہر میں موقع پا کر بل فائٹنگ رِنگ کی چوبی باڑھ کے دو مقامات پر افقی تختوں اور عموداً زمین میں گڑی ہوئی بلیوں کے جوڑ پر‘ بیم گن سے بہت ہلکا سا فائر کر کے‘ انہیں جوڑنے والی کیلیں جلا دی تھیں جس کے نتیجے میں ایسے تختے صرف ایک طرف سے لگی ہوئی کیلوں کے سہارے اپنی جگہ رکے رہ گئے تھے اور تھوڑے سے جھٹکے کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ سکتے تھے۔ سلطان شاہ کے اس عمل میں کیلوں کے ساتھ ہی لکڑی کا کچھ حصہ جلنا ناگزیر تھا اور وہ نشانات ڈون کے آدمیوں کو بدترین الجھن میں مبتلا ضرور کر دیتے لیکن مجھے سو فیصد یقین تھا کہ ان میں سے کسی کا ذہن بیم گن کی طرف نہیں جا سکتا تھا۔

بیم گن شی کے بڑوں کا خفیہ ہتھیار تھا اور وہی اس کے ہلاکت خیز اثرات سے باخبر تھے۔ ان کے کارکنوں کو عملاً بیم گن کے وجود کا علم ہونا چاہیے تھا‘ نہ طریقۂ کار کا۔ البتہ ڈون بذاتِ خود چوبی باڑھ کے نقصان زدہ حصے کا معائنہ کرتا تو شاید بیم گن کے استعمال کے موہوم سے شبے میں مبتلا ہو جاتا لیکن اس کا امکان کم ہی تھا۔ اپنی فطری کاہلی کی وجہ سے وہ اپنی پرتعیش حویلی میں رہ کر اپنے کارکنوں کی فراہم کی ہوئی رپورٹوں پر انحصار کرنے کا عادی تھا اور اس کے آدمی یقینی طور پر اپنی کارکردگی دکھانے کے لیے ایسی ادھوری یا مشتبہ رپورٹیں فراہم کرنے سے گریز کرتے ہوں گے جن کے نتیجے میں ڈون کو اپنے مسکن سے نکل کر کھلی فضا میں جانا پڑے۔

اپنی اس کارروائی میں سلطان شاہ نے اپنی صوابدید کے مطابق بہت مناسب جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ اگر وہ باڑھ کا کوئی ایسا حصہ ہوتا جدھر تماشائیوں کا ہجوم نہ ہوتا تو بل فائٹر ہرگز ادھر کا رخ نہ کرتا اور باڑھ کو نقصان پہنچنے کے باوجود سانڈ کے باہر نکلنے کا امکان مفقود ہو کر رہ جاتا۔ یہ ہمارے ستاروں کی یاوری تھی کہ سانڈ نے باڑھ کے کمزور ترین حصے کا رخ کیا تھا جہاں اس کی آزادی کا پورا بندوبست تھا۔

میں خاموشی کے ساتھ بستر پر دراز سگریٹ پیتا رہا تاکہ سلطان شاہ یکسوئی کے ساتھ اپنی کہانی مکمل کر سکے۔ غزالہ واپس آئی تو میں نے وقت گزاری کے لیے اس کے ساتھ باتیں شروع کر دیں تاکہ ڈون کے سراغرساں اپنے آلات پر طویل سکوت کی وجہ سے شبہات میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

پھر سلطان شاہ نے اپنا لکھا ہوا کاغذ میرے حوالے کیا تو اس نے غزالہ سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور میں نے کاغذ کا مطالعہ شروع کر دیا۔

سلطان شاہ نے اپنی روداد خاصی تفصیل کے ساتھ لکھی تھی لیکن اس کا خلاصہ بہت دلچسپ تھا۔ سانڈ کے نکل بھاگنے کے بعد وہ بہت متفکر تھا لیکن لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کے بعد جب لوگ ہیلی پیڈ کے قریب جمع ہونے شروع ہوئے تو سلطان شاہ نے کوشش کر کے ہجوم کے ایسے حصے میں جگہ بنائی جہاں اس کے اردگرد کئی سفید فام عورتیں موجود تھیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ چینی زبان میں سانپ کے مترادف لفظ سے لاعلم تھا پھر اسے یقین نہیں تھا کہ کچھ چینی اسنیک کا مفہوم سمجھ بھی لیں تو سانپ سے خوفزدہ ہوں گے یا ناشتے کے لیے سانپ کی تلاش شروع کر دیں گے۔ جوں ہی نیشی کاؤ ہیلی کاپٹر سے برآمد ہوا‘ سلطان شاہ نے ہذیانی سرگوشی میں سانپ کا نعرہ بلند کر دیا اور پھر سفید فام عورتوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ سب سانپ سانپ چلاتی ہوئی دوڑیں تو مرد بھی ان کے ساتھ تھے۔ اُن کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی دوڑ پڑے اور کسی کو علم نہیں ہو سکا کہ سانپ کا شوشہ کس نے چھوڑا تھا۔

وہاں افراتفری پھیلانے کے بعد سلطان شاہ کا کام بہت آسان ہو گیا۔ وقت کے تعین کے ساتھ دوڑ لگاتے ہوئے اس نے نیشی کاؤ پر وار کر دیا اور اس کے گرتے ہی بلو پائپ ہیلی پیڈ پر پھینک دیا۔

سلطان شاہ کی چھٹی حس نے اسے خبردار کر دیا تھا کہ ڈون کی تقریب میں ہونے والی ہنگامہ آرائی اور نیشی کاؤ کے قتل کے بعد کسی نہ کسی مرحلے پر ہم لوگ بھی شبہات کی زد میں آسکتے تھے۔ میری اور غزالہ کی بے گناہی کے لیے یہی جواز کافی ثابت ہوتا کہ ہم دونوں ابتدا سے آخر تک نہ صرف ڈون کے ساتھ ہوتے بلکہ ہزاروں آنکھیں لمحہ بہ لمحہ ہماری طرف جمی رہتیں اس لیے سارا خطرہ اسی کی ذات کو لاحق ہوتا۔

اپنی بے گناہی کے لیے جائے واردات سے اپنی عدم موجودگی ثابت کرنے کے لیے سلطان شاہ کی کھوپڑی نے ایک نیا ہی گل کھلایا۔ اس نے سانڈ کو لانے والی بند گاڑی سے بھی آگے نکل کر‘ جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ کر ایک پتھر سے اپنی پیشانی زخمی کر لی۔

خوف اور اضطرار کی حالت میں لگائی ہوئی وہ ضرب کچھ زیادہ ہی گہری ثابت ہوئی اور وہ چکرا کر جھاڑیوں میں گر گیا۔ اس کے زخم سے خون بہتا رہا لیکن وہ کسی کی آمد کے انتظار میں گھنٹوں وہیں پڑا رہا۔ طویل انتظار کے بعد جب ڈون کی ایک پارٹی کی آوازیں سنائی دیں تو اس نے جلدی سے آنکھیں موند لیں اور ان لوگوں کے آنے پر بے ہوش ہونے کی اداکاری شروع کر دی۔

وہ زیادہ دیر تک بے ہوش ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے بلو پائپ سے تو نجات حاصل کر لی تھی لیکن بیم گن اس کے لباس میں پوشیدہ تھی۔ جوں ہی زور زور سے اس کے رخسار تھپتھپائے گئے‘ اس نے کراہتے بڑبڑاتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

میدان میں دوسرے زخمیوں کو طبی امداد دینے کے لیے فرسٹ ایڈ کا بندوبست کیا گیا تھا۔ سلطان شاہ کا زخم صاف کرنے کے بعد

وہیں مرہم پٹی کی گئی۔ اس سے کچھ سوالات کیے گئے جو چینی زبان میں ہونے کی وجہ سے اس کی کھوپڑی پر سے گزر گئے۔ آخر کار حسین یاچوسین کو بلایا گیا اور سلطان شاہ نے اسے وہی کچھ بتایا جو وہ چند منٹ قبل ڈون کو بتا چکا تھا۔ اس کی کہانی کا مرکزی خیال یہ تھا کہ وہ نیشی کاؤ کے قتل کے وقت' جائے واردات سے بہت دور' زخمی حالت میں بے ہوش پڑا ہوا تھا اس لیے اس قتل کے سلسلے میں اس کی ذات ہر شبہ سے بالاتر ہو جاتی تھی۔

میں نے تعریفی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کاغذ غزالہ کی طرف بڑھا دیا۔

"ڈون نے تم دونوں کو ازدواجی بندھن میں باندھ کر ایسا عظیم کام کیا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اس کی ممی بنا کر پرستش شروع کر دوں۔" غزالہ کے مصروف ہو جانے پر وہ مجھ سے مخاطب ہو گیا۔

"تم ہوش میں ہو یا ابھی تک مدہوش ہو؟" میں نے آنکھیں نکال کر اسے پھٹکارا۔

"کیوں؟ میں نے کیا کیا؟" اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ممی' لاشوں کی بنائی جاتی ہے' زندہ انسانوں کی نہیں۔ ڈون کو تمہاری اس احمقانہ عقیدت کی بھنک بھی مل گئی تو وہ تمہاری کھال میں بھس بھروا دے گا۔" میں نے مکاری کے ساتھ اسے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا۔" وہ بوکھلا کر بولا' پھر انگلی سے چھت میں نصب مائیکرو فونز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "ڈون بہت عظیم انسان ہے۔ قدرت نے اسے جسامت بھی اس کے ظرف کے مطابق دی ہے۔ اس نے تم دونوں کو اتنی عزت دی ہے کہ تقریب میں آیا ہوا ہر مہمان تم پر رشک کر رہا تھا اور پھر یہ شیش محل! یہ تو آٹھواں عجوبہ قرار دیے جانے کے قابل ہے۔ غزالہ نے ساری روشنیاں گل کر کے' آئینوں میں اتری ہوئی کہکشاں کا منظر دکھایا ہے۔ تم ایک دوسرے کو بھول سکتے ہو لیکن ڈون کے فراہم کیے ہوئے' اس حجلۂ عروسی کو خوابوں میں بھی فراموش نہیں کر سکو گے۔"

"ڈون ہمیں روکنا چاہ رہا ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ ہم اپنی مجبوریوں کی وجہ سے زیادہ عرصے تک اس کی میزبانی سے لطف اندوز نہیں ہو سکیں گے۔ میں زیادہ دنوں تک یہاں رکا رہا تو پاکستان میں میرا کاروبار تباہ ہو جائے گا۔" میں نے اپنی فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ سر کھپانے کے بجائے تم ڈون سے بات کرو تو بہتر رہے گا۔" سلطان شاہ نے کہا۔ "وہ معقولیت پسند ہے' تمہاری مجبوریوں سے واقف ہونے کے بعد تمہیں یہاں روکنے پر اصرار نہیں کرے گا۔"

غزالہ نے سلطان شاہ کی لکھی ہوئی کہانی پڑھنے کے بعد کاغذ میری طرف بڑھا دیا اور میں نے لائٹر جلا کر کاغذ کے ایک سرے کو آگ دکھا دی۔ اسی کے ساتھ میں باتھ روم کی طرف چل پڑا تاکہ جلے ہوئے کاغذ کی راکھ نالی میں بہا سکوں۔

میں واپس آیا تو سلطان شاہ رخصت ہونے کے لیے تیار تھا۔ اسے لانے والے' اس کو پہلے اسی ملحقہ کمرے میں لے گئے جہاں اسے شب بسری کرنی تھی اس لیے اُسے معلوم تھا کہ اسے کہاں سونا ہے۔

وارڈروب میں ہم دونوں کی ناپ کے متعدد جوڑوں کے علاوہ شب خوابی کے لباس بھی موجود تھے۔ غزالہ جھجک رہی تھی لیکن میرے ایما پر اس نے لباس تبدیل کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ میری باری آنے سے قبل ہی سائڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"ڈون کا خیال ہے کہ تم مکاؤ سے جلد از جلد واپسی کے بارے میں واقعی سنجیدہ ہو۔" ریسیور اٹھاتے ہی میرے کانوں میں سارا کی دھیمی اور مترنم آواز کے جل ترنگ بج اٹھے۔

"یہاں سے جانے کے بعد ڈون کو یکایک یہ خیال کیسے آ گیا؟" میں نے خوشدلی کے ساتھ پوچھا۔

"ڈون نے ابھی ابھی تم لوگوں کی آپس کی باتوں کے لفظ بہ لفظ ترجمے کا کیسٹ سنا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "میں یہ بات ڈون کی ہدایت پر بتا رہی ہوں۔ اس مرحلے پر تمہیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ اس حویلی میں لیے جانے والے ہر سانس کی آواز بھی ڈون کے کانوں تک ضرور پہنچتی ہے...."

"ارے باپ رے!" میں اس کی بات کاٹ کر کراہا۔ "ہم لوگ تو فری اسٹائل میں باتیں کرتے رہے ہیں ایسا نہ ہو کہ نادانستگی میں ڈون کی شان میں کوئی گستاخی ہو گئی ہو۔ وہ ہم سے ناراض تو نہیں ہے؟"

"بہت خوش ہے۔ تمہاری تجزیاتی صلاحیت نے اسے بہت متاثر کیا ہے۔ وہ آدھے گھنٹے بعد مکاؤ کے دورے پر نکلے گا۔ تم چاہو تو اس کے ساتھ جا سکتے ہو۔ مکاؤ میں آتشزدگی کے واقعات شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں لیکن آج تمہیں شہر میں بہت سے مکانات اور عمارتیں جلی ہوئی نظر آئیں گی۔"

سارا کی گفتگو سے صاف ظاہر تھا کہ ڈون کے آدمیوں نے مکاؤ میں وان لن کے سرگرم حامیوں کے خلاف انتقامی کارروائیوں کا آغاز کر دیا تھا اور تھوڑی دیر بعد ڈون اپنے آدمیوں کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے نکلنے والا تھا۔ میں نے سارا کی طرف سے کی جانے والی پیشکش کو فوراً قبول کر لیا۔

میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ ڈون کی لینڈ کروزر میں ایک سے زیادہ مہمان کی گنجائش نہیں تھی۔ اس کی دانست میں غزالہ جیسی نرم و نازک لڑکی کا آتش و بارود کے کھیل سے دور رہنا بہتر تھا جب کہ سلطان شاہ زخمی تھا اور اسے آرام کی ضرورت تھی۔ اس نے پیش کش کی کہ میں چاہوں تو غزالہ کا ساتھ دینے کے لیے وہ ہماری خواب گاہ میں آنے کے لیے تیار تھی لیکن میں نے شکریے کے ساتھ اسے ٹال دیا۔ رات کے باقی ماندہ لمحات کے لیے سلطان شاہ غزالہ کا بہتر ساتھی ثابت ہو سکتا تھا۔

ڈون بظاہر سادہ لوح نظر آنے کے باوجود بہت چالاک اور مکار شخص تھا۔ میری دانست میں سارا کے اس فون کا مقصد صرف یہ تھا کہ ڈون مجھے اپنی بالادستی سے مرعوب کرنا چاہتا تھا۔ میرے کردار پر سے شکوک و شبہات کی دھند چھٹ جانے کے بعد' اس نے مجھے یہ جتانا ضروری سمجھا تھا کہ وہ حویلی میں ہونے والی سرگوشیوں تک سے باخبر رہتا ہے۔

سلطان شاہ کو غزالہ کے ساتھ چھوڑ کر باہر نکلنے کے بعد میں ڈون کی مشینی مسند والے ہال میں پہنچا تو وہاں خاصی چہل پہل ہونے کے باوجود' ڈون موجود نہیں تھا۔

سارا نے ہاتھوں ہاتھ میرا استقبال کیا اور مجھے شراب کی پیش کش کی جسے میں نے نرمی سے مسترد کر دیا۔ ڈون کی حویلی میں شراب کی دعوت کو مہمان نوازی میں کمال کا درجہ حاصل تھا جو آہستہ آہستہ مجھے گراں گزرنے لگا تھا۔ شراب میرے مذہب اور مسلک میں یکسر حرام تھی لیکن اس گناہ میں لذت بس اسی وقت تک تھی جب اسے مخصوص اور محدود لمحات میں مُنہ لگایا جائے لیکن ڈون کا معاملہ میری رائے سے بہت مختلف تھا۔ وہ شاید صبح مُنہ دھونے سے پہلے شراب سے کلی کرتا تھا اور دن بھر شراب پیے جاتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہاں افراتفری پھیل گئی۔ سارا سے معلوم ہوا کہ ڈون تیار ہو کر باہر جا رہا تھا۔

باہر ڈون کی سیاہ لینڈ کروزر جیپ روانگی کے لیے تیار تھی۔ اس میں کل نو افراد کے سوار ہونے کی گنجائش تھی جب کہ برآمدے میں بارہ افراد پہلے سے موجود تھے۔ وہ سب ہی اپنے چہرے مہرے سے چھٹے ہوئے بدمعاش اور پیشہ ور قاتل نظر آ رہے تھے اور ان کے جسموں پر خطرناک آتشیں ہتھیار سجے ہوئے تھے۔

ڈون اپنی لٹکی ہوئی مونچھوں کو مروڑتا ہوا وہاں پہنچا تو اس کے بدن پر چست ٹی شرٹ اور جینز موجود تھی۔ شاید بیرونی مہمات کے لیے وہ ڈون کا پسندیدہ لباس تھا۔

"تمہیں ایک معرکہ بھی دکھاؤں گا۔" ڈون نے لینڈ کروزر کی اگلی نشست پر سوار ہوتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "ہانگ کانگ کے گورنر کا ایک انگریز رشتے دار بھی وان لن کو بھڑکانے میں پیش پیش رہتا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آج اسے بھی ایک تابوت میں بند کر کے ہانگ کانگ روانہ کر دیا جائے۔"

"تمہارے اس اقدام سے کوئی سیاسی پیچیدگی پیدا نہیں ہو گی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "ہانگ کانگ کا انگریز گورنر' اس خطے کا ایک طاقتور اور بااثر شخص سمجھا جاتا ہے۔"

"گورنر خود بھی اپنے رشتے دار کی حرکتوں سے نالاں رہتا ہے۔ اسی وجہ سے اس مردود نے ہانگ کانگ کے بجائے مکاؤ میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں... چلو' بس اب جلدی کرو!" ڈون بولا۔

سب لوگ تیزی کے ساتھ لینڈ کروزر میں بھرنے لگے۔ نکو دا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہوئی تو اس میں کل سات نفوس سوار تھے۔ عقبی نشستوں پر چار کے بجائے صرف دو آدمی براجمان تھے کیوں کہ ادھر کچھ تھیلے وغیرہ بھی رکھے ہوئے تھے۔

رات تیزی سے ڈھل رہی تھی اور فضا میں صبح کی آمد آمد کی خوشبوئیں پھیل چلی تھیں۔ چند منٹ بعد ہی لینڈ کروزر ڈون کی حویلی سے نکل کر' مکاؤ کی اونچی نیچی اور پُرپیچ سڑکوں پر فراٹے بھرنے لگی۔

"تم اپنی بیوی پر اپنی ملکیت کا ٹھپا تو لگا آئے ہو نا؟" طویل سکوت کے بعد ڈون نے چونک کر ایک بے ہودہ سا سوال کر ڈالا جس کے لیے میں ذہنی طور پر تیار نہیں تھا۔

"ٹھپا لگانے سے کچھ نہیں ہوتا' ڈون!" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والی تلخی پر قابو پاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "سرکش گھوڑے کو رسی سے باندھ بھی لو تو وہ رسی تڑا کر بھاگ جاتا ہے۔ چاہت اور محبت کے رشتے آفاقی ہوتے ہیں۔ ان پر دنیا کی کوئی قوت اثر انداز نہیں ہو سکتی۔"

میں اپنے ردِعمل پر محض اس وجہ سے قابو پا سکا کہ لینڈ کروزر کے جملہ مسافروں میں' میرے اور ڈون کے علاوہ کوئی بھی انگریزی سے واقف نہیں تھا ورنہ ان کے ہونٹوں پر نمودار ہونے والی معنی خیز' استہزائیہ بلکہ تضحیک آمیز مسکراہٹیں مجھے بے قابو کر سکتی تھیں۔

"یہ خیالی باتیں ہیں۔" ڈون نے بے پروائی سے کہا۔ "تم سارا کو ہی دیکھ لو۔ وہ ہر اعتبار سے پرنسس ڈیانا کی ہم شکل ہے اور میری حویلی میں رہ رہی ہے' اسے یہاں آئے ہوئے دو سال ہو چکے ہیں اور پتا نہیں وہ کب تک یہاں رہتی ہے۔ وہ تمہارے نظریے کا مکمل اور بھرپور جواب ہے۔"

"کیوں؟ سارا میں ایسی کون سی خاص بات ہے؟" میں نے تنک کر پوچھا۔

"وہ بکنگھم پیلس میں مامور ایک کپتان کی محبت میں گرفتار تھی لیکن میرا پیغام ملنے پر اس نے اپنے محبوب کے ساتھ مل کر' اگلے چند برس کی مالیات پر غور کیا اور پھر مکاؤ آنے کا فیصلہ کر لیا کیوں کہ مختصر سے عرصے میں بھاری رقم پس انداز کر کے وہ دونوں ایک بہتر زندگی کی ابتدا کر سکتے تھے۔"

"بعض اوقات تمہاری باتیں ناقابلِ فہم ہو جاتی ہیں۔" میں نے تلخی کو خوش مزاجی کے مظاہرے میں تحلیل کرتے ہوئے کہا۔

"سارا کا تعلق مغرب سے ہے۔ مغرب میں بھی وہ ملک جو معاشرتی

خرابیوں کا جدِ امجد ہے اور تم مکاؤ میں بیٹھے ہو جو مشرق نہیں بلکہ مشرقِ بعید میں شمار ہوتا ہے۔“

”ترقی اور جدید مواصلاتی رابطوں کی وجہ سے اب مشرق اور مغرب کا فرق تیزی کے ساتھ مٹتا جا رہا ہے۔ مکاؤ کے شبستانوں میں تمہیں‘ اپنی بیویوں سے اکتائے ہوئے‘ سیکڑوں ایسے مرد مل جائیں گے جو رقص و سرود کے لیے اپنی بیویوں کو بخوشی دوسروں کی بانہوں میں دے کر‘ خود اجنبی عورتوں کے وجود میں کھو جانا چاہتے ہیں۔“ ڈون نے شاید میرے جواب کی گہرائی میں پوشیدہ تلخی کو محسوس کر کے یک بیک سنجیدگی اختیار کرلی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”یہ جدّت اور تبدیلیوں کا دَور ہے۔ مرد اپنی نوکریوں اور کاروبار پر جا کر نت نئی عورتوں کے شکار میں مصروف ہو جاتے ہیں اور عورتیں اپنی بنسیوں پر جسمانی اظہار کا چارا لگا کر شکار کھیلنے نکل جاتی ہیں۔ شام یا رات کو جب وہ یکجا ہوتے ہیں تو پھر ایک دوسرے کے ہوتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مغرب میں معاشرتی منافقت دم توڑ چکی ہے۔ وہاں ایسی باتیں کھلے بندوں ہوتی ہیں لیکن نام نہاد مشرق میں ابھی منافقت جاری و ساری ہے۔ یہاں عفونت اندر ہی اندر پھیل رہی ہے۔ جس دن یہ ناسور پھٹے گا تو اس کے تعفن کے سامنے مغرب کے چور‘ ساہوکار نظر آنے لگیں گے۔ میں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اس بارے میں تم میرے حسین‘ رنگین اور لذیذ تجربات کو جھٹلا نہیں سکتے۔“

”میں تمہاری عمر‘ تجربے اور مشاہدے کا بہت زیادہ احترام کرتا ہوں لیکن اسی کے ساتھ‘ یہ کہنا چاہتا ہوں استثنیٰ ہر جگہ ہوتا ہے۔ مغرب میں وفا کا عنصر تیس فیصد ہے تو مشرق میں بے وفائی کی یہ شرح ملے گی۔ ہم بے شرمی اور بے حیائی کے معاملے میں مر کر بھی مغرب کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتے۔ ان شعبوں میں وہ ہمیشہ سے ہمارے امام ہیں اور امام ہی رہیں گے۔“

”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اندر سے تم اس قدر متعصب اور تنگ نظر ہو گے۔ مشرق اور مغرب کے ڈھکوسلے ہمارے بنائے ہوئے ہیں۔ دونوں کی اصل ایک ہی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مغرب والوں کو جغرافیائی اعتبار سے قدرت نے رنگ روپ‘ حسن اور جسمانی صحت سے نوازا ہے اور وہ اس کے اظہار میں نہایت فراخ دل ہیں جب کہ مشرق کے موسم نے حسن کو کمہلایا ہوا ہے۔ رنگ روپ جھلسے ہوئے ہیں‘ اعضا غیر متناسب ہوتے ہیں‘ پورے سال چمکنے والا سورج جلد کے خلیوں کو تباہ کر ڈالتا ہے اور ہم نے ان عناصر کے خلاف اپنی طبعی مدافعت کو غیر ضروری طور پر شرم و حیا کا نام دے دیا ہے۔ اگر جسم کے تمام حصوں کو چھپانا ہی شرم و حیا کا معیار بنا لیا جائے تو قطب شمالی میں بسنے والے اسکیموز سے زیادہ باحیا قوم روئے زمیں پر نہیں ملے گی۔“

وہ گفتگو وہیں ادھوری رہ گئی کیوں کہ ایک چڑھائی عبور کرتے ہوئے‘ اچانک ہی بھڑکتے ہوئے شعلے نظر آنے لگے تھے جن کا مخرج ایک گنجان آبادی میں تھا۔

فکودا نے اپنی زبان میں ڈون سے کچھ کہا اور وہ مجھے بتا[ne] لگا۔ ”یہ جلتا ہوا دو منزلہ کا میچ فینگ ہاؤ کی ملکیت ہے۔ ن[...] اور اس کے خاندان کو چالیس لاکھ یو آن کے اثاثوں سمیت [...] لن نے چین سے نکالا تھا اور اب وہ ارب پتی تھا۔ اپنے [...] دہندہ کے طور پر فینگ ہاؤ‘ وان لن کا اندھا مقلد تھا لیکن تم [...] رہے ہو کہ اس کی نہایت قیمتی جائداد کو لہو رنگ شعلے چاٹ ر[...] ہیں اور دور دور تک اس کا کوئی مددگار نہیں ہے۔“

- ”یہاں تو کوئی فائر انجن تک نظر نہیں آرہا۔“ لینڈ کروزر [...] آگے بڑھنے پر میں نے حیرت ظاہر کی۔

”جب تک اس عمارت کا آخری شہتیر بھی راکھ میں [...] بدل جائے گا‘ کوئی اس کی مدد کے لیے نہیں آئے گا۔ مکاؤ [...] میرے آدمی وار کرنے سے پہلے اپنے شکار کو بتا دیتے ہیں کہ وہ [...] طرف سے آئے ہیں پھر کسی کو ان کے قریب آنے یا ان کی [...] کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔“

”لیکن پولیس والے اور دوسرے امدادی اداروں کو کیسے [...] ہوتا ہے کہ مدد طلب کرنے والا تمہاری کارروائی کا نشانہ بنا ہے[...]“ میں نے الجھن کے ساتھ سوال کیا۔

”اس کے لیے مجھے یا میرے آدمیوں کو کچھ نہیں کرنا ہوتا[...]“ ڈون ایک قہقہہ مار کر بولا۔ ”متاثرہ فریق خود ہی ہر ایک کو بتاتا [...] کہ وہ میرے ظلم کا نشانہ بنا ہے۔ یہ سن کر ہر ایک ٹھنڈا پڑ جاتا [...] اور پولیس بھی دیدہ و دانستہ تاخیر سے آتی ہے تاکہ اسے میرے [...] آدمی کو گرفتار نہ کرنا پڑے۔“

”بظاہر یہ سب باتیں مرعوب کرنے والی ہیں۔“ میں نے کچھ دیر کے سکوت کے بعد کہا۔ ”لیکن ایمانداری سے غور کرو تو یہ زیاد[تی] ہے۔ تم نے اپنے سامنے پوری انتظامیہ کو مفلوج کیا ہوا ہے۔“

”طاقت کے کھیل میں یہ سب کرنا پڑتا ہے۔“ وہ بے پروا[ئی] کے ساتھ بولا۔ ”تم اپنی طاقت حاصل نہیں کرو گے تو تمہار[ے] حریف زور پکڑ کر تمہیں مار ڈالیں گے۔ میرے ساتھ تو سب [سے] بڑی خوبی یہ ہے کہ میں بلاوجہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ میری [...] کارروائی حریف کی کسی نہ کسی حرکت کا جواب ہوتی ہے۔ یہ با[ت] مکاؤ کا بچہ بچہ جانتا ہے اور اسی وجہ سے خوف کے ساتھ‘ لوگوں [کے] دلوں میں میری عزت بھی ہے۔“

آخر کار ہم پختہ گلیوں میں سے گزرتے ہوئے اس خوبصور[ت] آبادی میں پہنچ گئے جہاں شعلوں میں گھرا ہوا مکان واقع تھا۔

وہاں خوف و ہراس اور شدید افراتفری کا عالم تھا۔ علا[قے] کے سارے ہی مکین اس ہولناک بربادی کا منظر دیکھنے کے لیے [...] گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔ عورتوں‘ بچوں اور مردوں میں [...] چینی چیلی ہوئی تھی۔ جلنے والے مکان کے گرد کھلی جگہ موجود [تھی] لیکن وہ اس قدر ناکافی تھی کہ ہوا کے زور سے‘ شعلے پڑوس [کی]

عمارات کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتے تھے۔ بہت سے مرد اور لڑکے مل کر آگ بجھانے کی کوششیں کر رہے تھے جو بظاہر بے سود نظر آ رہی تھیں۔

وہاں رکے بغیر‘ ہماری لینڈ کروزر ایک بغلی سڑک سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

اس کے بعد ہم نے ایک اور جلا ہوا مکان دیکھا۔ وہ جزوی طور پر نذرِ آتش کیا گیا تھا لیکن بارودی دھماکوں وغیرہ کی مدد سے پورے مکان کو ملبے میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ وہاں بھی لوگوں کا ایک بڑا ہجوم جمع تھا۔ ڈون وہاں بھی نہیں رکا اور گاڑی آگے بڑھتی چلی گئی۔

آخر کار جیپ کے سفر کا اختتام سرخ پتھروں اور کھپریل سے بنے ہوئے ایک بنگلے پر ہوا جو ایک پہاڑی پر واقع تھا اس کے احاطے کا گیٹ سرے سے موجود ہی نہیں تھا اس لیے جیپ کچے راستے سے اندر داخل ہو کر‘ براہِ راست برآمدے کے سامنے رکی تھی۔

فکودا نے انجن بند کرنے سے پہلے ہارن بجایا تو ڈون اپنی مادری زبان میں اس پر برہم ہونے لگا‘ جس کی وجہ سے فکودا کو نیچے اتر کر ڈور بیل بجانی پڑی۔

دوسری گھنٹی کے جواب میں اندر سے کسی کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی پھر چند منٹ کے بعد اس قدیم طرز کے بنگلے کا داخلی دروازہ کھلا اور وہاں نیند سے اونگھتا ہوا‘ ایک چینی بے زاری کے عالم میں کھڑا نظر آیا۔

بقیہ لوگ اطمینان سے لینڈ کروزر میں براجمان تھے اس لیے فکودا نے ہی اسے کچھ بتایا اور وہ ادھیڑ عمر چینی اضطراری طور پر رکوع کے عالم میں جھکتا چلا گیا۔ وہ سیدھا ہوا تو اس کا نیند کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ سیدھا ہونے کے بعد اس نے ایک بار پھر جیپ کی طرف دیکھا اور تیزی کے ساتھ اندر غائب ہوگیا۔

چند منٹ بعد اسی دروازے سے ایک دراز قامت اور اُدھیڑ عمر سفید فام برآمد ہوا۔ اس کے بدن پر منڈھے ہوئے گون کے نیچے سلیپنگ سوٹ نمایاں نظر آرہا تھا۔ اس کی خوابناک آنکھوں میں شدید حیرت کے آثار منجمد تھے۔ وہ دروازے سے نکل کر ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا پھر تیزی سے ڈون کی طرف بڑھتا چلا آیا۔

”میں شرمندہ ہوں کہ سلیپنگ سوٹ میں تمہارے سامنے آیا ہوں۔“ وہ بے حد خلیق اور عاجزانہ لہجے میں بولا۔ ”لیکن لباس بدلنے کی تکلیف میں‘ مَیں تمہیں منتظر نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ مجھے اب بھی یقین نہیں آرہا کہ تم اتنی صبح سویرے میرے غریب خانے پر موجود ہو۔ آؤ! اندر بیٹھتے ہیں۔“ اس نے ڈون کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن ڈون نے سرد لہجے میں اسے منافقانہ اداکاری اور مہمان نوازی سے روک دیا۔

”اس تمام ریاکاری کی ضرورت نہیں۔ میں یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ تم پچھلی شام کی دعوت میں شریک تھے یا نہیں؟“

”میں مدعو نہیں تھا۔“ اس شخص کے اندازِ گفتگو میں انگریزوں کی روایتی شائستگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ”لیکن میں یہ سن کر سکتے میں رہ گیا کہ کچھ نامعلوم لوگوں نے تمہاری تقریب کو اس حد تک بگاڑنے کی کوشش کی کہ تمہارے مہمانِ خصوصی تک کو قتل کر دیا گیا۔ میرے لیے یہ اطلاع ناقابلِ یقین تھی۔ مکاؤ میں کس میں ہمت ہے کہ وہ تمہارے مدمقابل آنے کی جرات یا ہمت کرسکے!“

”مجھے حیرت ہے‘ گسکاٹ! کہ تم اس قدر بھولے بننے کی کوشش کر رہے ہو۔“ ڈون اچانک ہی دروازہ کھول کر جیپ سے نیچے اتر گیا۔ اس کے آدمیوں نے اس کی بلا تاخیر تقلید کے ارادے سے‘ اپنے اپنے دروازے کھولے لیکن ڈون نے سختی کے ساتھ انہیں نیچے اترنے سے روک دیا۔

گسکاٹ نے خطرہ بھانپ لیا۔ اس کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا اور وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ ”مجھے ڈر ہے کہ تم میری طرف سے کسی سنگین غلط فہمی میں مبتلا نظر آرہے ہو۔ مجھے ریاکاری کی ضرورت ہے‘ نہ میں بھولا بن رہا ہوں۔ رات کو جو کچھ ہوا وہ مکاؤ کی تاریخ کا بدترین سماجی سانحہ ہے۔ اس بارے میں‘ مجھ سمیت‘ ہر ایک کی یہی رائے ہے اور لوگوں کو پورا یقین ہے کہ تم اس واقعے کے ذمے داروں کو معاف نہیں کرو گے۔“

”اسی وجہ سے میں تمہاری قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا ہوں۔“ ڈون کا لہجہ زہریلا ہوگیا۔

”لیکن میرا قصور؟“ گسکاٹ نے پھنسی پھنسی عاجزانہ آواز میں سوال کیا۔ ”میں تو وہاں موجود بھی نہیں تھا۔ تم چاہو تو مکاؤ کے انگلش کلب میں معلوم کرسکتے ہو۔ میں سات بجے سے گیارہ بجے رات تک وہاں برج کھیلتا رہا۔ تمہاری تقریب کے بارے میں بری خبریں وہیں ملی تھیں۔“

”مکاؤ میں وان لن واحد شخص تھا جو میرے پیٹھ پیچھے مجھے دل کھول کر گالیاں دیتا تھا۔ وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا مگر میں جانتا ہوں کہ وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ہمدرد ابھی بھی مکاؤ میں دندناتے پھر رہے ہیں۔“

”مجھے اعتراف ہے کہ میں وان لن کا دوست تھا۔ مجھے اس کی پُراسرار گمشدگی پر تشویش بھی ہے لیکن میں چاند پر تھوکنے کی حماقت نہیں کرسکتا۔“ وہ اضطراری طور پر بار بار اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے‘ مدافعانہ لہجے میں بولنے لگا۔ ”میں وان لن کو بھی اکثر سمجھاتا رہتا تھا۔ تم مکاؤ کے گاڈ فادر ہو۔ تم سے ٹکرانے والا

بچ ہی نہیں سکتا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ اس وقت تمہارے خیالات بہت روشن اور صحت مندانہ ہیں لیکن ہم پچھلا حساب چُکانے کی بات کر رہے ہیں۔ تمہارا پچھلا نامۂ اعمال کسی بھی طرح قابلِ رشک نہیں ہے۔"

"یہاں آنے والے سیاحوں کو ہر ایک ہی دونوں ہاتھوں سے لوٹتا ہے اور جوئے میں تو ہر جگہ یہی ہوتا ہے لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ میری ان حرکتوں سے تمہیں کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی ہو گی۔" اس کی پیشانی عرق آلود ہو چلی تھی۔

"سیاحوں کا نزول دو چار رنگین راتوں کے لیے ہوتا ہے پھر وہ آوارہ پرندوں کی طرح' نئے آشیانے کی تلاش میں کہیں اور نکل جاتے ہیں۔ ہم مکاؤ میں رہتے ہیں اور اسی سرزمین پر بسنے والوں کا حساب کر رہے ہیں۔"

"لڑکیوں کے معاملے میں بھی مجھے بلا وجہ بدنام کیا جاتا رہا ہے۔ میں نے کبھی کسی لڑکی کو زبردستی نہیں اٹھوایا۔ اس الزام میں ذرا بھی صداقت ہوتی تو کوئی نہ کوئی لڑکی پولیس سے ضرور رجوع کرتی۔ پیسے سے دنیا کی ہر عورت کا مُنہ بند نہیں کرایا جا سکتا تھا۔ میرا ماضی بالکل صاف اور بے داغ ہے۔" ڈون کی موجودگی اور پھر اس کے گہرے پُرسکون رویے کی وجہ سے گسکاٹ کی حالت لحہ بہ لحہ بگڑتی جا رہی تھی اور اس کا چہرہ بھی پسینوں نہانے لگا تھا۔

"تم بات الجھانے کے لیے غیر ضروری اعترافات کیے جا رہے ہو۔" ڈون نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "تمہارے کرتوتوں کو سمجھنے کے لیے یہی ایک نکتہ کافی ہے کہ تمہارے حد سے بڑھے ہوئے حرامی پن کی وجہ سے تمہیں ہانگ کانگ سے نکالا گیا ورنہ وہاں کا گورنر تمہارا سیکنڈ کزن تھا۔ تم میں شرافت کی ذرا سی بھی رمق ہوتی تو ہانگ کانگ تمہارے لیے جنت بن سکتا تھا۔ تم وہاں کی بحری پولیس کے ذریعے بیک بنی و دوگوش نکالے گئے تھے۔ تمہارے پاس تن کے کپڑوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا لیکن تم نے وان لن کی سازباز سے سادہ لوح چینیوں کو دل کھول کر الّو بنایا۔ ہانگ کانگ کے گورنر سے اپنی رشتے داری کی کہانی سنا کر اور اس کے ساتھ اپنی گھریلو تصویریں دکھا کر تم نے لوگوں کو جھوٹی امیدوں کے سبز باغ دکھائے۔ انہیں ہانگ کانگ کی شہریت ملنے کی خوشخبریاں سنائیں اور اپنی جیبیں بھر لیں۔ مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری حویلی میں گڑبڑ پھیلانے میں وان لن کے کن ساتھیوں کا ہاتھ تھا۔ جواب مل جائے گا تو میں تمہارا شکریہ ادا کر کے لوٹ جاؤں گا ورنہ تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گا۔"

ڈون کا داہنا ہاتھ جینز کی جیب سے باہر رینگ آیا۔ اس میں اسمتھ اینڈ براؤنی میک کا اعشاریہ تین دو کا ریوالور دبا ہوا تھا۔ ڈون نے ریوالور کی نال سے گسکاٹ کی کھوپڑی کا نشانہ لے لیا۔

"میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میرے فرشتوں کو بھی کسی سازش کا علم نہیں۔" گسکاٹ کے چہرے پر یک بیک پسینے کی دھاریں بہنے لگیں۔ شاید اسے موت کے قدموں کی چاپ واضح طور پر سنائی دینے لگی تھی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ اچانک آنے والی موت کے مقابلے میں دبے قدموں' دھیمے دھیمے بڑھنے والی موت' اپنے شکاری کے لیے کس قدر اذیت ناک اور روح فرسا ہوتی ہے۔

"میں بدھا کا شیدائی ہوں۔ تمہارے صاحب اولاد خدا کو نہیں مانتا۔" ڈون اسے بری طرح دہشت زدہ کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ "کوئی نئی بات کرو جو میرے دل پر اثر کر سکے ورنہ میں تمہاری کھوپڑی میں روشندان بنا دوں گا۔"

"نہیں' ڈون! تم مجھے نہیں مارو گے۔" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر ہذیانی انداز میں چیخا۔ بڑھتا ہوا اعصابی دباؤ اس کے لیے یک بیک ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا۔ "میں حرامی اور کمینہ ضرور ہوں لیکن تم سے ڈرتا ہوں۔ میں نے تمہارے خلاف کچھ نہیں کیا۔ میرا ضمیر صاف ہے' خدا کے لیے مجھے بخش دو' میں جوانی میں نہیں مرنا چاہتا۔"

اس دوران میں ڈون اپنا پستول والا ہاتھ سیدھا کر چکا تھا۔

"جوانی!" گسکاٹ کے آخری فقرے پر اس نے استہزائیہ لہجے میں دہرایا اور پھر اچانک ہی مہیب پستول کی لبلبی دبا دی۔

گسکاٹ نے ہاتھ سامنے لا کر خود کو اس مہلک وار سے بچانا چاہا لیکن مہلک اور برق رفتار گولی اس کی داہنی ہتھیلی کو پھاڑتی ہوئی اس کی پیشانی میں پیوست ہو گئی۔

ڈون واقعی بے خطا نشانہ باز تھا۔ اس نے اپنے متحرک حریف کے اضطراری ردِعمل کی پیش بینی کرتے ہوئے نہایت مہارت کے ساتھ اس کی کھوپڑی داغ دار کر دی تھی۔ گولی لگتے ہی گسکاٹ کسی پھرکی کی طرح فضا میں چکرایا۔ اس کے حلق سے آزاد ہونے والی چیخ بہت طویل اور کرب آلود تھی پھر وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

ڈون کو شاید اپنے نشانے پر ناز تھا۔ اس نے فائر کرنے کے بعد مڑ کر گسکاٹ کی طرف دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی اور نہایت اطمینان کے ساتھ واپس لوٹ کر جیپ میں سوار ہو گیا۔ ڈون کے لَوٹتے ہی اس کے ساتھیوں کی طرف سے چند دبی دبی اور سنسنی خیز آوازیں برآمد ہوئیں جو مفہوم کے اعتبار سے میرے لیے ناقابلِ فہم تھیں۔ البتہ لہجے سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ ڈون کو اس کی بہترین نشانے بازی پر مبارکباد دے رہے تھے۔

کچی زمین پر دھول اڑاتے ہوئے جیپ نے واپسی کی راہ اختیار کر لی۔ اس وقت تک گسکاٹ اپنے خون میں لتھڑا ہوا دھول میں لوٹ رہا تھا لیکن ڈون نے اس کے مرنے کا انتظار کیا نہ دوسری گولی

استعمال کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ شاید اسے پورا یقین تھا کہ اس کا شکار کسی بھی صورت میں جانبر نہ ہو سکے گا۔

جیپ اس بنگلے کے احاطے سے نکل کر' پہاڑی سے نیچے جاتی ہوئی سیاہ سڑک پر نکل آئی تو ڈون نے مجھ سے سوال کیا۔ "ایڈی گسکاٹ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"حرامی' درجۂ اول۔" میں نے کہا۔ "اس نے کچھ اور نہ بھی کیا ہو تو محض اپنے اقبالی جرائم کی بنا پر وہ سزائے موت کا مستحق قرار دیا جا سکتا تھا۔ مجھے تو حیرت ہے کہ چینی لڑکیوں کے اغوا اور آبروریزی کے واقعات پر مشتعل ہو کر کسی چینی نوجوان نے اسے پہلے ہی قتل کیوں نہیں کیا؟"

"چین میں بس یہی ایک خرابی ہے۔" ڈون نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "ذاتی افتخار' انا اور بے حرمتی کے معاملات میں چینی عموماً بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ معاملہ علاقائی یا قومی افتخار کا ہو تو ہر چھوٹا اور بڑا لنگر لنگوٹ کس کر میدان میں اتر آتا ہے۔ بہرحال' گسکاٹ مر گیا۔ وہ میرے خلاف سازش میں شریک رہا ہو یا نہ رہا ہو لیکن جب مکاؤ میں اس کے قتل کی خبر پھیلے گی تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ میں نے اپنے دشمنوں کو کندۂ جہنم بنا دیا ہے۔ آج کے لیے میں نے وان لن کے چھ قریبی اور رازدار ساتھیوں کا انتخاب کیا تھا۔ ان کی بیخ کنی کے بعد' اب مکاؤ میں سال' دو سال کے لیے ٹھہراؤ آ جائے گا اور کوئی بھی میرے خلاف سر اٹھانے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔"

"کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم نے اپنی انا کی تسکین اور سربلندی کے لیے مکاؤ کے چھ گھرانوں کو نیست و نابود کر کے ان کی لاشوں پر اپنی برتری کے جھنڈے گاڑ دیے؟"

"تم کوئی بگڑے ہوئے ادیب یا شاعر معلوم ہوتے ہو جو اتنی گاڑھی باتیں کر رہے ہو۔" ڈون نے قہقہہ مار کر کہا۔ "'انا' لاشیں اور جھنڈے تو اشتراکی ادیبوں کی تحریر میں ملتے ہیں یا پھر ان یتیم و یسیر شاعروں کے بے مقصد مصرعوں میں جو اپنے فرسودہ کلام کی داد نہ ملنے پر سامعین کے بچوں کو کوسنے لگتے ہیں۔"

"شاعروں کی بھی خوب کہی تم نے!" میں بھی ہنس پڑا۔ "ان میں سے بہت سے نمکین چہرے اپنے جمال کے لیے بہت سے استادوں کی فیاضیوں کے احسان مند ہوتے ہیں۔ استاد کے مرجانے پر ان کی شاعری بگڑ جائے تو یہ بے چارے نثری ادب میں اپنا مُنہ گھسیڑ دیتے ہیں لیکن میں بگڑا ہوا شاعر ہوں نہ مایوس ادیب۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ میرے اپنے مشاہدے کی بات ہے۔"

"اب زیادہ بکواس مت کرو!" ڈون غرّایا۔ "میں وان لن اور اس کے مددگاروں کو بالکل بھولا ہوا تھا۔ یہ تم ہی تھے جس نے مجھے ان لوگوں کی طرف متوجہ کیا۔ اب میں اپنی باری کھیل رہا ہوں تو تمہیں یک بیک میری اَنا کے مینار پر لاشوں کے ساتھ جھنڈے نظر آنے لگے ہیں۔"

"موضوع خطرناک رخ اختیار کرنے لگا تھا اس لیے میں نے فوراً ہی خاموشی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وان لن کے قریبی ساتھیوں کی پوزیشن صاف ہونے کی صورت میں ڈون از سرِنو دماغ سوزی شروع کر دیتا جس کے نتائج ہمارے لیے ناخوشگوار بھی ہو سکتے تھے۔

ہم لوگ خوابناک روشنیوں میں نہائے ہوئے مکاؤ کے خونیں گشت سے فارغ ہو کر حویلی میں واپس پہنچے تو صبح کے چھ بجنے والے تھے۔

ڈون سے رخصت ہونے سے پہلے میں نے دبے لفظوں میں اپنی واپسی کی خواہش کا اظہار کیا تو وہ ہنسنے لگا۔ "تمہیں مجھ سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں تم تینوں کی گفتگو کا ترجمہ سنتا رہا ہوں۔ آج کا دن تو تم شاید سو کر گزارو گے۔ میں کل تمہاری واپسی کا بندوبست کرا دوں گا۔"

غزالہ میری واپسی کے انتظار میں نہ صرف بیدار تھی بلکہ شیش محل کی نشست گاہ میں' سلطان شاہ کے ساتھ رمی کھیلتے ہوئے خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ دونوں میرے اس دورے کے تاثرات جاننے کے لیے بے چین تھے۔ یہ بات کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ ڈون اپنے خفیہ نظام کے ذریعے ہماری گفتگو کا ایک ایک لفظ سنتا تھا اس لیے میں نے انتہائی شاندار اور پُرشکوہ انداز میں ڈون کے دشمنوں کی تباہی اور ڈون کی بے خطا نشانے بازی کی کہانی بیان کی پھر انہیں اگلے دن مکاؤ سے روانگی کا مژدہ بھی سنا دیا تاکہ بات بالکل ہی پکی ہو جائے۔

ایک دوسرے کے نکاح میں آ جانے کے بعد ہم دونوں اپنی خوابگاہ میں سلطان شاہ کی موجودگی کا کوئی جواز نہیں پاتے تھے اس لیے جب اس نے ہم سے رخصت چاہی تو ہمیں نہایت خلوص کے ساتھ الوداع کہنا پڑا۔ سلطان شاہ کے لیے وہ نئی بات تھی۔ میں نے

محسوس کیا کہ وہ اس تبدیلی کو ہماری سرد مہری پر محمول کر کے کچھ آزردہ سا ہو گیا تھا۔ وہ وقت کی بدلتی ہوئی صورتِ حال کا سرگرم تقاضا تھا اس لیے میں خاموشی کے ساتھ اسے واپس جاتے دیکھتا رہا پھر غزالہ کا ہاتھ تھام کر اپنی اس خوابگاہ کی طرف چل دیا جہاں کا ماحول دن اور رات کی تبدیلی سے یکسر بے نیاز تھا۔ روشنیاں گُل کر کے دن دہاڑے رات کا سماں پیدا کیا جا سکتا تھا اور رات میں روشنیاں جلا کر دن طلوع کیا جا سکتا تھا۔

وہ ہماری ازدواجی زندگی کے یادگار اور ابتدائی لمحات تھے جس میں کومل جسموں کی دودھیا روشنی ہی ہزاروں اجالوں پر بھاری ہوتی ہے۔ میں نے خواب گاہ کی خلوت میں داخل ہوتے ہی تمام روشنیاں گُل کر کے اندھیرے میں دھندلی سی کہکشاں روشن کر دی۔

نجانے کس وقت ہماری آنکھ لگی۔ ہم اس طرح گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے کہ پھر شام ہی کی خبر لائے۔ اس دوران میں کسی نے بھی ہماری نیند میں خلل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

نہانے دھونے کے بعد ہم دونوں کو ہی شدید اشتہا محسوس ہونے لگی۔ ناشتے اور دوپہر کے کھانے کا وقت ہم نے سو کر گزار دیا تھا جب کہ رات کے کھانے میں خاصی دیر باقی تھی۔ اس لیے میں نے خوابگاہ میں موجود ریفریجریٹر کا رخ کیا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ بھانت بھانت کی اشیائے خورونوش سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں بُھنے اور فرائی کیے ہوئے گوشت کے پارچے بھی شامل تھے لیکن یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ گوشت کس جانور کا تھا اس لیے ہم نے گوشت کو ہاتھ لگائے بغیر پنیر، تازہ پھلوں اور جوس کی مدد سے شکم پُری کی اور لباس تبدیل کر کے نکل کھڑے ہوئے۔

سلطان شاہ اپنے کمرے میں موجود نہیں تھا۔ ہم حریری پردے عبور کر کے دالان نما حصے سے ہال میں داخل ہوئے تو ڈون وہاں موجود نہیں تھا لیکن متعدد لڑکیاں وہاں چکراتی پھر رہی تھیں۔ اس روز ڈون کے عملے کے رویّے میں یہ خوشگوار تبدیلی سامنے آئی کہ ہر ایک نے مسکراتے ہوئے، اپنے سر کو جھکا کر ہمیں تعظیم دی تھی۔ خیر سگالی کے جوابی اظہار میں ہمیں بھی اُسی انداز میں سر جھکانے پڑے۔

وہ مشق بظاہر بہت سہل نظر آتی تھی لیکن تھوڑی ہی دیر میں غزالہ منمنانے لگی۔ "مجھے تو اپنی گردن میں رعشہ سا اترتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ کچھ دیر اور یہی صورتِ حال برقرار رہی تو میرے لیے اپنی گردن کو ایک جگہ روک کے رکھنا دشوار ہو جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اب باہر نکل چلو۔"

"اس کی تجویز معقول تھی۔ ڈون کی حویلی میں شاید ائرکنڈیشننگ کا کوئی مرکزی نظام نصب تھا جس کی وجہ سے ہر حصے میں خوشگوار خنکی رچی رہتی تھی۔ اس بند ماحول کے مقابلے میں کھلی فضا یقیناً بہتر رہتی جہاں تازہ ہوا کے ساتھ ہی ہمیں آزادانہ گفتگو کا موقع بھی میسر ہوتا۔

ڈون کی حویلی سے باہر بھی چہل پہل تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ڈون کی ذاتی ضروریات بلاشبہ بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھیں لیکن حویلی کے جملہ اخراجات میں ان کا تناسب بہت قلیل سا تھا۔ بہت بڑی رقم ان سیکڑوں ملازمین کی روز مرّہ ضروریات کی نذر ہو جاتی ہو گی جو حویلی میں پَل رہے تھے۔

باہر نکلنے کے بعد ہم نے خوبصورت ملحقہ باغ کا رخ کیا تو ہمیں ایک بینچ پر سلطان شاہ بھی نظر آ گیا۔ وہ تنہا اور خاصا اداس بیٹھا ہوا تھا۔

"تم اکیلے یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ ہم تمہیں اندر ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔" قریب پہنچ کر میں نے اُس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے سوال کیا۔

"میں نے تین چار مرتبہ تمہارے در دولت پر حاضری دی تھی لیکن کوئی جواب نہ ملنے پر واپس لوٹنا پڑا۔" اس نے باری باری ہماری طرف دیکھتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔

"کمال ہے۔" میں نے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے خفّت آمیز انداز میں کہا۔ "کم از کم مجھے تو ایک مرتبہ بھی گھنٹی کی آواز نہیں سنائی دی۔ شاید میں بہت گہری نیند سویا ہوا تھا۔"

"جوانی کی نیند ایسی ہی ہوتی ہے۔" وہ مسکرانے لگا۔ "اور پھر آج کی بات ہی کچھ اور تھی۔"

"دیکھو! اب اپنی زبان پر قابو رکھو۔" غزالہ نے اُسے گھورا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اب آنکھیں بدل لی ہیں اور مجھے اپنی بہن تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہو۔"

"منہ بولی بہن کا رشتہ بہت کمزور اور ناپائیدار ہوتا ہے۔ بھاوج کا رشتہ مضبوط اور قریبی ہو جاتا ہے۔ پہلے میں بہن کہنے پر مجبور تھا کیوں کہ تمہارے اور ڈینی کے درمیان کوئی رشتہ قائم نہیں ہوا تھا۔ یہ مجبوری ختم ہو گئی ہے تو تمہیں بھی مجھ کو اپنا دیور ہی سمجھنا چاہیے۔"

کچھ دیر تک یوں ہی نوک جھونک ہوتی رہی پھر سلطان شاہ نے چونک کر بتایا کہ سارا بھی ہم دونوں سے ملاقات کی فکر میں تھی کیوں کہ اُسے غزالہ کی تصاویر کی شدت سے ضرورت تھی۔

"میری تصاویر کا وہ کیا کرے گی؟" غزالہ نے منہ بنا کر سوال کیا۔

"ہم دونوں اپنے اپنے پاسپورٹ پر سفر کرتے ہوئے مکاؤ آئے ہیں لیکن تمہاری جعلی سفری دستاویزات وہی بھارتی، ایجنٹ لے اُڑا تھا جو تمہیں نئی دہلی سے ہانگ کانگ لایا تھا۔ تمہاری پاکستان واپسی کے لیے کوئی نہ کوئی بندوبست تو کرنا ہی ہو گا۔" سلطان شاہ نے اُسے آگاہ کیا۔

وہ واقعی بہت اہم معاملہ تھا جسے ہم بالکل ہی بھولے ہوئے تھے۔ ڈون نے ہمیں اگلے روز روانگی کی نوید سنا دی تھی لیکن غزالہ

کی سفری دستاویزات کی تکمیل کے بغیر ہم مکاؤ سے نہیں نکل سکتے تھے۔ میں ان دونوں کو لے کر فوراً ہی وہاں سے اٹھ گیا تاکہ سارا کو تلاش کیا جا سکے لیکن چند قدم طے کرنے کے بعد ہی وہ ہمیں سامنے سے اپنی طرف آتی ہوئی نظر آ گئی۔ اُس کے ایک ہاتھ میں کیمرا دبا ہوا تھا۔

سارا کے ساتھ ہم دوبارہ بینچوں کی طرف لوٹ آئے۔ اس کے کیمرے میں فلم کا نیا رول پڑا ہوا تھا۔ پہلے اس نے اپنے مقصد کے لیے غزالہ کی چند تصویریں لیں پھر ہم نے باری باری ایک دوسرے کے ساتھ گروپ بنا کر وہ پورا رول ختم کر دیا کیوں کہ سارا فوراً ہی وہ رول فلمیں بنوانے کے لیے بھیج رہی تھی۔

فلم کسی کے حوالے کر کے سارا جلد ہی واپس لوٹ آئی۔ وہ خاصے خوشگوار موڈ میں تھی اور سلطان شاہ کے ساتھ مل کر غزالہ کو زِچ کرنے کی کوشش کر رہی تھی پھر باتوں کا رخ شادی کی تقریب کی طرف ہو گیا۔

"شاید تم یقین نہ کرو کہ یہ مکاؤ میں شادی کی سب سے بڑی اور شاندار تقریب تھی۔" سارا کی آواز رشک آمیز تھی۔ "تم لوگ اپنے وطن لوٹ جاؤ گے لیکن مکاؤ والے مدتوں تک شادی کی اس تقریب کو فراموش نہیں کر سکیں گے۔ تم دونوں بہت خوش نصیب ہو..."

"یہ پردیس کی شادی تھی۔" میں نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔ "یہ تمہارے نزدیک خوش نصیبی کی بات ہو سکتی ہے لیکن مجھے زیادہ خوشی اس وقت ہوتی جب میں اپنے دوستوں کے ہجوم میں شادی کرتا۔"

"وہ ایک الگ بات ہے۔ تمہیں اس قدر تحائف ملے ہیں کہ نئی زندگی کے آغاز کے لیے وہی بہت بڑا سرمایہ ثابت ہو سکتا ہے۔" سارا بولی۔ "تحائف کی تعداد اور مالیّت کے اعتبار سے یہ ایک شاہانہ شادی تھی۔"

"تحائف میں گاڑیاں کتنی ملی ہیں؟" میں نے دلچسپی کے ساتھ پوچھا۔

"پورا نادر و نایاب خزانہ ہے۔" سارا سنسنی کا شکار ہوئی جا رہی تھی۔ "فیرارے، مرسڈیز اور پونٹیاک کے علاوہ ایک بی ایم ڈبلیو بھی ہے۔ نوادرات کے علاوہ ڈون گاڑیوں کا بھی بہت شوقین ہے۔ تم مناسب سمجھو تو اظہارِ تشکر کے طور پر فیرارے اور بی ایم ڈبلیو اسے دے سکتے ہو۔ وہ خوش ہو جائے گا۔"

"تم گاڑیوں میں کیوں الجھ گئیں؟ دوسرے تحائف بھی تو آئے تھے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"وہ سب ایک کمرے میں سجا دیے گئے ہیں۔ ڈون کا کہنا ہے کہ یہ میاں بیوی خود ہی ان پیکٹوں اور لفافوں کو کھولیں گے۔" سارا نے بتایا۔ "وہ سارے تحائف تمہاری ملکیت ہیں۔"

"یہ ڈون کی فراخدلی ہے کہ وہ ایسا سوچتا ہے۔" میں نے سارا کی چمکتی ہوئی نیلی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہمیں ان تحائف کی کوئی طمع نہیں۔ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ڈون کی عنایتوں کے طفیل ہمیں یکجا ہونے کا موقع مل گیا۔ ان چاروں میں سے ایک کار تمہاری ہو گی۔ تمہیں اپنی پسند کا اختیار ہے۔ باقی رہ جانے والی تین گاڑیاں ڈون کی نذر کر دی جائیں گی۔ تم نے ہم تینوں پر بہت عنایات کی ہیں..."

سارا کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیل گئیں، پھر وہ غزالہ کی موجودگی یا اس کی ناگواری کی پروا کیے بغیر آگے بڑھی اور مجھ سے لپٹ کر میرے چہرے پر پے در پے بوسوں کی بھرمار کر دی۔

"اوہ، ڈارلنگ! تم کتنے اچھے ہو، دوسروں کا کتنا خیال رکھتے ہو۔ میں نے تمہارے لیے کچھ بھی تو نہیں کیا۔ تم نے اپنے چند الفاظ سے میرے خوابوں کو تعبیر عطا کر دی ہے۔ میں یہاں سے بی ایم ڈبلیو لے کر واپس لوٹوں گی تو جونی خوشی سے پاگل ہو جائے گا۔ وہ موٹر ویز پر ڈرائیونگ کا دیوانہ ہے لیکن یہ بات اُس کے خواب و خیال میں بھی نہ ہو گی کہ ایک دن ہم بی ایم ڈبلیو کے مالک بن جائیں گے...."

سارا جذبات کی شدت سے بری طرح مغلوب ہو گئی تھی۔ میرے لیے وہ خاصا خوشگوار اور ہیجان آمیز تجربہ تھا لیکن میں کن انکھیوں سے غزالہ کے چہرے کے بگڑے ہوئے تاثرات بھی دیکھ رہا تھا۔ میں نیم دلی کے ساتھ سارا کو خود سے الگ کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا لیکن اس پر تو جیسے اظہارِ ممنونیت کا دورہ پڑ گیا تھا۔

آخر کار غزالہ سے نہ رہا گیا اور اس نے سارا کو مجھ سے کھینچ کر الگ کر دیا۔ "ہوش میں رہو سارا۔" غزالہ نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "دور سے دیکھنے والے کیا سمجھ رہے ہوں گے؟ کسی نے اس والہانہ بوس و کنار کی خبر ڈون کو پہنچا دی تو تمہارے ساتھ ڈینی بھی اُس کے عتاب میں آ جائے گا۔"

"سوری، غزالہ!" سارا نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ یہ ڈون کی جاگیر ہے۔ یہاں مجھے بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے خاص طور پر تمہارے سامنے کیوں کہ تم ڈینی کی نئی نویلی دُلہن ہو۔"

"دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے۔" سلطان شاہ نے اردو میں ہانک لگائی۔ "موجودہ شکریے کی باقی قسط یہ تنہائی میں ادا کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔"

"فتور پھیلانے کی کوشش مت کرو!" میں نے آنکھیں نکال کر اُسے ڈانٹا۔

"حق بات کو ہر دَور میں ناپسند کیا گیا ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ "لیکن میں حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتا۔"

"ویسے یہ جونی کون ہے سارا؟" غزالہ اُس سے پوچھ رہی تھی۔

"میرا بوائے فرینڈ!" اس وقت سارا خوشی سے کِھلی پڑ رہی تھی۔ "برٹش آرمی میں میجر ہے۔ بکنگھم پیلس کے حفاظتی انتظامات کا وہی ذمّے دار ہے۔ اس سال کرسمس سے پہلے' ڈون کے ساتھ میرا معاہدہ ختم ہو رہا ہے۔ واپسی پر ہم کرسمس کے بعد شادی کرلیں گے جو تمہاری جیسی نہیں ہوگی۔"

سارا کی آواز میں رشک یا حسرت کے بجائے خوش دلی موجود تھی لیکن غزالہ اسے معاف کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ اس نے براہِ راست پوچھا۔ "جونی تمہیں اتنا ہی چاہتا ہے تو اُس نے تمہیں مکاؤ کی غلاظت میں کیوں جھونکا ہوا ہے؟ ڈون کوئی برہمچاری تو نہیں ہے جو دور دور سے تمہاری پرستش کرتا ہوگا۔"

"انگلینڈ میں کسی کو معلوم نہیں کہ مکاؤ میں کیا ہو رہا ہے۔" یک بیک سارا سنجیدہ اور قدرے تلخ ہوگئی۔ "یہ عذاب میں اپنی ذات پر جھیل رہی ہوں۔ جونی تو صرف اتنا جانتا ہے کہ میں بھاری ماہانہ مشاہرے پر دو سال کے لیے ڈون کی سیکریٹری بن کر مکاؤ آئی ہوں۔ اس نے حساب لگایا تھا کہ اس دو سالہ معاہدے کے نتیجے میں' میں اتنی بھاری رقم پس انداز کرلوں گی جو اُسے برٹش آرمی سے ریٹائرمنٹ پر بھی نہیں ملے گی۔ بہتر زندگی گزارنے کے لیے پیسہ ناگزیر ہوتا ہے۔ میں جونی کے مشورے پر ہی یہاں آئی ہوں۔ یہ صرف میری کہانی نہیں ہے۔ شاید ہر تارکِ وطن کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ روزی کمانے کے لیے اپنا وطن چھوڑنے والوں کو اپنی انا مار کر ہزاروں سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں تب کہیں وہ دولت کے انبار کماتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ اپنے وطن کے برعکس' پردیس میں انہیں کوئی دیکھنے' روکنے' ٹوکنے یا تنقید کرنے والا نہیں ہوتا۔ وہ وطن واپس لوٹتے ہیں تو اُن کی جیبیں تول کر اُن کی کامیابی کا اندازہ لگایا جاتا ہے کیوں کہ اس دَور میں پیسہ ہی عزت' شرافت اور دیانت کا معیار بن گیا ہے۔ تمہاری جیب میں پونڈ نہ ہوں تو تم عزت کے ساتھ مرنے کی سعادت سے بھی محروم ہو جاتے ہو۔" وہ خاموش ہوئی تو اس کی آنکھوں کے گوشوں سے دو آنسو لڑھک کر اُس کے گلابی رخساروں پر آ گئے۔

میں نے ملامت بھری نظروں سے غزالہ کو گھورا لیکن وہ میرے بجائے سارا کی طرف متوجہ تھی اور بوکھلا کر کہہ رہی تھی۔ "تم کو میرے سوال سے دکھ پہنچا ہو تو میں معافی چاہتی ہوں۔ سارا' میرا مقصد تمہاری دل آزاری نہیں تھا۔ میں تو بس تمہارے بارے میں کچھ زیادہ جاننے کے لیے سوال کر بیٹھی تھی۔"

"تمہارا کوئی قصور نہیں ہے' ڈارلنگ!" سارا بے پروائی کے ساتھ اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے بولی۔ "خشک تالاب کسی کی توجہ کا مرکز نہیں بنتا۔ اس میں شفاف پانی بھرا ہو تو لوگ خود غوطہ خوری کرتے ہیں لیکن جب اسی جوہڑ میں کیچڑ بھری ہوئی ہو تو ہر گزرنے والا اس میں ایک آدھ پتھر پھینکنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ کیا ہوا جو ایک ہلکا سا کنکر تم نے بھی اچھال دیا۔ میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں مکاؤ کی غلاظت میں غرق ہوں۔ میں ڈون کی داشتہ ہوں۔ میں نے جب لندن کے رٹز ہوٹل میں ڈون کی نوکری کے معاہدے پر دستخط کیے تھے تو میرے ذہن میں یہ واضح اندیشہ موجود تھا کہ مجھے اتنی بھاری اور تحریص آمیز تنخواہ کی پیشکش صرف پیشہ ورانہ کاموں کے لیے نہیں کی جا رہی لیکن اس وقت میرے لیے اس اندیشے میں بھی ایک سحر آفریں کشش تھی۔ پردیس کی طویل اور پُرہول تنہائی میں اگر اپنے آجر کی ذاتی توجہ حاصل رہے تو دو برس کی مدت آسانی سے گزر جائے گی۔ یہ میرا اپنا حساب تھا جو اَب تک کامیاب جا رہا ہے۔ جونی نے مجھے کسی کی داشتہ بننے کی اجازت نہیں دی تھی' اس لیے تم اسے کوئی الزام نہیں دے سکتیں۔"

سارا ڈون کی حویلی میں گھٹن کی زندگی گزار رہی تھی۔ اپنے فیصلے کی سچائی ثابت کرنے کے لیے اُس نے اپنی ذات پر ایک بہت مضبوط خول منڈھ لیا تھا جو حسین' دلکش اور آسودہ نظر آتا تھا۔ یہ اسی خول کا عذاب تھا کہ سارا کے دکھوں کا ناسور اندر ہی اندر پھیل رہا تھا اور جونہی غزالہ نے اس خول سے نیچے گہری نشتر زنی کی' دکھوں کا پکا ہوا مواد سارا کے کڑوے کسیلے الفاظ میں ڈھلتا چلا گیا۔

"میں کسی کو کوئی الزام نہیں دے رہی ہوں۔" غزالہ کی آواز سے تکان اور شکست کے آثار مترشح تھے۔ "دراصل میں تمہیں اندر تک کُرید کر تمہاری حقیقی ضروریات کا اندازہ لگانا چاہ رہی تھی۔ پیسہ اس دَور میں واقعی سب سے بڑی طاقت ہے مگر مشرق میں اب بھی کہیں کہیں روایات کو برتری حاصل ہے۔ ڈینی نے تمہیں بی ایم ڈبلیو کا مالک بنایا اور میں تحائف میں آئے ہوئے تمام زیورات سے تمہارے حق میں دست بردار ہوتی ہوں۔"

"ان زیورات کو دیکھے بغیر؟" سارا نے عجیب سے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

مجھے یہ دیکھ کر شدید ذہنی جھٹکا لگا کہ غزالہ کی پیش کش پر سارا نے کسی پُرجوش ردِّعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ دیکھا جائے تو اس کے سوال میں ایک چبھتا ہوا طنز پوشیدہ تھا۔ جیسے اسے غزالہ کی سیر چشمی پر اعتبار نہ ہو۔ میں نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا۔ وہ بظاہر انعام و اکرام اور فراخ دلی کی باتیں کر رہی تھیں لیکن لڑاکا مرغیوں کی طرح ایک دوسرے کو گھورے جا رہی تھیں۔ شاید غزالہ کے ازدواجی وجدان نے اسے آگاہ کر دیا تھا کہ ڈون کی حویلی کے کئی بے آواز دورانیوں میں سارا مجھے اپنے وجود کی تمام تر لطافتوں سے زیربار کرکے اُس کی حق تلفی کر چکی تھی۔

"ہاں!" غزالہ نے ایک جھٹکے کے ساتھ کہا۔ "دیکھے اور تولے بغیر کیونکہ ہمارے یہاں ابھی تک دولت کو ایسا لازوال مرتبہ نہیں مل سکا کہ اس کے سامنے دوسرے انسانی جذبوں کو پامال یا نظر انداز کیا جا سکے۔"

"اس فراخ دلی کے لیے میں تہِ دل سے تمہاری ممنون ہوں۔" سارا نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر کہا۔ "میرے نزدیک وہ صورتِ حال بہت مخدوش اور خطرناک تھی اس لیے میں نے زبردستی قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "بی ایم ڈبلیو تو تم نے بغل گیر ہو کر بوسوں کے ساتھ قبول کی تھی۔ زیورات کے معاملے میں تم نے کسی بھی گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ حالانکہ زیورات تمہاری صنف کی سب سے بڑی کمزوری ہوتے ہیں۔"

"بس صنف آڑے آ گئی ہے۔" سارا نے بلا تردّد جواب دیا۔ "مجھ میں ہم جنس پرستی کے آثار سرے سے مفقود ہیں اس لیے میں لڑکیوں کے معاملے میں کبھی بھی زیادہ پُرجوش نہیں ہوتی۔ ویسے مادام غزالہ کی خواہش ہو تو انہیں اپنی بانہوں میں لے کر دو چار بوسے لے سکتی ہوں۔"

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ سارا' غزالہ کو اس کے ابتدائی سوال کا بھرپور جواب دینے پر تُلی ہوئی تھی' اس کے تیور نرم لیکن لہجہ جارحانہ تھا۔ غزالہ کا لہجہ نرم مگر تیور جارحانہ تھے۔ سارا کے جواب پر غزالہ کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو گیا تھا اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ سارا نے جس انداز میں اسے مادام غزالہ کہا تھا' اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ غزالہ کو ڈون جیسی کوئی مجرمہ قرار دینا چاہ رہی تھی۔

میں ان دونوں کے درمیان مصالحت کی راہ تلاش کرنے میں کوشاں تھا کہ موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے سلطان شاہ مجھ سے پہلے ہی مؤثر انداز میں حرکت میں آ گیا۔

"تم بھی کس بحث میں الجھ گئیں!" اس نے سارا کی نرم اور لچکیلی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ "تم بھول رہی ہو کہ شادی کے بعد یہ دونوں ایک دوسرے کے سچے دعوے دار بنے ہوئے ہیں۔ تمہاری طرح میں بھی بے جوڑ اور بالکل اکیلا ہوں۔ میرے ساتھ آؤ تاکہ ہم دونوں بھی اپنا دل بہلا سکیں۔"

سارا کے لیے وہ ایک خوشگوار پیش کش تھی۔ وہ کسی مزاحمت کے بغیر سلطان شاہ کے ساتھ ہولی۔

"تم نے بُرا کیا۔" میں نے ان دونوں کے چلے جانے کے بعد غزالہ سے کہا۔ "وہ کوٹھے پر بیٹھی ہوئی کوئی طوائف نہیں ہے بلکہ مکاؤ میں سمجھوتوں کے تحت زندگی گزارنے کی کوشش کر رہی ہے۔ تم نے اپنے ایک چبھتے ہوئے سوال سے اُس کی انا کو بری طرح لہولہان کر دیا ہے۔"

"وہ حرام زادی ہے۔" غزالہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "وہ اندر تک غلاظت میں لتھڑ چکی ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ وہ بی ایم ڈبلیو ملنے کی خوشی میں کس قدر والہانہ انداز میں تم سے بغل گیر ہوئی تھی لیکن زیورات ملنے کی خبر پر وہ برف کی طرح ٹھوس اور جامد رہی حالانکہ زیورات کی مالیت یقینی طور پر بی ایم ڈبلیو سے کہیں زیادہ ہوگی۔ اسے تو شاید نت نئے مردوں کو آزمانے کا چسکا پڑ گیا ہے۔"

"وہ کتنی ہی گئی گزری کیوں نہ ہو' تمہیں مجھ پر اعتماد ہوتا تو شاید اتنی برہمی کی نوبت نہ آتی۔ تالی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے' ایک ہاتھ سے نہیں۔" میں نے کہا۔

"مجھے پورا اعتماد ہے کہ تم اُس کے حربوں کا شکار نہیں ہو سکتے۔" وہ محبت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "لیکن مرد اپنی راہ میں آنے والے ہر روڑے کو اپنے انداز میں ٹھوکر لگانے کے عادی ہوتے ہیں۔ یہ شاید ان کی فطرت میں شامل ہوتا ہے۔ بہت کم مرد ایسے ہوتے ہیں جو اُن رکاوٹوں سے بچ کر گزر جائیں۔"

اس کے جواب پر میں اندر ہی اندر تلملا کر رہ گیا کیوں کہ اس نے میری دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ میری سوچ بالکل یہی تھی کہ وفا کے سنگین وعدے وعید کیے بغیر اگر سارا مجھے فیضیاب کرنے پر آمادہ تھی تو مجھے کفرانِ نعمت کیے بغیر اُسے دونوں ہاتھوں سے خوش آمدید کہنا چاہیے تھا۔

غزالہ نے میرے دل کا چور پکڑ لیا تھا اس لیے مجھ سے فوری طور پر کوئی جواب نہ بن پڑا لیکن میری وہ مشکل غزالہ نے ہی آسان کر دی اور کہنے لگی۔ "حویلی میں زبانوں پر ہزار پہرے ہوتے ہیں لیکن تم نے باہر نکل کر بھی یہ جاننے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی کہ کراچی سے نئی دہلی پہنچنے تک میرے ساتھ کیا گزری تھی۔"

"جو کچھ ہوا' اچھا نہیں ہوا ہوگا۔" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "جب صورتِ حال کا پہلے سے ادراک ہو تو زخموں کو چھیڑنے سے اذیت اور کوفت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

"میں تمہیں ظلم کی کوئی داستان نہیں سنانی چاہتی۔" وہ تنک کر بولی "شری مان سنگھ تو ہمارے ملک میں بیٹھا ہوا ایک معصوم سا مہرہ ہے۔ نئی دہلی میں بڑے بڑے زہریلے ناگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے راجستھان میں اپنی آنکھوں سے ایسا تربیتی کیمپ دیکھا ہے جہاں سیکڑوں بے روزگار پاکستانی لڑکے' دو سو روپے یومیہ ملنے کی امید پر دہشت گردی اور تخریب کاری کی کڑی تربیت حاصل کر رہے ہیں۔"

غزالہ کی باتوں نے مجھے اپنے دل میں شرمسار کر دیا۔ وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی کہ اپنے وطن سے دور نکل آنے کے بعد میرے دل میں حب الوطنی کی آگ شرمناک حد تک ٹھنڈی پڑ گئی تھی اور میں سر سے پیر تک' اپنے ذاتی مفادات میں الجھ کر رہ گیا تھا۔

"میں اس موضوع پر بات کرنے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔" میں نے کھسیا کر کہا۔ "ظاہر ہے کہ یہ بات چند فقروں میں تو مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔"

"ڈون کی حویلی میں ہم مجبور اور محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہاں کسی کو فون تک نہیں کر سکتے۔" غزالہ نے میری معذرت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "وہ لوگ منگلا اور تربیلا بند کی جھیلوں میں' مین اسپل وے کی تہوں میں ایسے بارودی ہتھیار بچھانے کا منصوبہ بنا رہے ہیں جو ریموٹ کنٹرول سے اُڑا دیے جائیں تو لاکھوں کیوسک پانی کا غضب ناک ریلا پورے پاکستان کی شہری اور دیہی معیشت کو اپنے ساتھ بہا لے جائے گا اور ہم برسوں کے لیے ایک ہولناک

غذائی قحط سے دوچار ہوجائیں گے۔"

"یہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوا؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"وہ مجھے بے ہوش سمجھ کر اپنی میٹنگ میں مصروف تھے لیکن میں ہر لفظ بخوبی سن رہی تھی۔ اس بار انہوں نے فوجی محاذ آرائی کے ساتھ ساتھ معاشی طور پر ہماری کمر توڑنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ ہم اپنی قومی آمدنی کا کوئی بھی حصہ ایٹمی پروگرام کے لیے مخصوص کرنے کا تصور نہ کرسکیں۔ بھارتی مہاشے پاکستان کی دن بدن بڑھتی ہوئی ایٹمی استعداد سے بہت زیادہ خوفزدہ ہیں اور اسے ہندو دھرم کی بقا کے لیے سب سے بڑا خطرہ سمجھ رہے ہیں۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اُن کے نزدیک مذہب ریاست سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔"

وہ چونکا دینے والا انکشاف تھا لیکن اس میں کافی سے زیادہ وزن تھا۔ عالمی نقشے پر کوئی بھی ریاست محض ایک جغرافیائی اکائی کے طور پر اپنا وجود نہیں رکھتی بلکہ مملکت کی بقا کے لیے اس کی محافظ قوم کا وجود ناگزیر ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے دھرم کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ اپنے بدترین بنیادی تضادات کی وجہ سے وہ کبھی بھی ایک تبلیغی مذہب نہیں بن سکا تھا۔ اس میں دوسروں کو متاثر کرنے والی کوئی بات سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔ اسی وجہ سے وہ مذہب ہندوستان تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ جو لوگ موروثی طور پر ہندو چلے آرہے تھے 'بس وہی ہندو تھے' ان کی تعداد میں اضافے کا سرے سے کوئی امکان نہیں تھا بلکہ اسلام اور عیسائیت کے مبلغوں کی کوششوں کے نتیجے میں نچلی ذات کے ہندو دن بدن اپنے آبائی مذہب سے باغی ہوتے جارہے تھے۔ ان کی تعداد میں جملہ اضافہ' پیدائش اور اموات کی شرح کے فرق پر منحصر تھا۔ دوسری طرف بڑھتی ہوئی آبادی کی سنگین غذائی ضروریات نے ان کے حکمرانوں کو شرح پیدائش کو ایک خاص سطح پر منجمد کرنے کے اقدام نافذ کرنے پر مجبور کیا ہوا تھا۔ ان حالات میں کوئی بھی ایٹمی تباہ کاری ان ہندوؤں کی سلطنت کو شاید اتنا نقصان نہ پہنچاتی لیکن ان کی بڑی آبادی کو ضرور نیست و نابود کردیتی۔ ایسا نہیں تھا کہ صرف ہندو ہی ایٹمی تصادم کا نشانہ بنتے بلکہ خرابی یہ تھی کہ جہنم واصل ہونے والے ہندوؤں کی جگہ لینے کے لیے دوسرے ممالک سے اس مذہب کے پیروکار نہیں آسکتے تھے جب کہ آبادی کے ہولناک خلا کو پورا کرنے کے لیے دنیا بھر سے مسلمانوں کی ہجرت کا آغاز ہوسکتا تھا اور یوں ایک ہی ایٹمی تصادم کے بعد دنیا کی سب سے بڑی جمہوریہ ہندو اقلیت میں تبدیل ہوکر رہ جاتی... اور پھر لگاتار جمہوری عمل کے نتیجے میں اس سرزمین کا اقتدار ایک بار پھر مسلم اکثریت کو منتقل ہوجاتا۔

وہ متعصب ہندوؤں کی بہت دُور کی سوچ تھی جس کا سراغ غزالہ نے لگایا تھا ورنہ پاکستان کی ایٹمی استعداد کے حوالے سے ہونے والی عالمی بحث میں بات کبھی بھی طاقت کے علاقائی توازن سے آگے نہیں بڑھی تھی۔

"یہ تمہاری بہت بڑی کامیابی ہے۔" میں نے کھلے دل کے ساتھ اعتراف کیا۔ "مکاؤ سے نکلتے ہی میں اسپیشل ٹاسک فورس والوں سے رابطہ کروں گا۔ ویسے منگلا اور تربیلا والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ لوگ ان جھیلوں کی تہوں تک کیسے رسائی حاصل کریں گے؟"

"میں نے جو کچھ سنا ہے' اس کے مطابق ان جھیلوں کے اسپل ویز کی کڑی نگرانی اور حفاظت کی جاتی ہے۔ دوسرے حصوں میں نہ صرف ٹھیکے پر ماہی گیری ہوتی ہے بلکہ تفریح کے لیے جانے والی جماعتوں کو بھی رسائی حاصل ہوجاتی ہے۔ ان ہی اطراف سے کوئی بھی پیشہ ور غوطہ خور' پوری تیاریوں کے ساتھ زیرِ آب سفر کی ابتدا کرے تو چند ہی پھیروں میں سارے لوازمات مقررہ مقام تک پہنچا سکتا ہے۔"

"یہ تو بہت بُری خبر ہے۔ ان آبی ذخائر سے ہمارے ملک کی بھاری برقی پیداوار بھی وابستہ ہے۔ انہیں کوئی بھی نقصان پہنچا تو ہم ایک ہی جھٹکے میں پچاس برس پیچھے چلے جائیں گے۔"

"اسی لیے میں اس موضوع پر بات کرنے کے لیے بے چین تھی۔" غزالہ نے کہا پھر چونک کر سوال کیا۔ "بلیو کراس ڈیل کا کیا بنا؟ وہ بھی ایک اہم معاملہ تھا۔"

"اس میں ویرا نے ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا ہے۔" میں نے اسے بتایا۔ "اس نے کمال ہوشیاری سے امریکی منصوبہ سازوں کو جُل دے کر' چھ سوٹن وزنی ایٹمی سازو سامان کی وہ کھیپ کوئٹہ پہنچا دی ہے۔ تمام ایرانی ٹرک اور ٹریلر زیرِ زمین گوداموں میں پہنچ چکے ہیں اور وہاں سے ایک ایک کرکے اپنی اصل منزل کی طرف روانہ ہوجائیں گے۔"

"ویرا بھی عجیب عورت ہے!" غزالہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔ "کبھی زہر کی پوٹ بن جاتی ہے اور کبھی تریاق۔ اُسے سمجھنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔"

"اسی کی کوششوں کی وجہ سے تم بھارتیوں کی قید سے آزاد ہوئی ہو۔ اُس نے ایک طرف تمہیں مس ترپاٹھی کے نام سے ہانگ کانگ بلانے کا بندوبست کیا اور دوسری طرف ڈون کو تمہاری پیشوائی کے لیے آمادہ کیا۔ یہ دونوں کام ایک ساتھ نہ ہوئے ہوتے تو تم اب بھی نئی دہلی میں قید ہوتیں۔"

میں نے اپنی بات وہیں ختم کردی کیونکہ تراشی ہوئی جھاڑیوں کے ایک کنج کے عقب سے حسین نمودار ہورہا تھا۔ وہ ہمارے قریب پہنچا تو اُس کے گلابی ہونٹوں پر ملائم سی مسکراہٹ نمودار ہوچکی تھی۔

"ڈون کا خیال تھا کہ نئے جوڑے ابتدائی دنوں میں کونوں کھُدروں کی تلاش میں رہتے ہیں لیکن تم دونوں تو یہاں کھلے آسمان

تلے بیٹھے ہو۔ ڈون تمہیں یاد کررہا ہے۔"

ہم دونوں فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت ان لوگوں کو ہم پر فقرے چست کرنے کا موقع ملا ہوا تھا اس لیے میں نے اس کے تبصرے کے جواب میں خفیف سی مسکراہٹ پر اکتفا کیا اور ایک بالکل ہی نئی بات چھیڑ دی۔ "یہاں تمہارے نام کی جو درگت بن رہی ہے' وہ میں زندگی بھر نہیں بھول سکوں گا۔"

"پہلے مجھے بھی برا لگتا تھا لیکن یہاں ملنے والی آسائشوں نے یہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھلا دی ہیں۔"

راستے میں سلطان شاہ بھی ایک اوٹ میں بیٹھا ہوا مل گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ اکیلا ہی تھا۔ اس نے اردو میں بتایا کہ سارا اس کے پاس رکے بغیر' سیدھی چلی گئی تھی اور وہ ہم دونوں کو تخلیے کا موقع فراہم کرنے کے لیے وہیں رک گیا تھا۔

حویلی میں ڈون ایک نئے کمرے میں ہم دونوں کا منتظر تھا۔ اس کمرے میں ڈون ایک اونچی کرسی پر بیٹھا ہوا شراب پی رہا تھا۔ اس کے اردگرد تحائف میں آنے والے پیکٹوں کے انبار جمع تھے اور کمرے میں مختصر لباسوں میں ملبوس لڑکیوں کی بھاری تعداد کے علاوہ بہت سے مرد بھی گھسے ہوئے تھے۔

"تم لوگ کل جارہے ہو۔ یہ تحائف میرے سامنے ہی کھول لو تاکہ مجھے بھی معلوم رہے کہ کس نے کیا دیا ہے۔" ہمیں دیکھ کر ڈون نے کہا۔ "یہ ریکارڈ میرے آئندہ میل جول میں کام آتا رہے گا۔ تمہیں یہ تو معلوم ہوچکا ہوگا کہ تحائف میں چار بیش قیمت گاڑیاں بھی آئی ہیں جو کل صبح یہاں پہنچ رہی ہیں۔"

"یہ سب تمہاری کرم فرمائیوں کا نتیجہ ہے ورنہ مکاؤ میں ہمیں کون جانتا ہے۔" میں نے نپے تلے الفاظ میں کہا۔ "ہمارے نام آنے والے ان تمام تحائف کے تم ہی مالک ہو۔ چاہو تو ہماری طرف سے اپنی لڑکیوں اور عملے کے دوسرے افراد کو دے دینا۔ ہمارے لیے یہ سب لاد کرلے جانا ممکن نہیں ہوگا۔"

ڈون کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "شاید تم کو اندازہ نہیں ہے کہ ان میں کیا کچھ ہوگا!"

"بعد کے لالچ سے بچنے کے لیے ہی میں نے یہ بات چھیڑی ہے۔" میں نے کہا۔ "شوائے زندہ ہوتی تو آج ہم یہ سب اُسی کو سونپ دیتے۔ اُس نے مختصر سے وقت میں ہماری بہت خدمت کی تھی۔ اگر تم برا نہ مانو تو ہم کچھ چیزیں سارا کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔"

ڈون کی آنکھوں میں رقصاں حیرت گہری دلچسپی میں بدل گئی۔ "تم مالک ہو' جو چاہو کرسکتے ہو۔"

"بی ڈبلیو اور سارے سچے زیورات سارا کی ملکیت ہوں گے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"خوشی سے اس کا ہارٹ فیل ہوجائے گا۔" ڈون نے مسکراتے ہوئے کہا پھر چینی زبان میں دوسروں کو ہمارے فیصلے سے آگاہ کرنے لگا۔ اس کا اعلان سنتے ہی متجسس چہروں پر ہیجانی علامات ابھر آئیں اور تحیر زدہ سرگوشیوں کے ساتھ وہ سب آگے کی طرف سمٹنے لگے۔ ان میں سارا موجود نہیں تھی۔

"تم تمام تحائف یہیں چھوڑ جاؤ گے؟" اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر سوال کیا۔

"تمام نہیں!" میں نے جلدی سے تصحیح کی۔ "تمہارے دیے ہوئے تحائف میرے لیے انمول ہیں۔ وہ تم نے محبت کے ساتھ ہمیں دیے ہیں' اس لیے وہ ہمارے ساتھ رہیں گے۔ دوسرے تحائف ہمیں نہیں بلکہ تمہارے نام پر ملے ہیں اس لیے وہ مکاؤ میں رہیں گے۔ ان پر تمہارے بعد تمہارے عملے کا حق ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" ڈون نے اپنا وزنی سر ہلا کر کہا۔ "اب باقی ماندہ تین گاڑیاں میری صوابدید پر چھوڑ دو۔ یہ لڑکیاں اور دوسرے لوگ تحائف کے بارے میں شدید ہیجان اور تجسس میں مبتلا ہیں۔ میں نے انہیں بی ایم ڈبلیو کے بارے میں بتایا ہے اور ان کی بے چینی بڑھ گئی ہے۔ میرا خیال کہ بیچے زیورات کی تعداد بہت زیادہ ہوگی۔ چند سارا کے لیے روک کر' باقی اپنے ہاتھ سے بانٹ دو۔ یہ سارے تماشائی خوشی سے پاگل ہو جائیں گے۔"

میں نے استفسار طلب نگاہوں سے غزالہ کی طرف دیکھا کیونکہ سارا سے زیورات والا وعدہ اسی نے کیا تھا۔ غزالہ نے ڈون کی تائید میں سر ہلا دیا۔

ایک چینی کاغذ پر کچھ نوٹ کر کے پیکٹ غزالہ کی طرف بڑھانے لگا۔ پہلے ہی پیکٹ میں سے ایک وزنی طلائی گلوبند برآمد ہوا۔ کمرا تالیوں سے گونج اٹھا۔ غزالہ نے بڑھ کر وہ ڈبا ایک خوبصورت چینی لڑکی کو تھمایا تو حیرت سے اس کی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں۔ ڈون نے تالیاں بجائیں تو پھر وہ شور ہوا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ تحفہ پانے والی لڑکی بار بار غزالہ کے سامنے آدھی ہوئی جا رہی تھی۔

ڈون نے تحائف کی فی الفور تقسیم کا خیال پیش کر کے اس اجتماع میں جان ڈال دی تھی۔ آناً فاناً میں وہ خبر پوری حویلی میں پھیل گئی اور مقدر آزمائی کے شوق میں' اس چھت کے نیچے موجود ہر شخص اس کمرے میں گھس آیا۔ چوتھا پیکٹ کھلنے تک اس کمرے میں تل دھرنے کی جگہ نہیں رہی تھی۔ مرد اور عورت کی تفریق کے بغیر' ہر شخص دوسروں کو دھکیل کر آگے بڑھ آنے کے لیے کوشاں تھا لیکن اس افراتفری پر ڈون بالکل خاموش تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود بھی اس ہیجان آمیز صورتِ حال سے محظوظ ہو رہا ہو۔

میری نگاہیں بے چینی کے ساتھ' بار بار اس ہجوم کا جائزہ لے رہی تھیں لیکن سارا کا کہیں پتا نہیں تھا۔

پیکٹوں میں سے ایک سے ایک قیمتی تحائف برآمد ہو رہے تھے' لفافوں میں تہنیتی پیغامات کے ساتھ بھاری رقوم دی گئی تھیں۔ بعض لفافوں میں صرف خوبصورت کارڈ بھی تھے۔ کارڈ اور پیغامات ایک طرف جمع کر کے' غزالہ لڑکیوں کو اور میں مردوں کو تحائف بانٹتا رہا۔ ہر نگاہ میں حرص' امید' التجا اور آرزو کا دلچسپ امتزاج نظر آ رہا تھا۔

ڈون نے ہماری سہولت کے لیے یہ فرمان نافذ کر دیا تھا کہ ہر ایک کو صرف ایک ہی تحفہ ملے گا اس لیے تحائف لینے والے' پیچھے ہٹ کر دوسروں کو جگہ دیتے رہیں تاکہ ہمیں اپنا کام نمٹانے کے لیے بھیڑ میں نہ گھسنا پڑے۔ جب بھی کوئی قیمتی چیز یا بڑی رقم نکلتی تو ہمارے آگے بڑھتے ہی ہر طرف سے خوشامدانہ سسکاریاں' سرگوشیاں اور فرمائشیں بلند ہونے لگتیں۔ ہر شخص ایسے تحائف کا دعوے دار ہوتا۔ ہم ان کا مفہوم بخوبی سمجھ رہے تھے لیکن ان کی التجاؤں کا لفظ بہ لفظ مفہوم سمجھنا ہمارے بس سے باہر تھا۔

چالیس تحائف کھلنے تک غزالہ نے صرف ایک طلائی سیٹ سارا کے لیے روکا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ اس سے کہیں زیادہ خوبصورت اور قیمتی سیٹ بانٹ چکی تھی لیکن میں خاموش رہا۔

جب ایک بڑے پیکٹ میں سے برآمد ہونے والا مخمل کا ڈبا کھولا گیا تو ڈون سمیت سب ہی کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ لڑکیوں اور عورتوں میں کھلبلی مچ گئی کیوں کہ وہ بے داغ ہیروں سے سجا ہوا ایک نایاب طلائی سیٹ تھا جو شاید غزالہ کو ڈون کی طرف سے ملنے والے سیٹ سے بھی زیادہ قیمتی تھا۔

ڈون نے اضطراری طور پر اپنے آدمی سے وہ کارڈ لے لیا جو اس تحفے پر چسپاں تھا۔

"یہ ہز ایکسی لینسی' گورنر آف مکاؤ کی طرف سے ہے۔" ڈون نے ہمیں مطلع کیا۔ "انہوں نے اپنی عدم شرکت پر معذرت بھی کی ہے کیوں کہ انہیں ایک ایمرجنسی کی وجہ سے اچانک لزبن جانا پڑ گیا ہے۔"

غزالہ کی نگاہیں مجمع پر ناچ رہی تھیں۔ وہ اس تحفے کی حق دار کی تلاش میں تھی۔

"اسے سارا کے لیے روک لو!" میں نے اضطراری طور پر اُس کے کانوں میں سرگوشی کی۔

"نہیں!" غزالہ نے مجھ سے نظریں چار کیے بغیر' سختی کے ساتھ کہا اور وہ ڈبا لے کر آگے بڑھ گئی۔

اچانک ہجوم میں دھکا پیل' شروع ہو گئی۔ غزالہ حرکت میں آئی تھی اس لیے ہر ایک کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ قیمتی تحفہ کسی عورت ہی کو ملے گا۔ ہر لڑکی راستہ بنا کر غزالہ کے سامنے آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ان کی بلبلاتی ہوئی آوازیں اور ہذیانی سرگوشیاں رحم انگیز تھیں۔

اسی لمحے بغلی دروازے سے سارا اندر داخل ہوئی۔ وہ دروازہ ہجوم سے آگے' ڈون کے داہنے ہاتھ پر واقع تھا۔ سارا نے رک کر چند لمحوں کے لیے صورتِ حال کا جائزہ لیا پھر وہ غضبناک تیوروں کے ساتھ غزالہ کی طرف جھپٹی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

وہ دو عورتوں کی رقابت کا معاملہ تھا جو پچھلے ایک گھنٹے میں یک بیک سنگین رخ اختیار کر گیا تھا اور میں یہ اندازہ لگانے سے یکسر قاصر بلکہ معذور تھا کہ ان دونوں کی دشمنی کیا رنگ دکھاتی ہے۔

ڈون کسی دلچسپ ترین نظارے کی امید میں اپنے گلاس کی تلچھٹ چوس رہا تھا۔

میرے دل میں چور تھا اس لیے وہ واقعہ رونما ہوتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

ہم تینوں جب تک ڈون کی حویلی میں مقیم تھے' ڈون کی مرضی اور فیصلوں کے پابند تھے اور ہمارا مستقبل غیر واضح تھا کیوں کہ ڈون بہت مغلوب الغضب اور متلون مزاج واقع ہوا تھا۔ وہ خوش ہو تو لوگوں کی بڑی سے بڑی خطاؤں کو ہنس کر ٹال سکتا تھا اور برہم ہو تو ذرا سی لغزش پر کھال کھنچوا سکتا تھا۔ دیکھا جائے تو ہم لوگ موت کے جبڑوں میں دھونی رما کر زندگی کی امید کر رہے تھے۔

مجھے اعتراف ہے کہ میں ہمیشہ سے حسن پسند تھا اور حسین چہرے والیوں سے چھیڑ چھاڑ میں مجھے ایک خاص لطف آتا تھا لیکن ڈون کی حویلی میں آنے کے بعد میری فطرت کا وہ پہلو' ذہن کے خوابیدہ گوشوں میں کہیں جا سویا تھا۔ میں مِس شوائے یا سارا کے ساتھ جو کھیل کھیلتا چلا آ رہا تھا' وہ میرے لیے تفریح سے زیادہ ناگزیر ضرورت بن کر رہ گیا تھا۔

ڈون کی چھت کے نیچے لیے جانے والے سانسوں کی آواز بھی اس سے پوشیدہ نہیں رہتی تھی اس لیے اندر کی سُن گُن رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ اس بھیڑ میں ہمارا بھی کوئی ہمدرد اور ہم نوا ہو۔ یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ڈون اپنے گرد و پیش میں غیر ضروری طور پر کسی مرد کا وجود پسند نہیں کرتا تھا۔ حویلی سے باہر ہونے والے منظم ترین جرائم کا شعبہ اس نے شاطر اور گھاگ مجرموں کو سونپا ہوا تھا لیکن حویلی میں نفری کے اعتبار سے عورتوں اور لڑکیوں کا ہی غلبہ تھا پھر اس سے بڑھ کر' چینیوں کے ہجوم میں انگریزی جاننے والوں کی تعداد برائے نام تھی۔ اس حوالے سے مِس شوائے سرِ فہرست تھی۔ پھر ایرانی نژاد حسین کا نام سامنے آیا جو ڈون کی حویلی کے چکروں میں واقعی چوسین بن کر رہ گیا تھا اور خال خال ہی نظر آتا تھا۔ تیسرا اور آخری نام برطانوی نژاد سارا کا تھا جو اس وقت غزالہ پر جھپٹی تھی۔

شوائے اپنا شباب ڈھل جانے کے بعد آزاد تھی لیکن سارا کو بدستور ڈون کی پسندیدگی حاصل تھی۔ اس کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ آزاد مغربی معاشرے سے تعلق رکھتی تھی۔ عمر اور جسم و جمال کے اعتبار سے بھی اس کے جذبے بہت منہ زور اور توجہ طلب تھے جب کہ ڈون بے چارے کی نظروں میں کم و بیش تین درجن حسین و جمیل لڑکیاں پسند کے اس مرتبے پر فائز تھیں اور اس کے لیے مستقل طور پر کسی ایک کی ناز برداری میں لگے رہنا ممکن نہیں تھا جس کے نتیجے میں سارا گھٹن اور محرومی کا شکار رہتی تھی۔

میں نے اپنی ضرورت کے تحت سارا پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تو اُسے گویا اس کی دلی مراد مل گئی اور وہ میری توقع کے قطعی برعکس' کسی پکے ہوئے پھل کی طرح' کسی بھی لمحے ڈال سے ٹوٹ کر میری جھولی میں گرنے کے لیے پوری طرح آمادہ و تیار ہو گئی اگر ڈون اور اس کی حویلی میں پھیلے ہوئے جاسوسی کے پُراسرار نظام کا خوف نہ ہوتا تو بات شاید بہت آگے بڑھ چکی ہوتی۔

وہ میری وقتی مجبوریاں تھیں جنہیں سلطان شاہ سمجھ سکتا تھا اور نہ غزالہ۔ حقیقت یہ تھی کہ میں دل و جان سے غزالہ کا شیدائی تھا۔ وہ میرے برسوں کے خوابوں کی تعبیر تھی۔ ہم دونوں جلد از جلد ایک دوسرے کے ہو جانا چاہتے تھے لیکن مکاؤ میں نہیں' جہاں بیویوں اور محبوباؤں کو جوئے میں داؤ پر لگانے کی روایت کسی نہ کسی حد تک موجود تھی۔ ہم واپس لوٹ کر پاکستان میں اس مقدس بندھن کا آغاز کرنا چاہتے تھے لیکن اڑیل ڈون نے ہمارے لیے انتخاب کی کوئی بھی راہ چھوڑے بغیر شادی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس کی انوکھی اور سنگین دھمکی کے مطابق میں غزالہ کو صرف اپنی بیوی بنا کر ڈون کی حویلی سے لے جا سکتا تھا۔ اس شرط سے انحراف کی صورت میں غزالہ عمر بھر کے لیے ڈون کی قیدی بن جاتی اور حویلی ہی کے در و دیوار میں اس کے بالوں میں چاندی کے تار اترنے شروع ہو جاتے۔ ڈون کی اس حرکت کی وجہ سے میرا اور غزالہ کا تعلق ہر ایک کے علم میں آ چکا تھا۔

میں لاکھ غزالہ سے وفاداری کا دم بھرتا رہتا لیکن سارا کی کچھ اپنی توقعات تھیں جن کی حوصلہ افزائی میں میرا دخل تھا اور دو لڑکیوں کی رقابت کا لرزہ خیز نتیجہ سامنے آنے ہی والا تھا۔

سارا کے غزالہ تک پہنچنے سے پہلے ہی میرے ذہن میں حالات و واقعات کی وہ فلم ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں چل گئی' میں دم بخود اپنی جگہ کھڑا سارا کو دیکھتا رہا۔

رہا ڈون' تو وہ اس وقت بالکل ہی بدلا ہوا شخص نظر آ رہا تھا اپنے دبدبے اور جلال کو بھول کر وہ کسی تحیّر زدہ اور عام سے تماشائی کی طرح ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

غزالہ اپنے پیچھے آنے والی اس ناگہانی مصیبت سے بے خبر' مکاؤ کے گورنر کی طرف سے آنے والا ہیروں کا ہار بلند کیے' اس کے حق دار کی تلاش میں تھی۔

سارا نے اچانک ہی دونوں ہاتھوں سے دبوچ کر غزالہ کو پیچھے کی طرف گھسیٹا۔ غزالہ کے حلق سے اضطراری طور پر ایک سریلی چیخ بلند ہو گئی۔

اس وقت تک وہاں موجود ہر لڑکی اور ہر عورت کی نگاہیں ہار کے ہیروں سے پھوٹنے والی طلسماتی کرنوں کے سحر میں گرفتار تھیں۔ غزالہ کی چیخ کے ساتھ ہی ان میں بھی ہلچل پیدا ہو گئی۔

"تم جھوٹی اور مکار ہو!" سارا نے نفرت اور غصے کے ساتھ چیختے ہوئے' وہ ہار غزالہ کے ہاتھ سے چھین لیا۔

غزالہ نے سرد اور تحقیر آمیز نظروں سے اسے گھورا پھر اس کی داہنی ٹانگ تیزی سے حرکت میں آئی اور سارا چیختی ہوئی قالین پر ڈھیر ہو گئی۔ ڈون کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

"مجھ سے ہوش میں رہ کر بات کرو' سفید کتیا!" غزالہ نے اس سے دو قدم دور ہٹتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز بھی اس کی نگاہوں کی

طرح سرد اور ذلت آمیز تھی۔

سارا آندھی اور طوفان بن کر آئی تھی لیکن غزالہ کے ایک ہی جوابی وار کے نتیجے میں اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور وہ قالین سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے رُندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "تم نے تحفے میں آئے ہوئے تمام زیورات میری ملکیت میں دے دیے تھے اب تم ان کو کس اختیار کے تحت بانٹ رہی ہو؟"

"یہ مجھ سے نہیں' ڈون سے پوچھو!" غزالہ نے ہاتھ اٹھا کر ڈون کی طرف اشارہ کیا۔

وہ مکالمات انگریزی میں ہو رہے تھے اور ڈون کے بیشتر ملازمین کے لیے ناقابلِ فہم تھے لیکن صورتِ حال ان کے لیے بہت زیادہ دلچسپ بلکہ بہت سنسنی خیز تھی اس لیے وہ بھیڑ ان دونوں کے قریب سمٹ آئی تھی۔

ڈون زور زور سے ہنسنے لگا۔ سارا مجروح نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جب ڈون کی ہنسی کا زور ذرا کم ہوا تو وہ بولا۔ "ہاں' ان دونوں نے مجھے اپنے وعدے کے مطابق بتایا تھا۔ بی ایم ڈبلیو اب بھی تمہاری ہے لیکن زیورات بہت زیادہ آئے ہیں۔ ان پر دوسروں کا بھی حق ہے۔ غزالہ خاص خاص زیورات تمہارے لیے جمع کرتی جا رہی ہے' وہ سب تم کو ملیں گے۔"

سارا دوبارہ اپنے قدموں پر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بولی تو اس کی آواز سے گہری مایوسی مترشح تھی۔ "مجھے معلوم ہے کہ مجھے حقیر اور بے وقعت زیورات ملیں گے کیوں کہ میں نے اس کی خوشامد نہیں کی تھی۔ دیکھا جائے تو ہز ایکسی لینسی کی طرف سے آنے والا یہ جڑاؤ ہار مجھے ملنا چاہیے تھا اس کے آگے سب کچھ ہیچ ہو گا لیکن یہ بھی دوسروں کی ملکیت بننے والا تھا۔"

"تم اداس ہو کر بالکل پرنسز ڈیانا نظر آنے لگتی ہو۔" ڈون اس کی حسرت اور اداسی سے محظوظ ہو رہا تھا۔ "یہ ہار ہی نہیں بلکہ پورا سیٹ ہے۔ ہار کے ساتھ کے دوسرے زیورات ڈبے میں ہیں جو سائی شو کے ہاتھ میں ہے۔ سائی شو کو پہلے ہی ایک تحفہ مل چکا ہے اس لیے وہ بھی بڑی حسرت سے اس سیٹ کو دیکھ رہی ہے۔ تم کو یہ اتنا ہی پسند ہے تو تم لے لو اور یہاں میرے قریب آ کر بیٹھو!" ڈون نے اپنے پہلو میں ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

زیورات عورت کی کتنی بڑی کمزوری ہوتے ہیں' اس کا اندازہ اس وقت بخوبی کیا جا سکتا تھا۔ سارا کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو ابھر آئے' اس کے ہونٹوں کے گوشے بُری طرح کپکپا رہے تھے۔ معلوم ہی نہیں ہو رہا تھا کہ وہ روتے روتے ہنس رہی تھی یا ہنستے ہنستے رونا چاہ رہی تھی۔ اس نے ہیروں کے جھلملاتے ہوئے ہار کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا تھا پھر اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔ "ڈون! تم واقعی گریٹ ہو۔"

سارا نے پلٹ کر سائی شو نامی لڑکی کے ہاتھ سے ہیروں کے سیٹ کا ڈبا لے لیا جس میں آویزوں' کڑوں اور انگوٹھی کے ساتھ بروچ بھی دمک رہا تھا۔ مکمل سیٹ اپنی تحویل میں لینے کے بعد وہ ڈون کے قریب گئی اور چٹاچٹ اس کے کئی بوسے لینے کے بعد' اس کے زانو سے جُڑ کر بیٹھ گئی۔

"لیکن یہ یاد رکھنا کہ اب تمہیں کسی اور تحفے پر مچلنے کی اجازت نہیں ہو گی۔" اس وقت ڈون' سارا پر فریفتہ ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ "تمہیں انتخاب کا موقع ملا ہے لیکن دوسروں کو غزالہ اپنی مرضی سے منتخب کر رہی ہے۔ میں نے اس کھیل کا اصول یہ بنایا ہے کہ پہلے ہر ایک کو ایک ایک تحفہ ملے گا اس کے بعد نیا کھیل ہو گا۔"

اس وقت ہیروں کے سیٹ یا ڈون کے قُرب کی وجہ سے سارا ہر ایک کی رشک آمیز نگاہوں کا مرکز بن گئی تھی اور اس کی وہ عزت افزائی غزالہ کو گوارا نہیں تھی اس لیے اس نے فوراً ہی اگلا پیکٹ لے لیا جس کا اندراج ہو چکا تھا۔ ساری نگاہیں ایک مرتبہ پھر غزالہ پر جم گئیں۔

ڈون مسلسل شراب پیے جا رہا تھا پھر اُسے سارا ایک بیک اپنی پسندیدہ شہزادی کے روپ میں نظر آنے لگی تھی اس لیے جلد ہی وہ تحائف کی تقسیم سے اکتا گیا۔

اس نے روانگی کا ارادہ کیا تو میں نے بھی تکان کا عذر پیش کر دیا ورنہ ہم گھنٹوں اسی چکر میں الجھے رہتے۔

ڈون نے ہمارا کام اپنے میر منشی کو سونپ دیا اور ہمیں بتایا کہ ہر ایک کی باری آ جانے کے بعد فہرست مکمل کر کے تمام تحائف ایک جگہ ڈھیر کر دیے جانے تھے۔ میر منشی کے اشارے پر حملے کا آغاز ہوتا اور اس ڈھیر میں سے جو چیز جس کے ہاتھ لگتی اسی کی ملکیت ہو جاتی۔

اس دوران میں غزالہ نے سارا کے لیے صرف چار پیکٹ الگ کیے تھے جو سائی شو ہی اٹھا کر کہیں لے گئی۔ بیش قیمت سیٹ والا ڈبا سارا نے اپنے ہی قبضے میں رکھا تھا۔

ڈون سارا کے ساتھ کھڑا ہوا پھر اس نے اچانک ہی سارا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے لمحہ بھر کے لیے زمین سے قدرے اوپر اٹھایا' سارا ہاتھ پیر مارتی اور احتجاج کرتی ہی رہ گئی لیکن ڈون نے نہایت پھرتی کے ساتھ اسے اپنے داہنے کندھے پر لادا اور بائیں ہاتھ سے اس کی پشت سہلاتا ہوا' نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ہم دونوں بھی لوگوں کو ہاتھ لہرا کر ڈون کے پیچھے چل دیے۔ سلطان شاہ کو شاید وہ تماشا دلچسپ معلوم ہو رہا تھا اس لیے وہ وہیں رک گیا۔ ہم لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں سے بخوبی واقف ہو چکے تھے اس لیے عارضی طور پر ایک دوسرے سے الگ ہو جانے میں کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

سارا خوبصورت اور سبک اندام ہونے کے ساتھ ہی کشیدہ قامت بھی تھی۔ اس کے متناسب سراپا کے ہر عضو سے بھرپور صحت مندی جھلکتی تھی لیکن ڈون اسے ذرا بھی لڑکھڑاہٹ کے بغیر یوں اٹھائے لیے جا رہا تھا جیسے سارا پھولوں سے بھی ہلکی ہو۔ سارا کا چہرہ اور اوپری دھڑ' ڈون کی پشت پر جھول رہا تھا۔ وہ رہ رہ کر یوں قہقہے مار کر تڑپ رہی تھی جیسے موج میں آیا ہوا ڈون اپنی سبک خرامی کے دوران میں بھی اسے گدگدیاں کرتا جا رہا ہو۔ ڈون کے ایک راہداری میں مڑنے سے پہلے اس نے ایک دو بار غزالہ کو منہ چڑانے کی بھی کوشش کی لیکن غزالہ کن انکھیوں سے اس کی ایک ایک حرکت دیکھنے کے باوجود براہِ راست اس کی طرف متوجہ نہیں تھی اس لئے غزالہ کا تمام تر ردِّعمل چند بڑبڑاہٹوں تک ہی محدود رہا اور ہم اپنے شیش محل کی طرف ہو لیے۔

"تم نے دیکھا کہ سارا کس قدر گھٹیا اور کمینی عورت ہے۔" چند قدم دور نکلنے کے بعد غزالہ کو اپنے دل کا غبار نکالنے کا موقع ملا تو میں بوکھلا گیا۔ ہماری آوازیں کہیں نہ کہیں' یقینی طور پر سنی یا ریکارڈ کی جا رہی تھیں اور ایسے تبصروں کے نتیجے میں ہم دشواریوں میں گھر سکتے تھے۔

"تم فکر مت کرو۔" وہ میری پریشانی فوراً ہی بھانپ گئی۔ "ڈون بہت عظیم ہے۔ وہ ان ایماندارانہ باتوں کا برا نہیں مانے گا۔ سارا نے مجھ پر حملہ کر کے خود ہی میری زبان کھلوائی ہے۔ میں اس سے کیے ہوئے وعدے پر قائم رہنے کا مصمم ارادہ رکھتی تھی لیکن ڈون نے خود ہی دوسروں کی دلجوئی کے لیے متبادل تجویز پیش کی اور میں مجبور ہو گئی۔"

"اب اس ناخوشگوار واقعے کو بھول جانے کی کوشش کرو!" میں نے اسے پچکار کر کہا۔

"کوشش کر رہی ہوں لیکن تم نے دیکھا ہو گا کہ ڈون کے کندھے پر جھولتے ہوئے وہ خوشی سے کیسے بے قابو ہوئی جا رہی تھی۔ ایک طرف وہ جونی سے والہانہ محبت کی دعوے دار ہے اور دوسری طرف وہ ڈون پر مری جا رہی ہے۔ وہ بار بار مجھے منہ چڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے بمشکل اسے نظرانداز کیا ہے۔"

"میں دیکھ رہا تھا۔ تم نے اس کے منہ نہ لگ کر بہت اچھا کیا۔ تم دونوں کے مقابلے کا دوسرا راؤنڈ شروع ہو جاتا تو ڈون کا موڈ بہت خراب ہو جاتا۔ وہ اپنے عزیز ترین دوست کے قتل کے صدمے کو بھلانے کی سرتوڑ کوششیں کر رہا ہے اور شاید اسی لیے آج بہت زیادہ پی رہا تھا۔"

"میں تو بے چارے نیشی کاؤ کو بھول ہی گئی۔" غزالہ چونک کر بولی۔ "ہم لوگ تھک ہار کر سارا دن سوتے رہے۔ تمہیں اس کا کچھ پتا چلا کہ اب اس کی لاش کہاں ہے؟"

"ہم سوتے رہے لیکن سلطان شاہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح سارا دن حویلی میں چکراتا رہا۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ ڈون نے اپنے گاؤں کے معززین کے سامنے' اپنے بچپن کے دوست کی لاش پر قسم کھائی ہے کہ وہ اس کے قاتل کو پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا...."

غزالہ نے گھبرائی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے لمحہ بھر کی پُرسکون مسکراہٹ کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "نیشی کاؤ کی لاش چین اور پُرتگال کے نوآبادیاتی پرچموں میں لپیٹ کر ان ہی معززین کے حوالے کر دی گئی تھی اور وہ دن ڈھلنے سے پہلے' شین زین کے راستے' شنگھائی کے اس مضافاتی قصبے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں ڈون اور نیشی کاؤ نے ایک ساتھ اپنا بچپن گزارا تھا۔"

"لیکن ڈون کے گاؤں کے معززین مکاؤ میں کہاں سے آ گئے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"ڈون اپنے لوگوں کے لیے بہت نرم دل اور مہربان انسان ہے۔ مکاؤ میں اس کے ناقابلِ شکست رُتبے کی وجہ سے اس کے قصبے کے بہت سے معززین اور نوجوان' چین سے ہجرت کر کے مکاؤ میں آ بسے ہیں۔ ان کے خاندانی مسائل اور تنازعات میں ڈون کے فیصلے حرفِ آخر کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان میں نیشی کاؤ کے کچھ قریبی رشتے دار بھی ہیں۔ اس کے سفاکانہ قتل کی خبر سنتے ہی وہ سب ڈون کی حویلی میں جمع ہو گئے تھے۔"

"ڈون اپنے لوگوں میں زمینی خدا کا درجہ رکھتا ہے۔" غزالہ نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "اس دور میں تصور ہی محال ہے کہ کسی فردِ واحد کو طاقت اور اختیار کے ساتھ ہی' اپنے لوگوں میں اس قدر عزت و احترام حاصل ہو۔ عام طور پر طاقت ور اور مقتدر کے خلاف نفرت کے جذبات ہی پائے جاتے ہیں۔"

"دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ طاقت اور اقتدار کس کے ہاتھ میں ہے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "ہلاکو کے ہاتھوں میں طاقت ایک ننگی گالی بن گئی تھی لیکن صلاح الدین ایوبی نے طاقت کے استعمال کو ایک نیا رخ دیا تھا۔ مکاؤ میں سب جانتے ہیں کہ ڈون کیا ہے اور کیا کرتا ہے لیکن میرا اندازہ ہے کہ وان لِن کے کٹر حامیوں کے علاوہ' مکاؤ کا ہر شہری اپنے دل کی گہرائیوں سے ڈون کی عزت کرتا ہے۔"

"میرے لیے یہ تجربہ حیرت انگیز بلکہ ناقابلِ یقین ہے۔" غزالہ بولی۔

"ڈون کی اعلیٰ ظرفی اور مقبولیت کا سبب جاننے کے لیے ہماری ہی مثال کافی ہے۔" میں نے ڈون کی مشینی مسند والے ویران کمرے سے گزرتے ہوئے کہا۔ "ڈون چاہتا تو ہم سے کوئی بات کیے بغیر' ہم دونوں کو چینی رسوم و رواج کے مطابق شادی کرنے کا حکم دے سکتا تھا لیکن یہ اس کی بے مثال رواداری تھی کہ اس نے ہمارے کسی مطالبے کے بغیر ہی چین سے ایک مسلمان قاضی بلوانے کا بندوبست کر لیا۔ لوگ عام طور پر ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے لیکن درحقیقت یہی چھوٹی چھوٹی باتیں کسی بھی آدمی کو بڑا بناتی ہیں۔"

ہم دونوں' باتیں کرتے ہوئے شیش محل کی نشست گاہ میں

داخل ہوئے تو سلطان شاہ ہم سے پہلے' وہاں صوفے پر پاؤں پسارے دراز تھا۔

"تمہیں تو ہم نے میر منشی کے تماشے میں چھوڑا تھا' تم ہم سے پہلے یہاں کیسے پہنچ گئے؟" اس پر نگاہ پڑتے ہی غزالہ نے چونک کر پوچھا۔

"یہاں تک آنے کے کئی راستے ہیں۔" وہ نیم وا آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے بولا۔ "اس وقت لُوٹ کے مال کے چکر میں سب لوگ اسی ایک ہال میں گھسے ہوئے ہیں اور حویلی ویران پڑی ہوئی ہے۔ میں کسی روک ٹوک کے بغیر شارٹ کٹ کے ذریعے یہاں آگیا۔"

"ہمارا تو خیال تھا کہ تم تحائف کی لُوٹ مار کا تماشا دیکھنے کے لیے وہاں رکے ہو۔"

"کباب میں ہڈی بننے کو دل چاہ رہا تھا اس لیے اودھر چلا آیا ورنہ باہر کا موسم بھی بہت حسین ہے۔" اس نے مجھے آنکھ مار کر لوفرانہ انداز میں کہا۔

"تو باہر ہی چلے جاتے۔" غزالہ جل کر بولی۔ "شاید موسم سے سٹھیائی ہوئی کوئی چینی لڑکی تمہاری گلے میں بانہیں ڈال کر ناچنا شروع کر دیتی اور تمہارا مقدر کُھل جاتا۔"

"میرا مقدر اتنی ہلکی پھلکی باتوں سے نہیں کھل سکتا۔ اس کے لیے ضربِ شدید ضروری ہے۔" اس نے اپنی پیشانی کے زخم کو ہولے ہولے سہلاتے ہوئے کہا۔ "میرا مقدر کھولنے کے لیے تو یہ چوٹ بھی ناکافی رہی تھی البتہ تم دونوں کی خشمناک نگاہیں میری صحت ضرور خراب کر دیں گی....."

"اس وقت تمہاری زبان میں خارش ہو رہی ہے۔" غزالہ نے غرّاتے ہوئے کہا۔ "اس لیے تم بلا وجہ باتیں بنا رہے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ سارا دن آرام کرنے کے بعد ہمیں تخلیے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ وہ آگ ہے جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے کہ بھڑکتی جائے ہے' جتنی یہ بجھتی جائے ہے۔" سلطان شاہ نے صوفے پر سے سرکنے کی تیاری کرتے ہوئے کہا۔

غزالہ کے پاس سلطان شاہ کی اس چوٹ کا کوئی جواب نہیں تھا اس لیے اس نے بھنّا کر اپنا پرس ہی اس پر کھینچ مارا جسے سلطان شاہ نے فضا میں ہی لپک لیا۔ غزالہ روہانسی ہو کر اس کی طرف جھپٹی اور وہ صوفے سے اچھل کر پھرتی کے ساتھ میری نشست کی اوٹ میں دبک گیا۔

"مانا کہ ڈون کی حویلی کے اس حصے میں بلٹ پروف آئینے استعمال کیے گئے ہیں لیکن پھر بھی مار دھاڑ سے احتراز ضروری ہے۔" اس نے وہیں سے ہانک لگائی اور غزالہ شکست خوردہ انداز میں سلطان شاہ کے خالی کیے ہوئے صوفے پر گر گئی۔

"یہ بے تکی بکواس کیے جا رہا ہے اور تم خاموش بیٹھ کر اس کی حوصلہ افزائی کر رہے ہو!" غزالہ نے تنگ آ کر بھرّائی ہوئی آواز میں مجھ سے شکوہ کیا۔ "اسے شرم نہیں آتی کہ کل تک یہ مجھے بہن بنائے بیٹھا تھا اور آج مجھے بلاوجہ تنگ کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ میرا دماغ سنک گیا تو ابھی اسے درست کر دوں گی۔"

"باہمی معاملات میں مجھے ملوث نہ کرو۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر سکون کے ساتھ کہا۔ "شاید تم بھول رہی ہو کہ تمہارا نکاح ہونے کے بعد یہ بہن بھائی کے رشتے سے رضاکارانہ طور پر دست بردار ہو گیا تھا۔"

"گڈ!" سلطان شاہ خوش ہو کر بولا۔ "تم نے بہت اچھا نکتہ یاد دلایا۔ میں تو ابھی شرم سے پانی پانی ہونے والا تھا۔"

"میری طرف سے تم بھاڑ میں جاؤ!" غزالہ بھنّا کر اٹھی اور تیزی کے ساتھ خوابگاہ والی سپاٹ دیوار کی طرف بڑھتی چلی گئی اس کا وہ رویّہ سلطان شاہ کے لیے شاید قطعی غیر متوقع تھا کیوں کہ وہ بوکھلا کر اپنی کمین گاہ سے نکلا اور خوشامدانہ انداز میں معافیاں مانگتے ہوئے غزالہ کے پیچھے دوڑا لیکن وہ سنی ان سنی کر کے خوابگاہ میں غائب ہو گئی۔

آئینوں والا حصہ برابر ہوتے ہی سلطان شاہ فوٹو سیل کے سامنے پہنچ کر بے چینی کے ساتھ اپنے بدن کے زاویے بدلنے لگا لیکن برابر ہونے والے آئینے نے اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہیں کی۔

"واپس لوٹ آؤ!" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "اب مداری کی طرح ناچنے سے کچھ نہیں ہو گا۔ اس نے اندر سے دروازہ مقفل کر لیا ہو گا۔"

"وہ شاید واقعی ناراض ہو گئی۔ میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔" سلطان شاہ نے کھسیائے ہوئے انداز میں بولا۔

"بعض اوقات تم حد سے تجاوز کر جاتے ہو۔ اب وہ میرے لیے بھی دروازہ نہیں کھولے گی اور شاید مجھے یہ رات یہیں' کسی صوفے پر گزارنی پڑے گی۔ جب کہ صبح ہماری روانگی ہے۔" میں نے اسے ملامت بھری نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"اوہ' میں تو بھول ہی گیا تھا کہ صبح ہمیں روانہ ہونا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں غزالہ سے زیادہ ان بوتلوں کی یاد ستا رہی ہے جو خوابگاہ کے وائن کیبنٹ میں بند ہیں۔"

"تم بہت سُور ہوتے جا رہے ہو۔" میں اس کے صحیح اندازے پر بے اختیار ہنس پڑا۔

"سارا یا چوسین سے کہو تو وہ پورا مے خانہ یہیں اٹھا لائیں گے۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔

"تم نے دیکھ ہی لیا تھا کہ سارا کو ڈون اٹھا لے گیا تھا اس

وقت ان دونوں سے رابطہ کرنا ناممکنات میں سے ہو گا۔ رہا چوسین تو وہ بے چارہ بھی کہیں بھٹک رہا ہو گا۔"

اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اسی وقت مجھے خیال آیا کہ جب سے ہم نے ڈون کی حویلی میں قدم رکھا تھا ہمارے لیے کہیں سے بھی کوئی فون کال نہیں آئی تھی۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہو..... چیں چوں چاں... فون!" آپریٹر کے پورے فقرے میں صرف پہلا اور آخری لفظ قابلِ فہم تھا۔ چینی زبان میں کی گئی بقیہ نرم و نازک تقریر مجھ پر بے اثر ثابت ہوئی تھی۔

میں ریسیور اپنے کان سے لگائے کسی ہونق کی طرح خاموش کھڑا رہا پھر اگلے ہی لمحے مجھے ایک خوشگوار حیرت کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ دوسری طرف سے ویرا کی جانی پہچانی چہکار سنائی دی تھی۔

"اوہو۔ تو تم یک بیک مکاؤ بلکہ ڈون کی حویلی میں پہنچے ہوئے ہو؟" میری آواز سن کر ویرا کی تحیّر زدہ آواز ابھری۔ "میں نے تو غزالہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے خیال سے ڈون کو فون کیا تھا۔ جب آپریٹر نے بتایا کہ ڈون آرامِ خاص میں ہے تو میں نے سرسری طور پر غزالہ کے بارے میں پوچھ لیا۔ اس نے مجھے لائن ہولڈ کرنے کی ہدایت کی اور پھر اچانک ہی تم لائن پر آ گئے۔ میرا خیال تھا کہ غزالہ مکاؤ سے نکل کر کراچی آ چکی ہو گی اور تم اس کے ساتھ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں عیش کر رہے ہو گے!"

"ان باتوں کا جواب تو میں دیتا رہوں گا تم یہ بتاؤ کہ آپریٹر سے تمہاری گفتگو کیسے ہوئی؟ وہ تو شاید انگریزی کے دو چار سے زیادہ الفاظ ہی نہیں جانتا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا۔

ویرا کا جوابی قہقہہ بہت جاندار تھا' وہ بولی۔ "میں چینی زبان بول لیتی ہوں مجھے اس دلچسپ اور انوکھی زبان کے ستائیس ہزار سے زیادہ الفاظ یاد ہیں جنہیں میں لکھ اور پڑھ بھی سکتی ہوں۔"

"پھر تو تم آستانے کی حور معلوم ہوتی ہو۔" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" ویرا کی آواز تحیّر زدہ تھی۔

"ایک پرانا تاریخی ناول یاد آ گیا تھا... اور اب جگر تھام کر سنو کہ ڈون نے ہماری بہت زیادہ مہمان نوازی اور عزت افزائی کی ہے۔ حد یہ ہے کہ ہماری خلوت میں کی ہوئی' نجی گفتگو کا ترجمہ سن کر اس نے ہمیں کل یہاں سے روانہ ہونے کی اجازت بھی دے دی ہے۔"

"اچھا!" ویرا کا لہجہ معنی خیز تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ میرے الفاظ میں پنہاں پیغام کو سمجھ گئی تھی لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے پوچھا "اور غزالہ کہاں ہے؟"

"وہ ہمارے ساتھ ہے اور ڈون کی زبردستی کے نتیجے میں میری بیوی بن چکی ہے۔"

"نہیں!" ویرا کی بے ساختہ آواز ابھری۔ "ڈون کو تمہاری شادی سے کیا لینا تھا؟"

"لمبی کہانی ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "آؤں گا تو یہاں کی کہانیاں سنا کر تمہیں حیران کر دوں گا۔ ڈون یہاں کا پکا گاڈ فادر ہے۔ مکاؤ میں پرتگیزی گورنر کا حکم ٹل سکتا ہے لیکن ڈون کا مشورہ تک قانون بن جاتا ہے۔ ویسے تم اس وقت کہاں موجود ہو؟"

"میں وقت نکال کر کراچی لوٹ آئی ہوں۔ ایک آدھ دن میں واپسی کا ارادہ تھا لیکن تم نے میرے دل میں ایسا تجسّس پیدا کر دیا ہے کہ میں تم سے ملے بغیر واپس نہیں جا سکتی۔ تم کب تک لوٹ رہے ہو؟"

"کل صبح ہانگ کانگ روانگی ہے۔ وہاں سے فون کر کے اگلا پروگرام بتا دوں گا۔"

"میں تمہارے فلیٹ میں ہوں۔" اس کی آواز سپاٹ ہو گئی "ہو سکے تو ڈون سے بھی میری بات کرا دینا۔ میں مدد اور تعاون کے لیے اپنے منہ بولے باپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔"

"اس وقت میرے دل میں بے شمار سوالات اُمڈ رہے تھے لیکن میں اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ تمام گفتگو لفظ بہ لفظ ریکارڈ کی جا رہی ہو گی اور ڈون کا آرامِ خاص کا دورانیہ ختم ہوتے ہی اس گفتگو کا ترجمہ اس تک پہنچا دیا جائے گا۔

"میں تمہارا پیغام ڈون تک پہنچا دوں گا۔ ویسے کراچی کے کیا

حالات ہیں؟" میں نے کسی خبر یا سراغ کی امید میں وہ سرسری سا سوال کر ڈالا۔

"سڑکوں پر جلوس نکل رہے ہیں۔" ویرا کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔ "دو روز پہلے حکومت تبدیل ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی استحکام سے تم لوگوں کو ہیضے کی بیماری لاحق ہونے لگتی ہے۔"

سیاست سے مجھے کبھی بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی اس لیے میں نے ویرا کے اس طنزیہ تبصرے پر کان دھرے بغیر کہا۔ "میں کل شام تک تمہیں فون کروں گا۔ اس وقت سیاست پر بات ہو گی۔"

"یہاں کی شام یا تمہاری؟" ویرا نے برجستہ سوال کیا۔

"تمہاری کیوں کہ تم لوگ یہاں سے چار گھنٹے آگے رہتے ہو۔" "غزالہ سے شادی کر کے تم سالوں آگے نکل گئے ہو۔ اپنی نئی نویلی جورو سے بات نہیں کراؤ گے؟"

"اس وقت رات کے دس بجنے والے ہیں' وہ سو چکی ہے۔" میں نے بات بناتے ہوئے کہا پھر فوری خیال کے تحت پوچھا۔ "اوہ! کراچی میں تو اس وقت رات کے دو بج رہے ہوں گے۔ تم اب تک جاگ رہی ہو؟"

"طوطے! میں ابھی ابھی واپس آئی ہوں۔ غسل سے فارغ ہوتے ہی میں نے فون ملایا تھا۔ میں نے اپنا وقت بڑی دشواریوں میں گزارا ہے!" مجھے اس کے لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اپنے ریسیور پر آنکھیں نکال کر غرا رہی ہو گی۔

"سوری' ویرا!" میں نے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔ "پھر تو تمہیں آرام کی ضرورت ہے باقی باتیں کل بھی ہو سکتی ہیں۔ میرا مقصد تم پر کوئی طنز کرنا نہیں تھا ویسے بھی تم شب بیداری میں ملکہ رکھتی ہو۔"

"میری طرح' ویرا کے دل میں بھی بہتیرے سوالات موجود رہے ہوں گے لیکن میں گفتگو کی ابتدا ہی میں اسے محتاط رہنے کا اشارہ دے چکا تھا اس لیے وہ کھل کر کوئی سوال کرنے سے قاصر تھی۔ کوئٹہ کے دشوار گزار زمینی راستے سے ایران کی سرحد میں دور تک کیے جانے والے طویل مہماتی سفر اور پھر واپسی کی شدید تکان کے بعد یک بیک سامنے آنے والی اس گھٹن کے نتیجے میں ویرا کا چڑچڑا ہونا قدرتی امر تھا اس لیے میں نہایت تحمل کے ساتھ اس کی جلی کٹی باتوں کے بے ضرر سے جوابات دے کر اسے گفتگو کے اختتام تک لانے میں کامیاب ہو گیا۔

"ویرا کا فون تھا؟" سلسلہ منقطع ہوتے ہی سلطان شاہ نے حیرت سے سوال کیا۔

میں اثبات میں سر ہلا کر نیا سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

"لیکن یہ کہاں سے ٹپک پڑی؟ یہ تو باہر گئی ہوئی تھی!" سلطان شاہ اپنی بے ساختہ حیرت پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس نے حیرت کے اظہار میں غیر محتاط الفاظ کا سہارا نہیں لیا تھا۔

میں نے آنکھیں نکال کر اُسے پھاڑ کھانے والے انداز میں گھورا پھر نرمی سے کہا۔ "وہ اپنے کسی کام سے گئی تھی' کام پورا کر کے لوٹ آئی ہو گی۔ پتا نہیں وہ اِدھر اُدھر کیا کرتی پھرتی ہے؟"

سلطان شاہ کسی اداس بکرے کی طرح اپنا سر اوپر نیچے ہلانے لگا۔

○☆☆○

اگلی صبح سارا ناشتا لانے والیوں کے ساتھ ہمارے شیش محل میں آئی تو میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا کیوں کہ معمول کے برعکس' اس کی گردن پُرغرور انداز میں اکڑی ہوئی تھی اور اس کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر' پُراسرار اور نشیلی سی مُسکان مچل رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟ آج تم بہت خوش نظر آ رہی ہو۔" میں نے اس کی نیلی آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکتے ہوئے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ رات بھر میں تمہاری کایا کلپ ہو گئی ہے۔"

"تمہیں اندازہ نہیں کہ پچھلی رات' ڈون نے مجھے عزت کی کن بلندیوں پر پہنچایا ہے۔" وہ اتراتے ہوئے بولی۔ "وہ بھری بھیڑ میں مجھے اپنے کندھے پر لاد کر لے گیا تھا۔ یہ اس کی والہانہ پسندیدگی کی انتہا تھی۔ ڈون نے کبھی کسی لڑکی کو اس طرح کھل کر پسند نہیں کیا۔ آج میں ہر ایک کی رشک آمیز نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی ہوں۔"

سارا جس واقعہ کو ڈون کی پسندیدگی کی انتہا قرار دے رہی تھی وہ میری نظر میں صرف ابتدا تھی۔ شراب کے نشے میں غرق ڈون کی نظریں پچھلی رات سارا کے وجود کے آئینے میں اپنی پسندیدہ شہزادی کا عکس دیکھ رہی تھیں۔ وہ سارا کو نہیں' شہزادی کو اٹھا لے گیا تھا پھر اس نے اپنی پسندیدگی کی اظہار کی انتہا اس خلوت کدے میں کی ہو گی جہاں قدم رکھتے ہی وہ آرام خاص میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ وہ سب ڈون کی حویلی کے اسرار اور استعارے تھے۔ حویلی میں چند دن گزارے بغیر کوئی اس کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

اب ڈون کہاں ہے؟" میں نے کسی ارادے کے بغیر' روا روی میں پوچھ لیا۔

"میں یہ نہیں بتا سکتی۔" سارا نے نخوت کے ساتھ جواب دیا۔ "وہ تھوڑی دیر بعد باہر آ جائے گا۔"

میں سارا کے تیور دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اسے قدرت نے بے پناہ حسن اور ذہانت سے نوازا تھا لیکن ڈون کی دولت اور جاہ و حشم نے اس کی عقل کو ایسا ماؤف کیا تھا کہ اس کی سوچ کے پیمانے الٹ کر رہ گئے تھے۔ اپنی پُرنور پیشانی پر بے آبروئی کی غلاظت لتھیڑ کر' وہ خود کو دوسروں سے برتر اور باعزت تصور کر رہی تھی۔ اس کے نزدیک عزت' بے عزتی اور آبرو باختگی' عزت کا نشان بن گئی تھی۔ ڈون کے اس رنگ رنگیلے حمام میں شاید سب ہی کا یہی حال تھا۔ سب لڑکیاں ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھیں اور اس کھیل میں ڈون کو اپنی شکار گاہ کے پورے ریوڑ پر ایسا بھرپور اختیار حاصل تھا کہ سارا کا لاڈلا' جونی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

ناشتے کے لیے غزالہ تیار ہو کر خواب گاہ سے برآمد ہوئی اور سارا نے کھڑے ہو کر' پُرخلوص مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا تو میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔ پچھلی رات والے واقعے کے بعد مجھے اندیشہ تھا کہ ان دونوں کا سامنا ہوتے ہی' ایک بار پھر دنگا فساد شروع ہو جائے گا۔

میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ سارا کے اس غیر متوقع رویے پر غزالہ بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

غزالہ قریب آئی تو سارا نے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا اور خوش دلی کے ساتھ بولی۔ "آج میں بہت خوش ہوں۔ میں نے تمہیں خلوص دل سے معاف کر دیا ہے۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم اتنی فراخ دل بھی ہو سکتی ہو!" غزالہ نے حیرت سے کہا۔ "پچھلی رات تو تم کسی جنگلی بلی کی طرح مجھ پر حملہ آور ہوئی تھیں۔ وہ تمہاری اصلیت تھی یا یہ تمہارا اصل روپ ہے؟"

"تم جو چاہو کہہ لو۔ میں تمہیں معاف کر چکی ہوں۔" اس نے غزالہ کے بدن سے اپنی گرفت ختم کرتے ہوئے کہا۔ "ڈون نے مجھے مشرقی عورتوں کی ذہنیت اچھی طرح سمجھا دی ہے۔ اس کے بعد' میں تمہیں قابلِ معافی سمجھتی ہوں۔" اس کے لب و لہجے میں طنز و تضحیک کے بجائے عالمانہ سادگی نمایاں تھی۔

ناشتے کے دوران میں' ہم تینوں نے لاکھ کُریدنا چاہا کہ ڈون نے اسے کیسی پٹی پڑھائی تھی جس کے نتیجے میں وہ غزالہ کی ہر خطا کو معاف کرنے پر تُل گئی تھی لیکن سارا نے ایک لفظ تک اگل کر نہیں دیا۔

آخر میں اس نے یہ ضرور کہا۔ "لڑائی اس سے ہوتی ہے جس کے ساتھ رہنا بسنا ہو۔ تم لوگ یہاں چند گھنٹوں کے مہمان ہو اس کے بعد لاکھوں انسانوں کے ہجوم میں کھو جاؤ گے۔ ہو سکتا ہے کہ عمر بھر تم سے دوسری ملاقات ہی نہ ہو سکے۔ ایسے بے نام و نشان ملاقاتیوں سے روٹھنا اور لڑنا فضول ہوتا ہے۔"

پھر ڈون بھی وہیں آ پہنچا۔ وہ حسبِ معمول تر و تازہ نظر آ رہا تھا۔

"رات تمہارے لیے ویرا کا فون آیا تھا..." میں نے اسے تعظیم دینے کے بعد بات شروع کرنی چاہی لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کر میری گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع کر دیا۔

"میں تم دونوں کی گفتگو کا ٹیپ سن چکا ہوں۔ غزالہ کی تلاش کے معاملے میں' ویرا نے مجھ سے بہت بے اعتنائی برتی ہے۔ میں اس سے بات کر کے اپنا خون نہیں کھولانا چاہتا۔ وہ دوبارہ فون کرے گی تو میں اس سے بات کر لوں گا۔ میرا یہ پیغام ضرور اس تک پہنچا دینا کہ خود ساختہ رشتے بہت نازک ہوتے ہیں اور ذرا سی ٹھیس لگنے سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ میں نے منہ بولا باپ بن کر اس کا ہر ناز اٹھایا لیکن برا وقت پڑنے پر وہ میری بیٹی کا کردار ادا نہیں کر سکتی۔"

"بہت بہتر!" میں نے سر جھکا کر کہا۔ اس وقت ویرا کی مدافعت میں کہا ہوا کوئی بھی لفظ ڈون کو برہم کر سکتا تھا۔

"تم چاہو تو میں شین زین کے راستے ایک نئی گاڑی ہانگ کانگ بھجوائے دیتا ہوں۔" کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد ڈون نے کہا۔ "جب تک وہاں رہو' گاڑی اپنے تصرف میں رکھنا۔ تمہاری روانگی کے بعد فنکو دا گاڑی واپس مکاؤ لے آئے گا۔ اس طرح تمہیں بہت آرام رہے گا۔"

"اس عزت افزائی کے لیے ہم تمہارے ممنون ہیں لیکن اس زحمت کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ہانگ کانگ سے جلد از جلد واپس پاکستان جانا چاہیں گے۔"

"کیوں کہ ویرا تمہاری منتظر ہے۔" ڈون نے زور سے ہنس کر کہا۔ غزالہ نے ہنسی میں اس کا ساتھ دیا تھا۔

"ویرا نہیں' کچھ اور کام ہیں جنہیں زیادہ دنوں تک پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا۔ ویسے بھی ہانگ کانگ میں کنکریٹ کی عمارتوں' اسٹیل اور شیشوں کے سوا کیا رکھا ہے؟ اس سے بہتر تو مکاؤ کی سرزمین ہے۔"

ڈون نے حویلی میں اپنے چیدہ چیدہ گُرگوں کا ایک اجلاس طلب کیا ہوا تھا جس میں پچھلی رات کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے ساتھ ہی نیشی کاؤ کے اصل قاتل کی تلاش کی منصوبہ بندی کی جانی تھی اس لیے ڈون نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ ہمیں فرداً فرداً الوداع کہا اور شیش محل سے نکلتا چلا گیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد سارا نے اپنے ہینڈ بیگ میں سے غزالہ کی سفری دستاویزات نکال کر میرے حوالے کر دیں۔

ویرا کے دباؤ پر شری مان سنگھ نے غزالہ کی واپسی کے لیے جو کوششیں کی تھیں' ان کے نتیجے میں انڈین سیکرٹ سروس کا ایک کارندہ' غزالہ کے ساتھ مسٹر اور مس ترپاٹھی کی حیثیت سے سفر کرتا ہوا' نئی دہلی سے ہانگ کانگ پہنچا تھا لیکن ہانگ کانگ کی بحری پولیس کے ہاتھوں غزالہ کی گرفتاری کے بعد وہ غزالہ کی سفری دستاویزات سمیت روپوش ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں ہانگ کانگ میں غزالہ کی موجودگی غیر قانونی ہو گئی تھی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس معاملے کی پیچیدگیوں کی وجہ سے ڈون کو غزالہ کی رہائی کے لیے بہت زیادہ پاپڑ بیلنے پڑے لیکن یہ ڈون کا اثر و رسوخ ہی تھا جس کے نتیجے میں غزالہ کو ہانگ کانگ کی سخت گیر پولیس کے شکنجے سے رہائی مل سکی تھی۔ اس معاملے میں ڈون کا ہاتھ نہ ہوتا تو غزالہ کو طویل قید کی سزا ہو سکتی تھی۔

ان دنوں ساؤتھ چائنا مارننگ پوسٹ میں پاکستان سے آنے والے ان بدنصیب تارکینِ وطن کی کہانیاں روز شائع ہو رہی تھیں جو کوریا' تائیوان' ملائشیا اور فلپائن میں بھاری مشاہروں والی

ملازمتوں کے لالچ میں پہلے پاکستانی جعل سازوں کا نشانہ بنتے تھے اور انہیں رقوم دے کر ہانگ کانگ آجاتے تھے جہاں ویزے کی سہولتیں خاصی نرم تھیں۔ ہانگ کانگ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی وہ مقامی جعل سازوں کے چنگل میں پھنس جاتے تھے جو انہیں آس پاس کے ممالک میں ملازمتیں دلوانے کا جھانسا دے کر ان سے مزید رقمیں ہتھیا لیتے تھے اور پھر اپنے وعدوں کے مطابق کسی ایجنٹ سے متعارف کرانے کے بجائے انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر غائب ہو جاتے تھے۔ ایسے پریشان حال اور بے یار و مددگار لوگوں پر اگلا حملہ مقامی ایجنٹ کرتے تھے اور ہمدردی کی آڑ میں انہیں نہایت قلیل تنخواہوں پر کولون کے حصے کے نیم صنعتی اور تجارتی اداروں میں کام کرنے پر آمادہ کر لیتے تھے۔ ایسے ایجنٹ مقامی آجروں سے ہر سستے مزدور کی فراہمی پر معقول کمیشن لیتے تھے اور ایک بار غیر قانونی ملازمت کی ابتدا کرنے والا شخص کئی برس کے لیے اپنے مقامی آجر کا غلام ہو جاتا تھا۔

کم تنخواہ، طویل اوقاتِ کار اور غیر انسانی ماحول کے خلاف جو بھی مزدور آواز بلند کرتا، اسے بیک بنی و دو گوش پولیس کے حوالے کر دیا جاتا اور عدالتیں ایسے مجرموں کو جیل پہنچا دیتیں کیوں کہ ہانگ کانگ میں داخلے کے ویزے کی شرائط کی تمام تر ذمے داری نو وارد پر ہوتی تھی۔ ہانگ کانگ کے آجروں پر ملازمت دیتے ہوئے ویزا یا ملازمت کا اجازت نامہ دیکھنے کی کوئی کڑی پابندی نہیں تھی۔ اس قانونی جھول سے فائدہ اٹھانے والے ایجنٹوں اور آجروں نے ہانگ کانگ میں ایک طرح سے پاکستانی، بھارتی، بنگلہ دیشی اور سری لنکا سے آنے والے غیر ہنر مند مزدوروں کی غلاموں کی طرح خرید و فروخت کا ریکٹ بنا لیا تھا۔

ان سنگین حالات میں غزالہ کا کسی بڑی دشواری سے دوچار نہ ہونا ایک معجزہ ہی تھا۔

سارا کے دیے ہوئے کاغذات کے مطابق غزالہ کا نام وہی تھا جس کا مطلب تھا کہ مکاؤ کے گورنر کی مہر اور دستخط سے جاری کیا جانے والا وہ سفری پرمٹ جعلی نہیں تھا۔ پرمٹ کے ساتھ ہی ہانگ کانگ میں داخلے کے لیے استعمال کیا جانے والا امیگریشن کارڈ وغیرہ بھی تھا۔ میں نے وہ کاغذات احتیاط سے اپنی جیب میں رکھ لیے۔

ڈون کی حویلی میں ہمارا قیام بہت طویل نہیں تھا پھر زبان کے گمبھیر مسئلے کی وجہ سے ہم حویلی کے عملے سے دور ہی رہے تھے۔ ہمارا قریبی رابطہ مس شوائے یا سارا سے ہی رہا تھا۔ شوائے نے ذہنی دباؤ کے عالم میں خودکشی کر لی تھی اور سارا ہمارے ساتھ موجود تھی۔ اس کے بعد موہوم سا تعلق حسین یا چوسین سے رہا تھا۔ بقیہ بھیڑ سے ہماری کوئی جذباتی وابستگی نہیں تھی لیکن مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ شیش محل سے نکلتے ہی لڑکیاں تپاک کے ساتھ ہم سے ملنے لگیں۔ ان میں اِکا دُکا مرد بھی تھے۔

ان کے انداز سے الوداعی گرم جوشی نمایاں تھی۔ وہ اپنی زبان میں کچھ کہتی بھی جا رہی تھیں جو ہمارے لیے ناقابلِ فہم تھا البتہ جواب میں ہم اپنی اپنی کھیسیں ضرور پھیلا رہے تھے تاکہ خیر... جوابی اظہار ہو سکے۔

ملاقاتیوں میں عورتوں اور لڑکیوں کی غالب اکثریت ... سبب صاف ظاہر تھا کہ ڈون کو وہی صنفِ محبوب و مطلوب ... سے ان کے لگاؤ کے دو ہی اسباب ہو سکتے تھے۔ اوّل یہ کہ ... پر بہت مہربان رہا تھا اور وہ لوگ لیلیٰ کے ساتھ سگِ لیلیٰ ... محبت کی رسم نبھانے کی کوشش کر رہے تھے یا پھر وہ ہماری ... سے تحائف کی فیاضانہ تقسیم پر اپنے تشکر کا اظہار کر رہے ... سبب کچھ بھی رہا ہو، مکاؤ کی اجنبی سرزمین پر مقامیوں کی طرف ... وابستگی کا وہ اظہار ایک خوشگوار تجربہ تھا جس نے مکاؤ میں ہمارے ... قیام کو ایک اور یادگار رنگ دے دیا تھا۔

اس وقت سارا مربیانہ انداز میں، مسکرا مسکرا کر ... رہنمائی کر رہی تھی۔ ہم لوگ عملاً خالی ہاتھ مکاؤ آئے تھے اس ... ہمارا کل اسباب ڈون سے ملے ہوئے چند تحائف اور غزالہ ... شاندار عروسی لباس تک محدود تھا۔ وہ لباس غزالہ کو اس قدر ... آیا تھا کہ وہ اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھی۔ وہ اشیا کینوس ... ایک چھوٹے سے شولڈر بیگ میں سما گئی تھیں جو غزالہ ہی ... شانے سے جھول رہا تھا۔

ڈون حویلی میں، چھٹے ہوئے بدمعاشوں کے اجلاس کی صدارت ... کر رہا تھا۔ وہ لوگ نیشی کاؤ کے قاتل کے تعین کی کوششوں میں ... کھوپڑیاں کھپا رہے تھے اور مافیا کے سفاک ڈان کو جہنم واصل ... کرنے والا سلطان شاہ، ان کے زیرِ سایہ پوری عزت اور احترام ... کے ساتھ حویلی سے رخصت کیا جا رہا تھا۔

ڈون، شی کا پرانا آئی مین ضرور تھا لیکن وہ اپنی حویلی کی رنگین ... فضاؤں میں مگن رہنے کا عادی تھا۔ اس کے نام اور جاہ و جلال ... اس کے کارندے مکاؤ پر حکمرانی کر رہے تھے اور کوانگ فو اسی ایک ... بات پر قانع تھا کہ اس کی سلطنت میں اسے للکارنے والا کوئی نہیں ... تھا۔ اسے شی کے بین الاقوامی مقاصد اور جھمیلوں سے کوئی دلچسپی ... نہیں تھی۔ وہ اپنے لیے مقرر کیے ہوئے مقاصد اور اہداف کو ... کرنے کے بعد دیگر غیر متعلقہ مسائل سے بے نیاز معلوم ہوتا تھا۔ ... دوسری طرف شی کی عالمی تنظیم میں مکاؤ کی شاید زیادہ اہمیت نہیں ... تھی۔ وہاں ہیروئن کی پیداوار ہوتی تھی۔ نہ وہاں مقامی کھپت ... زیادہ روشن امکانات تھے۔ البتہ چین اور قرب و جوار کے ... ممالک سے آنے والی چرس، افیم اور ہیروئن کے لیے، مکاؤ اپنے ... مثالی محلِ وقوع کی وجہ سے بہترین رابطے کا کام سرانجام دے ... تھا اور جبھی لائیڈ نے شاید ڈون کو وہی محدود ذمے داری سونپی ... تھی کہ مکاؤ کی راہ سے آنے جانے والا، شی کا مال پوری حفاظت ... کے ساتھ اِدھر اُدھر ہوتا رہے۔

ویسے بھی مکاؤ کسی بین الاقوامی گزرگاہ پر واقع نہیں تھا ... وجہ سے کوانگ فو، شی کا آئی مین ہوتے ہوئے بھی اپنی بین الاقوامی ... تنظیم کے جدید ترین نظام سے کٹ کر محض مقامی سربراہ بن کر رہ ...

... اس کے محدود ہو جانے میں اس کے پسندیدہ مشاغل کا نمایاں ہاتھ تھا۔ اس ... وہ شراب میں غسل کر کے، حسین و جمیل لڑکیوں میں گھرے رہنے کو زندگی کی معراج تصور کرتا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ میری اور شی کی مخاصمت سے یکسر لاعلم تھا۔

شی کے ساتھ میری کھلی جنگ پاکستان میں ہوئی یا پھر یورپ کے شہروں میں۔ ان علاقوں میں شی کے درمیانے درجے کے لوگ بھی میرے نام کو ہوّا سمجھتے تھے۔ صرف میرا نام ہی ان کے کان کھڑے کر دینے کے لیے کافی ہوتا تھا لیکن ڈون کا معاملہ مختلف تھا۔ جب ویرا نے میرے نام کے حوالے سے اس سے بات کی تو مجھے خوف تھا کہ میرا نام سنتے ہی ڈون ہتھے سے اکھڑ جائے گا لیکن اس کا کوئی ردِعمل سامنے نہ آنے پر مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ڈون کے معاملے میں میرا نام کسی دشواری کا سبب نہیں بنے گا اور یہی ہوا بھی تھا۔ میں غزالہ کو حاصل کر کے مکاؤ سے بخیر و خوبی واپس لوٹ رہا تھا۔ اس مشن میں نیشی کاؤ جیسا خطرناک بین الاقوامی مجرم جہنم واصل ہو چکا تھا اور خوبی کی بات یہ تھی کہ اس پوری مہم میں شی کا نام سامنے نہیں آیا تھا۔ پوری تکون ڈون، ویرا اور میری ذات تک محدود تھی۔ میں ویرا کا دوست تھا اور ڈون ویرا کا منہ بولا باپ۔ ان دونوں رشتوں نے غزالہ کی بازیابی میں کلیدی بلکہ تمام تر کردار ادا کیا تھا۔

بات اگر صرف غزالہ کی بازیابی تک محدود رہتی تو وہ قصہ وہیں دفن ہو جاتا اور ڈون کوانگ فو کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو پاتا کہ وہ نادانستگی میں شی کے کسی بدترین حریف کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اگر مافیا کا ڈان نیشی کاؤ میری موجودگی کے دوران ہی مکاؤ آنے کا فیصلہ نہ کرتا یا پھر ڈون نے اس کے اعزاز میں منعقد کی جانے والی تقریب میں میری اور غزالہ کی شادی کا اعلان کر کے ہمیں نمایاں کرنے کا آمرانہ فیصلہ نہ کیا ہوتا تو میرا منصوبہ کسی خون خرابے اور پیچیدگی کے بغیر پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہوتا۔

لیکن حالات و واقعات پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ نیشی کاؤ مجھے پہچاننے اور ڈون کو میرے خلاف ورغلانے سے پہلے ہی سلطان شاہ کے مہلک وار کا نشانہ بن گیا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہم بلا تاخیر مکاؤ سے روانہ ہو رہے تھے اس وقت تک نیشی کاؤ کے قتل کی خبر شاید مافیا کے اعلیٰ حلقوں میں نہیں پھیلی تھی۔ نیشی کاؤ کے قتل کی خبر مافیا کے بڑوں کی صفوں میں کھلبلی مچا دیتی اور پھر مکاؤ ان کی تحقیقات کا مرکز بن جاتا۔ ان حالات میں میرا نام پوشیدہ رہنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہوتے اور وہیں سے مشکلات کا آغاز ہو جاتا۔

سارا نے ہمیں گاڑی کے ذریعے ہیلی پیڈ تک لے جانے کی پیش کش کی جسے شکریے کے ساتھ ٹال دیا گیا کیونکہ ہم تینوں ہی ڈون کی حویلی سے باہر کی کھلی فضا میں چہل قدمی سے لطف اندوز ہونے کے موڈ میں تھے۔

سارا نے بتایا کہ وہ ہمارے ساتھ ہانگ کانگ تک جائے گی تاکہ ہمیں امیگریشن وغیرہ کے کسی مرحلے پر دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے، ہمیں ہانگ کانگ پہنچانے کے بعد اسے ڈون کے ہیلی کاپٹر سے واپس مکاؤ آ جانا تھا۔ اسی وقت سارا سے معلوم ہوا کہ ڈون کے ہیلی کاپٹروں سے آنے اور جانے والے غیر ملکی مہمان مکاؤ میں امیگریشن کی ہر پابندی سے آزاد ہوتے تھے۔ میں فیری کے ذریعے، عام مسافر کی حیثیت سے مکاؤ آیا تھا اس لیے میں نے سارا کو یاد دلایا کہ مکاؤ ہاربر پر میری آمد کے اندراج کے ساتھ روانگی کا اندراج بھی ضروری تھا تو وہ ہنس پڑی۔ اس نے بتایا کہ پورے مکاؤ کو یہ علم ہو چکا ہے کہ میں ڈون کا مہمان ہوں۔ جب اگلے دن کے مقامی اخبارات میں ہماری روانگی کی خبریں شائع ہوں گی تو حکام خود ہی اپنا ریکارڈ درست کر لیں گے۔ اس معاملے میں میری فکر مندی بے سود تھی۔

دن کی چمکتی ہوئی روشنی میں ڈون کی حویلی سے ملحق، سرسبز باغ عجیب ہی بہار دکھا رہا تھا۔ گہری سبز گھاس کے ہموار میدان میں جا بجا رنگین پھولوں کے تختے قرینے سے بکھرے ہوئے تھے۔ متعدد مالی پھولوں اور کیاریوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھے۔ دور کہیں سے مشینی لان موور چلنے کی آواز آ رہی تھی۔ ان حسین مناظر سے آگے، ڈون کے پختہ ہیلی پیڈ پر وہی ہیلی کاپٹر جو نیشی کاؤ کو مکاؤ لایا تھا، ہمارا منتظر تھا۔

سارا نے اپنے بیگ میں سے ایک ایرفیس نکال کر کسی سے رابطہ کیا اور چینی زبان میں چند فقروں کا تبادلہ کرنے کے بعد ایرفیس آف کر کے دوبارہ بیگ میں ڈال لیا۔ اسی کے ساتھ فضا ہیلی کاپٹر کے انجن اور پنکھوں کے مخصوص شور سے گونج اٹھی۔ میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہو گئیں۔

ہم تینوں کے دلوں میں چور تھا۔ ہم نے ڈون جیسے چالاک اور طاقت ور مجرم کو دل کھول کر بے وقوف بنایا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر، ہم اسی کے زیرِ سایہ اس کے آدمیوں کے خلاف قتل و غارت گری کی سازشیں کرتے رہے۔ جب تک ہم ڈون کی حویلی میں تھے، کسی بھی لمحے بری طرح پھنس سکتے تھے۔ ہماری آزادی چند لمحوں کی بات تھی اور میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ ان آخری لمحات پر کوئی گڑبڑ نہ ہو۔

ہیلی کاپٹر کا چینی نژاد پائلٹ، خاکی رنگ کی مکمل فلائنگ یونیفارم میں اپنی نشست پر بیٹھا ہمارا منتظر تھا۔ اس نے سر کو خم دیتے ہوئے، ہاتھ لہرا کر ہم سب کو تعظیم دی پھر ہم چاروں ہیلی کاپٹر کے پنکھے سے پیدا ہونے والے تیز جھکڑ میں لڑکھڑاتے ہوئے، دوسری سمت میں بڑھے اور یکے بعد دیگرے، اچھل کر ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئے۔ کسی خودکار نظام کے تحت دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

وہ ہواباز سمیت، کُل چھ نشستوں والا تفریحی ہیلی کاپٹر تھا جس میں آگے اور پیچھے ایک ایک نشست تھی۔ درمیان میں ہر کھڑکی کے ساتھ نشستیں تھیں۔ غزالہ، سلطان شاہ کے ساتھ پچھلی رَو میں بیٹھ گئی۔ سارا میرے ساتھ پائلٹ کے پیچھے والی نشستوں پر جم گئی۔

ہم نے جلدی سے حفاظتی بیلٹ باندھے' لائف جیکٹ والی جیب کا جائزہ لیا پھر ہوا باز نے چینی زبان میں۔ "ریڈی.... ہیردی گو!" کا نعرہ لگایا اور سفید ہیلی کاپٹر کسی مست پرندے کی طرح' ایک جھٹکے کے ساتھ فضا میں اوپر بلند ہونے کے ساتھ ہی داہنی طرف جھکتا چلا گیا۔

دن کی بھرپور روشنی میں مکاؤ کا فضائی منظر بے حد حسین اور دلفریب تھا۔ اونچی نیچی پہاڑیوں کے درمیان میں' رنگ برنگی چھتوں والی عمارات مکاؤ کے باسیوں کی زندہ دلی کا منہ بولتا اشتہار تھیں۔ پتلی پتلی' پُر پیچ اور ڈھلوان سڑکوں پر تیز رفتار ٹریفک مشینی کھلونوں کی طرح رواں تھا۔ بازار بھانت بھانت اور رنگ رنگ کے مقامی اور غیر ملکی خریداروں سے بھرے ہوئے تھے۔ خاص بات یہ تھی کہ ان میں سے بیشتر کے سروں پر بڑے بڑے چھجوں والے تنکوں کے ہیٹ موجود تھے جنہیں مکاؤ کی دستکاری میں ایک قدیم روایت کا درجہ حاصل تھا۔

مکاؤ کی آبادی کا ایک چکر لگاتے ہوئے ہم نے وہ مصروف ترین تجارتی گھاٹ بھی دیکھے جہاں چین سے آنے والے تاجروں کی سیکڑوں کشتیاں ساحل سے دور تک' ایک دوسرے سے جُڑ کر لنگر انداز تھیں اور مزدور اپنے کندھوں پر وزنی بوریاں اور پیٹیاں لاد کر' کشتیاں عبور کرتے ہوئے ساحل کی طرف دوڑ رہے تھے۔ سمندر کی متلاطم لہروں پر ڈولتی ہوئی کشتیوں کا زیر و بم ان کی رفتار پر ذرا بھی اثر انداز نہیں ہو رہا تھا۔

کشتیوں کی اسی بھیڑ بھاڑ میں جرائم کے اڈے بھی موجود تھے۔ اغوا کیے ہوئے مال دار چینیوں کو' تاوان وصول ہونے تک ان ہی کشتیوں کے صندوق نما ہولڈز میں بے دست و پا کر کے قید رکھا جاتا تھا۔ بحری قحبہ خانے اور جوا گھر چلتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دور دراز سے اغوا کی جانے والی حسین و جمیل لڑکیوں اور توانا لڑکوں کو لونڈیوں اور غلاموں کی طرح فروخت کیا جاتا تھا۔

گنے چنے سادہ لوح اور نیک لوگوں کے علاوہ' مکاؤ میں مجرموں اور بدمعاشوں کی بہتات تھی۔ ارد گرد کے ممالک اور چین کے دور دراز مقامات سے بھاگے ہوئے قاتل' چور' ڈاکو' زانی' راشی اور دیگر جرائم پیشہ افراد مکاؤ جیسی چھوٹی سی جگہ میں پُرامن بقائے باہمی کے نادر اصول پر بہ آسانی کھپ جاتے تھے اور کسی چھوٹے موٹے ظاہری کاروبار کی آڑ میں اپنی پرانی بساط دوبارہ جما لیتے تھے۔

بستی کا چکر لگانے کے بعد' ہیلی کاپٹر ساؤتھ چائنا سی کے ساحل کے ساتھ ساتھ پرواز کرنے لگا۔ اس بار اس کا رخ ہانگ کانگ کی جانب تھا۔ بمشکل نصف گھنٹے کی پرواز کے بعد ہانگ کانگ کے نقوش نمودار ہو گئے۔ اس وقت وہ علاقہ گھرے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ پائلٹ نے ہانگ کانگ اور کولون کے درمیان ہاربر کے نیلے پانیوں پر نیچی پرواز کرتے ہوئے ہمیں وہ چھوٹے چھوٹے ٹاپو بھی دکھائے جو سمندر میں ابھرے ہوئے تھے۔ نجی کمپنیوں نے اپنی سرگرمیوں کے لیے وہ ننھے ننھے جزائر برطانوی انتظامیہ سے لیز پر لیے ہوئے تھے۔ ہیلی کاپٹر نے ہانگ کانگ کے جزیرے کے [illegible] لگایا تو اندازہ ہوا کہ ہانگ کانگ کا وہی رخ آباد اور [illegible] جو کولون کی سمت میں واقع تھا۔ سطح سمندر سے بلند ہو[illegible] اس جزیرے نے ایک پہاڑی کی صورت اختیار کی ہوئی [illegible] پچھلا حصہ ناقابلِ عبور کھڑی ڈھلانوں اور خود رو سبز[illegible] ہوا تھا اس طرح ہانگ کانگ کا جنوبی اور مشرقی پہاڑی سا[illegible] ناقابلِ استعمال تھا۔

آخر کار ہم کولون والے حصے میں واقع ائرپورٹ [illegible] مخصوص حصے میں اتر گئے۔ ائر کنٹرول کی ہدایت کے مطا[illegible] کاپٹر کنکریٹ پر بنے ہوئے اس سفید دائرے میں زمین پر [illegible] کے وسط میں چمکنے والے زرد ہندسوں میں دس نمبر بلندی [illegible] سکتا تھا۔

انجن بند ہونے کے بعد ہم لوگ نیچے اترے تو ہانگ [illegible] امیگریشن کا ایک باوردی افسر ہماری طرف بڑھتا چلا آیا۔ [illegible] ہوا باز نے نہایت دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ [illegible] چینی زبان میں کچھ کہا اور وہ دونوں زور زور سے ہنسنے لگے۔

اسی اثناء میں سارا نے ہم تینوں کے سفری کاغذات ائر[illegible] افسر کی طرف بڑھا دیے۔ وہ ہمیں لے کر ایک قریبی عمار[illegible] طرف چل پڑا۔

میں نے دیکھا کہ ہانگ کانگ انٹرنیشنل ائرپورٹ [illegible] ہیلی پیڈ خاصا وسیع تھا۔ وہاں کم از کم پندرہ بیس ہیلی کاپٹر [illegible] موجود تھے۔ بعض پر مشہور بین الاقوامی کمپنیوں کے نام نظر [illegible] تھے۔

سارا نے بتایا کہ مقامیوں اور ہانگ کانگ کا ویزا رکھنے [illegible] غیر ملکیوں کی ملکی حدود میں نقل و حرکت کے لیے لائسنس [illegible] نجی ہیلی پیڈ بھی آزادانہ طور پر استعمال کیے جاتے ہیں لیکن [illegible] ملک سے آنے والے ہیلی کاپٹرز کے لیے اسی ہیلی پیڈ پر اتر[illegible] ہے تاکہ ایسی پروازوں سے ہانگ کانگ آنے والے غی[illegible] امیگریشن کے ضوابط سے گزرنے کے بعد ملک میں داخل ہو [illegible]

عمارت میں امیگریشن کاؤنٹر پر کمپیوٹر ٹرمینل موجود تھا۔ [illegible] چند منٹ میں ضروری اندراجات کر کے ہمیں ہانگ کانگ میں [illegible] قیام کا ویزا دے دیا گیا اور اسی مقام پر سارا اور ہوا باز نے [illegible] رخصت کر دیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ آج ہمیں آزادی ..... کے سا[illegible] بولنے کا موقع ملا ہے۔" امیگریشن کاؤنٹر سے کچھ دور نکلنے [illegible] سلطان شاہ نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "ہر چیز کی اہ[illegible] اندازہ اُسی وقت ہوتا ہے جب وہ چھین لی جائے۔ آزادی ا[illegible] صحیح مفہوم ڈون کی حویلی میں سمجھ میں آیا ہے۔"

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟" غزالہ نے مجھ سے سوا[illegible]

"پاکستان کب چلنا ہے؟"

"چند روز تک ہانگ کانگ میں ٹھہرنا چاہیے۔" سلطان شا[illegible] اپنی رائے ظاہر کی۔

"یہاں کیا کرو گے؟" میں نے تیوریوں پر بل ڈال کر سوال کیا۔

"تم دونوں ہنی مون منانے کے بعد ہنی مون ان ہانگ کانگ نامی کتاب لکھنے کی تیاری شروع کر دینا۔ میں کچھ سیر و تفریح کر لوں گا۔ میں تو یہاں آتے ہی دھر لیا گیا تھا۔ ہوائی اڈے اور پولیس اسٹیشن کے علاوہ اس ملک کی کسی تیسری عمارت میں قدم رکھنے کا موقع تک نہیں مل سکا تھا۔"

"تم بہت زیادہ بولنے لگے ہو۔" غزالہ اسے گھورتے ہوئے غرائی۔ "تمہیں جلد ہی سبق دینا ہوگا۔"

"بغدادی قاعدے کے علاوہ مجھے آج تک کوئی اور سبق یاد نہیں ہو سکا۔" وہ بے پروائی کے ساتھ بولا۔ "اسی وجہ سے میں پھسڈی رہ گیا ورنہ آج ملک ملک کے دھکے کھانے کے بجائے ٹھاٹ سے کہیں افسری کر رہا ہوتا۔"

ان دونوں کی اسی نوک جھونک میں ہم باہر نکل آئے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ دونوں ہی چند روز کے لیے ہانگ کانگ میں رکنے پر مائل تھے جب کہ میری نظروں میں ایسا کرنا مخدوش ثابت ہو سکتا تھا۔

ٹیکسی پکڑتے ہی میں نے ڈرائیور کو ہانگ کانگ اومنی ہوٹل چلنے کی ہدایت کی کیونکہ وہ میرا دیکھا بھالا اور آرام دہ ہوٹل تھا سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ کولون کے عین قلب میں واقع تھا۔

میں راستے میں خاموش ہی رہا کیونکہ میرے خدشات میں ڈون کوانگ فو کی ذات کی کلیدی اہمیت تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ ڈون کا نام ہانگ کانگ کے مقامی باشندوں کے لیے اجنبی نہیں رہا ہوگا کیونکہ بنیادی طور پر مکاؤ' ہانگ کانگ اور چین کے قدیم باشندوں کی اصل ایک ہی تھی اور جب افیم کے خمار نے چینیوں کی یک جہتی کو گہری نیند سُلایا ہوا تھا تو نو آبادیاتی قوتوں نے طاقت کے بل پر چین کے جنوبی ساحلی علاقوں کی بندر بانٹ سے اپنے مقبوضات قائم کر لیے تھے۔ لطف کی بات یہ تھی کہ یورپ کی نو آبادیاتی قوتیں اپنی فیصلہ کُن بحری برتری کے باوجود' خوابیدہ چینیوں سے اس قدر خائف تھیں کہ ساحلی ٹکڑوں اور جزائر پر قبضہ کرنے کے باوجود' وہ دولت اور وسائل کی تلاش میں چین میں اندر تک گھسنے کی ہمت نہیں کر سکی تھیں اور ان کی عمل داری صرف ان ہی ساحلی پٹیوں تک محدود رہی تھی جنہیں مسلح بحری بیڑوں کی بھرپور پشت پناہی کے ذریعے ناقابلِ تسخیر قلعوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔

اپنے اس مشترکہ تہذیبی پس منظر کی وجہ سے ہر چینی' خواہ وہ کہیں بھی ہو' اپنے آبائی معاشرے کے نمایاں کردار پر فخر کرتا یا کم از کم ان سے باخبر رہنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ ڈون کوانگ فو مکاؤ میں چین کی قوت اور بالا دستی کا ایک جیتا جاگتا لیجنڈ بنا ہوا تھا اس لیے ہر پڑھے لکھے چینی نژاد شخص کا اس سے واقف ہونا ناگزیر تھا۔

ہوٹل میں ہمیں بہ آسانی دو ملحقہ کمرے مل گئے۔ ہم لوگ بالکل ترو تازہ تھے اور مکاؤ میں پُرتکلف ناشتا کرنے کے صرف دو گھنٹے بعد ہانگ کانگ آ گئے تھے اس لیے ہمیں آرام یا خوراک کی کوئی حاجت نہیں تھی۔ سلطان شاہ نے اپنا کمرا دیکھنے کے بعد مقفل کیا اور ہم تینوں ایک ہی کمرے میں سر جوڑ کر یکجا ہو گئے۔

"میں تم دونوں سے متفق نہیں ہوں۔ ہمیں جلد از جلد مکاؤ والوں کی دسترس سے دور نکل جانا چاہیے۔" میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد سنجیدگی کے ساتھ گفتگو چھیڑ دی۔

"میں ہانگ کانگ میں ڈون کی بے بسی کا منظر دیکھ چکی ہوں۔ وہ یہاں ہم پر آسانی کے ساتھ ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔ ویسے بھی ہمیں اس سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔ ہم بہت اچھی فضا میں اس سے رخصت ہوئے ہیں۔" غزالہ نے سامنے کی باتوں کی روشنی میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"فی الحال کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن میں بہت جلد کوئی ہولناک طوفان ابھرتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ ٹی کے آئی مین کی ایک بڑی اور خصوصی تقریب میں نیشی کاؤ کے دیدہ دلیرانہ قتل کو مافیا والے آسانی سے ہضم نہیں کر سکیں گے۔" میں نے کھل کر اپنے خدشات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

وہ اگر مگر کے غیر یقینی دھاگوں میں الجھے ہوئے شبہات نہیں تھے بلکہ ٹھوس حقائق تھے جن سے دو جمع دو کی طرح صرف چار ہی کا جواب حاصل کیا جا سکتا تھا۔ جوں جوں میرا تجزیہ آگے بڑھتا چلا گیا' ان دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ وہ لوگ ڈون کی ذات کے سحر میں مبتلا ہو کر شاید ماضی کی ان کڑیوں کو یکسر فراموش کر بیٹھے تھے جو قدم قدم پر ہماری راہ میں حائل ہوتی رہی تھیں۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ تمہارے نام کی وجہ سے بات ضرور کھلے گی پھر ٹی کے ساتھ ہی مافیا کے ڈان بھی اپنے خونی کتوں کو تمہاری بُو پر لگا دیں گے۔" غزالہ نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے فکر مندی کے ساتھ کہا۔

"ہمارے امیگریشن کارڈ مکاؤ میں ہی بھرے گئے تھے۔ ان کے نمبروں کے ذریعے ہر وقت معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ہم یہیں مقیم ہیں یا واپس لوٹ گئے ہیں۔ کمپیوٹر کے استعمال کی وجہ سے سارا ریکارڈ سیکنڈوں میں سامنے آ جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہوٹل والے بھی کسی محکمے کو اپنے نئے مسافروں کی فہرست بھجواتے ہوں۔ اس طرح امیگریشن والوں کا کمپیوٹر یہ بھی بتا دے گا کہ ہم تینوں کہاں مقیم ہیں۔ ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"ڈون اس قدر خبیث آدمی ہے کہ وہ پاکستان تک ہمارا پیچھا کر سکتا ہے۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"کرتا رہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "مکاؤ اور ہانگ کانگ کے مقابلے میں پاکستان میں ہم زیادہ محفوظ رہیں گے۔ وہاں ہمارے ہمدرد بھی طاقتور اور بارسوخ ہیں۔ وہ ڈون کے گرگوں کو

نہایت آسانی سے شناخت کرلیں گے۔"

"شاید تم اسپیشل ٹاسک فورس کی بات کررہے ہو؟" غزالہ نے استفسار کیا۔

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "زندگی رہی تو ہم دوبارہ اِدھر آسکتے ہیں لیکن فی الحال یہ ملک ہمارے لیے چوہے دان ثابت ہوسکتا ہے۔ یہاں سے بھاگ نکلنے میں ہی ہماری عافیت مضمر ہے۔"

اس صورتِ حال میں اختلافِ رائے کا کوئی جواز ہی نہیں تھا۔ انہیں آمادہ اور متفق پاکر میں نے کہا۔ "ویرا اور ظفر کو فون کرنے کے بعد میں روانگی کا بندوبست کرتا ہوں۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ ویرا، ایران سے امریکا جانے کے بجائے کراچی لوٹ آئی۔ اس سے بلیو کراس ڈیل کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوسکے گا۔"

"بلیو کراس ڈیل کے بارے میں اہم ترین بات یہ ہے کہ چھ سو ٹن وزنی ایٹمی سازوسامان کی کھیپ ایران سے نکل کر پاکستان کی سرحدوں میں داخل ہوچکی ہے۔" سلطان شاہ بولا۔ "یہ بھی یقینی بات ہے کہ ویرا نے ایک بڑے پرزے میں نصب اس تباہ کار مادّے کو ناکارہ بنا دیا ہوگا بلکہ الگ تھلگ کرکے تباہ کردا دیا ہوگا جو خلا میں گردش کرنے والے مصنوعی سیارے سے نشر کیے جانے والے اشاروں کے تابع تھا۔ اس کے علاوہ ویرا جو کچھ کہے گی وہ افسانہ ہوگا۔"

"اصل بات یہ ہے کہ ڈیئی کو اس کُلچر عورت سے باتیں کرنے میں مزہ آتا ہے۔" غزالہ نے سلطان شاہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "فون پر وہ ان کے گلے میں بانہیں تو ڈالنے سے رہی۔ فون کرلینے دو، ان کے دل کی بھڑاس نکل جائے گی۔"

"تم دونوں اس کے مثالی کارنامے کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کررہے ہو۔" میں نے انھیں ملامت کرتے ہوئے کہا۔ "پاکستانی قوم کی سلامتی اور خوش حالی، اس کے ایٹمی پروگرام کی کامیابی سے وابستہ ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کی خاطر ملک نے متعدد سیاسی اور معاشی قربانیاں دی ہیں۔ گھاس کھا کر ایٹمی طاقت بننے کا عزم، ہمارے دشمنوں کے خوابوں میں آسیب بن کر ڈراتا رہتا ہے۔ ہمارے بدخواہوں کی طرف سے عالمی سطح پر مذموم تشہیر کی ایک منظم مہم چل رہی ہے۔ صیہونی اور غیر مسلم دنیا کو اسلامی بم کے عفریت سے دہشت زدہ کیا جارہا ہے۔ ان مخدوش ترین حالات میں اگر ایک غیر ملکی عورت ہمارے اس قومی مشن کی سربلندی کے لیے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دیتی ہے تو وہ ہر اعتبار سے عزت اور احترام کی مستحق ہے۔ تم یہ نہ بھولو کہ اس نے یہ کام کسی لالچ کے بجائے، صرف ہم لوگوں سے اپنی دوستی نبھانے کے لیے کیا ہے...."

"یہاں تم تھوڑا سا مبالغہ کررہے ہو۔" سلطان شاہ نے میری بات .... کاٹ کر کہا۔ "اس کی دوستی ہم لوگوں سے نہیں، صرف تم سے ہے اور اس نے محض تمہاری فرمائش پر ایران کی طرف [illegible] لگائی تھی۔ ہمیں اس واقعے کی قومی اہمیت کا پورا پورا ادراک [illegible] لیکن اس واقعے کا دوسرا پہلو بھی ہے۔ ویرا، تمہیں اس قدر چاہ[illegible] ہے کہ اس نے نتائج کی پروا کیے بغیر اپنے بڑوں کو کھلا دھوکا دے[illegible] وعدہ کرلیا اور اسے پورا بھی کردیا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ تمہار[illegible] زبان سے تمہاری اور غزالہ کی شادی کا ذکر سن کر اسے صدمہ [illegible] ہوگا۔ اگر اس نے مایوسی کے عالم میں خودکشی نہ کرلی تو وہ ڈ[illegible] کوانگ فو کو ضرور ہلاک کردے گی کیونکہ اسی بدمعاش نے زبر[illegible] تم دونوں کا نکاح کرایا ہے۔"

"تم ان ہی گھٹیا باتوں پر اپنی ذہنی صلاحیتیں برباد کرتے رہو[illegible]" میں نے دانت پیس کر کہا۔ "تمہیں زندگی بھر اپنی ناک سے آ[illegible] دیکھنے کی عادت نہیں پڑسکے گی۔ تم ان تنگ نظر اور متعصب لوگو[illegible] میں سے ہو جنہیں آج تک یقین نہیں آسکا کہ انسان خلا سے گز[illegible] کر چاند پر ہو آیا ہے۔"

سلطان شاہ غزالہ کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا اور میں پیر پٹ[illegible] ہوا، ہوٹل کے کمرے کی ایک کھڑکی کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔

نیشی کاؤ، مافیا کے ڈان تھری کی حیثیت سے، مجھ سے مذاکرا[illegible] کرنے کے لیے شکاگو سے کراچی پہنچا تھا۔ وہ شی کی طرف سے [illegible] گن اور سلور آئیز کی واپسی کا مطالبہ لے کر آیا تھا۔ اس کا انداز[illegible] تھا کہ میں وہ دونوں اہم ترین چیزیں لوٹا دیتا تو شی والے میرا پیچ[illegible] چھوڑ سکتے تھے اور میں اپنی تمام تر صلاحیتیں مافیا کے مفادات [illegible] فروغ اور تحفظ کے لیے استعمال کرسکتا تھا۔ نیشی کاؤ اس امر [illegible] بے خبر تھا کہ بلی گینگ نامی ایک پیشہ ور قاتل شکاگو سے ہی اس [illegible] پیچھا کررہا تھا۔ جب میں نے نیشی کاؤ کو بتایا کہ میرے پاس بیم گن [illegible] سلور آئیز میں سے کوئی چیز موجود نہیں تو شی کے بھیجے ہوئے اس [illegible] ور قاتل نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کردیا جو بری طرح ناکام رہا اور [illegible] گینگ اپنے حامیوں سمیت جہنم واصل ہوگیا۔

اس ناخوشگوار واقعے نے نیشی کاؤ کے دل میں شی کے بڑ[illegible] کے خلاف نفرت کا بیج بو دیا۔ اسے یقین ہوگیا کہ وہ لوگ بلا [illegible] میرے لہو کے پیاسے ہورہے تھے۔ اس مسئلے میں اپنے دوست ڈون کوانگ فو کی مدد لینے کا فیصلہ کرکے نیشی کاؤ نے ایسی بھیا[illegible] غلطی کی جس کا خمیازہ اسے اپنی سفاکانہ موت کی صورت میں [illegible] پڑا۔

نیشی کاؤ کا کانٹا میری راہ سے نکل گیا تھا لیکن مکاؤ میں [illegible] آنے والے واقعات کے بعد مجھے چاروں طرف سے اپنے اوپر [illegible] ہوتی نظر آرہی تھی جس کا تدارک مشکل ہی نہیں، ناممکن [illegible] آرہا تھا۔

اس وقت تک ظفر کو مافیا سے میرے کسی تعلق کا علم [illegible] تھا۔ اسی طرح ویرا ابھی یہ سمجھ رہی تھی کہ شی سے بغاوت کے [illegible] میں منظم جرائم کی دنیا سے کنارہ کش ہوچکا تھا۔ مافیا سے میر[illegible] روابط کا تو اسے شبہ بھی نہیں ہوسکا تھا۔ اُدھر حبیب جیوانی مجھے مافیا کا پکا وفادار تصور کرتا تھا۔ اس کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ اس نے مقامی مافیا کے بیشتر معاملات میری صوابدید پر چھوڑے ہوئے تھے۔ اور خود پس پشت رہا کرتا تھا۔ غزالہ کی آزادی کے لیے مکاؤ کی طرف دوڑ لگانے کے لیے میں نے حبیب جیوانی سے اسلام آباد جانے کا بہانہ کیا تھا۔ اسے میں نے یہ پٹی پڑھائی تھی کہ میں ڈان تھری کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے، سردار امیر جان کو، اس کے بیٹے کی اسمگلنگ کی بنیاد پر شیشے میں اتارنا چاہتا تھا۔

میری وہ سب کہانیاں اور بہروپ ریت کے گھروندوں سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے تھے۔ ایک بار واقعات کی گرد دب جاتی اور مکاؤ کے واقعات میں ملوّث کرداروں کے نام بے نقاب ہونے شروع ہوتے تو میں ہر طرف سے تنقید اور بے رحمانہ سوالات کے گرداب میں پھنس کے بے دست و پا ہوجاتا۔

ان متوقع حالات کا تقاضا یہی تھا کہ میں ہانگ کانگ سے روانہ ہونے سے پہلے فون کے ذریعے ظفر اور ویرا کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا تاکہ بعد میں انہیں سنبھالنے میں سہولت رہتی۔

میں نے کھڑکی سے ہٹ کر فون سنبھالا اور آپریٹر کو جہانگیر کے فلیٹ کا نمبر ملانے کی ہدایت کرکے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تم ہماری باتوں کا بہت جلد برا مان جاتے ہو لیکن تم ایمان داری سے اپنے دل کو ٹٹولو تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ تمہارے دل میں ویرا کے لیے نرم گوشہ موجود ہے۔" سلطان شاہ نے ٹہلتے ہوئے کہا۔ "یہ کوئی تہمت یا الزام تراشی نہیں ہے بلکہ سادہ سی ایک حقیقت ہے جو تمہیں تسلیم کرلینی چاہیے۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ لوگ ویرا کے بارے میں مذاق کرتے رہے ہوں یا سنجیدہ ہوں، اس بارے میں میرا ردِعمل ہمیشہ منفی اور مدافعانہ رہتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ویرا سے کبھی محبت نہ کرنے کے باوجود، میں اس کے ساتھ دوستی کی ساری حدیں پھلانگ کر، بارہا خلوتوں کے سفر سے بھی گزر چکا تھا اور میرے لاشعور میں یہ خوف جاگزیں تھا کہ کہیں غزالہ کسی روز میری اس کمزوری کا ذکر نہ چھیڑ بیٹھے۔ وہ دونوں ایسی ہی باتیں سارا یا کسی اور لڑکی کے بارے میں کرتے، جس سے میرا کوئی تعلق نہ رہا ہو، تو شاید میں خود بھی ان کے مذاق میں شریک ہوجاتا۔

چند منٹ بعد ہی فون کی گھنٹی بجی تو میں نے فوراً ریسیور اٹھالیا۔

"کراچی، سر! دوسری طرف گھنٹی بج رہی ہے۔" مستعد آپریٹر نے وہ فقرہ ادا کرتے ہی لائن مجھے منتقل کردی۔

مجھے مزید ایک گھنٹی سنائی دی پھر طویل فاصلے کی بین الاقوامی فون کال کی مخصوص ٹون کے ساتھ ہی ویرا کی واضح ہیلو سنائی دی۔

"کہاں غائب تھیں؟ کافی دیر سے گھنٹی بج رہی تھی۔" میں نے شگفتہ لہجے میں پوچھا۔

"نہا رہی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے پروگرام سے پہلے ہانگ کانگ پہنچ گئے ہو؟"

"تم سے بات کرنے کے اشتیاق میں ہم نے وقت سے پہلے مکاؤ چھوڑ دیا۔"

"میں تو تمہیں کراچی چھوڑ کر گئی تھی۔ پھر تم یہاں سے مکاؤ کیسے پہنچ گئے؟"

"غزالہ کی آڑ میں ڈون کے آدمی ایک مفرور چینی مجرم کو بھی ہانگ کانگ سے نکال رہے تھے جس کی بھنک مقامی پولیس کو مل گئی اور بوٹ کے عملے کے ساتھ غزالہ بھی پولیس کی تحویل میں چلی گئی۔ تریا بھی لاپتا ہوگیا۔ پھر جب ڈون، غزالہ کو لینے پہنچا تو اس نے ڈون کو پہچاننے سے انکار کردیا۔ اسے تمہارے منصوبے کا سرے سے علم نہیں تھا۔ ہانگ کانگ پولیس نے ڈون کی نگرانی شروع کرادی اور وہ اپنی اس بے عزتی پر مشتعل ہوگیا۔ مختصر یہ کہ وہ تمہیں ہانگ کانگ یا مکاؤ طلب کررہا تھا جب کہ تم لاپتا تھیں۔ اس لیے میں نے سلطان شاہ کو ہانگ کانگ روانہ کردیا۔ اس کی مداخلت پر غزالہ، ڈون کے ساتھ آنے پر آمادہ ہوگئی لیکن ڈون نے مکاؤ پہنچتے ہی ان دونوں کو یرغمال بنالیا۔ متعدد کوششوں کے باوجود، میں اس سے بات کرنے میں ناکام رہا۔ اس کی سیکریٹری کا ایک ہی پیغام تھا کہ تمہارے مکاؤ پہنچے بغیر، دونوں قیدیوں کی رہائی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ مجبوراً مجھے روانہ ہونا پڑا اور میں کسی نہ کسی طرح ڈون تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔"

میرے خاموش ہونے پر، ریسیور میں ویرا کا جاندار قہقہہ گونجا اور وہ بولی۔ "مجھے معلوم ہے کہ ڈون بہت ضدی ہے، مجھے حیرت کہ اس نے اپنا اصرار ترک کرکے تمہاری سفارش قبول کرلی۔"

"میں نے اسے تمہارا پیغام دے دیا تھا۔ وہ اب بھی تم سے بات کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔"

"خیر، میں اسے خود رام کرلوں گی مگر یہ تو بتاؤ کہ تم اس تک پہنچنے میں کیسے کامیاب ہوئے؟"

"وہ ہالینڈ کے مسروقہ شاہی نوادرات تھے جو اتفاقاً میرے ہاتھ لگ گئے۔ ڈون کو ان کی تلاش تھی۔ وہ ایک لمبی اور دلچسپ کہانی ہے جو فون پر نہیں سنائی جاسکتی۔ اس کے بعد بھی ڈون تمہارے معاملے میں اُڑا ہوا تھا۔"

"اور پھر اس نے غزالہ سے تمہاری کورٹ میرج کرادی؟" اس نے تجسس کے ساتھ پوچھا۔

اس نے نوادرات لینے کے بعد مجھے منہ مانگے انعام کی پیش کش کی تھی جب میں نے غزالہ کی آزادی کی فرمائش کی تو اس نے طویل بحث کے بعد شرط عائد کردی کہ مجھے اس سے اتنی ہی محبت ہے تو میں اس سے شادی کرکے اسے اپنے ساتھ لے جاسکتا ہوں ورنہ وہ اسی حویلی میں بوڑھی ہو کر مرجائے گی۔ یہ کورٹ میرج نہیں تھی بلکہ ہمارا نکاح پڑھانے کے لیے چین سے ایک مسلمان عالم بلایا گیا تھا۔"

"پھر تو تم واقعی خوش نصیب ہو۔" ویرا کی آواز سے رشک و حسد کے تاثرات جھلک رہے تھے۔

"پرسوں شام منعقد ہونے والی شادی کی تقریب بہت بڑی اور پرشکوہ تھی۔ بیش قیمت گاڑیوں سمیت اتنے تحائف آئے کہ شمار مشکل تھا لیکن اسی تقریب میں ڈون کے ایک دوست کے قتل کی وجہ سے سارا طلسم بکھر کر رہ گیا۔ ڈون اب بھی قاتل کی تلاش میں لگا ہوا ہو گا۔"

"اس واردات میں تمہارا ہاتھ تو نہیں تھا؟" ویرا کے برجستہ سوال پر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"خدا کا خوف کرو' ویرا! مکاؤ میں ہماری کسی سے کیا دشمنی ہو سکتی تھی؟"

"تم دوستیوں کے ساتھ ہی دشمنیاں پیدا کرنے میں بھی ماہر ہو۔ ویسے مرنے والے کا نام کیا تھا؟ میں ڈون کے بہتیرے دوستوں سے واقف ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ مرنے والے کا نام میرے لیے نیا نہ ہو۔"

"نیشی کاؤ...." میں اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا کیوں کہ ویرا نے میری بات کاٹ دی تھی۔

"نیشی کاؤ؟" ویرا کی تحیّر زدہ آواز ابھری تھی۔ "وہ مکاؤ میں کیا کر رہا تھا؟ وہ تو مافیا کا ڈان ہے اور شکاگو میں رہتا ہے۔ ڈون اکثر ذکر کرتا رہتا تھا کہ شنگھائی کے مضافات میں ان دونوں کے گھرانے صدیوں سے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے بستے چلے آرہے تھے۔"

"وہ ڈون کے بچپن کا دوست تھا۔ تم بالکل ٹھیک سمجھی ہو۔" میں نے اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پا کر' پُرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ نیشی کاؤ مافیا کا ڈان بھی تھا۔"

"بلکہ اب تو وہ ڈان تھری ہو گیا تھا۔" مافیا والوں کے بارے میں ویرا کی معلومات قابلِ رشک تھیں۔ "لیکن وہ ڈون کے پاس کیا لینے گیا تھا۔ ڈون تو اس کی حریف تنظیم کا آئی مین ہے۔"

"میں اندر کی کہانیوں سے لاعلم ہوں۔ ڈون نے غصے میں مکاؤ میں اپنے کچھ مشتبہ حریفوں کو قتل کر کے ان کے گھر جلوا دیے ہیں۔ اسے شبہ ہے کہ اسے کمزور اور بدنام کرنے کے لیے اس کے حریفوں نے یہ چال چلی ہے۔"

"خدا کی پناہ! اور تم کو اس قدر مخدوش صورتِ حال کے باوجود مکاؤ چھوڑنے کی اجازت مل گئی؟"

"ڈون کی ایک سفید فام محبوبہ' ہیلی کاپٹر میں ہمیں یہاں پہنچا کر گئی ہے۔"

"مجھ سے یہ باتیں نہ کرو۔" ویرا کی تلخ آواز ابھری۔ "جب شراب کا نشہ ڈون کی کھوپڑی میں ٹھوکریں رسید کرنے لگتا ہے تو وہ کسی ہتھنی کو بھی اپنی محبوبہ قرار دے بیٹھتا ہے۔ اس معاملے میں وہ بڑا تخیل پرست ہے۔"

"یہ بتاؤ کہ بلیو کراس ڈیل کے بارے میں تازہ ترین خبر ہیں؟"

"اپنا کام پورا کرنے کے بعد میں بالکل بے خبری کے عالم ہوں۔ یہ ضرور ہے کہ واشنگٹن والوں نے جمی لائیڈ کو اس مشن ناکامی کی اطلاع دے دی ہے۔ انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ ایک کی تباہی کے علاوہ پورا کارواں تیزی کے ساتھ سرحد پار کر چکا لیکن حیرت ناک بات یہ ہے کہ پاکستان کی سرحدی پہاڑوں داخل ہونے کے بعد وہ پورا عظیم الشان کارواں اچانک لاپتا ہے۔ پاکستان پر سے دن میں پانچ بار گزرنے والے مصنوعی سیارے بھی اس مشینی قافلے کی نقل و حرکت کا سراغ لگانے میں ناکام رہے ہیں۔"

"پھر اب تمہاری کیا پوزیشن ہے؟" میں نے دلچسپی کے ساتھ سوال کیا۔

"میں نے واضح کر دیا ہے کہ میں نے ٹارگٹ کو پورے کارواں کے ساتھ دیکھ کر ہی گرین سگنل دیا تھا۔ اگر وہ ٹریلر میں خراب ہو کر کارواں سے بچھڑ گیا ہو تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"اور تمہاری یہ تاویل قبول کر لی گئی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"قبول کرنا یا نہ کرنا اوپر والوں کا کام ہے۔ میں اپنا جواب دے چکی ہوں۔"

"تمہارا اندازہ تھا کہ کافی عرصے تک کسی کو معلوم ہی نہیں ہو سکے گا کہ ہوا کیا ہے لیکن یہاں تو چند ہی روز میں تم سے جواب طلب کرنے کی نوبت بھی آگئی۔ کیا کہیں سے مخبری کی گئی ہے؟"

"نہیں' شاید میں اس معاملے کی اہمیت کا صحیح اندازہ لگانے میں غلطی کر بیٹھی تھی۔ باتوں باتوں میں ایک اور خطرہ بھی ابھر کر سامنے آیا ہے جو میرے وہم و گمان تک میں نہیں تھا۔"

وہ کیا ہے؟" میں نے بے تابی کے ساتھ سوال کیا۔ اس گفتگو سے مجھے کئی اہم اشارے مل چکے تھے۔

"دراصل یہ معاملہ واشنگٹن کی ترجیحات میں شامل ہے۔ تمہاری ایٹمی پیش رفت کو دھکیل کر ستر کے عشرے میں واپس لے جانا چاہتے ہیں۔ باتوں ہی باتوں میں مجھے اندازہ ہوا ہے کہ مواصلاتی مدار میں موجود' کسی مصنوعی سیارے کا مدار تبدیل کر کے پاکستان پر لانے کے پروگرام پر عمل بھی کیا جا سکتا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔ یہ مواصلاتی مدار اور خلائی اصطلاحیں میرے لیے ناقابلِ فہم ہیں۔"

"زمین سے ایک مخصوص بلندی پر ایک مدار ایسا ہے جہاں مصنوعی سیارے زمین کے گرد چوبیس گھنٹے میں ایک چکر پورا کرتے ہیں اور اسی مدت میں زمین اپنے محور کا ایک چکر مکمل کرتی ہے۔ اس طرح وہ مصنوعی سیارے گردش کرنے کے باوجود زمین سے ایک

رکے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ مدار مواصلاتی رابطوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ ایسے سیاروں کے لیے زمینی اسٹیشن مقام پر قائم کیے جا سکتے ہیں جو مقررہ مقامات سے سگنل بھیج یا وصول کر سکتے ہیں۔ ایسا کوئی جاسوس سیارہ پاکستان کی خلائی حدود میں معلق کر دیا گیا تو وہ پل پل کی تصاویر' ہانگ کانگ سے ترکی تک پھیلے ہوئے مربوط سلسلے کے کسی بھی زمینی مرکز کو بھیجتا رہے گا اور تمہارا کارواں خطرے میں پڑ جائے گا۔ ایسے جاسوس سیاروں کے حساس زین کیمرے صحرا میں گرے ہوئے سکے تک کی واضح تصاویر لے سکتے ہیں۔"

"تم مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔" میں نے پھیکی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "اس کا تو مطلب ہوا کہ زمین کا کوئی بھی حصہ ایسے کیمروں کی دسترس سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔"

"بدقسمتی سے ایسا ہی ہے۔ شرط صرف اتنی ہے کہ مواصلاتی مدار میں کوئی مصنوعی سیارہ مقررہ مقام پر موجود ہو۔" اس کی مایوسانہ آواز سنائی دی۔ "بہت جلد تم سن لو گے کہ اب تیسری عالمی جنگ شروع ہوئی تو اس کی کمان خلا سے آنے والی معلومات کی روشنی میں ہی کی جائے گی۔"

"میں جلد از جلد متعلقہ لوگوں کو ان خطرات سے آگاہ کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"اس کا ایک ہی توڑ ہے۔" ویرا کی آواز گمبھیر ہو گئی۔ "ان تمام ٹرکوں اور ٹریلروں کو فوری طور پر' قریب ترین' زیرِ زمین پناہ گاہوں میں اتار کر خالی کرا لیا جائے۔ اصل گاڑیاں ایک ایک کر کے مختلف راستوں سے ایران واپس چلی جائیں اور وہ تمام سامان نئے ٹرکوں پر لاد کر دھیمے اور غیر محسوس طریقے پر منزلِ مقصود تک پہنچا دیا جائے۔ اس کے علاوہ کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو گی۔ آج کے بمبار طیاروں کے ہوا باز' انفرا ریڈ شعاعوں کی مدد سے' اماوس کی اندھیری راتوں میں بھی میلوں دور تک صاف دیکھتے ہیں۔ وہ لوگ آخری حربے کے طور پر کوئی بھی کارروائی کر سکتے ہیں۔"

ویرا کی وہ منظر کشی بہت بھیانک اور ڈراؤنی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ طاقتور اور بڑی قوموں کی مرضی سے انحراف کر کے کوئی طاقت روئے زمین پر نہیں پنپ سکتی تھی۔ ایسے سرکشوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے تمام انتظامات مکمل کر لیے گئے تھے لیکن مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے ایما پر پاکستان کے ذہین محافظوں نے بالکل وہی راہ اختیار کی تھی جو ویرا تجویز کر رہی تھی۔

میں نے ویرا کو اصل انتظامات کے بارے میں کچھ بتائے بغیر پژمردہ آواز میں کہا۔ "تمہارے خدشات تشویشناک اور حقیقی ہیں۔ میں متعلقہ لوگوں کو ان کے بارے میں آگاہ کر دوں گا۔"

"ہانگ کانگ سے فون کال مہنگی پڑے گی۔ تم چاہو تو میں

اسپیشل ٹاسک فورس والوں کو فون کیے دیتی ہوں۔"

"نہیں، نہیں۔ ایسا نہ کرنا۔" میں نے عجلت سے کہا۔ "ایس ٹی ایف میں تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ اب وہاں اوّل خان نہیں رہا اس کی جگہ آنے والا مختلف مزاج کا آدمی ہے۔ وہ تم سے بے رحمانہ جرح شروع کردے گا۔"

ویرا کے لیے ایس ٹی ایف کا وجود راز نہیں رہا تھا۔ الحدید نامی لانچ کے سلسلے میں وہ اول خان کے نام اور کردار سے بھی واقف ہو چکی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ان لوگوں نے اسی کی متروکہ قیامگاہ پر اپنا کیمپ قائم کیا ہوا تھا کیوں کہ اس جائداد کا کوئی دعوے دار سامنے آنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اسی طرح ویرا ان لوگوں کے کم از کم ایک فون نمبر سے بھی واقف تھی جو اس کے قیام کے زمانے سے وہاں نصب تھا۔

"ٹھیک ہے۔ اپنا کام تم بہتر طریقے سے کر سکتے ہو۔" اس نے میرے اختلاف کو زیادہ اہمیت نہیں دی پھر بولی۔ "اب غزالہ سے بات ہو سکتی ہے یا وہ کہیں مصروف ہے۔"

میں ریسیور غزالہ کے حوالے کر کے دانستہ وہاں سے دور چلا گیا۔ مجھے توقع تھی کہ ان دونوں میں نوک جھونک کے درمیان تلخ و ترش جملوں کا تبادلہ ضرور ہو گا۔ اس مرحلے پر میں ان کے کسی تنازعے میں فریق بننے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا میں نے بظاہر لاتعلقی اختیار کر لی تھی لیکن میرے کان غزالہ کی آواز پر ہی لگے ہوئے تھے۔

غزالہ کے جوابات سے اندازہ ہوا کہ ان دونوں کے مذاکرات کی ابتدا شادی کی مبارکباد سے ہوئی تھی پھر غزالہ شادی کی تفصیلات بتانے لگی جو کسی مبالغے کے بغیر بھی مبالغہ آمیز محسوس ہوئیں۔ ویرا جو کچھ بھی رہی ہو، بنیادی طور پر ایک عورت ہی تھی۔ ویرا اس تقریب کے بارے میں فطری تجسس کا شکار تھی جس کا ازالہ واقعی ازالہ صرف غزالہ کی کہانی سے ہو سکتا تھا۔

پھر ان کی گفتگو کا رخ غزالہ کی قید کے واقعات کی طرف ہو گیا۔ شاید ویرا جاننا چاہ رہی تھی کہ شری مان سنگھ کی تحویل سے گزرنے کے بعد، بھارت میں غزالہ پر کیا گزری تھی۔

آخر کار غزالہ نے مجھے بلا کر ریسیور دوبارہ میرے حوالے کر دیا۔ غالباً ویرا کو کوئی اور بات یاد آ گئی تھی۔

"تم انڈین سیکرٹ سروس کے ریسرچ اینڈ اینالے سز ونگ کو شاید بالکل ہی بھول گئے ہو!"

"یہ کون سا نیا ونگ پیدا ہو گیا؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"یہ وہی ونگ ہے جسے اس کے مخفف کی بنا پر عرف عام میں را کہا جاتا ہے۔" اس نے کہا۔ "تحقیق اور تجزیے کے نام پر یہ لوگ ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔ تم شری مان سنگھ کو سمندر کی بے رحم موجوں کے حوالے کر کے ان بدمعاشوں کی طرف سے مطمئن ہو گئے ہو لیکن وہ نچلے بیٹھنے والے نہیں ہیں۔ آپریشن سلور سینڈ ساقط ہونے کے بعد وہ کوئی نئی سازش شروع کر سکتے ہیں جس کے اشارے غزالہ کی کہانی سے مل رہے ہیں۔ اس مرتبہ ابتدا ہی سے ان کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنی پڑے گی۔"

"مجھے ٹیلی فون کے بل کی پروا نہیں، لیکن یہ مسائل فون پر طے نہیں ہو سکتے۔ میں جلد از جلد واپس لوٹنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہاں آ کر ہی اس بارے میں کوئی ٹھوس منصوبہ بندی کی جا سکے گی۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "ویسے میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم میرے ملک کے مفادات کا اتنا دھیان رکھ رہی ہو۔"

"اس گمان میں نہ رہنا۔" اس بار وہ ایک دم ہی بھڑک اٹھی۔ "مجھے تمہارے ملک یا اس کے مفادات سے ذرا سی بھی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو بس جمی لائیڈ اور اس کے حواریوں کو خاک چاٹتا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں۔ اسی لیے تمہیں یہ سب بتا رہی ہوں کیوں کہ تم بہرحال میرے دوست اور مددگار ہو۔"

اس کی انوکھی تاویل پر میں دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ جمی لائیڈ کو وہ اپنا حقیقی باپ تصور کرتی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ جمی لائیڈ نے اپنی اس ناجائز اولاد کو کچھ عرصے پہلے تک تسلیم ہی نہیں کیا تھا اور ویرا نے ماں باپ کے مشفقانہ سائے سے محرومی کے عالم میں اپنی توہین و تذلیل کے ایسے ایسے دردناک لمحے گزارے تھے، جن کے لئے وہ اپنے باپ کو کبھی معاف نہیں کر سکتی تھی۔ بچپن ہی میں ماں کے سائے سے محروم ہو جانے کے بعد اس کی تمام تر امیدوں کا مرکز، اپنے باپ کی ذات بن گئی تھی جس سے اسے کھلی محرومیوں کے سوا کچھ نہیں مل سکا تھا۔ کچھ عرصے پہلے جمی لائیڈ نے آخر کار اسے اپنی بیٹی مان لیا تھا لیکن میں ویرا کے ذہن میں یہ بات بٹھانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ جمی لائیڈ نے اسے میرے خلاف استعمال کرنے کے لیے ایک عارضی سمجھوتا کیا تھا جسے وہ کسی بھی وقت بھلانے پر قادر تھا۔ یہ اسی نظریے کی کوکھ سے جنم لینے والی نفرت تھی جو ویرا کو میرے مفادات کے لیے کام کرنے پر اکساتی رہتی تھی۔ اس عمل میں وہ لاشعوری طور پر میرے ملک کے لیے بھی مخلص ہوتی جا رہی تھی لیکن اس کی ذات کے تضادات اسے ایسے کسی بھی اعتراف سے گریزاں رکھتے تھے۔

میں نے اس نکتے پر ویرا سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"میں تمہارے جذبات کو بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں۔" میں نے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔ "یہ کال بہت زیادہ طویل ہونے کی صورت میں آپریٹر کو ہماری گفتگو کی طرف متوجہ کر سکتی ہے، اس لیے باقی باتیں واپسی پر ہوں گی۔ میں کل تک کراچی پہنچنے کی سرتوڑ کوشش کروں گا۔"

ویرا کی اس فون کال نے ہم تینوں کو وہ بدمزگی بھول جانے پر

مجبور کر دیا جو کچھ دیر قبل پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے ان دونوں کو تازہ ترین گفتگو کے خلاصے سے آگاہ کیا جس پر وہ جوش و خروش کے ساتھ بحث میں مصروف ہو گئے اور میں ایس ٹی ایف والے ظفر سے گفتگو کرنے کے ارادے سے دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

آپریٹر نے سلسلہ ملانے کے بعد کال مجھے منتقل کی تو دوسری طرف سے اوّل خان کی آواز سن کر مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ اس کی آواز سے گہرا اطمینان جھلک رہا تھا۔

"اول خان؟ تم یہاں کیسے؟" میں نے اضطراری لہجے میں حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"ڈینی؟" وہ بھی میری آواز پہچان کر حیران رہ گیا۔ "ظفر نے بتایا تھا کہ تم مشرق بعید کے کسی مشن پر نکلے ہوئے ہو!"

"ہاں، میں ہانگ کانگ سے بول رہا ہوں۔ مگر تم واپس کیسے آ گئے؟"

"حکومت بدل گئی ہے۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ "آنے والے، پرانی حکومت کے فیصلے لوٹا رہے ہیں۔ میرا بھی تبادلہ منسوخ کر کے مجھے یہاں بحال کر دیا گیا ہے۔ آگے دیکھو کیا ہوتا ہے؟"

اس خبر سے مجھے دلی مسرت ہوئی اور میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ نئی حکومت میں تمہارے اپنے لوگ بھی اقتدار میں نہیں آئے ہیں۔"

"نہیں ڈینی!" اس کا لہجہ دُکھی ہو گیا۔ "ہم لوگوں کو ان سیاسی اور سرکاری لوگوں سے کیا لینا دینا ہے۔ نئے آرڈرز ملنے تک میرے فرشتوں کو بھی تبادلے کا علم نہیں تھا۔ بس یہ ایک دوسرے کی ضد میں ہو رہا ہے۔ کسی کی لاٹری نکل رہی ہے اور کوئی برباد ہو رہا ہے۔ ان مداریوں نے پورے اسٹیبلشمنٹ کو تماشا بنا کر رکھ دیا ہے۔"

"لیکن تم جیسے غیر سرکاری لوگ ان کی زد میں کیسے آ گئے؟" میں نے بات بدلتے ہوئے پوچھا۔

میرے سوال پر وہ ہنس پڑا۔ "تم جانتے ہو کہ سرکاری طور پر ہمارا ادارہ غیر سرکاری ہے لیکن غیر سرکاری طور پر ہماری خدمات اپنی مٹی اور پھر سرکار کے لیے وقف ہیں۔ تمہاری بلیو کراس ڈیل کی یہاں دھومیں مچی ہوئی ہیں لیکن مجھے تفصیل کا کوئی علم نہیں۔ تم آؤ گے تو کھل کر باتیں ہوں گی۔ اس معاملے میں بہت سخت رازداری سے کام لیا جا رہا ہے۔"

"میں جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن یہاں کچھ تشویشناک خبریں ملی ہیں جن سے تمہارا واقف ہونا ضروری ہے۔ را کے ایجنٹ مسلسل ہمارے خلاف کام کر رہے ہیں اور اس بار ہمارے سب سے بڑے آبی ذخائر ان کی نگاہوں میں کھٹک رہے ہیں۔ وہاں غیر متعلقہ آدمیوں کے داخلے پر سخت پابندی کے ساتھ ہی کڑی نگرانی کا سلسلہ شروع ہو جانا چاہیے۔"

"ہم کہیں بھی غافل یا بے خبر نہیں رہتے۔" ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ "میں پنڈی میں تھا تو منگلا ڈیم سے اس پار، میرپور کی پہاڑیوں سے دو مشتبہ خانہ بدوش پکڑے گئے تھے۔ ان کے قبضے سے لانگ رینج والا ایک ٹرانسمیٹر برآمد ہوا تھا۔ اس پر رابطہ کرنے کی ہر کوشش ناکام ثابت ہوئی۔ شاید اس کے لئے کوئی پاس ورڈ ضروری تھا۔ وہ دونوں اپنی کوئی بھی شناخت پیش نہیں کر سکے اور کڑے تشدد کے تیسرے دن اپنے سیل میں مردہ پائے گئے۔ ان کے بارے میں خفیہ محکمے بدترین تشویش میں مبتلا ہیں۔ تمہاری اطلاع سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ را کے ایجنٹ رہے ہوں گے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہاں کھیل شروع ہو چکا ہے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ "رجنی نام کی ایک بھارتی عورت اسٹیشن فور پر حراست میں تھی اب اس کا کیا حال ہے؟"

"میں شری مان سنگھ کی فائل دیکھ چکا ہوں۔ اس کے مطابق رجنی کا ذہنی توازن، ایک محدود مدت کے لئے بگاڑ دیا گیا ہے۔ اب اسے بنگلہ دیش روانہ کرنا ہے۔ ذہن نارمل ہونے پر وہ کلکتہ کے راستے بھارت جا سکے گی۔ اس کا یہاں سے ہٹانا ضروری ہو گیا ہے کیوں کہ اپنی رہائی کی کوششوں میں وہ گھٹیا حرکتوں پر اتر آئی تھی۔ اس نے اپنی نگرانی پر مامور، کم از کم دو سپاہیوں کو جنسی رشوت کی پیش کش کی تھی۔ گھربار اور خاندان سے دور رہنے والے جوانوں کے لیے ایسا جال اکثر و بیشتر کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔ ہم اپنے عملے کو قیدی عورتوں سے عموماً دور ہی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"فی الحال اسے روکے رہو۔ باقی باتیں واپسی پر ہوں گی۔" میں نے گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع کر دیا۔

سلطان شاہ کے ہانگ کانگ روانہ ہونے سے پہلے ہی ملک میں کافی سے زیادہ سیاسی ہلچل موجود تھی لیکن مجھے کبھی بھی سیاست سے دلچسپی نہیں رہی تھی۔ ویرا نے مجھے مکاؤ میں سیاسی تبدیلی کی خبر دی تو میں نے اسے ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیا تھا لیکن اول خان کا اندازِ بیان ہی مختلف تھا۔ اگر آنے والوں کی کارکردگی کے لیے جانے والوں کی جا و بے جا بیخ کنی اور مخالفت ہی معیار بنا لی گئی تھی تو ملکی اور قومی مفادات کا تحفظ بھی ایک کھیل بنا لیا گیا تھا۔ گندی سیاست کا زہر بہت تیزی کے ساتھ قوم کی رگوں میں اتارا جا رہا تھا۔ اس دوڑ میں کوئی کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا تھا۔ فرضی اعداد و شمار، جھوٹی خبروں اور بے سروپا الزامات کی چٹپٹی کہانیاں سنا سنا کر، کم و بیش سارے ہی سیاستداں قوم کے ذہنوں کو تباہ کر رہے تھے۔ اس ماحول میں اول خان اور اس جیسے دوسرے فرض شناس خادموں کا دم غنیمت تھا جو آنے جانے والوں کی باہمی نفرتوں سے بے نیاز ہو کر اپنے مشن میں کھوئے رہتے تھے۔

ایس ٹی ایف میں ظفر بھی ہمارے ساتھ تعاون کرتا رہا تھا اور ہمیں اس سے کبھی، کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی تھی لیکن اول خان کے ساتھ اندرونِ سندھ کے گھنے جنگلات اور سکھر کے قریب

دریائے سندھ میں مہمات سر کرتے ہوئے کچھ ایسی ذہنی ہم آہنگی پیدا ہوگئی تھی جو ظفر کے ساتھ مفقود تھی۔ اس وجہ سے اول خان کی واپسی کی خوشی تھی۔ غزالہ اور سلطان شاہ کے جذبات بھی مختلف نہیں تھے۔

ان اہم کاموں سے فارغ ہو کر میں نے روانگی کے انتظامات پر توجہ دی تو چند فون کالز کے بعد ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ ہانگ کانگ سے جلد از جلد باہر نکلنے کے لیے کیتھی پیسیفک سے بہترین ائرلائن کوئی اور نہیں تھی۔ شاید ہانگ کانگ ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر ملک سے فوری روانگی کے لے شاید اسی ملک کی ائرلائن بہتر رہتی ہے جو پروازوں کی کثرت کی وجہ سے کسی نہ کسی جگہ سے منزلِ مقصود تک پہنچنے کا بندوبست کردیتی ہے۔

ہانگ کانگ سے کیتھی کی پرواز تین بجے بنکاک کے لیے روانہ ہونے والی تھی۔ وہاں سے سات بجے پی آئی اے پر کراچی کے لیے نشستیں دستیاب تھیں۔ اس طرح ہم کراچی کے وقت کے مطابق نو بجے کے لگ بھگ وہاں پہنچ سکتے تھے۔ میں نے فون پر ہی دو نشستیں مخصوص کرا کے تیسری سیٹ روکنے کی درخواست کی اور فوراً ہی سلطان شاہ کو روانہ کردیا کیوں کہ ہم دونوں تو کراچی سے ہی واپسی کے ٹکٹ لے کر آئے تھے لیکن غزالہ کے لیے واپسی کا ٹکٹ خریدنا تھا اور ٹکٹ نمبر کے بغیر سیٹ بک نہیں کرائی جاسکتی تھی۔

سلطان شاہ کے چلے جانے کے بعد میں نے انٹر کام پر روم سروس کے عملے کو کوئی تیز اور عمدہ بیئر لانے کی ہدایت کی تو سپروائزر نے مجھے بتایا کہ کمرے میں رکھے ہوئے منی بار میں وہ پوری اقسام موجود ہوں گی جو روم سروس کمرے میں مہیا کرسکتی تھی۔ دیگر اقسام کے لیے ہوٹل کے بار میں جانا ضروری تھا۔

"یہ لعنت ہمیشہ اور ہر جگہ تمہارے اعصاب پر سوار رہتی ہے۔" غزالہ نے سنگ تاؤ کی لمبی بوتل میرے ہاتھ میں دیکھ کر کہا۔ "پتا نہیں تم شراب پینے کی عادت ترک کیوں نہیں کردیتے!"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟" میں نے دیدے پھاڑ کر کہا۔ "تم نے کسی وضع دار گورے سامنے کے بیئر کو شراب کہہ دیا تو وہ کھڑے کھڑے مرجائے گا۔ اسے تم ولایتی زبان میں پانی کا خوشگوار نعم البدل کہہ سکتی ہو۔"

غزالہ کچھ دیر تک منہ بنائے، خاموش بیٹھی رہی اور میں سنگ تاؤ کے انوکھے ذائقے کی لذتوں میں کھویا رہا۔ آہستہ آہستہ ہم دونوں نے ویرا اور اول خان سے ہونے والی گفتگو پر تبادلۂ خیال شروع کر دیا۔

اہم مسائل پر ہم دونوں کے درمیان کوئی اختلافِ رائے نہیں تھا اس لیے بحث کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ہم، ایک دوسرے کی معلومات میں اضافہ کرنے کے ساتھ اگلی حکمتِ عملی کا خاکہ تیار کرنے لگے۔

پاکستانی سرزمین اور اس کے مفادات کے بارے میں، بھارتی نیتاؤں کے ہوسناک عزائم کی تصدیق ہر طرف سے ہو رہی تھی۔ ویرا نے را کے سرگرم ہونے کی خبر دی تھی۔ اول خان نے منگلا کے قریب سے ایسے ترقی یافتہ خانہ بدوشوں کی اطلاع دی تھی جو لانگ رینج ٹرانسیٹر ساتھ لیے پھر رہے تھے اور غزالہ تو بھارت میں اپنی آنکھوں سے بہت کچھ دیکھ آئی تھی۔ اس کے مشاہدے کو جھٹلانا آسان کام نہیں تھا۔

وہ لوگ اپنے امریکی آقاؤں کے ساتھ مل کر شاید کوئی خوفناک منصوبہ تیار کرچکے تھے جسے روبہ کار لانے کے لیے پاکستان میں اندرونی خلفشار پیدا ہونا ضروری تھا۔ ملّا سرکار سے شری مان سنگھ تک، اس زنجیر کی ہر کڑی کا تعلق سندھ میں پھیلے ہوئے ڈاکوؤں اور رسّہ گیروں سے رہا تھا۔ وہ لوگ ان سماج دشمن عناصر کو جدید ترین ہتھیاروں سے لیس کر کے انہیں اتنا طاقت ور بنانا چاہتے تھے کہ ان کی مدد سے خانہ جنگی اور لاقانونیت کی صورتِ حال پیدا کی جاسکے۔ دوسری طرف امریکا فوجی اور اقتصادی رکاوٹیں کھڑی کر کے ملک کو سنگین بحران کی طرف دھکیلنے کے لیے کوشاں تھا۔ اس پس منظر میں ایک بھیانک مصنوعی سیلاب پورے ملک کے اقتصادی اور انتظامی نظام کو تہ و بالا کرسکتا تھا اور شاید وہ لوگ ایسے ہی کسی سازگار ماحول کا انتظار کر رہے تھے۔

پہلی یخ بستہ بوتل ختم کر کے، میں نے منی بار سے سنگ تاؤ کی دوسری بوتل نکالی ہی تھی کہ اچانک فون بج اٹھا۔

غزالہ نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف کی بات سننے پر اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوگئے پھر اس نے اپنے مخاطب کو لائن ہولڈ آن کرنے کی ہدایت کر کے، ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مجھے بتایا کہ چو سین لائن پر تھا کیوں کہ ڈون فوری طور پر مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔

ڈون اور حسین یا چو سین کے نام سنتے ہی میرا ماتھا ٹھنک گیا کیوں کہ ہم لوگوں کو مکاؤ سے واپس آئے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی۔ اس سے پہلے ڈون ہم سے مل کر گیا تھا پھر ان دو گھنٹوں میں ایسی کون سی قیامت آگئی تھی کہ اسے فون پر ہم سے رابطہ کرنے کی ضرورت پیش آگئی تھی۔

دوسری اہم ترین بات یہ تھی کہ ہم نے ڈون یا سارا کو ہانگ کانگ میں اپنی جائے قیام کے بارے میں ایک لفظ نہیں بتایا تھا۔ سچ بات تو یہ تھی کہ ائرپورٹ کی عمارت کے ایک دور افتادہ حصے سے باہر نکلنے کے بعد ہی مجھے ہانگ کانگ کے اومنی ہوٹل کا خیال آیا تھا لیکن ڈون حیرتناک طور پر ہمارے اس ٹھکانے سے واقف ہوچکا تھا۔

میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ ان سوالات پر سوچنے میں مصروف تھا لیکن میں نے غزالہ کے ہاتھ سے ریسیور لینے میں لمحہ بھر کی بھی تاخیر نہیں کی۔

اس وقت تک دوسری طرف حسین ہی لائن پر موجود تھا۔

میری ہیلو کے جواب میں اس نے گرمجوشی کے ساتھ میری مزاج پرسی کی پھر مجھے بتایا کہ ڈون مجھ سے بات کرنی چاہ رہا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے ہمارے ہوٹل کا سراغ کیسے لگالیا؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "یہ ڈون کے اپنے انتظامات ہوتے ہیں۔ اس نے مجھے ہوٹل کا نام اور کمرا نمبر دے کر تم سے بات کرانے کا حکم دیا تھا۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔"

ریسیور پر رقت انگیز چینی موسیقی شروع ہوگئی پھر چند ثانیوں بعد ڈون لائن پر آگیا۔

"مجھے امید ہے کہ تمہارا سفر ہلکا پھلکا اور خوشگوار ہوگا!" اس نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ہاں، ڈون!" میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا۔ "ہم زندگی بھر تمہاری مہمان نوازی کو نہیں بھلا سکیں گے۔ اس وقت تم نے مجھے کیسے یاد کیا ہے؟"

"یہ بتاؤ کہ تمہاری واپسی کا کیا پروگرام ہے؟" ڈون نے میرے سوال کا جواب دیے بغیر پوچھا۔

"کل کچھ سوچیں گے۔ آج شام تو کولون کے بازاروں میں گزارنے کا ارادہ ہے۔" میں نے اپنی چھٹی حس کے زیرِ اثر جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ مجھے یک بیک دال میں کچھ کالا نظر آنے لگا تھا۔

"دو چار دن کے لیے ہانگ کانگ بہت اچھی جگہ ہے۔" ڈون کہہ رہا تھا۔ "تم پرسوں شام تک وہیں رکے رہو۔ بوریت محسوس ہو تو مکاؤ لوٹ آؤ۔ پرسوں کے بعد تم جب چاہو، واپس جاسکتے ہو۔"

"پرسوں کیا، میں ایک ہفتے تک رک سکتا ہوں۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ مکارانہ سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن میرے روکنے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟ کیا تمہاری حویلی میں پھر کوئی دعوت ہونے والی ہے۔"

"متوفی نیشی کاؤ ایک بہت بڑی فرم میں ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز تھا۔" ڈون کی زبان سے نیشی کاؤ کا ذکر سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ یقیناً کوئی خطرناک معاملہ تھا کیوں کہ ڈون نے چالاکی کے ساتھ مافیا کا ذکر حذف کر کے نیشی کاؤ کی فرم کا قصہ شروع کردیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "تمہاری روانگی کے بعد اٹلی سے نیشی کاؤ کی فرم کے سربراہ کا فون آیا تھا۔ وہ اپنے ساتھی کی موت پر بہت پریشان تھا اور اپنے طور پر اس قتل کی تفتیش کرانی چاہتا تھا۔ وہ فوری طور پر ایک دو نفری جماعت مکاؤ بھیج رہا ہے۔ باتوں باتوں میں تمہارا اور تمہاری شادی کا ذکر بھی آیا تھا۔ اس نے خواہش ظاہر کی کہ اس کے آدمیوں کی تم سے ضرور ملاقات کرائی جائے اور میں نے اس سے وعدہ کرلیا۔ وہ لوگ کل یا زیادہ سے زیادہ پرسوں صبح تک یہاں پہنچ جائیں گے۔ ان سے ملاقات کے بعد میں خود تمہاری جلد از جلد واپسی کا بندوبست کرا دوں گا۔"

میں نے اندازہ لگایا کہ ڈون نے صرف مافیا کا ذکر گول کیا تھا۔ اس کی بقیہ کہانی صداقت پر مبنی تھی، اگر مافیا کے ڈان نے میرے بارے میں کوئی زہر افشانی کر کے، اپنے قوی شبہات کا اظہار کیا ہوتا تو ڈون مجھے ٹیلی فون کرنے کے بجائے فوری طور پر اپنے شکاری میری طرف دوڑا دیتا جو ہمیں بہ زور بے بس کر کے مکاؤ لے جاتے۔ اس کی فون کال اس امر کی غماز تھی کہ اٹلی میں بیٹھے ہوئے ڈان کو میری نیت پر شبہ ہوچکا تھا لیکن ڈون میرے اصل کردار کے بارے میں بدستور لاعلم تھا۔

"یہ میرے لیے ایک اور اعزاز ہوگا۔" میں نے خندہ پیشانی کے ساتھ کہا۔ "میں تم سے اجازت لیے بغیر، کولون کے اس ہوٹل کو خیرباد نہیں کہوں گا... لیکن مجھے اس امر پر حیرت ضرور ہے کہ تم کو میرے ہوٹل کا پتا کیسے چل گیا؟" میں نے قدرے توقف کے بعد ڈون سے وہ ٹیڑھا سوال بھی کر ہی ڈالا۔

ریسیور پر ڈون کی تکبر آمیز اور بلند آہنگ ہنسی گونجی پھر اس کی آواز ابھری۔ "ڈون اپنے دوستوں کو کبھی بھی حالات کے رحم و کرم پر بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ تمہاری دیکھ بھال اور تمہیں ہانگ کانگ کے ٹھگوں سے بچائے رکھنے کے لیے میرے آدمیوں نے اسی وقت سے تمہاری دیکھ بھال شروع کردی تھی جب تم نے ائرپورٹ کی عمارت سے باہر قدم رکھا تھا۔ درحقیقت تمہیں ہوٹل پہنچانے والا ٹیکسی ڈرائیور بھی میرے نمک خواروں میں سے تھا۔ تمہارے چیک اِن ہوتے ہی اس نے تمہارے کمروں کے نمبر اور ہوٹل کے نام سے میرے عملے کو آگاہ کردیا تھا۔"

"تم واقعی بہت عظیم ہو اور اپنے دوستوں کی توقعات سے بڑھ کر خبرگیری کرتے ہو۔"

ڈون نے مجھے جو کچھ بتایا، اس کی روشنی میں، مَیں نے اسے پوری طرح مطمئن کر دیا اور ڈون نے ہم تینوں کے لیے نیک امیدوں کا اظہار کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

"کیا مسئلہ تھا؟" میرے فارغ ہوتے ہی غزالہ نے بے تابی کے ساتھ سوال جڑ دیا۔

"اٹلی میں مافیا کے بڑوں کو معلوم ہوگیا ہے کہ نیشی کاؤ کے قتل کے وقت میں بھی ڈون کی تقریب میں شریک تھا اور اب ان کے آدمی میری مزاج پرسی کے لیے مکاؤ آرہے ہیں۔"

"میرے یک طرفہ مکالمات غزالہ کے لیے ناکافی ثابت ہوئے تھے اور وہ اس نئے قصے کی پوری تفصیل نہیں سمجھ سکی تھی لیکن دو چار سوالوں کے جوابات ملنے پر وہ بھی پریشان نظر آنے لگی۔

"ہمیں فوراً یہاں سے بھاگ نکلنا چاہیے۔" اس نے خوف زدہ لہجے میں تجویز پیش کی۔

"میں نے اسی وجہ سے ڈون کو اپنے اصل پروگرام کی ہوا نہیں لگنے دی۔ ہماری پوری کوشش ہوگی کہ تین بجے کی پرواز سے، یہاں سے نکل جائیں۔ اس مرتبہ ہم اُن کے ہتھے چڑھ گئے تو شی

اور رانیا والے ٹینس کی گیند کی طرح مار مار کر ہمارا بھرکس نکال دیں گے لیکن اس راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ حائل ہے۔"

"وہ کیا؟" میرا قرب میسر آجانے کے بعد شاید غزالہ اپنی عقل پر زور دینے کا عمل موقوف کرچکی تھی۔

"ڈون کے آدمی مسلسل ہماری نگرانی کررہے ہیں۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "ڈون نے اس نگرانی کو حفاظت قرار دیا ہے لیکن ڈون کے دیے ہوئے پروگرام سے انحراف کی صورت میں یہی محافظ ہمارے لہو کے پیاسے بن جائیں گے۔ ہمیں ائرپورٹ سے یہاں تک لانے والا ڈرائیور بھی ان ہی میں سے تھا۔"

"اگر وہ تعداد میں کئی ہیں تو سلطان شاہ کا پیچھا بھی کیا گیا ہوگا۔ انہیں کیتھی پیسیفک کے دفتر سے معلوم ہوجائے گا کہ ہم نے آج سہ پہر کی پرواز سے تین نشستیں بک کرائی ہیں۔"

"وقت کم ہے اور کام خاصا کٹھن۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "مجھے فوری طور پر جائزہ لینا ہوگا کہ اس سلسلے میں کیا کیا جاسکتا ہے۔"

"تم اکیلے باہر نہ جاؤ!" مجھے اٹھتا دیکھ کر غزالہ نے اضطراری انداز میں کہا۔ "سلطان شاہ لوٹ آئے تو اسے بھی ساتھ لے لینا۔ اس طرح تم لوگ الگ الگ رہ کر ایک دوسرے کی خبرگیری تو کرسکو گے۔"

"فی الحال میرا لڑنے بھڑنے کا ارادہ نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میری پہلی کوشش یہی ہوگی کہ سیدھی انگلیوں سے گھی نکل آئے۔ اس میں ناکامی ہوئی تو دوسرے امکانات پر بھی غور کرلیا جائے گا۔"

"کم ازکم مجھے اتنا تو بتادو کہ تمہارا کیا ارادہ ہے۔" اس نے میری خوشامد کی۔

"نیچے اترنے کے بعد ہی اندازہ ہوسکے گا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میری واپسی تک تم کمرے میں محدود رہنا اور سلطان شاہ کے علاوہ کسی اور کے لیے کمرے کا دروازہ ہرگز نہ کھولنا۔"

میں ساتویں منزل سے لفٹ کے ذریعے ہوٹل کے شاپنگ آرکیڈ میں اترا اور محتاط رہ کر آرکیڈ کا پورا چکر لگالیا لیکن وہاں کسی ایسے آدمی کی شناخت میں کامیاب نہیں ہوسکا جس پر میری نگرانی کرنے کا شبہ کیا جاسکتا ہو۔ میں دوبارہ لفٹ میں سوار ہوکر نچلی منزل پر اترا تو دروازے کے قریب ہی مجھے اس ٹیکسی ڈرائیور کی جھلک نظر آئی جو ہمیں ائرپورٹ سے ہوٹل تک لایا تھا لیکن وہ مجھے دیکھتے ہی شفاف شیشوں کے پیچھے سے کہیں روپوش ہوگیا۔

اسے دیکھ لینے کے بعد میں اطمینان سے استقبالیہ کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے چند تفریحی کتابچوں کا سرسری سا مطالعہ کیا پھر سگریٹ سلگاتا ہوا نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

ہوٹل کے برآمدے سے ذرا پہلے، چمکتی ہوئی سرخ ٹیکسیوں کی قطار موجود تھی۔ میرے باہر نکلتے ہی اگلی ٹیکسی تیزی سے آئی اور میرے قریب آکر رک گئی۔ ڈرائیور نے خود کار استعمال کرتے ہوئے ٹیکسی کا عقبی دروازہ کھول دیا۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ کا جائزہ لیا تو وہاں میرا شناسا چہرہ براجمان تھا۔ صرف اتنا تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں پر تاریک اور بڑے شیشوں والی عینک چڑھالی تھی۔

میں نے اسے پہچان لینے کے بعد کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا اور پچھلی سیٹ میں دھنس گیا۔ اس نے میٹر آن کرتے ہی آہستگی کے ساتھ آگے بڑھادی۔

"کہاں جانا ہے؟" اس نے سڑک پر نکلنے سے پہلے خشک سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"کسی ایسی جگہ جہاں تم تاریک شیشوں کی عینک اتار کر مجھ سے بات کرسکو!"

اُس نے بری طرح چونک کر میری طرف گردن گھمائی پھر سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔ "میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں ابھی ابھی ڈون سے بات کرنے کے بعد، تمہاری تلاش میں نیچے آیا تھا...."

"دیکھو مسٹر!" وہ ہڑبڑا کر بولا۔ "مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں کہاں جانا ہے۔ میں کسی ڈون ووِن کو نہیں جانتا۔ دوسرے مسافروں کی طرح تم بھی میرے لیے بالکل اجنبی ہو۔ ہم لوگ اجنبیوں سے بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتے۔"

"ڈون مجھے بتاچکا ہے کہ اس نے تمہیں ہماری حفاظت اور نگرانی پر مامور کیا ہے۔ تم انکار نہیں کرسکتے کہ ائرپورٹ سے تم ہمیں ہوٹل تک لائے تھے۔ وقت برباد مت کرو، مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"

اس نے چشمہ اتار کر، ونڈ شیلڈ پر لگے ہوئے عقب نما آئینے کا زاویہ قدرے ترچھا کیا اور اس میں میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ڈون نے تمہیں سب کچھ بتادیا ہے تو میرا انکار بے سود ہے۔ بتاؤ کہ ہمیں کدھر جانا ہے؟"

"کسی ویران اور دور افتادہ مقام کی طرف نکل چلو۔" میں نے کہا پھر چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے سوال کیا۔ "ہاں، یہ تو بتاؤ تمہارے ساتھ اور کتنے لوگ ہیں؟"

"ڈون نے تمہیں یہ نہیں بتایا؟" میرے سوال پر اس کا لہجہ اشتباہ آمیز ہوگیا۔

"احمق مت بنو!" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "اس وقت اس سوال کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میری بیوی ابھی بھی ہوٹل کے کمرے میں ہے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اسے بھی کسی کا تحفظ حاصل ہے یا وہ بالکل اکیلی رہ گئی ہے؟"

عقب نما آئینے میں ہماری نگاہیں چار ہوئیں۔ وہ بغور میرے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا جیسے میری بات کا وزن تول رہا ہو پھر وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "تم اسے اتنا ہی غیر محفوظ سمجھ رہے ہو تو پھر اسے بھی اپنے ساتھ لے لو۔ اس وقت میں اکیلا ہی ہوں لیکن ضرورت پڑنے پر دس منٹ میں چار چھ آدمی مہیا کرسکتا ہوں۔"

"پھر مجبوری ہے۔" میں نے شانے اچکا کر کہا۔ "تم چلتے رہو کیوں کہ تم سے بات کرنی بہت ضروری ہے۔ اسے اتنی آسانی سے زیر نہیں کیا جاسکے گا۔ وہ مارشل آرٹس میں خاصی مہارت رکھتی ہے۔"

"تم پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔ مجھے کھل کر بتاؤ کہ تمہیں کس قسم کا خطرہ درپیش ہے۔ میں تھوڑی ہی دیر میں اس کے سدِباب کا پورا بندوبست کرلوں گا۔ یہ سن لو کہ ہانگ کانگ والے حصے میں تو شاید نہیں کہیں ویرانی نظر آجاتی ہے، کولون میں قابلِ استعمال زمین کا ہر انچ آباد اور بارونق ملے گا۔ تم کسی تمہید کے بغیر اپنی بات شروع کرسکتے ہو۔"

مجھے اس سے جو کچھ معلوم کرنا تھا وہ میرے علم میں آچکا تھا۔ اب میری کوشش صرف اتنی تھی کہ سلطان شاہ کے واپس لوٹنے تک میں اسے اس طرح الجھائے رہوں کہ اسے میرے بارے میں ڈون سے بات کرنے کی مہلت نہ مل سکے۔ ہانگ کانگ سے ہماری فوری روانگی کا انحصار اسی ایک نکتے پر تھا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ ہوٹل میں ہمارا کوئی بدخواہ مقیم ہے۔ ڈون سے میری بات ہونے کے بعد وہ انٹرکام پر مجھے تین بار کھلی دھمکیاں دے چکا ہے اور آپریٹر یہ بتانے سے قاصر ہے کہ ہمیں ہوٹل کے کس کمرے یا حصے سے فون کیا جارہا ہے۔" میں نے اسے الجھانے کے لئے فی الفور ایک کہانی سوچتے ہوئے کہا۔ "میں اسی سلسلے میں تمہاری مدد لینے کے خیال سے نیچے آیا تھا لیکن اب یہ خوف ستا رہا ہے کہ اس بدمعاش نے چوتھی بار فون کیا تو میری بیوی کی آواز سن کر وہ اندازہ لگالے گا کہ وہ کمرے میں اکیلی ہے پھر وہ اسے نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کرسکتا ہے۔"

میری کتھا سن کر اُس کی پیشانی پر تفکر آمیز لکیریں نمودار ہوگئیں اور وہ بولا۔ "پھر تو ہم دونوں کو باہر نکلنے کے بجائے اسی کمرے میں موجود ہونا چاہیے تھا۔ تمہارا تیسرا ساتھی تو تھوڑی دیر پہلے باہر چلا گیا تھا۔ اب وہ بے چاری واقعی اکیلی اور بری طرح خوفزدہ ہوگی۔"

"دراصل میں اس معاملے میں ڈون سے مشورہ کرنا چاہ رہا تھا۔" میں نے کہا۔

"تمہارے کمرے سے ہی ہم اسے فون بھی کرسکتے ہیں۔ یہاں لائن فوراً ہی مل جاتی ہے۔"

"یہی تو میں نہیں چاہتا۔" میں نے کراہتے ہوئے کہا۔ "ہوٹل میں آپریٹر کے علاوہ اور کسی کو علم نہیں ہوسکتا کہ میرے لیے ڈون کا فون آیا تھا۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ جو کوئی بھی ہے، اس ہوٹل کے آپریٹر سے ملا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان دونوں نے اب میری ہر کال سننے کا بندوبست کرلیا ہو۔"

"تمہارا شبہ معقول ہے۔" وہ سرہلاتے ہوئے بولا۔ "تو کیا تم اب کوئی پبلک فون استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"تمہارے پاس ڈون سے رابطے کے لیے کوئی لاسلکی اپریٹس نہیں ہے؟"

اس نے مایوسی سے اپنا سرہلا دیا۔ "یہاں فون کی سہولت اتنی عام اور قابلِ اعتماد ہے کہ کبھی ٹرانسمیٹر وغیرہ کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ زیادہ ایمرجنسی ہو تو موبائل فون بہ آسانی کرائے پر مل جاتا ہے۔"

"پھر تو سارا معاملہ ہی چوپٹ ہوگیا۔" میں نے اس سے زیادہ مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ میں کسی ویران مقام سے، تمہارے ٹرانسمیٹر کے ذریعے ڈون سے رابطہ کرسکوں گا..."

"کسی پبلک فون پر گاڑی روک لوں؟" اس نے ایک طویل چکر لگانے کے بعد ناتھن روڈ کے پُرہجوم ٹریفک میں شامل ہوتے ہوئے پُرتفکر لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے الجھن ہورہی ہے۔ اب واپس ہوٹل ہی چل دو۔ اپنی بیوی کو ساتھ لینے کے بعد میں کوئی فیصلہ کرنے کے قابل ہوسکوں گا۔ تمہیں میرے ساتھ میرے کمرے تک جانا ہوگا کیوں کہ مار دھاڑ کے تصور ہی سے میرا دورانِ خون تیز ہونے لگتا ہے اور میں بے سدھ ہوکر بستر پر گرجاتا ہوں۔"

"بلڈ پریشر کے مریض کی حالت کسی کھوکھلے تنے جیسی ہوتی ہے۔" اس نے مجھ سے ہمدردی کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارا قد کاٹھ دیکھ کر، بڑے بڑے سورماؤں کو پسینہ آسکتا ہے لیکن برا وقت آنے پر تم شاید کسی کو ایک تھپڑ مارنے کے قابل بھی نہیں رہتے ہوگے۔ یہ بے بسی اور بدنصیبی کی انتہا ہے۔"

میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس نے ناتھن روڈ کے سرے پر، آخری سگنل سے ٹیکسی داہنی طرف گھمائی اور دوبارہ ہوٹل کی طرف ہولیا۔ میں نے اپنے چہرے پر نقاہت طاری کرنے کی کوشش شروع کردی تاکہ وہ مجھے بالکل ہی مجہول اور بے ضرر سمجھ کر، بے چون وچرا میری فرمائشوں پر عمل کرتا چلا جائے۔

"میں دومنٹ میں گاڑی کی چابی لے کر آتا ہوں۔" اس نے مجھے مقررہ مقام پر اتارنے کے بجائے، وہ ٹیکسی قطار کے آخر میں روکتے ہوئے کہا اور انجن بند کرکے پھرتی سے ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

واپسی میں اس کے ساتھ ایک اور چینی چلا آرہا تھا۔ اس دوران میں، میں ٹیکسی سے اتر کر ایک طرف کھڑا اس کا انتظار کررہا تھا۔

اس کے ساتھ آنے والے نے ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ

سنبھال لی اور وہ خود میرے ساتھ ہوٹل کے برآمدے کی سیڑھیاں طے کرنے لگا۔

"تم مجھے چھوڑ کر کون سی چابی لینے گئے تھے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"میں اپنی ٹیکسی کی چابی لینے گیا تھا۔ وہ پارکنگ لاٹ میں کھڑی ہوئی ہے۔"

"پھر تم ابھی کس کی ٹیکسی چلا رہے تھے؟" اس کے جواب نے میری حیرت میں اضافہ کر دیا۔

وہ خفت آمیز انداز میں ہنس پڑا۔ "ہانگ کانگ میں ٹیکسیاں ایک قطار میں' باری کے مطابق مسافر اٹھاتی ہیں جو اپنی باری نہ لے' اسے مقررہ اسٹینڈ سے خالی رخصت ہونا پڑتا ہے۔ اسی لیے میں نے اپنی ٹیکسی پارکنگ لاٹ میں کھڑی کر دی ہے۔ تم باہر آئے تو میں نے سب سے آگے والی ٹیکسی لے لی۔ کولون میں چلنے والے سارے ہی ڈرائیور مجھے اچھی طرح جانتے ہیں اس لیے میں ہر جگہ اپنا کام نکال لیتا ہوں۔ واپس آنے کے بعد میں نے وہ ٹیکسی' میٹر کے کرائے اور پچاس ڈالر کے انعام کے ساتھ اس کے اصل مالک کو لوٹا دی ہے۔"

زیادہ سے زیادہ وقت لینے کے ارادے سے' میں تکان کا مظاہرہ کرتے ہوئے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ جب میں اس کے ہمراہ ساتویں منزل پر اپنے کمرے میں داخل ہوا تو سلطان شاہ وہاں موجود تھا۔ کمرے کا دروازہ کھولنے سے پہلے ان دونوں نے ٹکٹ وغیرہ چھپا لیے تھے کیوں کہ میں نے دستک دیتے ہوئے اپنے مہمان کی موجودگی کا ذکر بھی کر دیا تھا۔

اس ٹیکسی ڈرائیور کا نام البرٹ رِکم تھا۔ اس نے احمقانہ انداز میں ان دونوں سے ہاتھ ملائے۔ میں نے اسے یخ بستہ بیئر کی پیش کش کی جو اس نے بلا تامّل قبول کر لی۔ جب میں نے سین میگیل کے دو ڈبے اس کے سامنے رکھے تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تم تو وقت ضائع کرنے کے موڈ میں معلوم ہوتے ہو۔ یہ معاملہ بہت اہم اور سنگین ہے۔ تمہیں باہر چل کر فوراً ڈون سے بات کرنی چاہیے۔" اس نے قدرے سرپرستانہ انداز میں مجھے پچکارا۔

"وقت ضائع نہیں کر رہا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ دونوں ڈبے خالی ہونے تک اس نابکار کی چوتھی کال بھی آ جائے اور تم اس سے بات کر کے کوئی نتیجہ اخذ کر سکو۔ میں تمہاری اس کمرے میں موجودگی اور ذہانت سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔" میں نے تیسرا ڈبا اپنے لیے کھول لیا۔

"تم بہت چالاک آدمی ہو۔" اس نے قہقہہ مار کر سگریٹ سلگائی پھر بیئر گلاس میں انڈیلنے لگا۔

"یہ کیا چکر چل پڑا ہے؟" البرٹ کے مصروف ہو جانے کے بعد سلطان شاہ نے بھرائی ہوئی آواز میں' اردو میں سوال "معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم پھر سے دلدل میں پھنسنے والے ہیں

"رونا بند کرو۔ ابھی تک سب ٹھیک جا رہا ہے۔ یہ واحد ریال ہے جو ہماری نگرانی کر رہا تھا۔ اسے بے بس کر کے کسی روک ٹوک یہاں سے نکل سکتے ہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ روانگی رہا؟"

"سب کام بن گیا۔ ٹکٹ میری جیب میں ہیں۔" اس ٹکٹ کا تلفظ بگاڑتے ہوئے کہا۔

"تم اس زرد گینڈے کو کب اور کیسے زیر کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" غزالہ نے پوچھا۔

میں ڈبے سے بیئر کا گھونٹ لیتے ہوئے سوچ میں پڑ گیا۔ رِکم کے فتنے سے نجات پانے کی سہل ترین صورت یہ تھی کہ اسے بے ہوش کر کے اس کے مُنہ میں کپڑا ٹھونستے اور ہاتھ باندھ کر اسی کمرے کے کسی کونے کھانچے میں چھوڑ دیتے لیکن میں خطرہ تھا کہ روم سروس یا صفائی کے عملے کا کوئی فرد ماسٹر کی کے ذریعے کمرے میں داخل ہوتا تو بھانڈا پھوٹ جاتا۔ اگر وہ واقعہ ہماری روانگی سے کافی دیر پہلے رونما ہوتا تو ڈون ہمارے لیے دو رکاوٹیں کھڑی کر سکتا تھا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ اُسے اس کی ٹیکسی میں بے ہوش کر کے کہیں چھوڑ دیا جاتا لیکن وہ صورت مخدوش تھی اس لیے میں نے تیسرے امکان پر عمل کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔ "مقدر نے یاوری کی تو یہ کانٹا بھی آسانی سے نکل جائے گا۔"

"تم لوگ کس زبان میں باتیں کر رہے ہو؟" البرٹ نے ایک آنکھ بند کر کے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اپنی مادری زبان میں' انہیں تمہاری چالاکی کا قصہ سنا رہا تھا۔ دوسرے کی ٹیکسی لے کر مجھے گھیرنے کا خیال کسی عام ڈرائیور کے ذہن میں نہیں آ سکتا تھا۔" میں نے اسے خوش کرنے کی نیت سے کہا۔

اس نے بزرگانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور دوبارہ بیئر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ہمارا سامان صرف ایک مختصر سے بیگ تک محدود تھا۔ ہوٹل میں چیک اِن کرتے ہوئے ہم نے دونوں کمروں کے کرائے کے مساوی رقم پیشگی جمع کرا دی تھی اس لیے ایک دن کا کرایہ کاٹنے کے بعد بھی اتنی رقم بچ جاتی جو فون کے بل اور منی بار کے تصرف کو بہ آسانی پورا کر سکتی تھی۔ ان حالات میں' مَیں نے ہوٹل والوں کو کوئی اطلاع دیے بغیر' وہاں سے روانہ ہونے کا فیصلہ کیا تھا ڈون فون بھی کر بیٹھے تو اسے ہماری روانگی کی بھنک نہ مل سکے۔

پون گھنٹے میں البرٹ رِکم' مونگ پھلی کے دانوں کے دو کے ساتھ بیئر کے تین ڈبے خالی کر چکا تو اس کی آنکھوں سے مندی جھلکنے لگی۔ تیزی کے ساتھ پینے کی وجہ سے اس کی زبان

قدرے بھاری ہو گئی تھی۔

میں نے موقع پاتے ہی روانگی کا اعلان کر دیا۔ البرٹ نے مجھے یاد دلایا کہ پُراسرار اجنبی کی وہ کال نہیں آئی تھی جس کا مجھے انتظار تھا لیکن میں نے یہ کہہ کر کہ ہم دن بھر اس بے ہودہ کال کے انتظار میں نہیں بیٹھے رہ سکتے' اسے ٹال دیا۔ وہ خود بھی ڈون سے فوری مشورے کی افادیت پر زور دیتا رہا تھا۔

نیچے جاتے ہوئے' میں نے البرٹ سے باتوں ہی باتوں میں اس کی ٹیکسی کا نمبر معلوم کر لیا پھر یہ جان کر مجھے مزید خوشی ہوئی کہ اس کی ٹیکسی ہوٹل کے بجائے ایک قریبی' کمرشل پارکنگ لاٹ میں موجود تھی۔

ہوٹل سے نکلنے کے بعد ہم چاروں لفٹ کے ذریعے اس کمرشل پارکنگ کی تیسری منزل پر پہنچے تو وہاں گاڑیوں کے ہجوم میں دور دور تک کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا اس مصروف علاقے میں لوگ دن بھر کے لئے یا پھر طویل دورانئے کے لیے ہی کرائے کی جگہوں پر گاڑیاں پارک کرتے ہیں۔ وہاں عام طور پر صبح اور شام کو بھیڑ بھاڑ رہتی ہے لیکن دن کے بقیہ حصے میں کوئی قابلِ ذکر آمدورفت نہیں ہوتی۔

ہم البرٹ کی ٹیکسی کی طرف جا رہے تھے کہ نچلی منزل سے ایک کار اوپر آئی اور ترتیب سے کھڑی ہوئی گاڑیوں کے درمیانی راستے سے گزرتی ہوئی' جگہ کی تلاش میں اس سمت میں چلی گئی جدھر اگلی منزل میں داخلے کا کنکریٹ ریمپ واقع تھا۔ اس گاڑی کے انجن کی گونج معدوم ہونے پر میں نے اپنا داہنا ہاتھ جیب میں ڈال لیا۔

البرٹ اپنی گاڑی کے قفل کھول رہا تھا تو ہم تینوں خطرناک حد تک اس سے قریب ہو چکے تھے۔ میں نے ایک نظر گرد و پیش کا جائزہ لیا' میری اور سلطان شاہ کی نگاہیں چار ہوئیں پھر اس نے بہت مضبوطی کے ساتھ البرٹ کی گردن دبوچ کر' اس کا دہانہ سختی سے اپنی ہتھیلی سے دبا لیا۔

البرٹ اس ناگہانی افتاد پر بوکھلا کر بری طرح تڑپا لیکن اسی لمحے میرا داہنا ہاتھ جیب سے باہر رینگ آیا اور میں نے بیم گن کی نال اس کے بائیں پہلو سے لگا کر ٹریگر دبا دیا۔

البرٹ کے بدن نے ایک شدید جھٹکا لیا اور اچانک بے جان ہو گیا۔ ٹیکسی کی چابی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر گئی تھی۔ وہ نہایت خوفناک صورتِ حال تھی لیکن ہم میں سے کسی کو ایک دوسرے کو ہدایت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سلطان شاہ نے البرٹ کی گردن چھوڑ کر اس کی بغلوں میں ہاتھ دے دیا تھا۔ دور سے دیکھنے پر یہی نظر آتا تھا کہ اس نے کسی کمزور مریض کو سہارا دیا ہوا ہے۔ البرٹ کا دوسرا پہلو میں نے سہار لیا۔ غزالہ نے فرش پر سے چابی اٹھا کر پھرتی کے ساتھ ٹیکسی کی کشادہ ڈکی کھولی اور ہم دونوں البرٹ کو اسی طرف لے گئے۔ جوتوں میں پھنسے ہوئے اس کے بے جان پیر فرش پر گھسٹ کر آسیبی سرسراہٹ پیدا کر رہے تھے۔

اپنی پوزیشن درست کر کے ہم نے ایک جھٹکے سے البرٹ کی تازہ اور نرم لاش کو اٹھایا اور آہستگی کے ساتھ ٹویوٹا کراؤن کی ڈکی میں ڈال دیا۔ وہ ڈکی اتنی کشادہ تھی کہ اس میں البرٹ کے ساتھ مزید کئی لاشیں سما سکتی تھیں۔

ہمارے فارغ ہوتے ہی غزالہ نے تیزی کے ساتھ ڈکی بند کر دی۔ اس سے پہلے ہی وہ چابی ڈکی میں پھینک چکی تھی۔

میں نے سلطان شاہ کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور آنکھیں فرطِ خوف سے اپنے حلقوں سے باہر ابلی پڑ رہی تھیں۔ غزالہ بھی خائف نظر آ رہی تھی۔ میں نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے ہنسنے کی کوشش کی تو اپنی آواز مجھے خود اجنبی اور کھوکھلی محسوس ہوئی پھر ہم تینوں ہی بیک وقت لفٹ کی طرف واپس چل پڑے۔

اس مرتبہ نیچے بعد دیگرے دو گاڑیوں نے ہمارا راستہ کاٹا اور اس منزل پر جگہ نہ پا کر اوپر والی منزل کے راستے کی طرف بڑھتی چلی گئیں۔ ان کے کسی مسافر کو کسی سنگین واردات کا شبہ نہیں ہو سکا تھا۔

"اپنے تاثرات درست کرو!" موقع پا کر میں نے زبان کھولی۔ "تم دونوں کے چہرے ڈراؤنے لگ رہے ہیں۔"

"تم خود بھی اپنی صورت سے جلّاد یا قاتل نظر آ رہے ہو۔" غزالہ نے سپاٹ اور ویران آواز میں کہا۔ "ہمیں نیچے جانے سے پہلے خود کو سنبھالنا چاہیے ورنہ ہم شبہے میں دھر لیے جائیں گے۔"

ہم نے ایک کھلی عمارت میں دن دہاڑے ایک آدمی کو قتل کیا تھا۔ وہ ڈون کا مددگار تھا۔ اس لیے اُس کا مجرم ہونا تقریباً یقینی تھا لیکن پھر بھی اس کا خون ہمارے بشروں پر ناچ رہا تھا۔ میں شدت سے سگریٹ پینے کی خواہش محسوس کر رہا تھا لیکن اس لاٹ کی بغلی دیواروں پر جلی حروف میں تمباکو نوشی کی ممانعت کی ہدایات درج تھیں۔ ہم چند ثانیوں تک لفٹ کے سامنے کھڑے رہے۔ میں زیادہ دیر تک اس منزل پر رکنا نہیں چاہتا تھا اس لیے میں نے لفٹ کا بٹن دبایا اور جب خالی لفٹ اوپر آئی تو ہم تینوں نیچے جانے کے بجائے ساتویں منزل کی طرف روانہ ہو گئے جو لفٹ کی آخری منزل تھی۔

کولون کے اس علاقے میں پارکنگ کی سرکاری جگہ کا اس قدر شدید قحط تھا کہ اس عمارت کی ساتویں منزل پر بھی بس اِکا دُکا جگہیں خالی تھیں۔ رات گئے تک شاید وہ تمام منزلیں خالی ہو جاتی ہوں گی اور اگلی صبح سے پھر وہی چکر چل پڑتا ہو گا۔ میرا خیال تھا کہ اس پارکنگ لاٹ کے چوکیدار دو تین دن گزرنے سے پہلے البرٹ کی ٹیکسی کی طرف متوجہ نہیں ہو سکیں گے۔ اس سے پہلے لاش سڑ کر بدبو دینے لگتی تو دیگر بات تھی۔

"بلائے بود و لے خیر گزشت!" میں نے مسکراتے ہوئے غزالہ سے کہا۔

"تمہارا خون بہت ٹھنڈا لیکن کھوپڑی گرم ہے۔" سلطان شاہ نے بھی زبان کھولی۔ "کبھی کبھی تو تمہاری سرد مہری اور سفاکی دیکھ کر خوف آنے لگتا ہے۔"

"مجھے آخری لمحے تک اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ تم اسے مارنے کا ارادہ رکھتے ہو۔" غزالہ بولی۔ "کسی منصوبہ بندی کے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھا کر تم نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔"

"اس مردود نے منصوبہ بندی کا موقع ہی نہیں دیا۔" میں نے ہنس کر کہا۔ مجھے خوشی تھی کہ میں ان کی کھوپڑیوں پر جمی ہوئی برف پگھلانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ بول چال شروع ہونے کے ساتھ ہی چہروں کے بگڑے ہوئے نقوش تیزی کے ساتھ اعتدال پر آنے لگے تھے۔

"اور اگر کسی سے کوئی گڑبڑ ہو جاتی؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔ "میں سمجھا کہ تم اسے بے ہوش کر کے بے بس کرنے کا ارادہ رکھتے ہو لیکن تمہارے تو تیور ہی کچھ اور تھے۔"

"گڑبڑ کیسے ہوتی؟" اسی کو تو ٹیم ورک کہتے ہیں۔ یہ لیڈر کا کام ہوتا ہے کہ وہ اپنی ٹیم کے ہر رکن کی خوبیوں اور خامیوں سے واقف ہو۔ اس کے بعد رام ہمیشہ بھلی کرتا ہے۔"

"اب یہاں سے باہر نکلو۔ مجھے اس جگہ سے وحشت ہو رہی ہے۔" غزالہ منمنائی اور میں نے لفٹ کا بٹن دبا دیا۔

میں مغرب کے گنجان آباد شہروں میں واقع پارکنگ لاٹس میں ہونے والے قتل، اغوا، آبروریزی اور ڈکیتی کے بارے میں آئے دن خبریں پڑھتا رہتا تھا لیکن ان واقعات کو عقل تسلیم نہیں کرتی تھی لیکن کولون کے اس پارکنگ لاٹ میں نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ قتل کی ایک واردات کا ارتکاب کر لینے کے بعد مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ایسی جگہیں سوچے سمجھے جرائم کے لیے بہت زرخیز تھیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ایسی تجارتی عمارات کی ہر منزل پر مسلح محافظوں کی موجودگی کو لازمی قرار دینے کا رجحان فروغ پا رہا تھا۔

چند منٹ بعد ہم تینوں البرٹ کم کے اس مقتل اور مدفن سے باہر نکل کر فٹ پاتھ پر رواں ہجوم میں گھل مل چکے تھے اور مزید چند منٹ بعد ہماری ٹیکسی ہانگ کانگ انٹرنیشنل ائرپورٹ کی طرف اڑی جا رہی تھی۔

ہانگ کانگ پہنچنے والوں کے لیے ویزا فیس سمیت کسی بھی قسم کا کوئی ٹیکس لاگو نہیں ہے لیکن وہاں سے روانہ ہونے والوں کو کوپن کی صورت میں پروانۂ راہداری خریدنا لازمی ہے جس کی مالیت ڈیڑھ سو ہانگ کانگ ڈالر فی مسافر ہوتی ہے اور امیگریشن کاؤنٹر پر جانے سے پہلے اس کی پڑتال ہوتی ہے۔

ہانگ کانگ کا فضائی مستقر اس علاقے کے مصروف ترین ہوائی اڈے کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے وہاں آنے جانے والے مسافروں کی دن بھر ریل پیل رہتی ہے۔ اس وقت ایگزٹ کے لیے متعدد کاؤنٹر کام کر رہے تھے لیکن ہم تینوں نے ایک ہی قطار میں کھڑے ہونے کو ترجیح دی۔ ہم نے غزالہ کو سب سے آگے رکھا تاکہ اسے کوئی دشواری پیش آئے تو میں اپنی جگہ سے ہی اس کی کچھ مدد کر سکوں لیکن غزالہ کسی بھی سوال کا سامنا کیے بغیر چند ثانیوں میں دوسری طرف نکل گئی۔ اس کے بعد میری باری تھی۔

کاؤنٹر پر سنہرے فریم کی عینک پہنے ایک جواں سال خوبرو چینی دوشیزہ براجمان تھی۔ وہ ایسی دلکش تھی کہ اسے دیکھ کر خواہ مخواہ دل میں گدگدی سی ہونے لگتی تھی۔ لیکن جب اس نے میرے پاسپورٹ کی ورق گردانی کرتے کرتے، نظریں اٹھا کر غور سے میری طرف دیکھا تو مجھے اپنے قدموں کے نیچے سے زمین نکلتی ہوئی محسوس ہونے لگی اور میرے حلق میں کانٹے پڑنے لگے۔

ڈسک پر رکھے ہوئے کمپیوٹر کی بورڈ پر تیزی کے ساتھ اس کی انگلیاں حرکت میں آئیں۔ میرے کوائف فیڈ کرنے کے بعد وہ مانیٹر کی روشن اسکرین پر نظریں جما کر معلومات کا انتظار کرنے لگی۔ اسکرین پر بدلتے ہوئے الفاظ اور سطروں کا گھٹتا بڑھتا انعکاس اس کے چہرے پر جھلکتا رہا پھر جب اسکرین ساکت ہوئی تو اس نے ایک مرتبہ پھر میرے پاسپورٹ کے اوراق الٹے اور اسے اپنی ڈسک کے نچلے خانے میں ڈال لیا۔

"سوری! تم مکاؤ سے کلیئرنس آئے بغیر یہ ملک نہیں چھوڑ سکتے۔" اس کے سرد اور بے رحمانہ الفاظ کسی ہتھوڑے کی طرح میرے ذہن پر گرے۔

"مم.... مگر کیوں؟" میں نے لکنت آمیز لہجے میں احتجاج کرنا چاہا۔

"پیچھے کھڑے ہو جاؤ۔" اس نے اپنی پشت والی راہداری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ وضاحت مسافروں کو نمٹانے کے بعد کی جا سکے گی۔"

اس کے عقب سے ایک باوردی سپاہی نمودار ہوا اور اس نے میرا بازو تھام کر مجھے کسی مجرم کی طرح عقبی دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ میرا پاسپورٹ اور بورڈنگ کارڈ امیگریشن آفیسر اپنے قبضے میں لے چکی تھی۔

اس نے جھٹکے دار آواز میں اگلے مسافر کو آگے بڑھنے کی ہدایت کی تو سلطان شاہ بوکھلایا ہوا کاؤنٹر پر پہنچ گیا۔ میرا انجام دیکھ لینے کے باعث اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب سلطان شاہ کا پاسپورٹ مہر لگا کر اسے لوٹا دیا گیا اور وہ بے یقینی کے عالم میں میرے قریب سے گزرتا ہوا سیکورٹی چیک کی طرف بڑھ گیا۔

اس وقت میرے ذہن میں آندھیاں سی چل پڑی تھیں۔ غزالہ اور سلطان شاہ کو کسی باز پرس کے بغیر ہانگ کانگ چھوڑنے کی اجازت مل گئی تھی جب کہ میری روانگی مکاؤ کی کلیئرنس سے مشروط کر دی گئی تھی۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ البرٹ کم کو قتل کرنے کے باوجود میں ڈون کا مضبوط اور ناقابلِ شکست حصار توڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اسے غزالہ اور سلطان شاہ سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ بس مجھے گھیرنا چاہتا تھا تاکہ مجھے مافیا کے بڑوں کے حوالے کر کے نیشی کاؤ کی موت کا بوجھ ہلکا کر سکے۔ مافیا والوں کے ذریعے میرے بارے میں جو انکشافات ہوتے، وہ اور ان کے اثرات الگ ہوتے۔

ڈون نے اومنی ہوٹل کی نگرانی پر صرف ایک ہی آدمی کو مقرر کیا تھا جب کہ ہم تین تھے۔ وہاں سے سلطان شاہ کا تعاقب نہیں کیا گیا لیکن البرٹ نے مجھے فوراً ہی گھیر لیا تھا۔ یہ تمام امور اس بات کی نشان دہی کر رہے تھے کہ ڈون میری راہ پر لگ گیا تھا۔ مکاؤ کی کلیئرنس صرف ایک بہانہ تھی۔ ڈون کی مرضی کے بغیر مکاؤ سے ایسی کلیئرنس جاری نہیں ہو سکتی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ میں ہانگ کانگ میں محصور ہو کر رہ جاتا اور پھر کسی وقت، ڈون کے ہرکارے مجھے باندھ کر مکاؤ لے جاتے اور ڈون مجھے اٹلی سے آنے والے مافیا کے کارندوں کے قدموں میں ڈال دیتا۔

میں جتنا سوچتا رہا، اتنا ہی یہ خیال راسخ ہوتا چلا گیا کہ میں ڈون کے بچھائے ہوئے نادیدہ جال میں بری طرح پھنس چکا تھا۔ میرے لیے ایک اور دہشت یہ بھی تھی کہ دو چار روز میں پارکنگ لاٹ سے البرٹ کی متعفن اور بوسیدہ لاش برآمد ہوتی تو ڈون مجھ سے ہی اس کا بھی حساب طلب کرتا۔

میرے پاس ایک ہی راہ باقی رہ گئی تھی کہ میں کسی طرح اپنا پاسپورٹ حاصل کر کے واپس لوٹتا اور انسانوں کی اسمگلنگ کرنے والے کسی مقامی گروہ کو بھاری رقم دے کر غیر قانونی طور پر ہانگ کانگ سے فرار ہونے کی کوشش کرتا جو اگر ناکام بھی ہو جاتی تو مجھے یہ خلش نہ رہتی کہ ڈون نے مجھے کسی بے ضرر چوہے کی طرح گھیر کر مار لیا ہے۔

وقت تیزی کے ساتھ گزر رہا تھا۔ مجھے روکنے والی امیگریشن آفیسر جتنے لوگوں کو نمٹا رہی تھی اس سے زیادہ مسافر قطار کے آخری سرے پر بڑھتے جا رہے تھے اور اسی کے ساتھ میرا اضطراب بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ وہاں ڈسپلن اور سختی کا یہ عالم تھا کہ میں اس لڑکی کو مخاطب کرنے کی جرات بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں وہ برہم ہو کر مجھے ائرپورٹ کے لاک اپ میں نہ بھجوا دے۔

آدمی جب تک بالادست رہتا ہے تو بڑے سے بڑے خطرات بھی بے وقعت اور حقیر نظر آتے ہیں لیکن وہی شخص کمزور پڑ جائے تو اسے موہوم ترین بلکہ دور از کار اندیشے بھی بھیانک خوابوں کی طرح ڈرانے لگتے ہیں۔ میں اس وقت کمزوری کے اسی بدترین تسلسل سے دوچار تھا۔

آخر ایک ادھیڑ عمر عورت کسی اندرونی حصے سے اس چینی لڑکی کے پاس پہنچی تو اس نے اپنی مصروفیت ملتوی کر کے میرا پاسپورٹ اور بورڈنگ کارڈ اس کے حوالے کیا، چینی زبان میں چند فقرے کہے اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ اُدھیڑ عمر عورت نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور اپنے دفتر کی طرف چل دی۔

اپنی کرسی سنبھالنے کے بعد اس ادھیڑ عمر عورت نے بھی ناقدانہ نظروں سے میرا جائزہ لیا پھر بولی۔ "تم سفر نہیں کر سکتے۔ تم کو اپنا بورڈنگ کارڈ واپس کر کے کم از کم دو دن انتظار کرنا ہو گا۔"

"لیکن میں جاننا چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا جا رہا ہے؟"

"تمہارے بارے میں ہمیں مکاؤ کے محکمۂ داخلہ سے کلیئرنس لینی ہو گی کہ وہاں تمہارے خلاف کوئی الزام نہیں ہے۔" اس نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"صرف میرے ہی بارے میں یہ کلیئرنس کیوں ضروری سمجھی جا رہی ہے؟" میں نے احتجاج کیا۔

"یہ دونوں حکومتوں کے درمیان ہونے والے سمجھوتے کا ایک حصہ ہے۔" وہ عورت، لڑکی کے مقابلے میں بردبار اور متحمل مزاج معلوم ہوتی تھی۔ "بہت سے لوگ مکاؤ کی تفریح گاہوں میں آپے سے باہر ہو کر مار دھاڑ اور دوسرے قابل دست اندازیِ پولیس جرائم کرتے ہیں اور نرمیوں سے فائدہ اٹھا کر غیر قانونی طور پر ہانگ کانگ بھاگ آتے ہیں۔ پہلے ہم انہیں ایگزٹ دے دیتے تھے لیکن اب پالیسی بدل گئی ہے۔ مکاؤ کے کلیئرنس کے بغیر تمہیں ایگزٹ نہیں مل سکتا!"

"لیکن مادام! اس معزز آفیسر نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں مکاؤ سے غیر قانونی طور پر فرار ہوا تھا؟"

اس نے میرے پاسپورٹ کے اوراق کھول کر میرے سامنے رکھ دیے۔ "تمہارے پاسپورٹ پر مکاؤ میں داخلے کی مہر ہے لیکن وہاں سے روانگی کا کوئی اندراج نہیں ہے اور یہی سارے فساد کی جڑ ہے۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر پر سے کوئی بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو اور میں نے مدافعت میں ڈٹ جانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس کا جواب بہت سادہ اور سہل ہے۔ میں مکاؤ میں ڈون کا مہمان تھا۔ میں ذاتی طور پر وہاں گیا تھا لیکن واپسی پر ڈون نے مجھے اپنی حویلی سے ہیلی کاپٹر کے ذریعے براہِ راست ہانگ کانگ روانہ کر دیا۔ میرے اصرار پر اس نے بتایا تھا کہ امیگریشن کی مہر نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا...."

"بیٹھو، بیٹھو! تم کھڑے کیوں ہو؟" ڈون کا ذکر آتے ہی اس عورت کے رویے میں تبدیلی آ گئی۔

"اگر میرے پاسپورٹ میں سقم تھا تو مکاؤ سے آمد پر مجھے ہانگ کانگ کا ویزا کیوں دیا گیا؟ مجھے ڈون ہی کے ہیلی کاپٹر سے واپس مکاؤ

بھیج دیا جانا چاہیے تھا۔" میں نے اس کے مقابل پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

اس نے میرا پاسپورٹ اٹھالیا اور دوسرے ویزے کی مہر وغیرہ کا معائنہ کرنے لگی۔

"میرا خیال ہے کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھ گئی۔ "تم یہیں بیٹھو۔ میں ریٹا سے بات کرکے دو منٹ میں واپس آتی ہوں۔" وہ میرا پاسپورٹ لے کر تیزی سے باہر نکلتی چلی گئی۔

ڈون کے نام پر مجھے کرسی پیش کی جاچکی تھی' میرے ذہن میں ترتیب پانے والی روح فرسا صورتِ حال تحلیل ہوگئی تھی اور اس خاتون کی میز پر ایش ٹرے بھی موجود تھی اس لیے میں نے ٹانگیں پسار کر سگریٹ سلگالی۔

پرواز کی روانگی میں بہت کم وقت رہ گیا تھا جو مجھے بے چین کر رہا تھا لیکن اسی کے ساتھ مجھے یہ بھی اطمینان تھا کہ جب تک بورڈنگ کارڈ میری یا امیگریشن والوں کی تحویل میں تھا' میرے بغیر طیارہ پرواز نہیں کرسکتا تھا۔ بورڈنگ کارڈ ائرلائن کے عملے کی تحویل میں چلا جاتا تو صورتِ حال بالکل بدل جاتی۔

چند منٹ بعد ہی وہ ادھیڑ عمر خاتون معذرتوں کے ساتھ میرا پاسپورٹ لے آئی۔ اس پر ضابطے کی کارروائی مکمل ہوچکی تھی۔

"میں تمہاری پریشانی پر معذرت خواہ ہوں۔ پرواز کو بند ہوئے دیر ہوچکی ہے۔ تم فوراً اپنے بورڈنگ گیٹ پر جاؤ۔ میں تمہاری خیریت کے لیے دعاگو ہوں۔" اس نے پاسپورٹ وغیرہ میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ سب کیا تھا؟ ایسا کیوں ہوا؟" میرا اعتماد دوبارہ بحال ہوچکا تھا۔

"ریٹا کا اعتراض درست تھا لیکن اس سے چوک یہ ہوئی کہ اس نے تمہارا دوسرا ویزا نہیں دیکھا۔ اس مہر کے ساتھ پڑے ہوئے کوڈ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم ڈون کے نجی ہیلی کاپٹر سے آئے تھے اور ڈون کی تمام پروازیں مکاؤ کے امیگریشن کنٹرول سے آزاد ہوتی ہیں۔ بس اب تم جاؤ' تمہیں دیر ہو رہی ہے۔" اس نے زبردستی مجھ سے ہاتھ ملا کر مجھے نکاسی کے راستے کی طرف دھکیل دیا۔

مکاؤ سے ہانگ کانگ تک ڈون کے نام کا طلسم ہی ہوش ربا رہا تھا۔ کبھی وہ مصائب کا پیامبر بن جاتا تھا اور کبھی اسی کے طلسم سے مشکلیں آسان ہوجاتی تھیں۔ مجھے خوشی تھی کہ میں اس خطے سے نکلتے نکلتے بھی ڈون کے نام کی ساکھ سے بھرپور فائدہ اٹھانے میں کامیاب رہا تھا۔ بعد میں تو اس سے معرکہ ہونا ہی تھا۔

اس وقت تک ہر طرف میری تلاش شروع ہوچکی تھی اور ائرلائن کے عملے کو سراغ مل چکا تھا کہ ان کا ایک مسافر امیگریشن کے مرحلے میں پھنسا ہوا ہے اس لیے میں جوں ہی سیکیورٹی کے لیے پہنچا تو کئی افراد میری طرف جھپٹ پڑے۔ میرے گزرنے پر میٹل ڈیٹیکٹر نے احتجاج کیا لیکن ائرلائن کے افراد خوشامد درآمد کرکے مجھے تفصیلی جامہ تلاشی کے بغیر وہاں سے نکال لے گئے۔ ان کے نزدیک میٹل ڈیٹیکٹر ایک ایسا ناقص آلہ تھا جو بیلٹ کے آہنی بکل اور سکّے کی موجودگی میں بھی بول اٹھتا تھا۔ اپنی پرواز کی بروقت روانگی کے لیے وہ ایسی چھوٹی موٹی باتوں کو نظرانداز کرنے کے لیے تیار تھے۔

میرے طیارے میں داخل ہوتے ہی گینگ وے ہٹنے لگا اور دروازہ گرا کر مقفل کردیا گیا۔

مجھے دیکھتے ہی غزالہ اور سلطان شاہ کے سُتے ہوئے چہروں پر رونق اور بحالی کی لہر دوڑ گئی۔

سلطان شاہ نے مکاؤ سے کلیئرنس والی بات غزالہ تک پہنچا دی تھی اور اس کا ذہن بالکل اسی راہ پر چل پڑا تھا جس نے میرے ذہن کی چُولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ اصل قصہ معلوم ہونے کے بعد انہیں حیرت ہونے لگی کہ وہ بھی میرے ہی ساتھ مکاؤ سے لوٹے تھے پھر ان سے بازپُرس کیوں نہیں کی گئی؟ میری دانست میں اس کا جواب بہت سیدھا سا تھا۔ سلطان شاہ کو ڈون مکاؤ لے گیا تھا اس لیے اس کے پاسپورٹ پر سرے سے مکاؤ کی کوئی مہر ہی نہیں لگی تھی اور غزالہ مکاؤ کی سفری دستاویزات استعمال کر رہی تھی اس لیے غیرملکیوں کے لیے بنائے گئے قانون سے مستثنیٰ قرار دی گئی تھی۔

طیارے کے فضا میں بلند ہونے کے بعد میں نے اپنے بکھرے ہوئے اعصاب کو مجتمع کرنے کے لیے اسکاچ طلب کی تو اچانک میرے کانوں میں ہیجر سے گونجنے والی نسوانی آواز آئی۔ وہ مسافروں کو آگاہ کر رہی تھی کہ ہانگ کانگ سے بنکاک تک کی وہ مختصر پرواز مکمل طور پر نان اسموکنگ تھی۔ میں نے اپنی انگلیوں میں دبائی ہوئی سگریٹ سلگائے بغیر ایش ٹرے میں مسل دی۔

مجھے خوشی تھی کہ میں انتہائی ناموافق اور خطرناک صورتِ حال کے باوجود' کسی خسارے سے دوچار ہوئے بغیر غزالہ کو مکاؤ سے نکال کر پاکستان لے جا رہا تھا۔ ڈون کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں بھی میرا راستہ روکنے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھیں۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آخری لمحات کی افراتفری میں بیم گن بھی صاف نکل آئی تھی۔

لیکن آنے والا وقت اتنا سہل نظر نہیں آتا تھا۔ مافیا والوں کی مکاؤ آمد کے ساتھ ہی میرے خلاف ایک چومکھی جنگ چھڑنے والی تھی جس کے لیے بھرپور تیاریوں کی ضرورت تھی۔

حالات بہت تیزی کے ساتھ تبدیل ہوتے جا رہے تھے۔ مکاؤ کا ڈون کوانگ فو' اپنے اثر و رسوخ اور مزاج کی بنا پر کسی دیوپیکر سمندری عفریت سے کم نہیں تھا۔ اس کے مزاج کا تلون اسے اجنبیوں سے اتنی دور رکھتا تھا کہ وہ کبھی بھی اس کے لیے خطرہ نہیں بن سکتے تھے۔ لیکن ہم لوگ مقدر کے سکندر تھے کہ ڈون کی حویلی میں اس کی مہمان داری سے لطف اندوز ہونے اور اس کی نجی قید کا مزہ چکھنے کے بعد آخرکار اس کی حویلی سے زندہ سلامت نکل آنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ ہم نے مکاؤ میں اپنے قیام کے دوران اپنے تحفظ اور دفاع کے لیے دل کھول کر سازشیں کیں اور قتل و خوں ریزی کا بھی سہارا لیا۔ حد تو یہ ہے کہ ڈون کی حویلی کی تاریخ میں پہلی بار اس کی حدود میں انسانی لہو کی ہولی کھیلی گئی۔ ان پُراسرار وارداتوں پر ڈون کا موڈ پَل پَل رنگ بدلتا رہا۔ کبھی وہ ہم پر مہربان نظر آتا رہا اور کبھی اس کی سرد اور سفاک نگاہوں میں ہمارے لیے قہر و غضب کے الاؤ روشن نظر آئے لیکن وہ ہماری مربوط حکمتِ عملی کے ساتھ ہی مقدر کی یاوری بھی تھی کہ اس تمام نشیب و فراز کے باوجود ہم ڈون کی حویلی سے اس کے ذاتی ہیلی کاپٹر میں عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیے گئے تھے اور پھر ہانگ کانگ سے نکلنے میں بھی کامیاب ہوگئے تھے۔

ہانگ کانگ پہنچنے کے بعد ہمیں یقین ہوچلا تھا کہ ہم ڈون کی دسترس سے نکلنے میں کامیاب ہوچکے تھے لیکن وہ ہماری بھول تھی ہمارے بارے میں ڈون کے ذہن میں کیا تھا' اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا لیکن یہ ایک حقیقت تھی کہ کولون کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی ڈون کا گرگا البرٹ کِم ہماری راہ پر ہولیا تھا اور اسی کی فراہم کی ہوئی اطلاع کی بنیاد پر ڈون نے مجھ سے فون پر رابطہ کرکے نیشی کاؤ کی اطالوی کمپنی کا افسانہ سنایا تھا۔

ڈون کو علم نہیں تھا کہ میں نیشی کاؤ کی مافیا سے وابستگی سے پوری طرح باخبر تھا اسی وجہ سے اس نے نیشی کاؤ کی ناگہانی موت کی تفتیش کے لیے' اس کی اطالوی کمپنی کے دو عہدے داروں کی آمد کی کہانی گھڑنے میں ذرا بھی تکلف سے کام نہیں لیا اور ہم سے چند روز کے لیے ہانگ کانگ ہی میں رکے رہنے کی فرمائش کر بیٹھا۔

میں ڈون کی فرمائش کو مسترد کرکے اسے ہوشیار یا مشتعل کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ مکاؤ جانے سے پہلے میں گولڈن ڈریگن نامی فیری کے کپتان' ریور جیانگ سے سن چکا تھا کہ مکاؤ میں ڈون کی عزت اور جاہ و جلال کا یہ عالم تھا کہ اس سرزمین پر اسے صرف ڈون کے روایتی لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ اسے کوانگ فو کہنے والوں کی زبانیں کاٹ دی جاتی تھیں۔ ایسے چند واقعات کے بعد مکاؤ کے بسنے والے کوانگ فو کا نام ہی فراموش کر بیٹھے تھے اور ہر طرف ڈون کے نام کا ڈنکا بجنے لگا تھا۔ ایسے شخص کا ذرا سا بھی اشتعال ہماری آزادی بلکہ زندگیوں کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا' اس لیے میں نے نہایت خوش دلی کے ساتھ ڈون کی ہدایت کو قبول کرلیا تھا۔

لیکن میں مافیا والوں کے اس بھیانک جال میں پھنسنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ ہم نے کولون کی ایک کثیرالمنزلہ پارکنگ لاٹ پر البرٹ کو بیم گن کا نشانہ بنا کر' اس کی لاش اسی کی ٹیکسی کی ڈکی میں مقفل کردی تھی اور جب تک لاش میں تعفن پیدا نہ ہوتا' کسی کو شبہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ اس ٹیکسی میں کوئی لاش بند تھی۔ اگلے دو تین روز تک ڈون کو البرٹ کِم کی طرف سے کوئی خیر خبر نہ ملتی تو وہ یہی سمجھتا کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا ہوگا۔ پھر اسے ہوٹل سے بھی ہماری روانگی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوسکتا تھا۔ ہم نے ہوٹل میں اپنے اصل اخراجات سے کہیں زیادہ رقم پیشگی جمع کرائی ہوئی تھی اور اپنا باقاعدہ حساب کیے بغیر' کاؤنٹر پر چابیاں دے کر خاموشی سے کھسک لیے تھے اسی وجہ سے کم از کم اگلے چوبیس گھنٹوں تک ہوٹل کی انتظامیہ کو ہماری روانگی کی اطلاع نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کے بعد بھی ہوٹل والے ہمارے فرار کا ڈھنڈورا پیٹنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ہاں' جب ڈون خود ہی ہم کو فون کرتا تو اسے بتادیا جاتا کہ ہم ہوٹل والوں کو مطلع کیے بغیر' اپنے کمرے چھوڑ چکے تھے۔

اس کے بعد' ڈون کو البرٹ کِم کی فکر لاحق ہوتی اور جب تک اس کے آدمی البرٹ کم کی لاش کا سراغ لگا کر اصل معاملے کی تہ تک پہنچتے' ہمیں کراچی پہنچے ہوئے خاصا وقت ہوچکا ہوتا۔

"ڈون کو جب معلوم ہوگا کہ ہم اسے جُل دے کر ہانگ کانگ سے نکل بھاگے ہیں تو وہ غصے سے باؤلا ہوجائے گا" غزالہ نے کسی خیال کے تحت مسکراتے ہوئے کہا۔ شاید اس کا ذہن بھی ان ہی معاملات میں الجھا ہوا تھا جو ہم ہانگ کانگ امیگریشن کی حدود پار کرتے ہی' دور چھوڑ آئے تھے۔

"پوری صورتِ حال کا ادراک ہونے پر اسے اندازہ ہوجائے گا کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے' اس کے سوا ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ ہم اپنی گردنیں مافیا کے پھندے میں نہیں ڈال سکتے تھے" میں نے کہا۔

"وہ بہت ضدی اور اَنا پرست واقع ہوا ہے" سلطان شاہ نے گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے کہا "وہ ہماری مجبوریوں پر غور کرنے کی زحمت ہی نہیں کرے گا..."

"یعنی ہمیں مکار اور دھوکے باز سمجھے گا؟" غزالہ نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا "ہمارے فرار کو اپنی توہین سمجھ کر ہمارے خلاف ہوجائے گا؟ لیکن ہمارے نکل جانے کے بعد وہ ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے؟"

"بگاڑ سکتا ہے یا نہیں؟ یہ ایک الگ بات ہے۔" سلطان شاہ بولا "لیکن اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ وہ ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش ضرور کرے گا۔"

"سب سے پہلے تو وہ ویرا سے ہی بدظن ہوجائے گا" میں نے

اس صورتِ حال پر دل ہی دل میں محظوظ ہوتے ہوئے کہا "کیونکہ یہ سارا کھیل اسی کی سفارش پر شروع ہوا تھا۔ اسے جلد یا بدیر یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ میں عرصۂ دراز سے جمی لائیڈ اور شی کے حریفوں میں شمار کیا جاتا ہوں۔"

"میرے لیے یہی بات سب سے زیادہ حیران کن ہے۔ تمہارے بارے میں شی کے ہر چھوٹے بڑے کو معلوم ہے کہ تم نے اپنی اس تنظیم سے بغاوت کی ہوئی ہے۔ لیکن ڈون' شی کا آئی مین ہوتے ہوئے بھی اتنی اہم بات سے بے خبر ہے۔ میری دانست میں تو اسے تمہارا نام سنتے ہی بھڑک اٹھنا چاہیے تھا" غزالہ نے کہا۔

"تم نے خود ہی دیکھ لیا ہے کہ ڈون کس قدر ست اور کاہل الوجود آدمی ہے" میں نے کہا "ہوسکتا ہے کہ لاؤس' کمبوڈیا اور ویت نام کی جنگوں کے زمانے میں مکاؤ کی بہت زیادہ اہمیت رہی ہو کیونکہ دنیا کے کسی بھی خطے میں بدامنی کے حالات جرائم کے فروغ کے لیے بہت سازگار ثابت ہوتے ہیں۔ شاید ڈون اسی زمانے سے مکاؤ کا آئی مین چلا آرہا ہے۔ موجودہ صورت حال میں مکاؤ کی زیادہ افادیت نہیں ہے۔ وہاں ڈون کا راج ضرور چلتا ہے لیکن شی کے لیے شاید مکاؤ کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی ہے۔ ڈون بس علامتی اور روایتی طور پر شی کا آئی مین چلا آرہا ہے۔ اسی وجہ سے شی کی بہت سی خبریں اس تک نہیں پہنچتی ہوں گی۔ وہ اپنی حویلی میں عیش ونشاط میں کھویا رہتا ہے۔ جو لوگ متحرک اور فعال ہیں' وہ میرے بارے میں ویسے بھی باخبر رہتے ہیں۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ شی سے میری جنگ پاکستان کے علاوہ مغربی ممالک میں ہوتی رہی ہے۔ اُدھر والے میرے نام سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ مشرقِ بعید کے ان علاقوں میں کبھی' کوئی معرکہ نہ ہونے کی وجہ سے میں ابھی تک گمنام تھا لیکن اب ڈون میری کہانیاں ہر طرف پھیلادے گا۔"

"یہ تمہارا تجزیہ ہے" سلطان شاہ نے اعتراض کیا "لیکن یہ بات واقعی عجیب محسوس ہوتی ہے کہ شی کا ایک آئی مین اس قدر بے خبر بھی ہوسکتا ہے۔"

"شی جدید ترین مواصلاتی رابطوں اور خلائی سیاروں تک سے مدد لیتی ہے" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "ان کے وسائل ہر اعتبار سے قابلِ رشک ہیں لیکن ڈون کی حویلی میں مجھے ان کی جھلک تک نظر نہیں آئی۔ اسی وجہ سے مجھے اندازہ ہورہا ہے کہ جمی لائیڈ کے منصوبوں میں اب مکاؤ کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ ڈون بس اپنی مشینی مسند' شیش محل اور آوازیں ریکارڈ کرنے کے نظام پر ہی فخر کرتا رہتا ہے۔"

"آوازیں ریکارڈ کرنے کا نظام تو واقعی بہت شاندار بلکہ قابلِ رشک ہے۔"

"مبتدی اس سے متاثر ہوسکتے ہیں لیکن یہ سب معمولی شعبدے بازیاں ہیں۔ اب تو کراچی کی فٹ پاتھوں پر بھی ایسے حساس' لاسلکی مائیکروفون ملنے لگے ہیں جن کے سہارے بچے اپنے پڑوسیوں کی گفتگو اپنے ٹرانزسٹر ریڈیو پر سن لیتے ہیں۔ مکاؤ میں شی کی تنظیم پسماندگی کا شکار نہ ہوتی تو تم بل فائٹنگ رنگ سے جوڑوں پر بیم گن استعمال کرکے بچ نہیں سکتے تھے۔ ڈون اور اس کے ساتھی اپنے ماضی کی شان وشوکت کے سہارے جی رہے ہیں اور مکاؤ کے روایت پرست شہری ان کو بدستور پوجے جارہے ہیں۔"

"تم پتا نہیں کہاں کی بات کہاں ملادیتے ہو!" سلطان شاہ برا سامنہ بناکر بولا "میں نے تو کراچی میں کسی بچے کے پاس ایسے وائرلیس مائیکروفون نہیں دیکھے۔"

"اب جاکر دیکھ لینا۔" میں نے اسے مشورہ دیا "سیل سے کام کرنے والے ایف ایم مائیک ہیں' پچیس روپے میں مل جاتے ہیں۔ انہیں آن کرکے کسی بھی جگہ رکھ دو اور وہاں سے دور' اپنا ریڈیو ایف ایم چینل پر ٹیون کرکے بیٹھ جاؤ تو تم مائیک کے ذریعے سانسوں تک کی آوازیں سن اور ریکارڈ کرسکتے ہو۔ مسئلہ یہ ہے کہ تمہیں ان چیزوں سے دلچسپی ہے اور نہ تمہیں اپنے شہر کے بازاروں میں تاک جھانک کا موقع ملتا ہے۔"

طیارہ شاید اپنی مقررہ بلندی تک پہنچ کر افقی پوزیشن لے چکا تھا کیونکہ اچانک ہی وسیع وعریض طیارے کی دونوں راہداریوں میں میزبان لڑکیاں' ناشتے کی تھالیوں کے ساتھ چکرانے لگیں۔ اگلی نشستوں کی پشت گاہوں سے منسلک' کھانے کی میزوں کے کھلنے کی کھٹاکھٹ کے ساتھ ہی وہ میزیں تیزی کے ساتھ بھرتی چلی گئیں کیونکہ طیارے کے اگلے اور پچھلے کچن سے بیک وقت متعدد خوش مزاج لڑکیوں نے سروس شروع کی ہوئی تھی۔

جب میں نے ائرہوسٹس سے اپنے لیے اسکاچ کے دوسرے نپ کی فرمائش کی تو غزالہ مجھے تیکھی نظروں سے گھورنے لگی اور ائرہوسٹس کے جانے کے بعد بولی "اس مختصر سی پرواز پر تم کتنی شراب پی جانا چاہتے ہو؟"

"یہ اگلے سفر کی تیاری ہے" میں نے ڈھٹائی کے ساتھ ہنستے ہوئے کہا "کیتھی والوں کی میزبانی کے طفیل تین چار نپ تو معدے میں اتارہی لینے چاہئیں۔"

"تم خود کہتے ہو کہ اسکاچ سورج ڈھلنے کے بعد کا ڈرنک ہے اور اب دن دہاڑے..."

"سفر میں دن اور رات کا تصور باقی نہیں رہتا" میں نے اُس کی بات کاٹ دی "ابھی روشنیاں دھیمی کرکے جہاز کی کھڑکیوں کے سلائیڈز گرادیے جائیں تو یہاں رات ہوجائے گی۔ ویسے بھی ہم مغرب کی طرف سفر کررہے ہیں اور کراچی پہنچنے تک ہمارا آج کا دن اٹھائیس گھنٹے کا ہوچکا ہوگا۔"

اسی اثنا میں ائرہوسٹس نے بلیک لیبل کی ننھی سی کھلی ہوئی بوتل' کچکڑے کے گلاس میں برف کے تین ڈلوں سمیت میرے سامنے لاکر رکھ دی اور ایک دلربایانہ مسکراہٹ کے ساتھ آگے چلی گئی۔

"اور اگلے سفر کا کیا بہانہ ہے؟" سلطان شاہ نے غزالہ کا ساتھ دینا ضروری خیال کیا۔

"یہ کیتھی کی نرم ونازک پرواز ہے جس پر پینے کی ہر شے میسر ہے۔ اگلا سفر پی آئی اے سے ہوگا۔ اس طویل پرواز پر پینے کے نام پر عیاشیاں نہیں ہوسکیں گی" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"کاش یہ پرواز نان اسموکنگ کے ساتھ ہی نان ڈرنکنگ بھی ہوتی!" غزالہ بھناکر منمنائی۔

"کوّوں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے" میں نے گلاس سے اپنے لب تر کرتے ہوئے کہا اور غزالہ بے زاری کا اظہار کرتے ہوئے کھڑکی سے باہر جھانکنے میں مصروف ہوگئی۔

تقریباً سوا دو گھنٹے کی پرواز کے بعد جب جہاز کے پیجبر سسٹم کے ذریعے بنکاک پر اترنے کی تیاریوں کی اطلاع دی گئی تو میرا ذہن غیر ارادی طور پر اس تھائی خاتون کی طرف بھٹک گیا جو کراچی سے بینکاک کے سفر میں' پورے جہاز میں گھوم پھر کر متموّل اور رنگین مزاج مسافروں کو اپنے ہاسٹل کے کارڈ بانٹتی پھررہی تھی — وہ یونیورسٹی اور کالجوں میں زیرِ تعلیم خوبرو اور نوخیز لڑکیوں کی جزوقتی ملازمت کی پیش کش کے بہانے' بین الاقوامی پروازوں پر اپنے گاہک پھانسنے کی عادی معلوم ہوتی تھی اور شاید اسی منظم کاروبار کی وجہ سے بہت سے لوگ قحبہ گری کو تھائی لینڈ کی سب سے بڑی گھریلو صنعت قرار دیتے تھے جو کسی بھی سرمایہ کاری کے بغیر جنگِ ویت نام کے زمانے سے اپنے ملک کے لیے بھاری زرِمبادلہ کمارہی تھی۔

گینگ وے سے باہر نکلتے ہی چند تھائی دوشیزاؤں کی نرم دُپراسرار مسکراہٹ کا سامنا ہوا۔ وہ ٹرانزٹ مسافروں کی رہنمائی کے لیے وہاں موجود تھیں۔ بینکاک میں رکنے والے مسافر سیدھے امیگریشن کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ بینکاک کے ہوائی اڈے پر دوسو بھات کی فیس ادا کرکے ویزا بہ آسانی حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ شہر کا چکر لگاسکتے۔ دوسری طرف بیم گن کا مسئلہ تھا۔ اگر میں ایک مرتبہ ٹرانزٹ ایریا سے نکل جاتا تو دوبارہ ادھر پہنچنے کے لیے دیکھ بھال اور تلاشی کے مراحل سے گزرنا پڑتا اور بیم گن خطرے میں پڑجاتی۔ اس لیے ہم لوگ دوسرے ٹرانزٹ مسافروں کے ساتھ ایلی ویٹر سے ہوتے ہوئے ایک وسیع کاریڈور میں میں طلوع ہوئے اور پھر پی آئی اے کی پرواز کے مسافروں کے لیے مخصوص ہال میں پہنچ گئے جہاں کاؤنٹر پر موجود ایک مقامی شخص نے ہمارے ٹکٹوں سے کوپن جدا کرکے بورڈنگ کارڈ ہمارے حوالے کردیے۔

ابتدا میں وہاں ہمارے ساتھ آنے والے جملہ نو مسافر ہی موجود تھے۔ پرواز کی روانگی میں خاصا وقت باقی تھا اور میں نے راستے میں ڈیوٹی فری شاپ بھی نہیں دیکھی تھی۔ میں حیران تھا کہ ٹرانزٹ مسافروں کے لیے ڈیوٹی فری خریداری کی سہولت کیوں مفقود تھی؟

میں نے کاؤنٹر والے سے دریافت کیا تو اُس نے مسکراتے ہوئے مجھے مطلع کیا کہ ہمیں اوپر لانے والے ایلی ویٹر سے کچھ آگے ڈیوٹی فری شاپس موجود تھیں اور ہم اپنے بورڈنگ کارڈ کے عوض ایک پاس حاصل کرکے ادھر کا چکر لگاسکتے تھے۔ ہم تینوں نے اس خاموش ہال کے گمبھیر ماحول سے نجات پانے کے لیے اپنے بورڈنگ کارڈ اس شخص کے حوالے کیے اور پاس لے کر ڈیوٹی فری شاپس کی طرف روانہ ہوگئے۔

وہ علاقہ بہت بارونق اور آباد تھا۔ دکانوں پر مقامی دستکاری کے نمونوں کے ساتھ ہی غیر ملکی سازوسامان بھی بھرا ہوا تھا جس میں شرابیں' سگریٹیں اور دنیا بھر کی خوشبویات سب سے نمایاں تھیں۔ ہم آپس میں باتیں کرتے ہوئے کافی دیر تک وہاں مٹرگشت کرتے رہے اور جب ایک گھنٹا گزار کر ہم دوبارہ ہال میں پہنچے تو وہاں مسافروں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوچکا تھا۔

کراچی جانے والے پاکستانی مسافروں میں بے پروا اور دل پھینک نوجوانوں کے ساتھ ہی' قمیص شلوار میں ملبوس ایسے لوگ بھی نظر آرہے تھے جو شاید کھیپئے تھے۔ انہوں نے اپنا جو سازوسامان جہاز پر لدوانے کے لیے دے دیا تھا' اس کے علاوہ بھی وہ بھانت بھانت کے دستی تھیلوں سے لدے پھندے ہوئے تھے۔ ان کے بشروں سے بے فکری یا خوش دلی کے بجائے انجانا سا خوف ہویدا تھا جیسے وہ خود بھی جانتے ہوں کہ وہ جو کچھ کررہے تھے' وہ پوری طرح غیر قانونی نہ سہی تو بہت زیادہ قانونی بھی نہیں تھا۔

بینکاک کا وقت ہانگ کانگ سے ایک گھنٹا پیچھے تھا۔ مقامی وقت کے مطابق ساڑھے چھ بجے بورڈنگ کا آغاز ہوا تو مسافروں کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی لیکن طیارے پر پہنچنے کے بعد پتا چلا کہ وہ پرواز سنگاپور سے آرہی تھی اور جہاز میں پہلے سے کافی مسافر موجود تھے۔

جب مقررہ وقت پر طیّارے نے تھائی لینڈ کی سرزمین چھوڑ کر اپنا رخ بلند کیا تو میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ بینکاک سے پرواز کے بعد دنیا کی کوئی طاقت ہمیں کراچی کے بین الاقوامی اڈے پر اترنے سے نہیں روک سکتی تھی۔ ڈون اور اس کا اثرورسوخ یک بیک قصۂ پارینہ بن کر رہ گیا تھا۔

اس پرواز پر بیشتر مسافر پاکستانی تھے جو قومی ائرلائن سے متعدد شکایات کے باوجود اسی سے سفر کرنا پسند کرتے تھے۔ انہیں اپنے سامان کے وزن میں رعایت ملتی تھی' عملے سے تُوتکار میں زبان کی اجنبیت جذبات کے آڑے نہیں آتی تھی' پرواز پر کھانا من پسند ملتا تھا یا جہاز کا ماحول خالص پاکستانی ہوتا تھا' اس بارے میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی تھی لیکن یہ مشاہدے کی بات تھی کہ عادی شرابیوں کے علاوہ ہر نیا اور تجربے کار پاکستانی مسافر حتی الامکان اپنی قومی ائرلائن پر ہی سفر کرنے کو ترجیح دیتا تھا اور بعض شرابی بھی یورپ وغیرہ جانے کے لیے اس سے گریز نہیں کرتے تھے

کیونکہ پی آئی اے نے ایسے مجبوروں کے لیے دوبئی میں رکنے کی عادت اپنالی تھی۔ لوگ اپنے ظرف کے مطابق دوبئی ڈیوٹی فری سے تھیلا بھرلیتے تھے۔ کچھ جُرعہ جُرعہ کرکے راستے میں کام آجاتا' باقی ذاتی الاؤنس میں منزلِ مقصود پر لے جاتے۔ جو لوگ اس گُر سے ناآشنا تھے اور مفت کی پینے کو اپنا حق گردانتے تھے' ان کو ہمیشہ ایسی ترکیبوں کی تلاش رہتی تھی جن کے سہارے انہیں پی آئی اے کا پابند نہ رہنا پڑے۔

پرواز کے کچھ دیر بعد جہاز میں نقل و حرکت اور میل جول کا آغاز ہوا تو میں نے بھی اپنی نشست چھوڑ دی اور مسافروں کا جائزہ لیتا ہوا' عقبی باتھ رومز کی طرف چل دیا۔

اپنی سمت کی راہداری کے اختتام پر ایک سگریٹ پھونکنے اور باتھ روم سے تازہ دم ہونے کے بعد میں اپنی نشست پر واپس آیا تو غزالہ اور سلطان شاہ کو سنسنی آمیز انداز میں سر جوڑ کر سرگوشیاں کرتے پایا۔

"کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں؟" میں نے اپنی نشست پر بیٹھتے ہوئے' غزالہ کے شانے پر ہاتھ مار کر پوچھا۔

"سخت گڑبڑ ہوگئی ہے" غزالہ کے سرگوشیانہ لہجے سے وحشت جھلک رہی تھی۔

"ابھی ہاضمے کی کوئی دوائی منگواتا ہوں" میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"مذاق مت کرو' یہ معاملہ بہت اہم اور سنگین معلوم ہوتا ہے" اس نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"ضرور ہوگا" میں نے پورے خلوص کے ساتھ اعتراف کیا۔ "یہ بتاؤ کہ میں اس خوشی میں رمبا سمبا شروع کردوں یا خنک ڈانس کا آغاز کروں؟"

"خدا کے لیے سنجیدہ ہونے کی کوشش کرو" اس نے جھلّا کر میرا بازو نوچ ڈالا "یوں ہی وقت برباد کرتے رہے تو بعد میں پچھتانے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا۔"

"کیا جہاز گرنے والا ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے سوال کیا۔

اس نے بے بسی سے مجھے گھورا پھر بولی "ٹھیک ہے! تمہیں معاملے کی نوعیّت جاننے سے دلچسپی نہیں تو میں بھی اب خاموش رہوں گی۔ جب بیڑہ غرق ہوگا تو تمہیں سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔"

"مجھے تمہاری ہر بات سے دلچسپی ہے" میں نے اسے پچکارتے ہوئے کہا "مجھے پورا یقین ہے کہ مناسب وقت آنے پر تم خود ہی سب کچھ بتانا شروع کردو گی۔ میں بلاوجہ سوالات کرکے تمہیں مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ ویسے بھی بیڑہ غرق ہونے والی بات اصولی اعتبار سے غلط ہے۔ یہ خطرہ صرف بحری سفر کی صورت میں پیش آسکتا تھا اور وہ بھی اس وقت جب جہازوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہو۔ اکلوتا جہاز صرف جہاز ہوتا ہے۔ ایک سے زیادہ بحری جہاز بیڑہ کہے جاتے ہیں۔ ہوائی سفر میں بیڑہ غرق نہیں ہوتا بلکہ سیدھا سادہ کریش ہوتا ہے اور اس میں صرف وہی لوگ زندہ بچ سکتے ہیں جن سے ملک الموت خود خوف زدہ ہو۔ اس لیے ہم جہاں بھی ہوں گے' اکٹھے ہی ہوں گے اور.... ارا.... رر.... ہمپ!"

مجھے اپنی بکواس جاری رکھنے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ غزالہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ اس نے بھنا کر اپنا نرم و نازک ہاتھ میرے دہانے پر جما دیا تھا۔

"تم بھی بلاوجہ بات گھمارہی ہو۔ بتا کیوں نہیں دیتیں کہ تم نے کیا دیکھا ہے" سلطان شاہ نے چڑچڑے انداز میں غزالہ سے کہا۔

"یہ کہاں کی شرافت ہے کہ ان لاٹ صاحب کو ذرا بھی تجسّس نہیں ہے..."

"تم اپنی بات کہہ ڈالو' یہ ابھی چوکڑی بھول جائیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذہنی طور پر ایک بار پھر شیش محل کے عشرت کدے میں پہنچ گئے ہیں جہاں سے نکالنے کے لیے تم کو ہی کچھ کرنا ہوگا۔"

"تو سنو کہ ترپاٹھی اسی پرواز پر ہمارے ساتھ سفر کر رہا ہے۔" غزالہ نے دانت پیس کر دھیمی آواز میں کہا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بے خبری میں میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔

"ترپاٹھی!" میں نے حیرت اور بے یقینی سے دُہرایا "وہ اس جہاز پر کہاں سے آگیا؟"

"وہ پیچھے سے نہیں آرہا۔ کمال کی بات یہ ہے کہ وہ ہانگ کانگ سے ہی ہمارے ساتھ لگا ہوا ہے اور ہماری عقلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں" وِرا نے چبا چبا کر اپنی بات مکمل کی۔

وہ واقعی ایک سنگین انکشاف تھا اور اس خبر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا' میں نے فوراً ہی پوچھا "اب تم نے اسے کیسے دیکھ لیا؟ مذاق برطرف' مجھے جلد از جلد پوری کہانی سنا ڈالو۔ اگر وہ اس جہاز پر موجود ہے تو اس کے ارادے نیک نہیں ہوسکتے۔ ہمیں اُس کے بارے میں جلد از جلد کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"وہ مجھے نئی دہلی سے لے کر آیا تو اُس کے سر پر بڑے بڑے سفید بال موجود تھے اور وہ بالکل کلین شیو تھا۔" غزالہ دھیمے دھیمے لہجے میں بتانے لگی "لیکن اس وقت اس کا سر گھٹا ہوا ہے اور چہرے پر سفید داڑھی مونچھیں نظر آرہی ہیں۔ ساتھ ہی اس نے اپنے چہرے کی ساخت چھپانے کے لیے بڑے فریم والی' تاریک شیشوں کی عینک بھی چڑھائی ہوئی ہے۔ میں نے اسے ہانگ کانگ ائرپورٹ کے لاؤنج میں بھی دیکھا تھا لیکن اس پر دھیان نہیں دیا کیونکہ میں تمہارے امیگریشن پر روک لیے جانے کے بارے میں فکر مند تھی۔ پھر یہ بینکاک پر ٹرانزٹ مسافروں میں بھی شامل تھا۔ اسے دوبارہ دیکھ کر میرے ذہن کو ہلکا سا لاشعوری جھٹکا لگا تھا لیکن پھر میں نے اسے فراموش کردیا۔ اس نے اتنے بھرپور طریقے سے اپنا بہروپ بدلا ہوا ہے کہ بادی اُلنظر میں اسے پہچاننا ناممکن ہو کر رہ گیا ہے۔"

اس کے خاموش ہونے پر مجھے الجھن ہونے لگی "پھر تم نے کیسے اندازہ لگالیا کہ وہ ترپاٹھی ہی ہے؟"

"میں ابھی اگلے باتھ رومز کی طرف گئی تو وہ عینک اتار کر اس کے شیشے صاف کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں دیکھتے ہی میں چونک پڑی۔ مجھے سوفی صد یقین ہے کہ وہ ترپاٹھی ہی ہے۔"

"اس نے بھی تمہیں دیکھ لیا ہوگا؟" میں نے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے دیکھنا کیا معنے! ہم تو سفر کی ابتدا سے ہی اُس کی نظروں کے سامنے ہیں" وہ بولی۔

"میں یہ جاننا چاہ رہا ہوں کہ وہ ابھی تک بے خبری کے عالم میں ہے یا اُسے اندازہ ہوگیا ہے کہ تم نے اسے پہچان لیا ہے؟" میں نے خنک لہجے میں سوال کیا "اس کی نشست کہاں ہے؟"

"عینک صاف کرتے ہوئے وہ مجھے نہیں دیکھ سکا تھا" غزالہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "داہنی طرف والی قطار میں ہنگامی دروازے کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے برابر والی سیٹ خالی پڑی ہوئی تھی۔ جہاز میں گنجائش ہونے کی وجہ سے وہ شاید دونوں نشستوں پر قابض ہے۔"

"اگر تم اس بارے میں اسی قدر پُریقین ہو تو ہمیں سوچنا پڑے گا کہ وہ اپنا حلیہ تبدیل کرکے' خاص طور پر اسی پرواز سے کیوں سفر کر رہا ہے؟"

"سامنے کی بات ہے کہ اس کے ارادے خطرناک ہیں۔" سلطان شاہ نے زبان کھولی "تمام مسافروں میں صرف غزالہ ہی اسے جانتی اور پہچانتی ہے۔ اس نے خود کو غزالہ کی نظروں سے بچائے رکھنے کے لیے یہ سوانگ رچایا ہوا ہے اور وہ ہم تینوں کا پیچھا کر رہا ہے۔"

"مگر کیوں؟" میں نے سوال کیا "وہ دورانِ پرواز ہمیں قتل کرنے کی ہمت کرسکتا ہے' نہ ہمارے خلاف کوئی اور جارحانہ کارروائی کرسکتا ہے۔ وہ اور اس کے بڑے جانتے ہیں کہ کراچی میں ہم لوگ بہت زیادہ غیر معروف نہیں ہیں۔ ذرا سی بھی کوشش کرکے ہمارا سراغ لگایا جاسکتا ہے پھر وہ اتنے پاپڑ کیوں بیل رہا ہے؟"

"راوالوں کے لیے تمہاری اور غزالہ کی ذات بہت اہم ہے۔" اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا "وِرا کے دباؤ کے نتیجے میں' شری مان سنگھ' غزالہ کو نئی دہلی والوں کی قید سے رہا کرانے پر مجبور ہوگیا لیکن اب وہ لوگ دوبارہ تمہیں اغوا کرنا چاہتے ہیں' اسی لیے وہ ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

"میں بھی یہی کہہ رہا ہوں۔ وہ دورانِ پرواز ہمیں اغوا کرکے فضا میں چھلانگ نہیں لگا سکتا۔ وہ جو کچھ کرے گا' کراچی میں اترنے کے بعد ہی کرے گا۔ اس کے لیے آسان راستہ یہ ہوتا کہ کسی دوسری پرواز سے کراچی پہنچ کر' بے خبری میں ہم لوگوں کو گھیرنے کی کوشش کرتا..."

"تمہارے ذہن میں کیا خیال پیدا ہو رہا ہے؟" غزالہ میرے بشرے کے تاثرات سے میری دلی کیفیات بھانپ گئی۔

میں نے خالی خالی نظروں سے ان دونوں کی طرف دیکھا پھر سرسراتی ہوئی آواز میں کہا "میری چھٹی حس بتارہی ہے کہ یہ سیدھا سادہ تعاقب نہیں ہے' وہ کسی بڑے کھیل کی فکر میں ہے۔"

"اس نے ہمیں اور دوسرے مسافروں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو وہ خود بھی برے انجام سے نہیں بچ سکے گا۔ اس وقت ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں" سلطان شاہ تیزی سے بولا۔

"دورانِ پرواز ہم بھارتی فضائی حدود میں سے یا اس کے قرب و جوار سے گزریں گے۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "وہ طیارے کو اغوا کرکے' کسی بھارتی ہوائی اڈے تک لے جانے کی کوشش بھی کرسکتا ہے۔"

میری بات سن کر وہ دونوں ہی بری طرح چونک پڑے۔ شاید وہ امکان ان کے خیال میں نہیں تھا۔

ترپاٹھی درحقیقت انڈین سیکرٹ سروس کا آدمی تھا اور وہ لوگ ہمارے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ ترپاٹھی اپنی سرکاری شناخت کا کوئی اظہار کیے بغیر' اپنی انفرادی حیثیت میں طیارے کو بمبئی یا اس کے قرب و جوار کے کسی بھارتی ہوائی اڈے پر اتروانے میں کامیاب ہوجاتا تو انڈین حکام سے ملی بھگت کے نتیجے میں ہم تینوں کو یرغمال بنا کر جہاز اور اس کے دیگر مسافروں کو آزاد کرنے کا ڈراما رچایا جاسکتا تھا۔ بعد میں ہم تینوں کو انڈین سیکرٹ سروس کے حوالے کردیا جاتا اور بھارتی حکام عالمی رائے عامہ کو بہ آسانی یقین دلانے میں کامیاب ہوجاتے کہ طیارے کا اغوا کرنے والے دہشت گرد کا تعلق ان کے ملک میں سرگرم کسی نسلی یا لسانی گروہ سے تھا اور وہ اپنے تینوں قیدیوں سمیت ملک کے کسی حصے میں روپوش ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ وقتی طور پر ہماری مصنوعی تلاش کی ہمہ گیر مہم چلتی رہتی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ معاملہ سرد خانے کی نذر ہوجاتا۔

ان دونوں سے چند منٹ کے تبادلۂ خیال کے بعد ہی یہ نظریہ ہمارے ذہنوں میں راسخ ہوگیا کہ ترپاٹھی صرف اور صرف جہاز کو اغوا کرنے کے لیے اس پرواز سے سفر کر رہا تھا۔ اس کا مسلح ہونا بہت زیادہ بعید از قیاس نہیں تھا کیونکہ میں خود بھی بیم گن کے ساتھ اسی جہاز میں سفر کر رہا تھا۔

معاملہ فضائی سفر کا تھا اور صورتِ حال اس قدر نازک تھی کہ ہم لوگ اپنے طور پر کارروائی کرکے کسی بھی صورت میں کوئی کامیابی حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ ہم میں سے کسی کو بھی اپنے قرب

وجوار میں منڈلاتا ہوا دیکھ کر ترپاٹھی بھڑک سکتا تھا اور اس کا کوئی بھی عاجلانہ قدم پورے جہاز کی سلامتی کو خطرے میں ڈال سکتا تھا۔

"وہ سامنے بھی آجائے تو اب اس کی طرف سے ہمیں انجان بنا رہنا ہے" اپنے ذہن میں ایک خاکہ مرتب کرلینے کے بعد میں نے ان دونوں کو ہدایت دی "میں ایک چکر لگا کر ابھی واپس آتا ہوں۔" میں نے بیم گن غزالہ کے حوالے کردی۔

میں اٹھ کر آگے کی طرف چل دیا۔ غزالہ کی بتائی ہوئی دُہری نشست پر درمیانے قد اور گٹھے ہوئے مضبوط بدن والا ایک ادھیڑ عمر شخص براجمان تھا جو گنجا ہونے کے ساتھ ہی باریش بھی تھا۔ اس کی مختصر سی داڑھی کے بالوں کی مکمل سفیدی اس کی عمر اور جسم کی بناوٹ سے میل نہیں کھا رہی تھی۔ اس نے اپنی ٹانگیں پسار کر گود میں اخبار پھیلایا ہوا تھا لیکن اس کے انداز سے بے چینی اور عدم توجہی مترشح تھی۔ دور ہی سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ اخبار پڑھنے کے بجائے کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔ اس وقت بھی اس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک لگی ہوئی تھی اور وہ غالباً فرسٹ کلاس کیبن سے ہوکر کاک پٹ کی طرف جانے والے راستے کا جائزہ لے رہا تھا۔

میں اس کا سامنا کیے بغیر' فلائٹ کچن سے ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس لے کر لوٹ آیا۔

اپنی سیٹ کے قریب کھڑے ہوکر میں نے پانی کا گلاس خالی کیا' پھر عقبی حصے کی طرف چل دیا۔ میں پچھلے کچن سے دور ہی تھا کہ فضا پاکستانی کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبو سے مہکنے لگی۔ شاید مسافروں کو رات کا کھانا سرو کرنے کی تیاریوں کا آغاز کیا جاچکا تھا۔

کچن کے پردے کھنچے ہوئے تھے اور اندر عملے کے اراکین کھانے کی ٹرالیاں تیار کرنے میں مصروف تھے۔ میں نے پردہ سرکا کر ایک خوش رو خاتون کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے' ہوا بازیا کریو چیف سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس نے مجھے اپنی سیٹ پر جاکر انتظار کرنے کا مشورہ دیا۔

"معاملہ اہم اور فوری نوعیت کا ہے!" میں نے نرمی سے اصرار کیا "تاخیر نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔"

خاتون کے چہرے سے مسکراہٹ کافور ہوگئی۔ اس نے پیشانی پر کئی بل ڈال کر غور سے میری طرف دیکھا پھر اپنے کسی ساتھی سے بولی "ریاض! ذرا دیکھنا' ان کے ساتھ کیا ایمرجنسی پیش آگئی ہے۔"

ریاض نامی اسٹیوارڈ کچن سے باہر آگیا اور میری بات شروع ہونے سے پہلے بولا "سر! اس وقت ہم سب بہت مصروف ہیں۔ آپ مجھے اپنا سیٹ نمبر دے دیں' کھانا سرو کرنے کے بعد کوئی آپ کے پاس آجائے گا۔"

میں نے ڈھٹائی کے ساتھ اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اپنا دہانہ اس کے کان کے نزدیک لے جاکر دھیمے سے کہا "اس وقت تک کوئی مہم جُو کاک پٹ میں پہنچ کر طیارے کا رخ تبدیل کراسکتا ہے!"

میرے الفاظ پر اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی چلی گئیں اور وہ اضطراری طور پر میرا ہاتھ تھام کر کچن کی دیوار سے ملحق' آخری قطار کی ان چار نشستوں کی طرف بڑھ گیا جن پر سفری بیگ اور وینیٹی کیس پڑے ہوئے تھے۔ مجھے علم تھا کہ ٹریفک کا دباؤ نہ ہونے کی صورت میں وہ قطار عموماً ہر ائرلائن پر کیبن کریو کے تصرف میں ہوتی ہے۔

"وہ کون ہے؟" ریاض اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا "کہیں تم نے مجھے تو یرغمال نہیں بنالیا ہے؟ تمہاری یہ کوشش خودکشی بھی ثابت ہوسکتی ہے۔"

میں پھیکے انداز میں مسکرادیا "میں ایک امن پرور پاکستانی ہوں۔ پیشہ ورانہ مجبوریوں کی وجہ سے اپنی شناخت ظاہر نہیں کرسکتا لیکن یہ بتاسکتا ہوں کہ اس پرواز پر ایک ایسا مشتبہ بھارتی سیکرٹ ایجنٹ موجود ہے جو کسی بھی لمحے جہاز کو اغوا کرنے کی کوشش کرسکتا ہے..."

ریاض کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ میں اس کی اعصابی کیفیت کا بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا۔ اس نے کہا "تم یہیں ٹھہرو۔ میں ائرگارڈز کو بلاتا ہوں۔ عملے میں کسی اور کو بھنک مل گئی تو خوف و ہراس پھیل جائے گا۔ وہ لوگ پیشہ ورانہ انداز میں تمہاری پوری بات سن کر کوئی فیصلہ کرسکیں گے۔"

ریاض کے ہٹنے سے پہلے ہی مضبوط اور کسرتی بدن والا ایک نوجوان اپنی جگہ چھوڑ کر تیزی سے ہمارے قریب آگیا۔ اُس کی بے چین عقابی نظریں میرے بدن میں اتری جارہی تھیں۔

"کیا بات ہے؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے' سرد اور تحکمانہ لہجے میں سوال کیا۔

ریاض نے میرے بولنے سے پہلے ہی سرگوشیانہ لہجے میں اسے میرے اندیشے سے آگاہ کردیا۔

"ہوں!" نووارد غرایا "اگر میں یہ کہوں کہ تم خود بھی اس کے ساتھی ہو اور ہمیں کہیں اور الجھا کر اپنا کام کر گزرنا چاہتے ہو تو تمہارا کیا جواب ہوگا؟"

"میں سفر کے اختتام تک تمہاری تحویل یا نگرانی میں رہنے کو تیار ہوں" میں نے نہایت سکون کے ساتھ جواب دیا "لیکن میرے بتائے ہوئے مسافر کو چیک کرنا ضروری بلکہ ناگزیر ہوچکا ہے۔ وہ داہنی قطار میں آگے براجمان ہے۔"

"وہ مسلح ہے؟" نووارد پلکیں جھپکائے بغیر مجھے گھورے جارہا تھا۔ وہ کوئی اگلا قدم اٹھانے سے پہلے یہ یقین کرلینا چاہتا تھا کہ میرے عزائم میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔

"مجھے شبہ ہے لیکن میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ ایک پرانا بھارتی دہشت گرد ہے۔"

"وہ اکیلا ہی سفر کررہا ہے؟"

اس سوال نے مجھے چکرا کر رکھ دیا۔ اس بارے میں' میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اگر طیارے میں ترپاٹھی کا کوئی ساتھی بھی موجود تھا تو صورتِ حال بہت پیچیدہ ہوسکتی تھی۔ ان میں سے کس کا کیا رول ہونا تھا' اس بارے میں کوئی قیاس آرائی نہیں کی جاسکتی تھی۔ ترپاٹھی پر ہاتھ ڈالنے کے بعد بھی کچھ بھی ہوسکتا تھا۔

"ابھی تک اس کا کوئی ساتھی میری نظروں میں نہیں آسکا ہے" میں نے کھلے دل سے اعتراف کرلیا۔

"فرسٹ کلاس سے جابر خان کو بلاؤ!" نووارد نے ریاض کو ہدایت کی اور وہ لپک کر عقبی دروازے کے قریب لگے ہوئے انٹر کام کی طرف بڑھ گیا۔

اس ائرگارڈ نے قرب وجوار میں بیٹھے ہوئے مسافروں کو کسی بھی شبے کا موقع دیے بغیر چابک دستی کے ساتھ میری جامہ تلاشی لے کر یہ اطمینان کرلیا کہ میں مسلح نہیں تھا۔ اس وقت میں نے دل ہی دل میں اپنی اس عقل مندی پر خدا کا شکر ادا کیا کہ طیارے کے عملے کو اعتماد میں لینے سے پہلے' میں نے بیم گن غزالہ کے سپرد کردی تھی۔ اگر تلاشی کے موقعے پر وہ ہتھیار میری تحویل سے برآمد ہوجاتا تو میرا کھیل بالکل ہی الٹ سکتا تھا۔ ائرگارڈز میری کہانی پر یقین کرنے کے بجائے ترپاٹھی کو بھول کر میری بیخ کنی پر تُل جاتے اور مجھے امان ملنی مشکل ہوجاتی۔

ائرلائن کوئی بھی ہو' بین الاقوامی پروازوں پر اس کا عملہ عموماً گھاگ اور تجربے کار ہوتا ہے۔ جابر خان کی آمد تک جہاز کے عملے کو کسی بڑی گڑبڑ کا اندازہ ہوچکا تھا جس کے نتیجے میں فلائٹ کچن میں ہونے والی سرگرمیاں بڑی حد تک ماند پڑگئی تھیں اور ہر شخص متجسانہ انداز میں سن گن لینے کے لیے کوشاں تھا۔

جابر خان کی آمد پر پتا چلا کہ پہلے ائرگارڈ کا نام منظور تھا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی سوال جواب کرنے کی زحمت نہیں کی۔ منظور نے مجھے جابر کی تحویل میں دیا اور خود انٹر کام کی طرف چلا گیا۔ شاید وہ جہاز کے کپتان کو صورتِ حال سے آگاہ کرکے مشورہ لینا چاہتا تھا۔

جہاز پینتیس ہزار فٹ کی بلندی پر سیکڑوں میل فی گھنٹا کی رفتار سے اپنی منزل کی جانب محوِ پرواز تھا۔ جہاز میں جیٹ انجنوں کا دھیما مگر مسلسل اور یکساں شور گونج رہا تھا۔ مسافر جہاز میں شروع ہونے والے بدترین بحران سے بے خبر' سفر سے محظوظ ہونے کی کوششوں میں مصروف تھے مگر عملے کے اراکین کے چہروں سے مسکراہٹیں رخصت ہوچکی تھیں اور ان میں سے ہر ایک کے قیاسات کی سنگینی' اس کی پیشانی پر نمودار ہونے والی شکنوں کی تعداد سے بہ آسانی ناپی جاسکتی تھی۔ وہ صورتِ حال میرے لیے سب سے زیادہ اعصاب شکن تھی کیونکہ ایک طرف مجھے ترپاٹھی کے ناپاک عزائم کو ناکام بنانا تھا تو دوسری طرف اپنی ذات کو بھی ہر قسم کے شکوک وشبہات سے ماورا رکھنا تھا۔

چند ہی منٹ کی قلیل سی مدت میں' منظور جہاز کے کپتان سے اپنے کسی منصوبے کی منظوری لے آیا۔

"تم اس پر نگاہ رکھو!" منظور سپاٹ اور سرگوشیانہ آواز میں ائرگارڈ جابر خان سے مخاطب ہوگیا "میں آگے جارہا ہوں ادھر ایک مشتبہ مسافر موجود ہے۔" پھر وہ ریاض کی طرف مڑ گیا "تم میرے پیچھے آؤ گے۔ میرے ایما پر وہ آدمی جوس یا سافٹ ڈرنک کی فرمائش کرے تو اس کے گلاس میں اوزی کا ڈوزون ملا لانا۔ اُس کے ٹُن ہوتے ہی میں اُس کی جامہ تلاشی لے ڈالوں گا۔ کچھ نہ ملا تو ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ کر قریب سے اس کی نگرانی کرتے رہیں گے۔ کچھ برآمد ہوا تو پھر میں وہیں' کچن سے اس کی بے ہوشی کا اعلان کرادوں گا۔ آخری دو قطاروں کی نشستیں خالی کرا کے ہم اسے پیچھے لے آئیں گے اور پھر کراچی پہنچنے تک وہ ہوش میں نہیں آسکے گا۔ جہاز میں بہت سی جگہیں خالی ہیں۔ پیچھے والے دس' بارہ مسافروں کو آگے لانے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔"

"اوکے!" جابر خان کا چہرہ گمبھیر تھا۔ ریاض صرف سرہلا کر رہ گیا۔

میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ اوزی کے ڈوزون سے منظور کی مراد کسی خواب آور دوا کی ہلکی مقدار سے تھی۔ ان حالات میں وہی ترکیب سب سے زیادہ مؤثر اور کارگر ثابت ہوسکتی تھی۔ بصورت دیگر ترپاٹھی پورے جہاز کے مسافروں کے لیے وحشت اور سراسیمگی کی علامت بن سکتا تھا۔

منظور تیز قدموں کے ساتھ داہنی راہداری میں بڑھتا چلا گیا۔ ریاض اس سے چند قدم پیچھے تھا۔

"تم انفارمر ہو یا ہائی جیکر کے ساتھی؟" چند ثانیوں بعد جابر خان نے مجھ سے پوچھا۔

"انفارمر!" میں نے سرگوشی کی "اجازت ہو تو میں بیٹھ جاؤں؟"

اس نے سرہلا کر اجازت دیتے ہوئے کہا "یہ یاد رکھنا کہ ڈراپ سین ہونے سے پہلے اپنی جگہ سے ذرا بھی ہلے تو میں بے دریغ تمہیں شوٹ کردوں گا' ہم لوگ ہر طرف آنکھیں ہی آنکھیں رکھتے ہیں۔"

وہ دیو ہیکل ڈی سی ٹین تھا اور میں اس کی دُم کے سرے پر' آخری قطار میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہمارے آگے اس قدر وسیع کیبن پھیلا ہوا تھا کہ پیچھے بیٹھ کر آگے کا جائزہ لینا ممکن نہیں تھا۔ منظور اور ریاض میری نگاہوں سے اوجھل ہوچکے تھے۔ وقت بہت دھیمے دھیمے سرک رہا تھا اور میں آگے کی صورتِ حال کے بارے میں صرف اندازہ ہی لگا سکتا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا تھا۔

کچن سے آنے والی' برتنوں اور ٹرالیوں کی آوازیں یکسر معدوم

ہوچکی تھیں لیکن گرم خانوں سے باہر آجانے والے کھانوں کی تیز خوشبو بتدریج پورے جہاز میں پھیل چکی تھی۔ عملے کو اصل حقیقت کا علم نہیں ہوسکا تھا لیکن شاید کپتان نے اوزی کے پہلے ڈوز کے نتائج برآمد ہونے تک کھانے کی سروس معطل کرادی تھی۔

میں نے بے چینی کے ساتھ اپنی رِسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو ان دونوں کو گئے، بمشکل تین منٹ گزرے تھے۔

وقت کی رفتار گویا ایک جگہ تھم کر رہ گئی تھی۔ لمحات تھے کہ گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ اس وقت تک صحیح صورتِ حال کا علم منظور، جابر خان اور ریاض کے علاوہ، عملے کے کسی فرد کو نہیں تھا۔ کپتان سے اگر منظور نے بات کی تھی تو اس کو بھی اس صف میں شامل کیا جاسکتا تھا۔ عملے کے بقیہ اراکین نے اپنے تجربے کی بنا پر کسی خرابی کا اندازہ لگالیا تھا لیکن بقیہ مسافر پورے قصے سے یکسر لاعلم تھے۔ ان کی فرمائشوں، چہل پہل اور باتھ روم کی طرف آمدورفت کا سلسلہ حسبِ معمول جاری تھا۔ میرے قریب سے گزرنے والوں کو بھی اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ میں اس وقت ایک ائرگارڈ کی کڑی اور مسلح تحویل میں تھا۔

غزالہ اور سلطان شاہ کو یقیناً معلوم تھا کہ جہاز میں ایک خطرناک دہشت گرد موجود تھا جو کسی بھی وقت جہاز کو ہائی جیک کرنے کی کوشش کرسکتا تھا لیکن وہ دونوں بھی اس بارے میں میری انسدادی کوششوں کی نوعیت سے بالکل بے خبر تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ان دونوں میں سے کسی نے بھی پیچھے آکر یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ میں کن حالات سے دوچار تھا۔ ایک اعتبار سے ان کی وہ احتیاط درست ہی تھی کہ جہاز کے عملے میں موجود کسی بھی فرد کو میرے ساتھیوں کا خیال نہیں آسکا تھا۔

پھر اچانک ہی طیارے کے پیجنگ سسٹم پر ایک بھاری مردانہ آواز گونجنے لگی۔ اس کے تعارفی فقروں سے پتا چلا کہ وہ جہاز کا کپتان تھا۔

وہ مسافروں کو ہدایت کررہا تھا کہ پرواز کے غیر متوقع طور پر ناہموار ہونے کے خطرے کے پیشِ نظر تمام مسافر اپنی یا قریب ترین خالی نشستوں پر بیٹھ کر، اپنے حفاظتی بند باندھ لیں اور اگلے اعلان تک جہاز کی راہداریوں میں نقل وحرکت سے گریز کریں۔

مسافروں کا شکریہ ادا کرکے وہ آواز معدوم ہوئی تو میں دل ہی دل میں، جہاز کے عملے کی ہوشیاری کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ مشتبہ شخص کی کسی متوقع مزاحمت سے نمٹنے کے لیے راہداریوں وغیرہ کا صاف رہنا ضروری تھا۔ کھانے کی ٹرالیوں کی گردش کے التوا کے بعد وہ اعلان بہت برمحل بلکہ ضروری تھا۔ جس کے نتیجے میں مسافروں نے فوری طور پر اپنے کپتان کی ہدایات پر عمل کرنا شروع کردیا۔ دھات کے بکلوں کی کھٹاکھٹ کے بعد طیارے کی فضا میں کافی حد تک خاموشی پھیل گئی اور جیٹ انجنوں کی گونج کا صوتی تسلسل نمایاں ہوگیا۔

مزید دس منٹ گزر گئے۔ بے یقینی کے خوف اور سنسنی نے میرے اعصاب پر اثرانداز ہونا شروع کردیا تھا۔ طیارہ کسی بھی موسمی جھٹکے سے دوچار ہوئے بغیر بدستور سبک رفتاری کے ساتھ پرواز کررہا تھا۔ آخر ایک بار پھر طیارے کے کپتان کی آواز سنائی دینے لگی۔

وہ کہہ رہا تھا ”خواتین وحضرات! آپ کے جہاز کا کپتان ایک مرتبہ پھر آپ سے مخاطب ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے ایک مسافر کی طبیعت کچھ بگڑ گئی ہے اور وہ نیم بے ہوشی کی حالت سے دوچار ہے۔ اس وقت ہمارے ساتھ ہماری ائرلائن کے ایک ماہر بھی سفر کررہے ہیں جو پوری تندہی کے ساتھ بیمار مسافر کی دیکھ بھال کررہے ہیں۔ آپ لوگ پورے اطمینان سے اپنی نشستوں پر بیٹھے رہیں۔ تاہم ہنگامی ضرورت کے پیشِ نظر، آخری دو قطاروں کے مسافروں سے التماس ہے کہ وہ عملے کی مدد سے اگلے حصے کی خالی نشستوں پر منتقل ہوجائیں تاکہ مریض کو جہاز کے پچھلے حصے میں منتقل کرکے یکسوئی سے اس کی دیکھ بھال کی جاسکے۔ ہم اس ایمرجنسی میں آپ کے تعاون کے طلب گار ہیں اور کسی بھی زحمت کے لیے معذرت خواہ ہیں، شکریہ!“

اردو کے بعد وہی اعلان انگریزی میں دُہرایا جانے لگا۔ اس وقت میرا دل پوری قوت کے ساتھ کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔ ترپاٹھی کو جہاز کے پچھلے حصے میں لانے کی تیاریاں شروع ہوچکی تھیں جن کا مطلب تھا کہ منظور نے جامہ تلاشی کے نتیجے میں، اس کے قبضے سے کوئی مہلک ہتھیار یا دوسرا تخریبی مواد برآمد کرلیا تھا اور میری کوشش رائیگاں نہیں گئی تھی۔ کپتان نے دانش مندی کے ساتھ اس متوقع ہائی جیکر کو ایک مریض کا روپ دے کر صورتِ حال کو سنبھال لیا تھا۔ اس نے مریض کی دیکھ بھال کے لیے ڈاکٹر کے بجائے ائرلائن کے ماہر کا ذکر کرکے جھوٹ بولنے سے بھی گریز کیا تھا کیونکہ منظور اپنے پیشے کے اعتبار سے واقعی ایک ماہر ائرگارڈ تھا۔ اس نے نہایت سکون اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس خوفناک ہنگامی صورتِ حال کا انسداد کیا تھا۔

جہاز کے عملے کے اراکین، پچھلی نشستوں کے مسافروں کو آگے کی خالی نشستوں پر منتقل ہونے میں مدد دے رہے تھے۔ مسافروں میں شروع ہونے والی دبی دبی سرگوشیوں نے ایک گونج کی صورت اختیار کرلی تھی جس نے عارضی طور پر جہاز کے انجنوں کے شور کو بھی دبالیا تھا۔

چند منٹ کے بعد بے ہوش ملزم کو سبک سے اسٹریچر پر ڈال کر پیچھے لے آیا گیا۔ اس کے پورے بدن پر کمبل ڈال دیا گیا تھا۔ جہاز کے عملے کے تصرف میں موجود، درمیانی چار نشستوں کے دستے اوپر اٹھاکر، اس حصے کو بستر کی صورت دی گئی اور پھر گنجے سر اور سفید داڑھی والے ترپاٹھی کو اسٹریچر سے اس عارضی بستر پر لڑھکا دیا گیا۔ منظور کے ہاتھ میں ایک بریف کیس اور شاپنگ بیگ موجود تھا۔ شاید وہ دونوں چیزیں ترپاٹھی کی ہی ملکیت تھیں اور میں اُن کے بارے میں متجسس تھا۔

وہ منتقلی مکمل ہوتے ہی، کچن کے پردے سرکائے گئے اور کھانے کی ٹرالیاں راہداریوں میں نکل آئیں۔ جہاز کے اگلے حصے میں بھی، پھرتی کے ساتھ اسی عمل کا آغاز کیا جاچکا تھا۔

مسافروں کا ذہن بے ہوش ترپاٹھی کی طرف سے ہٹانے اور انہیں، ان کی اپنی نشستوں پر مصروف رکھنے کے لیے وہ ایک بہترین حکمتِ عملی تھی۔ مجھے ماننا پڑا کہ اس جہاز کے عملے کے اراکین کسی بھی ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے کی بہترین صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔

منظور نے اوپر کے ایک مقفل خانے سے المونیم کی مضبوط ہتھکڑیاں وغیرہ نکال کر جابر خان کی مدد سے ترپاٹھی کے ہاتھ اس کی پشت پر کرکے، ان میں ہتھکڑیاں لگائیں پھر اس کے پیروں میں بھی المونیم کی بیڑیاں ڈال کر اس کے پورے بدن کو اچھی طرح کمبلوں سے ڈھانک دیا تاکہ کوئی اور ان زیورات کو نہ دیکھ سکے۔

”اس کے یہاں لائے جانے کا مطلب ہے کہ یہ مسلح تھا؟“ موقع پاتے ہی میں نے منظور کو چھیڑا۔

منظور نے اپنی جیب سے ایک مہیب ریوالور نکال کر جابر خان کی طرف بڑھادیا اور بولا ”اس کی جیب سے اعشاریہ تین دو کا یہ بھرا ہوا ریوالور برآمد ہوا تھا اور ایک قلم نما پستول بھی تھا۔“

”اور اس کا دستی سامان!“ جابر خان نے متجسّس لہجے میں سوال کیا۔

”اسے اب دیکھنا ہوگا“ منظور نے بریف کیس اور شاپنگ بیگ ترپاٹھی کے بدن پر رکھتے ہوئے کہا ”ویسے اس پستول ہی کی بِنا پر اس کا خانہ خراب کیا جاسکتا ہے۔ دورانِ پرواز دوسرے مسافروں کے تحفظ کے لیے ہم نیک نیتی کے ساتھ کسی کے ساتھ زیادتی کر بیٹھیں تو اس پر باز پُرس نہیں ہوسکتی۔“ آخری فقرے اس نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہے تھے اور اس میں سب سے زیادہ زور نیک نیتی پر تھا۔

ترپاٹھی کے بریف کیس میں دیگر سامان کے علاوہ تین خطرناک اشیا بھی موجود تھیں۔ ان میں سگریٹ کیس کی شکل کا ایک پلاسٹک بم تھا۔ دوسرا خنجر جیسی دُہری اور تیز دھار والا چاقو تھا جس کا پھل تین انچ لمبا تھا۔ اس چاقو کا پھل بٹن دبانے پر لکڑی کے وزنی خول سے اچھل کر باہر آتا تھا۔ اور تیسری ایک بڑی شیشی تھی جس میں کسی شفاف سیال میں ہلکے بادامی رنگ کے چند بے ہنگم ڈلے پڑے ہوئے تھے۔ پہلے وہ دونوں اس شیشی کی نوعیت کو نہیں سمجھ سکے نگران کی آنکھوں سے شبہات جھلک رہے تھے۔ پھر منظور نے شیشی کا ڈھکن کھول کر اسے سونگھا تو وہ ...... بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا اور اس نے شیشی دوبارہ بند کردی۔

”مٹی کا تیل ہے“ اس نے جابر خان کو آگاہ کیا ”مجھے یقین تھا کہ یہ کوئی بے ضرر چیز نہیں ہوسکتی۔“

”لیکن اس کے اندر کیا پڑا ہوا ہے؟“ میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

”سوڈیم!“ وہ آہستگی سے بولا ”اصل خطرناک چیز یہی ہے۔ مٹی کا تیل اسے محفوظ رکھنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ واقعی کوئی بہت تجربے کار اور گھاگ دہشت گرد معلوم ہوتا ہے۔“

”لیکن سوڈیم تو لوہے، تانبے اور سونے کی طرح ایک قدرتی دھات ہوتی ہے“ میں نے اپنی الجھن کا اظہار کیا۔

”ہاں! لیکن یہ دنیا کی واحد دھات ہے جو فضا کے عام درجۂ حرارت پر آکسیجن ملتے ہی تیزی سے جل اٹھتی ہے۔ اسی وجہ سے اسے آکسیجن سے بچانے کے لیے مٹی کے تیل میں محفوظ رکھا جاتا ہے۔ یہ شیشی ٹوٹتے ہی سوڈیم آگ پکڑلیتا اور پورے کاک پٹ کو جلاکر خاکستر کرسکتا تھا۔“

”لیکن یہ سب چیزیں سیکیورٹی سے کیسے بچ گئیں؟“ میں نے حیرت سے سوال کیا۔

”غیر روایتی ہتھیاروں کے معاملے میں چُوک ہوہی جاتی ہے۔ پلاسٹک بم میں دھات نہیں ہوتی۔ ایکسرے مشین پر اسے سگریٹ کیس سمجھ لیا گیا ہوگا۔ چاقو کو بھی قلم تراش کہہ کر چھوڑا جاسکتا ہے اور سوڈیم کو تو کوئی بہت زیادہ تجربے کار شخص ہی پہچان سکتا ہے۔ چالاک مجرم، جدید ترین آلات کو عام طور پر اپنے تجربے سے ہی مات دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے آلات پر سوفیصد انحصار نہیں کیا جاتا“ منظور کا رویّہ دوستانہ ہوچلا تھا۔

”لیکن دو عدد پستول تو پکڑے جاسکتے تھے“ میں نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

”سیکیورٹی آفیسر اناڑی یا ناتجربے کار ہو تو پین پسٹل سے عموماً دھوکا کھا جاتا ہے البتہ بڑے ریوالور کا مسئلہ خطرناک ہے۔ اسے کسی کی ملی بھگت کے بغیر اندر نہیں لایا جاسکتا تھا۔ بہرحال یہ غنیمت ہے کہ تمہاری نشان دہی کی وجہ سے ہم کوئی بڑی واردات رونما ہونے سے پہلے اسے پکڑلینے میں کامیاب ہوگئے۔ اس کے قبضے سے جو سازوسامان برآمد ہوا ہے، اس کی بِنا پر یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہ ہائی جیکنگ کے ارادے سے اس جہاز پر سوار ہوا تھا۔ اب کراچی ائرپورٹ پر تمہارے بیان کے بعد ہم اسے بری طرح اپنے چنگل میں جکڑلیں گے۔“

”میں بتاچکا ہوں کہ میں اپنی پیشہ ورانہ مجبوریوں کی وجہ سے اپنی شناخت ظاہر نہیں کرسکتا، اس لیے مجھے پسِ پردہ ہی رہنے دو۔ میں کوئی بیان نہیں دینا چاہتا۔“

”لیکن ہمیں کچھ نہ کچھ تو بتانا ہی ہوگا کہ ہمیں اس مسافر پر کیوں ہاتھ ڈالنا پڑا؟“

”اپنے شبہات کی بِنا پر بھی تم کارروائی کرسکتے ہو۔ بلکہ یہ تمہارے لیے زیادہ اعزاز کی بات ہوگی۔“

پھر ترپاٹھی کے پاسپورٹ کی ورق گردانی کی باری آئی تو پتا چلا کہ اس کا پورا نام بی ایل ترپاٹھی تھا۔ پیشے کے خانے میں اسے ہومیوپیتھک ڈاکٹر ظاہر کیا گیا تھا۔ مستقل پتا بنگلور کا تھا۔ اس کے بھارتی پاسپورٹ پر بہت زیادہ غیر ملکی ویزے نہیں تھے وہ صرف تین بار ہانگ کانگ آیا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے پاسپورٹ پر پاکستان میں تین ماہ قیام کا نیا ویزا لگا ہوا تھا۔ غالباً پی آئی اے کی کراچی جانے والی کسی بھی پرواز کا ٹکٹ خریدنے کی ضرورت کے پیشِ نظر اس نے وہ ویزا لگوالیا تھا۔ میری معلومات کے مطابق ہانگ کانگ سے پاکستانی ویزا جاری نہیں کیا جاتا تھا اس لیے ترپاٹھی نے اپنی ضرورت کے پیشِ نظر جعلی ویزا لگوایا تھا جو مہروں کے مطابق نئی دہلی کے پاکستانی سفارت خانے سے پندرہ دن پہلے جاری کیا گیا تھا۔

ان شہادتوں کے سامنے آنے سے یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ پاکستان میں متعین بہت سے بھارتی سفارت کار انڈین سیکرٹ سروس کے ایجنٹ تھے اور اس کے تخریبی منصوبوں کو پروان چڑھانے کے لیے پورے پاکستان اور خاص طور پر سندھ میں سرگرم عمل تھے۔ ملا سرکار کے ذریعے بلیک کیٹس کا نام سامنے آیا تھا جو انڈین سیکرٹ سروس کا دہشت گردی کا شعبہ تھا۔ اور پھر ویرا سے معلوم ہوا کہ شری مان سنگھ انڈین سیکرٹ سروس کے ریسرچ اینڈ اینالے سس ونگ یارا کے لیے کام کررہا تھا۔ ان کے شعبوں کے نام کچھ بھی رہے ہوں، وہ لوگ پاکستان کی سلامتی اور استحکام کو تباہ کرنے پر تُلے ہوئے تھے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ٹی جیسی رسوائے زمانہ تنظیم سے مدد لینے سے بھی گریز نہیں کررہے تھے۔ میری اور ویرا کی دوستی کی وجہ سے ان کے کئی منصوبے بری طرح ناکام ہوچکے تھے، ملا سرکار اور شانتی سے لے کر شری مان سنگھ تک ان کے متعدد بہترین کارکن ہمارے ہاتھوں جہنم واصل ہوچکے تھے۔ اس لیے میں ان کا اہم ترین ہدف بن کر رہ گیا تھا۔ جب وہ غزالہ کو اغوا کرکے بھی مجھے زیر نہ کرسکے تو اب ان کے کارندے، ترپاٹھی نے پورے جہاز کو ہائی جیک کرکے مجھے بھارت لے جانے کا منصوبہ بنایا تھا، یہ ان کی بدقسمتی تھی یا میری خوش بختی کہ اس بار بھی انہیں منہ کی کھانی پڑی تھی۔

میرے معاملے میں وہ لوگ جتنی بار اپنے زخموں کا مداوا کرنے کی کوشش کرتے تھے، اتنی ہی بار انہیں نئے زخموں کو چاٹنا پڑتا تھا۔ کراچی میں قائم، بھارتی کونسلیٹ کے ذریعے غزالہ کو بھارت لے جائے جانے میں شری مان سنگھ نے کلیدی کردار ادا کیا تھا اور اسے نہایت بے رحمی کے ساتھ فضا سے سمندر کی خونی موجوں کے حوالے کردیا گیا تھا۔ دوسرا نام ترپاٹھی کا تھا جو غزالہ کو مس ترپاٹھی کے نام سے اپنے ہمراہ لے کر نئی دہلی سے ہانگ کانگ پہنچا تھا۔ ہانگ کانگ اور پھر مکاؤ میں ڈون کے ساتھ الجھنے کی وجہ سے ہم لوگ ترپاٹھی کو بالکل ہی فراموش کر بیٹھے تھے لیکن اس کی شامت نے اسے گھیر گھار کر ہمارا ہم سفر بننے پر مجبور کردیا تھا اور اب وہ ہمارے سامنے بے بس پڑا ہوا تھا۔

"یہ ائرسیکیورٹی کی تاریخ کا شاید پہلا واقعہ ہے کہ کسی مسافر کی نشان دہی پر کوئی فضائی قزاق واردات کے ارتکاب سے پہلے پکڑا گیا ہو" پوری کارروائی سے فارغ ہونے کے بعد منظور نے اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا "میں اب بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تمہیں اس پر کیسے شبہ ہوا؟"

"شبہ نہیں ہوا بلکہ مجھے پورا یقین تھا کیونکہ میں اس دہشت گرد کو اس حلیے میں پہچانتا ہوں جو اس کی پاسپورٹ پر لگی ہوئی تصویر سے ظاہر ہورہا ہے۔ اس واردات کے لیے ترپاٹھی نے اپنے حلیے میں نمایاں تبدیلیاں کی ہوئی تھیں پھر بھی وہ میری نگاہوں سے نہیں بچ سکا۔ اس کے حلیے کی تبدیلی سے ہی مجھے یقین ہوگیا تھا کہ اس کے ارادے نیک نہیں تھے۔"

"اور تمہارے بیان کے مطابق یہ انڈین سیکرٹ سروس کا تربیت یافتہ دہشت گرد ہے۔"

"یہ حقیقت ہر شبہے سے بالاتر ہے" میں نے پورے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔

اس کی ٹٹولنے والی نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں "اس کا مطلب ہے کہ تم بھی پاکستان کے کسی خفیہ ادارے سے تعلق رکھتے ہو۔ آرمی؟ نیوی، یا ائرفورس؟"

"میرا ان میں سے کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اپنی سہولت کے لیے تم مجھے ایک فرض شناس پاکستانی سمجھ سکتے ہو۔"

"پھر تمہاری خفیہ شناخت کو کس خانے میں فِٹ کیا جائے گا؟" وہ بہت سنجیدہ تھا۔

"وہ خفیہ ہے، اسے خفیہ ہی رہنے دو!" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اجازت ہو تو میں اپنی نشست پر واپس چلا جاؤں؟ یہاں میرا کام شاید ختم ہوچکا ہے اور مجھے بھوک بھی لگ رہی ہے۔"

"میں تمہیں روکنا نہیں چاہتا" میرے ساتھ وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا "ویسے تم چاہو تو میں تمہارے لیے یہیں کھانا منگوائے دیتا ہوں۔ جو کچھ چاہوگے، وہ مل جائے گا۔"

میں نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور اُس نے نہایت تپاک کے ساتھ ہاتھ ملا کر مجھے رخصت کردیا پھر ریاض اور جابر خان نے بھی ممنونیت سے لبریز انداز میں مجھے الوداع کہا اور میں اپنی سیٹ کی طرف چل دیا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ بی ایل ترپاٹھی کو غزالہ نے ہی شناخت کیا تھا لیکن اس کے بعد کے تمام اندازے میرے اپنے تھے جو پوری طرح درست ثابت ہوئے تھے۔ اس تجربے سے گزرتے ہوئے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ فضا میں ہزاروں فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے مسافروں کے لیے کسی بھی حادثے کا تصور کس

قدر دہشت ناک ثابت ہوتا ہے۔ وہ تو غنیمت تھا کہ عملے کے گنے چُنے ارکان کے علاوہ، دوسروں کو اس قضیئے کی بھنک بھی نہیں ملی تھی ورنہ جہاز میں وہ کہرام برپا ہوتا کہ اس پر قابو پانا ناممکن ہوکر رہ جاتا۔ مسافروں کے ذہنوں پر پہلی وہشت جہاز کی تباہی کی ہوتی جس کے نتیجے میں کسی ایک فرد کا بھی بچنا محال ہوتا ہے۔ اتنی بلندی پر حادثہ ہو تو نہ صرف لاشوں کے اعضا چیتھڑوں کی صورت میں بکھر جاتے ہیں بلکہ جل کر کوئلہ بھی ہوجاتے ہیں اور حادثہ ٹل جائے تو ہائی جیکروں کی بالادستی کے نتیجے میں مسافروں کو قید، بے یقینی اور بھوک پیاس کی جن ہولناک اذیتوں سے گزرنا پڑتا ہے اس کا مبہم سا تصور ہر فضائی مسافر کے لاشعور میں موجود رہتا ہے جو کوئی منفی امکان پیدا ہوتے ہی لرزہ خیز آسیب کا روپ دھار لیتا ہے۔

میری پیش بینی کی بنا پر اس پرواز کے مسافران وحشت ناک تجربات سے صاف بچ نکلے تھے۔

میں اپنی نشست پر پہنچا تو غزالہ کے ساتھ سلطان شاہ بھی میری طرف سے پریشان تھا۔ جہاز میں ہونے والی کارروائیوں سے انہوں نے یہ اندازہ تو لگالیا تھا کہ ترپاٹھی کے ستارے گردش میں آگئے تھے لیکن میری طویل ہوتی ہوئی غیر حاضری ان کے لیے تشویش کا باعث بنی ہوئی تھی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم صحیح سلامت واپس لوٹ آئے!" غزالہ نے مجھے دیکھتے ہی ایک گہرا سانس لے کر کہا "مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم بھی کسی چکر میں نہ پھنس گئے ہو، اُس گنجے کا کیا بنا؟"

"وہ خواب آور دوا کے زیرِ اثر بے ہوش ہے۔ احتیاطاً اسے بے بس بھی کردیا گیا ہے۔ اب کراچی میں حکام کی باضابطہ قید میں پہنچنے سے پہلے اسے ہوش میں نہیں آنے دیا جائے گا۔"

"لیکن ہوا کیا؟ اسے کسی مزاحمت کے بغیر کیسے قابو میں کرلیا گیا؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"مجھے ائرگارڈز کو اپنا ہم نوا بنانے میں تھوڑی سی دقت پیش آئی۔ اس سے آگے تمام کام بہت سرعت اور آسانی کے ساتھ ہوتا چلا گیا۔ اسے کسی مشروب میں خواب آور دوا ملا کر دی گئی تھی۔"

"کسی مسافر کی نیم بے ہوشی کا اعلان سنتے ہی مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ ترپاٹھی ہوگا" سلطان شاہ نے فخریہ لہجے میں کہا "ہمارا ہانگ کانگ کا مشن دراصل اب مکمل ہوا ہے۔"

جہاز کے عقبی حصے میں ائرگارڈز کے ساتھ میری موجودگی کی وجہ سے جہاز کے عملے نے اندازہ لگالیا تھا کہ ان واقعات میں میرا کوئی اہم کردار تھا۔ اس لیے ہم تینوں کو نہایت اہتمام کے ساتھ کھانا دیا گیا لیکن کسی بھی ائرہوسٹس نے اس بارے میں کوئی سوال کرنے کی حماقت نہیں کی۔

صورتِ حال پوری طرح قابو میں کی جاچکی تھی۔ اس لیے کھانے کے دوران میں ہی اگلے حصے سے جہاز کا کپتان نمودار ہوا اور ہلکی سی خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ پیچھے بڑھتا چلا گیا۔ کھانے کے آخری مرحلے پر جب چائے اور کافی کا دَور چل رہا تھا تو اس کی واپسی ہوئی۔ اسٹیوارڈ ریاض اس کے پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا۔ وہ دونوں ہی میرے پاس رک گئے پھر کپتان نے میری سیٹ کی پشت گاہ پر ہاتھ رکھ کر میرے قریب جھکتے ہوئے میری مزاج پُرسی کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔ چند منٹ تک گول مول فقروں میں میری فرض شناسی اور کارکردگی کی تعریفیں کرتا رہا اور آخر کار مجھے کاک پٹ میں آنے کی دعوت دیتا ہوا واپس چلا گیا۔

غزالہ اور سلطان شاہ کے ذہنوں میں متعدد سوالات مچل رہے تھے۔ میں چائے نوشی کے دوران میں، مزے لے لے کر اُن کے سوالات کے جواب دیتا رہا لیکن میرے ذہن میں آنے والے واقعات کا خاکہ مرتب ہورہا تھا۔

یہ امر لازمی تھا کہ ہمارے طیارے کا کپتان کراچی کے کنٹرول ٹاور کی حدود میں داخل ہوتے ہی انہیں پوری صورتِ حال سے باخبر کردیتا اور جب طیارہ لینڈنگ کے بعد رکتا تو رن وے پر ترپاٹھی کے استقبال کے لیے اعلیٰ حکام سمیت پولیس اور ائرپورٹ سیکیورٹی فورس کی بھاری نفری موجود تھی۔ ابتدائی تفتیش کے بعد ترپاٹھی کو شاید اس علاقے کی پولیس کی تحویل میں دے دیا جاتا لیکن میں جانتا تھا کہ وہ اصل میں آئی ایس آئی یا انٹر سروسز انٹیلی جنس کا کیس تھا۔ وہی لوگ ترپاٹھی کی زبان سے سچ اگلوا سکتے تھے۔ وہ ایک بار آئی ایس آئی کی تحویل میں چلا جاتا تو اس امر کا بھی قوی امکان تھا کہ کسی مرحلے پر اسپیشل ٹاسک فورس والوں کو بھی شریک کرلیا جاتا کیونکہ غیر سرکاری طور پر وہ لوگ ملا سرکار اور شری مان سنگھ کے معاملات میں پوری طرح ملوث رہے تھے۔

دشمن کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اسے ایسی جگہ مارا جائے جہاں پانی بھی نہ ملے مگر ہمارے بھارتی حریفوں کے معاملے میں یہ محاورہ بالکل غلط ثابت ہورہا تھا۔ دریائے سندھ میں اباسین نامی جہاز سے کی جانے والی، منظم اور تباہ کن کارروائیوں کے نتیجے میں ملا سرکار نے اپنی اسپیڈ بوٹ سکھر کے پُل کے ایک ستون کی سنگلاخ بنیاد سے ٹکرادی تھی اور اس کی لاش کے چیتھڑے دریائے سندھ کے ستھرے اور میٹھے پانی میں دور تک بکھر گئے تھے۔ پھر شری مان سنگھ کا وقت پورا ہوا تو اسے بحیرۂ عرب کا نمکین اور بھاری پانی نصیب ہوا جو انسانی لاشوں کو زیادہ دیر تک اپنے سینے میں چھپائے رکھنے کی صلاحیت سے محروم تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ ترپاٹھی کا مدفن کہاں قرار پاتا تھا۔ میری دانست میں تو وہ کسی گٹر یا گندے جوہڑ کا ہی مستحق تھا۔

جب ہمارا جہاز بھارتی علاقے پر سے گزر رہا تھا تو میں کپتان کی دعوت کے احترام میں اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک ائرہوسٹس کے ساتھ جہاز کے کاک پٹ میں جا پہنچا۔ نیچے سے اوپر تک، سیکڑوں روشن ڈائل اور متحرک سوئیاں نہایت مرعوب کن انداز میں جہاز

کے انجنوں اور دیگر حصوں کی کارکردگی ظاہر کررہی تھیں۔ اس پیچیدہ نظام میں کپتان اور اس کا معاون مشینی روبوٹس کی طرح نظر آرہے تھے۔ کپتان نے اپنا ہیڈ فون اتار کر بڑی گرم جوشی کے ساتھ مجھے خوش آمدید کہا لیکن اس حساس اور گنجلک کاک پٹ کے لوازم دیکھتے ہی مجھ پر دہشت سوار ہونے لگی تھی۔ مجھے پہلا خیال یہ آیا کہ اگر میں نے بے دھیانی میں کسی غلط بٹن یا لیور کو چھیڑ دیا تو جہاز پر کوئی آفت بھی نازل ہوسکتی تھی۔ میں کپتان سے مختصر سی گفتگو کرکے فوراً ہی واپس لوٹ آیا۔

بقیہ سفر کسی ہنگامے کے بغیر نہایت سکون سے گزر گیا۔ کھانے کے برتن سمیٹے جانے کے بعد جہاز کی اندرونی روشنیاں دھیمی کردی گئی تھیں اور بیشتر مسافر ستانے میں مصروف ہوگئے تھے۔ تمباکو نوشی کے عادی مسافر دل کھول کر دھواں اُڑا رہے تھے اور جہاز کا عملہ مسافروں سے فرداً فرداً ڈیوٹی فری خریداری کے بارے میں فرمائشیں نوٹ کررہا تھا تاکہ ڈیوٹی فری سیل کا آغاز ہو تو ٹرالیوں میں مطلوبہ سامان وافر مقدار میں موجود ہو اور خریدار انتظار کیے بغیر اپنی پسند کی اشیا لے سکیں۔

ان ہی چھوٹی چھوٹی مصروفیات میں وقت گزرتا رہا اور پھر جہاز میں کراچی پہنچنے کا خوشگوار اعلان گونجنے لگا۔

○☆○

فلیٹ کی چابی میرے پاس موجود تھی لیکن ہفضی قفل کھولنے کے بعد بھی دروازے نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی تو غزالہ منہ بنا کر بولی "معلوم ہوتا ہے کہ ویرا خانم اندر استراحت فرمارہی ہیں۔"

میں نے زینوں میں لگے ہوئے بلب کی مدّھم روشنی میں اسے گھورا اور آہستہ سے کہا "اس کے سامنے ایسی کوئی جلی کٹی بات نہ کرنا۔ تم اس کی تنگ دلی کا خمیازہ دوبار بھگت چکی ہو۔ میں یہ نہیں چاہوں گا کہ تم دونوں کے درمیان تیسری بار بھی تلخیاں جنم لیں۔"

"میں نے اس سے کوئی شکوہ نہ کیا تو وہ میرے غیر فطری ردِّ عمل سے چونک جائے گی۔ اسے تھوڑی بہت خوراک تو دینی ہی ہوگی۔ البتہ میں کوشش کروں گی کہ زیادہ بدمزگی کی صورتِ حال رونما نہ ہو۔"

"بس یہی میں چاہتا ہوں۔ ہمیں اپنے وسیع تر مفادات کے لیے اب بھی اس کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ بنا کر رکھنے میں ہم فائدے میں رہیں گے" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا پھر ڈور بیل کے بٹن پر ہولے سے انگلی رکھ کر ہٹالی۔ فلیٹ کی محدود فضا میں گھنٹی کی آواز گونجی۔ چند ثانیوں تک اندر سکوت چھایا رہا پھر قدموں کی چاپ کے ساتھ ہی ویرا کی خوابناک آواز میں استفسار سنائی دیا۔

"کون ہے؟" وہ اردو میں پوچھ رہی تھی۔

"پردیس سے تمہارے دوست آئے ہیں، دروازہ کھولو!" میں نے جواب دیا۔

بولٹ گرنے کی آواز کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ اس وقت رات کے بارہ بج چکے تھے اس لیے ویرا کے بدن پر شب خوابی کا لباس نظر آرہا تھا۔ اُس کے بال قدرے بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے، خوبصورت آنکھوں میں خمار کے سرخ سرخ ڈورے تیر رہے تھے جس کی وجہ سے اس کا خداداد حسن کچھ زیادہ ہی نکھرا نکھرا نظر آرہا تھا۔

"اوہ! تو تم واقعی وہاں سے نکل بھاگنے پر تُلے بیٹھے تھے!" اس نے ہم تینوں کو اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے حیرت سے کہا "مجھے تمہاری اتنی جلد واپسی کی امید نہیں تھی۔"

"لمبی کہانی ہے" میں نے اس سے ہاتھ ملا کر اندر داخل ہوتے ہوئے کہا "ہم وہاں سے نکلنے میں ذرا بھی تاخیر کرتے تو ڈون ہمیں کولہو میں پلوا سکتا تھا۔ اس کا مزاج گھڑی میں تولہ اور گھڑی میں ماشہ ہوجاتا ہے۔"

میرے پیچھے غزالہ فلیٹ میں داخل ہوئی تو ویرا نے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگالیا۔ غزالہ کا رویّہ نیم دلانہ تھا۔ اس نے کسی جوابی گرم جوشی کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"کیا بات ہے؟ تمہارے ہاتھ پیر تو بالکل ہی ڈھیلے پڑے ہوئے ہیں؟" غزالہ کی سردمہری کو محسوس کرتے ہوئے، ویرا نے اسے جھنجوڑ کر رکھ دیا "مجھ سے کچھ ناراض معلوم ہوتی ہو؟"

"تو کیا مجھے تمہاری کمر میں ہاتھ ڈال کر ٹوئسٹ ناچنا شروع کردینا چاہیے؟" غزالہ کا لہجہ خشک تھا۔

"میرا خیال تھا کہ میں نے تمہاری آزادی کی بھرپور کوششیں کرکے اپنی جذباتی غلطی کا ازالہ کردیا ہے" ویرا نے اسے چھوڑ کر سلطان شاہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اور فلیٹ کا دروازہ دوبارہ بولٹ کردیا۔

"ڈینی کا بھی یہی خیال ہے۔ ان دونوں کے سمجھانے پر میں نے اپنا دل صاف کرنے کی کوشش کی ہے لیکن تم جانتی ہو کہ کسی بھی انسان کا دل مشین کے پُرزے کی طرح نہیں ہوتا جسے حسبِ خواہش کسی محلول میں دھو کر صاف ستھرا کیا جاسکے۔ تم پر نگاہ پڑتے ہی میرے زخم تازہ ہوگئے ہیں۔"

"خیر، اب اسے بھولنے کی کوشش کرو!" میں نے غزالہ کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا "ویرا اپنی بری عادتوں سے مجبور ہے ورنہ یہ دل کی اتنی بری نہیں ہے۔ اس کی کوششیں نہ ہوتیں تو اس بار تمہیں نئی دہلی والوں کے چنگل سے رہائی نہیں مل سکتی تھی اور پھر ڈون جیسا خونخوار آدمی تمہارے لیے میدان میں اتر آیا تھا۔"

ہم چاروں ہی ٹہلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آبیٹھے۔ ویرا نے اپنی آمد کے بعد فلیٹ کے ہر حصے کو صاف ستھرا رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی کیونکہ فرنیچر کے ساتھ قالین بھی خوب چمک رہا تھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ شری مان سنگھ تمہیں دہلی سے نکالے گا؟" ویرا اپنے رویے پر نادم اور شرم سار نظر آرہی تھی۔ "لیکن تم غور کرو تو اس کے حرامی پن میں بھی اچھائی کی ایک صورت پنہاں تھی۔ یہ واقعات رونما نہ ہوئے ہوتے تو شاید ابھی تک تم دونوں کی شادی کی نوبت نہ آئی ہوتی۔ ایسی زبردستی ڈون جیسا آدمی ہی کرسکتا تھا۔"

ہم چاروں ہی بیک آواز ہنس پڑے اور وہ موضوع وہیں ختم ہوگیا۔

ویرا کی آنکھوں سے نیند غائب ہوچکی تھی۔ ہم تینوں بھی ایک طویل دن گزارنے کے باوجود زیادہ تکان محسوس نہیں کررہے تھے۔ ڈون کے پھندے سے بچ کر، کراچی پہنچنے کی خوشی نے ہر منفی پہلو ذہن سے محو کردیا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ طویل فضائی سفر کا جیٹ لیگ بھی ہمیں پریشان نہیں کررہا تھا حالانکہ ہمارے ہانگ کانگ کے معمولات کے مطابق صبح کے چار بجنے والے تھے لیکن اپنے گھر میں موجودگی کی طمانیت نے وقت کا وہ فرق بھی مٹادیا تھا۔

غزالہ چائے تیار کرنے کے لیے کچن میں چلی گئی اور ویرا نے متجسس انداز میں مکاؤ اور ڈون کے بارے میں سوالات کی یلغار کردی اور میں پوری احتیاط کے ساتھ اس کے سوالات کے جواب دینے لگا۔

جب ہانگ کانگ سے میں نے آخری مرتبہ ویرا سے فون پر بات کی تھی تو مافیا کا کوئی حوالہ دیے بغیر نیشی کاؤ کے قتل کا ذکر کردیا تھا مگر ویرا نیشی کاؤ کے بارے میں بہت زیادہ باخبر تھی۔ اس نے نیشی کاؤ کا نام سنتے ہی شکاگو اور مافیا کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ اس وقت تک ڈون کا فون نہیں آیا تھا اور ہمیں ہانگ کانگ میں کسی قسم کا کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا اس لیے اس بارے میں ویرا سے کوئی بات کرنے کا جواز ہی نہیں تھا۔

اس سے باتیں کرتے ہوئے اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ ڈون کے ساتھ اس کے خصوصی مراسم تھے۔ بظاہر وہ دونوں ہی شی کے وفادار تھے اور ڈون وقتی طور پر ویرا سے ناراض ضرور تھا لیکن کسی بھی وقت ان دونوں میں رابطہ ہوسکتا تھا۔ ڈون کے پاس ہمارے اس فلیٹ کا فون نمبر موجود تھا اور عین ممکن تھا کہ ہانگ کانگ میں البرٹ کم کے قتل اور وہاں سے ہمارے فرار کی خبر پاتے ہی ڈون کا پارہ چڑھ جاتا اور وہ غضب ناک ہوکر ویرا سے رابطے کے لیے فلیٹ فون کرکے اسے گھیر لیتا۔ اگر ہم ان واقعات کو چھپا لیتے اور ڈون کی کال ویرا کے لیے سنسنی خیز انکشافات پر مبنی ثابت ہوتی تو ہمارے اور ویرا کے درمیان سنگین بدگمانیاں پیدا ہوسکتی تھیں۔

اس خطرے کو ٹالنے کی بہترین صورت یہی تھی کہ ڈون کا شکایتی فون آنے سے پہلے ہم خود ہی ویرا کو ان تمام واقعات سے آگاہ کردیتے جو ویرا سے فون پر بات ہونے کے بعد ہانگ کانگ میں رونما ہوئے تھے۔

لیکن پورا پورا سچ ہمارے اقبالی بیان کے مترادف ہوتا۔ اس وقت تک ویرا کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ میں اپنی ناگزیر مجبوریوں کی وجہ سے مافیا والوں سے مفاہمت کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ اسے صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ مافیا والے ازخود مجھے شی سے تحفظ فراہم کررہے تھے تاکہ میرا دل جیت کر کسی مرحلے پر مجھے اپنا ساتھی بناسکیں۔ اب اگر اسے سچ ہی بتایا جاتا تو وہ فطری طور پر یہ جاننے کی کوشش کرتی کہ اگر نیشی کاؤ کے قتل میں ہمارا کوئی کردار نہیں تھا تو ڈون کی زبان سے اٹلی سے آنے والوں کا ذکر سن کر ہم حواس باختہ کیوں ہوگئے تھے؟ اور وہ بھی اس حد تک کہ ہانگ کانگ سے نکل بھاگنے کے لیے ہم نے ڈون کے ایک قابلِ اعتماد کارکن کو مار ڈالا تھا۔

گفتگو ایک ایسے نازک موڑ پر آچکی تھی کہ وہاں سے بات بگڑ بھی سکتی تھی اس لیے میں نے سوچنے کا وقت حاصل کرنے کے لیے اسکاچ کی طلب کا بہانہ کیا اور بوتل لانے کے لیے وہاں سے اٹھ گیا۔

"میں تمہارے لیے چائے بنارہی ہوں اور تم نے پھر اپنی حرکتیں شروع کردی ہیں!" مجھے کیبنٹ میں مصروف دیکھ کر غزالہ نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"راستے بھر ہماری عقل پر پردے پڑے رہے" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "اب ہم ڈون کی مرضی کے خلاف ہانگ کانگ سے فرار اور البرٹ کم کے قتل کے بارے میں ویرا کو کیا بتائیں گے؟ اسی سوچ بچار کے لیے میں نے اسکاچ کا بہانہ کیا ہے ورنہ مجھے اس کی ذرا بھی خواہش نہیں تھی۔"

"تم!" غزالہ دانت پیس کر رہ گئی "یہ مسئلہ واقعی سنگین ہے لیکن میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ تمہیں شراب کی کوئی خواہش نہ ہو، یہ بات ناقابلِ یقین ہے۔ تمہارا بس چلے تو سوتے ہوئے بھی سائفن سے گھونٹ گھونٹ پیتے رہو۔ دیکھتی ہوں کہ یہ پینے کے بعد تمہاری کھوپڑی کیا گل کھلاتی ہے؟"

"تم بلاوجہ برہم ہورہی ہو" میں نے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔

"میں اتنا بدنیت نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہی ہو" یہ کہہ کر میں نے بلیک لیبل کی کھلی ہوئی بوتل، سوڈے کی بوتل، آئس پاٹ، سائفن اور دو گلاس سنبھالے اور غزالہ کے مزید احتجاج سے پہلے ہی، تیزی کے ساتھ کچن سے نکل گیا۔

"یہ کیا اٹھالائے ہو؟" مجھے دیکھتے ہی ویرا نے حیرت سے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا سونے کا ارادہ نہیں ہے۔"

"معدے میں ذرا سی گری ہو تو کھوپڑی نرم ہوجاتی ہے اور کھُل کر نیند آتی ہے" میں نے جلدی جلدی دونوں گلاس تیار کرتے ہوئے کہا "اب تم غزالہ کے ساتھ نہ مل جانا۔"

"یہ دراصل پی آئی اے سے سفر کا نتیجہ ہے" سلطان شاہ نے استہزائیہ لہجے میں کہا "بنکاک سے یہاں تک طویل پرواز میں مسلسل فاقے کے بعد یہ ہوکا ہونا لازمی ہے اور پھر سفر بھی خاصا

تہلکہ خیز رہا کیونکہ شری ترپاٹھی بھی اسی جہاز پر ہمارے ہم سفر تھے...“

سلطان شاہ کی اس بے وقت کی راگنی پر میرا خون کھول اٹھا۔ ترپاٹھی کا نام لے کر اُس نے ویرا کو بری طرح چونکا دیا تھا اس لیے میں نے غصیلی نگاہوں سے گھورتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ ”معلوم ہوتا ہے کہ ترپاٹھی کی دہشت ابھی تک تمہارے سر پر سوار ہے۔ اول فول بکنے سے بہتر ہے کہ منہ میں تھرمامیٹر لے کر پندرہ منٹ کے لیے سر کے بل کھڑے ہو جاؤ تاکہ دماغ کی طرف بھی کچھ تازہ خون پہنچ سکے۔“

میرے بے رحمانہ تبصرے پر سلطان شاہ بھونچکا ہو کر میرا منہ دیکھتا رہ گیا لیکن اسے خاموش رکھنے کے لیے میری سختی ناگزیر ہو گئی تھی۔ میں فوراً ہی ویرا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ حیرت اور دلچسپی کے ساتھ کہہ رہی تھی ”تو آخر ترپاٹھی بھی تم سے ٹکرا ہی گیا۔ کمال ہے کہ تم نے ابھی تک اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔“

”اس نے ہمارے لیے ناقابلِ بیان دشواریاں کھڑی کردی تھیں“ میں نے اسکاچ میں تیرتے ہوئے برف کے ڈلوں پر سائفن سے سوڈے کی دھاریں مارتے ہوئے کہا ”ہو سکتا ہے کہ ڈون ہم سے برہم ہو جائے کیونکہ ہم افراتفری کے عالم میں اس سے بات کیے بغیر ہانگ کانگ سے نکلے ہیں۔“

میرے ان فقروں پر سلطان شاہ کا بگڑا ہوا چہرہ فوری طور پر بحال ہو گیا اور وہ گھور اندھیرے سے تیز روشنی میں پھینکے گئے کسی اُلو کی طرح تیزی سے اپنی آنکھیں جھپکانے لگا تھا۔

”ادھوری باتیں نہ کرو!“ ویرا اپنا گلاس اٹھاتے ہوئے مضطربانہ لہجے میں بولی ”پوری کہانی سناؤ! ڈون بھلا کیوں ناراض ہونے لگا؟ اس نے تو تمہیں مکاؤ سے رخصت کر ہی دیا تھا۔“

میں نے اپنے گلاس سے ایک بڑا گھونٹ اپنے معدے میں منتقل کیا پھر اپنے ذہن میں تیزی کے ساتھ ایک کہانی کا تانا بانا بُنتے ہوئے کہا ”تم سے بات ہونے کے بعد ڈون کا فون آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ نیشی کاؤ کی فرم کے دو اعلیٰ افسران اٹلی سے مکاؤ آنے والے تھے۔ وہ دوسرے لوگوں کے علاوہ ہم سے بھی ملنا چاہتے تھے۔ ڈون کی خواہش تھی کہ ہم چند روز کے لیے اپنی روانگی ملتوی کردیں۔ میں نے اس سے وعدہ کرلیا تھا لیکن بعد میں ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ ہم فوراً ہانگ کانگ سے نہ نکلتے تو ترپاٹھی کے ساتھی ہمیں وہیں ذبح کر ڈالتے۔“

اسی وقت غزالہ بھاپ اُڑاتی ہوئی چائے کی دو پیالیاں لے کر وہاں آ گئی۔ اس نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ ویرا چائے پینے کے بجائے مے نوشی میں میرا ساتھ دینا پسند کرے گی۔

”یہ ترپاٹھی اچانک کہاں سے آ گیا؟ وہ تو غزالہ کو ہانگ کانگ پہنچانے کے بعد واپس جانے والا تھا۔ کم از کم شری مان سنگھ نے مجھے یہی بتایا تھا کہ ایک آدمی غزالہ کو بحفاظت ہانگ کانگ پہنچانے کے بعد نئی دہلی واپس لوٹ جائے گا“ ویرا نے بھی ایک گھونٹ لینے کے بعد حیرت سے کہا۔

”غزالہ کو پہنچانے کے بعد وہ خبیث واقعی روپوش ہو گیا تھا۔ آج اچانک ہی اس نے مجھے فون کیا تھا۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ ڈون نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اس نے ہم لوگوں کو ہانگ کانگ میں یارومددگار نہیں چھوڑا ہوا ہے بلکہ اس کا کوئی آدمی مسلسل خفیہ حفاظت پر مامور ہے تاکہ ہمیں ہانگ کانگ کے بدمعاشوں سے بچائے رکھے۔ اُس کال کے چند منٹ بعد ترپاٹھی کی کال آئی تھی۔ اس کی باتوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے میری اور ڈون کی گفتگو سنی ہو۔ اس نے کھلے الفاظ میں دھمکی دی کہ ڈون کا راج صرف مکاؤ میں چلتا ہے۔ ہانگ کانگ میں وہ ہمیں ذرا سا بھی تحفظ فراہم نہیں کر سکے گا۔ اس نے کہا کہ وہ ڈون کے آدمی کو ذبح کر کے اس کی لاش مکاؤ بھجوا دے گا اور ہم دونوں کے گلے میں رسی باندھ کر ہمیں نئی دہلی لے جائے گا۔ ان لوگوں نے غزالہ کا چارا پھینک کر مجھے سامنے آنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جو کام پاکستان میں پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچایا جا سکا، اس کے لیے ہانگ کانگ کا انتخاب کرلیا گیا تھا۔“

میں نے خاموش ہو کر پھر ایک گھونٹ لیا تو ویرا مجھ سے ہمدردی جتانے لگی۔ ”یہ تو بڑی بھیانک صورتِ حال تھی۔ یہ غنیمت ہی ہے کہ تم تینوں وہاں سے صحیح سلامت لوٹ آئے۔ مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ انڈین سیکرٹ سروس والے تمہیں آسانی کے ساتھ فراموش نہیں کرسکیں گے۔“

”میں اس بارے میں ڈون کو اعتماد میں لینا چاہتا تھا لیکن ایسا نہیں کرسکا“ میں نے معصومیت کے ساتھ کہنا شروع کیا ”مجھے ڈر تھا کہ ترپاٹھی دوبارہ میری فون کال سن لے گا اور میرے پورے پروگرام سے آگاہ ہو جائے گا۔ اُس وقت تک ہم میں سے صرف غزالہ ہی ترپاٹھی کو پہچان سکتی تھی جب کہ ہم دونوں کے لیے وہ نادیدہ دشمن تھا۔ ہم نے ہوٹل کی انتظامیہ کو آگاہ کیے بغیر وہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کرلیا۔ ہم مکاؤ کی راہ لیتے تو کھیل بہت طول پکڑ لیتا۔ پھر مکاؤ بھی اجنبی شہر تھا جہاں ہم ڈون اور اُس کے آدمیوں کے رحم و کرم پر ہوتے اس لیے ہم نے پہلی پرواز سے کراچی آنے کا ارادہ کرلیا۔ ہانگ کانگ اور پھر بنکاک سے روانہ ہونے تک ہمیں کہیں بھی ترپاٹھی کی جھلک تک نظر نہیں آئی تھی مگر پھر دورانِ سفر ہی جہاز میں ایک نیا ڈراما شروع ہو گیا۔ ائرگارڈز نے مشتبہ حرکات و سکنات کی بنا پر ایک مسافر کو خاموشی کے ساتھ بے ہوش کر کے اپنی تحویل میں لے لیا۔ دوسرے مسافروں کو اس کی بیماری کی اطلاع دی گئی تھی لیکن مجھے کسی گڑبڑ کا شبہ ہو چکا تھا۔ اس کے بالکل بدلے ہوئے حلیے کی وجہ سے ابتدا میں غزالہ بھی اس قیدی مسافر کو نہیں پہچان سکی لیکن جب ائرگارڈز نے اس کے چہرے پر سے تاریک شیشوں کی عینک اتاری تو باتھ روم جاتے ہوئے غزالہ کو ایک مرتبہ پھر اُسے دیکھنے کا موقع مل گیا اور اس بار آنکھوں کی ساخت سے اس نے پہچان لیا کہ وہ ترپاٹھی ہی تھا۔ جہاز کے عملے نے مسافروں کو کسی بھی گڑبڑ سے پوری طرح بے خبر رکھنا چاہا تھا لیکن میں کسی نہ کسی طرح یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ اس مسافر کا نام بی ایل ترپاٹھی تھا۔ اس کے قبضے سے ایک بھرا ہوا ریوالور اور متعدد دوسرے مہلک ہتھیار برآمد ہوئے تھے۔ شبہ تھا کہ وہ موقع پا کر اس جہاز کو ہائی جیک کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ غالباً وہ جہاز کو کسی انڈین ہوائی اڈے پر اتروا کر ہم تینوں کو پکڑنے کا مشن لے کر ہمارے ساتھ سفر کر رہا تھا لیکن ہماری خوش قسمتی سے اس کا منصوبہ بُری طرح ناکام ہو گیا۔“

”پھر؟... پھر کیا ہوا؟“ میری کہانی نے ویرا کو متحیر کر کے رکھ دیا تھا۔

غزالہ اور سلطان شاہ کی حالت بھی بہت زیادہ مختلف نہیں تھی۔ غالباً وہ دونوں یہ سوچ کر حیران ہو رہے تھے کہ میں نے اصل واقعات کو اس قدر مربوط انداز میں نیا رنگ کیسے دے ڈالا تھا؟

”پھر کیا ہونا تھا؟“ میں نے اپنا گلاس خالی کر دیا ”وہ لینڈنگ تک ہوش میں نہیں آ سکا تھا۔ ہم لوگ جہاز سے اترے تو ایمبولینس کے ساتھ ہی سیکیورٹی فورسز کی بھاری نفری اور متعدد گاڑیاں بھی موجود تھیں۔ اب تک وہ کسی سرکاری مہمان خانے میں پہنچایا جا چکا ہو گا۔“

”اوہ گاڈ!“ ویرا دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر بولی ”تم جہاں قدم رکھتے ہو، وہاں متحیرانہ اور سنسنی خیز واقعات جنم لینا شروع کر دیتے ہیں۔ کون سوچ سکتا تھا کہ ترپاٹھی اپنی مرضی سے پاکستان پہنچ جائے گا؟ اب تم اسپیشل ٹاسک فورس والوں کے ذریعے اپنے حکام کو ترپاٹھی کی اصلیت سے آگاہ کر سکتے ہو۔“

”اس کی ضرورت ہی نہیں ہے؟“ میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا ”اس کا جرم بہت سنگین ہے۔ وہ شرافت سے اپنے عزائم کا اعتراف نہیں کرے گا۔ جب اس کے مقاصد کی جستجو میں، اس پر اعلیٰ معیار کی تھرڈ ڈگری کا آغاز کیا جائے گا تو بہت جلد بولنے پر مجبور ہو جائے گا۔ ہمیں دخل دینے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔“

”اور تمہاری حفاظت پر مامور، ڈون کے آدمی کا کیا بنا؟“ ویرا نے چونک کر سوال کیا۔

”ہمیں کیا پتا؟“ میں نے پوری بے ساختگی کے ساتھ کہا ”اس بے چارے سے تو ہماری ملاقات ہی نہیں ہو سکی۔ خدا کرے کہ ترپاٹھی یا اُس کے درندے اس بے چارے پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب نہ ہو سکے ہوں۔“

”آمین!“ سلطان شاہ ... بھرائی ہوئی آواز میں بولتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا ”واقعات کا بھیانک تسلسل اب میری سمجھ میں آیا ہے۔ ورنہ میں چکرایا ہوا تھا۔ یہ سب سن کر تو میری عقل میں مروڑ ہونے لگی ہے۔“

”عقل میں مروڑ؟“ ویرا نے سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے بُرا سا منہ بنایا ”اردو میں ایسا جملہ میں پہلی بار سن رہی ہوں، کیا یہ ٹھیک کہہ رہا ہے؟“ آخری سوال اُس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

”یہ اہلِ زبان نہیں ہے“ میں نے جلدی سے کہا ”بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں سن کر دماغ پھٹنے لگتا ہے۔ ایسا صرف محاورے کی حد تک ہوتا ہے جب کہ حقیقت میں دماغ پوری طرح کام کر رہا ہوتا ہے۔ دراصل سلطان شاہ بھی ایسی ہی کوئی بات کہنی چاہ رہا تھا۔“

”یہ تو واقعی بہت بھیانک صورت حال ہے“ ویرا تشویش زدہ انداز میں بڑبڑائی ”جب تک ڈون کو اصل حالات کا علم نہیں ہوگا، وہ تمہیں احسان فراموش، سازشی اور قاتل سمجھ کر پیچ و تاب کھاتا رہے گا۔ اگر وہ دو چار آدمیوں کو تمہارے پیچھے لگا دے تو بھی مجھے کوئی تعجب نہیں ہوگا۔“

”یہ تم نے قاتل کا لفظ کیوں استعمال کیا؟“ میں نے پُرزور لہجے میں احتجاج کیا۔

”مجھے پورا یقین ہے کہ ڈون کا آدمی مارا جا چکا ہوگا“ ویرا ... اپنے گلاس سے آخری گھونٹ لے کر اطمینان سے بولی۔

”تم یہ دعویٰ کیسے کر سکتی ہو؟“ میں نے دل ہی دل میں اس کے قیاس کی داد دیتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

”مجھے حیرت ہے کہ تم یہ سوال کر رہے ہو؟“ اُس نے اپنا سر جھٹک کر کہا ”اگر وہ زندہ ہوتا تو سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگا رہتا۔ پھر اسے ترپاٹھی کے وجود کا بھی علم ہو جاتا اور یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ تم ٹکٹ لے کر ائرپورٹ گئے ہو۔ اگر ڈون کو یہ خبر مل جاتی تو وہ تمہیں جہاز سے بھی اتروا سکتا تھا۔ ہانگ کانگ میں بھی اُس کا بے پناہ اثر و رسوخ ہے۔ یہ سب نہیں ہوا، اس لیے میں اندازہ لگا سکتی ہوں کہ ڈون کا آدمی اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ بادی النظر میں ڈون وہ قتل بھی تمہارے ہی کھاتے میں ڈال دے گا۔ اسی وجہ سے میں نے قاتل کا لفظ استعمال کیا تھا۔“

”تم ڈون کی جگہ ہوتیں تو اِن حالات میں کیا فیصلہ کرتیں؟“ میں نے سوال کیا۔

اُس نے تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھا اور بولی ”حالات مکمل طور پر تمہارے خلاف ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ ڈون تمہیں چند دن کے لیے روکنا چاہ رہا تھا لیکن تم کسی وجہ سے اٹلی سے آنے والے مدر مافیا کے نمائندوں کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہے تھے۔ اس لیے تم نے اپنی نگرانی کرنے والے کا کھونٹ گھونٹ کر اسے ہلاک کیا اور پھر چوروں کی طرح ہانگ کانگ سے نکل بھاگے۔ تھوڑی دیر کے لیے ترپاٹھی کو بھول جاؤ تو اس کہانی میں کوئی سقم نہیں ہے۔“

"لیکن یہ سب اُسی ناہنجار کی وجہ سے ہوا ہے۔ اُسے میں کیسے بھول سکتا ہوں؟"

"اسی لیے میں کہہ رہی ہوں کہ ڈون کو ترپاٹھی کے بارے میں بتانا ہوگا۔ وہ بہت اَنا پرست اور کینہ پرور آدمی ہے۔ جب تک تمہاری طرف سے اُس کا ذہن صاف نہیں کیا جائے گا' وہ تمہارا نام ونشان مٹانے کی منصوبہ بندی کرتا رہے گا اور اسی کے ساتھ میرے خلاف بھی سوچتا رہے گا کیونکہ اُس سے تمہاری سفارش میں نے کی تھی۔"

"خیر!" میں نے ایک گہرا سانس لیا "میں نے پورے واقعات بلاکم وکاست تم کو بتادیے۔ اب تم جیسا چاہو کرسکتی ہو۔ ہم لوگوں کے ساتھ ڈون نے جو حسنِ سلوک کیا' اس کے لیے ہم عمر بھر اُس کے احسان مند رہیں گے۔ وہ مکاؤ میں اس قدر طاقت ور ہے کہ مجھ سے نادر ہیرے لینے کے بعد مجھے وہاں سے خالی ہاتھ باہر نکال دیتا تو میں اس کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا تھا۔ تمہاری وجہ سے اس نے ہمیں بہت عزت دی تھی۔"

"ہاں' وہ چوری کے ہیروں کا کیا قصہ تھا؟" ویرا نے چونک کر پوچھا۔ مکاؤ میں ہمارے ساتھ پیش آنے والے ہر واقعے کے بارے میں وہ بہت زیادہ تجسس میں مبتلا تھی۔

اُس کے ایما پر میں نے گولڈن ڈریگن نامی فیری کے ذریعے اپنے مکاؤ کے سفر کی کہانی چھیڑ دی۔ غزالہ کو بھی ان واقعات کا صرف خلاصہ ہی معلوم تھا کیونکہ ڈون کی حویلی میں ہم لوگ کھُل کر بات کرنے سے قاصر تھے اور ذرا ذرا سی جزئیات کو کاغذ پر منتقل کرنا میرے بس سے باہر تھا اس لیے وہ بھی پوری دلچسپی کے ساتھ وہ واقعات سن رہی تھی۔

جب میں نے ہالینڈ سے چُرائے گئے' ان شاہی نوادرات کی مالیت کے بارے میں ڈون کے تخمینے کا ذکر کیا تو ان دونوں کی آنکھیں حیرت سے ان کی پیشانیوں پر جاچڑھیں۔

"تم نے غزالہ تک رسائی کی اتنی بڑی قیمت ادا کی ہے؟" ویرا نے حیرت سے دیدے پھاڑ کر پوچھا۔

میں مسکرادیا "چوری کے مال کی قیمت کا صرف اندازہ ہی اندازہ ہوتا ہے جو شوقین لگاتے ہیں۔ اسے بیچنے جاؤ تو کوئی بھی کوڑیوں کے مول سے زیادہ دینے پر تیار نہیں ہوتا۔ میرے لیے وہ دمکتے ہوئے تراشیدہ پتھر بے وقعت تھے اور ڈون کے لیے خزانہ' اسی لیے بات بن گئی ورنہ وہ تو تمہارے علاوہ کسی اور سے بات کرنے پر بھی آمادہ نہیں تھا۔"

"دیکھ لو' ڈینی نے کتنی قیمت دے کر تمہیں خریدا ہے؟" ویرا نے غزالہ سے مخاطب ہوکر کہا تو اُس کے ایک ایک لفظ سے حسد اور رقابت کی آنچ آرہی تھی۔

"محبت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی' ویرا!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "میرے لیے تو وہ ہیرے بس ایک بہانہ بن گئے... سن چکی ہو کہ ڈون کو ہیروں کی نقل وحرکت کے بارے... اطلاعات حاصل تھیں اور مکاؤ ہاربر پر آنے والے... سیاحوں کے سامان میں ان ہیروں کی تلاش جاری تھی۔"

باتوں ہی باتوں میں صبح کے چار بج گئے۔ سلطان شاہ... جاچکا تھا۔ غزالہ کی آنکھوں میں بھی نیند نے ڈیرے ڈال... کردیے تھے اس لیے وہ بھی معذرت کرکے اٹھ گئی لیکن... اسے سلگانے کی نیت سے میرا پیچھا چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھی...

ویرا کو غیر متوقع طور پر ایران سے آگے جانے کی کوئی... نہیں ملی تھی اس لیے وہ اپنا کام پورا کرکے کراچی آگئی تھی... اس کے پرانے روابط موجود تھے۔ اُن دنوں ہم لوگوں کی... بازیوں کے نتیجے میں امریکن کونسلیٹ اور بھارت کے... افسران کے تعلقات میں خاصی تلخی آئی ہوئی تھی۔ بھارت... خیال تھا کہ ان کے تخریبی منصوبوں کی کامیابی کے لیے امریکی... دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کررہے تھے جب کہ امریکی ان کی کاہلی... خوری اور نااہلی کے شاکی تھے کیونکہ وہ لوگ الحدید سے آنے... جدید ترین ہتھیاروں اور گولہ بارود کی بحفاظت اسمگلنگ میں... ادا کرنے میں بری طرح ناکام رہے تھے۔

دوسری طرف ویرا کے ان دونوں سفارتی اداروں سے... تھے لیکن ہیری کینجر سے اس کی کچھ ٹھن گئی تھی۔ ہیری کو شبہ... ویرا دیدہ ودانستہ ٹی کے مقاصد کے حصول میں رکاوٹیں پیدا کر... تھی۔ وہ اپنے طور پر ویرا کو بے بس کرکے امریکا بھیج دینے کا... رکھتا تھا تاکہ وہاں جمی لائیڈ اس کی سرزنش کرسکے۔ ان کے مقا... میں انڈین کونسلیٹ والے ویرا کے ساتھ قریبی تعلقات... رکھنے کے خواہاں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ بھرپور اختیارات اور... آزادی حاصل ہونے کے باوجود' ہیری کینجر پس پردہ رہ کر ہی... مدد کرسکتا تھا۔ عملی امداد صرف ٹی فراہم کرسکتی تھی اور ویرا... تمام خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود' پاکستان میں ٹی کی... نمائندہ رہ گئی تھی۔

اس پے چیدہ صورتِ حال کی وجہ سے ویرا نے صرف ان... کونسلیٹ سے ہی رابطہ کرنے کو ترجیح دی۔ وہ اپنی سلامتی کے... ہیری کینجر سے دور رہنے لگی تھی۔

اس کا کہنا تھا کہ شری مان سنگھ کی عبرت ناک موت نے... کونسلیٹ کے در ودیوار میں رچ گئی تھی۔ وہاں کام کرنے والے... فرد کو معلوم تھا کہ وہ سفارتی مراعات کی آڑ میں اپنے ملک... مذموم عزائم کے لیے مقامی قانون کی دھجیاں اڑا رہا ہے اور... انہیں' شری مان سنگھ کی موت میں اپنا بھیانک مستقبل نظر... تھا اور وہ سب اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مند رہنے لگے... جو لوگ شری مان سنگھ جیسے گھاگ اور تجربے کار سفارت کار... ڈال سکتے تھے' ان کے لیے نوآموز یا کم تجربے کار افراد کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ ان میں سے کوئی بھی شری مان سنگھ کے خطرناک عہدے کا چارج لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ادھر نئی دہلی کے حکام نے بھی شاید بھانپ لیا تھا کہ پاکستانیوں نے شری مان سنگھ کی موت کو جس خوب صورتی کے ساتھ سمندر کی سرکش موجوں میں نہانے کا خمیازہ قرار دے کر معاملہ نمٹایا تھا اس کی وجہ سے پاکستان میں متعین عملے کے حوصلے پست ہوگئے تھے۔ ان کے مورال کی بحالی کے لیے ضروری تھا کہ ان پر کوئی ایسا افسر متعین کیا جائے جو اپنے بلند حوصلے اور بے جگری کی وجہ سے ان سب کے لیے نئی مثالیں قائم کرسکے۔

ایسے کسی افسر کی تلاش کی مہم سر ہونے تک' نائب کونسل بذاتِ خود ان معاملات کی دیکھ بھال کررہا تھا جو شری مان سنگھ کی ناگہانی موت کی وجہ سے ادھورے رہ گئے تھے۔

سندھ کی جغرافیائی حیثیت' لسانی گروہ بندیاں اور سرحدی آبادیوں میں ہندوؤں کی بھاری تعداد ہمیشہ سے بھارتی نیتاؤں کی دلچسپی کا باعث رہی تھی۔ عام ہندوؤں کی وفاداریاں بالعموم اپنی زمین سے وابستہ تھیں لیکن کچھ آسودہ حال اور بارسوخ ہندوؤں کے غدّارانہ کردار کی وجہ سے سرحد پار بیٹھے ہوئے منصوبہ سازوں کو پورا یقین تھا کہ جب بھی نقارے پر چوٹ پڑی' پاکستان کی ساری ہندو آبادی ان آسودہ حال غداروں کی ہم نوا بن جائے گی۔

ان کے تمام منصوبوں میں سندھ میں دہشت گردی اور تخریب کاری کو اولین اہمیت حاصل تھی لیکن اس بار ہوس کے پجاریوں کی نگاہیں دور دور بھٹک رہی تھیں۔ وہ سندھ میں امن وامان کی بدترین صورتِ حال پیدا کرنے کے ساتھ ہی وارسک' منگلا اور تربیلا ڈیم سے غلام محمد بیراج تک' تمام آبی ذخائر کو تباہ کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ اپنے اس ظالمانہ منصوبے کے ذریعے وہ ہمارے شہروں اور قصبوں کا نام ونشان تک مٹادینا چاہتے تھے تاکہ جو کچھ جنگوں کے ذریعے حاصل نہیں کیا جاسکا' وہ کوئی گولی چلائے بغیر مصنوعی سیلاب کے ذریعے حاصل کرلیا جائے۔

ویرا کی ان تمام باتوں نے مجھے سوچنے کے لیے کافی سے زیادہ مواد فراہم کردیا تھا۔ بظاہر وہ عملی سیاست اور قوت کی کشمکش کی باتیں تھیں لیکن ان سب کی پشت پر وہی گندہ سرمایہ کار فرما تھا جو رگوں میں زہر اتارنے والی ہیروئن کی بین الاقوامی اسمگلنگ سے جنم لے رہا تھا۔

کچھ عاقبت نااندیش اور پاکستان میں ہیروئن بنانے والے یہ دعویٰ کرتے تھے کہ دوسری صنعتی اور کیمیاوی پیداوار کی طرح ہیروئن پاکستان کی وہ اعلیٰ ترین' نقد جنس تھی جس کی برآمد سے بھاری مقدار میں زرِ مبادلہ کمایا جارہا تھا۔ یہ صنعتی ملکوں کی کھلی ہوئی غنڈہ گردی تھی کہ انہوں نے پاکستان کی اس جنس کو شجرِ ممنوعہ بنایا تھا جس کے نتیجے میں دنیا کا کوئی ملک قانونی طور پر اس کا خریدار نہیں بن سکا تھا حالانکہ دنیا بھر کے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے اکتائے ہوئے نوجوانوں میں' اپنے ماحول سے فرار کے لیے اس کی زبردست مانگ موجود تھی۔

ان لوگوں کے دعوے کے مطابق' بڑی طاقتوں کی اس غنڈہ گردی کے نتیجے میں پاکستان زرِمبادلہ کی جائز آمدنی سے محروم ہوکر ان کا مقروض ہوتا جارہا تھا۔ دوسری طرف ہیروئن کی صنعت وتجارت کو قانونی تحفظ حاصل نہ ہونے کی وجہ سے' اس سے حاصل ہونے والا سرمایہ کالے دھن کو خوفناک اضافے کی طرف لے جارہا تھا اور یہ کالا دھن جدھر کا رخ کرلیتا تھا' ادھر ہولناک تباہی پھیلاتا چلا جاتا تھا۔

یہ درست ہے کہ جن آزاد قبائلی علاقوں میں ہیروئن تیار کرنے والی لیبارٹریز قائم تھیں' وہاں کے سخت ترین معاشرتی قوانین اور عبرت ناک تعزیری سزاؤں کی وجہ سے کوئی بچہ بھی ہیروئن نہیں پیتا تھا۔ وہ لوگ جو کچھ تیار کرتے تھے' اپنے علاقے سے سو فیصد باہر نکال دیتے تھے لیکن ہیروئن کے حق میں دلائل دینے والے' عقل کے اندھوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ دریا صرف اپنے منبع اور ڈیلٹا کو ہی سیراب نہیں کرتا بلکہ وہ ہر اس خطۂ زمین پر اپنے اثرات چھوڑتا چلا جاتا ہے جہاں سے اس کا گزر ہوتا ہے۔ پاکستان کے سارے علاقوں میں قبائلی معاشرے اور اس جیسے سخت ترین قوانین نافذ نہیں تھے اس لیے ہیروئن کی پیداوار اور اسمگلنگ میں اضافہ ہونے کے ساتھ ہی' راستے میں آنے والے تمام شہر اور قریے بھی اس ہولناک وبا کی لپیٹ میں آگئے تھے اور چند برسوں کی قلیل سی مدت میں' ہیروئن سے ناآشنا علاقوں میں ہیروئنچیوں کے غول کے غول نظر آنے لگے تھے جن کی تعداد تیزی سے بڑھ کر لاکھوں میں پہنچ چکی تھی۔

کہا جاتا تھا کہ افغانستان کو فتح کرنے کی کوششوں میں روسیوں نے اس خطے میں ہیروئن سازی کو متعارف کرایا تھا لیکن میں ٹی کے حوالے سے جانتا تھا کہ سنگلاخ پہاڑوں کی دھرتی میں' مومن خان کی پہلی فیکٹری کے قیام میں ایک جرمن کیمسٹ کا بھرپور ہاتھ تھا۔

روسیوں کا خیال تھا کہ ان سے لڑنے والے جب ہیروئن بنائیں گے تو پینے بھی لگیں گے اور رفتہ رفتہ ساری مزاحمت کو بھول کر جوہوں سے بھی بدتر ہوجائیں گے اور پورے علاقے میں سواستیکا کے پھریرے لہرانے لگیں گے لیکن لڑنے والے بہت چالاک تھے۔ انہوں نے ہیروئن کو نہ چکھنے کے حلف اٹھا کر اس صنعت کو فروغ دیا۔ جنگ سے متاثرہ علاقوں میں ٹرکوں اور ٹریلروں پر ہیروئن تیار کرنے کے کارخانے قائم کیے گئے۔ ایک علاقے میں جنگ کے شعلے زندگی کی مسرتوں کو نگلنا شروع کرتے تو وہ کارواں تیزی کے ساتھ محفوظ علاقوں میں منتقل ہوجاتے۔ لڑنے والے

ہیروئن بیچ کر ڈالر، اسٹرلنگ، ین، فرانک اور مارک حاصل کرتے رہے جس کے ذریعے وہ دنیا بھر کے چور بازاروں سے اپنی پسند کے ہتھیار خرید کر روسیوں کو آتش و آہن کی بارودی برسات میں نہلاتے رہے اور جب تاریخ کی اس منفرد اور بے نظیر جنگ کا زور ٹوٹا تو ہیروئن کے سرمائے نے پاکستان کی معیشت اور سیاست پر یلغار کر دی۔

ہیروئن پاکستان میں ایجاد نہیں کی گئی تھی۔ افیم کا وہ مسلک الکلائیڈ دواسازی میں زیر استعمال تھا، مشرق بعید کے سنہرے تکون میں اس کی زور و شور سے تیاری ہوتی رہی تھی۔ مکاؤ کی منڈی میں ہیروئن کے کروڑوں ڈالر کے سودے ہوتے تھے۔ جب بڑھتے ہوئے امریکی دباؤ کی وجہ سے وہ تکون آخری سانسوں پر تھا تو افغانستان، ایران اور پاکستان کے سرحدی علاقوں پر مشتمل ایک نیا تکون ابھرنا شروع ہو گیا جس میں پاکستان کی کلیدی حیثیت تھی کیونکہ ایران کی مذہبی حکومت اس لعنت کو سرحدوں پر ہی بلاک کرنے کا تہیہ کر چکی تھی۔ افغانستان خشکی سے گھرا ہوا اور جنگ زدہ ملک تھا جب کہ پاکستان نہ صرف امن کا جزیرہ تھا بلکہ قدیم سرحدی روایات کی وجہ سے یہاں مال لانے لے جانے کی بھی آزادی تھی۔ بین الاقوامی لین دین کے لیے کراچی کی بندرگاہ اور ہوائی اڈے کے علاوہ خشک گودیاں اور نئے بین الاقوامی ہوائی اڈے بھی کھلتے جا رہے تھے جہاں گھپلوں کے لیے ماحول نسبتاً سازگار تھا۔

بھارتی منصوبہ ساز اسی گھناؤنے کھیل کا سرمایہ استعمال کرنا چاہتے تھے۔ ان کی نظریں مقامی اور بین الاقوامی تجوریوں میں بند، اس کالے دھن پر مرکوز تھیں جو کسی بھی حکومت کی بنیادیں ہلا دینے کے لیے کافی تھا۔

بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ اس کھیل میں غلام رسول جیسا نیک نام سیاست داں بھی شریک تھا۔ لوگ اس کی دیانت اور خاندانی شرافت کی قسمیں کھاتے تھے لیکن اس نے اپنا شفاف ماضی بھارتیوں کے ہاتھ نیلام کر کے دام کھرے کر لیے تھے۔ اسے آزاد سندھ کے اقتدار میں اپنے لیے ایک بڑی کرسی نظر آنے لگی تھی۔ وہ مارا گیا تو چند روز پہلے مافیا والوں نے مجھے یہ بتا کر حیران کر دیا کہ سردار امیر جان جیسے معمر اور معزز رہنما کا اکلوتا بیٹا ہیروئن کی اسمگلنگ میں ملوث تھا۔ اس نے دو کلو اعلیٰ ترین ہیروئن نیویارک لے جا کر مافیا کے ایک رکن کے ہاتھ فروخت کی تھی اور مافیا والوں نے اس کی بے خبری میں پورے لین دین کی ویڈیو فلم بنا لی تھی۔ پاکستان ان کے لیے ایک اہم ملک تھا اور وہ جانتے تھے کہ وقت آنے پر وہ فلم بہت بیش قیمت ثابت ہو گی۔ حد یہ تھی کہ امریکا کے فیڈرل انٹیلی جنس بیورو کو اس فلم کی بھنک مل گئی تھی اور وہ فلم کے لیے، مافیا والوں کو منہ مانگا معاوضہ دینے کے لیے تیار تھا لیکن حالات کی ستم ظریفی تھی کہ نیشی کاؤ نے مجھے اسی فلم کے حوالے سے سردار امیر جان کو بلیک میل کر کے سیاست میں قدم رکھنے کی ہدایت کی تھی۔

مافیا کے مقامی بیورو چیف، سیٹھ حبیب جیوانی کو یہی معلوم تھا کہ میں سردار امیر جان کو شیشے میں اتارنے کے لیے اسلام آباد گیا ہوا تھا۔ حبیب جیوانی کی مسلسل نگرانی سے نکل کر، فوری طور پر ہانگ کانگ روانہ ہونے کے لیے مجھے یہی بہانہ سب سے بہتر نظر آیا تھا لیکن ویرا کے معصومانہ انکشافات نے اس معاملے کو بھی الجھا دیا تھا۔

اس نے بتایا تھا کہ پچھلی صبح سے رات ہونے تک کئی مرتبہ ایسی فون کالز آئی تھیں کہ بولنے والے نے اپنی بھاری ہیلو کے جواب میں ویرا کی آواز سن کر مزید کچھ کہے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

ویرا کو اپنے اس بیان کی اہمیت کا اندازہ نہیں تھا۔ اس نے بس رواروی میں ایک بات کہہ دی تھی لیکن اس فلیٹ کا نمبر بہت زیادہ لوگوں کو معلوم نہیں تھا۔ پورے شہر میں صرف چار افراد ایسے تھے جو مجھے فون کر سکتے تھے۔ جہانگیر، ظفر، اول خان یا پھر سیٹھ حبیب جیوانی!

اول الذکر تینوں افراد کو میرے اور ویرا کے خصوصی مراسم سے واقفیت تھی بلکہ وہ فون پر اس کی آواز بھی بہت اچھی طرح پہچانتے تھے۔ میرے موجود نہ ہونے کی صورت میں وہ بخوشی ویرا سے بات کر سکتے تھے۔ انہیں لائن منقطع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی البتہ حبیب جیوانی کا معاملہ مختلف تھا۔

وہ میرے اور ویرا کے گٹھ جوڑ سے بے خبر تھا۔ اس نے کبھی براہِ راست بھی ویرا کی آواز نہیں سنی تھی۔ پھر یہ کہ میں کئی دن سے شہر سے اس طرح غائب تھا کہ حبیب جیوانی کو میرے پتے یا ٹھکانے کا کوئی علم نہیں تھا۔ میری اس طویل ہوتی ہوئی غیر حاضری پر تشویش ہونی بجا تھی۔ اس لیے وہ گمنام فون کالز اُسی کی ہو سکتی تھیں۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ اسے مدر مافیا کی طرف سے نیشی کاؤ کے قتل کی خبر مل چکی ہو اور وہ اسی سلسلے میں مجھ سے بات کرنا چاہ رہا ہو۔

کراچی سے غزالہ کے لیے روانہ ہوتے ہوئے میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مکاؤ میں حالات اس قدر الجھ جائیں گے۔ میرا خیال تھا کہ میں ڈون کی خوشامد در آمد کر کے غزالہ کو چپ چپاتے وہاں سے نکال لاؤں گا اور واپس آ کر حبیب جیوانی کو اسلام آباد میں اپنی ناکامی کی کہانی سنا کر، بیرونِ ملک سفر پر پردہ ڈالنے میں کامیاب ہو جاؤں گا لیکن اب ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ کہانی میرے گلے کا طوق بھی بن سکتی تھی۔

نیشی کاؤ مافیا کا ڈان تھری تھا۔ مدر مافیا کے اتنے بڑے آدمی کا قتل بچوں کا کھیل نہیں تھا۔ پھر ڈون کوانگ فو کے ذریعے یہ بات بھی مدر مافیا والوں تک پہنچ چکی تھی کہ میں نہ صرف نیشی کاؤ کے قتل کے وقت تقریب گاہ میں موجود تھا بلکہ اسی تقریب میں میری اور غزالہ کی شادی بھی ہوئی تھی۔ یہ اطلاع ملنے پر اٹلی سے آنے والوں نے مجھ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا لیکن میں ان کی آمد سے پہلے ہی مار دھاڑ کر کے ہانگ کانگ سے نکل آیا۔

اس چکر میں، میں دونوں طرف سے بری طرح پھنس گیا۔ ڈون تک میں نے ایک مربوط کہانی تراش کر ویرا کو اپنی بے گناہی کا قائل کر لیا تھا۔ اب اگر میں حبیب جیوانی کو اسلام آباد جانے کی کہانی سناتا اور اسے یہ پتا چلتا کہ میں اسلام آباد کے بجائے مکاؤ میں اپنی شادی کے جشن میں شریک تھا تو میری پوزیشن بہت زیادہ مشکوک ہو جاتی۔ مافیا والے اس جھوٹ کو میری نیت کی خرابی پر محمول کرتے اور مافیا کے روایتی ڈسپلن کو سختی سے برقرار رکھنے کے لیے، ہر قیمت پر میری گردن مارنے کے احکام جاری کر دیے جاتے۔

ویرا اسکاچ کے نشے میں اور نیند کے ملے جلے اثرات کے تحت اونگھ رہی تھی مگر میں سگریٹ پر سگریٹ پھونکتے ہوئے اپنی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ ویرا ہڑبڑا کر سیدھی ہو گئی۔

"کیا سونے کا ارادہ نہیں ہے؟" اس نے اپنی سرخ آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے، بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اب سویا تو میرا معمول کئی دن کے لیے بگڑ جائے گا" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "اس وقت ساڑھے چار بج رہے ہیں، تم چاہو تو آرام سے سو سکتی ہو۔"

"تھوڑی دیر میں اجالا پھیل جائے گا تو نیند نہیں آئے گی، میں جا رہی ہوں" وہ مخمور انداز میں ایک توبہ شکن انگڑائی لیتے ہوئے، صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں چلیں؟" میں ایک دم بوکھلا گیا "اس فلیٹ میں صرف دو خواب گاہیں ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ ایک کمرا تمہارے اور غزالہ کے تصرّف میں رہے گا" اس نے بے ہودہ انداز میں مجھے آنکھ ماری "میں سلطان شاہ والے کمرے میں جا رہی ہوں۔ مل جل کر گزارہ کرنا ہی ہو گا۔"

وہ دروازے کی طرف مڑی ہی تھی کہ میں نے لپک کر اُس کا ہاتھ تھام لیا "سلطان شاہ کو گہری نیند میں بھی تمہارے وجود کی بُو مل گئی تو وہ بستر سے چھلانگ مار کر باہر بھاگ نکلے گا۔ تم پردے کھینچ کر یہیں صوفے پر کیوں نہیں سو جاتیں؟ بتی بند ہونے کے بعد یہاں زیادہ خواب آور اندھیرا ہو جاتا ہے۔"

"میں بستر پر سونا چاہ رہی ہوں" وہ بولی "اس کے بھاگنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ میں خود ہی اسے بستر سے اٹھا کر صوفے پر لٹا دوں گی یا یہاں بھیج دوں گی" میرے روکنے کے باوجود اس نے ہاتھ چھڑایا اور ڈرائنگ روم سے نکل کر خواب گاہ کی طرف چل دی۔ میں تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر گر گیا۔

پتا نہیں ویرا نے اسے بیدار کرنے کے لیے کیا حرکت کی تھی کہ وہ ڈرائنگ روم میں آیا تو بری طرح بھنایا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر سیکڑوں آڑی ترچھی لکیریں نمودار ہو چکی تھیں۔ اس نے نیند سے بوجھل آنکھوں سے مجھے گھورا اور غنودہ مگر دھیمی آواز میں غرایا "تم اسے سمجھاؤ کہ میرے ساتھ بازاری حرکتیں نہ کیا کرے ورنہ کسی دن جوتے مار مار کر اسے بالکل گنجا کر دوں گا۔"

میں اس کی دھمکی پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ اس کے الفاظ میں غصے کی گھن گرج تھی لیکن اس کے دھیمے لہجے سے ویرا کا خوف جھلک رہا تھا۔ میں نے آہستگی کے ساتھ کہا "اس پر لعنت بھیجو۔ جو کرتی ہے کرنے دو۔ اس سے تمہارا کیا بگڑتا ہے؟ تمہاری بات سن لے گی تو ابھی منہ اندھیرے ہنگامہ کھڑا کر دے گی اور ہم اپنے شریف پڑوسیوں کے سامنے تماشا بن کر رہ جائیں گے۔ اس کے منہ مت لگا کرو۔"

وہ مجھے قہربار نظروں سے گھورتے ہوئے، بڑے صوفے پر دراز ہو گیا "مجھے معلوم ہے کہ اس کمینی کے مقابلے میں تم ہمیشہ مجھ ہی کو دباؤ گے۔ اب بتی بند کرو اور پردے کھینچ دو ورنہ میرا بھی دماغ خراب ہو جائے گا۔"

میں نے خاموشی کے ساتھ اُس کی ہدایت پر عمل کیا اور ڈرائنگ روم میں مکمل اندھیرا کر کے، خود بھی دوسرے صوفے پر دراز ہو گیا لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

میں صوفے پر بے حس و حرکت پڑا، خالی چھت کو گھورتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا کہ اچانک مجھے ڈرائنگ روم کے دروازے پر تاریکی سے بھی تاریک تر کسی ہیولے کی موجودگی کا شبہ ہوا۔ میں نے مدافعانہ سُرعت کے ساتھ گردن ادھر گھمائی تو اس متحرک سائے کے جسمانی خطوط ہی سے اندازہ لگا لیا کہ وہ غزالہ تھی۔

"تم؟ یہاں کیا کرنے آئی ہو؟" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"یہاں اور کون سو رہا ہے؟" غزالہ کی آواز بھی بہت نیچی تھی مگر اس میں شبہات تیر رہے تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کی آواز میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا جب کہ میرے حساب سے اسے سوئے ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔

"سلطان شاہ! لیکن تمہیں اس وقت چہل قدمی کرنے کی کیا سوجھی ہے؟" میں نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

غزالہ نے میرے سوال کو یکسر نظرانداز کر دیا اور اندھیرے میں دوسرے صوفے کی طرف نظر دوڑاتے ہوئے بولی "سلطان شاہ تو سب سے پہلے سو گیا تھا۔ اگر وہ یہاں ہے تو تمہاری سہیلی کہاں گئی؟" وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی طرف سے بے اعتمادی میں مبتلا تھیں لیکن اُن کے ذہنوں کو صاف کرنا میرے بس سے باہر تھا۔

"تو تم یہی دیکھنے آئی ہو؟" میری آواز میں غیر ارادی طور پر ہلکی سی تلخی عود کر آئی "اس سے ملنا چاہتی ہو تو دوسری خواب گاہ میں جا کر اسے جگا لو۔ وہ اب تک گہری نیند سو چکی ہو گی۔"

"وہ چلی گئی تھی تو تم کمرے میں کیوں نہیں آئے؟" غزالہ نے

کسی ندامت کے بغیر سوال کیا۔

"تمہاری نیند خراب ہونے کے خیال سے یہیں لیٹ گیا تھا۔ تم کب سے جاگ رہی ہو؟"

"میں سوئی ہی کب تھی؟ تمہارے انتظار میں لیٹی ہوئی تھی۔ ہلکی سی غنودگی طاری ہوگئی ہو تو اور بات ہے۔ تاریکی اور فلیٹ میں پھیلے ہوئے سناٹے سے مجبور ہو کر اب ادھر آئی ہوں۔"

وہ تمام گفتگو سرگوشیوں میں ہی ہو رہی تھی اس لیے سلطان شاہ کی نیند میں خلل نہیں پڑا اور میں ان دونوں عورتوں کی نفسیات پر غور کرتے ہوئے، خاموشی سے غزالہ کے ساتھ ہولیا۔

صبح سات بجے میں، ایک لمحے کے لیے بھی سوئے بغیر، پوری طرح تازہ دم تھا۔ سلطان شاہ کے ساتھ ہی ویرا بھی اپنے کمرے میں گدھے گھوڑے بیچ کر سوئی ہوئی تھی۔ میں سب سے پہلے حبیب جیوانی سے بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن مجھے ڈر تھا کہ اس گفتگو کا ایک لفظ بھی ویرا کے کانوں میں پڑ گیا تو میرا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا اس لیے میں نے غزالہ کو ناشتا تیار کرنے کی ہدایت کی اور خود اخبار لینے کے لیے نیچے چلا گیا۔

اسٹال پر لگے ہوئے تمام اخبارات کی چنگھاڑتی ہوئی شہ سرخیوں میں جہاز سے مسلح بھارتی ہائی جیکر کی گرفتاری کی خبر ہی نظر آرہی تھی۔ ذیلی سرخیوں میں بی ایل ترپاٹھی کا نام بھی موجود تھا۔

ویرا اردو بولنے اور سمجھنے کی حد تک بہتیرے نام نہاد اردو دانوں کو بھی پیچھے بٹھاتی تھی لیکن اردو پڑھنے کے معاملے میں وہ خاصی نکمی ثابت ہوئی تھی۔ میں نے اردو کے ساتھ ہی انگریزی کے دو اخبارات بھی خریدے اور اوپر لوٹ گیا۔

ناشتے کے دوران میں نے ایک اخبار پوری طرح چاٹ ڈالا لیکن اس میں وہی کچھ تھا جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے بقیہ قیاس آرائیاں تھیں جو ترپاٹھی کی ذات اور اس کے مقاصد کے بارے میں کی گئی تھیں۔

میرے تیار ہونے تک ویرا گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ اس لیے میں نے فلیٹ سے روانہ ہوتے ہوئے غزالہ کو تاکید کی کہ وہ بھی جا کر بستر پر دراز ہو جائے اور اگر ویرا میرے بارے میں دریافت کرے تو یہ کہہ کر انجان بن جائے کہ میں اس کے بیدار ہونے سے پہلے فلیٹ سے نکل گیا تھا۔

میرے لیے ایک موقع یہ تھا کہ میں کسی پبلک فون سے حبیب جیوانی سے بات کر لیتا لیکن کراچی میں پبلک فون بوتھ، نہ ہونے کے برابر تھے اور نجی کال آفس مقامی فون کالز کے لیے تخلیہ فراہم نہیں کرتے تھے۔ معاملہ غیر ملکی کال کا ہو تو گفتگو کرنے کے لیے علیٰحدہ کیبن دے دیا جاتا تھا جس کا معاوضہ وصول کیا جاتا تھا۔ ایسے پی سی اوز صارفین کے لیے پھر بھی سرکاری نرخوں سے سستے پڑتے تھے کیونکہ محکمے کے بدعنوان اہل کاروں کی ملی بھگت سے وہ تمام کالز دوسرے صارفین کی بے خبری میں، ان کے نمبروں پر ریکارڈ ہوتی

تھیں اور پی سی اوز پر وصول ہونے والی رقوم، مالکان اور اُن سے
تعاون کرنے والے بے ایمانوں کے درمیان بانٹ لی جاتی تھ
اسی لیے وہاں غیر ملکی کالز کے لیے کم شرح رکھی جاتی تھی۔

وہ بات بہت چھوٹی اور شاید غیر اہم بھی تھی لیکن اس
معاشرے میں پھیلی ہوئی سنگین بدعنوانیوں اور دھاندلیوں کی نشا
وہی ضرور ہوتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہمارا آوے کا آوا
بگڑ کر رہ گیا ہو اور آنے والی کسی ناگہانی قیامت کے خوف سے
محض لُوٹ کے مال میں سے جلد از جلد اپنا حصہ بٹورنے پر تُلا ہ
ہو۔ ایک طرف ملک کی بقا اور سلامتی کے دشمن اپنے دانت ت
کیے، ہمارے وجود کو بھنبھوڑنے کی تیاریوں میں مصروف تھے او
دوسری طرف حریص اور مفاد پرست عناصر پرانی دیمک کی طر
معاشرے اور معیشت کی جڑوں میں اترے جا رہے تھے۔

آخر کار میں اسپیشل ٹاسک فورس کے اسٹیشن فور نامی ا
ٹھکانے پر پہنچ گیا جہاں کسی زمانے میں ویرا مقیم تھی۔ میری صور
دیکھتے ہی، مسلح دربان نے پھاٹک کھول دیا۔ میں اپنی گاڑی ا
پارک کر کے، کسی روک ٹوک کے بغیر اس دفتر کی طرف بڑھتا چل
جہاں اول خان کو موجود ہونا چاہیے تھا۔

مجھے غیر متوقع طور پر اپنے سامنے دیکھ کر، اول خان کا چہرہ
پناہ مسرت سے دمک اٹھا اور اس نے اپنی کرسی چھوڑ کر والہ
انداز میں مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے
اس کا کوئی بچھڑا ہوا عزیز رہا ہوں۔ اول خان کے اس والہ
استقبال پر میرا دل بے اختیار بھاری ہونے لگا۔

وہ کافی دیر مجھ سے میرا حال پوچھتا رہا۔ اس ضمن میں غزا
ذکر بھی آیا۔ ہانگ کانگ سے فون پر گفتگو کرتے ہوئے، میں نے
سے اپنی شادی کا ذکر نہیں کیا تھا۔ بات چھڑنے پر میں نے اپنی
غزالہ کی شادی کا انکشاف کیا تو وہ خوشی سے اچھل پڑا۔

"تم نے یہ کام کر کے اپنی اور بھابی کی عاقبت سنوار لی۔
اس نے جذباتی لہجے میں کہا "مرد اور عورت کو ایک دوسرے
لاکھ محبت ہو لیکن شادی کے بغیر اُن میں مکمل ہم آہنگی پیدا
ہے، نہ ان پر ایک دوسرے کا کوئی حق بنتا ہے۔ میرا خیال
اب تمہاری زندگی تیزی کے ساتھ پُرسکون ہوتی چلی جائے
لیکن تم سے ایک شکوہ ضرور رہے گا کہ تم نے اپنی شادی کے مو
پر مجھے یاد نہیں رکھا۔"

"یہ شادی مکاؤ میں ہوئی تھی اور وہاں میں خود کو بھی بھولا
تھا" میں نے ہنس کر کہا "یہ سب لمبی کہانیاں ہیں جو بعد میں بھی
رہیں گی۔ فی الحال مجھے تخلیئے کے ساتھ ایک عدد فون کی ضرو
ہے۔ اس سے فارغ ہو کر ہم بہت لمبی بیٹھک جمائیں گے کیو
مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

"یہ ڈائریکٹ لائن ہے" اس نے سبز رنگ کا ایک فون
طرف سرکاتے ہوئے کہا "تم اطمینان کے ساتھ یہیں سے

کرلو۔ تمہیں کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا" یہ کہتا ہوا وہ تیزی کے ساتھ اپنے دفتر سے نکلتا چلا گیا۔

میں نے سگریٹ سلگا کر چند گہرے گہرے کش لیے پھر حبیب جیوانی کے گھر کا نمبر ملانے لگا۔

تیسری گھنٹی بجنے کے بعد ریسیور پر حبیب جیوانی کی ہیلو سنائی دی تو میں نے جان بوجھ کر دھیما اور مدافعانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"چیف! میں ڈیبی بول رہا ہوں۔"

"اوہ!" اس کی تحیّر زدہ آواز ابھری "تم اسلام آباد سے کب واپس آئے؟"

"اسلام آباد نہیں، میں کل رات گئے ہانگ کانگ سے واپس آیا ہوں" میں نے اداس لہجے میں کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں اپنی بیرون ملک روانگی کی اطلاع نہیں دے سکا کیونکہ مجھے ایک ایمرجنسی پیش آگئی تھی۔"

"ایسی کیا ایمرجنسی تھی کہ تم مجھے فون بھی نہیں کر سکے؟" جیوانی کا لہجہ سرد ہو گیا۔

"غزالہ کا چکر تھا" میں نے کہا "وہ ہانگ کانگ گئی تھی لیکن وہاں ایک چکر میں پڑ کر ڈون کوانگ فو نامی ایک بدمعاش کے ہتھے چڑھ گئی۔ اگر میں فوراً نہ جاتا تو اس کی زندگی خراب ہو سکتی تھی۔ میں مکاؤ پہنچ کر غزالہ کو بمشکل اس کی تحویل سے نکالنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ ڈون نے شرط لگا دی تھی کہ اگر غزالہ میری محبوبہ ہے تو میں اسے اپنی باقاعدہ بیوی بنائے بغیر مکاؤ سے نہیں لے جا سکوں گا۔ اس وجہ سے مجھے مکاؤ میں ہی شادی بھی کرنی پڑ گئی۔"

"مبارک ہو!" حبیب جیوانی کی آواز جذبات سے یکسر عاری تھی "شاید اب تمہاری زندگی میں ٹھہراؤ پیدا ہو سکے گا۔ ڈون نے یہ ایک نیک کام کیا ہے۔۔۔"

"شکریہ! لیکن اسی کے ساتھ ایک بہت بُری خبر بھی ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"وہ کیا؟" حبیب جیوانی نے متجسس لہجے میں سوال کیا "تمہیں معلوم ہے کہ مجھے پہیلیوں سے چڑ ہے۔ اس لیے ایک ہی سانس میں اپنی پوری کہانی سناتے چلے جاؤ۔"

"مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ مکاؤ کا ڈون ہمارے ڈان تھری کا بچپن کا دوست تھا اور اس سے ملنے کے لیے مکاؤ گیا تھا۔ اس کے اعزاز میں ڈون نے ایک بہت بڑی دعوت کی تھی اور اسی دعوت میں میری اور غزالہ کی شادی کا اعلان بھی کیا گیا تھا لیکن ڈان تھری کو ہیلی کاپٹر سے اترنے کے بعد ایک چینی نے زہریلے تیر سے ہلاک کر دیا۔ ڈون شدید صدمے اور اشتعال کے باوجود، اسے بچانے کے لیے کچھ نہیں کر سکا۔"

"تم نے میری اجازت کے بغیر پاکستان سے باہر جا کر اپنی حدود سے تجاوز کیا ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ تم جھوٹ بولنے کے بجائے مجھے سچ بتا رہے ہو۔ یہ تنظیم کے ساتھ تمہارے خلوص اور وفاداری کا سب سے کڑا امتحان تھا۔ میں تمہاری زبان سے تمہاری کہانی سننی چاہتا تھا ورنہ مکاؤ میں ڈان نیشی کاؤ کے قتل کے بارے میں مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ تم اسلام آباد کے بجائے مکاؤ میں موجود تھے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ میں اس امتحان میں پورا اترا ہوں" میں نے اپنے دل کی گہرائیوں سے کہا "لیکن چیف، یہ امتحان کب تک ہوتے رہیں گے۔ اب تو تمہیں مجھ پر پورا اعتماد ہو جانا چاہیے۔"

"تمہاری پوزیشن بہت مخدوش اور خطرناک ہو چکی ہے۔ تم کسی بڑے کی اجازت کے بغیر، ایک غلط وقت پر مکاؤ میں موجود تھے اور تمہاری موجودگی میں وہاں ڈان تھری کا قتل ہوا ہے۔ اس واردات کے سلسلے میں اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے تمہیں دانتوں پسینہ آجائے گا۔"

"مگر کیوں؟ اس واردات سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ میں تو غزالہ کو لینے کے لیے وہاں گیا تھا۔ ڈان تھری کو دیکھنے تک میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکا تھا کہ ڈون کوانگ فو کا متوقع دوست ہمارا ڈان نیشی کاؤ ہو سکتا ہے جسے میں کراچی میں چھوڑ کر گیا تھا!" میں نے پُرزور لہجے میں احتجاج کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ اتفاق رہا ہو لیکن اوپر والوں کو یہ بات اتنی آسانی سے نہیں سمجھائی جا سکتی۔"

"پہلی بات یہ ہے کہ ڈان تھری سے مجھے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ اس نے میٹنگ کے بعد مجھے بلی گینگ کے آدمیوں سے بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک چینی کو بلو پائپ میں پھونک مارتے دیکھا تھا۔ میرے لیے وہ ہتھیار نیا تھا۔ میں سمجھ ہی نہیں سکا کہ اس بے ضرر سی نلکی کے ذریعے ڈان تھری کو قتل کیا جا رہا ہے۔ مجھے ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو میں اس چینی کو وہیں فنا کر دیتا۔"

"ڈان تھری کے گرنے کے بعد تم اس قاتل پر ہاتھ ڈال سکتے تھے" اس کی آواز ابھری۔

"مجھے کچھ پتا ہی نہیں چلا کہ کیا ہوا ہے۔ کافی دیر بعد یہ معلوم ہوا کہ ڈان تھری کو ایک ایسے ہتھیار سے قتل کیا گیا ہے جو منہ سے پھونک مارنے پر زہریلے تیر پھینکنے لگتا ہے لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ میں کسی سے ذکر کیے بغیر، کٹی ہوئی پتنگ کی طرح پورے میدان میں چکراتا رہا لیکن قاتل کو شناخت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس تقریب میں سیکڑوں چینی شریک تھے اور ان سب کے خدوخال ایک جیسے تھے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ تم دس پندرہ منٹ تک کسی عام سے چینی سے بات کرتے رہو اور پھر وہ کسی بھیڑ میں مل جائے تو تمہارے فرشتے بھی اسے شناخت نہیں کر سکتے۔ ہاں، اس میں ڈون کوانگ فو کی طرح مٹاپے وغیرہ جیسی کوئی خاص بات ہو تو اُسے ہزاروں کی بھیڑ میں بھی پہچانا جا سکتا ہے۔"

"لیکن اس چینی کو ڈان نیشی کاؤ سے کیا پرخاش ہو سکتی

تھی؟" حبیب جیوانی نے اپنے متوفی آقا کا حقِ نمک ادا کرتے ہوئے شرلاک ہومز بننے کی کوشش شروع کردی۔

"ذاتی پرخاش اور گروہ بندی' دونوں طرح کے امکانات ہوسکتے ہیں" میں نے بھی ڈاکٹر واٹسن کی طرح بے سروپا امکانات پر قیاس آرائی شروع کردی "شاید تمہیں علم ہوگا کہ ڈون کوانگ فو کی طرح ڈان نیشی کاؤ کا خاندان بھی صدیوں سے شنگھائی کے مضافات میں رہتا چلا آرہا ہے۔ دونوں کی دوستی کی بنیاد بھی اسی ہمسائیگی پر تھی۔ ان دونوں پھیلتے ہوئے خاندانوں کے بہتیرے افراد چین سے فرار ہوکر ہانگ کانگ' مکاؤ سے امریکا تک میں آباد ہوچکے ہیں لیکن ان کی جڑیں ابھی تک قدیم شنگھائی میں ہی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ برسوں پہلے ڈان نیشی کاؤ یا اُس کے بزرگوں نے کسی کے ساتھ کوئی بڑی زیادتی کی ہو اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے بھول گئے ہوں لیکن متاثرہ فریق اپنی تذلیل یا حق تلفی کو فراموش نہ کرسکا ہو۔ اگر ایسے کسی آدمی کے دل میں ڈان نیشی کاؤ کے لیے کینہ پروان چڑھ رہا تھا تو اس کے لیے اپنے پرانے دشمن سے بدلہ لینے کے لیے' ڈون کی اس بڑی تقریب سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں ہوسکتی تھی۔ ڈون مکاؤ کا بے تاج بادشاہ کہلاتا ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی حویلی میں' اس کی آنکھوں کے سامنے کوئی شخص اس کے قریبی دوست اور معزز مہمان پر وار کرنے کی جرأت کرسکے گا۔ اسی حد سے بڑھے ہوئے اعتماد کی وجہ سے اس تقریب میں حفاظتی انتظامات نہ ہونے کے برابر تھے جن سے کوئی بھی کینہ پرور دشمن بھرپور فائدہ اٹھا کر ڈان نیشی کاؤ کو ٹھکانے لگا سکتا تھا..."

"تمہاری یہ تمام معلومات قابلِ رشک ہیں" سیٹھ حبیب جیوانی نے رشک اور حیرت کے ساتھ میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "مجھے ڈان نیشی کاؤ کے اس خاندانی پس منظر کا کوئی علم نہیں تھا۔"

"لیکن میں موقع واردات کا چشم دید گواہ تھا۔ ڈان تھری کو میری نظروں کے سامنے قتل کیا گیا تھا" میں نے پُرزور لہجے میں کہا۔ "اپنے ایک بڑے کے قتل پر میرے اندر ایک حیوان جاگ اٹھا تھا۔ میں جب تک مکاؤ میں رہا' اسی واردات کا کھوج لگانے میں مصروف رہا جس کے نتیجے میں یہ تمام باتیں میرے سامنے آئیں...."

"میں تمہارے نظریے سے متفق ہوتا جارہا ہوں۔ تمہاری فراہم کی ہوئی یہ معلومات تمہاری پوزیشن صاف کرنے میں بہت زیادہ مدد کریں گی' میں آج ہی میلان بات کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"لیکن ابھی میری کہانی ادھوری ہے" اس معرکے میں سیٹھ حبیب جیوانی کو ذہنی مار دینے کا احساس کرتے ہوئے' میں نے فخریہ لہجے میں بات جاری رکھی "یہ کسی پرانی دشمنی کا پہلو تھا لیکن ڈان نیشی کاؤ کی آمد سے پہلے ڈون کوانگ فو نے مکاؤ میں اپنے ایک باغی کو بڑی بے رحمی سے قتل کرکے' سمندر میں مگرمچھوں والی کھاڑی میں پھینک دیا تھا۔ مکاؤ میں وان لن واحد آدمی تھا جو ڈھکے چھپے الفاظ میں ڈون پر تنقید کرتا رہتا تھا۔ مکاؤ میں اس کے خاموش ہمدردوں کی خاصی تعداد ہے۔ وہ لوگ درپردہ وان لن کی مدد کرتے رہتے تھے۔ ڈون اور اس کے آدمیوں کے ستائے ہوئے مقامی باشندے بھی وان لن کو اکساتے رہتے تھے۔ اس کے قتل کی وجہ سے مکاؤ کی فضا خراب ہوگئی تھی۔ ڈون کوانگ فو کو پورا یقین تھا کہ ڈان نیشی کاؤ کے قتل اور تقریب کی بربادی میں وان لن کے حامیوں کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے بُل فائٹنگ رنگ کی باڑھ کمزور کرکے' ڈان تھری کی آمد سے پہلے ہی تقریب میں افراتفری پھیلا دی تھی کیونکہ وحشی سانڈ تقریب کے شرکا پر چڑھ دوڑا تھا۔ یہ کام کسی ایک آدمی کے بس کا نہیں تھا۔ ڈان تھری کے قتل کی رات ڈون کے آدمیوں نے مکاؤ میں وان لن کے حامیوں کو چُن چُن کر ٹھکانے لگایا اور ان کے گھربار' املاک اور کاروبار کو آگ لگا کر تباہ کردیا تھا۔ تم خود غور کرو کہ مکاؤ کے اس قدر بھیانک اور غیر یقینی حالات میں' میں کس قدر بے بس اور بے حیثیت تھا۔ ڈان تھری کے قتل کے بارے مجھ پر تو شبہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔"

"تمہاری بات میری سمجھ میں آرہی ہے" فون پر حبیب جیوانی کی پُرخیال آواز ابھری۔

"وہ ڈون اور وان لن جیسے دو بدمست ہاتھیوں کی لڑائی تھی۔ اس میدان میں مجھ جیسے بے بضاعت آدمی کا دخل ہی نہیں تھا۔ وہ بے رحمی کے ساتھ مجھے بھی ذبح کرکے آدم خور مگرمچھوں والی کھاڑی میں پھینک دیتے۔"

"تمہاری غیر حاضری میں تمہارے فلیٹ میں کون رہ رہا تھا؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ ایک نیا سوال کر بیٹھا۔

"کوئی بھی نہیں!" میں نے پورے اعتماد کے ساتھ سفید جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے کہا "فلیٹ میرے ایک دوست کی ملکیت ہے۔ اُس کی بیوی فلیٹ کی صفائی وغیرہ کے لیے ضرور آئی ہوگی کیونکہ طویل غیر حاضری کے بعد بھی فلیٹ مجھے بالکل صاف ستھرا اور آراستہ ملا تھا۔ لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"مجھے کل ہی اطلاع ملی کہ ڈان تھری کے قتل کے وقت تم مکاؤ میں موجود تھے۔ اس کے بعد میں نے تین مرتبہ تمہارا نمبر ملایا لیکن ہر بار ایک نسوانی آواز سننے کے بعد فون بند کرنا پڑا۔ اب مجھے تمہارے ایسے مراسم اور معمولات کے بارے میں جاننا پڑے گا ورنہ میری لاعلمی سے شدید غلط فہمیاں بھی پیدا ہوسکتی ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" میں نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا "فلیٹ کی حالت دیکھ کر غزالہ کو بھی شبہ ہوا تھا کہ میں نے کہیں اس کی غیر حاضری میں کسی اور عورت سے دوستی نہ کرلی ہو۔"

"پھر اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"آج آرام کرنے کا موڈ ہے۔ کل بنکاک سے کراچی تک کا سفر خاصا اعصاب شکن ثابت ہوا تھا۔"

"کیوں؟ کیا جہاز میں بھی کچھ مسائل تمہارا پیچھا کررہے تھے؟" اس نے خوش گوار لہجے میں پوچھا۔

"شاید تم نے آج کے اخبارات نہیں دیکھے ورنہ مجھ سے یہ سوال نہ کرتے!"

"میں ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوکر فرصت سے اخبار بینی کرتا ہوں' ابھی تو صرف آٹھ ہی بجے ہیں۔"

میں نے اسے انڈین ہائی جیکر کے بارے میں بتایا تو وہ اخبار پڑھنے سے پہلے ہی پوری کہانی جاننے پُر تل گیا کیونکہ اس معاملے میں بھی مجھے عینی شاہد کا درجہ حاصل تھا۔ میں نے ترپاٹھی کی اصلیت اور اُس ڈرامے میں اپنے کردار کا کوئی ذکر کیے بغیر' اسے پوری کہانی کا خلاصہ سنا ڈالا۔

"حیرت ہے کہ ایسے واقعات تمہارا تعاقب کرتے رہتے ہیں" پوری بات سن لینے کے بعد وہ متحیرانہ انداز میں بولا "میں نے بلاشبہ سیکڑوں فضائی سفر کیے ہیں لیکن میرے ساتھ آج تک کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا۔"

"اخبر دیکھوگے تو تمہیں میری باتوں کا یقین آجائے گا" میں ہولے سے ہنس کر رہ گیا۔

"یقین کی بات نہیں' میں سنجیدگی کے ساتھ یہ جاننا چاہتا ہوں کہ عجیب وغریب واقعات صرف تمہارے ساتھ ہی کیوں پیش آتے ہیں؟ تم مکاؤ گئے تو وہاں ڈان تھری کے قتل کی سازش تیار تھی۔ واپسی کے لیے جہاز میں قدم رکھا تو وہاں انڈین ہائی جیکر چھپا بیٹھا تھا۔"

"پھر تو مجھے یہ سوچنا چاہیے کہ ہانگ کانگ سے بنکاک کے سفر میں کوئی واقعہ کیوں رونما نہیں ہوا؟ یہاں پہنچا تو سب کچھ نارمل اور پُرسکون کیوں تھا؟ یہ تو صرف اتفاقات ہیں جو کسی کے بھی ساتھ اور کہیں بھی پیش آسکتے ہیں۔"

"آج آرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کل تم اسلام آباد چلے جاؤگے۔ پھر ہماری ملاقات کب ہوگی؟"

"جانے سے پہلے میں وقت نکال لوں گا۔ اور ہاں' وہ امیر جان کے بیٹے کی ویڈیو فلم آگئی ہے؟"

"ابھی نہیں آئی۔ ڈان تھری شکاگو پہنچنے کے بعد ہی اسے یہاں بھجواتا۔ اب اس معاملے میں تاخیر ہوتی نظر آرہی ہے۔ بہرحال جب تم ملوگے تو اس بارے میں مزید بات ہوگی" دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔

میں نے ایک گہرا سانس لے کر لائن منقطع کردی۔ سیٹھ حبیب جیوانی سے وہ پُرپیچ گفتگو ہونے کے بعد مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ میرے نزدیک وہ بہت بڑی کامیابی تھی کہ میں نے اپنی خودساختہ کہانیوں کے ذریعے ایک طرف ویرا کو اور دوسری طرف حبیب جیوانی کو اس حد تک اپنی بے گناہی کا قائل کرلیا تھا کہ وہ دونوں ڈون کوانگ فو اور مافیا کے بڑوں کے شکوک وشبہات دور کرنے کے سلسلے میں' کامیابی کے ساتھ میری وکالت کرسکتے تھے۔ اس سے آگے کچھ اور کرنا میرے بس سے باہر تھا۔

اس گفتگو سے فارغ ہوکر' میں اول خان کے دفتر سے باہر نکلا تو وہاں موجود سپاہی نے مجھے بتایا کہ اول خان ایک خطرناک قیدی کی طرف گیا ہوا تھا۔ میں نے سپاہی کو فوراً ہی ادھر روانہ کردیا تاکہ وہ اپنے افسر کو میرے فارغ ہونے کی اطلاع دے سکے۔ میں دوبارہ اول خان کے دفتر ہی میں جم گیا۔

وہ سپاہی چند منٹ بعد ہی واپس لوٹ آیا۔ اول خان نے اس کے ذریعے مجھے اپنے پاس بلایا تھا۔

وہاں پہنچنے پر پتا چلا کہ اول خان رجنی کے کمرے میں موجود تھا اور اس کمرے کے باہر دو مسلح سپاہی یوں تیار کھڑے ہوئے تھے جیسے وہاں کوئی ہنگامہ برپا ہونے کا اندیشہ ہو۔

رجنی کے بدن پر ایس ٹی ایف والوں کی طرف سے فراہم کیا ہوا معمولی مگر صاف ستھرا لباس موجود تھا۔ اسے قدرت نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ دلکش خدوخال اور متناسب اعضا سے نوازا تھا' اس لیے اسے سرسری طور پر دیکھ کر نظرانداز کرنا ممکن نہیں تھا' پھر اس وقت تو رجنی کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ' آنکھوں میں سرخی میں ڈوبی ہوئی وحشیانہ چمک بھی نظر آرہی تھی اس لیے میری نگاہیں اس کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

اس سے قبل میں نے رجنی سے گفتگو کی تو اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی تاکہ وہ اپنے اغواکنندگان کو شناخت نہ کرسکے۔ اس وقت تک ہمارے عزائم کچھ اور تھے۔ مان سنگھ کو راہِ راست پر لانے کے لیے ہم اسے ایک مہرے کے طور پر استعمال کرنا چاہتے تھے۔ مقصد پورا ہونے کے بعد اسے رہا کرنے کا ارادہ تھا لیکن مان سنگھ پکا سیکرٹ ایجنٹ ثابت ہوا تھا۔ اس پر اپنی بیوی کے اغوا کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اس سے گفتگو کرنے کے بعد میں نے اندازہ لگایا تھا کہ دنیا بھر کی نظروں میں ایک مثالی جوڑا بنے رہنے کے باوجود' ان دونوں کے درمیان کوئی گہرا جذباتی تعلق نہیں تھا۔ شریمان سنگھ اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں کھویا رہتا تھا۔ رجنی اپنی زندگی کے ہر ہر لمحے سے رنگینیاں نچوڑ لینے میں مصروف تھی۔ اپنے دوستوں کے علاوہ وہ اپنے نام نہاد شوہر کے دوستوں کے لیے بھی پکے ہوئے پھل کی طرح تھی۔ جو چاہے' ذرا سی کوشش سے حاصل کرلے۔ شریمان اپنی پتنی کے ان کرتوتوں سے پوری طرح باخبر تھا بلکہ موتن لال کے معاملے میں تو یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ خود شریمان نے رجنی اور موتن لال کو ایک دوسرے کے قریب ہونے کا موقع دیا تھا۔ اس طرح شاید وہ اپنے پیشہ ورانہ مقاصد کے حصول کے لیے اپنی بیوی کے استعمال کا عادی ہوچکا تھا۔

شریمان سنگھ اپنے خاندانی وقار اور معاشرتی حیثیت کے تحفظ

کے لیے، ایک خاموش سمجھوتے کے تحت رجنی کے ساتھ گزارہ کر رہا تھا۔ رجنی کی زندگی یا موت سے اسے زیادہ فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ ہماری دھمکیوں میں نہیں آیا اور رجنی کی رہائی کا معاملہ بھی کھٹائی میں پڑ گیا جس کے نتیجے میں وہ اس وقت بھی اسٹیشن فور پر نظر آ رہی تھی۔

اُسے شریمان سنگھ کی موت سے باخبر نہیں کیا گیا تھا۔ اُسے بتا بھی دیا جاتا تو شاید اس پر زیادہ فرق نہ پڑتا۔

"یہ عورت اپنی قابلِ نفرت حرکتوں کی وجہ سے ہمارے لیے عذاب بن چکی ہے" اول خان نے مجھ سے کہا۔ وہ رجنی سے زِچ آیا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"پھر اسے بھی ذبح کر دو!" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اس سے تو بہتر ہے کہ تم مجھے اپنے محروم آدمیوں کے حوالے کر دو۔ وہ خود ہی نوچ کھسوٹ کر میرے بدن کا ریشہ ریشہ الگ کر دیں گے۔ مگر وہ موت بڑی لذت انگیز ہوگی۔ میں کپڑے اتار کر لیٹتی ہوں تو ان بے چاروں کی حالت قابلِ دید ہو جاتی ہے۔ وہ مجھے دیکھنا بھی چاہتے ہیں اور نظریں بھی چُراتے ہیں۔ فطرت انہیں میری طرف دھکیلتی ہے لیکن تم لوگوں کا نمک انہیں مجھ سے دور کھینچتا ہے" اس نے خاموش ہو کر اپنی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں اور چند ثانیوں بعد بولی "پتا نہیں تم کیسے مرد ہو کہ ایک خوب صورت عورت سے کھیلنے کے بجائے اسے مروانے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"تم شریمان کی سرگرمیوں کے بارے میں کیا کچھ جانتی ہو؟" میں نے اس کے تبصرے کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ جو کچھ جانتی تھی، وہ پہلے ہی بتا چکی ہوں۔ وہ مجھے اپنے رازوں میں شریک نہیں کرتا۔"

"اب یہ ماضی کی بات ہو چکی ہے" میں نے سرد اور کاٹ دار لہجے میں کہا۔

وہ قدرے چونکی مگر اس کے ردِ عمل میں صدمے کا شائبہ تک نہیں تھا "تو کیا اب وہ زندہ نہیں ہے؟"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور وہ بولی "مجھے معلوم تھا کہ اُس کا انجام یہی ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اُس کی موت کے بعد میں تمہارے لیے بے مصرف ہو چکی ہوں۔ شاید اب تم مجھے آزاد کر دو گے۔"

اول خان نے غصیلے انداز میں زور زور سے اپنا سر ہلایا اور میرا بازو تھام کر مجھے اس کمرے سے باہر لے آیا "تم نے اس بے شرم عورت کی باتیں سن لیں۔ اب بتاؤ کہ ہم اسے کب تک برداشت کر سکتا ہوں؟"

"میں اس سے کچھ کام لینے کا ارادہ رکھتا تھا" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "لیکن اس پر ذرا بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے دماغ میں چڑھی ہوئی آوارگی نے اسے ایک کتیا بنا کر رکھ دیا ہے۔ تم اس کے بارے میں اپنے منصوبے پر کسی بھی وقت عمل کر سکتے ہو۔"

میری بات سنتے ہی اول خان کا چہرہ خوشی سے کِھل اٹھا "یہاں میڈیکل ایکسپرٹ آیا ہوا ہے۔ میں آج ہی اس کام کی ابتدا کرا رہا ہوں۔ یہ کل تک اپنا ذہنی توازن کھو کر، لمبے سفر کے لیے تیار ہو چکی ہوگی۔"

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے دفتر کی طرف آ گئے۔ اول خان نے کسی کو فون کر کے رجنی کی یادداشت محو کرنے کے معاملے پر چند منٹ تک تبادلۂ خیال کیا پھر فوری طور پر کام شروع کرنے کی ہدایت دے کر فون بند کر دیا۔

"یہ کام اتنا سہل نہیں ہے" وہ مایوسانہ لہجے میں بولا "ادویات کے اثرات کے بغور مشاہدے کے ساتھ ساتھ بتدریج یادداشت زائل کی جائے گی۔ سریع الاثر ادویات کے استعمال کے نتیجے میں دماغی خلیے ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائیں گے۔ اب بھی یہ مصیبت پانچ چھ روز تک ہمارے سروں پر مسلط رہے گی۔"

"لیکن وہ تمہارے لیے مسائل نہیں کھڑے کرے گی" میں نے اسے اطمینان دلایا "دواؤں کا استعمال شروع ہوتے ہی اس کی حاضر دماغی کافور ہو جائے گی اور وہ اپنی حرکتیں بھول جائے گی۔"

"بس، وہ سفر کے قابل ہو جائے تو میں اُسے بنگلہ دیش روانہ کر کے اطمینان کا سانس لوں گا" وہ بولا "اب تم بتاؤ کہ ہانگ کانگ میں تمہیں پاکستان کے آبی ذخائر کے بارے میں خبریں کیسے مل رہی تھیں؟"

"میں وہاں بھی اُن ہی لوگوں کے درمیان تھا جو شی کے نمک خوار ہیں" میں نے اس بارے میں ویرا کا نام لینے کے بجائے گول مول سا جواب دیا "ان کی باتوں میں پاکستان کا ذکر بھی آ جاتا تھا۔"

"تو کیا شی اتنے بڑے پیمانے پر بھارتی عزائم کی پشت پناہی کرنا چاہ رہی ہے؟" میری بات کا الٹا ہی اثر ہوا اور اول خان بری طرح چونک پڑا "میں نے تو رفتہ رفتہ شی کو دشمنوں کی صف سے خارج کر دیا تھا۔"

"اب بھی وہی صورتِ حال ہے۔" میں نے جلدی سے بات سنبھالنے کی کوشش کی "شی نہ کبھی ہماری بہی خواہ تھی اور نہ آئندہ ہو سکے گی۔ ہم صرف ویرا کی وجہ سے شی کا نشانہ بننے سے بچے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی چالاکی سے کام لے کر اُن کا ہر حربہ ناکام بناتی چلی آ رہی۔"

"آج کل وہ کہاں ہوتی ہے؟ سنا ہے کہ آپریشن بلیو کراس ڈیل میں اس نے ناقابلِ یقین کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔"

"خوش قسمتی سے وہ کراچی ہی میں ہے اور ہمارے تعلقات بہت خوشگوار رہیں" میں نے ہنستے ہوئے کہا "بلیو کراس ڈیل میں اس کا کردار ناقابلِ فراموش رہا ہے۔ اس وسیع و عریض کارواں کے اچانک غائب ہو جانے پر ہمارے دشمن بُری طرح بوکھلائے ہوئے

انہیں معلوم ہو چکا ہے کہ پورے کانوائے میں صرف ایک تباہ ہو سکا تھا۔ ویرا نے اس سازش کی ناکامی کی پوری ذمے ان ہی پر ڈال دی ہے۔"

"ہم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔ ویرا درمیان میں نہ ہوتی تو شی ایران سے روانہ کی جانے والی پوری کھیپ کو راستے ہی میں لیتے اور ہم کفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ نہ کر پاتے۔"

"وہ مزاج کی تھوڑی سی سنکی ہے..." میں نے کہنا چاہا لیکن اول خان نے قہقہہ مار کر میری بات کاٹ دی۔

"اس میں ویرا کا قصور نہیں ہے۔ سارے امریکی تھوڑے سنکی ہوتے ہیں اور اسی کمال کی وجہ سے دنیا بھر میں ایک دوسرے کو شناخت کرتے ہیں۔"

"دعا کرو کہ وہ ہماری کسی بات سے بھڑک نہ جائے۔ اس کا دماغ ٹھنڈا رہا تو وہ ہمارے بہت کام آئے گی۔ یہاں کے بھارتی قونصلیٹ میں اس کے گہرے مراسم ہیں۔ اس سے اندر کی اہم خبریں مل سکتی ہیں۔"

"میرپور سے پکڑے جانے والے دونوں مشتبہ آدمیوں کی پراسرار موت کے بعد ہمارے اوپر والے بہت پریشان ہیں۔ اس علاقے میں ان کی موجودگی کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا لیکن تم نے جب سے آبی ذخائر کو لاحق خطرات کی بات سنائی ہے، میری تشویش میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ میں نے تمہارے اندیشے اوپر والوں تک پہنچا دیے ہیں اور شاید اب تک بڑے ذخائر پر کڑی نگرانی بھی شروع کرا دی گئی ہو لیکن عملاً یہ بہت دشوار کام ہے۔"

میں حیرت اور خاموشی کے ساتھ اس کی طرف دیکھتا رہا کیونکہ اس کا آخری فقرہ میرے لیے ناقابلِ فہم تھا۔

میرے تاثرات بھانپ کر اس نے اپنی بات جاری رکھی "چند دنوں بعد برسات کا موسم شروع ہونے والا ہے۔ اس کے بعد دریاؤں میں پانی کا بہاؤ بہت بڑھ جائے گا۔ یہ دریا ہی آبی ذخائر کا پیٹ بھرتے ہیں پھر فاضل پانی بند کے اسپل وے پر سے گزر کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ اگر ان لوگوں نے ان نیم سیلابی دریاؤں میں بارودی ہتھیاروں کے بڑے بڑے صندوق چھوڑ دیے تو تیز بہاؤ کی وجہ سے وہ صندوق وغیرہ جھیلوں میں ضرور پہنچ جائیں گے۔ سیلابی ریلوں کے ساتھ بہہ کر آنے والے کاٹھ کباڑ کو روکنا انسانی بس سے باہر ہوتا ہے۔"

اس کی الجھن کا سبب میرے ذہن میں آ گیا۔ وہ بہت دور کی بات سوچ رہا تھا۔ وہ لوگ چند ہفتوں تک سیلابی بہاؤ ختم ہونے کا انتظار کر سکتے تھے تاکہ ان کا ڈالا ہوا تخریبی مواد منزلِ مقصود سے قریب ترین پہنچ جائے پھر ریموٹ کنٹرول کے ذریعے ان خاموش آتش فشانوں کے جہنم بیدار کیے جا سکتے تھے۔

"ہماری سرزمین پر ایسی سرگرمیاں اتنی آسان نہیں ہوتیں۔ اگر نگرانی کے ساتھ ہی، قرب و جوار کی آبادیوں کو بھی اعتماد میں لے کر متوقع خطرات سے آگاہ کر دیا جائے تو تخریب کاری کے امکانات معدوم ہو سکتے ہیں۔"

"میں آج ہی ظفر کو یہ تجویز دے دوں گا۔ وہ خود ہی مناسب منصوبہ بندی کر لے گا۔"

"ظفر؟" میں نے حیرت سے دُہرایا "تو کیا اسے ترقی دے دی گئی ہے؟"

"میری اور اس کی حیثیت ایک ہی ہے" اول خان نے مسکراتے ہوئے کہا "بس ذمے داریوں کی نوعیت ذرا مختلف ہے۔ اس بار بھی ہمارے باہمی تبادلے ہوئے ہیں اور اب ہم اپنی اپنی، پرانی جگہوں پر مامور ہیں۔"

"تم ظفر کے ماضی سے تو پوری واقفیت رکھتے ہو گے؟" میں نے موضوع سے ہٹتے ہوئے سوال کیا۔

"بس اتنا ہی معلوم ہے کہ وہ ایک ریٹائرڈ فوجی افسر اور اسپیشل ٹاسک فورس کا فرض شناس کارکن ہے۔ ہم لوگ ایک دوسرے کے بارے میں زیادہ تجسس میں نہیں پڑتے۔"

"شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہو کہ اس کی اور ویرا کی پرانی شناسائی ہے!"

"نہیں!" اول خان دفورِ حیرت سے اپنی کرسی سے اچھل پڑا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"میرے سامنے کی بات ہے کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔"

"مجھے یہ نہ بتانا کہ ظفر بھی کسی وقت شی کے لیے کام کرتا رہا تھا" اس نے بے اعتباری سے کہا۔

"شاید کرنل جیسی جونز کا نام تمہارے لیے نیا نہیں ہوگا؟" میں نے اُس سے پوچھا۔

"وہی جو کولمبیا میں جرائم کا شہنشاہ کہلاتا تھا؟" اول خان نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ہاں۔ اس کا ہیڈ کوارٹر بوگوٹا میں تھا اور وہ بھاری معاوضے پر سیاسی جرائم اور دہشت گردی کے کام کیا کرتا تھا۔ اس کا شمار کارلوس کے ہم عصروں میں کیا جاتا ہے" میں نے وضاحت کے ساتھ کہا۔

"میں سمجھ گیا" اول خان نے بے صبری کے ساتھ کہا "لیکن کرنل جیسی جونز سے ظفر کا کیا تعلق تھا؟"

"ظفر اس کے لیے تین برس پہلے تک کام کرتا رہا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ کرنل جیسی جونز کو چھوڑ کر ہی ایس ٹی ایف میں آیا تھا۔ اسے ڈھونڈ کر یہ جاب پیش کیا گیا تھا۔"

"اور یہ سب تمہیں ویرا نے بتایا تھا؟" اول خان کی حیرت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"اس نے مجھے خفیہ طور پر کچھ نہیں بتایا۔ یہ تمام باتیں مجھے ظفر اور ویرا کی گفتگو سے معلوم ہوئی تھیں اور یہ تمام گفتگو میری ہی موجودگی میں ہوئی تھی۔"

"لیکن اس وقت ویرا کہاں تھی؟ اسے یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟" اول خان نے بے تابی کے ساتھ پوچھا۔

"وہ بوگوٹا میں کرنل جیسی جونز کے دستِ راست 'ایلشٹن کی داشتہ ہوا کرتی تھی۔ وہاں اس نے ویرونیکا کا نام اختیار کیا ہوا تھا۔ ظفر کو وہ تمام باتیں یاد تھیں۔ ویرا نے تو اسے پہنچانتے ہی اس پر پستول تان لیا تھا لیکن بعد میں جب تمام غلط فہمیاں رفع ہو گئیں تو ظفر اس پر لٹو ہو گیا تھا۔ ویرا کو کوئٹہ جانے والی پرواز پر اسی نے پہنچایا تھا۔ ویرا نے بھی اسے رجھانے اور گھسنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

"حالاں کہ عمر میں وہ ویرا سے بہت بڑا ہے۔ اسے محتاط رہنا چاہیے تھا" اول خان آہستگی سے بڑبڑایا تو اُس کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"تم یکایک کچھ فکرمند نظر آنے لگے ہو' کیا بات ہے؟" میں نے اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"ویرا نے تمہیں اور کیا بتایا تھا؟" اس نے میری بات سنی ان سنی کر کے سوال کیا۔

"بس یہی خاص باتیں تھیں جو میں نے دُہرا دیں۔ البتہ ویرا نے ظفر کے اظہارِ عشق کا بہت منہ توڑ جواب دیا تھا۔ اس نے ائرپورٹ پر ظفر سے رخصت ہونے سے پہلے اسے ایک خوب صورت مصنوعی پھول دیا تھا جو راستے ہی میں ایک دھماکے سے پھٹ گیا۔ ظفر زخمی حالت میں اسٹیشن فور پہنچا تھا۔"

"لیکن اس کے ہاتھوں زِک اٹھانے کے باوجود ظفر اس سے متاثر تھا" وہ تعجب کے ساتھ بولا۔

"اس نے خود ہی ویرا کے اس انتقامی رویّے کا جواز ڈھونڈ لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ابتدائی جھڑپ میں اس نے ویرا کو آوارہ قرار دے کر اس کی انا کو مجروح کیا تھا اور ویرا نے اسے زخمی کر کے اپنا بدلہ لے لیا تھا۔ کوئٹہ پہنچنے کے بعد ویرا نے فون پر اس کی عیادت بھی کی تھی جس پر وہ بہت خوش ہوا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ سب محض دکھاوا تھا" اول خان کی آواز قدرے تلخ ہو گئی "وہ ویرا سے دوستی بحال کر کے اس کی زبان بند رکھنی چاہتا تھا۔ کرنل جیسی جونز کی تنظیم میں لوگ ا... سے شامل ضرور ہوتے ہیں لیکن اپنی آزادانہ مرضی سے ا... باد نہیں کہہ سکتے۔ اب مجھے یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ تین سال پہلے... کن حالات میں ایس ٹی ایف میں آیا تھا۔ تم نے اس کے بار... میں مجھے شکوک میں مبتلا کر دیا ہے۔"

"تو کیا اس کی ہمدردیاں اب بھی جیسی جونز کے ساتھ ہ... ہیں؟" اب میرے حیران ہونے کی باری تھی۔

"بدقسمتی سے مجھے یہی شبہ ہے اور اگر یہ شبہ درست ... ہوا تو یہ ایس ٹی ایف کی تاریخ میں غداری کا پہلا واقعہ ہو گا" ... خان بہت کشیدہ خاطر نظر آنے لگا تھا۔

"تمہارے شبے کی بنیاد کیا ہے؟"

"مصدقہ اطلاعات کے مطابق کرنل جیسی جونز کم از کم دو سال سے 'ارب پتی یہودیوں کے ایک نسل پرست گروہ کے... کام کر رہا ہے۔ اگر ظفر اب بھی اس کا ہمدرد ہے تو سمجھ لو کہ ... آستین میں ایک سانپ پال رہے ہیں۔ ایس ٹی ایف میں ا... ترین قومی رازوں تک رسائی حاصل ہے اور وہ کسی بھی ... ہماری گردنوں میں پھندا ڈلوانے کی پوزیشن میں ہے۔"

میرے بدن کے مساموں میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں"... سے بڑا خطرہ تو اس ایٹمی ساز و سامان کو ہے جو ہماری س... زیرِ زمین گوداموں میں اتارا گیا ہے۔ ظفر نے وہ جگہ نہ دیکھ... لیکن اسے اتنا ضرور معلوم ہے کہ دشتِ لوت سے آنے والا ... کارواں سرحدی پہاڑوں میں روپوش ہوا تھا۔"

میں نے ظفر کا نام آنے پر اول خان سے اس کے ما... سرسری سا ذکر چھیڑا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا ک... کسی سنگین موضوع پر بات کر رہا ہوں لیکن وہاں معاملہ ہی ... تھا۔ مجھے حیرت اس بات کی تھی کہ ظفر نے کراچی میں اپنی تو... کے دوران میں مجھے اپنی نیت پر شبہ کرنے کا کوئی موقع نہیں دیا... اگر وہ بدستور کرنل جیسی جونز کے لیے کام کر رہا تھا تو وہ واقعی ... بڑے چکر میں تھا۔ چھوٹے موٹے رازوں کی پاسداری کر کے ... نے مناسب وقت اور موقع کے لیے ایس ٹی ایف میں اپنا... مقام بنا لیا تھا۔

"میں اس معاملے میں ایک منٹ بھی ضائع نہیں کر... اول خان نے اضطراری انداز میں کہا "اگر وہ غدار ہے تو ہ... لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ باقی مسائل بعد میں بھی طے ... جا سکتے ہیں۔"

اُس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور ایک نمبر ملانے لگا جو... ابتدا صفر سے ہوئی تھی' یعنی وہ کراچی سے باہر کسی سے بات ... چاہ رہا تھا۔

فون پر رابطہ ہوتے ہی اوّل خان کے چند ابتدائی کلمات سے ...ہ اندازہ ہو گیا کہ وہ اپنے کسی اعلیٰ افسر سے بات کر رہا تھا۔ میری ...ر اول خان کی دوستی اپنی جگہ تھی لیکن ایس ٹی ایف اور اس کے ...تری معاملات بڑی حد تک قومی سلامتی کے زمرے میں آتے تھے ...ر مجھے ان سے الگ تھلگ ہی رہنا چاہیے تھا۔

...با... مراسم کی وجہ سے' اول خان مجھے دفتر چھوڑنے کی ...ابت نہیں دے سکتا تھا لیکن میں نے معاملے کی نزاکت بھانپتے ...ں اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اول خان نے مجھے وہاں رکنے کا اشارہ نہیں ...کیا تو میں بس لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس کے دفتر سے باہر ...راہداری میں نکل گیا۔

میں نے چند قدم دور جانے کے بعد سگریٹ سلگائی اور کھوئے ...ہوئے انداز میں برہنہ دیواروں کو تکنے لگا۔

ظفر کے بارے میں ظاہر کیے جانے والے' اول خان کے ...بہات نے میرے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اسپیشل ٹاسک ...رس کوئی روایتی سرکاری ادارہ نہیں تھا' جس پر اپنے ملازمین کی ...قرری کے سلسلے میں عام ضوابط کی پابندی لازمی ہو۔ اس کے ذمے ...ر قومی سلامتی اور اپنی خفیہ تنظیم کی ضروریات کو مدِ نظر رکھتے ...وئے' کوئی بھی غیر روایتی لیکن محفوظ طریقۂ کار اپنانے کے لیے ...آزاد ہونے چاہیے تھے تاکہ اس اہم ترین ادارے میں غیر ملکی تخریب کار اور مخبر نہ گھس سکیں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس ضمن میں کہیں بھی کسی کوتاہی کے ارتکاب کی گنجائش نہیں تھی لیکن دوسری طرف اول خان کا یہ دعویٰ بھی وزنی تھا کہ جیسی جونز کے گروہ میں شامل ہونے والے' اپنی مرضی سے اس کو چھوڑنے کا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے اور اگر ظفر اسے چھوڑ کر ایس ٹی ایف میں آگیا تھا تو یہ بات یقینی تھی کہ وہ اب بھی کرنل جیسی جونز کا وفادار تھا اور کسی خاص مشن کے لیے ایس ٹی ایف میں موجود تھا۔

اس بارے میں یہ نکتہ بھی قابلِ غور تھا کہ کرنل جیسی جونز پچھلے کئی برس سے ارب پتی یہودیوں کے کسی نسل پرست گروہ کے لیے کام کر رہا تھا۔ عالمی حلقوں میں یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی کہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے نسل پرست یہودیوں نے اپنی تقدیریں اسرائیل سے وابستہ کی ہوئی تھیں۔ وہ مشنری جذبے کے ساتھ اسرائیل کے مفادات کی نگہبانی کرنا اپنا فرض تصور کرتے تھے جب کہ مشرقِ وسطیٰ اور عالمِ اسلام کے ساتھ اسرائیل کی ذرا بھی نہیں بنتی تھی۔ اسی چکر میں اسرائیل کے حکمراں' پاکستان کے ساتھ پرخاش رکھتے تھے اور آئے دن اس کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے تھے۔ اگر انہوں نے اپنے کسی مذموم منصوبے کی تکمیل کے لیے ظفر کو اسپیشل ٹاسک فورس میں پہنچایا تھا تو یہ بہت خطرناک بات تھی۔

کرنل جیسی جونز اور اس کے دہشت گرد گروہ کے بارے میں میری معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ اس بارے میں ویرا بہت کچھ بتا سکتی تھی یا پھر اول خان کے دعوے کو من و عن تسلیم کر لینا ضروری ہو جاتا تھا۔ ان دونوں میں سے کسی کو بھی ظفر کے بارے میں جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن ظفر کے کردار کے بارے میں' اول خان کے واضح شبہات میرے دل میں صرف اس بنا پر بری طرح کھٹک رہے تھے کہ شرافت و دیانت یا بدمعاشی اور بے ایمانی سے قطعِ نظر' کوئی بھی پاکستانی' خواہ اس کا جذبۂ وطن پرستی کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو' کم از کم دو باتوں پر کوئی گندہ سمجھوتا نہیں کر سکتا تھا۔

میری نگاہ میں وہ دونوں نکات ایٹمی ترقیاتی پروگرام اور اسرائیل کے لیے مخبری پر مشتمل تھے۔ ظفر کیسا ہی گیا گزرا کیوں نہ ہو' وہ اپنے مخصوص ماضی کی بنا پر' ذلت اور بے ضمیری کی اس سطح تک نہیں گر سکتا تھا جہاں وہ دونوں ہی خطرات ہو سکتے تھے۔

ظفر کے بارے میں' وہ تصور میرے لیے سوہانِ روح بنا ہوا تھا اور میں سگریٹ پھونکتے ہوئے ویران راہداری میں بے چینی کے ساتھ ٹہلتا رہا۔ مجھے پہچاننے والے ایک کارکن نے مجھے خالی کمرے میں بٹھانے کی پیشکش کی' جسے میں نے اضطراری طور پر مسترد کر دیا۔ میں تو بس اوّل خان کی فون کال ختم ہونے کا منتظر تھا تاکہ اس سے فوری طور پر ظفر کے معاملے پر گفتگو کو آگے بڑھا سکوں۔

ایران سے زمینی راستے سے پاکستان آنے والے ایٹمی ساز و سامان اور آلات کی چھ سو ٹن وزنی کھیپ کو ہم نے ویرا کی مدد سے تباہی سے بچایا تھا۔ اس اہم ترین مشن میں ہم سب ہی کا کوئی نہ کوئی کردار تھا۔ لیکن اصل اور فیصلہ کن رول ویرا نے ہی ادا کیا تھا۔ اگر وہ ایک سپر طاقت کی طرف سے' ٹی کی اعلیٰ ترین صفوں سے آنے والی ہدایات کو نظر انداز کر کے دھماکا خیز ٹریلر کو بروقت بقیہ کارواں سے الگ نہ کراتی تو بلیو کراس ڈیل کا اہم ترین منصوبہ دردناک سازش کی بھینٹ چڑھ سکتا تھا۔ اس پوری کارروائی میں ظفر کا اس کے علاوہ اور کوئی عملی کردار نہیں تھا کہ اس نے ویرا کو میرے فلیٹ سے ائرپورٹ تک پہنچایا تھا۔ اس کے علاوہ وہ بس مختلف خبریں ہی وصول کرتا رہا تھا۔ اسے ابتدا سے آخر تک ہر بات کا علم تھا اور وہ چاہتا تو اپنے آقاؤں کو ویرا کے عزائم سے آگاہ کر کے' اس کی کوششوں کو خاک میں ملانے کا بندوبست کر سکتا تھا۔

اگر اوّل خان کے شبہات درست تھے تو بلیو کراس ڈیل میں ویرا کے کردار کے بارے میں ظفر کی خاموشی بہت ہی زیادہ پُراسرار اور خطرناک نظر آنے لگتی تھی۔ اگر اس کی نگاہ میں بلیو کراس ڈیل کی زیادہ اہمیت نہیں تھی تو پھر وہ کس بڑے مشن پر کام کر رہا تھا؟

یہ سوال بار بار پوری شدت کے ساتھ میرے ذہن میں گونجنے لگا۔ آخر کار میری کھوپڑی میں ایک جھماکا ہوا اور میں بری طرح مضطرب ہو گیا۔

اگر ظفر نے ایران سے آنے والے ایٹمی سامان کی کھیپ کو

سرسری طور پر نظرانداز کردیا تھا تو اس کی نگاہیں یقینی طور پر کہوٹہ کے ممنوعہ ایٹمی علاقے پر مرکوز تھیں۔ سرحدی پہاڑوں میں واقع زیرِ زمین گوداموں سے اس سامان کو منزلِ مقصود تک لے جانے کے لیے طویل راستے سے گزرنا تھا۔ بے شک وہ ہمارا ملکی علاقہ تھا لیکن اس پورے راستے کی کڑی نگرانی کرنی ممکن نہیں تھی۔ چند افراد کی ملی بھگت کے ذریعے، ان میں سے کسی بھی ٹرک پر ایسا تباہ کن مواد لادا جاسکتا تھا جسے میلوں دور سے حرکت میں لاکر پاکستان کی ایٹمی اساس پر کاری وار کیا جاسکتا تھا لیکن اس مفروضے پر دماغ سوزی کرنے سے پہلے، یہ یقین کرنا ضروری تھا کہ ظفر واقعی غدار اور کرنل جیسی جونز کا آدمی تھا۔ وہ اسپیشل ٹاسک فورس میں ایک کلیدی عہدے پر فائز تھا اور اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے، کارواں کی نقل و حرکت کے کسی بھی اگلے مرحلے پر کوئی تخریبی کارروائی کرسکتا تھا۔

بلیو کراس ڈیل اور اس سے بھی آگے، پاکستان کی شہرہ آفاق ایٹمی تنصیبات کو کسی بھی امکانی خطرے سے بچانے کے لیے یہ امر ناگزیر ہوچکا تھا کہ جب تک ظفر کی نیک نیتی یا بدنیتی کے بارے میں کوئی شہادت حاصل نہ کرلی جائے، اس کے اختیارات اس حد تک ضرور سلب کرلیے جائیں کہ اسے ایرانی سازو سامان منتقل کرنے والے ٹرکوں کی نقل و حمل یا راستے میں دخل انداز ہونے کا موقع نہ مل سکے۔

میں فلیٹ سے روانہ ہوا تو یہ ارادہ تھا کہ اول خان کے ساتھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکالوں گا لیکن اس کے فون پر مافیا کے حبیب جیوانی کے ساتھ بات کرنے کے بعد ہی اتفاقاً ظفر کا ذکر نکل آیا اور پھر وہی موضوع میرے ذہن پر بری طرح چھاتا چلا گیا۔

اسی وقت اول خان اپنی فون کال سے فارغ ہوکر، اپنے دفتر سے باہر نکل آیا۔

"باہر کیوں ٹہل رہے ہو؟ اندر ہی آجاؤ۔ میری فون کال ختم ہوگئی ہے۔"

"تمہیں آزادی کے ساتھ بات کرنے کا موقع دینے کے خیال سے باہر آگیا تھا۔"

"آگئے تو اچھا کیا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا "اندر بیٹھے رہتے تو کوئی فرق نہ پڑتا۔"

"کیا رہا؟" میں نے کرسی سنبھالنے کے بعد ٹٹولنے والے لہجے میں سوال کیا۔

"میں نے ظفر کے بارے میں اپنے کمانڈنگ آفیسر سے بات کی ہے۔ وہ مجھ سے متفق نہیں ہے۔"

"تم لوگوں کے سسٹم میں کسی غدار کا گھس آنا، ان ہونی سی بات لگتی ہے۔"

"لیکن میں اپنے شبہات کے بارے میں پُریقین ہوں۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولا۔

"اگر تمہارے شبہات میں ذرا سی بھی جان ہے تو ظفر کو فوری طور پر اختیارات سے محروم کیا جانا ناگزیر نظر آتا ہے تاکہ وہ بلیو کراس ڈیل کو خراب نہ کرسکے۔" میں نے اپنے دل کی بات اس کے سامنے بیان کردی۔

"میری بھی یہی کوشش تھی۔ میں نے اپنی بات آگے تک پہنچا دی ہے۔ اب فیصلہ کرنا اوپر والوں کے اختیار میں ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ وہ بلیو کراس ڈیل سے بھی بڑے چکر میں ہے۔ اسے اتنا وقت میسر تھا کہ ویرا کو راہ سے ہٹا کر کسی اور کو دشتِ لوت والے مشن پر مامور کیا جاسکتا تھا۔"

مجھے حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہوئی کہ اس کی اور میری سوچ میں یکسانیت تھی۔

"یہی نکتہ مجھے بھی پریشان کررہا ہے۔ اگر ظفر کی وفاداریاں اب بھی کرنل جیسی جونز کے ساتھ ہیں تو پھر وہ کسی بہت بڑے پروگرام میں ہے۔"

"کرنل جیسی جونز کا کوئی آدمی اس سے منحرف یا کنارہ کش ہوکر زندہ نہیں رہ سکتا!" اس نے میرے تردّد پر بالاصرار کہا۔ "اس لیے تم اگر مگر کی بات چھوڑ دو!"

"میں کسی بھی طرح اس الزام کو ہضم نہیں کرپارہا مگر پھر بھی خوفزدہ ہوں۔"

"ان ارب پتی یہودیوں کے بارے میں، مَیں بہت کچھ جانتا ہوں۔ وہ نسل پرست، خود کو ڈیوڈ اسٹارز یا داوٗدی ستارے کہتے ہیں۔ وہ درپردہ کئی بڑے تجارتی گروپوں پر قابض ہیں جن کے ذریعے انہوں نے امریکا اور یورپ کے کئی بااثر اخبارات کے اکثریتی حصص حاصل کیے ہوئے ہیں، جن کے بل پر وہ پیشہ ور صحافیوں کے لیے پالیسیاں جاری کرنے پر قادر ہیں۔ نامور صحافی اپنی پیشہ ورانہ مجبوریوں کے تحت انہی خطوط پر کام کرتے ہیں اور بغیر جانے بوجھے، نسل پرست یہودیوں کے لیے فضا سازگار بنانے میں لگے رہتے ہیں......"

"کمانڈنگ آفیسر اس بارے میں کیا کہتا ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"وہ میری بات سننے پر ہی آمادہ نہیں تھا۔ دراصل بعض لوگ اپنی تمام تر حبّ الوطنی اور فرض شناسی کے باوجود تنگ نظر ہوتے ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ میں اپنے تبادلے کی وجہ سے ظفر سے بدظن ہوا ہوں۔ اس نے میری پوری بات سننے کے بجائے مجھے یہ سمجھانا شروع کردیا کہ تبادلوں میں کسی کی خواہش کا دخل نہیں تھا۔ وہ اوپر سے آنے والے احکام تھے جن کے سامنے ظفر بھی میری ہی طرح بے بس تھا۔"

"پھر تو شاید کچھ بھی نہیں ہوسکے گا۔" اول خان کی اس کہانی نے مجھے مایوس کردیا۔

"لیکن میں نے ہتھیار نہیں ڈالے۔ میں نے درخواست کی ہے کہ کم از کم ظفر کی سیکیورٹی کلیئرنس کا ریکارڈ چیک کروالیا جائے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ اس میں کوئی فروگزاشت نہیں تھی۔"

"اس میں دو چار دن بھی لگ سکتے ہیں۔ ظفر تو بدستور اپنی جگہ مستحکم اور فعّال رہے گا۔"

"سیکیورٹی کلیئرنس کی فائل دوبارہ کھلنے کا فیصلہ ہوتے ہی وہ کڑی نگرانی میں آجائے گا اور کسی بھی طرح اپنی من مانی نہیں کرسکے گا۔"

"لیکن بات فیصلہ ہونے کی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری درخواست رد کردی جائے۔"

"یہ بھی ممکن ہے۔" اس نے اعتراف کیا "کیونکہ ایس ٹی ایف میں افسر تو درکنار، کبھی کسی معمولی کارندے کی سیکیورٹی فائل بھی کبھی ری اوپن نہیں کی گئی ہے۔"

"پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ فائل ری اوپن ہوتے ہی مشتبہ شخص زیرِ نگرانی آجاتا ہے؟"

"میں نے کچھ عرصے تک ریکارڈ آفس میں بھی کام کیا ہے اس لیے ان کتابی ضابطوں سے واقف ہوں۔ تمہیں میری بات پر اعتبار کرلینا چاہیے۔" اس نے دلنشیں مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کتابی ضابطے!" میں ایک گہرا سانس لے کر بولا "اس کا مطلب ہے کہ اسپیشل ٹاسک فورس کے بڑے بھی روایتی پابندیوں سے آزاد نہیں ہیں؟"

"مادر پدر آزاد رہ کر بس چھوٹے موٹے گروہ ہی پنپ سکتے ہیں۔ بڑی تنظیموں کی کارکردگی اور بقا کے لیے کچھ نہ کچھ قاعدے بنانے ہی پڑتے ہیں۔ ایس ٹی ایف کے ضوابط بہت مختصر اور موثر ہیں۔ ایک بار کمانڈنگ آفیسر میرا ہم نوا بن جائے تو وہ اپنی صوابدید پر بہت کچھ کرسکتا ہے۔"

"جب تک وہ تمہارا ہم نوا نہیں بنتا، ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے؟"

وہ سوچ میں پڑگیا اور چند لمحوں کے توقف کے بعد، پُرخیال لہجے میں بولا "اس دوران میں تم ویرا سے ظفر کے ماضی کے بارے میں معلومات حاصل کرسکتے ہو۔"

"وہ بھی کرنا پڑے گا۔ ویرا نے اسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا جبکہ ظفر سکتے میں رہ گیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ بوگوٹا میں قیام کے دنوں میں، ان دونوں میں گہری شناسائی تھی۔"

"بہت زیادہ!" میں نے نیا سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "ایشٹن، کرنل جیسی جونز کا دستِ راست تھا۔ اس لیے ویرا کو اس کے تمام ماتحتوں کو بہت قریب سے دیکھنے اور جاننے کا موقع ملتا رہا ہوگا۔"

"کمانڈنگ آفیسر نے بظاہر میرے خدشات مسترد کردیے ہیں لیکن مجھے پورا پورا یقین ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کرے گا۔"

"اس دوران میں، مَیں ویرا سے شاید کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہوجاؤں۔"

"اور اگر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں تو ویرا کا ردِّ عمل کیا ہوگا؟" اس نے پوچھا۔

"ویسے تو وہ بڑی متلوّن طبیعت کی مالک ہے۔ بعض اوقات اس کے بارے میں سارے اندازے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ وہ تمہارے سامنے کھل کر بات نہیں کرے گی۔ وہ میری زبان سے تمہارے تذکرے سن کر بہت زیادہ متاثر ہے۔ یوں اچانک تم سے ملاقات ہوگی تو وہ فطری آزادی کے ساتھ بات نہیں کرسکے گی۔ وہ تم سے ملنے کی بہت زیادہ شائق ہے۔"

"اچانک نہیں، تم فون کرکے اسے بتا دو کہ واپسی پر تم مجھے اپنے ساتھ لارہے ہو۔" اول خان اس معاملے میں ہر بات جلد از جلد جان لینے پر تُلا ہوا تھا۔

"وہ بہت چالاک ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ کئی بار میری اور اُس کی اَن بَن بھی ہوچکی ہے۔ تمہیں، میرے ساتھ دیکھتے ہی وہ بھانپ لے گی کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ظفر کے بارے میں کھل کر بات نہ کرے۔ تم نہیں جانتے کہ اسے اپنے ساتھ ملائے رکھنے کے لیے میں کیا کچھ پاپڑ بیلتا رہا ہوں!"

"تو تم اسے اعتماد میں نہیں لوگے؟" اس نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ضرورت ہی نہیں ہے۔" میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ "میں تو اس کے اور ظفر کے بے جوڑ عشق کا مضحکہ اڑا کر بات کی ابتدا کروں گا اور وہ خود ہی میری مطلوبہ لائن پر آجائے گی۔"

اول خان اضطراری انداز میں ہنس پڑا مگر اس کی ہنسی کھوکھلی تھی۔ وہ ان معدودے چند لوگوں میں سے تھا جو فرض شناسی کا روگ ہر وقت اپنے دل سے لگائے پھرتے ہیں اور انہیں کوئی بھی اندیشہ محسوس ہونے لگے تو وہ اپنی ہر ذاتی راحت اور آسائش کو قربان کرکے، ہر لمحہ اسی کے انسداد میں لگے رہتے ہیں۔

"پھر تم فوراً جاؤ اور اس سے بات ہوتے ہی، مجھے نتائج سے باخبر کردینا۔" اس نے نہایت بے چینی کے ساتھ اپنی کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"میں کوشش کروں گا کہ اس بار تمہاری اور اس کی ملاقات کرادوں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ملاقات ہو یا نہ ہو، اس سے معلومات حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔"

میں اول خان سے رخصت ہوا تو میرے ذہن پر بہت بڑا بوجھ سوار ہوچکا تھا۔ گھر کے بھیدی کے خوف نے حبیب جیوانی اور اس

سے کیے ہوئے وعدے کو ذہن سے بالکل ہی محو کر دیا تھا۔

میں دس بجے کے قریب فلیٹ پر واپس پہنچا تو میرے لیے غزالہ ہی نے دروازہ کھولا۔ دروازہ کھلتے ہی مجھے ڈرائنگ روم سے سلطان شاہ کی تلخ و ترش آواز سنائی دی۔

میں نے آنکھیں چڑھا کر استفسار طلب نگاہوں سے غزالہ کی طرف دیکھا تو وہ اپنا سر جھٹک کر مسکرا دی۔ "سلطان شاہ بلاوجہ ہی ویرا سے الجھ پڑا ہے اور وہ اسے مسلسل چڑائے جا رہی ہے۔"

مجھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتا دیکھ کر' سلطان شاہ شیر ہو گیا اور اس نے اچانک ہی اچھل کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "بہت ہو گئی..... اب میں اس گھر میں زیادہ دن نہیں رہ سکتا۔"

"کسی بوڑھی گھوڑی کی طرح بدکنے کی ضرورت نہیں۔" ویرا کی خشک آواز ابھری۔ "مجھے بتاؤ! میں خود تمہیں نئے اصطبل میں چھوڑ کر آؤں گی۔"

سلطان شاہ چراغ پا ہو کر' براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "تم اپنی چہیتی کی بکواس سن رہے ہو؟ اسے بتاؤ کہ گھوڑی کون ہے..... اسے ہر وقت اچھلنے کودنے اور ناز نخرے دکھانے کا شوق ہے جو میری برداشت سے باہر ہے۔ میں ابھی اس کی گردن مروڑ دوں گا۔"

"آخ..... خاہ!" ویرا نے میری طرف گھوم کر' شوخی کے ساتھ اپنی آنکھیں مٹکائیں۔ "تو آپ بھی تشریف لے آئے! کسی کو کچھ بتائے بغیر' صبح صبح کہاں نکل گئے تھے.؟"

"کشمیر روڈ کے سبزہ زاروں پر چہل قدمی کے لیے چلا گیا تھا۔" میں نے یونہی کہہ دیا۔

"اس حلیے میں؟" اس نے آنکھیں نکال کر میرے لباس اور جوتوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"علاقے کی سڑکیں ناپنے کے ارادے سے نکلا تھا لیکن پھر ان باغات کی طرف چلا گیا۔ صبح کی چہل قدمی کے لیے وہ پارک بہت خوبصورت ہیں۔"

"کل صبح میں بھی تمہارے ساتھ واک پر چلوں گی۔" وہ اِٹھلا کر بولی۔

میں کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا کہ وہ نیا موضوع چھڑ جانے کی وجہ سے سلطان شاہ کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمودار ہو رہے تھے لیکن میں اس کی طرف سے انجان بنا رہا۔ اپنے یوں نظرانداز کیے جانے پر آخر کار اس سے نہ رہا گیا اور وہ ایک دم پھٹ پڑا۔ "بھاڑ میں گئی تمہاری واک۔ میں اسی وقت اس گھر میں اپنی حیثیت کا فیصلہ کر کے رہوں گا۔ اب یہ کھیل زیادہ دنوں تک نہیں چلے گا۔"

"کیا ہوا؟ تم کیوں ناراض ہو رہے ہو؟" میں نے معصومانہ سادگی سے پوچھا۔

"سب سے بڑی مشکل یہی ہے کہ میرے ساتھ ہونے والی زیادتیاں اب تمہیں نظر نہیں آتیں۔ تم نے اس' شیطان کی خالہ کو بہت سر چڑھا لیا ہے۔" اس نے بھنّا کر فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔

ویرا نے اس کی بات کا جواب دینے کے لیے مُنہ کھولا ہی تھا کہ میں نے سختی سے اسے روک دیا اور سلطان شاہ سے کہا "کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم بیٹھ کر آرام سے تمہاری شکایات پر گفتگو کریں؟"

سلطان شاہ بھونڈے انداز میں اچانک ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔

"اب بتاؤ کہ تمہیں ویرا سے کیا شکایت ہے؟" میں نے بھی اطمینان سے ایک نشست سنبھالتے ہوئے کہا۔

سلطان شاہ نے کچھ کہنے کے لیے بھاڑ سا مُنہ کھولا لیکن غزالہ سے نظریں چار ہوتے ہی وہ بوکھلا گیا اور تیزی کے ساتھ اس سے بولا "تم..... تم اپنے کمرے میں جاؤ! ہمیں کچھ بات کرنی ہے۔"

غزالہ سر جھکا کر خاموشی سے اٹھی اور ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی۔

"یہ بے ہودگی ہے۔" ویرا نے احتجاج کیا۔ "ایسی کون سی بات ہے جو غزالہ کے سامنے نہیں کی جا سکتی؟"

"بکو مت!" سلطان شاہ غرایا۔ "یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔"

"وہ جا چکی ہے۔ اسے بھول جاؤ اور سکون سے اپنی شکایت بیان کرو!" میں نے اسے ٹوکا۔

"یہ..... یہ میرے ساتھ مسلسل بدتمیزیاں کر رہی ہے۔" سلطان شاہ کی غصیلی آواز شاید غیر ارادی طور پر دھیمی ہو گئی تھی۔

"کس قسم کی بدتمیزیاں؟ کھل کر بات کرو کیونکہ اب غزالہ یہاں نہیں ہے۔"

وہ فوری طور پر کوئی وضاحت نہیں کر سکا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے سے الجھن جھانکنے لگی تھی۔ جیسے اسے ویرا کی بدتمیزی کی وضاحت کے لیے مناسب الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

"تمہیں معلوم ہے کہ کل رات' اس نے خواب گاہ میں گھس کر مجھے اچانک ہی گہری نیند سے بیدار کر دیا تھا۔" کئی ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر اسے بات آگے بڑھانے کا اشارہ دیا۔

"آج صبح اس نے میرے ساتھ پھر وہی حرکت کی تھی۔" سلطان شاہ نے مُنہ پھلا کر کہا۔

"کون سی حرکت؟" میں نے قدرے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"وہی جو کل رات کی تھی۔" سلطان شاہ نے مظلومیت اور بے چارگی کے ساتھ کہا۔

"کیا؟" میں دانت پیس کر غرّایا۔ "وہی تو میں جاننا چاہ رہا ہوں۔"

ویرا اپنی بے ساختہ ہنسی ضبط کرنے کے لیے طرح طرح کے مُنہ بنا رہی تھی۔ میں بھی اس سے نظریں ملانے سے کترا رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ نظریں چار ہوتے ہی ہم بری طرح قہقہے لگانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

"یہ میرے بدن سے چپک کر' ہولے ہولے میرا سر سہلاتی ہے۔" سلطان شاہ بمشکل کہہ سکا۔

ویرا کے حلق سے ایک بے ساختہ نقرئی قہقہہ ابل پڑا اور وہ ہنسی کے دوران میں ہی بولی "اور میری اس دلجوئی سے اس کا دم نکلنے لگتا ہے۔"

میں نے بدقّت تمام اپنا قہقہہ ضبط کر کے گہری مسکراہٹ پر اکتفا کیا اور سنجیدگی کے ساتھ کہا "یہ تو کوئی بدتمیزی نہیں ہے۔ میں تو سمجھا تھا کہ اس نے تمہیں بستر سے نیچے گھسیٹ لیا ہو گا۔"

"یہ تمہاری سوچ کا فتور ہے کہ تمہیں برائی میں بھی برائی نظر نہیں آتی۔" اس نے بے بسی کے ساتھ کہا۔ میری سنجیدگی کی وجہ سے اس کا غصہ دوبارہ نہیں بھڑک سکا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "اتفاق سے کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن مرد اور نامحرم عورت کا جان بوجھ کر خطرناک حد تک ایک دوسرے کے قریب ہونا شیطانی فعل ہے۔ میں اسے پسند نہیں کرتا۔ اس سے کہہ دو کہ یہ آئندہ مجھ سے اس قدر قریب آنے کی کوشش نہ کرے۔"

"یہ اپنی اپنی طبیعت کی بات ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا "اسپیشل ٹاسک فورس والے ظفر کا قصہ تمہارے سامنے ہی ہے۔ پختہ عمر کا وہ متین شخص ویرا کے اسی التفات کا طلب گار تھا جسے تم شیطانی فعل قرار دے رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ ویرا نے اسے بارودی پھول کا تحفہ دے کر زخمی کر دیا تھا۔ تمہاری جگہ ظفر ہوتا تو بِن مانگے ملنے والے اس خلوص پر خوشی سے پاگل ضرور ہو جاتا۔"

"یہ ظفر کے ذکر کا کون سا موقع ہے؟" ویرا مجھے گھورتے ہوئے غرّا کر بولی۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" میں نے اس سے کہا اور دوبارہ سلطان شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تم ہاتھ مُنہ دھو کر ناشتا کرو۔ میں ویرا کو سمجھا دوں گا کہ تمہارے ساتھ جسمانی فاصلہ برقرار رکھے۔" بات کرتے ہوئے' میں نے اسے آنکھ ماری اور غنیمت ہوا کہ وہ میرا اشارہ سمجھ کر' مزید بحث کیے بغیر وہاں سے اٹھ گیا۔

"یہ بالکل جھوٹ بول رہا ہے۔" ویرا تڑپ کر بولی "یہ کہاں کا گلفام ہے کہ میں اس سے زبردستی چپکتی پھروں گی۔ یہ کسی گھاگ الو کی طرح' اپنی خواب گاہ میں اندھیرا کر کے سونے کا عادی ہے۔ رات کو میں اس کے کمرے میں گئی تو مجھے ڈر تھا کہ اس چھوٹے سے فلیٹ میں اونچی آوازوں سے غزالہ کی نیند خراب نہ ہو' اس لیے میں نے اس کے بستر کے قریب جا کر' اس کا سر ہلایا تھا اور اس نے کہانی بنا دی۔ بے خیالی میں' میرے بدن کا کوئی حصہ اس کے گندے جسم سے مَس ہو گیا ہو تو میں اس سے بے خبر ہوں۔ یہ بیدار ہوتے ہی' چڑ کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے اسی ردِّ عمل کی وجہ سے' آج بھی میں نے سر کے بال کھینچ کر اسے جگایا تھا۔ اتنی سی بات تھی اور اس نے ایک پورا افسانہ بنا لیا۔"

سلطان شاہ جاتے جاتے' رک کر اسے کینہ توز نظروں سے گھورنے لگا تھا۔

ان دونوں کا دوبارہ متصادم ہونا' میرے منصوبے کے حق میں مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لیے' اس بار میں نے ویرا کو آنکھ مارتے ہوئے خشک لہجے میں کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ایک بات سے چڑتا ہے تو تم بار بار اسی کا اعادہ کیوں کرتی ہو....."

"ٹھیک ہے!" ویرا بھنّا کر بولی "اب میں اس سے دور ہی رہوں گی۔ اسے اٹھانا پڑا تو ناک میں تنکا گھما دیا کروں گی۔ اس چند فٹ کے فلیٹ میں صبح کے دو تین بجے اونچی آواز میں کسی کو پکارنا میرے لیے ناممکن ہے۔" اس نے بھی میرا اشارہ بھانپتے ہوئے' بالواسطہ طور پر ہتھیار ڈال دیے اور سلطان شاہ کسی آسودہ حال فاتح کی چال چلتا ہوا' ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا۔

ویرا نے بہت جاندار مسکراہٹ کے ساتھ میرے پیکٹ سے ایک سگریٹ نکال کر سلگائی اور پہلے کش کا دھواں میرے چہرے پر اگلتے ہوئے بولی "اب بتاؤ کہ تم نے ظفر کی بات کیوں چھیڑی تھی؟"

"میرے لیے وہ ایک عجیب و غریب واقعہ تھا۔ میں اسے سنجیدہ اور بردبار آدمی سمجھتا ہوں۔ پھر تمہاری اور اس کی عمر کا فرق بھی بہت واضح ہے....." اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔

"عشق میں عمر کی بات نہیں چلتی۔ دولت کے نشے میں بدمست' عرب شہزادوں کے حرم سے باہر' آزاد دنیا میں ایسی بے شمار مثالیں بکھری ہوئی ہیں۔ مقتول کینیڈی کی بیوہ' جیکولین' اوناسس جیسے بوڑھے کے عشق میں دیوانی ہو گئی تھی۔ الیزبتھ ٹیلر کے ہزاروں سچے عاشقوں میں آٹھ سے اسّی سال تک کے مردوں کی بھیڑ شامل ہے۔ یہی نہیں' اس کے تو شوہروں تک میں بوڑھے' اَدھیڑ عمر' جوان اور نوجوان' سب ہی شامل رہے ہیں اور اخبارات تو یہ خبر بھی سناتے ہیں کہ بوڑھے یاسر عرفات کو ایک ایسی بچی سے عشق ہو گیا ہے جسے اس نے عملاً اپنی گود ہی میں پالا ہے۔ زندگی نے وفا کی تو شاید آنے والے چند برسوں میں وہ لڑکی یاسر عرفات کی بیوی بھی بن جائے۔ عمر کے حوالے سے تم ظفر کو طعنہ نہیں دے سکتے۔ کوئی اور بات کرو!" وہ مسکرائے جا رہی تھی۔

"وہ ایس ٹی ایف کا ایک ذمے دار افسر ہے....." میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے دوبارہ میری بات اچک لی۔

"ہاں' تو یہ کہو نا کہ تم اپنے ایک ہیرو کا میرے سامنے جھکنا برداشت نہیں کر سکے۔" وہ خوش ہو کر بولی "تم مشرقی لوگ بہت زیادہ متعصب اور تنگ نظر ہوتے ہو۔ جسے چاہنے لگتے ہو' اسے

اچانک ہی دیوی دیوتاؤں کے درجے پر فائز کردیتے ہو۔ پھر اس کی انسانی لغزشوں پر' مار مار کر اُس کا پلیتھن نکال دیتے ہو۔"

"تم جو چاہو' سمجھ لو۔ میرے لیے وہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ اس لیے میرے ذہن سے چپک کر رہ گیا۔ اس کے لیے' تم سے اظہارِ عشق کا بہترین موقع وہ تھا جب وہ بوگوتا میں تمہارے ساتھ تھا۔ اس وقت وہ اتنا اُدھیڑ عمر بھی نہیں رہا گا۔ عشق کے لیے صرف جذبے ہی کافی نہیں ہوتے' گھٹنے بھی مضبوط ہونے چاہئیں۔"

"تو تمہارا خیال ہے کہ بوگوتا میں ظفر نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی ہوگی!" وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولی "وہاں بھی اس نے پہلی ملاقات میں دبے لفظوں میں مجھ سے عشق جھاڑنا چاہا تھا لیکن جب میں نے اسے اپنے بوائے فرینڈ' ایلشٹن کے بارے میں بتایا تو وہ فوراً ہی پسپا ہوگیا۔ ایلشٹن پورے کولمبیا میں گردن توڑ بخار کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ وہ کراٹے کے ایک ہی وار میں اپنے حریف کی گردن توڑ ڈالنے میں ماہر ہے۔"

"ظفر واقعی عجیب و غریب آدمی ہے۔ میں اسے اتنا چھچھورا نہیں سمجھتا تھا۔"

"وہ میرے لیے بھی عجیب و غریب ہے لیکن کسی اور مفہوم میں!" وہ ہنس کر بولی۔

"وہ کیا؟" میں نے اپنے تجسس پر قابو پاتے ہوئے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

"شاید تم یقین نہیں کرو گے کہ بوگوتا ہی میں اس کا ایک سو فیصد ہم شکل بھی موجود تھا۔"

"کیا؟" فرطِ حیرت سے میرا مُنہ کھل گیا اور دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہوگئیں۔ ویرا کا وہ سنسنی خیز انکشاف میرے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔

"وہ بوگوتا کے اینٹی نارکوٹکس ڈیپارٹمنٹ میں انسپکٹر تھا۔ اس کا نام البرٹو ڈیلیسا تھا۔ ان دونوں کی شکل و صورت اور رنگ و روپ میں ناقابلِ یقین حد تک مشابہت تھی۔ صرف بالوں کے رنگ اور اسٹائل میں فرق تھا۔ ظفر سے میری پہلی ملاقات بھی یادگار تھی کیونکہ میں اسے البرٹو سمجھ کر اُس کے قریب گئی تھی۔ البرٹو اپنے محکمے میں کرنل جیسی جونز کا تنخواہ دار ملازم تھا اور ایلشٹن نے کئی بار میرے ہاتھوں سے اسے رقم دلوائی تھی۔ میں نے اسی غلط فہمی میں ظفر کی پشت پر بے تکلفی سے ہاتھ مار کر ہسپانوی زبان میں اس کی مزاج پُرسی کی تو ظفر حیرانی سے میری طرف پلٹا اور کسی ہونق کی طرح مجھے گھورنے لگا۔ اس کے چہرے سے ہی نظر آرہا تھا کہ وہ میرے حسن کے سحر کا شکار ہوگیا تھا لیکن میری کوئی بات اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔ اس وقت بھی مجھے شبہ نہیں ہوسکا کہ وہ البرٹو نہیں ہے۔ میں نے ہسپانوی میں ہی پھر پوچھا کہ اس کی عقل کہاں چرنے گئی ہوئی ہے تو ظفر نے نہایت شکستہ انگریزی میں مجھے آگاہ کیا کہ وہ پہچاننے سے قاصر ہونے کے باوجود اپنی خوش بختی پر نازاں تھا۔ اس پر مجھے گڑبڑ کا شبہ ہوا اور بعد میں معلوم ہوا کہ ظفر کرنل کے گروہ میں نیا نیا شامل ہوا تھا۔"

میں نے دل ہی دل میں "وہ مارا" کا نعرہ لگایا۔ بہت سے دوسرے کارنامے سرانجام دینے کے بعد میں' ویرا کے ساتھ مل کر پھر ایک بڑا معرکہ سر کرنے والا تھا۔ اول خان کے شبہات کی تصدیق کی بنیاد پڑ رہی تھی اور اس کو اپنے کمانڈنگ آفیسر کے سامنے سرخروئی حاصل ہوتی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"اتنی مکمل مشابہت کی بات کسی اور نے کی ہوتی تو میں ہرگز یقین نہ کرتا لیکن جہاں تم جیسی چالاک اور جہاں دیدہ لڑکی بھی دھوکا کھا گئی ہو' وہاں شبہ کرنے کی ذرا سی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی۔"

"دراصل اس حیرت ناک مشابہت ہی کی وجہ سے ایلشٹن کی نظرِ انتخاب ظفر پر پڑی تھی۔ ظفر ریٹائرمنٹ پر ملنے والی رقم کے سہارے عالمی سیاحت کے پروگرام کے تحت کولمبیا پہنچا تو شاید اس کے وہم و گماں میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ وہ ایک لمبے عرصے کے لیے وہیں پڑا رہ جائے گا۔ ایلشٹن نے اسے ایک شراب خانے میں دیکھا اور تاڑ لیا۔ پھر اس نے کرنل سے بات کی۔ ان لوگوں کے لیے البرٹو بہت اہم آدمی تھا۔ ایلشٹن' ظفر کو قربانی کے بکرے کے طور پر اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا تاکہ کوئی برا وقت پڑنے پر البرٹو کو صاف بچا کر' ظفر کو مروا دیا جائے۔ کرنل کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد ایلشٹن نے ظفر سے مل کر اسے معقول مشاہرے پر ایک شراب خانے میں منیجر کی ملازمت پیش کی۔ ظفر بیوی' بچوں اور خاندان کے جھمیلوں سے آزاد' ایک سیلانی آدمی تھا اس لیے اس نے وہ ملازمت قبول کرلی۔ وہ کرنل کی فیلڈ فورس سے بالکل لاتعلق تھا اور پسِ پردہ رہ کر بوگوتا کا ایک مصروف مضافاتی شراب خانہ چلاتا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ ظفر یہاں کیسے آیا؟ یہ سب باتیں میرے علم میں نہیں ہیں کیونکہ میں اپنا مشن پورا کرتے ہی کولمبیا سے نکل گئی تھی۔"

"تمہیں ظفر کو یہاں دیکھ کر حیرت نہیں ہوئی؟" میں اپنی بات دھیرے دھیرے آگے بڑھا رہا تھا۔

"صرف اس حد تک کہ کرنل جیسی جونز کا آدمی' تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس میں کیا کر رہا ہے؟"

"میں نے سنا ہے کہ شی کی طرح کرنل کو چھوڑنے والے بھی زندہ نہیں چھوڑے جاتے!"

"یہ ٹھیک ہے لیکن وہ شاید اس کی فیلڈ فورس کے آدمیوں کی بات ہے۔ ظفر تو صرف ایک شراب خانے کا منیجر تھا۔ اسے کرنل کے رازوں تک رسائی حاصل نہیں تھی۔ ہوسکتا ہے کہ اسے غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کردیا گیا ہو۔ وہ شراب خانہ ویسے بھی کرنل کے ایک معاون کے نام پر تھا۔"

"لیکن وہ قربانی کا بکرا تھا۔ البرٹو کی گردن بچانے کے لیے اسے پالا جارہا تھا۔ پھر یکایک اسے پاکستان آنے کی اجازت کیوں دے دی گئی؟" میں نے پُرتشویش انداز میں پوچھا۔

"میں تمہاری الجھن سمجھ رہی ہوں۔ میں نے بھی اسے دیکھ کر اسی لیے پستول نکالا تھا لیکن تمہاری اور اس کی کہانیوں کے بعد مجھے مطمئن ہوجانا پڑا۔ ہوسکتا ہے کہ البرٹو اب زندہ نہ ہو اور کولمبیا میں ظفر اپنی افادیت کھو بیٹھا ہو' اسی لیے اسے آنے کی اجازت دے دی گئی ہو۔"

"لیکن ایس ٹی ایف نے کرنل جیسی جونز کے آدمی کو کیسے قبول کرلیا؟"

"یہ اندر کی بات ہے کہ وہ کرنل کا آدمی تھا۔ دنیا بھر کے لیے وہ ایک عام سے شراب خانے کا منیجر تھا۔ اگر اس شراب خانے میں کرنل جیسی جونز کے کچھ حصص بھی رہے ہوں تو یہ بات ظفر کو نااہل نہیں بنا سکتی تھی۔ بڑے بدمعاش عام طور پر' ہر زرخیز کاروبار میں دھونس اور دھاندلی سے حصے دار بن جاتے ہیں۔ ان کی حصے داری کی وجہ سے پورے کاروباری ادارے اور اس کے ملازمین کو بلیک لسٹ نہیں کیا جاسکتا۔"

اس کی دلیل معقول تھی لیکن میرے ذہن میں بار بار' اول خان کے شبہات اپنے زہریلے ڈنک مار رہے تھے اور میں ویرا سے ہر پہلو پر بات کرنے پر تل گیا تھا۔ میں نے کہا "تمہاری باتوں کے مطابق یہ ثابت ہورہا ہے کہ ظفر' ظفر ہی ہے اور پوری نیک نیتی کے ساتھ اسپیشل ٹاسک فورس کی خدمت کررہا ہے۔ لیکن یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ظفر کے روپ میں وہ البرٹو ڈیلیسا ہو جسے کرنل جیسی جونز نے کسی خاص مقصد کے تحت یہاں کے لیے چھوٹ دی ہو؟"

"یہ قیاس آرائی تو ہوسکتی ہے۔ میں اسے حقیقت نہیں مان سکتی۔" اس نے کہا۔

"میرے فلیٹ سے ائرپورٹ جاتے ہوئے تم نے ظفر سے ماضی کے حوالے سے کوئی بات کی تھی۔"

وہ بے اختیار ہنس پڑی۔ "تم جوش میں آکر بچوں جیسی باتیں کررہے ہو۔ میری اور ظفر کی پہلی ملاقات کا لطیفہ ہماری کاک ٹیل پارٹیوں میں اتنے تواتر کے ساتھ سنایا جاتا رہا کہ ہر شخص کو ایک ایک تفصیل زبانی یاد ہوگئی تھی۔ ان ہی میں البرٹو بھی شامل تھا۔ میری ظفر سے زیادہ دوستی نہیں تھی جو ہمارے درمیان کچھ نجی حوالے موجود ہوتے۔ اس کے اظہارِ عشق کے لطیفے سے بھی البرٹو واقف تھا۔ اگر وہ البرٹو بھی ہے تو وہ ان عام سی باتوں کی بڑی گرم جوشی کے ساتھ تائید کرسکتا تھا۔"

"اس کے البرٹو نہ ہونے کے بارے میں تم اور کیا جواز رکھتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"جس طرح ظفر ہسپانوی زبان سے نابلد ہے' اسی طرح البرٹو تمہاری مادری زبان سے نابلد تھا۔ پھر زبان کے ساتھ لب و لہجہ اختیار کرنا آسان نہیں ہوتا......"

"تمہاری مثال ہمارے سامنے ہے۔ تم برقعہ اوڑھ کر اردو بولو تو اہلِ زباں سمجھی جاؤ گی۔"

"میں نے تمہارے سرحدی علاقوں کی افیم سے ہیروئن حاصل کرنے کے لیے بہت ریاضت کی ہے ورنہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ ظفر کی اردو میں ہسپانوی اثرات کا دور دور تک شائبہ نہیں ہے۔"

"دو ہم شکلوں کی کہانی سنا کر تم نے خود ہی ایک امکان پیدا کیا اور اب سرے سے اس کا وجود ہی ماننے سے منکر ہوئی جارہی ہو۔ مجھے یہ کہانی اتنی سیدھی سادی نظر نہیں آرہی۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"مگر کیوں؟ آخر تم ظفر کی طرف سے اتنے بدظن کیوں ہوگئے ہو؟ وہ بدنیت ہوتا تو ایرانی ٹرکوں کے کارواں کو کوئی بھی بڑا حادثہ پیش آسکتا تھا' اور کرنل جیسی جونز کی آماجگاہ یا شکارگاہ یورپ اور افریقہ تک محدود ہے۔ اس کے ایشیا کا رخ کرنے کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ اسے یہاں سے کیا مل سکتا ہے؟"

"میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود ذہن میں خلش برقرار ہے۔"

"اسے دور کرنے کی ترکیب بہت آسان ہے۔" اس نے بزرگانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ظفر پاکستان کا ہی ایک ریٹائرڈ افسر ہے۔ اس کے پرانے سروس ریکارڈ سے اس کے فنگر پرنٹس نکلوا کر' اُس کے موجودہ فنگر پرنٹس سے موازنہ کرالو۔ کوئی بھی ماہر ذرا سی دیر میں یہ معاملہ حل کردے گا۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ وہ بالکل سامنے کی بات تھی جو میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔ "یہ سب سے سہل راستہ ہے۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا "میں ذرا اول خان سے بات کرلوں۔"

"ذرا ایک منٹ ٹھہرو!" اس نے چونک کر مجھے روک لیا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ اول خان الحدید والے معاملے میں اپنا تبادلہ ہونے کی وجہ سے ظفر سے بدظن ہو اور اب تمہیں اس کے خلاف اکسا رہا ہو؟"

اس نے بالکل وہی بات کہی تھی جو اول خان کے کمانڈنگ آفیسر کی طرف سے سامنے آئی تھی لیکن میں نے اول خان کا دفاع کرتے ہوئے کہا "یہ سب میرے اپنے شبہات ہیں' اول خان کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دراصل میرے سامنے ہونے والی' تمہاری اور ظفر کی ابتدائی گفتگو نے ذرا دیر سے میرے ذہن پر اثر کیا۔ میرے ذہن میں ظفر کی تصویر بن چکی ہے' وہ بہت بھیانک ہے۔"

"تو اب تم اول خان کو اپنے شبہات میں شریک کرنے جارہے ہو؟"

"پوری کہانی دہرائے بغیر" میں نے وضاحت کی "میں اس کی مدد کے بغیر ظفر کے نئے اور پرانے فنگر پرنٹس تک رسائی حاصل

نہیں کرسکتا۔"

"ٹھیک ہے" اس نے ایک خاص ادا سے اپنا سرہلا کر کہا۔ "ذرا اپنے چہیتوں کو بھی دیکھ لینا۔"

میں ڈرائنگ روم سے باہر آیا تو وہ دونوں مختصری گول میز کے گرد سر جوڑے، سرگوشیوں میں مصروف تھے اور مگوں میں رکھی ہوئی چائے ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

ان دونوں کی استفسار طلب نگاہیں بیک وقت میری طرف اٹھیں اور میں نے انہیں آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے بلند آواز میں کہا "ویرا کو بھی کچھ جائز شکایات ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اب آئندہ ایسی بدمزگی کی نوبت نہیں آئے گی۔ میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔"

"تو کیا اتنی دیر سے اسے یہی سمجھا رہے تھے؟" سلطان شاہ نے اس گفتگو کو فطری رنگ دینے کے لئے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں، کچھ اور مسائل بھی تھے۔ ان پر ہم بعد میں بات کریں گے" میں فون کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے بٹن دبا کر اسپیکر فون استعمال کرنے کے بجائے ریسیور اٹھایا اور اول خان کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"میری بات ہوئی ہے اور کچھ نئی باتیں سامنے آئی ہیں" اول خان کی آواز سن کر میں نے کہا "تفصیل بعد میں بتاؤں گا فی الحال ظفر کے پرانے سروس ریکارڈ سے فنگر پرنٹس نکلوا کر یہ دیکھنا ہوگا کہ ظفر کے موجودہ نشاناتِ انگشت ان ہی کے مطابق ہیں یا نہیں؟"

"کیا مطلب؟" میری بات پر وہ بری طرح چونکا تھا "کیا وہ کوئی اور بھی ہوسکتا ہے؟"

"ایک موہوم سا شبہ ہے جسے دور کرلینا چاہئے" میں نے گول مول سا جواب دیا۔

"میں ابھی سی او سے بات کرتا ہوں، وہ موازنے پر آمادہ ہوجائے گا۔"

"کوئی اطلاع ملے تو مجھے فون پر بتا دینا اور ہاں، ویرا سے سامنا ہونے کا اتفاق ہو تو یہ یاد رکھنا کہ ظفر کے بارے میں شبہات میرے ذہن کی پیداوار ہیں۔"

"اجازت ہو تو میں بھی ڈرائنگ روم میں آجاؤں؟" میرے فارغ ہوتے ہی غزالہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا "ہم کافی دیر سے باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"بالکل آجاؤ! وہاں کوئی راز و نیاز نہیں ہو رہے۔ البتہ سلطان شاہ اور ویرا کا فی الحال زیادہ سامنا نہ ہو تو بہتر ہوگا۔ ایک آدھ دن میں ان کے مراسم بھی اعتدال پر آجائیں گے۔"

میں دوبارہ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا صوفے پر نیم دراز تھی۔

"اول خان بہت حیران ہوا لیکن وہ کوشش ضرور کرے گا۔"

میں نے اسے آگاہ کیا اور اس سے خاصی دور، ایک الگ صوفے پر بیٹھ گیا تاکہ میری اور ویرا کی بے تکلفی غزالہ کے لئے صدمے کا سبب نہ بن سکے۔

"اور اب میں تمہیں مزے کی ایک بات بتاتی ہوں" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "البرٹو ویلیسا، کرنل جیسی جونز کے کوکین کے کاروبار میں کلیدی اہمیت رکھتا تھا۔ وہ ظفر والے شراب خانے کے ایک خفیہ تہ خانے میں چھوٹے چھوٹے سپلائرز سے کوکین خرید کر، اسمگلنگ کے لئے ذخیرہ کرتا تھا۔ ان سودوں کی تکمیل کے لئے وہ باقاعدہ مترجّم کی خدمات استعمال کرکے خود کو ہسپانوی اور دوسری مقامی زبانوں سے نابلد ظاہر کرتا تھا اور کوکین لانے والے اس دھوکے میں مبتلا ہوجاتے تھے کہ شراب خانے کا منیجر ہی کوکین کے غیرقانونی کاروبار میں ملوّث ہے جب کہ ظفر کے فرشتوں کو بھی اس خفیہ دھندے کا علم نہیں تھا۔ آج کل کولمبیا کا ہر شہری لکھ پتی بننے کے لئے کوکین کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔"

"کولمبیا سے ہونے والی کوکین کی اسمگلنگ تو امریکا کے لئے اِن دنوں ناسور بنی ہوئی ہے۔"

"کولمبیا میں اصل راج ہی کوکین کے ا[illegible]روں کا ہے۔ ان کی ہیبت اور دہشت کا یہ عالم ہے کہ عدالتوں کے جج ان کے مقدمات لینے سے گھبراتے ہیں۔ مقدمہ سر پڑ ہی جائے تو بیماری کی لمبی لمبی رخصتوں پر جاکر جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب سارے راستے بند ہوجائیں تو مجرموں کو چند دن کی قید یا مضحکہ خیز جرمانے کی سزا سنانے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ ایک بار تو یوں ہوا کہ سزا سات دن کی سنائی گئی جب کہ مجرم ریمانڈ میں دو ہفتے گزار چکا تھا اس لئے حکومت کو سات اضافی دنوں کا ہرجانہ مجرم کو ادا کرنا پڑا۔"

"یہ نوبت اچانک ہی نہیں آئی ہوگی۔ وہاں کے لوگوں نے اسے پال پوس کر جوان کیا ہوگا؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ٹی کا تجربہ میرا اپنا ہے۔ بعض ممالک میں ٹی کا نام ہی ایک بھیانک خواب بنا ہوا ہے لیکن پاکستان میں ہیروئن کی سب سے زیادہ پیداوار ہونے کے باوجود ہم یہاں نہیں جم سکے۔ کولمبیا بے روح لوگوں کی سرزمین ہے۔ ابتدا میں کوکین مافیا نے لمبی اور سخت سزائیں سنانے والے ججوں کو بموں سے اڑانا شروع کیا تو اخباروں نے سنسنی خیزی کی خاطر ان واقعات کو ایڈونچر بنا کر پیش کیا۔ مرنے والوں کی حمایت میں معاشرے نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا اور آج لوگ قانون کے بجائے قانون شکنوں سے وابستگی اور وفاداری پر فخر کرتے ہیں" وہ اس وقت ایک عام اور مہذب شہری جیسے انداز میں حالات کا تجزیہ کر رہی تھی۔

"میرے لئے یہ اطلاع دلچسپ ہے کہ کرنل جیسی جونز کی بنیاد بھی کوکین کی تجارت پر ہے" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا "عالمی دہشت گردی اور سیاسی جرائم کے لئے اسے وسائل اور اصل طاقت اسی تجارت سے حاصل ہوتی ہے۔ ایسا ہے تو وہ بھی جلد یا بدیر، پہلے ہیروئن اور پھر اسی حوالے سے پاکستان کی طرف ضرور متوجہ ہوگا۔ شاید اسی دلیل میں تمہارے اس سوال کا جواب موجود ہے کہ ایشیا میں اس کے لئے کیا رکھا ہے؟"

"لیکن ہیروئن کی خریداری کے لئے ظفر کو ایس ٹی ایف میں بھیجنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔"

"یہ دو الگ الگ باتیں ہیں" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "اول یہ کہ پاکستان میں کرنل جیسی جونز کی دلچسپی کا جواز موجود ہے۔ دوم یہ کہ ظفر ایس ٹی ایف میں کیوں موجود ہے؟"

"تمہاری پہلی بات مان لی جائے تو دوسری کا کیا جواب ہوگا؟" اس نے پوچھا۔

"شاید تم نے کہیں ڈیوڈ اسٹارز کا ذکر ضرور سنا ہوگا؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"سرپھرے مال دار یہودیوں کا کوئی گروپ ہے جسے اس کے مخالفین نسل پرست سمجھتے ہیں" عالمی گروہ بندیوں کے بارے میں ویرا کی قابلِ رشک معلومات مجھے ہمیشہ حیران کردیا کرتی تھیں۔

"اور ان کا ہر رکن خود کو ڈیوڈ اسٹار یا داؤدی ستارہ قرار دیتا ہے۔"

"یہ بھی معلوم ہے، اب آگے چلو" اس نے تحکّم جتاتے ہوئے کہا۔

میں اول خان کی فراہم کی ہوئی اطلاعات پر بات کرتے ہوئے بے چین ہوکر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور ٹہلتے ہوئے بولا "کرنل جیسی جونز کچھ عرصے سے ڈیوڈ اسٹارز کے لئے کام کر رہا ہے۔"

"یہ میرے لئے ایک نئی اطلاع ہے" ویرا نے بے پروائی کے ساتھ اعتراف کرلیا۔

"شاید اب تم ظفر، ایس ٹی ایف اور ڈیوڈ اسٹارز کی مثلث کو سمجھ سکتی ہو!"

"اوہ! تو تم یہ کہنا چاہ رہے ہو" وہ ایک گہرا سانس لے کر سیدھی ہوگئی "تم بھی ڈیوڈ اسٹارز کو نسل پرست یہودی گروہ سمجھتے ہو بلکہ سلیس اردو میں اسرائیل کا کٹر ہمدرد سمجھ لو۔ کرنل جیسی جونز، ڈیوڈ اسٹارز کے لئے کام کر رہا ہے چونکہ اسرائیل اور پاکستان میں سخت کشیدگی پائی جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید عربوں اور فلسطینیوں کے ساتھ کبھی نہ کبھی اسرائیل کی صُلح ہوجائے گی لیکن پاکستان کے ساتھ تعلقات قیامت تک معمول پر نہیں آسکیں گے اس لئے ڈیوڈ اسٹارز، کرنل جیسی جونز کے ذریعے پاکستان کو کوئی گہرا گھاؤ لگانا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ظفر کو کولمبیا سے آزاد کرکے، ایس ٹی ایف میں بھیج دیا گیا ہے اور ظفر بلیو کراس ڈیل سے بھی بڑے، کسی اور موقع کی گھات میں لگا ہوا ہے، یہی مقصد ہے نا تمہارا؟"

"تم نے میرے اندیشوں کو بہت مربوط انداز میں الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔"

"تمہارے نقطۂ نظر سے صورتِ حال واقعی بہت گمبھیر ہے" اس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "تمہارا پڑوسی اپنی روایتی دشمنی میں بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ وہ اپنے تمام ذرائع استعمال کرکے صوبہ سندھ میں بدامنی اور عدم تحفظ کی ہولناک فضا پیدا کرکے تمہارے ملک کو توڑنے پر تُلا ہوا ہے۔ دوسری طرف امریکا تمہاری ایٹمی تحقیق اور ترقی پر بری طرح برہم ہے کیونکہ تم نے عالمی اجارہ داروں کی بیساکھیوں کا سہارا لینے کے بجائے اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کی احمقانہ جسارت کی ہے۔ وہ سیاسی اور معاشی محاذ پر تمہارا نرخرا دباتا چلا جا رہا ہے اور درپردہ ٹی کے ذریعے بھارت کو پوری پوری مدد پہنچانے کے لئے کوشاں ہے تاکہ وہ جلد از جلد اپنے مقاصد میں کامیاب ہوکر اس علاقے کا پولیس مین بن جائے اور اب اسرائیل نے کرنل جیسی جونز یا ڈیوڈ اسٹارز کے ذریعے تمہارے ملک میں براہِ راست مداخلت کی کوششیں شروع کردی ہیں۔ یہ حالات کسی بھی سمجھ دار آدمی کے لئے سخت تشویش ناک ہوسکتے ہیں لیکن غور کرنے والی بات یہ ہے کہ تم میں ایسی کون سی خرابی ہے کہ دوستوں کے مقابلے میں، دن بدن تمہارے بدترین دشمنوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے؟"

"میں سیاسی پہلوؤں میں نہیں الجھنا چاہتا لیکن اصل صورتِ حال وہی ہے جو تم بیان کر رہی ہو۔ یہی نہیں امریکا نے تو ٹی کے ذریعے ہماری پوری قوم کو ہیروئن کی لت میں مبتلا کرنے کی سازش کی تھی تاکہ چند ہی برسوں بعد یہاں بھارتی ٹینکوں اور امریکی فوجیوں کی یلغار کو روکنے کا کسی کو ہوش ہی نہ رہے۔ تم اس سازش میں، میرے ساتھ ایک کلیدی کردار ادا کرتی رہی ہو۔"

"تم سیاست میں نہ الجھنا چاہو تو میں تمہیں مجبور نہیں کرسکتی لیکن تمہیں یہ ماننا پڑے گا کہ کسی بھی غلط سیاسی فیصلے کی قیمت پوری قوم کو ادا کرنی پڑتی ہے۔ تم قوموں کی برادری میں اپنے اصل قد سے زیادہ بڑے نظر آنے کی کوششوں کی وجہ سے رقابتوں کا نشانہ بن رہے ہو۔"

"موت کے سوداگروں کو سیاست کی باتیں زیب نہیں دیتیں!" میں نے تلخی سے کہا۔

"پھر اپنے ہی شعبے کی بات کرتی ہوں۔" وہ ہنس کر بولی "یہ بتاؤ کہ اسرائیل اور ہیروئن کے بارے میں تم نے کیا کچھ پڑھا یا سنا ہے؟"

"ایک لفظ بھی نہیں، مشرقِ وسطیٰ میں تو شاید اس لعنت کا وجود ہی نہیں ہے۔"

"آج میں تمہیں بتاتی ہوں کہ سی آئی اے کی خفیہ رپورٹوں

کے مطابق ' اسرائیل میں پوری رازداری کے ساتھ افیم کاشت کرکے ٹنوں ہیروئن تیار کی جاتی ہے اور سرکاری سرپرستی میں امریکا برآمد کردی جاتی ہے۔ ان کا پورا نظام اس قدر محفوظ اور مضبوط ہے کہ امریکی ادارے اپنی پوری کوششوں کے باوجود' کوئی ہلکا سا سراغ بھی نہیں حاصل کرسکے۔ اسی وجہ سے اس الزام کا ذکر کہیں نہیں کیا جاتا۔ تمہارا ملک ہیروئن کی پیداوار میں بہت آگے ہے لیکن یہاں اس سے مثبت کام لینے کے بجائے ہر کس وناکس کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمہارے خلاف الزام تراشیوں میں تمام عالمی ذرائع ابلاغ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔"

"تمہارا خیال ہے کہ یہ گھناؤنا کام ہمیں سرکاری طور پر کرنا چاہئے تھا؟" میں نے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ سوال کیا۔ ایران سے واپسی کے بعد وہ مجھے بالکل ہی بدلی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"بالکل!" اس نے پورے اعتماد سے کہا "ایک غریب ملک کو اپنے ہر وسیلے سے زرِمبادلہ کمانے کا حق ہے۔"

"کمال ہے کہ تم ایسی احمقانہ بات سوچ رہی ہو!" میں نے حیرت سے اپنا سر جھٹکتے ہوئے کہا "ہر قانون کے منافی!"

"اسرائیل میں بھی ہیروئن کی تیاری' لین دین اور استعمال پر سخت تعزیری قوانین ہیں لیکن وہ کامیابی سے اپنا مشن چلا رہے ہیں۔ جب تم اپنے قومی مفاد کے لئے سارے عالمی ضابطوں کو نظرانداز کرکے سرکاری سطح پر ایٹمی ٹیکنالوجی اور حساس ترین آلات وغیرہ درآمد کرسکتے ہو تو اسی طرح قومی مفاد کے لئے ہیروئن کی برآمد میں کیا حرج ہے؟! اس کے لئے ایک نظام اور طریقۂ کار ضرور بنانا ہوگا۔۔۔"

"آج تم بہت اونچی اڑ رہی ہو" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "یہ سب بدنامی سے پہلے ہوسکتا تھا' اب ممکن نہیں ہے۔ البتہ اسرائیل کے بارے میں میں حیران ہوں کہ وہ کیسی کیسی بدمعاشیاں کررہا ہے!"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی اور بولی "دنیا میں مذہب کے نام پر دو ہی ملک بنائے گئے ہیں۔ پاکستان جو دو آزاد اکائیوں میں بٹ گیا اور اسرائیل' جو ہر دس پندرہ سال بعد اپنی سرحدوں میں بتدریج اضافہ کرتا جارہا ہے۔ تم نے اسرائیل کو بدمعاش کہہ لیا۔ میں تمہارے ملک کو کچھ نہیں کہوں گی۔"

"تم ایٹمی آلات اور ہیروئن کا موازنہ کرکے بہت بڑی بات کہہ گئی ہو!" میں نے شکوہ کیا۔

"تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو' میں تمہاری ایٹمی ترقی کی تحقیر کرنے کا ذرا بھی ارادہ نہیں رکھتی۔ میں جانتی ہوں کہ وہ تمہارے قومی افتخار کا معاملہ ہے۔ دشتِ لوت میں' میں نے بھی اس مشن کی کچھ خدمت کی ہے۔ میں نے وہ بات صرف قوانین کے حوالے سے کی تھی۔ جب درآمد میں ہر قانون کو نظرانداز کیا جاسکتا ہے تو برآمد میں ایسا کیوں نہیں کیا جاسکتا؟ مسٹر ڈینی! یہ یاد رکھو کہ آج کی دنیا میں بلا استثنیٰ سب چور ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پکڑے جانے والے چور کہلاتے ہیں اور بچ نکلنے والے ساہوکار۔۔۔!"

"وری گڈ!" ڈرائنگ روم کے دروازے سے غزالہ کی تعریفی آواز ابھری "آج تم نے پہلی بار ڈینی کو عجیب سی اجنبیت کے ساتھ مخاطب کیا ہے لیکن تمہارا تجزیہ سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔"

"تم سے شادی کے بعد ڈینی واقعی اجنبی اجنبی سا معلوم ہونے لگا ہے" ویرا نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ اجنبی تم سے کیا باتیں کررہا تھا؟" غزالہ نے اپنے دہانے پر ہاتھ رکھ کر رازدارانہ لہجہ بناکر ویرا سے پوچھا اور ہم تینوں ہی کھلکھلا کر بیک وقت ہنس پڑے۔

○☆○

شیر شاہ اپنی کارکردگی نہایت فخر کے ساتھ بیان کررہا تھا لیکن میرا ذہن کہیں اور تھا۔

فلیٹ پر میرے لیے کوئی مصروفیت نہیں تھی جبکہ گزارنے کے لیے پہاڑ جیسا دن پڑا ہوا تھا' اس لیے میں وہاں سے نکل کر ٹریڈ لائن کے دفتر آگیا جہاں شیر شاہ اور عملے کے دیگر اراکین نے خوشگوار حیرت کے ساتھ میرا استقبال کیا اور میں نے خالی الذّہنی کے عالم میں اپنا دفتر سنبھال لیا۔

میں نے صبح سویرے' اول خان کے دفتر سے سیٹھ حبیب جیوانی کے گھر فون کیا تو وہ ناشتے میں مصروف تھا۔ میں نے اس سے اگلے دن دفتر پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن جب میں دفتر آہی گیا تھا تو اسے اپنی آمد سے مطلع نہ کرنا مناسب نہ ہوتا۔ میں نے فون کیا لیکن دوسری طرف مسلسل گھنٹیاں بجتی رہیں' جن کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔ غالبًا حبیب جیوانی بھی اپنا وقت گزارنے کے لیے کہیں نکلا ہوا تھا۔

میں نے شیر شاہ کو دفتر میں بلا کر' اس سے اس کی کارکردگی کے بارے میں سرسری سا سوال کیا تو ادب اور احترام کے ساتھ' اس کی زبان تیزی کے ساتھ چل پڑی۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے وہ خود ہی مجھے اپنی کارکردگی سے آگاہ کرنے کے لیے بے چین ہورہا ہو۔

ہانگ کانگ اور مکاؤ میں پے در پے رونما ہونے والے واقعات کی وجہ سے مجھے وہ مدت' سالوں پر محیط محسوس ہوتی رہی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں نے وہاں صرف ایک ہفتہ گزارا تھا اور اس ایک ہفتے میں حبیب جیوانی نے سرحد اور سرحد پار سے آنے والے چار بڑے "بیوپاریوں" سے طویل مدت کے سودے کرکے' ہیروئن کی فراہمی چھیاسی کلو ماہانہ تک بڑھالی تھی۔ ملک سے باہر اسمگل کرنے کے لیے وہ خالص ہیروئن کی بہت بڑی مقدار تھی۔ اس کو مقامی منڈی میں کھپایا جاتا تو سات سے دس گناہ ملاوٹ کے بعد' وہ مقدار بہت بھیانک ہوجاتی تھی۔ مقامی منڈی کی کمزور قوتِ خرید کی وجہ سے ہیروئن میں دل کھول کر ملاوٹ کی جاتی تھی اور اسی مناسبت سے دام بھی گرا دیے جاتے تھے۔ نشہ اور غلام بنانے کے اوصاف ملاوٹ کے مال میں بھی ہوتے تھے۔ شہر کی معروف فٹ پاتھوں' گلیوں' پارکوں' نالوں کے کناروں اور دیگر مقامات پر غول در غول اونگھنے والے غلیظ اور گھناؤنے افراد اسی ملاوٹ کے مال کے شکار تھے۔

شیر شاہ نے جب چھیاسی کلو ماہانہ کی کہانی سنائی تو میرے کان کھڑے ہوگئے۔ جرائم پیشہ گروہوں اور تنظیموں کے پنپنے کی واحد صورت یہ ہوتی ہے کہ انہیں اپنے مخصوص غیرقانونی ذرائع سے کم ازکم اتنی آمدنی ہوتی رہے کہ ان کے اراکین کی جملہ ضروری اور غیرضروری خواہشات بہ آسانی پوری ہوتی رہیں۔ ایسے لوگ اپنی آمدنی کے تسلسل میں ذرا سا بھی فرق برداشت کرنے کے عادی نہیں ہوتے۔ طے شدہ معاوضہ نہ ملنے کی صورت میں بھاگنے پر تل جاتے ہیں اور یوں گروہ کا شیرازہ بکھر کر رہ جاتا ہے۔

اگر مقامی مافیا نے چھیاسی کلو ماہانہ کے حساب سے ہیروئن حاصل کرنے کا بندوبست کرلیا تھا تو سیٹھ حبیب جیوانی کا مقدر کھل گیا تھا۔ صرف اسی ایک مد' سے اسے ایک کروڑ روپے سے کہیں زیادہ آمدنی ہوسکتی تھی جس کے سہارے وہ بہت تیزی کے ساتھ طاقت حاصل کرسکتا تھا۔

ٹریڈ لائن بظاہر ایک درآمدی فرم تھی جو روایتی اشیاء درآمد کرکے واجبی منافع پر کھلی منڈی میں فروخت کردیتی تھی۔ دفتری عملے کے اراکین کا ہیروئن یا مافیا سے بظاہر کوئی تعلق نہیں تھا لیکن اسی کی آڑ میں شیر شاہ کی سربراہی میں چند غنڈوں اور بدمعاشوں کا ایک گروہ پل رہا تھا اور وہی لوگ مقامی مافیا کی طاقت سمجھے جاتے تھے۔ مالی ذرائع میں غیرمتوقع توسیع کے بعد' حبیب جیوانی کی شہ پر' شیر شاہ خان شہر کے مزید نامی گرامی بدمعاشوں کو خرید سکتا تھا اور اگر وہ لوگ ایک حد سے زیادہ طاقت ور ہوجاتے تو پھر انہیں اکھاڑنا بہت مشکل ہوجاتا۔

مجھے کبھی بھی مافیا سے ہمدردی نہیں رہی تھی۔ ٹی کے خوں ریز انتقامی حربوں سے بچنے کے لیے میں نے ان کی طرف سے کی جانے والی تعاون کی پیشکش قبول کی تھی اور پھر ڈان تھری کے ایما پر ان کی صفوں میں داخل ہوگیا تھا۔ میں نے ان پر اپنی دھاک بٹھانے کے باوجود' ان کے دھندوں کے فروغ میں کوئی کردار ادا نہیں کیا تھا لیکن اب وہ لوگ ترقی کی راہ پر گامزن ہوتے نظر آنے لگے تھے۔ ایک طرف ڈان نیشی کاؤ نے بدعنوان سیاست دانوں میں بھاری سرمایہ کاری کا عندیہ دے کر' امیر جان سے ابتدا کرنے کی ہدایت کی تھی۔ دوسری طرف حبیب جیوانی نے چھیاسی کلو ہیروئن کی خریداری کا ہدف حاصل کرلیا تھا۔ ان حالات میں مجھے ان کی بیخ کنی کی ضرورت کا احساس ہونے لگا تھا۔

ان کے زور پکڑنے سے پہلے' ان کی سرکوبی نہ کی جاتی تو وہ نہایت تیزی کے ساتھ کسی ہزار پا بلا کا روپ دھار کر' ہر سمت میں اپنی جڑیں مضبوط کرکے ناقابلِ تسخیر بن سکتے تھے۔

پاکستان میں مافیا کا وجود صرف حبیب جیوانی کے دم سے تھا۔ اسے ذبح کرکے مافیا کی شہ رگ بہ آسانی کاٹی جاسکتی تھی۔ میں اس وقت تک حبیب جیوانی کا خاص معتمد تھا اور اسے مار لینا میرے لیے زیادہ دشوار نہیں تھا۔ دوسری طرف مُدر مافیا والے ڈان نیشی کاؤ کے قتل کے معمے میں الجھے ہوئے تھے۔ اس واردات کے وقت میری مکاؤ میں موجودگی کی وجہ سے میری ذات شبہات کی زد میں آئی ہوئی تھی لیکن میں نے حبیب جیوانی کو پوری شدت کے ساتھ اپنی بے گناہی کا یقین دلایا تھا۔ مجھے اس کو صرف اتنی مہلت دینی تھی کہ وہ میری بے گناہی کے بارے میں اپنے بڑوں کو بھی قائل کرسکے تاکہ کراچی میں مافیا کی عبرتناک تباہی کے وقت میری ذات دہرے شبہات کی زد میں نہ آسکے۔ کراچی میں ہونے والے آپریشن کے بعد مُدر مافیا والوں کے لیے مجھ سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا۔ نہ ہی حبیب جیوانی نے مجھے سسلی' میلان' شکاگو والوں کے نام اور فون نمبر دیے تھے جن پر مجھے رابطہ کرنا ہوتا۔ جب تک مُدر مافیا والے میرا کھوج نکال کر مجھ تک پہنچتے' میں کوئی بھی بہترین مدافعانہ پلان تیار کرسکتا تھا۔

"مال کہاں جمع ہورہا ہے؟" میں نے پُرخیال لہجے میں شیر شاہ سے سوال کیا۔

"مال حسبِ معمول شہر کے مختلف مقامات پر' پھٹے ہوئے نوٹوں کے ٹکڑوں کے تبادلے کے بعد وصول کیا جارہا ہے اور اس بار تمام پیکٹ یہیں' چیف کے کمرے میں ذخیرہ کیے جارہے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم چیف کی غیرحاضری میں بھی اس دفتر میں داخل ہونے لگے ہو؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔ میرے لیے وہ ایک اہم ترین اطلاع تھی کیونکہ حبیب جیوانی کی غیرموجودگی میں' میں بھی پیشگی اجازت اور بندوبست کے بغیر اس کے دفتر میں داخل ہونے کا مجاز نہیں تھا۔

اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "اب تک صرف تین بار ایسا ہوا ہے۔ میں اپنی دانست میں خالی دفتر کا مقفل دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تینوں بار چیف بذاتِ خود اپنے دفتر میں موجود تھا جب کہ چوکیدار اس کی آمد سے لاعلم تھا۔"

"اسے تمہاری آمد کا اندازہ رہتا ہوگا۔ اس کے دفتر میں متعدد ایسے اسرار پوشیدہ ہیں کہ غیرمجاز فرد اندر قدم رکھتے ہی آفتوں میں مبتلا ہوسکتا ہے۔" میں نے بے نیازی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں حیران ہوں کہ اس کمرے میں پچھلے مال کا کوئی سراغ نہیں ہوتا جبکہ چیف نے مجھے بتایا ہے کہ اس مال کو پلاسٹک کی چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں سیل کرکے' کھوکھلے پیڈز میں چھپانے کا

پورا کام' رازداری کے ساتھ' یہیں انجام دیا جائے گا۔" اس نے قدرے کھل کر کہا۔

"چیف کے دفتر میں آمد و رفت کے کئی خفیہ راستے ہیں۔ وہ پیکٹ ان ہی میں سے کسی سرنگ میں پہنچا دیے جاتے ہیں۔" میں نے اس پر اپنی برتری برقرار رکھنے کے لیے پُریقین لہجے میں کہا دوسری طرف میں کھوکھلے پیڈز کے بارے میں الجھن میں پڑ گیا۔ مجھے اس طریقۂ کار کے سرپیر کا بھی علم نہیں تھا لیکن میں اس بارے میں شیر شاہ سے کوئی سوال کرکے اسے اس کی اہمیت کا احساس نہیں دلانا چاہتا تھا۔

"اس بار چیف کا منصوبہ بہت شاندار اور بے داغ ہے۔" شیر شاہ از خود بولنے لگا۔ "ہیروئن سے بھرے ہوئے کھوکھلے شولڈر پیڈز چمڑے کی جیکٹوں میں لگائے جائیں گے اور وہ جیکٹیں یہاں سے پوری قانونی دستاویزات کے ساتھ برآمد کی جائیں گی۔ یہ تجربہ کامیاب رہا تو ہم بہت سے خطرات سے بچ جائیں گے۔"

"اور اگر منزل پر وہ مال پکڑا گیا تو ایک اور بدنامی پاکستان کا مقدر بن جائے گی۔ چرمی ملبوسات کا جائز برآمدی کاروبار کرنے والے مصیبتوں سے دوچار ہو جائیں گے۔" ان امکانات پر دل ہی دل میں سوچتے ہوئے' مجھے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

"میں آج ہی باہر سے آیا ہوں۔ چیف سے ملاقات ہوگی تو میں یہ ضرور معلوم کرنا چاہوں گا کہ ایکسپورٹ کی جانے والی جیکٹیں کہاں بنوائی جارہی ہیں؟"

"چیف کے کسی دوست نے نئی فیکٹری قائم کی ہے۔ اسی کو آرڈر دیا گیا ہے" اس نے سر جھکا کر کہا "اس کے آگے مجھے زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ ہمیں آج رات سے پیڈز بھرنے کا کام شروع کرنا ہے۔ تھیلیاں' سیلنگ مشینیں اور دوسرے لوازمات آج خرید لیے جائیں گے۔"

"پھر تم جاؤ اور اپنا کام کرو۔ میں تمہارا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا" میں نے اسے رخصت کردیا۔

تخلیہ ہو جانے پر میں نے محفوظ اور براہِ راست فون پر اوّل خان سے بات کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے ریسیور اٹھایا لیکن اس کمرے میں خفیہ ڈکٹا فون یا گفتگو ریکارڈ کرنے والے دیگر آلات کی موجودگی کا دھیان آتے ہی ارادہ منسوخ کردیا۔ اس عمارت میں رُونما ہونے والے حالات سے ہر وقت باخبر رہنے کے لیے حبیب جیوانی نے الکٹرونکس کے آلات' دل کھول کر نصب کرائے ہوئے تھے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ کس وقت کون سا سرکٹ آن کردیا گیا ہو۔

چند منٹ بعد ہی آپریٹر نے مجھے چیف کی فون کال کی اطلاع دی۔ اس نے دفتر کی خیر خبر لینے کے لیے کہیں سے فون کیا تھا اور دفتر میں میری موجودگی کی اطلاع ملنے پر مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔

"تمہارا تو آج آرام کرنے کا ارادہ تھا پھر دفتر کیسے چلے آئے؟" سلسلہ ملنے پر چیف کی تحیر زدہ آواز سنائی دی۔

"اتنی لمبی غیر حاضری کے بعد گھر پر چین سے نہیں لیٹا جارہا تھا اس لیے دفتر چلا آیا۔ تمہارے گھر فون کیا تھا لیکن وہاں سے کوئی جواب نہیں ملا۔"

"میں ایک لیدر گارمنٹس فیکٹری سے بول رہا ہوں۔ تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ میں بس آدھے گھنٹے میں دفتر پہنچ رہا ہوں۔ اس دوران میں تم شیر شاہ سے بریفنگ لے لو" اس نے فون بند کردیا۔

میں اپنی کرسی کی پشت گاہ سے ٹک کر اپنے خیالات میں کھو گیا۔

حبیب جیوانی اپنے وعدے کے مطابق آدھے گھنٹے سے پہلے ہی دفتر پہنچ گیا۔ اس نے آتے ہی انٹر کام پر مجھے طلب کیا۔ جب میں اس کے دفتر میں داخل ہوا تو وہ اپنے فنگر پرنٹ اسکینر کی طرف متوجہ تھا۔ اس نے کرسی سے اٹھ کر نہایت تپاک سے مجھ سے ہاتھ ملایا تو وہ پوری طرح بشاش نظر آرہا تھا۔

"چھیاسی کلو کا ٹارگٹ مبارک ہو" میں نے اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے کہا "اس کا مطلب ہے کہ اب بہت جلد ہماری کایا پلٹ ہونے والی ہے..."

اس نے میری بات درمیان ہی سے اچک لی "اب ہم ہیروئن کی باقاعدہ ٹریڈنگ شروع کررہے ہیں۔ میں اسی سلسلے میں ایک جگہ گیا ہوا تھا" اس نے مجھے چمڑے کی جیکٹوں کے شانوں پر لگائے جانے والے شولڈر پیڈز کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

"یہ سارا کام کس فیکٹری میں سرانجام دیا جائے گا؟" میں نے دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"میرے ایک دوست نے بڑے پیمانے پر کام شروع کیا ہے۔ میں اُسی پر انحصار کررہا ہوں۔"

"تو کیا وہ تمہارے اصل عزائم سے باخبر ہے؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں ایک بڑا آرڈر دے کر اُس پر کاروباری احسان کررہا ہوں" وہ مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "مزے کی بات یہ ہے کہ مال اسی کی فرم ایکسپورٹ کرے گی۔"

"یعنی کوئی گڑبڑ ہوئی تو وہی مارا جائے گا" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کاروبار میں رسک تو ہوتا ہی ہے۔ شپ منٹ صاف نکل گیا تو اسے اپنی سرمایہ کاری پر کم از کم پینتیس فیصد منافع ہوگا۔ سخت مقابلے کی وجہ سے برآمدی کاروبار میں نفع کی اتنی اونچی شرح اب خواب و خیال ہو کر رہ گئی ہے۔ اس نے مجھے نووارد سمجھ کر زیادہ دام بتائے جو میں نے دوستی کے حوالے سے من و عن قبول کرلیے۔"

"چمڑے کی مصنوعات کی برآمد پر حکومت بھاری زرِ تلافی بھی تو دیتی ہے۔"

"تم ہر موضوع پر کچھ نہ کچھ معلومات رکھتے ہو!" اس نے تعریفی لہجے میں کہا "بیس فیصد ری بیٹ اس کے علاوہ ہوگا جس میں سے نصف وہ کمیشن کے طور پر مجھے دے گا کیونکہ یہ سودا براہِ راست اس کے اور سویڈن کی ایک پارٹی کے درمیان ہوگا جس سے میرے ذاتی مراسم ہیں" وہ داہنی آنکھ دبا کر ہنس پڑا۔

"جیکٹ بنانے والے کاریگروں کو اندازہ نہیں ہو جائے گا کہ پیڈز کے اندر کچھ بھرا ہوا ہے؟"

"اس کا امکان ہے۔ اسی لیے ہم صرف ایک کاریگر کو اپنے اعتماد میں لیں گے۔"

"ایک کاریگر!" میں نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا "وہ دن بھر میں بہت تیر مارے تو دو جیکٹیں بنالے گا۔ ساٹھ جیکٹوں میں دو من سے زیادہ مال کیسے کھپایا جاسکے گا؟"

"اسے ریسرچ کہتے ہیں" وہ ہلکے سے قہقہے کے ساتھ بولا۔ "صنعتی پیمانے پر ملبوسات کی تیاری دو مسلّمہ طریقوں سے ہوتی ہے۔ پہلے طریقے میں ہر کاریگر پورا لباس یا جیکٹ اکیلا تیار کرتا ہے' دوسرا چین سسٹم ہوتا ہے جس میں کام کے اعتبار سے چھ تا پندرہ کاریگروں کا گروپ مل کر کام کرتا ہے۔ ایک آدمی صرف کالر جوڑتا ہے' دوسرا آستین لگاتا ہے' تیسرا بیلٹ سیتا ہے اس طرح نہ صرف کام کی رفتار تیز ہوتی ہے بلکہ کوالٹی بھی بہتر ہوتی ہے کیونکہ ہر کاریگر صرف ایک ہی قسم کی سلائی پر مامور ہوتا ہے۔ ہماری پروڈکشن چین سسٹم پر ہوگی اور پیڈ لگانے والا کاریگر ہمارے اعتماد کا آدمی ہوگا جسے مقررہ اجرت کے علاوہ دس ہزار روپے ماہانہ ادا کیے جائیں گے۔"

"یہ کام کب سے شروع ہو جائے گا؟" میں نے اس کی باتوں سے مرعوب ہو کر پوچھا۔

"آج چمڑے کی خریداری کے لیے بات ہوگئی ہے۔ آج رات ہی سے پیڈز میں شوگر بیگ ڈالنے کا کام شروع ہو جائے گا۔ بس دو تین دن میں کام مشینوں پر آجائے گا۔ پہلی تجرباتی کھیپ دو سو جیکٹوں کی ہوگی جس میں دس کلو شوگر ہوگی۔ میں لالچ میں پڑ کر پیڈز کو زیادہ بھاری نہیں کروں گا۔ ہر پیڈ میں صرف پچیس گرام کی تھیلی ہوگی یعنی فی جیکٹ پچاس گرام مال جائے گا۔ فیکٹری میں پیڈز کی دیکھ بھال کا کام اب شیر شاہ کے سپرد کیا جاسکتا ہے کیونکہ تم آگئے ہو۔ مال کی وصولی کے لیے تم کسی کو بھی مامور کرسکتے ہو۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ فی الحال اسلام آباد جا کر امیر جان کو گھیرنے کا پروگرام ملتوی کردیا جائے گا؟"

"دو چار دن کی تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ لمبی مدت کی منصوبہ بندی ہے اور مال کی ایکسپورٹ فوری توجہ کی متقاضی ہے۔ ویسے بھی امیر جان بہت ضدی اور خود سر سیاست داں ہے۔ اگر اس کے بیٹے کی ویڈیو فلم آجائے تو اسے تم آسانی کے ساتھ گھیر سکو گے۔"

"اوپر والوں سے تمہارا رابطہ کب ہوگا؟" میں نے بے پروایانہ انداز میں سوال کیا۔

"آج رات میری بات ہوگی۔ اس سے تمہیں کیا دلچسپی ہے؟" وہ چونک کر بولا۔

"وہ تمہارے اپنے معاملات ہیں جن سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہوسکے تو میرے بارے میں' ان کے شبہات پر بھی بات کرلینا۔ اس بارے میں میرے ذہن پر عجیب سا بوجھ سوار ہے جو پوزیشن صاف ہونے تک نہیں اترے گا۔ نیم دلی یا باہمی عدم اعتماد کی صورت میں میری کارکردگی بری طرح متاثر ہوتی ہے۔"

وہ غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے مسکرانے لگا اور آہستگی سے بولا "تمہیں معلوم ہے کہ مقامی بیورو چیف کی حیثیت سے میں بالکل آزاد اور خود مختار ہوں۔ مجھے اپنے فیصلوں کے لیے ان سے کسی قسم کی رہنمائی لینے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ میں صرف تمہارے بارے میں بات کرنی چاہتا ہوں۔ تم نے مکاؤ کے جو حالات بتائے ہیں' ان کی روشنی میں تمہاری پوزیشن بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں اوپر سے بھی کلیرنس مل جائے گی۔"

"صرف اسی الجھن نے مجھے آج بھی آرام سے گھر نہیں بیٹھنے دیا۔ ان سے بات ہو جائے تو ازراہِ کرم مجھے باخبر ضرور کردینا ورنہ میری رات کی نیند ضائع ہو جائے گی۔"

"تم بے فکر رہو۔ میں تمہاری پوزیشن سمجھ رہا ہوں" اس نے میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

اسے میرے مکاؤ کے سفر کے بارے میں بہت زیادہ تجسس تھا۔ اس نے چند ہی لمحوں میں گفتگو کا رخ اسی جانب پھیر دیا اور میں اپنی بنیادی کہانی سے سرِمو بھی انحراف کیے بغیر اُسے ایسی ایسی ہوش رُبا ضمنی کہانیاں سناتا رہا کہ وقفے وقفے سے اس کا منہ فرطِ حیرت سے کھلتا اور بند ہوتا رہا۔

اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ منظم جرائم کی دنیا میں ٹرائی اور مافیا جیسے نامور گروہوں کے بڑے ایک دوسرے کا بے حد احترام کرتے ہیں اور غیر متوقع طور پر آمنا سامنا ہونے پر بھی ایک دوسرے پر ہتھیار نہیں اٹھاتے لیکن ڈون کوانگ فو اور ڈان نیشی کاؤ کے سلسلے میں میرا عملی تجربہ اس کے لیے بہت سنسنی خیز ثابت ہوا تھا۔ ان میں سے ایک ٹرائی کا آئی مین اور دوسرا اس کی حریف تنظیم مافیا کا ڈان تھا اور وہ دونوں اپنی پیشہ ورانہ رقابتوں کے باوجود گہرے دوست تھے۔ اس بارے میں کچھ دیر کے تبادلۂ خیال کے بعد' اس نے بھی بالکل وہی بات کہی جو پہلے سے میرے ذہن میں موجود تھی اور چبھتی رہتی تھی لیکن میرے پاس اس کا کوئی جواز نہیں تھا۔

اس کا کہنا تھا کہ باہمی روابط اور بقائے باہمی کے سلسلے میں' سیاسی جماعتوں اور جرائم پیشہ تنظیموں میں حیرت ناک حد تک روایات کی مماثلت پائی جاتی تھی۔ پُرجوش عوامی تقریروں اور اخباری بیانات میں ایک دوسرے کو غدار' سازشی اور بددیانت قرار دینے والے سیاست داں جب بھی ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں تو انتہائی گرم جوشی' خلوص اور خوش خلقی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملتے ہیں جب کہ ان کے بیانات اور تقریروں سے ان کے کارکن اپنے حریفوں کے خلاف اس قدر مشتعل رہتے ہیں کہ ایک دوسرے کے سامنے آنے کی صورت میں تشدّد اور مارد ھاڑ کی نوبت تک آجاتی ہے۔ اسی طرح شی اور مافیا کے بڑوں کی باہمی رواداری قابلِ رشک تھی لیکن نچلی سطح پر ان کے کارندے ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو زک پہنچانے کا کوئی موقع جانے نہیں دیتے تھے۔

سیٹھ حبیب جیوانی سے سیر حاصل گفتگو کرنے کے بعد میں اگلے دن ملاقات کا وعدہ کرکے' وہاں سے اٹھ گیا۔ میں اس وقت تک ٹریڈ لائن کے مستقبل کے بارے میں ایک منصوبہ بنا چکا تھا۔

کچھ دیر تک شہر کی سڑکوں پر بے مقصد ڈرائیونگ کرنے کے بعد میں دوبارہ ایس ٹی ایف کے اسٹیشن فور کی طرف ہولیا جہاں اول خان سے تازہ ترین خبریں مل سکتی تھیں۔

اسٹیشن فور پر خلافِ توقع ویرانی سی پھیلی ہوئی تھی۔ مجھے پہچاننے والے لوگوں نے بتایا کہ اول خان اپنی نفری کے ساتھ کافی دیر سے کسی مہم پر نکلا ہوا تھا۔ میں وہاں رکنے یا واپس لوٹنے کے بارے میں تذبذب میں مبتلا تھا کہ تین گاڑیوں میں اول خان اور اس کا عملہ واپس آپہنچا۔ وہ سب ہی اپنے چہروں کے تاثرات سے بہت خوش اور پُرجوش نظر آرہے تھے جیسے کوئی اہم معرکہ سر کرکے لوٹے ہوں۔

اول خان اپنی جیپ سے اتر کر مجھے اپنے ساتھ ہی دفتر کی طرف لیتا چلا گیا۔

"آج ایک اور کامیابی حاصل ہوئی ہے" اس نے دفتر میں پہنچ کر' رومال سے اپنا پسینہ خشک کرتے ہوئے کہا "آج ایک بھارتی ڈپلومیٹ کو ایک نیم سرکاری ملازم سے خفیہ دستاویزات کی نقول وصول کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے اور اس نے اقبالِ جرم بھی کرلیا ہے۔"

"لیکن تمہارے ساتھ کوئی قیدی تو نہیں تھا!" میں نے خوش گوار حیرت کے ساتھ کہا۔

"ہماری مدد سے سی آئی اے کے عملے نے کارروائی کی تھی۔ ہری چندان ہی لوگوں کی تحویل میں ہے۔"

"ایسے معاملات میں اقبالِ جرم کی شاید ہی کوئی اہمیت ہوتی ہو۔ بعد میں کہہ دیا جاتا ہے کہ تشدد کرکے زبردستی اقبالِ جرم کرایا گیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ اسے ملک سے نکال دیا جائے گا۔"

"یہ سب ہمارا دردِ سر نہیں ہے۔ ہم نے اپنا فرض پوری خوش اسلوبی سے ادا کردیا ہے" وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر چونک کر بولا "آج رجنی سے بھی ہماری گلو خلاصی ہوگئی ہے۔ اسے چوبیس گھنٹے آبزرویشن میں رکھنے کی ضرورت کی وجہ سے میڈیکل یونٹ میں منتقل کردیا گیا ہے۔ مناسب وقت آنے پر اسے وہیں سے بنگلہ دیش روانہ کردیا جائے گا۔ اس عورت نے بھی ہماری زندگی عذاب بنائی ہوئی تھی۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے کہ آج تم خوش خبریاں سنا رہے ہو۔ وہ ظفر والے معاملے کا کیا رہا؟"

"میں نے کمانڈنگ آفیسر سے بات کی تو مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس نے میرے شبہات پر کان نہ دھرنے کے باوجود' میرے پہلے فون کے بعد ظفر کے نئے اور پرانے فنگر پرنٹس کے موازنے کے احکام جاری کردیے تھے کیونکہ اس کی سیکیورٹی فائل ری اوپن کرائے بغیر یہ کام کرایا جاسکتا تھا۔ کل تک اس کا نتیجہ آجانا چاہیے۔"

"تمہیں نتائج کے بارے میں آگاہ کیا جائے گا؟" میں نے متجسّس لہجے میں سوال کیا۔

"ضروری نہیں ہے۔ میرا دریافت کرنا معیوب ہوگا۔ سی او کا موڈ ہوا تو وہ خود ہی مجھے فون کردے گا۔"

"ظفر کا معاملہ بہت اہم ہے اور ہمیں اس پر پوری توجہ مرکوز رکھنی ہوگی۔ ویرا نے کولمبیا کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے' وہ بہت حیران کن بلکہ تشویشناک ہے۔ یہ باتیں پہلے ہی ہمارے علم میں آگئی ہوتیں تو شاید ہم ظفر کے بارے میں ابھی تک کسی نتیجے پر پہنچ چکے ہوتے۔"

"ٹیلی فون پر تم نے بہت سرسری گفتگو کی تھی۔ میں پوری تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔ خاص طور پر ظفر کے ہم شکل والی بات تو میرے ذہن میں سماہی نہیں سکی تھی۔ اس معاملے میں میرا ذہن بری طرح الجھ کر رہ گیا ہے۔"

"ظفر کولمبیا میں صرف اسی وجہ سے ان لوگوں کی نظروں میں آیا کہ وہ کرنل جیسی جونز کے ایک اہم ترین مہرے کا ہم شکل تھا اور میرے لیے وہی اطلاع پریشانی کا سبب بنی تھی!" اس تمہید کے ساتھ میں نے کرنل جیسی جونز کے گروہ کی کہانی چھیڑ دی اور اول خان ہمہ تن گوش ہوگیا۔

وہ خاصی طویل کہانی تھی۔ جس کی کچھ کڑیوں کو یک جا کرنے میں اول خان کے اِکّا دُکّا سوالات نے بھی مدد دی لیکن جب میں نے کہانی کے اختتام پر اپنا شبہ ظاہر کیا تو اول خان نے بھی اسے قبول کرنے سے انکار کردیا۔

"شکل وشباہت میں کتنی بھی یکسانیت ہو' ظفر اور البرٹو ویلیسا کا تعلق دو مختلف نسلوں سے ہے۔ اس تضاد کو چھپانا مشکل ہی نہیں' ناممکن ہے۔ تم ظفر کے ساتھ کافی وقت گزار چکے ہو۔ وہ کسی اہلِ زباں کی طرح اردو بولتا ہے۔ اس کے کسی بھی مخرج یا تلفظ سے اجنبیت کا اظہار نہیں ہوتا۔ آدمی محنت کرکے زبان سیکھ سکتا ہے لیکن لب ولہجے پر قادر ہونے کے لیے ایک عمر درکار ہوتی ہے۔ یہ بات دل کو نہیں لگتی۔"

"لیکن میری چھٹی حس مجھے اسی خطرے سے خبردار کررہی ہے۔ میں یہ نہیں مان سکتا کہ کوئی محبِ وطن پاکستانی یک بیک ایسی کایا پلٹ کا شکار ہوسکتا ہے کہ وہ یہودیوں کے عالمی مفادات کے لیے اپنے وطن سے غداری کرتے ہوئے' کسی سازش میں شریک ہوجائے..."

"ضروری نہیں کہ ظفر کو کرنل جیسی جونز کے اصل عزائم سے واقفیت ہو۔ وہ بے خبری میں بھی اس کا آلۂ کار بن سکتا ہے۔ کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے ہمیں ہر پہلو پر اچھی طرح غور کرلینا چاہیے" وہ اپنی ہی بات پر اَڑا ہوا تھا۔

"بے خبری والی بات میں نہیں مانتا" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "انہوں نے اسے گڑیوں سے کھیلنے کے لیے نہیں بھیجا ہوگا۔ اسے یقینی طور پر کچھ مقررہ اہداف دیے گئے ہوں گے۔ ان اہداف سے کرنل جیسی جونز کے مذموم عزائم کی عکاسی ضرور ہوتی ہوگی۔ وہ جو کچھ کررہا ہے' اس کے تباہ کن نتائج سے پوری طرح باخبر ہوگا۔"

"ابھی تک ہمارے سامنے کوئی شہادت نہیں آئی" اول خان ایک گہرا سانس لے کر بولا "ظفر پر ہمیں صرف شبہ ہی شبہ ہے بلکہ یہ بھی ہمارے نہیں' صرف میرے شبہات تھے۔ تمہارا ذہن اس کی طرف سے بالکل صاف تھا۔ میں نے کرنل جیسی جونز کا حوالہ آنے پر ظفر کو مشکوک قرار دیا تھا اور تم میری دی ہوئی لائن کو لے کر آگے چل پڑے۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ میں نے اپنی زبان کھولنے میں جلد بازی سے کام لیا ہو۔ ظفر کے دل میں کوئی کھوٹ نہ ہو اور وہ کرنل جیسی جونز سے باقاعدہ قطع تعلق کرکے' پوری نیک نیتی کے ساتھ یہاں آیا ہو۔"

"یہ ہماری ذہنی قلابازیاں ہیں" میں نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا "کرنل جیسی جونز نے اس کے معاملے میں اپنی روایات سے کیوں انحراف کیا؟ اسے زندہ کیوں چھوڑا؟"

"اس بارے میں ویرا کا فراہم کیا ہوا جواز تم مجھے سنا ہی چکے ہو۔ البرٹو کی موت کے بعد' بوگوٹا میں ظفر کی کیا افادیت باقی رہ گئی ہوگی؟ ہوسکتا ہے کہ کرنل نے اسی بِنا پر اسے کولمبیا چھوڑنے کی اجازت دے دی ہو۔"

"اب تم بلاوجہ ظفر یا وہ جو کوئی بھی ہے' اس کی حمایت کررہے ہو اور یہ یقیناً بحث برائے بحث نہیں ہے..."

اس نے میری بات کاٹ دی اور بے چینی کے ساتھ ٹہلتے ہوئے بولا "میں اس کی حمایت نہیں کررہا۔ میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ میں اسے البرٹو ویلیسا تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوں۔ اس کی نیک نیتی یا غداری ایک الگ سوال ہے' لیکن وہ ظفر ہی ہے' البرٹو کسی طرح نہیں ہوسکتا۔"

"وقت آنے پر یہ بھی سامنے آجائے گا" اس کا مدّعا سمجھتے ہوئے میں نے نرمی اختیار کرلی "میں تو سمجھ رہا تھا کہ اب تم اپنے شبہے سے ہی دست بردار ہونے کی کوشش کررہے ہو۔"

"اس میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ اس کے فنگر پرنٹس کی رپورٹ آنے پر یہ بات بالکل صاف ہوجائے گی کہ وہ کون ہے۔ مجھے ننانوے فیصد یقین ہے کہ وہ ظفر ہی ثابت ہوگا۔"

میں ہنس پڑا "اور میرے نزدیک یہ امکان ففٹی ففٹی ہے۔"

اول خان نے کوئی جوابی تبصرہ نہیں کیا اور وہ بحث وہیں دم توڑ گئی۔

غلام رسول کے نام اور گھناؤنے کردار سے اول خان بخوبی واقف تھا کیونکہ اباسین کے ذریعے کی جانے والی دریائی کارروائی کے کافی دنوں بعد تک وہی اسٹیشن فور کا کمان دار رہا تھا اور غلام رسول کی گرفتاری میں اس نے نمایاں کردار ادا کیا تھا لیکن جب مافیا والوں نے غلام رسول کو' قیدیوں کو لے جانے والی گاڑی پر حملہ کرکے اپنی تحویل میں لیا تو الحدید والے چکر میں اول خان کا تبادلہ ہوچکا تھا۔ جب میں نے وہ ذکر چھیڑا تو اول خان پوری طرح باخبر تھا کہ میں نے غلام رسول کی لاش بھارتی ایجنٹوں کی تحویل میں جانے سے کس طرح روکی تھی۔ اسے اس معاملے میں مافیا کے کردار کا علم نہیں تھا لیکن وہ یہ جانتا تھا کہ میں نے ظفر کے ساتھ مل کر' مقامی غنڈوں پر عین اس وقت یلغار کرادی تھی جب وہ سہراب گوٹھ سے آگے ایک ویرانے میں غلام رسول کو بھارتی ایجنٹوں کے حوالے کررہے تھے۔

"تمہیں اس وقت غلام رسول کیسے یاد آگیا؟" وہ ساری باتیں ہونے کے بعد اس نے اچانک سوال کیا۔

"بظاہر مسکین' نیک نام اور محبِ وطن بننے والے ایسے سیاہ کار مجرم کو کون بھول سکتا ہے۔"

"لیکن میں آج بھی حیران ہوں کہ انہیں جیل کی پولیس سے چھڑانے والے بدمعاشوں تک تمہاری رسائی کیسے ہوگئی؟"

"تم بھول رہے ہو کہ کسی زمانے میں' مَیں خود بھی نامی گرامی بدمعاش اور شی کا ایک اہم آدمی رہ چکا ہوں۔ بہت سے وضع دار مجرم اور بدمعاش آج بھی میرا احترام کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ غلام رسول کو لے جانے والے بعد میں مقامی مافیا کے ارکان ثابت ہوئے تھے۔"

"مافیا!" اس نے حیرت سے دہرایا "یہ تم اصطلاحاً کہہ رہے ہو یا یہاں مافیا کی واقعی کوئی شاخ قائم ہے؟"

"وہ ایک مدت سے یہاں کام کررہے ہیں لیکن میری نظروں میں اب آئے ہیں۔ ان کے کام کا دائرہ ہیروئن کی خریداری اور پھر اسمگلنگ تک محدود تھا لیکن اب وہ کچھ بدنام سیاست دانوں کی پشت پناہی کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں تاکہ یہاں مضبوطی کے

ساتھ اپنے پنجے گاڑ سکیں۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ دنیا بھر کے جرائم پیشہ گروہوں کے لیے پاکستان میں کون سی کشش پیدا ہوگئی ہے کہ وہ سب ہی کھنچ کر اِدھر آنے لگے ہیں؟ آج وہ ہیروئن تک محدود ہیں' کل زندگی کے ہر شعبے میں آجائیں گے۔"

"تم چاہو تو کل ہی ان کی گردن توڑ سکتے ہو۔ میں نے ان کے خلاف خاصا مواد جمع کرلیا ہے۔"

"میرے چاہنے کی بات کررہے ہو! ابھی مواد فراہم کرو' میں آج ہی کارروائی کرانے کی کوشش کرتا ہوں" اس نے تیزی کے ساتھ کہا "آستین کے سانپوں کو ایک لمحے کی مہلت بھی نہیں دینی چاہیے۔"

"اتنی تیزی کی ضرورت نہیں۔ آج شاید بھرپور کامیابی نہ ہوسکے۔ کل رات ریڈ کی جائے تو گروہ کے بیشتر اراکین' ہیروئن سمیت رنگے ہاتھوں پکڑے جاسکیں گے" اول خان سے وقت حاصل کرتے ہوئے میں اپنی مدافعت کی راہ تلاش کررہا تھا۔ حبیب جیوانی اسی رات اپنے بروں سے بات کرکے میری پوزیشن صاف کرنے والا تھا۔ وہ کوشش کامیاب ثابت ہوتی تو پھر کسی بھی وقت ٹریڈلائن پر دھاوا بولا جاسکتا تھا۔

میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ تم کل رات کے لیے تیاری رکھو۔ میری طرف سے گرین سگنل ملنے کے بعد کارروائی کا آغاز کرادینا۔ اصل عمارت بلکہ عمارت کے زیریں حصے سے نکاسی کے لیے ایک طویل' زیرِزمیں راستہ بھی ہے جس کے آخری سرے کی ناکہ بندی بھی ضروری ہوگی تاکہ مجرم اس راستے سے فرار ہونے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ ان سب کا بیک وقت گرفتار ہونا ضروری ہے۔"

"ان کا اڈّا شہر کے کس علاقے میں ہے؟" اول خان نے گہری دلچسپی کے ساتھ پوچھا۔

"بولٹن مارکیٹ سے آگے' شہر کے سب سے بڑے اور مصروف ترین کاروباری مرکز میں' ایک کثیرالمنزلہ عمارت کی نچلی منزل اور تہ خانے پر ان لوگوں کا تصرف ہے۔ ٹریڈلائن کے نام سے چلنے والا' وہ کاروباری ادارہ آڑ کے لیے درآمدی کام کرتا ہے۔ ان کی اصل مصروفیت کچھ اور ہے۔ تہ خانے کے ایک دفتر سے نکلنے والی ایک سرنگ' تھوڑی دور چل کر ٹیلی فون کیبلز وغیرہ کی ایک ٹنل سے ملتی ہے۔ اس سے نکاسی کے لیے نیوچالی کے قریب واقع کوڑے دان سے ملحق ایک مین ہول استعمال کیا جاتا ہے جہاں تمہارے آدمیوں کا موجود رہنا ضروری ہوگا۔"

"اس کارروائی کے لیے ہمیں پولیس کو اپنے ساتھ لینا ہوگا۔ عام نوعیت کے جرائم کے سدِّباب میں ہم منظرِعام پر آنے کے بجائے' پسِ پشت رہنا پسند کرتے ہیں تاکہ ایس ٹی ایف کا نام صیغۂ راز میں رہے۔"

"پولیس کے محکمے میں کالی بھیڑیں بھی ہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے مخبری کردی تو کھیل بگڑ جائے گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ہم اس امکان کے سدِباب کے لیے انہیں آخر تک اندھیرے میں رکھتے ہیں۔ موقع پر پہنچنے سے پہلے انہیں علم نہیں ہوپاتا کہ کارروائی کس کے خلاف ہونی ہے۔ اتنی احتیاط کے بعد کوئی کالی بھیڑ چاہے بھی تو کوئی مخبری نہیں کرسکتی۔ میرے لیے یہ کوئی نیا کام نہیں ہوگا۔"

"بس یہ خیال رکھنا کہ ٹریڈ لائن کے دفتر میں کام کرنے والا عملہ' جو صبح نو بجے سے پانچ بجے تک وہاں ملازمت کرتا ہے' ان دھندوں میں سرے سے ملوث نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تفتیش کے بہانے پولیس والے ان کو تنگ کرنا شروع کردیں۔ البتہ چوکیدار پوری طرح مجرمانہ سرگرمیوں میں شریک رہتا ہے۔"

"کوئی غیر متعلقہ شخص پکڑ بھی لیا گیا تو تمہاری سفارش پر اسے رہا کردیا جائے گا لیکن یہ بتاؤ کہ اس دھندے کی پشت پر کون کارفرما ہے؟ ہمارے چھاپے کے وقت وہ کہاں ہوگا؟"

"اس کا نام حبیب جیوانی ہے" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "لیکن تمہیں کہیں بھی اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکے گا۔ ٹریڈ لائن کے مالک کے طور پر تمہیں ریکارڈ میں ایک فرضی نام ملے گا جس کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے لیکن یہ کام میرے ذمے رہے گا۔ حبیب جیوانی کو میں اپنے طور پر گھیروں گا اور زندہ یا مردہ حالت میں تمہارے سامنے پیش کردوں گا۔"

اول خان معنی خیز انداز میں مسکرایا "اس کا مطلب ہے کہ تم ہمارے ساتھ شرکت نہیں کروگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حبیب جیوانی کے ساتھ تمہارا کوئی پرانا حساب چل رہا ہے۔"

"میری اس سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ وہ لومڑی کی طرح چالاک اور چیتے کی طرح پھرتیلا ہے۔ بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تو اس کو دوبارہ تلاش کرنا ناممکن ثابت ہوگا۔ وہ لاکھوں کی بھیڑ میں غائب ہوکر کسی نہ کسی طرح ملک سے فرار ہوجائے گا۔"

"حبیب جیوانی!" اول خان چونک کر بڑبڑایا پھر چند ثانیوں بعد اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا "یہ وہی صنعت کار تو نہیں' جس کا فائیو اسٹار ہوٹل کا منصوبہ ابھی تک ادھورا پڑا ہوا ہے۔"

"تمہاری یادداشت قابلِ رشک ہے" میں نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے اقرار کیا۔

"سنا تھا کہ وہ اپنے ہوٹل کی تکمیل کے لیے پیسہ کمانے کے لالچ میں ہیروئن لے کر جرمنی گیا تھا مگر پکڑا گیا۔ پھر اسے سزا ہوگئی تھی اور وہ شاید وہیں مر بھی گیا تھا" اول خان کی یادداشت تازہ ہورہی تھی۔

"مافیا والوں نے جیل کے حکام کی مٹھیاں گرم کرکے اسے نکال لیا تھا۔ سزا پوری کرنے کے لیے اس کی جگہ ایک غریب پاکستانی کو جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔ حبیب جیوانی کے نام سے اخبارات میں اسی بدنصیب پاکستانی کی موت کی خبر شائع ہوئی تھی۔"

"دلچسپ اور حیرت انگیز!" وہ بڑبڑایا "ذرا تفصیل سے تو بتاؤ کہ یہ کیسے ہوا تھا؟"

"حبیب جیوانی کو قیدِ تنہائی کی سزا دی گئی تھی اس لیے بہت زیادہ لوگ اس کی شکل وصورت سے واقف نہیں تھے اس کی جگہ جو شخص اندر پہنچایا گیا تھا وہ قدوقامت اور جسمانی ساخت کے اعتبار سے اسی سے مماثل تھا۔ شاید خدوخال بھی کچھ ملتے جلتے ہوں۔ اس سودے کے عوض اس غریب آدمی کے عسرت زدہ گھرانے کو ہر مہینے ایک بھاری معاوضہ دیا جاتا تھا۔ اس نے اپنے گھروالوں کی خوشحالی کے لیے دیارِ غیر کی وہ اسیری قبول کی تھی اور اسی حالت میں مرگیا۔ مافیا والوں نے حبیب جیوانی کو چوری چھپے پاکستان پہنچادیا اور اس نے یہاں روپوش رہ کر مافیا کی داغ بیل ڈال دی جو اَب جان پکڑتی جارہی ہے۔"

"اس کا ہوٹل تو اب بھی ادھورا ہی ہے اور شاید نادہندگی کے متعدد مقدمات سے منسلک کردیا گیا ہے۔"

"مجھے یہ علم نہیں مگر میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ وہ چاہے تو اب کالے دھن سے اس جیسے کئی ہوٹل کھڑے کرسکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ اپنے اصل نام سے سامنے نہیں آسکتا۔ جرمن حکام نے اپنے ریکارڈ میں اسے مردہ قرار دے دیا ہے۔ مردہ زندہ ہوا تو جرمنی میں اس کی فائل دوبارہ کھل جائے گی اور جرمنی کی حکومت تحویلِ مجرمین کے معاہدے کے تحت اس کی واپسی کی دعوے دار بن جائے گی۔"

اول خان نہایت غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں خاموش ہوا تو وہ گمبھیر لہجے میں بولا "کبھی کبھی تمہاری باتوں سے مجھے خوف آنے لگتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مافیا اور شی کے ماسٹر مائنڈ تم ہی ہو جو ہربات کی اتنی تفصیلی خبر رکھتے ہو۔ یہ سب باتیں تمہیں کہاں سے معلوم ہوجاتی ہیں؟"

"میں اپنے حریفوں پر دور دور سے غلیلیں نہیں چلاتا۔ یہ یاد رکھتا ہوں کہ موت بس ایک ہی بار آنی ہے اور وہ بھی اپنے مقررہ وقت پر آئے گی۔ یہ سوچ کر' میں سر سے کفن باندھ کر' ان کی صفوں میں گھس جاتا ہوں اور پھر کامیابی ہو ہی جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں سے گرفتار ہونے والے کچھ لوگ بھی میرا نام لیں لیکن ریکارڈ پر اس کا تذکرہ نہیں آنا چاہیے۔ اپنے طریقۂ کار کے تحت مجھے ان سے سازباز کرنی پڑی تھی۔"

"میں خیال رکھوں گا لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مہم جوئی کے شوق میں تم بعض اوقات ضرورت سے زیادہ خطرات میں چھلانگ لگانے کے عادی ہوتے جارہے ہو۔ غزالہ کی بازیابی کے چکر میں مکاؤ جاکر تم نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ تمہارے ستارے ہی یاور تھے کہ تم وہاں سے زندہ لوٹ آئے۔"

میں نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا "بات وہی آجاتی ہے کہ موت اپنے وقت پر اور صرف ایک بار ہی آنی ہے۔ وقت آجاتا ہے تو آدمی کنکریٹ کے دمدمے میں اور اسپتال کی محفوظ چارپائی پر بھی موت کے بے رحم چنگل سے نہیں بچ پاتا۔"

"تم جیسے لوگ اب نایاب ہوتے جارہے ہیں۔ موت کے بارے میں اتنے بے پروایانہ انداز میں باتیں کرنا بہت آسان کام ہے لیکن ان پر عمل کرتے ہوئے بڑے بڑوں کے چھکّے چھوٹ جاتے ہیں۔" "اب تم میری ٹانگ کھینچنے کے چکر میں پڑگئے ہو اس لیے مجھے چلنا چاہیے" میں اچانک ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں سچ کہہ رہا تھا" وہ بھی میرے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ "تمہاری ذہانت اور بے جگری نے مجھے ہمیشہ بہت متاثر کیا ہے۔ کاش تم کسی قومی ادارے سے باقاعدہ وابستہ ہوتے تو اپنی کارکردگی سے دھوم مچادیتے۔"

"میں تو اب خود کو اسپیشل ٹاسک فورس سے وابستہ سمجھتا ہوں۔ یہ ادارہ قومی ہے یا نہیں' اس بارے میں اس کے ذمے دار ہی کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں۔"

اول خان میرے ساتھ باہر آیا تو میرا خیال تھا کہ وہ مجھے رخصت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن وہ میرے ساتھ چل کر اسی وقت ٹریڈ لائن کے دفتر اور سرنگ کے دہانے وغیرہ کا دور سے جائزہ لینا چاہتا تھا تاکہ اسے اپنی کارروائی کا ذہنی خاکہ تیار کرنے میں آسانی حاصل ہوسکے۔

میں نے اسے اپنی ہی گاڑی میں بٹھایا اور اسٹیشن فور سے بولٹن مارکیٹ کی طرف روانہ ہوگیا۔

○☆○

ویرا فلیٹ سے غائب تھی۔ غزالہ یا سلطان شاہ کو کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کب اور کہاں گئی تھی۔ انہوں نے ویرا کے بارے میں زیادہ سوچنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ مجھے اس کے بارے میں فکرمند دیکھ کر انہوں نے میرا مذاق اڑانا شروع کردیا تھا۔ سلطان شاہ نے تو باقاعدہ مجھے دلاسا دینا شروع کردیا کہ ویرا ایک عاقل وبالغ اور مکّار مجرمہ تھی' کوئی دودھ پیتی بچی نہیں تھی جس کے لیے میں فکرمند ہورہا تھا۔

میں خاموشی کے ساتھ ان دونوں کی طعنہ زنی سہتا رہا لیکن میرے ذہن سے ویرا کا خیال محو نہیں ہوسکا۔ اسے ہیری کینجر کی طرف سے بدترین خطرات لاحق تھے کیونکہ وہ کافی دنوں سے ویرا کو گھیرنے کے چکر میں لگا ہوا تھا اور اسے بے دست وپا کرکے امریکا بھیجنا چاہتا تھا تاکہ وہاں جمی لائیڈ' شی کے مقاصد اور اہداف سے بے وفائیوں کے الزام میں' اس کی گوشمالی کرسکے۔ مجھے ڈر تھا کہ ویرا اپنی کامیابی کے نشے میں سرشار ہوکر کہیں اس خطرے کو

فراموش ہی نہ کر بیٹھی ہو۔ اگر وہ ایک مرتبہ پھر ہیری کینجر کے کسی آدمی کی نظر میں آجاتی تو اسے گھیرنے کی مہم دوبارہ زور پکڑ سکتی تھی اور ہم غیر ضروری طور پر اسی مہم جوئی میں الجھ کر رہ جاتے۔

ویرا کی واپسی شام کو سات بجے کے قریب ہوئی۔ اس کے بشرے سے تکان اور اضمحلال کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ آتے ہی ایک صوفے پر گر گئی۔

"ڈیڈی کو تمہاری غیر حاضری سے خلجان ہونے لگا تھا۔ تم اجازت لیے بغیر گھر سے باہر نہ جایا کرو" سلطان شاہ نے اس کے آتے ہی نشتر زنی شروع کردی۔

"غنیمت ہے کہ تم بولنے لگے ہو" وہ ترکی بہ ترکی بولی "میں تو سمجھ رہی تھی کہ تمہاری زبان کو قبض لاحق ہوگیا ہے جو آسانی سے دور نہیں کیا جاسکے گا۔"

"لاحول ولا قوۃ" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بڑبڑایا "تم جب بھی بولتی ہو' اپنے دماغ کی ساری گندگی' اپنی گفتگو میں انڈیل دیتی ہو۔ کبھی غلطی سے ہی شائستہ گفتگو کرلیا کرو!"

"کرتی ہوں" وہ بے پروائی سے بولی "اس کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ میرا مخاطب کون اور کس ذہنیت کا مالک ہے۔ چاہو تو غزالہ سے میرے اس بیان کی تصدیق کرسکتے ہو۔"

"لیکن تم کہاں نکل گئی تھیں؟" میں نے ان کی تکرار میں دخل انداز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"بے مقصد آوارہ گردی کا ارادہ تھا لیکن پھر انڈین کونسلیٹ کی طرف نکل گئی۔"

"وہاں کی کیا خبریں ہیں؟ شریمان کی جگہ کس کو لایا جارہا ہے؟"

"شریمان کے جانشین کی تقرری تو دور کی بات ہے' آج وہاں ایک نیا ماتم تھا۔"

"وہ کیا؟" میں نے اول خان سے ملنے والی معلومات کا اظہار کیے بغیر پوچھا۔

"آج تمہارے حکّام نے ان کے ایک آدمی کو پکڑلیا ہے" وہ کسی سرکاری ملازم سے آبی ذخائر کے تعمیراتی نقشوں کی نقول لینے گیا تھا۔ سب لوگ اسی افراتفری میں الجھے ہوئے تھے۔"

"اگر وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے تو یہ لوگ دشواریوں میں پڑ جائیں گے۔"

"سفارتی قوانین کی رو سے کچھ بھی نہیں ہوسکے گا۔ ان کے سفارت خانے سے پُرزور احتجاج کیا جائے گا اور متعلقہ سفارت کار کو فوری طور پر ملک چھوڑنے کا حکم دے دیا جائے گا۔ جوابی کارروائی کے طور پر وہ لوگ بھی نئی دہلی میں تمہارے سفارت خانے کے کسی ملازم پر الزام لگا کر ملک بدر کردیں گے۔ جب دو ممالک کے درمیان سرد جنگ چل رہی ہو تو دونوں طرف سے ایسی ہی ہٹ دھرمیاں دیکھنے میں آتی ہیں۔"

"ان لوگوں کے عزائم کیا ہیں؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کھل کر بات کرنے کے لیے فضا سازگار نہیں تھی۔ ویسے وہ چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ البتہ ایک تبدیلی ضرور آئی ہے کہ اب ہیری کینجر کے ملک کے ساتھ' ان کے تعلقات میں سردمہری آگئی ہے۔"

"تم نے یہ اندازہ کیسے لگالیا؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے اپنی سلامتی کی فکر تھی!" وہ ہنستے ہوئے بولی "جب میں نے چنّی لال سے کہا کہ وہ میرے بارے میں ہیری سے ذکر نہ کرے تو اس نے بتایا کہ ان دنوں دونوں سفارتی ادارے ایک دوسرے سے بدظن ہیں اور آپس میں کسی قسم کی معلومات کا تبادلہ بھی نہیں کررہے۔"

"یہ مقامی حالات کا شاخسانہ بھی ہوسکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ حکومتی سطح پر پالیسی میں تبدیلی آئی ہو۔"

"سبب کچھ بھی ہو' میرے سر سے بوجھ ٹل گیا ہے۔ چنّی لال اب پوری طرح میرا ساتھ دے گا۔"

"مجھے بھی ہیری کینجر ہی کی طرف سے پریشانی تھی۔ وہ اب بھی تمہارے چکر میں ہوگا۔"

"ہوا کرے!" وہ بے پروائی کے ساتھ بولی "میں اس کا کوئی نہ کوئی سدِباب کر ہی لوں گی۔"

"پھر بھی احتیاط کرنے میں کوئی ہرج نہیں' کوئی بھی فون آئے تو تم ریسیور نہ اٹھانا۔ ہوسکتا ہے کہ دوسری طرف سے تمہاری آواز پہچان لی جائے" اسے وہ مشورہ دیتے ہوئے' میرے ذہن میں ہیری کینجر سے زیادہ حبیب جیوانی کا خیال تھا' جو اپنے بڑوں سے بات کرنے کے بعد کسی بھی وقت مجھے فون کرسکتا تھا۔

ویرا نے خلافِ توقع کوئی بحث کیے بغیر میرا وہ مشورہ تسلیم کرلیا اور وہ بات وہیں ختم ہوگئی۔

ویرا نے غسل خانے کا رخ کیا تو میں نے اسے آگاہ کیا کہ جب تک ہم چاروں اس فلیٹ میں یکجا رہیں گے' ایک خواب گاہ اس کے تصرّف میں رہے گی۔ سلطان شاہ ڈرائنگ روم میں گزارہ کرے گا۔ اسے اس بندوبست سے آگاہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ چاہے تو اسی کمرے میں آرام کرسکتی ہے۔

تخلیہ ہوتے ہی میں نے غزالہ اور سلطان شاہ کو حبیب جیوانی کی متوقع فون کال سے آگاہ کردیا تاکہ وہ بے خبری کی وجہ سے مذاق ہی مذاق میں میرے لیے کوئی دشواری نہ کھڑی کردیں۔

لیکن اس بارے میں مجھے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ویرا کے واپس لوٹنے سے پہلے ہی حبیب جیوانی کی فون کال آگئی جو میں نے ہی وصول کی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم فون ہی سے لگے بیٹھے تھے" میری آواز سن کر حبیب جیوانی نے تبصرہ کیا۔

"میرے لیے یہ بات بہت اہم ہے کہ میرے بڑے میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں؟"

"میں تمہاری الجھن سمجھ رہا ہوں۔ میں نے بات کی ہے۔ تمہاری کہانی بہت تحمل کے ساتھ سنی گئی ہے اور اس کی معقولیت نے شاید اثر بھی ڈالا ہے لیکن پھر بھی تمہاری پیشی ضروری قرار دی جارہی ہے۔"

"میری پیشی!" میں نے حیرت سے سوال کیا "مجھے کس کے سامنے پیش ہونا ہوگا؟"

"تمہیں مکاؤ میں روکنے کی کوشش کی گئی تھی" اس نے بتایا "لیکن اس وقت تک تم وہاں سے نکل چکے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ اب تمہیں میلان کا سفر کرنا پڑے۔ تم سے ملاقات کے خواہش مندوں کے یکجا ہوتے ہی مجھے اطلاع دے دی جائے گی۔ اب اس وقت تک اسلام آباد والا معاملہ ملتوی ہی سمجھو۔"

"اس کا مطلب ہے میری ذات اب بھی شبہات کی دھند میں لپٹی ہوئی ہے؟"

"کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ میں نے تمہاری صفائی میں اپنا پورا زور بیان صرف کردیا تھا" اس نے کہا "یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم پر شبہ نہ ہو بلکہ وہ لوگ تمہاری گواہی کے ذریعے اصل مجرم تک پہنچنا چاہتے ہوں۔"

"لیکن میں تو جائے واردات پر موجود رہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرسکا تھا پھر وہ میرے بیان کے سہارے قاتل تک کس طرح پہنچ سکیں گے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"یہ میرا قیاس ہے۔ وہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں؟ یہ وہی جانتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں شہر ہی میں موجود رہ کر تمہارے اگلے پیغام کا انتظار کروں گا۔"

دوسری طرف سے اوکے کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کردیا گیا اور میں نے ریسیور رکھ کر اضطراری طور پر سگریٹ سلگالی۔

مجھے حبیب جیوانی سے جو کام لینا تھا' وہ پورا ہوچکا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ مافیا کے بڑوں کے سامنے میری پوزیشن صاف کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ اس نے میری درخواست کے مطابق فون تو کردیا تھا لیکن اس کال کے نتائج غیر یقینی تھے۔ وہ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔

حبیب جیوانی کا کام ختم ہوچکا تھا اس لیے میں نے فوراً ہی اول خان کو گرین سگنل دینے کا فیصلہ کرلیا۔ میں پھیلے ہوئے معاملات کو جلد از جلد نمٹالینا چاہتا تھا تاکہ ذہنی سکون اور یکسوئی کے ساتھ مستقبل کے بارے میں کوئی منصوبہ بندی کرسکوں اور جرائم کی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرسکوں۔

اول خان' ٹریڈ لائن اور اس کی آڑ میں چلنے والی مافیا کو تباہ کرنے کے لیے ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ اسی وقت وہاں دھاوا بول دیتا لیکن دشواری یہ تھی کہ اس چھاپے کے لیے اسے مقامی پولیس حکام کو بھی اپنے ساتھ لے کر چلنا تھا اور وہ کام اگلے دن ہی ہوسکتا تھا۔

"میں صبح دس بجے تک تمام تیاریاں مکمل کرلوں گا۔ زیادہ سے زیادہ بارہ بجے تک ہم اپنا آپریشن شروع کرنے کی پوزیشن میں آچکے ہوں گے" اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"تم میرے ساتھ اس کاروباری اور تجارتی علاقے کا جائزہ لے چکے ہو" میں نے نرمی سے کہا "صبح ہوتے ہی وہاں لاکھوں افراد اور ہزاروں گاڑیوں کی ریل پیل شروع ہوجاتی ہے۔ اس قدر ہجوم میں کوئی بڑی کارروائی بہت سی مشکلات پیدا کردے گی۔ تماشائیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جائیں گے۔ دوسری طرف سے مزاحمت کی گئی تو فائرنگ کے تبادلے میں متعدد بے گناہوں کی جانوں کے زیاں کا خطرہ بھی رہے گا۔"

"مختصراً بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" اس نے میری بات کاٹ دی۔ اس کی آواز میں جھلکتا ہوا جوش و خروش ماند پڑچکا تھا۔

"رات کے آٹھ نو بجے تک اس علاقے کے تمام دفاتر اور تجارتی ادارے بند ہوجاتے ہیں اور وہاں سنّاٹا پھیل جاتا ہے۔ اس کے بعد تم نہایت اطمینان کے ساتھ اس عمارت کو اپنے گھیرے میں لے سکتے ہو۔"

"بات چوبیس چھبیس گھنٹوں کے لیے ٹل جائے گی" اس کی آواز مضمحل ہوگئی۔

"مجبوری ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ٹریڈ لائن میں دفتری کام سرانجام دینے والا عملہ بالکل بے گناہ ہے۔ دن میں وہ سب بھی دفتر میں ہوں گے۔ مجرم انہیں یرغمال بناسکتے ہیں۔ رات کو اس عمارت میں صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو ریکٹ چلا رہے ہیں۔ ان کے ساتھ آنکھیں بند کرکے من مانا سلوک کیا جاسکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے!" اس نے ہتھیار ڈال دیے "پھر کل رات دس بجے کی تیاریاں شروع کرادیتا ہوں۔"

"میں بھی اسی وقت اپنے شکار پر ہاتھ ڈالوں گا.... اور ہاں' ظفر کے بارے میں کوئی خیر خبر؟"

"ابھی تک خاموشی ہے۔ مجھے سی او کے فون کا انتظار کرنا ہوگا" اس کی آواز ابھری۔

میں نے مزید چند فقروں کے تبادلے کے بعد فون بند کردیا۔

اگلے دن ویرا دوپہر کے قریب اپنے کچھ پرانے دوستوں سے ملنے چلی گئی۔ ان حلقوں میں وہ ایک اسکالر کے طور پر پہچانی جاتی تھی۔ میدان صاف ہوجانے پر میں نے غزالہ کو مافیا کے بارے میں اپنے منصوبے سے آگاہ کیا تو وہ چڑ گئی۔

"تمہیں حبیب جیوانی کو چھیڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس سے بھی اول خان ہی نمٹ لے گا۔"

"سب کچھ اول خان ہی کرلے گا تو میں کیا کروں گا؟" میں نے

حیرت سے سوال کیا۔
"ضروری نہیں کہ تم ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہو۔ وہ مافیا چیف ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں دھوکا دے کر نکلنے میں کامیاب ہوجائے۔ تم اپنے لیے غیر ضروری طور پر خطرہ مول لے رہے ہو۔"
"وہ میرے پھندے سے نکل ہی نہیں سکتا۔ اسے مجھ پر پورا اعتماد ہے۔ اسے تو اس وقت ہوش آئے گا جب میری ہیم گن کی نال اس کی کھوپڑی سے لگ چکی ہوگی" میں نے اس کی پریشانی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔
"کسی دن تمہاری یہی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی تمہیں لے ڈوبے گی۔"
"مافیا کو ایک ہی وقت میں جڑ سے اکھاڑ پھینکنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ بہت اہم آپریشن ہوگا۔ میں نے اس میں بھرپور طریقے سے اپنا حصہ ادا نہ کیا تو مجھے زندگی بھر اس کا قلق رہے گا۔"
"تم جو چاہو کرتے پھرو۔ میں اب تمہیں نہیں روکوں گی۔" غزالہ نے منہ پھلا لیا۔
میں اس کو منانے کے لیے اس کی خوشامدیں کرنے لگا۔ سلطان شاہ دور بیٹھا زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔
غزالہ کو منانے کے بعد وقت گزاری کے لیے ہم کارڈز لے بیٹھے۔ تاش کھیلتے ہوئے سلطان شاہ نے نہ جانے کیسے غزالہ کے مرحوم والدین کا ذکر چھیڑ دیا اور غزالہ اداس ہوگئی۔
غزالہ کے لیے اس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ ماں باپ اور اکلوتا بھائی، تینوں ہی یکے بعد دیگرے خالقِ حقیقی سے جا ملے تھے اور بظاہر دنیا میں وہ اکیلی رہ گئی تھی۔ مجھے اس کے والدین کے خاندانی پس منظر اور خانگی حالات کا بخوبی علم تھا۔ اس کی ماں، شمع کا تعلق اس بازار سے تھا جہاں گھنگھروؤں کی جھنکار اور طبلے کی تھاپ پر تماشائیوں کو مرغِ بسمل کی طرح تڑپا تڑپا کر ان کی جیبیں خالی کرائی جاتی ہیں لیکن شمع نے اس بازار میں بھی اپنے وقار کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کرنل زوّار زیدی کو شمع سے والہانہ عشق ہوگیا تھا۔
ان دونوں نے اپنی اکلوتی بیٹی کو اس کہانی سے لاعلم نہیں رکھا تھا۔ شمع تو خیر اپنے پورے خاندان کو اسی بازار میں چھوڑ آئی تھی لیکن اس سے شادی کے جرم میں کرنل زوار زیدی کے خاندان نے اسے بالکل چھوڑ دیا تھا اور یوں وہ میاں بیوی ہی ایک دوسرے کے ہمدرد و غم گسار رہ گئے تھے۔
بات آگے بڑھی تو غزالہ نے بتایا کہ اس کے ددھیال کا خاندان خاصا بڑا تھا۔ وہ ان میں سے کسی سے بھی نہیں ملی تھی لیکن اس نے اپنے مرحوم باپ کی زبان سے اپنے ددھیالی رشتے داروں کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا جو بچپن اور لڑکپن کی یادوں کے ساتھ اس کے ذہن میں محفوظ تھا۔
"اگر ان میں سے کچھ لوگ کراچی میں ہیں تو انہیں تلاش کیا جاسکتا ہے" رشتے داروں کا ذکر آنے پر سلطان شاہ نے کہا۔ ہم دونوں نے شمع کے ماضی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ خود غزالہ کی عزت کا بھی معاملہ تھا۔ اسے بس اتنا معلوم تھا کہ اپنی پسند کی شادی کرنے کی وجہ سے پورے خاندان نے کرنل زوار زیدی سے قطع تعلق کرلیا تھا اور ان دونوں نے بھی کبھی انا کو پس پشت ڈال کر مصالحت کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔
"لیکن کیوں؟" غزالہ نے پریشان ہوکر سوال کیا "انہیں تلاش کیا جائے؟"
"اپنوں سے ملنے کی آرزو ہر ایک کو ہوتی ہے" میں نے ... لہجے میں کہا "کبھی کبھی تمہارے دل میں بھی ہوک سی اٹھتی ہوگی دوسروں کی طرح تمہارے بھی رشتے دار ہوں جن کے ساتھ تم خوشیاں اور دکھ درد بانٹ سکو۔ سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ان سے ملو یا نہ ملو لیکن انہیں ڈھونڈ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"
"یہ بہت پرانی باتیں ہیں" غزالہ کی آواز قدرے بھاری اور پُرخیال ہوگئی "میں بڑی حسرت سے سوچا کرتی تھی کہ دوسروں کی طرح میرے بھی چچا، تایا اور ماموں ہوں، ہم عمر لڑکیوں سے بھرا گھر ہو اور بھی نہ جانے کیا کیا ہو۔ لیکن میں نے اپنی ان تمام حسرتوں کو تھپک تھپک کر سلا دیا۔ میں ان سب کو بھول چکی ہوں۔ میں ان کی طرف لوٹنا بھی نہیں چاہتی کیونکہ یہ میری انا کا معاملہ ہے۔"
"بہت سے رشتے ایسے ہوتے ہیں جنہیں انا کے پیمانے سے نہیں ناپا جاتا" میں نے اسے سمجھایا۔
"میرا وہ رشتہ تم سے ہے!" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "کیا انہیں معلوم نہیں ہوگا کہ میرے ڈیڈی کے دو بچے تھے؟ ڈیڈی نے تو ممی کی موت پر خودکشی کی تھی۔ وہ خبر اخبارات میں آئی ہوگی۔ لیکن پھر بھی ان میں سے کوئی نہیں ملا۔ ان کے سخت دلوں میں خون کے رشتوں کا ذرا سا بھی احترام ہوتا تو ان دونوں کی موت کے بعد وہ ان کے یتیم و یسیر بچوں تک پہنچنے کی کوشش ضرور کرتے۔ لیکن کسی نے ایسا نہیں کیا۔ پھر میں ان کی طرف کیوں لوٹوں؟ اگر میں ان کی طرف گئی اور انہوں نے پھر بھی مجھے گلے نہ لگایا تو میں کہاں جاؤں گی؟ اس وقت میری زخمی روح پر کون مرہم رکھے گا؟ یہ بہت پیچیدہ اور ہولناک سوالات ہیں۔ ان پر سوچنے کے بعد میں نے اپنے دل کے بہت سے خانے ہمیشہ کے لیے بند کرلیے ہیں۔ ان سب نے مجھے بھلا رکھا ہے اور میں نے سمجھ لیا ہے کہ میرے سارے رشتے دار مر چکے ہیں۔ میرا اب اٹل رشتہ تم سے ہے اور پھر یہ میرا بھائی ہے" یکایک اس کی آواز رُندھ گئی اور اس نے مضبوطی سے سلطان شاہ کا ہاتھ تھام لیا۔
"مجھے معاف کردو، غزالہ!" سلطان شاہ بھی یک بیک جذباتی ہوگیا "میں تمہارا دل نہیں دکھانا چاہ رہا تھا۔ میں نے جو کچھ بڑے خلوص کے ساتھ کہا تھا۔ آئندہ میں ایسی احمقانہ باتیں نہیں کروں گا۔"
غزالہ کے نرم و نازک ہونٹوں پر دھیمی سی، مسحور کن مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی آنکھیں نم تھیں مگر لب مسکرا رہے تھے۔ میرا دل خراب ہونے لگا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی کی طرف چلا گیا۔
میں زیادہ دیر تک وہاں کھڑا نہیں رہ سکا کیونکہ یکایک ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔
میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا تو میری ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے حبیب جیوانی کی سرد اور سخت آواز ابھری جسے سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔
"اچھا ہوا کہ تم گھر پر مل گئے" اس کی آواز عجیب اور ڈراؤنی محسوس ہو رہی تھی "اس وقت جس حال میں بھی ہو، فوراً چلے آؤ۔"
مجھے اپنے بدن میں کروڑوں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہوئیں اور میں نے اضطراری طور پر اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔ "خیریت تو ہے؟ تم اس وقت کچھ پریشان معلوم ہو رہے ہو؟"
"خیریت ہی نہیں ہے۔ بس تم فوراً آؤ، میں فون پر کچھ نہیں بتا سکتا۔"
"میں بس آدھے گھنٹے میں دفتر پہنچتا ہوں" میں نے کھوکھلی آواز میں کہا۔
"نہیں!" اس کی غراہٹ سے میرے کان کا پردہ جھنجھنا اٹھا "اُدھر کا رخ بھی نہ کرنا۔ وہاں چوہے دان تیار ہو رہا ہے۔ تم میرے گھر آؤ... بلکہ نہیں، تم بہادر آباد کے چوراہے پر پہنچو، میں خود وہاں آرہا ہوں۔"
اس نے میرا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔ میں ریسیور کریڈل پر ڈال کر مڑا تو میرے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہی وہ دونوں بری طرح چونک پڑے۔
"کیا بات ہے؟ تمہارا چہرہ فق ہو رہا ہے؟" غزالہ نے بے تابانہ انداز میں اٹھتے ہوئے پوچھا۔
"کہیں کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ حبیب جیوانی کو اوّل خان کی کارروائی کی خبر مل گئی ہے۔"
"بس، پولیس کے ساتھ چلنے میں یہی سب ہوتا ہے" سلطان شاہ پیر پٹخ کر بولا "اس کے کسی نمک خوار نے اسے خبر پہنچا دی ہوگی اور اب ساری بازی الٹ جائے گی۔"
"میں جا رہا ہوں.... وہ مجھے لینے کے لیے بہادر آباد کے چوراہے پر پہنچ رہا ہے" میں نے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

کھیل شروع ہوچکا تھا۔ اس لیے میں بیم گن کے علاوہ ایک بھرا ہوا پستول بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا کیونکہ حبیب جیوانی کے تیوروں کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔

سلطان شاہ بھی میرا ساتھ دینا چاہ رہا تھا لیکن میں نے سختی کے ساتھ اسے منع کردیا۔ اس وقت حبیب جیوانی کی حالت کسی زخم خوردہ شیر جیسی تھی۔ اس کی کچھار پر ہاتھ ڈال دیا گیا تھا یا ڈالا جانے والا تھا۔ اس حالت میں وہ اپنے سائے سے بھی چوکنا ہوتا اور اگر اسے بھنک بھی مل جاتی کہ میں مافیا سے باہر کے کسی آدمی سے مدد لے رہا ہوں تو مجھے کوئی موقع دیے بغیر میری کھوپڑی میں بے دریغ گولی اتار دیتا۔

فلیٹ سے نکلتے نکلتے مجھے اچانک اول خان کا خیال آیا۔ اسے اس نئی صورتِ حال سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ ورنہ وہ بے خبری اور خود اعتمادی کی وجہ سے حبیب جیوانی کے کسی جوابی جال میں الجھ سکتا تھا۔

اس وقت میری رسٹ واچ ساڑھے سات بجا رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ حبیب جیوانی کو آپریشن سے ڈھائی گھنٹے پہلے ہمارے عزائم کی بھنک مل گئی تھی۔

"سب کچھ چوپٹ ہوگیا" اول خان کی آواز سنتے ہی میں نے اضطراری لہجے میں کہا "حبیب جیوانی کو اپنے دفتر پر پڑنے والے چھاپے کی خبر مل گئی ہے اور وہ بذاتِ خود میدان میں اتر رہا ہے۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" اول خان کی آواز سے حیرت کے ساتھ ہی بے یقینی بھی مترشح تھی "اب تک اعلیٰ حکام کے علاوہ کسی کو اس آپریشن کا علم نہیں ہے۔ شاید پندرہ منٹ پہلے علاقے کی پولیس کو اعتماد میں لیا گیا ہوگا تاکہ عمارت کے گرد ابھی سے گھیرا ڈالنے کی تیاریاں شروع کی جاسکیں۔ صبح سے تمام نفری اسٹینڈ بائی پر تھی۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔"

"پندرہ منٹ پہلے علاقہ پولیس کو بتایا گیا اور اسے خبر مل گئی۔ اب وہ فون کرے گا اور کوئی بھی کارروائی ہونے سے پہلے اس کے سارے آدمی وہاں سے فرار ہوجائیں گے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"وہ فون نہیں کرسکے گا۔ اسے خود اپنے دفتر جانا ہوگا۔ میں نے احتیاطاً دوپہر کو ہی ٹریڈ لائن کے سارے فون بند کرادیے تھے۔ میں ابھی خود نکلتا ہوں۔ وہ وہاں پہنچتے ہی پکڑ لیا جائے گا لیکن اس کی شناخت کے لیے تمہارا وہاں موجود رہنا ضروری ہے کیونکہ اسے کوئی بھی نہیں پہچانتا۔"

"میں خود اسی کے پیچھے جارہا ہوں۔ میں ٹریڈ لائن نہیں پہنچ سکتا۔ اس محاذ پر تم ہی کو صورتِ حال سنبھالنی ہوگی۔ یہ میرے بس سے باہر ہے" میں نے رکھائی سے کہا اور فون بند کردیا۔

میرے پاس وقت کم تھا۔ اس وقت حبیب جیوانی بہت مشکل صورتِ حال میں گھرا ہوا تھا اس لیے مجھے اندازہ تھا کہ وہ تیز رفتاری کے ساتھ ڈرائیونگ کرتا ہوا، چند منٹ میں بہادر آباد چوراہے پر پہنچ جائے گا۔ اس لیے میں نے عمارت سے باہر کسی سواری کی تلاش میں نظریں دوڑائیں پھر کوئی رکشہ موجود نہ پاکر، قریب ہی سے گزرتی ہوئی منی بس کے گیٹ سے گیا۔

اگلا اسٹاپ بہادر آباد کا تھا اور حبیب جیوانی اس وقت وہاں نہیں پہنچا تھا۔

اول خان نے ٹریڈ لائن کے تمام ٹیلی فون قبل از وقت نہایت عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ جیوانی نے چھاپے کی خبر ملتے ہی اپنے دفتر سے فون پر رابطہ کی کوشش کی ہوگی اور اس کوشش میں ناکامی کے بعد اس نے فون کیا ہوگا۔

اس کی زبانی چھاپے کی خبر ملنے کے بعد مجھ پر جو بوکھلاہٹ طاری ہوئی تھی، وہ صورتِ حال کا پورا ادراک ہونے کے بعد رفتہ رفتہ کم ہونے لگی۔ اس کا ٹریڈ لائن سے رابطہ ختم کردیا گیا تھا اس لیے وہ خبر اسی کی ذات تک محدود تھی اور وہ مجھ کو لینے کے لیے آرہا تھا۔

اس وقت کی صورتِ حال یہ تھی کہ حبیب جیوانی اپنے دفتر میں رونما ہونے والی صورتِ حال میں کوئی تبدیلی لانے پر قادر نہیں تھا۔ وہ گاڑی چلا رہا ہوتا اور میں اپنے ہتھیاروں سمیت اس کے برابر والی نشست پر موجود ہوتا۔ اسے چھاپے کی خبر کہیں سے اور کسی طرح بھی ملی ہو، اگر میں ہوشیاری سے اس پر قابو پانے میں کامیاب ہوجاتا تو اول خان اپنی کارروائی منصوبے کے مطابق کرسکتا تھا۔

چند ہی منٹ بعد حبیب جیوانی، حسبِ توقع تیزی کے ساتھ گاڑی چلاتا ہوا وہاں آپہنچا۔ اس سے پہلے کہ میں دروازہ کھول کر گاڑی میں سوار ہوتا، وہ ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ کر نیچے آگیا۔

"گاڑی تم ڈرائیو کروگے، مجھے دوسرے کام سنبھالنے ہیں" اس نے حکم صادر کیا اور میں اس کے قریب سے گزر کر دوسری طرف بڑھ گیا۔ کار کا انجن اسٹارٹ تھا۔ حبیب جیوانی مجھ سے پہلے پسنجر سیٹ پر براجمان ہوچکا تھا اس لیے میں نے فوراً ہی گاڑی آگے بڑھادی۔

بمشکل چند سیکنڈ گزرے ہوں گے کہ کار میں موجود ٹرانسمیٹر پر ایک پیغام سن کر میں ششدر رہ گیا۔ سینٹرل کنٹرول سے کسی سب انسپکٹر لہراسپ خان کو پکارا جارہا تھا۔

چوراہا عبور کرنے کے بعد صاف سڑک ملی تو میں نے دیکھا وہ آواز، حبیب جیوانی کی گود میں رکھے ہوئے اپریٹس سے آرہی تھی۔ سب انسپکٹر لہراسپ لائن پر تھا اور اپنے سینٹرل کنٹرول کو اپنی کارکردگی کی رپورٹ دے رہا تھا جو واضح طور پر ٹریڈ لائن سے متعلق تھی۔

حیرت سے میری عقل چکرا کر رہ گئی۔ وہ معاملہ تو مخبری سے بھی بہت آگے نظر آرہا تھا۔

"یہ تمہارے اپریٹس پر پولیس کنٹرول کے پیغامات کس طرح سنائی دے رہے ہیں؟" میں نے احمقانہ حیرت کے ساتھ حبیب جیوانی سے سوال کیا۔

"یہ میرا نہیں بلکہ پولیس کے محکمے کا ہی ٹرانسمیٹر ہے اور اسی کی وجہ سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آج پولیس فورس میرے دفتر پر چھاپا مارنے کا ارادہ رکھتی ہے" اس نے تلخ لہجے میں مجھے آگاہ کیا۔

"لیکن یہ اہم ٹرانسمیٹر تمہاری تحویل میں کیسے آگیا؟" میری حیرت میں مزید اضافہ ہوگیا۔

"یہ کلب کے دنوں کی یادگار ہے" اس نے کہا "وہاں دل بہلانے کے لیے آنے والے ایک ڈی آئی جی نے ایک لڑکی کو لاکر دیا تھا۔ میں روزانہ، دن میں تین چار بار اسے آن کرتا ہوں تاکہ یہ پتا چلتا رہے کہ شہر کی پولیس کس ڈگر پر چل رہی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے اسے آن کیا تو پتا چلا کہ لہراسپ خان میرے دفتر کے گرد گھیرا ڈال رہا ہے۔"

"مگر کیوں؟ ان کے پاس اس کارروائی کا کیا جواز ہے؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"احمقانہ سوال مت کرو!" اس کا لہجہ خشک تھا۔ "کچھ نہ کچھ ہوا ہے۔ اگر ان کے پاس اب کوئی جواز نہیں ہے تو کامیاب چھاپے کے بعد پیدا ہوجائے گا۔ یہ بات، کہ اندر ہمارے آدمی کھوکھلے شولڈر پیڈز میں ہیروئن بھر رہے ہیں، میرے علاوہ صرف تمہارے علم میں ہے۔ پولیس اپنے عزائم میں کامیاب ہوگئی تو وہ سب بھی رنگے ہاتھوں پکڑے جائیں گے اور میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکوں گا کیونکہ اب کلب کے طلسماتی اثرات بھی ختم ہوچکے ہیں۔"

"تم فون کرکے شیر شاہ کو ہوشیار کردو۔ وہ لوگ دفتر چھوڑ کر نکل جائیں گے۔" میں نے اوّل خان کے دعوے کی صداقت آزمانے کے لیے انجان بن کر کہا "ہیروئن بھی آسانی کے ساتھ تلف کی جاسکتی ہے۔"

حبیب جیوانی نے غصے میں ڈیش بورڈ پر مکا مارا اور تیز آواز میں بولا "حرامزادوں نے دفتر کے سارے فون کاٹے ہوئے ہیں۔ میں نے ہر نمبر پر بار بار کوشش کی ہے لیکن دوسری طرف سے لائنیں خاموش ہیں۔"

"اوہ!" میں نے تاسف آمیز انداز میں کہا۔ "پھر تو تمہیں خود وہاں جانا ہوگا۔"

"وہاں؟ اس چوہے دان میں؟" اس کی متنفر آواز گونجی۔ "تاکہ وہ مجھے آسانی کے ساتھ دبوچ لیں؟ ڈینی! تم گھاس کھا گئے ہو یا پھر میری دشمنوں سے تم نے بھی کوئی سازباز کی ہوئی ہے۔"

"چیف! لاحول پڑھو۔" میں نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔

"اگر تم اتنی سی پریشانی آنے پر اتنے شدید ردِّعمل کا مظاہرہ کروگے تو کام کیسے چلے گا؟ میں تمہاری مدد اور حوصلہ افزائی کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔ اگر تم نے مجھ پر ہی شبہات ظاہر کرنے شروع کردیے تو میں اپنی زبان سختی کے ساتھ بند کرلوں گا۔"

"مجھے بتاؤ کہ یہ سب کیسے ہوا؟ تمہارے سمیت سب آدمی دیکھے بھالے ہیں۔ اندر کی مخبری کے بغیر پولیس کو الہام نہیں ہوسکتا کہ وہ نیند سے اٹھے اور میرے دفتر کی طرف چل دیے ہوں۔"

"یہ باتیں بعد میں بھی سوچی جاسکتی ہیں۔ اس وقت ہمیں پوری توجہ اس ناگہانی آفت پر مرکوز رکھنی چاہیے جو ہمارے سروں پر نازل ہونے والی ہے۔"

"تم کیا سمجھ رہے ہو؟" اس کی آواز یکایک دھیمی اور پُراسرار ہوگئی۔ "کیا یہ لوگ میرے دفتر پر چھاپا مار کر، ہمارے آدمیوں کو پکڑنے میں کامیاب ہوجائیں گے؟"

"فی الحال کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ کیا تمہارے ذہن میں کوئی تجویز موجود ہے؟"

"تجویز نہیں، میرے پاس طاقت ہے اور یہ طاقت کی کلید ہے۔" اس نے اپنی جیب سے پلاسٹک کی ایک چھوٹی سی ڈبیا نکال کر میری طرف بڑھا دی۔ میں نے اسے بائیں ہاتھ میں تولا تو وہ خاصی وزنی تھی۔ حبیب جیوانی نے فوراً ہی وہ ڈبیا مجھ سے واپس لے لی۔

"وہ مر کر بھی میرے آدمیوں پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔" حبیب جیوانی کی آواز میں سفاکانہ تلخی عود کر آئی۔ "ٹریڈ لائن کے دفتر کے اہم حصوں میں طاقتور ڈائنا مائٹ نصب ہیں اور یہ ان کا ریموٹ کنٹرول ہے۔ میری ایک انگلی کی ذرا سی جنبش سے سب کچھ برباد ہوجائے گا۔ اس علاقے میں اتنی بڑی تباہی آئے گی کہ سب کے ہاتھ پیر پھول جائیں گے۔ ان کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آسکے گا۔"

اس کا منصوبہ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور میں نے قدرے بے جان آواز میں کہا "ہمارا دفتر دس منزلہ عمارت کی سب سے نچلی منزل پر ہے۔ ڈائنا مائٹ پھٹنے کے ساتھ ہی وہ دیوہیکل عمارت زمین بوس ہوجائے گی۔ یہ تو بہت بڑی تباہی ہوگی۔"

"گرتے ہوئے وہ عمارت اپنے ساتھ آس پاس کی دوسری تعمیرات کو بھی لے ڈوبے گی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ اتنی بڑی تباہی کا خطرہ مول لینے کی جرأت نہیں کرسکیں گے۔"

"ٹرانسمیٹر پر ہونے والی گفتگو پر دھیان دو۔" میں نے اسے یاد دلایا "ان کی باتوں سے ان کے پروگرام کا اندازہ ہوگا۔ میں حیران ہوں کہ تمہارے پاس اتنا اہم اپریٹس موجود ہے لیکن مجھے آج تک اس کی بھنک بھی نہیں مل سکی۔ اس کے بغیر تو تمہیں کچھ بھی معلوم نہیں ہوسکتا تھا۔"

اس اپریٹس کے ایک سرے پر سب انسپکٹر لہراسپ خان تھا

اور دوسری جانب سے ایک ڈی آئی جی ہدایات دے رہا تھا۔ لہراسپ خان کے آدمی، ٹریڈ لائن کے دفتر سے نکلنے والے رو راستوں پر پہنچ چکے تھے۔ ان کی کمین گاہوں سے ٹریڈ لائن کے دفتر پر بخوبی نظر رکھی جاسکتی تھی۔

"تمہارے آدمیوں کو اگلے دو گھنٹے تک اسی پوزیشن میں رہنا ہے۔" ڈی آئی جی، ٹرانسمیٹر پر ہدایات دے رہا تھا۔ "کسی کو نگرانی یا کارروائی کا شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ اصل کارروائی ایک کمانڈو گروپ کرے گا جس کے ساتھ انسپکٹر سرور اور اس کی نفری ہوگی۔ دس بجے کے قریب وہ فضا میں سگنل راؤنڈ فائر کرکے دھاوا شروع کردیں گے۔ تم اصلی کارروائی میں براہِ راست شرکت کیے بغیر، اس پارٹی کو بیک اپ دوگے..... اوور!"

"لیس سر!" لہراسپ خان کی کرخت آواز ریڈیائی شور پر حاوی تھی۔ "میرے آدمی زینوں وغیرہ کے نیچے چھپ گئے ہیں، وہ آخر تک یہاں سے نہیں ہلیں گے۔ میں نے انہیں سخت ہدایات دے دی ہیں۔ ویسے سر! اس دفتر سے نکلنے والے مجرموں کے ساتھ ہمیں کیا سلوک کرنا ہے۔ اوور!"

"اس دفتر کے قرب و جوار میں کوئی کارروائی نہیں ہوگی۔" ڈی آئی جی کی آواز سخت تحکمانہ ہوگئی۔ "اپنے آپریشن کی رازداری کو خطرے میں ڈالے بغیر، ایسے لوگوں کا پیچھا کیا جائے اور دور نکل جانے پر انہیں پکڑلیا جائے۔ یہ یاد رکھنا کہ یہ پکڑ دھکڑ بہت ضروری نہیں ہے۔ تمہارا اصل کام اس بات پر نظر رکھنا ہے کہ مجرموں کے اڈّے پر بندوقوں یا ہتھیاروں کی بھاری نقل و حرکت کامیاب نہ ہونے پائے۔ ایسی صورت میں بھی تم مجھے رپورٹ دے کر ہدایات لوگے۔ میں کوئی حماقت برداشت نہیں کروں گا، کسی کی کوتاہی کو نظرانداز نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس آپریشن کی کمان ایک فیڈرل اتھارٹی کررہی ہے اور ہمیں اسی کی دی ہوئی لائن پر چلنا ہے، اوور۔"

"لیس سر!" لہراسپ خان نے پُرجوش آواز میں اپنا تکیۂ کلام دُہرایا۔ "میں سب سمجھ گیا۔ آپریشن کامیاب ہویا ناکام، ہم پر اس کی کوئی ذمّے داری نہیں آئے گی۔ ہمیں بس آنکھیں بند کرکے فیڈرل اتھارٹی کے دیئے ہوئے ڈسپلن پر عمل کرنا ہے۔ میں ابھی اپنے جوانوں کو بریف کیے دیتا ہوں۔ اوور۔"

لہراسپ خان کے اخذ کیے ہوئے نتائج سراسر احمقانہ تھے لیکن میرا اندازہ تھا کہ محکمہ جاتی چپقلش اور رنجشوں کی وجہ سے وہ لوگ اسی عمومی سوچ کے عادی ہوگئے تھے جس میں ان کا زیادہ قصور نہیں تھا۔

فوری طور پر ڈی آئی جی کی بھنّائی ہوئی آواز ابھری۔ "لہراسپ خان! تمہاری کھوپڑی پر شاید برف جم گئی ہے۔ تم بھول گئے ہو کہ اس وقت تم فون پر نہیں، ڈپارٹمنٹ کے لاسلکی اپریٹس پر بات کررہے ہو اور تمہاری آواز، ہر کھلے اپریٹس پر سنی جارہی ہے۔ نوبجے تک ایسے دو اپریٹس فیڈرل اتھارٹی کو بھی مل جائیں گے۔ اس وقت تک اپنے اوسان درست کرلو۔ اگر اس کے بعد تم نے احمقانہ باتیں کیں تو میں تمہاری بیلٹ ہی نہیں، وردی بھی اتروالوں گا۔ میں اپنے ماتحتوں کی نان سنس برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ اوور!"

"لیس سر! او کے سر! اوور سر!" لہراسپ خان نے بوکھلا کر رَٹ کی تکرار شروع کردی۔

اپریٹس بے جان ہوگیا لیکن چند سیکنڈ بعد ہی اس پر ایک نئی آواز سنائی دینے لگی۔ کسی چوکی سے ڈکیتی کی ایک واردات میں ملوث کار کی تفصیلات نشر کی جارہی تھیں۔ ڈاکو طارق روڈ کے ایک دکاندار سے بھاری رقم کا تھیلا چھین کر، ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے، کار میں فرار ہوگئے تھے۔

"فیڈرل اتھارٹی!" حبیب جیوانی غالباً دانت پیس کر غرّایا تھا۔ "میں ان سب کو فنا کردوں گا۔ میں دیکھتا ہوں کہ کون کمانڈو میرے دفتر کے قریب پھٹکتا ہے۔ میں ان کے چیتھڑے اُڑا ڈالوں گا۔"

"کم از کم مجھے یہ تو بتاؤ کہ تمہارا منصوبہ کیا ہے؟" میں نے پُرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

"اب ان کا پورا پلان واضح ہوگیا ہے۔ فیڈرل اتھارٹی اور کمانڈوز کے الفاظ کا مطلب ہے کہ یہ آپریشن فوج کررہی ہے۔ اس کی مدد کے لیے پولیس کو الرٹ کیا گیا ہے۔" وہ بولنے لگا "پولیس بوکھلا کر ابھی سے میدان میں اتر پڑی ہے لیکن اصل کارروائی دس بجے شروع ہوگی جب اس علاقے میں اُلّو بولنے لگیں گے۔ اس سے پہلے ہی فیڈرل اتھارٹی کو بھی پیغام رسانی کے لیے یہ ٹرانسمیٹرز مل جائیں گے اور اس وقت میں بھی ان سے مذاکرات شروع کردوں گا۔ ابھی میں ان کی ہرزہ سرائیاں سن رہا ہوں لیکن جب میں بولوں گا تو ان کے اوسان خطا ہوجائیں گے۔"

"تم انہیں دفتر کو بلکہ پوری عمارت کو بارودی دھماکوں سے اُڑانے کی دھمکی دوگے؟"

"صرف دھمکی نہیں دوں گا بلکہ میں اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ بھی رکھتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ ایسے حالات میں حکام وقت خریدتے ہیں، مدّمقابل کو مختلف حیلوں اور بہانوں سے اعصاب شکن انتظار میں مبتلا کرتے ہیں اور پھر اس کی کمزوری کے کسی بھی لمحے اس پر اچانک اپنا کاری وار کرگزرتے ہیں۔ میں انہیں یہ موقع فراہم نہیں کروں گا۔ میرے آدمی بہت جاں نثار اور دلیر ہیں لیکن میں ان کی خاطر اپنی زندگی برباد نہیں کرسکتا۔ وہ لوگ ٹریڈ لائن کے دفتر میں گھس گئے تو میرا کاروبار ہی نہیں، مستقبل بھی تباہ ہوجائے گا تو میں کیوں نہ اس دفتر بلکہ عمارت کو تباہ کردوں۔ انہیں جلتے ہوئے ملبے میں صرف راکھ یا بگڑی ہوئی لاشیں ملیں گی مگر میرا مستقبل محفوظ ہوجائے گا۔ میں تمہاری مدد سے اپنے کارکنوں کی ایک نئی جماعت کھڑی کرلوں گا۔"

وہ صورتِ حال بہت دہشت ناک تھی۔ اوّل خان یا کسی بھی سرکاری اہل کار کو یہ علم نہیں تھا کہ ایک بدعنوان اور عیاش پولیس افسر نے کی کلب کی حسیناؤں کے چکر میں آکر ایک وائرلیس سیٹ حبیب جیوانی کو بھی دے دیا تھا اور وہ ان لوگوں کی لحظہ بہ لحظہ کارکردگی سے آگاہ ہونے کی پوزیشن میں آگیا تھا۔

فریقِ ثانی کے فیصلہ کن عزائم سے واقف ہونے کے بعد، حبیب جیوانی نے کسی سفاک اور وحشی درندے کا روپ دھار لیا تھا۔ وہ اپنی زندگی اور اپنا مستقبل بچانے کے لیے، ہر ایک کو موت کے سمندر میں دھکیل دینے پر تُل گیا تھا۔ اس کی جیب میں رکھی ہوئی پلاسٹک کی وزنی ڈبیا، لحظہ بھر میں ہر طرف خاک و خون کے انباروں کو جنم دے سکتی تھی اور میں وہ سب جانتے ہوئے بھی بے بس تھا۔

میرا منصوبہ یہ تھا کہ اوّل خان کی کارروائی کے آغاز سے ذرا پہلے میں، حبیب جیوانی کو ٹریڈ لائن پر پولیس ریڈ کی وحشت اثر خبر سنا کر، اسے گھر سے باہر نکالوں گا اور پھر کسی ویرانے میں اس کے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیلنے کے بعد، اس کی تازہ تازہ لاش اوّل خان کو پہنچادوں گا لیکن وہاں سارا نقشہ ہی بدل کر رہ گیا تھا۔

میرے بتانے سے پہلے ہی، حبیب جیوانی کو اپنے خلاف ہونے والی بھرپور کارروائی کی خبر مل گئی تھی۔ اس نے خود ہی مجھے طلب کیا تھا اور مجھے ڈرائیونگ سیٹ پر بٹھا کر اس نے مجھے گویا باندھ کر رکھ دیا تھا۔ گاڑی چلاتے ہوئے میں اس کے خلاف کوئی بھی کارروائی نہیں کرسکتا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ابھی ہمارے پاس کافی وقت ہے۔" میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد، اسے ایک اور زاویے سے گھیرنے کی نیّت سے کہا "دس بجنے سے پہلے ہم ان کی پوری کارروائی کو بری طرح ناکام بنا سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟" اس نے وحشت زدہ اور پھٹی پھٹی آواز میں فوراً ہی سوال کیا۔

"انہوں نے اپنی ساری توجہ دفتر کی عمارت پر مرکوز کی ہوئی ہے۔ ٹرانسمیٹر پر سنی جانے والی گفتگو سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے دفتر تک جانے والا خفیہ زیرِ زمین راستہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔ ہم وقت کی مہلت کا فائدہ اٹھا کر، اس راستے سے اندر جاسکتے ہیں اور اسی راستے سے اپنے تمام آدمیوں اور ضروری کاغذات سمیت دوبارہ باہر آسکتے ہیں۔ اندر گھسنے کے بعد وہ اپنا سر پیٹتے رہ جائیں گے۔"

وہ تجویز پیش کرتے ہوئے، میں خود بھی اس بارے میں حیران تھا کہ ڈی آئی جی نے لہراسپ خان کو ٹریڈ لائن کی نگرانی پر مامور کیا تھا تو خفیہ راستے کے بارے میں کیوں خاموش تھا؟ میں نے اوّل خان کو اس راستے کی واضح نشاندہی کی تھی لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پولیس والے نکاسی کے اس خفیہ راستے سے یکسر بے خبر تھے۔

اس بڑی اور مشترکہ کارروائی میں خفیہ راستے کو نظرانداز کردینا سنگین کوتاہی کے مترادف ہوتا اس لیے میں نے یہ فرض کرکے اپنے دل کو تسلی دینے کی کوشش کی کہ شاید ایس ٹی ایف والے خود ہی اُدھر پھیل چکے ہوں۔

چاروں طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے کسی درندے کی طرح، اس وقت حبیب جیوانی کی چھٹی حس پوری طرح کام کررہی تھی۔ اس نے فوراً ہی میری تجویز مسترد کردی۔ "میں کسی بھی قیمت پر اب اس عمارت میں قدم نہیں رکھوں گا۔ وہ میرے لیے چوہے دان ثابت ہوسکتی ہے۔ غلط مشورے دے کر مجھے بہکانے کی کوشش نہ کرو۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی خفیہ پارٹی اس راستے کی نگرانی پر بھی مامور ہو۔"

"تم پھر میری نیّت پر شبہ کررہے ہو؟" میں نے پُرزور انداز میں احتجاج کیا۔ "ذہنی دباؤ کی حالت میں تم شاید دوست اور دشمن کی تمیز کھو بیٹھے ہو؟"

"ہوسکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہو۔" اس نے سرد لہجے میں اعتراف کیا۔ "اس وقت مجھے معمولی معمولی باتیں کئی گنا بڑی نظر آرہی ہیں اور میں نے ہر قیمت پر اپنے دفاع کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔ تمہیں بھی احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری کسی جسارت پر میں اضطراری طور پر کوئی کارروائی کرگزروں۔ اس وقت صرف اور صرف میری سلامتی مقدم ہے۔ میں بچ رہا تو دسیوں ڈیبی اور شیر شاہ خان پیدا کرلوں گا۔"

میں نے دل ہی دل میں اس خبیث کو چند بھاری بھرکم گالیاں دیں۔ اسے زِک پہنچانا واقعی مشکل تر ہوتا جارہا تھا۔ میں نے کچھ دیر کے لیے سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔

میں سخت غصے اور اشتعال کے عالم میں کار ڈرائیو کرتا رہا۔ میرا ذہن مسلسل اسی ریموٹ کنٹرولر میں الجھا ہوا تھا جو حبیب جیوانی کی جیب میں موجود تھا۔ وہ حالات کے چنگل میں گھرنے کے

بعد' ذہنی دیوالیہ پن کی ان حدود پر پہنچا ہوا تھا جہاں انسان اچھائی اور برائی میں امتیاز کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ اس کے آخری ہذیان کے بعد میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اس کے اصرار کے بغیر میں لب کشائی نہیں کروں گا۔

ایم اے جناح روڈ پر سفر کرتے ہوئے' ہم ٹریڈ لائن کے سامنے سے گزرے تو وہاں سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ رات کے آٹھ بجے کے بعد کا وقت ہونے کی وجہ نے اس علاقے میں عجیب سی آسیبی ویرانی در آئی تھی جس میں کہیں بھی کسی غیر معمولی صورتِ حال کا انعکاس نہیں تھا۔ پُرہجوم فٹ پاتھ ویران پڑے ہوئے تھے۔ دفاتر اور دکانیں بند ہوچکی تھیں البتہ ٹریڈ لائن والی کثیرالمنزلہ عمارت میں' اوپری منزلوں کی متعدد کھڑکیوں میں روشنی نظر آرہی تھی جس کا مطلب تھا کہ کسی ہنگامی ضرورت کے تحت وہ دفاتر اس وقت بھی آباد تھے۔

"تھوڑی دیر بعد یہاں مڑے تڑے سریوں اور دھواں اگلتے ہوئے ملبے کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ میں سب کچھ تباہ کرکے انہیں ایسا سبق دوں گا کہ وہ بھول نہیں سکیں گے۔" حبیب جیوانی بولا۔

میں نے غصے کی وجہ سے کوئی تبصرہ نہیں کیا تو حبیب جیوانی غرّایا۔ "تم خاموش کیوں ہو؟ کیا تمہاری زبان کو لقوہ مار گیا ہے؟"

"میرے بولنے سے بار بار تمہارا بلڈ پریشر بڑھ رہا ہے اس لیے میں نے اب خاموشی کے ساتھ تمہارے فرمانبردار ڈرائیور کا کردار ادا کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ جو تم کہو گے' خاموشی سے اس پر عمل کرتا رہوں گا۔"

"تو تم بھی اس مشکل وقت میں میرا ساتھ چھوڑ رہے ہو؟" وہ اچٹ کر بولا۔

"میں تمہاری ہدایات پر عمل کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔ تمہارا ساتھ چھوڑ کر کہاں جاؤں گا؟" میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے مایوسانہ لہجے میں کہا "تم نے مجھ ہی پر ہاتھ اٹھا دیا تو میں کہاں جاؤں گا؟"

"وہ محاورے کی بات تھی۔" وہ بھیانک سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "میں اتنا پاگل بھی نہیں ہوں کہ بلاوجہ تمہارے خون کا پیاسا ہوجاؤں گا۔ بس ذرا مجھے غصہ دلانے کی کوشش نہ کرو۔"

اگلے چوراہے سے میں نے گاڑی آئی آئی چندریگر روڈ پر موڑ کر واپس گھمالی۔

"دفتر کی طرف سے ایک اور چکر لگاؤ!" اس نے مجھے نادر شاہی حکم دیا۔ ایک چکر کاٹ کر میں کار کو دوبارہ ایم اے جناح روڈ پر لے آیا۔ دفتر کی عمارت کے سامنے سے گزرتے ہوئے' مجھے ہر چیز نارمل نظر آئی۔ بسوں کے انتظار میں کھڑے ہوئے چند مسافر اور گیس بتّی کی روشنی میں' ٹھیلوں پر اشیائے خورد و نوش فروخت کرنے والوں کے علاوہ وہاں کوئی بھی ایسا فرد نظر نہیں آرہا تھا جس پر کسی قسم کا شبہ کیا جاسکے۔

تین مرتبہ ان اطراف کا جائزہ لینے کے بعد' میں نے حبیب جیوانی کے ایما پر گاڑی' کھارادر کی طرف جانے والی ایک تنگ اور ویران سی سڑک پر گھمالی۔

"بس گاڑی یہاں کنارے سے لگا لو!" ایک تاریک مقام پر اس نے اچانک ہدایت کی۔ "اور انجن بند کردو۔ ہم یہیں رک کر دس بجنے کا انتظار کریں گے۔"

اس سڑک پر دو رویہ دکانیں قائم تھیں جو دن میں پُرہجوم اور آباد رہا کرتی ہوں گی لیکن اس وقت پورا بازار بند ہوچکا تھا۔ اس سڑک پر اوّل تو ویسے ہی اسٹریٹ لائٹس ناکافی تھیں اور جو تھیں' وہ بھی سب کی سب روشن نہیں تھیں۔ اس ملگجے سے اندھیرے میں سڑک اور فٹ پاتھ پر دور دور تک گتے اور پلاسٹک کا وہ کچرا پھیلا ہوا تھا جو دن بھر شاید دکانوں کے تھڑوں کے نیچے جمع ہوتا رہا تھا۔

میں نے انجن بند کرنے کے بعد اپنے لیے سگریٹ سلگائی تو لائٹر کی روشنی میں' میں نے دیکھا کہ ٹرانسمیٹر حبیب جیوانی کی گود میں رکھا ہوا تھا اور ٹریڈ لائن کے دفاتر کو اڑانے والا ریموٹ کنٹرول اس کے بائیں ہاتھ میں موجود تھا۔

"تم مسلح ہو؟" چند ثانیوں کے بعد حبیب جیوانی نے سرد اور انتہائی نرم لہجے میں سوال کیا۔

میں بُری طرح چونک پڑا۔ اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جو میرے ذہن میں چبھ رہی تھی لیکن میں نے اسے کوئی شبہ کرنے کا موقع دیئے بغیر جلدی سے کہا "تمہارے پیغام کے بعد مسلح نہ ہونے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔"

"لیکن اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" وہ بھاری لہجے میں بولا "آج تو میرا ریموٹ کنٹرول ہی مقابلے کا آخری فیصلہ صادر کرے گا۔ لاؤ' اپنا ریوالور یا پستول مجھے دے دو!"

"کیوں؟" غیر ارادی طور پر میرے منہ سے سوال نکل گیا۔

"اس لیے کہ میں بالکل غیر مسلح ہوں۔" اس کی آواز نرم اور شیریں ہوگئی۔ "ان نازک لمحات پر' تمہارے مقابلے میں میرا ہتھیار بند ہونا ضروری ہے۔ پتا نہیں کب' کس پر گولی چلانے کی ضرورت پیش آجائے؟"

بیم گن میری داہنی جیب میں تھی اور بھرا ہو پستول بائیں جیب میں تھا۔ شاید وہ میری جیب میں پستول کی موجودگی بھانپ چکا تھا۔ میں نے بے پروایانہ انداز میں اپنی بائیں جیب میں ہاتھ ڈالا اور اپنے مہیب پستول کا آہنی دستہ اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا۔

حبیب جیوانی ہمہ تن میری طرف متوجہ تھا کہ اچانک ٹرانسمیٹر نے بولنا شروع کردیا۔

"سر! علاقے سے ابھی ابھی ایک مشتبہ جیپ گزری ہے۔" انسپکٹر لہراسپ خان کی آواز ہیجان انگیز تھی۔ "اس میں کالے کپڑوں میں چار خوفناک آدمی سوار تھے۔ جیپ کی رفتار بہت دھیمی تھی اور وہ لوگ اسی عمارت کی طرف دیکھ رہے تھے جسے میری نفری نے گھیرے میں لیا ہوا ہے' اوور۔"

"گزرنے دو!" دوسری طرف سے ہدایت جاری کی گئی "ہوسکتا ہے کہ وہ فیڈرل ایجنسی کے کمانڈو ہوں اور موقع محل کا جائزہ لینے کی مہم پر نکلے ہوں۔ جب تک کوئی پارٹی اس دفتر یا عمارت کا رخ نہ کرے' تمہیں اس سے تعرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم لوگ کسی اور معاملے میں الجھ گئے تو اصل مہم پر پوری توجہ نہیں دے سکو گے۔ اپنی آنکھیں کھلی رکھو مگر جلد بازی سے کام لینے کی ضرورت نہیں۔ اوور۔"

"یس سر!" لہراسپ خان کی آواز کا جوش و خروش یک بیک معدوم ہوگیا۔

"اوور اینڈ آل" دوسری جانب سے گفتگو کا سلسلہ موقوف کر دیا گیا۔

"میں تمہارے پستول کا منتظر ہوں۔" کار میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں حبیب جیوانی کی خشک آواز گونجی۔

"اوہ!" میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "میں پولیس والوں کی گفتگو کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ دوہری اتھارٹی کی وجہ سے یہ لوگ بری طرح الجھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔"

بات کرتے ہوئے' میں نے اپنی جیب میں سے پستول نکال کر اس کی طرف بڑھادیا۔

حبیب جیوانی نے اتنی پھرتی کے ساتھ پستول لیا جیسے اسے خدشہ رہا ہو کہ تاخیر ہونے کی صورت میں' میں کہیں اپنا ارادہ نہ بدل لوں۔

وہ اس وقت بہت مشکل صورتِ حال سے دوچار تھا۔ اس نے برسوں کی انتھک محنت اور جاں سوزی کے بعد جو گروہ کھڑا کیا تھا' اس کی بقا بدترین خطرے سے دوچار ہوچکی تھی۔ ٹریڈ لائن عام روایتی مفہوم میں ایک صاف ستھرا تجارتی ادارہ تھا جس کا تمام تر عملہ قانون کا احترام کرنے والے' پڑھے لکھے ملازمین پر مشتمل تھا۔ ٹریڈ لائن کی اس ساکھ کی آڑ میں' حبیب جیوانی جو کچھ کررہا تھا' اس سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ درحقیقت اس تجارتی ادارے کی آڑ میں دو متوازی نظام چل رہے تھے اور اس رات وہ سب کچھ تباہ ہوتا نظر آرہا تھا۔ پولیس اور وفاقی اداروں کی کارروائی کامیاب ہوتی تو حبیب جیوانی کے تمام آدمی' ناقابلِ تردید شہادتوں کے ساتھ پولیس کی تحویل میں چلے جاتے۔ انہیں ناکام بنانے کے لیے اگر حبیب جیوانی کا داؤ چل جاتا تو وہ لوگ متعدد بے گناہوں کو ساتھ لے کر راہیٔ ملکِ عدم ہوجاتے۔ ہر دو صورتوں میں حبیب جیوانی کے اس دُہرے نظام کی مکمل تباہی یقینی تھی۔

وہ نوشتۂ دیوار پڑھ چکا تھا۔ اس موقع پر اس نے حیرت ناک ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے' اس تباہی کو ٹالنے کا کوئی خطرہ مول نہیں لیا تھا۔ اس نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ موت کے بھیانک سائے' اس کے آدمیوں کے سروں پر منڈلا رہے تھے اور انہیں بچانے کی کوششوں میں وہ خود بھی جہنم واصل ہوسکتا تھا۔ اس وقت وہ صرف اور صرف اپنی ذات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ مجھ سے کھل کر کہہ چکا تھا کہ وہ اپنے تمام رازوں کے ساتھ زندہ رہا تو تھوڑے ہی دنوں میں پھر آدمی جمع کرلے گا۔

اس کی وہ سوچ میرے لیے بہت خطرناک تھی۔ خود کو بچانے کے لیے وہ مجھے بھی بہت آسانی کے ساتھ ٹھکانے لگا سکتا تھا۔ ان نازک لمحات میں وہ کسی لومڑی جیسی مکّاری کے ساتھ سوچ رہا تھا۔ اس نے نہایت چالاکی کے ساتھ خود کو غیر مسلح ظاہر کرکے' میرا پستول اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور اپنی دانست میں مجھے نہتّا کردیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔ یہ مانا ہی نہیں جاسکتا تھا کہ اس اہم مہم پر روانہ ہوتے ہوئے وہ ہتھیار ساتھ لانا بھول گیا ہو۔ لیکن میری دشواری یہ تھی کہ میں جانتے بوجھتے ہوئے بھی اس کا جھوٹ تسلیم کرنے پر مجبور تھا۔ وہ بری طرح بھڑکا ہوا تھا اور میں اسے چیلنج کرکے مشتعل کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ میرے اطمینان اور ذاتی دفاع کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ میری داہنی جیب میں اس وقت بھی بیم گن موجود تھی جس کا میرے حریف کو علم نہیں تھا۔ میں نے اپنے دل کو یہ سمجھا کر مطمئن کرلیا کہ مجھ سے پستول لینے کے بعد حبیب جیوانی میری طرف سے بے پروایانہ رویّہ اختیار کرے گا اور اسی بنا پر مجھے اس پر قابو پانے کا موقع میسّر آسکے گا۔

"اب تمہاری حکمتِ عملی کیا ہوگی؟" چند ثانیوں کے بعد میں نے سوال کیا۔

"انتظار!" اس نے سفّاکانہ لہجے میں کہا "بس نو بجنے ہی والے ہیں۔ اس کے بعد فیڈرل اتھارٹی بھی میدان میں آجائے گی۔ جوں ہی انہوں نے ٹرانسمیٹر کا استعمال شروع کیا' ان کے منصوبے بھی بے نقاب ہونے شروع ہوجائیں گے۔ آخری لمحات پر انہیں علم ہوگا کہ بازی ان کے نہیں' میرے ہاتھ میں ہے۔"

"اور اگر انہوں نے تمہاری دھمکی سے خوف زدہ ہوکر' ٹریڈ لائن پر دھاوا بولنے کا ارادہ ترک کردیا تو تمہارا ردِّعمل کیا ہوگا؟" میں نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"قانون کے زور پر لڑنے والے کبھی خوف زدہ نہیں ہوتے۔ وہ عیّاری اور مکاری پر اتر آئیں تو اور بات ہے۔ میں ان کی باتوں میں ہرگز نہیں آؤں گا۔" وہ بولا۔

"عمارت کی تباہی سے ہونے والے بھاری جانی اور مالی نقصان کا تم خود ذکر کرچکے ہو۔"

"اس عمارت میں میرا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔" حبیب

جیوانی کا لہجہ زہریلا ہوگیا "میرے لیے وہ سب اجنبی ہیں۔ رہا شیر شاہ خان اور اس کے آدمی تو وہ شطرنج کی اس بساط پر پیدل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ میں نے مکمل مات اور تباہی سے بچنے کے لیے انہیں بھینٹ چڑھانے کا مصمم ارادہ کرلیا ہے۔"

"تم ان پر دباؤ ڈال کر اپنے آدمیوں کو ہیروئن سمیت دفتر سے نکال سکتے ہو۔"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔ "دفتر کے فون کٹے ہوئے ہیں' میرے سب آدمی اندر محصور ہیں اور میں اکیلا ہوں۔ میں ان کی یقین دہانیوں پر کیسے بھروسا کرسکتا ہوں؟ وہ ذرا سی دیر میں اندازہ لگالیں گے کہ میں اپنے دفتر کے اندر کے حالات سے بالکل بے خبر ہوں۔ ایک طرف وہ مجھے بے وقوف بناتے رہیں گے اور دوسری طرف دفتر سے تمام آدمیوں کو آوارہ کتوں کی طرح بے دردی سے پکڑلیں گے..... نہیں' ڈینی! ابھی میرا دماغ اس حد تک ماؤف نہیں ہوا ہے کہ میں ایسے احمقانہ مشورے قبول کرلوں۔"

"تمہارا ہر جاں نثار بہت قیمتی ہے۔ میں ان کی جانیں بچانے کی ترکیب سوچ رہا تھا۔" میں نے اس کے بے رحمانہ تبصرے پر کھسیا کر مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"انہیں نہیں' اب صرف مجھے بچانے کی فکر کرو کیونکہ تمہاری اپنی زندگی بھی میری سلامتی سے وابستہ ہو کر رہ گئی ہے۔" اس نے میرے پستول کو دانستہ اپنی انگلیوں میں گھماتے ہوئے کہا۔

میں اس کے معنی خیز لہجے پر چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت حبیب جیوانی کی آنکھیں' اندرونی جوش اور قہر کے سبب بلور کے گول ٹکڑوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" وہ میری پریشانی سے محظوظ ہوتے ہوئے' دوبارہ خود ہی بول پڑا۔ "ڈرو نہیں' میں برا وقت آنے پر تمہیں گولی مارنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ میں صرف یہ جتانا چاہ رہا تھا کہ ان کڑے حالات میں ہم دونوں یکجا ہیں۔ ایک پر مصیبت آئی تو دوسرا بھی محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ اب ہمیں اپنی اپنی ڈفلی پر اپنا اپنا راگ الاپنے کے بجائے' ایک ساتھ جینے یا مرنے کے بارے میں غور کرنا ہوگا۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ گیا تھا۔" میں نے کن انکھیوں سے اپنے بھرے ہوئے پستول کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "تمہاری زبان سے بار بار نکلنے والے مایوسانہ کلمات سے میرا اعتماد متزلزل ہو رہا ہے۔"

"تم اس وقت میری اندرونی کیفیات کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔" اس کی آواز میں نفرت کا زہر اتر آیا۔ "اندر کی کہانیوں کے بارے میں' میں صرف دو آدمیوں پر اعتماد کرتا ہوں' تم اور شیر شاہ خان۔ وہ اندر بارود کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا ہے اور تم میرے ساتھ ہو۔ اب بتاؤ کہ ایسی صورتِ حال میں' میں کس کا گلا دبوچوں' جس کسی نے میرے ساتھ دغا کی ہے' دل کھول کر اپنی بھڑاس نکالی ہے۔ میرے دفتر پر ہاتھ ڈالنے والوں کو بہترین وقت اور موقع فراہم کیا گیا ہے۔ آدمی' ہیروئن' کھوکھلے شولڈر پیڈز اور انہیں سیل کرنے والا سازوسامان۔ ہر چیز' جس کی قانون کو تلاش ہوسکتی ہے' اندر موجود ہے۔ پھر میں کیسے پر اعتماد رہ سکتا ہوں؟"

"تم میری طرف سے اپنا ذہن صاف کرلو۔ تم خود اعتراف کر رہے ہو کہ چوہے دان سے باہر' صرف میں ہی تمہارا ہمدرد اور غم گسار ہوں۔ اگر ہم دونوں بھی ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانیوں کا شکار ہوتے رہے تو یہ رات ہم پر بھاری ہوسکتی ہے۔" میں نے مفاہمانہ لہجے میں کہا۔

"ایک دوسرے کے بارے میں؟" وہ اس وقت ایک ایک لفظ پر توجہ دے رہا تھا۔ اس لیے فوراً ہی بھڑک اٹھا۔ "میری تو بات دیگر ہے لیکن تم کو میری طرف سے کیسی بدگمانی لاحق ہے؟"

"کوئی نہیں' یہ تو روا روی کی بات تھی۔ تم الفاظ پکڑنے کے بجائے میرا مطلب سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہارے تیز و تند رویئے کی وجہ سے کسی وقت میرے اعصاب بھی چیخ سکتے ہیں۔"

"میں تمہارے اعصاب کا خیال رکھوں گا۔" اس کی آواز پھر تلخ ہوگئی۔ "میں اپنی بقا کی ہولناک جنگ میں یہ بھول گیا تھا کہ آدمی کا برا وقت آجائے تو پیر میں آنے والی چیونٹی بھی پلٹ کر کاٹنے لگتی ہے......"

"اس وقت میں نے اپنے کان بند کرلیے ہیں۔ تم جو چاہو' کہتے رہو۔ یہ برا وقت گزر جانے کے بعد شاید تم کو خود ہی اپنی زیادتیوں کا احساس ہونے لگے گا۔"

اس دوران میں پولیس آپریٹس پر وقفے وقفے سے روایتی پیغامات سنائی دے رہے تھے۔ حبیب جیوانی نے اپریٹس کی آواز دھیمی کی ہوئی تھی لیکن جوں ہی اس آلے پر ایک نئی آواز سنائی دی تو اس نے فوراً ہی آواز قدرے بڑھادی تاکہ پیغام بخوبی سنا جاسکے۔

"بلیک ہاک اے کالنگ سنٹرل کنٹرول روم۔ اوور!" وہ آواز حبیب جیوانی کے لیے اجنبی تھی لیکن میں اسے ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔ وہ اوّل خان کی گونجیلی آواز تھی۔

"آپریشن کنٹرولر رپورٹنگ' اوور!" دوسری طرف سے آنے والی آواز پرانی ہی تھی۔

"ہم لوگ چند منٹ میں ٹارگٹ ایریا میں داخل ہو رہے ہیں۔ اُدھر کی کیا پوزیشن ہے؟ اوور۔"

"آمدورفت کے ہر راستے کی کڑی نگرانی کی جارہی ہے۔ ابھی تک کوئی اس دفتر سے نہیں نکلا۔ عمارت کی اوپری منزلوں پر کئی دفاتر روشن اور آباد ہیں لیکن ہمارے مطلوبہ دفتر میں گھور اندھیرے اور مکمل سناٹے کا راج ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس دفتر میں چوکیداروں کے علاوہ کوئی نہیں ہے اوور۔"

"وہاں کون ہے اور کون نہیں ہے' یہ دیکھنا ہمارا کام ہے۔ ایک خالی عمارت میں آسیب کو گھیرنے کے لیے یہ بڑے انتظامات نہیں کیے گئے ہیں۔ قرب و جوار میں کوئی مشتبہ نقل و حرکت دیکھی گئی ہے؟ اوور۔"

"تھوڑی دیر پہلے ایک جیپ میں چار سیاہ پوش بدمعاش علاقے کا جائزہ لیتے ہوئے گزرے تھے۔ اس کے علاوہ ہر طرف سکون اور سناٹا پھیلتا جارہا ہے۔ اوور!"

"وہ ہماری ایڈوانس پارٹی تھی!" اوّل خان کے اس انکشاف نے سینٹرل کنٹرول روم میں بیٹھے ہوئے پولیس افسر کے اعصاب ہلا کر رکھ دیے ہوں گے۔ "آج کے آپریشن میں ہمارے تمام کمانڈوز سیاہ لباس میں ملبوس ہیں اور یہی ان کی شناخت ہے۔ ان سب کا پاس ورڈ بلیک ہاک ہے' مجھے امید ہے کہ فیلڈ میں موجود' تمہارے عملے کے افسران یہ گفتگو غور سے سن رہے ہوں گے۔ اوور۔"

"بالکل!" اسے یقین دلایا گیا "ہمارا عملہ پوری طرح مستعد اور تیار ہے لیکن اس مہم میں حد سے بڑھی ہوئی رازداری کی وجہ سے کچھ معمولی نوعیت کی غلط فہمیاں بھی جنم لے سکتی ہیں۔ ہمیں ان کو خندہ پیشانی کے ساتھ نظرانداز کرنا ہوگا۔ ویسے تم اور تمہارا معاون' بلیک ہاک بی اپنے آپریٹس پر میرے آدمیوں سے براہِ راست بات کرکے بھی کوئی ہدایت جاری کرسکتا ہے۔ اوور!"

"ہم براہِ راست احکام جاری کرنے سے گریز ہی کریں گے کیونکہ ہم تمہارے آدمیوں کی صحیح پوزیشن سے پوری طرح واقف نہیں۔ وہ لوگ ویسے بھی دوسری دفاعی لائن میں ہیں۔ میرے پاس نفری مکمل ہے۔ ہمارا کانوائے ایک جیپ اور پانچ ٹرکوں پر مشتمل ہے۔ ہم ایک دفعہ اس عمارت کو اپنے محاصرے میں لے لیں تو تمہارے عملے پر سے نگرانی کا بوجھ بھی ہلکا ہوجائے گا۔ اوور۔"

"میرے نہتے اور بے خبر آدمیوں پر بھرپور لشکر کشی کی جارہی ہے۔" حبیب جیوانی دانت پیس کر غرّایا۔ "میں اپنے آدمیوں کے ساتھ ان سب کو بھی فنا کردوں گا۔"

ادھر اوّل خان کہہ رہا تھا "لکشمی بلڈنگ سے نیو کلاتھ مارکیٹ والے چوراہے تک سڑک بند کروادو۔ اُدھر سے ٹریفک نہیں گزرے گا۔ اس علاقے سے غیر متعلقہ آدمیوں کا انخلا بھی تیزی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ ہوٹلوں اور اِکّا دُکّا دکانوں والے تیزی سے اپنا کام نہیں سمیٹ سکتے تو اپنے شٹر اور دروازے گرا کر' کلیئرنس ہونے تک اندر ہی رکے رہیں۔ اس متوقع تصادم میں کسی بے گناہ شہری کی نکسیر بھی نہیں پھوٹنی چاہیے۔ ہماری پوری کوشش ہوگی کہ کھلی سڑک پر کوئی فائرنگ نہ ہو اور مجرموں کو پوری طاقت کے ساتھ ان کی کمین گاہ میں ہی کچل دیا جائے لیکن احتیاط پھر بھی ضروری ہے۔ اوور۔"

"میرا کھیل بگڑ جائے گا۔ گاڑی تیزی کے ساتھ باہر نکالو!" اوّل خان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی' حبیب جیوانی اضطراری لہجے میں بول پڑا۔

میں اس وقت حبیب جیوانی کی بات ٹالنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس لیے میں نے فوراً ہی کار کو حرکت میں لانے کے بعد حیرت سے پوچھا۔ "یہ ایک دم کیا ہوگیا؟ تم تو شاید آخر تک اسی ویران اور تاریک گلی میں رکے رہنے کا ارادہ کرچکے تھے؟"

"بلاوجہ قیاس آرائیاں مت کرو!" وہ کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرّایا "آخری مرحلے پر ہمیں ایم اے جناح روڈ پر ہی جانا تھا۔ انہوں نے ایک بار اس علاقے کی ناکہ بندی کرلی تو ہم ادھر پَر بھی نہیں مار سکیں گے۔ ہمیں ناکہ بندی ہونے سے پہلے ہی وہیں' کہیں اپنی کمین گاہ بنانی ہے۔"

"لیکن ادھر جانے کی اچانک کیا ضرورت پیش آگئی؟ ان سے مذاکرات کے لیے تمہارے پاس لاسلکی آپریٹس موجود ہے اور ڈائنامائٹس اڑانے کے لیے ریموٹ کنٹرول موجود ہے۔ پھر بھِڑوں کے اس چھتّے کے قریب جانے کا خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت ہے؟" اس کی نئی قلابازی نے مجھے واقعی الجھن میں ڈال دیا تھا۔

"مجھے ہر حالت میں ٹریڈ لائن کے دفتر سے ڈیڑھ سو فٹ کے فاصلے کے اندر اندر رہنا ہے۔" اس نے ریموٹ کنٹرول والی سیاہ ڈبیا اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا پھر فوراً ہی بات بدلتے ہوئے بولا "میں اپنے مسائل اور دشواریوں کو بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تمہیں ان پر اپنا مغز نہیں کھپانا چاہیے۔ تم صرف میری ہدایات پر عمل کرتے رہو۔ تمہارے اطمینان کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ میں خودکشی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔"

میں ایک بار پھر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ وہ مردود بار بار میری توہین کیے جارہا تھا اور میں اس کی ہرزہ سرائی برداشت کرنے پر مجبور تھا۔

اسے جہنم واصل کرنے کے لیے میرا منصوبہ بہت سادہ اور سہل تھا۔ وہ اپنے گھر پر پڑا' آرام کررہا ہوتا اور میں اسے ٹریڈ لائن پر چھاپے کی خبر سنا کر اس کی کچھار سے باہر لے آتا۔ پھر کچھ دیر تک اسے خوف زدہ کرنے کے بعد' میں نہایت آسانی سے پستول یا سٹین گن استعمال کرکے اس کو ہمیشہ کے لیے خاموش کردیتا لیکن اس کی تحویل میں موجود پولیس آپریٹس نے اس پر ہر راز قبل از وقت افشا کردیا تھا۔

اس نے مجھے کار چلانے کی ذمّے داری سونپ کر ویسے ہی باندھ کر رکھ دیا تھا۔ پھر میرا بھرا ہوا پستول بھی اس نے مکاری کے ساتھ اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ جب سے اس نے اپنے دفتر میں ڈائنامائٹس کی موجودگی کا انکشاف کیا تھا' میں مسلسل اسے بے قابو کرنے کے موقع کی تلاش میں تھا لیکن وہ ریموٹ کنٹرول کے بارے میں بہت محتاط اور چوکنا تھا۔ میں کوئی اوچھا وار کرکے یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ وہ مایوسی کے عالم میں اس ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر' اچانک ہی سب کچھ تباہ کردے۔ میری پوری کوشش تھی کہ میں اسے باتوں میں الجھا کر' کسی طرح تباہ کن ریموٹ کنٹرول پر قابض ہوجاؤں اور پھر اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دوں۔ ایک

بہت بڑی اور ناقابلِ تصور تباہی کو ٹالنے کی خاطر' میں اس نیم پاگل اور زخم خوردہ وحشی کی ہربات سننے اور خاموش رہنے پر مجبور تھا۔

ٹیلی فون کے دو طرفہ مواصلاتی نظام کے مقابلے میں لاسلکی ریڈیو ٹرانسمیشن میں یہ بہت بڑی خوبی یا خامی تھی کہ اس پر صوتی اشارے بیک وقت وصول اور نشر نہیں کیے جاسکتے تھے۔ بٹن دبائے بغیر دوسری طرف کی بات سنی جاسکتی تھی جب کہ بٹن دبانے پر آواز کی آمد کا سلسلہ منقطع ہوجاتا تھا اور اسی آپریٹس کے ذریعے اپنا پیغام دوسروں تک پہنچایا جاسکتا تھا۔ جب کہ حبیب جیوانی نے ابتدا سے ہی اس ٹرانسمیشن بٹن یا سوئچ کو نہیں چھیڑا تھا اس لیے وہ پولیس اور ایس ٹی ایف والوں کی تمام گفتگو من وعن سن رہا تھا اور وہ لوگ اس امر سے بالکل بے خبر تھے کہ ان کا حریف ان کی ہر چال سے واقف ہونے کے بعد' اپنے شاطرانہ پینترے بدلتا جارہا تھا۔

میرا ذہن ایک بار پھر حبیب جیوانی کی اس ضرورت میں الجھ گیا کہ وہ ہر صورت میں اپنے دفتر سے زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو فٹ دور موجود رہنا چاہتا تھا۔

فاصلے کے اس تعین سے یہ بات کسی بھی طرح ثابت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنے دفتر پر ہونے والی کارروائی کا بچشم خود مشاہدہ کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ میرے اکلوتے پستول کے ذریعے اپنے حریفوں کو کوئی قابلِ ذکر نقصان بھی نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اسی طرح وہ پورے شہر کے کسی بھی حصے سے' ان لوگوں سے پولیس ٹرانسمیٹر پر بات کرسکتا تھا۔ باریک فنی معاملات پر میری معلومات کبھی بھی قابلِ رشک نہیں رہی تھیں لیکن شی اور مافیا میں جدید ترین مواصلاتی سہولتوں کے استعمال اور اخباری معلومات کے سہارے' میں یہ ضرور جانتا تھا کہ الکٹرونکس کے اصولوں پر تیار کیے جانے والے بیشتر لاسلکی آلات اپنی مؤثر کارکردگی کے لیے صحیح سمت اور موزوں فاصلے کے محتاج ہوتے ہیں۔ ٹیلی وژن اور وی سی آر کے ریموٹ کنٹرول ان مشاہدات کی روزمرّہ مثالیں تھیں۔ ٹیلی وژن کے سوئچ پینل اور ریموٹ کنٹرولر کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل ہوجائے یا دونوں کا درمیانی فاصلہ ایک مقررہ حد سے تجاوز کرجائے تو ریموٹ کنٹرولر بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ میں اس پہیلی پر جتنا غور کرتا رہا' اسی قدر یہ خیال راسخ ہوتا چلا گیا کہ حبیب جیوانی نے ڈیڑھ سو فٹ فاصلے کی بات صرف ڈائنا مائٹس پر اپنا تصرّف برقرار رکھنے کے لیے کی تھی۔

اس وقت ہم ٹریڈ لائن کے دفتر سے سیکڑوں گز دور تھے۔ اگر میرا نظریہ بے بنیاد نہیں تھا تو میں کسی خطرے کے بغیر اسی وقت حبیب جیوانی کو جہنم تک رگید سکتا تھا لیکن میں اپنے نظریے کے بارے میں سو فیصد پُریقین نہیں تھا۔ اگر کسی بھی وجہ سے ریموٹ کنٹرولر کام کر گزرتا اور ٹریڈ لائن کے دفتر والی کثیرالمنزلہ عمارت' قرب وجوار کی دوسری تعمیرات کو ساتھ لے کر ملبے کا ڈھیر بن جاتی تو میں متعدد بے گناہوں کے خونِ ناحق پر خود کو کبھی بھی معاف نہیں کرسکتا تھا اور یہی ہچکچاہٹ اس وقت میرے ارادوں کی زنجیر بن گئی۔

پولیس آپریٹس پر متعدد آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور میں گاڑی ڈرائیو کررہا تھا کہ سڑک کے وسط میں ابھرے ہوئے ایک بدنما اور ناہموار اسپیڈ بریکر کی وجہ سے مجھے اچانک تیزی سے بریک لگانے پڑ گئے۔ کار کی رفتار فوراً ہی ٹوٹ گئی لیکن اس کے ساتھ ہی ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے سے کوئی ٹھوس اور وزنی چیز پھسل کر میری داہنی جوتی کی ایڑی سے ٹکرائی۔ میں نے جُوں کی رفتار سے اسپیڈ بریکر عبور کرتے ہوئے' اپنے پائیدان میں ہاتھ ڈالا تو سرد آہنی لمس محسوس کرکے میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"یہ کلاشنکوف ہے!" حبیب جیوانی میری حرکات کا مشاہدہ کرتے ہوئے' سرد لہجے میں بولا "اسے سیٹ کے نیچے ہی پڑا رہنے دو۔ دوسری کلاشنکوف میری سیٹ کے نیچے ہے۔"

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تم گھر سے ہتھیار لیے بغیر نکلے تھے؟" میں نے احتجاج کیا۔

"میرے الفاظ میں ہیر پھیر مت کرو!" وہ دھیمی آواز میں غرّایا۔ "میں نے اپنے غیر مسلح ہونے کی بات کی [illegible] اور اب بھی اس پر قائم ہوں۔"

"پھر یہ دونوں خود کار رائفلیں؟" میرے لیے خود پر قابو پانا لمحہ بہ لمحہ دشوار تر ہوتا جارہا تھا۔

"ویسے تو پچھلے پائیدان میں دستی بموں اور دوسرے آتش گیر مادّوں سے بھرا ہوا تھیلا پڑا ہوا ہے۔ اسے میں لاد کر کہاں لے جاؤں گا؟ یہ کلاشنکوفیں بھی جیب میں نہیں چھپائی جاسکتیں۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ میرے پاس ایسا کوئی ہتھیار نہیں ہے جسے میں اپنی جیب میں چھپا کر آزادانہ نقل و حرکت کرسکوں۔ یہ ساری احتیاط اس وقت تک [illegible] جب تک ہم ان کی نظروں سے بچے ہوئے ہیں۔ کھلے مقابلے [illegible] نوبت آئی تو ایک بھری ہوئی کلاشنکوف تمہارے ہاتھ میں بھی ہوگی۔ میں کسی [illegible] طرح تمہیں غیر مسلح نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔"

میں اس کی ڈھٹائی پر ایک بار پھر دل ہی دل میں کھول کر رہ گیا۔

ہم ایک چکّر کاٹ کر داہنی طرف گھومے تو ایم اے جناح روڈ سے اتصال کے مقام پر کئی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں متعدد مسلح سپاہی نظر آئے جو ان گاڑیوں کو واپس لوٹنے کے اشارے کررہے تھے۔ انہوں نے بہت پھرتی کے ساتھ اوّل خان کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے' سڑک کی ناکہ بندی کی تھی۔

حبیب جیوانی نے ان مسلح اور مستعد سپاہیوں کو زیرِ لب ایک غلیظ سی گالی دے کر اپنی ذہنی پستی کا مظاہرہ کیا پھر مجھ سے بولا "گاڑی یہیں سے واپس گھمالو۔ گاڑی میں موجود ہتھیاروں پر ان [illegible] نظر پڑ گئی تو ہمیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ آج مجھے اپنے [illegible] ستارے گردش میں آتے نظر آرہے ہیں۔"

میں نے اس کی نظر کی تصحیح کرنے کی کوئی ضرورت محسوس کیے [illegible] پارک کی ہوئی بسوں اور ویگنوں کے درمیان میں سے راستہ بنا [illegible] کر گاڑی واپس گھمالی۔

"اب کدھر جانے کا ارادہ ہے؟" میں نے واپسی کی راہ پر [illegible] اسٹیرنگ کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"میمن مسجد کے پچھلے گیٹ پر چلو۔" اس نے چند ثانیوں تک [illegible] سوچنے کے بعد کہا "ہم مسجد کے صحن میں سے گزر کر مین روڈ کی فٹ [illegible] پاتھ پر نکل جائیں گے۔ مسجد سے نکلنے والوں پر کوئی زیادہ دھیان نہیں دے گا۔"

میں نے تھانے کے احاطے کے نکڑ سے کار مسجد کی عقبی گلی میں گھمائی تو آثار حوصلہ افزا نہیں تھے۔ شاید علاقے کی ناکہ بندی [illegible] کی سنسنی خیز خبر تیزی کے ساتھ ہر طرف پھیل چکی تھی اور [illegible] رہائشی عمارات کے تنگ فلیٹوں کے مکین اپنا تجسّس دور کرنے کے لیے باہر نکل پڑے تھے۔

رینگ رینگ کر پیش قدمی کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ ایم اے جناح روڈ پر جانے کے دیگر قریبی راستوں کے بند کیے جانے کے بعد متجسّس لوگوں کا رخ مسجد ہی کے گیٹ کی طرف تھا اور وہاں بتدریج بھیڑ بڑھتی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"اس طرف تو معاملہ گڑبڑ نظر آرہا ہے۔ اس بھیڑ میں سے گزرنے کے لیے' ہمیں اپنا پولیس آپریٹس آف کرنا پڑے گا اور ہم بے خبری کا شکار ہوجائیں گے۔" حبیب جیوانی پُرتشویش انداز میں بڑبڑایا۔

"گاڑی چھوڑنے کی صورت میں ہم صرف سات گولیاں چلانے کے بعد نہتّے رہ جائیں گے کیونکہ اس بھیڑ میں رائفلیں نکال لے جانا خطرناک ثابت ہوگا۔ لوگوں میں سے کسی نے رائفلیں دیکھ لیں تو ہجوم اسی وقت ہم پر پل پڑے گا۔ ہمیں مسجد میں جانے سے گریز کرنا ہوگا۔"

"فی الحال گاڑی اسی ویران گلی کی طرف لے چلو۔" اس کے لہجے میں پہلی بار فکرمندی کی علامات عود کر آئیں۔ "ابھی ہمارے پاس سوچنے کے لیے کافی وقت ہے۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے پہلی بار جمع متکلم کا صیغہ استعمال کرکے مجھے کوئی اہمیت دی تھی۔

میں نے گاڑی دوبارہ اسی مقام پر لے جاکر کھڑی کردی جہاں ہم پہلے موجود تھے۔ وہاں رکنے کے بعد حبیب جیوانی بولا "تم بھی عقل کے تیر چلانے میں ماہر ہو۔ تمہاری سمجھ میں کیا بات آتی ہے؟"

"تم نے بار بار ذہنی جھٹکے دے کر میری عقل کو بالکل ماؤف کیا [illegible]"

"زور دو۔ عقل پر زور دو۔ ہوسکتا ہے کہ تم ہی کوئی راہ نکال سکو۔ میرا وہاں پہنچنا ضروری ہے۔" اس نے ایک بار پھر ریموٹ کنٹرولر اضطراری طور پر جیب سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔

میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا "مجھے یہی نہیں معلوم کہ ڈیڑھ سو فٹ کا کیا مسئلہ ہے۔ سرپیر سے واقفیت حاصل کیے بغیر' بھلا میں کیا کرسکتا ہوں؟"

اسی لمحے ٹرانسمیٹر پر اوّل خان کی آواز سنائی دینے لگی۔ "بلیک ہاک اے' کالنگ بلیک ہاک بی۔ اوور!"

"بی ایچ بی آن لائن' سر! اوور!" فوراً ہی ایک بھاری اور کرخت آواز گونجی۔

"اس وقت ڈیڈ لائن میں صرف دس منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ ہم آپریشن کے لیے بالکل تیار ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری کیا پوزیشن ہے؟ یہ راز بھی اب سب کے علم میں آجانا چاہئے کہ ٹارگٹ سے نکاسی کا دوسرا راستہ کہاں ہے اور ادھر ہم نے کیا بندوبست کیا ہے؟ اوور!"

"نیو چالی کی گلی میں' کوڑے کے متعفّن ڈھیر سے ملحق مین ہول سات بجے سے مسلسل نگرانی میں ہے۔" آپریٹس پر بلیک ہاک بی نے اوّل خان کو اپنی اکھڑ آواز میں رپورٹ دینی شروع کی اور حبیب جیوانی ایک بے معنی غرّاہٹ کے ساتھ اپنی نشست پر سے اچھل پڑا۔

"قسم قرآن کی' میں مخبری کرنے والے کے بدن کا ایک ایک ریشہ ادھیڑ ڈالوں گا۔" غصے کی شدت میں اس کے منہ سے ادھورے الفاظ ادا ہو رہے تھے۔ "میرے ساتھ سنگین ترین غداری کی گئی ہے۔"

یہ بعد کی باتیں ہیں۔ یہ نہ بھولو کہ تمہارے پاس دس منٹ سے بھی کم وقت رہ گیا ہے۔"

حبیب جیوانی نے ریموٹ کنٹرولر کو اپنے بائیں ہاتھ میں منتقل کیا اور اپریٹس داہنی مٹھی میں جکڑلیا۔

"یہاں مکمل سنّاٹا ہے۔" بلیک ہاک بی کہہ رہا تھا۔ "اِکّادُکّا راہ گیر یا گاڑیاں چلانے والے ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ ٹھیک وقت پر' میں چار آدمیوں کے ساتھ اندر اتر کر نقشے کے مطابق پیش قدمی شروع کردوں گا۔ دو مسلح کمانڈو بدستور مین ہول پر حفاظت کرتے رہیں گے۔ اوور۔"

"ویری گڈ! اسی وقت ہم بھی ریڈ شروع کردیں گے۔ ہماری اندر ہی ملاقات ہوگی۔ اوور اینڈ آل۔"

"وہ لوگ خفیہ راستے پر بھی قابض ہیں۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"ہر کام پوری تیاری کے ساتھ کیا جارہا ہے لیکن میں بھی موت کے جبڑوں میں ہاتھ ڈالنے کا عادی ہوں۔ میں انہیں بتاؤں گا کہ مجھ سے ٹکرانا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔" وہ آپے سے باہر ہوا

جارہا تھا۔

"پھر تم کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟" میں نے اسے اکسانے کی نیت سے کہا۔

حبیب جیوانی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ وہ اپنے پاس موجود آپریٹس کا بٹن دبا کر ہذیانی انداز میں غرّانے لگا۔ "میں تم سب کو فنا کردوں گا۔ تم بلیک ہاک نہیں گیدڑ ہو جو بے خبری میں وار کر رہے ہو۔ تم نے میرے دفتر میں قدم بھی رکھا تو میں اس پوری عمارت کو ملبے کے ڈھیر میں بدل دوں گا اور یہاں مرنے والوں کی ساری ذمّے داری تم لوگوں کے سر ہوگی۔ میں ٹریڈ لائن کا چیف ہوں اور میری مرضی کے بغیر تم وہاں سے کوئی زندہ پرندہ تو درکنار، ردّی کاغذ کا ایک بے وقعت ٹکڑا بھی نہیں لے سکتے۔"

اس نے لائن اوور کیے بغیر بٹن چھوڑ دیا۔ اوّل خان کو شاید ریڈیائی شور معدوم ہونے سے صورتِ حال کا ادراک ہوگیا اور اس کی نرم آواز ابھری۔ "تم شاید ہماری ہی صفوں میں شامل ہونے میں کامیاب ہوگئے ہو؟ تم خود کو ہمارے حوالے کردو تو تم سے نرم سلوک کیا جاسکتا ہے۔ اوور!"

میں سرکاری کتّوں کا احسان لینے کا عادی نہیں ہوں۔ مچرب لو تھڑے کھلا کر انھیں اپنا غلام بناتا ہوں۔ اپنی قیمت بتادیا پھر آگے بڑھو۔ انجام تمہارے سامنے آجائے گا۔"

"تم کہاں ہو؟ ہم تم سے تفصیلی مذاکرات کرنا چاہتے ہیں۔ اوور!" اوّل خان مکّاری پر اتر آیا۔

"جہنم میں، جہاں تم سب جلد ہی پہنچنے والے ہو۔ شام سے تم لوگوں کی مشینی بکواس سن سن کر میرا سر دکھنے لگا ہے۔ اب تم اپنا کام کرو، میں اپنا کام دکھاؤں گا۔"

دوسری طرف سے اوّل خان بار بار اسے پکارتا رہا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ان ریڈیائی آوازوں کو نظر انداز کرکے، مسلسل مجھے گھورے جارہا تھا۔

پھر آپریٹس پر سنٹرل پولیس کنٹرول اور اوّل خان کے درمیان اس پُراسرار ریڈیائی مداخلت پر بات ہونے لگی لیکن چیف نے پاور سوئچ آف کرکے، وہ آپریٹس بے پروائی سے پائیدان میں ڈال دیا۔

"حالات مسلسل تمہاری نشان دہی کر رہے ہیں۔" آخر کار وہ کھل کر میرے سامنے آہی گیا۔ "لیکن تم میرے نمبر دو ہو۔ میں کیسے مان لوں کہ یہ مخبری تم نے کی ہوگی؟ اس زیرِ زمین راستے سے میرے علاوہ صرف تم واقف ہو۔ سینڈو اور ڈان نیشی کادَاب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ شیر شاہ کو میں اس اعتماد کے قابل نہیں سمجھتا۔ بتاؤ! یہ مخبری کس نے کی ہے؟" اس نے اس وقت تک پستول نہیں نکالا تھا۔

"مجھ پر شبہ ہے تو مجھے گولی ماردو یا میرے ساتھ مل کر دفتر سے ڈیڑھ سو فٹ دور پہنچنے کی کوشش کرو۔" میں نے بدمزہ لہجے میں کہا "اپنے اختلافات ہم بعد میں بھی طے کرسکتے ہیں۔"

"میں نے اب تک تم پر اعتماد کیا تو اس مرحلے پر ایک بار اور سہی۔" اس نے شکست خوردہ آواز میں کہا "میں ہر قیمت پر اپنے دفتر سے اس فاصلے پر پہنچنا چاہتا ہوں۔"

"آتشیں ہتھیاروں اور دستی بموں کے ساتھ؟" میں نے براہِ راست کچھ پوچھنے کے بجائے، اس بار پینترا بدل کر سوال کیا اور اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"پستول کی بھی ضرورت نہیں ہوگی؟"

"پستول ساتھ ہو تو بہتر رہے گا۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "البتہ ریموٹ کنٹرولر میرے ساتھ رہے گا۔"

میرا دل خوشی سے کھل اٹھا۔ "کیونکہ وہ ڈیڑھ سو فٹ سے زیادہ فاصلے سے کام نہیں کرے گا؟"

وہ چونک پڑا پھر سنبھالا لیتے ہوئے بولا "ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن ان لوگوں کے خلاف اب یہ میرا واحد ہتھیار ہے۔ میں ان کے سامنے آئے بغیر اسی کے ذریعے انہیں کیفرِ کردار کو پہنچانا چاہتا ہوں۔ اب مجھے پولیس ٹرانسیٹر کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ اس کا کام ختم ہوچکا ہے۔"

"وہ دس بجے دھاوا بولیں گے اور تم اس وقت اپنے مطلوبہ فاصلے پر موجود رہنا چاہتے ہو؟" میں نے پہلی بار جوابی زہرخند کے ساتھ سوال کیا۔

دور لگے ہوئے اسٹریٹ لیمپس کی کمزور اور یرقان زدہ روشنی میں اس کی آنکھوں میں وحشت لہرائی اور اس نے اپنا داہنا ہاتھ تیزی کے ساتھ اپنی جیب میں ڈالا تاکہ اپنی مدافعت کے لیے پستول نکال سکے۔

اس وقت تک وہ پولیس آپریٹس پائیدان میں پھینک چکا تھا اور ڈائنا مائیٹس کا ریموٹ کنٹرولر اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے اپنی جیب سے پستول نکالتے ہوئے، کار کا دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگادی اور اترتے اترتے میرے اوپر فائر جھونک مارا۔ اس کی عجلت اور گھبراہٹ کی وجہ سے نشانہ خطا گیا۔ گولی ایک ہولناک بارودی دھماکے کے ساتھ ونڈ شیلڈ توڑتی ہوئی فضا میں تیر گئی۔

میں نے حقیقی خطرے کا احساس کرتے ہی، بیم گن نکالنے میں پھرتی دکھائی تھی۔ اس وقت وہی میرا ہتھیار تھی اور زیادہ فاصلے سے اس کی کارکردگی غیر یقینی ہوجاتی تھی میں اپنی طرف کے دروازے سے باہر نکلا اور میں نے بیم گن کا نوزل اس کی طرف بلند کرکے ٹریگر دبادیا۔

بیشتر ٹھوس اشیا کو براہِ راست راکھ میں بدل ڈالنے کی قوت رکھنے والی نیلگوں لیزر شعاعوں کی باریک دھار حبیب جیوانی کے سینے کی طرف لپکی۔ اسے شاید بیم گن کی لرزہ خیز ہلاکت آفرینی کا اندازہ نہیں تھا، اس لیے اس نے جھکائی دے کر اس جہنمی دھار سے بچنا چاہا لیکن پھر بھی اس کا داہنا بازو بیم گن کی زد میں آگیا۔ حبیب جیوانی فلک شگاف چیخوں کے ساتھ بری طرح ناچ اٹھا۔ اس کے متحرک قدموں کی وجہ سے بیم گن کی دھار نے اس کا داہنا بازو، شانے سے ذرا نیچے سے کاٹ کر جسم سے الگ کردیا اور اس کا کٹا ہوا بازو سڑک پر گر کر، ماہیِ بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ حبیب جیوانی کی وحشت زدہ نظریں اپنے الگ سے تڑپتے ہوئے بازو پر پڑیں تو اس نے ایک اور ڈراؤنی چیخ مار کر آگے کی طرف دوڑ لگا دی۔ میرا پستول اس کے کٹے ہوئے ہاتھ کی گرفت سے نکل چکا تھا۔

میں نے دوڑ کر اپنا پستول بھی اٹھالیا جس کے کلپ میں مزید دو گولیاں موجود تھیں اور پوری رفتار سے حبیب جیوانی کے تعاقب میں ہولیا جو اذیت اور دہشت کے عالم میں حیرتناک سرعت کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔

وہ کاروباری گلی ویران ضرور تھی لیکن اس کے قرب و جوار میں رہائشی علاقہ بھی تھا اس لیے ایک فائر اور دو دردناک چیخوں کا ردِعمل فوراً ہی نمودار ہوا۔ بغلی گلیوں سے کئی افراد خوف و ہراس کے عالم میں دوڑتے ہوئے باہر آئے لیکن پھر ٹھٹک کر رک گئے۔ میرے ہاتھ میں لہراتے ہوئے خوفناک پستول کی ہیبت نے شاید ان کی رگوں میں خون منجمد کردیا تھا لیکن آگے سے آنے والوں نے حبیب جیوانی کا راستہ روک لیا تھا۔

وہ کسی بھڑکے ہوئے زخمی سانڈ کی طرح لوگوں کے قابو میں نہیں آرہا تھا۔ اس کے دل و دماغ پر بیم گن کے نیلگوں وار کی دہشت سوار تھی اس لیے وہ لوگوں کو رگیدتا ہوا آگے بڑھتا رہا لیکن مداخلت اور مزاحمت کی وجہ سے اس کی رفتار ٹوٹ چکی تھی اس لیے میں اس کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔

میری جھلک دیکھتے ہی، لوگوں کی اس ٹولی کو بھی معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہوگیا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ بھرے ہوئے ایک آتشیں ہتھیار کے ذریعے کوئی منحنی سا لڑکا بھی دسیوں شہ زوروں کو بے ضرر بھیڑوں کی طرح ہانک سکتا تھا۔ وہ سب کائی کی طرح دور ہٹتے چلے گئے تھے۔

حبیب جیوانی نے مجھے فرشتۂ اجل کی صورت میں اپنے سر پر مسلّط پایا تو بھاگنے کے بجائے، وحشیانہ قوّت کے ساتھ میرے بدن سے آٹکرایا۔ اس کے داہنے شانے سے اس وقت بھی جلی ہوئی زندہ ہڈیوں کی ناقابلِ برداشت بدبو پھوٹ رہی تھی۔ وہ داہنے ہاتھ سے محروم ہونے کی وجہ سے ویسے ہی کمزور پڑ چکا تھا۔ اس لیے میں نے اسے زندہ پکڑنے کی کوشش میں نیچے گرانا چاہا لیکن میں خود ہی لڑکھڑا کر رہ گیا۔

ہم دونوں کے اردگرد جمع ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اس پُرامن علاقے کے باسیوں کے لیے یہ بات ناقابلِ فہم تھی کہ ایک طرف مین روڈ بند کرکے پولیس والے کسی شکار میں مصروف تھے اور اس عقبی سڑک پر دو حریف وحشیانہ خوں ریزی میں مصروف تھے لیکن اس کے باوجود کسی نے ہمارے مقابلے میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لیزر بیم کی ناقابلِ برداشت حرارت نے، حبیب جیوانی کا بازو جلا کر کاٹنے کے ساتھ ہی، اس کے زخم کو اس طرح بند کردیا تھا کہ خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہہ سکا تھا اور تماشائیوں میں سے کسی کو اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہ پیدائشی معذور نہیں تھا بلکہ میرے قہربار انتقام کا نشانہ بنا تھا۔

میرے ذہن پر صرف ایک ہی خوف سوار تھا کہ ٹریڈ لائن میں نصب ڈائنا مائیٹس کا ریموٹ کنٹرولر اس کی جیب میں موجود تھا اور اگر وہ مجھے جُل دے کر ایک اور لمبی دوڑ لگانے میں کامیاب ہوجاتا تو میمن مسجد کے عقبی پھاٹک پر جمع ہونے والی بھیڑ میں شامل ہونے میں کامیاب ہوجاتا جہاں میں آزادی کے ساتھ اسے اپنے پستول یا بیم گن کا نشانہ نہیں بنا سکتا تھا اور اسے مسجد کے اگلے حصے تک پہنچنے کا سنہرا موقع مل جاتا۔

حبیب جیوانی نے اچھل کر میرے چہرے پر ٹکر رسید کرنے کی کوشش کی تو میں نے خود کو بچاتے ہوئے، تیزی کے ساتھ اس کی پنڈلیوں پر فائر کرنا چاہا لیکن وہ نیچے جھکا اور میری چلائی ہوئی گولی اس کی کمر میں پیوست ہوگئی، وہ غضبناک غرّاہٹ کے ساتھ وہیں سڑک پر گر گیا۔ اس کی پشت سے اچانک ہی بھاری مقدار میں تازہ تازہ خون ابل پڑا تھا۔ اس کی کرب آلود حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ گولی کسی نازک حصے میں اتر گئی تھی۔

"ہاتھ... ہاتھ...... کٹا ہوا ہاتھ!" اچانک پیچھے سے کسی کی وحشت زدہ چیخیں ابھریں اور ایک مرتبہ پھر ہر طرف سراسیمگی کی لہر پھیل گئی۔ شاید کسی نے حبیب جیوانی کے شانے سے کٹا ہوا ملبوس ہاتھ سڑک پر پڑا ہوا دیکھ لیا تھا اور مختصر ترین دقت میں وہ خبر پوری دنیا میں پھیلانے کے لیے اپنے پھیپھڑوں پر زور ڈال رہا تھا۔

معذور اور زخمی حبیب جیوانی نے چند منٹ تک سڑک پر ہی تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا۔ میری چلائی ہوئی گولی، شاید اس کے گردے وغیرہ کو پھاڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔

لوگ خوف اور سکتے کے عالم میں دور ہی سے گردنیں اچکا اچکا کر نامعلوم مقتول کا انجام دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے ان کے حوصلوں کو مزید پست کرنے کے لیے اونچی آواز میں کہا۔ "یہ قتل امن و امان اور قانون کے نام پر ہوا ہے۔ مرنے والا بدنامِ زمانہ مجرم تھا۔ کوئی اس کی لاش کے قریب آنے کی کوشش نہ کرے۔ میں پیچھے سے اس کی کار وغیرہ لانے کے لیے جارہا ہوں۔"

میں پورے اعتماد کے ساتھ واپس چل دیا۔ بھرے مجمع میں کوئی مجھے روکنے یا ٹوکنے کی جرأت نہیں کرسکا۔ البتہ چند بے خوف لڑکوں کی ٹولی مجھ سے محفوظ فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے، فٹ پاتھ کے کنارے کنارے میرے پیچھے چل پڑی تھی۔ وہ شاید یہ یقین کرنا چاہ رہے تھے کہ میں اپنے حریف کو قتل کرنے کے بعد، قانون کے نام پر وہاں سے فرار نہیں ہو رہا تھا۔

میں نے پیچھے آکر، سڑک پر سے حبیب جیوانی کا کٹا ہوا مردہ ہاتھ اٹھایا جو بدستور قمیض اور جیکٹ کی دُہری آستینوں میں لپٹا

ہوا تھا۔ میں نے وہ ہاتھ عقبی پائیدان پر ڈالا اور اس کی کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھادی۔ اسی کے ساتھ میں نے پولیس آپریٹس پر' ڈیتھ گال کا فرضی نام اختیار کرکے' بلیک ہاک اے یعنی اوّل خان سے رابطہ کرنے کی کوششیں شروع کردیں تھیں۔

تیسری کوشش کے بعد اوّل خان کی جانب سے تحیّر آمیز جواب آگیا۔ "بلیک ہاک اے کالنگ! تم کہاں ہو؟ کیا کرتے پھر رہے ہو؟ اور یہ آپریٹس تمہارے پاس کیسے آگیا؟ اوور!" اس نے میری آواز پہچان لی تھی۔

"میں میمن مسجد کی عقبی سڑک پر ہوں۔ تمہارا شکار سڑک پر مردہ پڑا ہوا ہے اور میں نے یہ آپریٹس اسی سے حاصل کیا ہے۔ اوور!" میں نے اس کے ہر سوال کا جواب دینے کی کوشش کی تھی۔

"ہم لوگ اس وقت بہت نازک مرحلے سے دوچار ہیں۔ اندر گھسنے کے بعد تین آدمیوں کو پکڑلیا گیا ہے۔ اب ان کی رہنمائی میں نیچے اترنا ہے جہاں شاید اصل کھیل ہوگا۔ یہ بتاؤ کہ عمارت کو اڑانے والی دھمکی میں کتنی جان ہے۔ اس کی وجہ سے ہر ایک سنگین تشویش کا شکار ہوگیا ہے۔ اوور!"

"اسے عمارت اڑانے کی کوششوں سے روکنے کے چکر ہی میں مجھے ہلاک کرنا پڑا ہے۔ وہ مہلک ڈیوائس اب بھی اسی کی جیب میں موجود ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ اس کے مرنے کے بعد خطرہ ٹل گیا ہے۔ اوور!"

"تم اس کی لاش لے کر اسی طرف آجاؤ۔ میں ہدایات جاری کیے دیتا ہوں کیونکہ میں اس آپریشن کو درمیان میں چھوڑ کر یہاں سے نہیں نکل سکتا۔ اگر ہماری اور زیرِ زمین سُرنگ سے پیش قدمی کرنے والوں کی ٹائمنگ میں گڑبڑ ہوگئی تو ہمیں بھاری جانی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اوور!"

"اور یہی مجبوری میرے ساتھ ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں اس کی لاش لے کر عمارت سے زیادہ قریب نہیں آنا چاہتا۔ ہوسکتا ہے کہ ہماری اس لغزش سے ڈائنامائٹ چل پڑیں۔ اوور!"

"میں سمجھا نہیں۔ ذرا اپنی بات کی وضاحت کرو۔ اوور!" وہ مضطرب ہوگیا۔

"وہ ہر قیمت پر عمارت سے ڈیڑھ سو فٹ کے اندر اندر پہنچنا چاہتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ریموٹ کنٹرول یونٹ صرف اسی حد میں کارگر ہوسکتا ہے۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ اوور!"

"ٹھیک ہے' پھر میں کسی کو بھیجتا ہوں۔ اوور اینڈ آل۔" وہ شاید آپریشن کے کسی نازک مرحلے میں الجھا ہوا تھا۔ اس لیے اس نے گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع کردیا۔

میں نے کار' حبیب جیوانی کی عبرت ناک لاش سے قدرے دور' فٹ پاتھ کے سہارے پارک کردی اور آپریٹس آف کرکے نیچے اتر آیا۔ اس وقت میں میمن مسجد کے عقبی دروازے سے کافی دور تھا لیکن پھر بھی وہاں بھیڑ بڑھتی جارہی تھی اور میں ہجوم کے کسی تخریبی ردعمل کے بارے فکر مند تھا۔

میں نے حبیب جیوانی کی' پہلو کے بل پڑی ہوئی لاش کو سیدھا کرکے اس کی بائیں جیب سے ریموٹ کنٹرول والی' سیاہ وزنی ڈبیا نکالی تو وہ ایک رخ سے پچک چکی تھی۔ شاید حبیب جیوانی کی دھماچوکڑی اور پھر تڑپنے کے دوران اس ڈبیا پر کوئی بے طرح ضرب آئی تھی جس نے اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔

میں اس ڈبیا کی تباہ کاری سے بخوبی واقف تھا۔ اس لیے میں نے اسے احتیاط سے اپنی جیب میں رکھ لیا۔

وقت بہت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ میرے لیے انتظار کے لمحات اعصاب شکن تھے لیکن پھر بھی میں نے دوبارہ اوّل خان سے رابطہ نہیں کیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ کسی مشکل صورتِ حال میں الجھا ہوا ہوگا۔

آخر کار دس منٹ بعد سڑک کے ایک سرے سے کوئی گاڑی نمودار ہوئی جس کے کیبن پر گردش کرنے والی سرخ ایمرجنسی لائٹ روشن تھی۔ قریب آنے پر معلوم ہوا کہ وہ ایک پولیس وین تھی۔ اس کی اگلی نشست پر سادہ پوش ڈرائیور کے ساتھ ایک سیاہ پوش شخص موجود تھا۔ پچھلے حصے سے مزید تین سیاہ پوش' دو باوردی سپاہیوں کے ساتھ برآمد ہوئے۔ وہ سب ہی خود کار رائفلوں سے لیس تھے۔

اگلی سیٹ سے اترنے والا سیاہ پوش میری طرف آیا' بقیہ افراد نے لاش کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک سپاہی بھیڑ کو منتشر کرنے میں مصروف ہوگیا۔ مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ سیاہ کپڑوں والے' اسپیشل ٹاسک فورس کے کمانڈوز تھے اور ان سے کھل کر بات کی جاسکتی تھی۔

"میرا نام نادر ہے۔ میں بلیک ہاک اے کی ہدایت پر ادھر آیا ہوں۔" میری طرف آنے والے نے دھیمی آواز میں کہا۔ "لاش کی تحویل سے برآمد ہونے والا ریموٹ کنٹرولر کہاں ہے؟"

میں نے اپنی جیب میں سے' پلاسٹک کی پچکی ہوئی ڈبیا نکال کر اس کی طرف بڑھادی۔

وہ چند ثانیوں تک اس ڈبیا کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر اس کی آنکھیں اچانک ہی حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ پھر اس نے ڈبیا اپنی آنکھوں سے قریب لے جاکر' ٹارچ کی روشنی میں کچھ باریک حروف پڑھنے کی کوشش کی اور مایوسانہ انداز میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"مجھے افسوس ہے' سر! یہ ریموٹ کنٹرولر تو آپریٹ ہوچکا ہے اور اسے جہاں بھی' جو کوئی تباہی لانی تھی' وہ اب سے کافی دیر پہلے آچکی ہوگی" اس نے مجھے آگاہ کیا۔

"میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔" میں نے نرمی کے ساتھ کہا "تم نے یہ قیاس کیسے لگالیا؟"

"یہ مشہور زمانہ امریکی کمپنی' اسپیس کمپیوٹیشن کارپوریشن کا بنا ہوا' ایم آئی ساخت کا ریموٹ کنٹرولر ہے جو اپنی بہترین کارکردگی کے لیے عالمی شہرت رکھتا ہے۔ اس کا بٹن دبا کر اسے آپریٹ نہ بھی کیا جائے تو اس کی اندرونی ساخت اس طرح رکھی گئی ہے کہ اسے نقصان پہنچنے کی صورت میں بھی یہ اپنا کام دکھا جاتا ہے۔ اپنی اسی خوبی کی وجہ سے ایم آئی' جنگی ہتھیار کے طور پر بھی بہت مقبول ہے۔ اس کی پچکی ہوئی ڈبیا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ یونٹ آپریٹ ہوچکا ہے۔ اس کا تعلق کس سسٹم سے تھا؟" نادر کو اپنے موضوع پر پورا عبور حاصل تھا۔

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے تو اس ریموٹ کنٹرولر کو طاقتور ڈائنامائٹس کی ایک بیٹری سے جوڑا گیا تھا اور وہ تباہ کن ڈائنامائٹ اسی عمارت کی زیریں اور زیرِ زمین منزل میں نصب ہیں جہاں کارروائی کی جارہی ہے۔ ڈائنامائٹ پھٹنے کے بعد اس بلند و بالا عمارت کو اب تک راکھ اور ملبے کا ڈھیر بن جانا چاہیے تھا۔"

"ٹھیک!" وہ تفہیمی انداز میں بولا پھر سوال کیا "پھر یہ رینج کا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کی رینج کیا ہے؟"

"میں بالکل لاعلم ہوں۔" میں نے اس کا امتحان لینے کی غرض سے کہا۔

"ہوسکتا ہے کہ اس ایم آئی کی رینج کم ہو۔ ایس سی سی والے اپنے بنائے ہوئے ایم آئی پر اس کی رینج کا کوڈ نہیں ڈالتے بلکہ خریداروں کو رازداری سے اس بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں۔ موجودہ صورتِ حال بہت خطرناک ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ٹارگٹ کی طرف چند قدم کی پیش قدمی ہی اس کی مکمل تباہی کا سبب بن جائے۔ اس ریموٹ کنٹرولر کو فوری طور پر یہاں سے دور لے جاکر' اس کا سرکٹ ناکارہ بنانا ہوگا۔"

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ میں اول خان کے ایما پر' حبیب جیوانی کی لاش لے کر ٹریڈ لائن کے دفتر کی طرف نہیں گیا ورنہ ڈیڑھ سو فٹ کی حد میں پہنچتے ہی وہ ہولناک تباہی رُونما ہوجاتی جسے روکنے کے لیے میں نے وہ سب بھاگ دوڑ کی تھی۔

"مجھے رینج کا علم نہیں لیکن مقتول بار بار ڈیڑھ سو فٹ فاصلے کی بات کررہا تھا۔" میں نے کہا۔

"پھر وہی اس کی رینج ہوگی۔" اس نے نتیجہ اخذ کرنے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی۔ "میں یہ ڈیوائس اپنے ساتھ لے جارہا ہوں۔ تم بلیک ہاک اے کی طرف چلے جاؤ۔"

حبیب جیوانی کی لاش پولیس وین کے عقبی حصے میں ڈال دی گئی اور میں نے حبیب جیوانی کی گاڑی سنبھال لی۔ مجھے ایم اے جناح روڈ پر داخلے کی اجازت ملنی ناممکن تھی' اس لیے میں پولیس وین کے پیچھے ہی گاڑی چلاتا رہا۔ ان لوگوں نے نادر کو ٹاور کے قریب اتارا اور سڑک کی غلط سمت سے ٹریڈ لائن کے دفتر کی طرف چل دیے جہاں سے وقفے وقفے سے فائرنگ کی آوازیں آرہی تھیں۔

○☆○

اصل کارروائی ڈیڑھ گھنٹے میں نمٹ گئی۔ خطرے کا احساس ہونے پر شیر شاہ خان اور اس کے پندرہ ساتھیوں نے بھرپور مزاحمت کی کوشش کی تھی لیکن اسپیشل ٹاسک فورس کی' اندر اور باہر سے ہونے والی دو طرفہ یلغار نے بہت جلد ان کے پیر اکھاڑ دیے۔ ایک شخص مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔ پانچ بری طرح زخمی ہوئے اور بقیہ نے اس تباہی سے بوکھلا کر ہتھیار ڈال دیے۔

سُرنگ سے اترنے والی ٹیم کو اصل مقابلے کے آغاز سے پہلے ہی' سرنگ کے اندرونی حصے میں' ہیروئن کے چالیس کلو وزنی پیکٹ مل گئے تھے۔ شاید حبیب جیوانی نے باقی مال وہاں سے نکال کر' شیر شاہ خان کے حوالے کردیا تھا کیونکہ وہ لوگ تہ خانے کے ایک حصے میں ہیروئن کی تھیلیاں کھو کھلے شولڈر پیڈز میں سیل کررہے تھے۔ ان سب کو عبرتناک اور لمبی سزائیں دلوانے کے لیے وہ مواد بہت کافی تھا لیکن حبیب جیوانی کا دفتر ان لوگوں کے لیے بھول بھلیّاں ثابت ہوا تھا۔

زیرِ زمین سرنگ سے دفتر میں داخلے کا راستہ' دفتر سے آمدورفت کا راستہ اور حبیب جیوانی کی میز کا حفاظتی نظام ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا اور انہیں ان مقامات پر زبردستی سے کام لینا پڑا جس کے نتیجے میں وہ سب چیزیں تباہ ہوگئی تھیں۔ اس کے بعد ڈائنامائٹس کی تلاش کا مرحلہ شروع ہوا۔ بارودی ذخائر کا سراغ لگانے والے جدید ترین آلات کی مدد سے وہ کام آسان ثابت ہوا لیکن ٹریڈ لائن کے زیرِ تصرف عمارتی رقبہ اتنا وسیع اور پُرپیچ تھا کہ آخری ڈائنامائیٹ برآمد کرنے میں صبح کے آثار نمودار ہوگئے۔

تہ خانے اور اس سے اوپر والی منزل کے اہم ستونوں کے گرد' پچیس سے پچاس کلوگرام وزنی بارودی طاقت کے چھ ایسے ڈائنامائٹ نصب تھے جو پھٹ کر عمارت کے ڈھانچے کی بنیادوں کو اس بری طرح تباہ کرسکتے تھے کہ واقعی پوری عمارت زمین بوس ہوسکتی تھی۔

ان ڈائنامائٹس کا سلسلہ ایم آئی ریموٹ کنٹرول کے ذریعے کام کرنے والے الیکٹرانک یونٹ سے جوڑا گیا تھا۔ وہ پورا کام اتنی پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ کیا گیا تھا کہ ایم آئی ریموٹ کے فعال ہونے کے صرف پندرہ سیکنڈ بعد تمام ڈائنامائیٹس بیک وقت عمارت کو اُڑا کر رکھ سکتے تھے۔

عمارت کو کلیئرنس دیے جانے کے وقت صبح کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔ ہم لوگ ٹریڈ لائن کے دفتر سے باہر آئے تو گھڑیاں صبح کے ساڑھے چار بجا رہی تھیں اور تاروں بھرے آسمان کے مشرقی گوشوں میں اجالے کی موہوم سی دُھند نمودار ہوچکی تھی۔ علاقے میں خوشگوار خاموشی کا راج تھا جو دن کے مصروف لمحات میں وہاں عنقا ہوتی تھی۔

اس کارروائی سے فارغ ہونے کے بعد پولیس کو علاقہ کلیئر کرنے کا اختیار دے دیا گیا۔ قیدیوں اور ان کی تحویل سے برآمد ہونے والے سامان کو اوّل خان نے اپنے نائب کی تحویل میں دے دیا۔ بھاری گاڑیوں پر مشتمل 'اس کارواں کی' کسی نامعلوم منزل کی طرف روانگی کے بعد' اول خان مجھے اپنے ساتھ لے کر جیپ میں روانہ ہوگیا۔ حبیب جیوانی کی لاش اور اس کا کٹا ہوا ہاتھ' قانونی تقاضوں کی تکمیل کے لیے پولیس کے حوالے کردیا گیا تھا۔

اس وقت تک اول خان اس قدر مصروف رہا تھا کہ اسے مجھ سے کوئی اور بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا لیکن جیپ میں تخلیہ میسر آتے ہی' اس کے ذہن میں سویا ہوا تجسّس جاگ اٹھا۔

اُس کے لیے حبیب جیوانی کی کہانی بہت تحیر خیز ثابت ہوئی۔ وہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ مقامی مافیا نے اہم اور بارسوخ افسران کو بلیک میل کرنے کے لیے' شہر میں کی کلب کے نام سے عیاشی کا کوئی اڈا قائم کیا ہوا تھا جہاں مہمانوں کا دل بہلانے کے لیے چیدہ چیدہ مقامی اور غیر ملکی لڑکیاں ملازم رکھی گئی تھیں۔ وہ یہ حقیقت سن کر ششدر رہ گیا کہ ایک اہم پولیس افسر نے' ماضیِ قریب میں' ایک فاحشہ کی فرمائش پر اپنے محکمے کے خفیہ مواصلاتی رابطے کا ایک حسّاس اپریٹس چوری کرکے اس کے حوالے کردیا تھا جو آخر کار حبیب جیوانی کے قبضے میں چلا گیا اور محض اسی اپریٹس کی وجہ سے وہ لوگ تباہی کے دہانے پر پہنچادیے گئے تھے۔ اگر حبیب جیوانی آخری مہم پر نکلتے ہوئے' مجھے نظرانداز کرنے کا فیصلہ کرلیتا تو دنیا کی کوئی طاقت اس کی لائی ہوئی ہولناک جانی و مالی بربادی کو نہیں ٹال سکتی تھی۔ وہاں ہر طرف ملبے اور انسانی جسموں کے چیتھڑے ہی بکھرے ہوتے۔

اول خان نے اشتعال میں آکر فوری طور پر کی کلب جیسے خطرناک اڈے کی بیخ کنی کا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے مسکراتے ہوئے اسے مطلع کیا کہ میں وہ نیک کام کافی عرصے پہلے سرانجام دے چکا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں اتنی طویل مدت سے حبیب جیوانی کے وجود اور اُس کے سیاہ کرتوتوں کا علم تھا؟" اس نے جھجکتے ہوئے لہجے میں احتجاج کیا۔

"یہ بہت پرانی بات نہیں ہے لیکن وہ میری مہم جوئی کا ابتدائی زمانہ تھا۔ میں کی کلب کو بڑے لوگوں کی عیاشی اور اس کے مالکان کی بھاری آمدنی کا ایک گھناؤنا ذریعہ سمجھتا تھا۔ مجھے اس کے اصل مقاصد کا علم نہیں تھا۔ میں کافی محنت کرنے اور وقت گزارنے کے بعد اس پوزیشن میں آیا ہوں کہ آج ہم حبیب جیوانی کی لاش پر اس کے کرتوتوں کا ماتم کررہے ہیں۔ اس سے پہلے تو بس آنکھ مچولی ہو رہی تھی۔"

"اور میرا قیاس کہتا ہے کہ تم ان کی جڑوں میں بہت دور تک اترے ہوئے تھے۔" اس نے کہا "میں تو یہاں تک سوچنے پر مجبور ہوں کہ معلومات حاصل کرنے کے لیے' تم ان ہی میں شامل نہ رہے ہو۔"

"تمہارا یہ اندازہ درست ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔ "لیکن ان کی صفوں میں گھسنا اتنا آسان نہیں تھا۔ آج بھی حبیب جیوانی باربار میری طرف سے بدک رہا تھا۔"

"حیرت ہے کہ واضح طور پر صاف ستھری سوچ رکھنے کے باوجود تم برے لوگوں کے ساتھ مل بیٹھنے میں کامیابی حاصل کرلیتے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ یہ بہت جان جوکھوں کا کام ہوگا۔"

"اس کی ایک چھوٹی سی وجہ ہے کہ میں ہمیشہ سے اچھا آدمی نہیں تھا۔ تم جانتے ہو کہ میرا ماضی بھی بہت داغ دار تھا۔ یہ سب اسی ماضی سے دھوکا کھاجاتے ہیں۔ انہیں یہ علم نہیں ہوپاتا کہ میرا دل و دماغ بہت سی تعمیری تبدیلیوں سے گزر چکا ہے۔"

باتیں کرتے ہوئے ہم اسٹیشن فور پہنچے تو وہاں اول خان کے لیے ایک اہم پیغام موجود تھا۔ اس کی غیر حاضری میں اُس کے کمانڈنگ آفیسر نے فون کیا تھا۔

میرے ذہن میں پہلا خیال ظفر یا البرٹو یلیسا کے بارے میں آیا کیونکہ اس وقت تک اس کے نئے اور پرانے فنگر پرنٹس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں آئی تھی لیکن اول خان کا خیال مختلف تھا۔ آپریشن بلیک ہاک کے سلسلے میں اوپر سے باقاعدہ اجازت لی گئی تھی اس لیے کمانڈنگ آفیسر اس آپریشن کے نتائج کے بارے میں بھی فکرمند ہوسکتا تھا۔

اول خان کے سرپر کام کا بھوت سوار تھا اس لیے اُس نے فوراً ہی اپنے سی او کو فون کرنے کا ارادہ کیا لیکن میں نے وقت کا احساس دلا کر اسے روک دیا۔

"تم کہتے ہو تو صبح ہونے کا انتظار کیے لیتا ہوں لیکن اسپیشل ٹاسک فورس میں کام کے لیے وقت کا کوئی تعین نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے کہ سی او اس وقت بھی میری جوابی کال کے انتظار میں جاگ رہا ہو۔"

دوسری طرف مجھے غزالہ اور سلطان شاہ کا خیال تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ میں حبیب جیوانی کا پیغام ملنے پر روانہ ہوا تھا اس لیے وہ میری سلامتی اور واپسی کے بارے میں فکرمند ہوسکتے تھے لیکن دوسری طرف ویرا کی ذات تھی۔ اسے میرے اور حبیب جیوانی کے مراسم کے بارے میں علم نہیں تھا۔ میں فلیٹ سے روانہ ہوا تو وہ اپنے پرانے دوستوں سے ملنے گئی ہوئی تھی لیکن اس وقت تک یقینی طور پر فلیٹ میں واپس آچکی ہوگی۔ اگر میرے فون کرنے پر وہی ریسیور اٹھالیتی تو میرے پاس' اسے سنانے کے لیے' کوئی مضبوط کہانی نہیں تھی۔

لیکن پھر بھی غزالہ کی پریشانی کا تصور میرے لیے پریشان کُن تھا۔ میں نے فون کرنے کا فیصلہ کرہی لیا۔

وہی ہوا' جس کا مجھے خدشہ تھا۔ دوسری طرف سے ویرا کی آواز سنائی دی تھی۔

"تم کہاں ہو؟ صبح ہوگئی اور تمہیں یہ احساس بھی نہیں ہے کہ ہم سب تمہارے لیے پریشان ہوں گے۔" اس کی ملامت آمیز آواز سے بھی فکرمندی کی علامات نمایاں تھیں۔

"میں جہاں بھی ہوں خیریت سے ہوں۔" میں نے اپنی آواز بوجھل بناکر کہا "میں نے صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ میری واپسی میں ابھی کچھ اور تاخیر ہوگی۔ میں دس بجے تک گھر آؤں گا۔"

"لیکن یہ تو بکو کہ تم اس وقت کہاں مرے ہوئے ہو؟" اس کی جلی کٹی آواز ابھری۔

"میں اول خان کے ساتھ ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" اس کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔ "ان لوگوں نے تو بتایا تھا کہ تم کسی نامعلوم شخص کی فون کال پر عجلت میں فلیٹ سے روانہ ہوئے تھے۔"

"وہ اول خان ہی کی کال تھی۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا۔

"اول خان کب سے نامعلوم شخص ہوگیا؟ اس کے بارے میں اتنی رازداری کی کیا ضرورت تھی۔"

"واپس آکر سب کچھ بتادوں گا۔ اس وقت میری خطا معاف کردو۔"

"تم جہنم میں جاؤ۔ تمہارے بارے میں سوچنا' اپنی ذات کو گھن لگانے کے برابر ہے۔" اس نے میرا جواب سننے کی زحمت کیے بغیر' اچانک ہی فون بند کردیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"بھابی سے بات کررہے تھے؟" اول خان نے گہری سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

"ارے نہیں' وہ بے چاری تو بہت سیدھی سادی ہے۔ اس وقت ویرا نے ٹیلی فون اٹھایا تھا۔"

"ویرا؟ تو کیا وہ اتنی صبح بیدار ہوجاتی ہے؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ میرے انتظار میں شب بیداری کررہی ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ ایک غیر عورت تمہارے بارے میں اس قدر فکرمندی کا مظاہرہ کرے۔" اس نے اپنی دو ٹوک رائے ظاہر کردی "ویرا کے اس رویّے سے بھابی کو ضرور تکلیف ہوتی ہوگی۔"

"غزالہ میری اور اس کی دوستی کی مصلحتوں اور نزاکتوں سے خوب واقف ہے۔"

"وہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ مجھے اس سے زیادہ دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔ اب یہ بتاؤ کہ ویرا نے تم کو ظفر کے بارے میں کیا کچھ بتایا ہے۔ فون پر تو تم سے تفصیلی بات ہی نہیں ہوسکی تھی۔"

میں نے ویرا کی ذاتی آرا اور تبصروں کو حذف کرکے حقائق اسے بتادیے۔

بوگوٹا کی اینٹی نارکوٹکس فورس میں' ظفر کے ہم شکل کی موجودگی کی اطلاع پر اوّل خان بھی بہت بری طرح چونکا تھا لیکن اس کی آخری رائے بھی یہی تھی کہ کولمبیا کے کسی باشندے کے لیے اہلِ زبان کی طرح اردو پر عبور حاصل کرنا ممکن نہیں تھا' اس لیے ظفر' ظفر ہی تھا۔ البرٹو نہیں ہوسکتا تھا۔

"لیکن میں اب بھی اپنے شبہات پر قائم ہوں۔" میں نے اصرار کیا۔

"خیر' فنگر پرنٹس کا موازنہ آخری فیصلہ کردے گا۔ آخر تمہیں ظفر کی اصلیت پر شبہ کیوں ہے؟"

"میں یہ مان ہی نہیں سکتا کہ کوئی بھی پاکستانی اس حد تک گر سکتا ہے کہ وہ اسرائیل' کرنل جیسی جونزیا ڈیوڈ اشارز کے لیے کام کرنا شروع کردے گا۔ آخری درجے کی یہ نمک حرامی کسی صحیح النسل پاکستانی کے تصور میں بھی نہیں آسکتی۔" میں نے از سرِنو بحث سے گریز کرتے ہوئے کہا۔

"وہ صرف ایک شبہ تھا جو دور از کار بھی ثابت ہوسکتا ہے۔"

"لیکن مجھے تمہارا ابتدائی شبہ اب بھی بہت جان دار نظر آرہا ہے۔"

"بات پھر فنگر پرنٹس کے موازنے پر آجاتی ہے۔ اگر وہ ظفر ہی ہے تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ وہ پوری نیک نیتی کے ساتھ فورس کی خدمت کررہا ہے۔"

میں نے خاموشی اختیار کرکے' وہ موضوع وہیں ختم کردیا لیکن میرا ذہن اسی ایک نکتے میں الجھا ہوا تھا کہ کرنل جیسی جونز اپنے کسی خفیہ مفاد کے بغیر' اپنے گروہ کے ایک رکن کو کیونکر آزاد کرسکتا تھا۔ ظفر کے معاملے میں کہیں نہ کہیں' کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور موجود تھی۔

"تم گھر جاکر آرام کرنا چاہو تو میرا کوئی آدمی تمہیں چھوڑ آئے گا" اول نے پیش کش کی۔

"میں تمہاری اور سی او کی گفتگو ہونے تک یہاں رکنا چاہتا ہوں" میں نے ہنستے ہوئے کہا "اسی وجہ سے میں نے ویرا کو دس بجے واپسی کی اطلاع دی تھی۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ میں فون پر تمہیں اس گفتگو کے نتیجے سے آگاہ کردوں گا۔"

"اس وقت تک ویرا میری زندگی عذاب بنادے گی۔ میں ظفر کے بارے میں ٹھوس معلومات حاصل کیے بغیر گھر واپس گیا تو وہ میری رات بھر کی غیر حاضری کے بارے میں جرح کرکے مجھے پریشان کردے گی۔"

"تو کیا تم اسے مافیا کی کہانی نہیں سناؤ گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"میں مافیا کو کیا جانوں؟" میں نے ایک آنکھ دبا کر کہا "وہ سب تمہارا کھیل بکھیڑا تھا۔ اسی وجہ سے مجھے تمہاری واپسی کا انتظار کرنا پڑا۔ ضرورت ہوئی تو اپنا بھی ہلکا پھلکا کردار پیدا کرلوں گا۔"

"آپس کے اعتماد اور بے اعتمادی کا ایسا خطرناک امتزاج میں نے آج تک نہیں دیکھا" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا اور میں وہاں سے اٹھ گیا۔

میں ریٹائرنگ روم کی کھڑکیوں کے دبیز پردے کھینچ کر آرام دہ دیوان پر دراز ہوا تو تھوڑی ہی دیر میں میری آنکھ لگ گئی۔ پھر نو بجے اول خان نے ہی نرمی کے ساتھ مجھے بیدار کیا۔

"تمہیں دس بجے گھر پہنچنا ہے۔ منہ ہاتھ دھولو تو میں تمہارے سامنے ہی سی۔ او سے بات کرلوں" اس نے کہا۔

"ابھی تو اندھیرا ہے۔ کیا تمہارا سی۔ او بیدار ہوگیا ہوگا؟" مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے مجھے چند منٹ بعد ہی کچی نیند سے جگادیا گیا ہو۔

"اندھیرا صرف اس کمرے میں ہے۔ باہر سورج بہت اوپر جاچکا ہے کیونکہ اس وقت نو بج رہے ہیں جب کہ ہمارے دفتری اوقات سات بجے سے شروع ہوجاتے ہیں" اول خان نے ٹہلتے ہوئے کہا۔

میں چھلانگ مار کر دیوان سے نیچے آگیا۔ غسل خانے سے ہاتھ منہ دھوکر باہر نکلا تو ہلکا پھلکا لیکن گرم گرم ناشتا میرا منتظر تھا۔ میں ناشتے سے فارغ ہوکر فوراً ہی اول خان کے دفتر میں پہنچ گیا۔

میں نے وہاں بیٹھ کر سگریٹ سلگائی اور اول خان نے اسپیکر فون آن کرکے اپنے کمانڈنگ آفیسر کا فون ملانا شروع کردیا۔

دعا سلام سے شروع ہونے والی گفتگو میں پہلا موضوع بلیک ہاک آپریشن کا تھا۔ کمانڈنگ آفیسر کو اس مہم میں میرے کلیدی کردار کے بارے میں پوری پوری معلومات حاصل تھیں۔ اس نے اول خان کی رپورٹ سننے کے بعد متعدد سوالات کیے جن کے تسلی بخش جوابات دینے کے بعد اول خان نے بہت نرم اور محتاط الفاظ میں ظفر والے معاملے کا ذکر چھیڑ دیا۔

"رپورٹ آگئی ہے۔ اس کے پرانے اور تازہ فنگر پرنٹس میں سوفیصد یکسانیت ہے۔ ایس ٹی ایف میں تقرری کے طریقۂ کار کے بارے میں ہمارے شبہات بے بنیاد ثابت ہوئے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ اب تم بھی ظفر کی طرف سے اپنا ذہن صاف کرلو۔ وہ ہمارا محنتی اور ایمان دار افسر ہے" سی۔ او نے محض مروتاً خود کو بھی اول خان کے شبہات میں ایک فریق بناکر بات ختم کرنی چاہی۔

"مجھے کوئی شبہ نہیں تھا۔ بس درمیانی عرصے میں اس کی مصروفیات کی بنا پر' میرے ذہن میں ایک امکان ابھرا تھا جو اوپر والوں تک پہنچانا میرا فرض تھا۔ اب وہ قصہ ختم ہوگیا" اول خان نے جواب دیا۔

چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد وہ گفتگو ختم ہوگئی۔

"قصہ ختم' پیسہ ہضم" اول خان نے اسپیکر فون کا بٹن آف کرکے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "ظفر' ظفر ہی ہے۔ اس کے حق میں اس سے بڑی گواہی کوئی اور نہیں ہوسکتی۔"

"میرے لیے یہ رپورٹ حیران کن ہے" میں نے ایمان داری کے ساتھ اپنے دل کی بات کہہ دی۔

اول خان کی آنکھیں فرطِ حیرت سے پیشانی پر جاچڑھیں "اب تمہیں کیا بات پریشان کررہی ہے؟ فنگر پرنٹس کو تو دنیا بھر کی عدالتیں اور طبی ماہرین' آخری شناخت تسلیم کرتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں" میں نے سر جھکا کر آہستگی کے ساتھ کہا "بس میری چھٹی حس مطمئن نہیں ہے۔"

"تم بے سبب مغززنی ترک کردو' وہ مان جائے گی" اول خان

اٹھ کر میری پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور میں نے اپنی کرسی چھوڑ دی۔

اول خان اس وقت فارغ تھا اس لیے اُس نے خود ہی مجھے فلیٹ تک پہنچانے کی پیش کش کی جو مجھے قبول کرلینی پڑی لیکن راستے میں ہمارے درمیان کوئی قابلِ ذکر تبادلۂ خیال نہیں ہوسکا۔

میرے پاس فلیٹ کے دروازے کی چابی موجود تھی' اس لیے میں ڈور بیل بجائے بغیر قفل کھول کر اندر داخل ہوا تو ویرا اپنی خواب گاہ کے دروازے پر انڈوں سے بھاگی ہوئی کڑک مرغی کی طرح پھولی ہوئی کھڑی تھی۔ جب کہ پورے فلیٹ میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔

"چوروں کی طرح آئے ہو' معلوم ہوتا ہے کہ کہیں سے مار کما کر لوٹے ہو؟" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"وہ دونوں کہاں ہیں؟" میں نے اس کے تبصرے کو نظرانداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"تم جیسے غیر ذمے دار آدمی کی فکر میں کوئی بھی زیادہ دیر تک اپنا خون نہیں سکھا سکتا۔ طویل انتظار سے اکتا کر وہ دونوں اپنے اپنے ٹھکانوں پر سو رہے ہیں" وہ جھلائے ہوئے انداز میں بولی۔

میں نے باری باری دیکھا کہ غزالہ کی خواب گاہ اور ڈرائنگ روم کے دروازے بند تھے۔ میری دانست میں ان دونوں کو سوئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی اس لیے ان کی نیند میں دخل انداز ہونا مناسب نہیں تھا۔ دوسری طرف غزالہ کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں بہتر طور پر ویرا کا غصہ کافور کرسکتا تھا' اس لیے میں نے اسی کے کمرے کا رخ کیا لیکن وہ مجھے اندر جانے کا راستہ دیے بغیر دروازے پر جمی کھڑی رہی۔

ویرا کے منہ سے جن کی ہلکی سی بو آرہی تھی اور کمرے کی فضا بھی اسی بو سے بوجھل تھی۔ میں نے حیرت سے کہا "آج تم نے ناشتے کی ابتدا ہی جن سے کی ہے' کیا ارادے ہیں؟"

"ناشتا! رات بھر کی نیند سے بیدار ہونے کے بعد کیا جاتا ہے؟" وہ چڑ کر بولی "میں نے اسی کے سہارے' پوری رات جاگ کر گزاری ہے اور تم اسے ناشتا کہہ رہے ہو۔"

میں نے اس کا نرم و گداز بازو تھام کر نرمی سے اسے کمرے میں دھکیلتے ہوئے کہا "جلی کٹی باتیں نہ کرو اور ایک گلاس میرے لیے بھی بناؤ۔ اس کے بعد باتیں ہوں گی۔ ویسے تم غصے میں ضرورت سے زیادہ حسین نظر آنے لگتی ہو۔ دانت پیسنے سے تمہارے دونوں رخساروں میں جو خفیف سے گڑھے پڑتے ہیں وہ کسی بھی سالم مرد کو غرق کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں اور میں بے چارہ بھی ایک مرد ہی ہوں۔"

"ہوش میں رہ کر بات کرو" وہ کمرے میں داخل ہونے میں مزاحمت کیے بغیر بولی "اب تم دو کشتیوں کے سوار نہیں رہے ہو جو مجھے اس خوشامد سے لبھا سکو۔ ابھی غزالہ بیدار ہوکر' اس کمرے میں گھس آئی تو تم کسی بھیگے ہوئے چوہے کی طرح مسکین نظر آنے لگو گے۔"

"حقیقت اور خوشامدانہ تعریف میں زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ تم اسے خوشامد قرار دو' تب بھی اس سے میرا وہ مقصد نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔"

"میں کیا سمجھ رہی ہوں؟ تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟" ویرا آنکھیں نکال کر بولی۔

"بیٹھ جاؤ' سکون سے بیٹھ جاؤ" میں نے ہولے سے اس کی پشت سہلاتے ہوئے کہا "یہ نہ بھولو کہ ہم دونوں نے بھی کبھی جوانی کی راتیں اور مُرادوں کے دن ایک دوسرے کے ساتھ گزارے ہیں۔"

"میں نے آج تک تم جیسا غیر ذمے دار اور ناخلف شخص نہیں دیکھا" وہ بدستور بگڑی ہوئی تھی لیکن اس نے کرسی سنبھال لی تھی۔

میں ہنس پڑا "آج تم پھنس گئیں۔ ناخلف کا لفظ اولاد کے لیے استعمال ہوتا ہے' دوسروں کے لیے نہیں۔ اہلِ زبان نہ ہونے کا اظہار اسی وقت ہوتا ہے جب روز مرّہ کے معمولی الفاظ استعمال کرنے پڑتے ہیں۔"

"بعض مرد بھی اپنی جبلّی کمزوریوں کی بنا پر اپنی محبوباؤں کے سامنے اس بری طرح ممیانے لگتے ہیں کہ انہیں بلا جھجک اولاد کے زمرے میں شمار کیا جاسکتا ہے۔"

"کم از کم میں ایسے مردوں میں شامل نہیں ہوں" میں نے اپنے گلاس میں برف کے ڈلے ڈالتے ہوئے کہا۔

"تم بھی بہت سؤر اور بے شرم ہو" وہ کوئی پرانی بات یاد کرکے اچانک مسکرادی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہارے رخساروں کے کنوئیں تو غائب ہوئے" میں نے جلدی سے کہا۔

"رخساروں کے کنوئیں؟" اس نے تعجب کے ساتھ' بھویں چڑھا کر سوال کیا۔

"یہ فارسی کے چاہِ غب غب کا سلیس اردو ترجمہ ہے" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"آج تمہیں زبان' الفاظ' محاورے اور ترجمے کیوں یاد آرہے ہیں؟" اس کا موڈ قدرے بحال ہوچلا تھا۔

"ظفر کے نئے اور پرانے فنگر پرنٹس یکساں ہیں' اب یہ دیکھنا باقی رہ گیا ہے کہ کیا اسے اردو زبان پر واقعی ہم لوگوں جیسا عبور حاصل ہے" میں نے اپنے ذہن میں چکرانے والی بات اس کے سامنے اگل دی۔

"لاحول ولا قوۃ!" وہ برا سا منہ بنا کر بولی "شاید تمہاری عقل چل گئی ہے۔ فنگر پرنٹس کی رپورٹ آجانے کے بعد اب کیا باقی رہ گیا ہے؟ اور ہاں...."

میں نے اس کی بات درمیان ہی سے اچک لی "عقل چلنے کا محاورہ بھی ظفر کا اچھا امتحان ثابت ہوسکتا ہے کیونکہ چلنے کا لغوی مفہوم راستوں اور فاصلوں سے وابستہ ہے۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تم نے رات کہاں بسر کی تھی؟" اس نے میری بات سنی اَن سنی کرکے پوچھا۔

"میرے سر پر ظفر کا بھوت سوار تھا اور میں اسی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے اسٹیشن فور گیا تھا لیکن میرے پہنچنے سے پہلے وہاں دوسرا چکر شروع ہوچکا تھا' جس نے رات برباد کردی۔"

"بولتے رہو' میں سن رہی ہوں" میری خاموشی پر اس نے لقمہ دیا۔

جن اور ٹانک واٹر کے متوازن محلول کا ایک بڑا گھونٹ اپنے معدے میں اتارنے کے بعد میں نے کہا "آج شہر میں ایک بہت بڑی کارروائی کی گئی ہے۔ اوپر سے آنے والے احکام کی روشنی میں ہیروئن کا بھاری ذخیرہ پکڑا گیا ہے۔ اول خان اسی کارروائی میں مصروف تھا۔"

"مقامی منشیات فروش بھاری ذخیرے جمع کرنے کا خطرہ مول نہیں لیتے۔ مال آتے ہی تیزی کے ساتھ نکاسی کے اڈوں پر پھیلادیتے ہیں۔ وہ ایکسپورٹ کرنے والے بڑے لوگ رہے ہوں گے۔"

"پتا نہیں" میں نے بے پروائی کے ساتھ کہا "یہ سب دھندے ٹریڈ لائن نامی کسی دفتر کی آڑ میں ہورہے تھے۔ دو آدمی مرے ہیں' چند زخمی ہوئے اور بقیہ گرفتار کرلیے گئے۔ اب قیدیوں سے باز پُرس کے بعد ہی پوری صورتِ حال واضح ہوسکے گی۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد اول خان نے ظفر کے بارے میں معلوم کیا تھا۔"

"کہیں تم مجھے یہ بتانا تو نہیں چاہ رہے کہ شہر میں ہونے والی کارروائی میں تمہارا ہاتھ نہیں تھا؟" اس نے براہِ راست میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے اپنی کوئی بات تمہارے دماغ میں ٹھونسنے کی کیا ضرورت ہے" میں نے الٹا اسی سے سوال کرڈالا۔

"مجھے اڑتی اڑتی خبریں مل رہی تھیں کہ مافیا یہاں جڑ پکڑتی جارہی ہے۔ ایک زمانے میں وہ لوگ تمہارے پشت پناہ بھی بنے ہوئے تھے۔ وہ درمیان میں نہ آتے تو میرے آدمی شاید تمہیں فنا کرچکے ہوتے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ شی کے قدم اکھاڑنے کے بعد اب تم اپنے پرانے محسنوں پر ٹوٹ پڑے ہو؟"

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں تھا" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا "انہوں نے میری مرضی یا خواہش کے بغیر مجھے تحفظ فراہم کیا تھا۔ مجھ سے جوابی تعاون نہیں ملا تو وہ خود ہی مجھ سے ناامید ہوکر غائب ہوگئے۔ تم مجھ پر بلاوجہ یہ الزام تراشی کیوں کررہی ہو؟"

"جب سے تمہاری اور اول خان کی دوستی ہوئی ہے' اینٹی ٹاسک فورس کو پُراسرار طور پر بہت زیادہ کامیابیاں حاصل ہونے لگی ہیں" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سب سے بڑی کامیابی تو تمہارے تعاون سے ہوئی ہے۔ بلیک کراس ڈیل کے بارے میں' مَیں نے تم کو اوّل تا آخر باخبر رکھا تھا۔ تم مافیا کی کون سی ہمدرد یا خیر خواہ ہو جو میں تم سے اپنے کارنامے چُھپاتا پھروں گا؟"

"مشکل یہی ہے کہ تمہارے عزائم کو بروقت سمجھنا ناممکن ہوتا ہے۔ بات سمجھ میں آتی ہے تو پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے۔ اب کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ مافیا کو خاک چٹوا کر تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟ قابلِ غور بات یہ ہے کہ ایسے واقعات رونما ہونے کے وقت تم اپنی چھت کے نیچے کبھی محوِ خواب نہیں ہوتے۔ تم پچھلی رات کی ایک بڑی کارروائی کی خبر سنا رہے ہو اور وہ رات بھی تم نے گھر سے غائب رہ کر گزاری ہے۔ تم مفروضہ باتوں پر لٹھ لے کر ظفر کے پیچھے گھوم رہے ہو اور مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ میں سامنے کی باتیں نظرانداز کرکے تمہیں معصوم مان لوں؟"

"تم پھر الزام تراشی کررہی ہو" میں نے احتجاج کیا "ابھی تو اول خان کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ مارے اور پکڑے جانے والوں کا تعلق کس گروہ سے ہے اور تم مسلسل انہیں مافیا والے قرار دیے جارہی ہو۔"

"اس بحث پر لعنت بھیجو۔ چند روز میں سب کچھ سامنے آجائے گا۔"

"چند روز کیا' شاید آج شام کے اخبارات میں ہی ساری خبریں آجائیں گی۔"

"شام کے اخبارات!" اس نے برا سا مُنہ بنایا "یہ اخبارات خبریں نہیں' اسکینڈل اور سنسنی خیز قیاس آرائیاں چھاپتے ہیں۔ ان کے پڑھنے سے بلڈپریشر خواہ مخواہ بڑھنے لگتا ہے۔ تمہارے اخبارات جو کچھ کہتے رہیں' مجھے اپنے ذرائع سے اصل کڑیاں مل جائیں گی۔"

"ان کڑیوں سے کہانی تیار کرلو تو مجھے بھی سنادینا" میں نے ترشی مائل' شیریں محلول کا اگلا گھونٹ لے کر کہا "اب یہ بتاؤ کہ پنڈی کب چل رہی ہو؟"

"وہ کس لیے؟" وہ میرے غیر متوقع سوال پر حیرانی کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"ظفر کی اردو دانی کے امتحان کے لیے۔ میں اپنی خلش سے نجات حاصل کرنی چاہتا ہوں۔"

"اس کے لیے صرف تم ہی کافی ہو۔ چاہو تو غزالہ کو ساتھ لے جاؤ۔ وہ تم سے زیادہ اچھی اردو جانتی ہے۔"

"لیکن ہم دونوں ہسپانوی زبان سے نابلد ہیں۔ اگر وہ ظفر ہے تو اسے ہسپانوی سے نابلد ہونا چاہیے۔"

"احمقانہ بات ہے" وہ سر جھٹک کر بولی "وہ مجھ سے ملاقات کے بعد بھی ڈیڑھ' دو سال تک کولمبیا میں رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس دوران میں اُس نے ہسپانوی سیکھ لی ہو۔"

"لیکن ٹھیٹ اور بامحاورہ ہسپانوی اس کی سمجھ سے باہر ہونی چاہیے" میں نے اصرار کیا۔

"یہ بات مانی جاسکتی ہے کیونکہ اسپینش ایک مشکل زبان ہے۔ لیکن تم یہ تو بتاؤ کہ کرنا کیا چاہتے ہو؟ میں ولی نہیں ہوں جو تمہارے دل کی بات سمجھ لوں" اس نے میری دلیل کو تسلیم کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی عورت ولی ہو ہی نہیں سکتی اور پھر تم؟ میری..." میں نے مزید کچھ کہنا چاہا لیکن اس نے اپنا خالی گلاس میرے سر پر مارنے کے لیے بلند کیا اور مجھے اپنی بات ادھوری چھوڑنی پڑگئی۔

"تم بعض اوقات لغو باتوں پر اتر آتے ہو۔ تمہارے سرحدی علاقوں میں اَن پڑھ بوڑھیاں کئی عورتوں کے نام عقیدت سے لیتی تھیں اور وہ سب اپنے اپنے دور کی نامور ولی گزری ہیں" اس نے برہمی سے کہا۔

"وہ جھوٹ بولتی ہوں گی۔ ولی کے لیے مرد ہونا ضروری ہے۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا لیکن وہ بپھر گئی۔

"دراصل ہم دونوں ہی' اپنی اپنی جگہ درست ہیں" اسے سنبھالنے کے لیے مجھے فوراً وضاحت کرنی پڑگئی "ولی صرف مرد ہوتا ہے' عورت اس درجے پر فائز ہو تو ولی نہیں' ولیہ کہلاتی ہے۔ یہ سیدھا سا گرامر یا تذکیر و تانیث کا معاملہ ہے۔ تم بلاوجہ چڑ رہی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ظفر کو ایسے ہی کسی ہسپانوی شوشے میں الجھادو۔ اس کی گتھی سلجھ جائے گی۔"

"میں تم سے سمجھ لوں گی" وہ فضا میں مکّا لہرا کر کھسیائے ہوئے انداز میں بولی۔

"ضرور سمجھ لینا" میں نے دل ہی دل میں کہا اور پھر اسے اپنا منصوبہ سمجھانے لگا۔

ویرا نہ جانے کب سے پیے جارہی تھی۔ کمرے میں ایک طرف گورڈنز کی ڈیوڑھی بوتل خالی رکھی ہوئی تھی اور دوسری بوتل بھی نصف ہونے کو تھی۔ ٹانک واٹر کے خالی ڈبوں کی تعداد ایک درجن ہونے والی تھی لیکن وہ واقعی بَلا کی بَلا نوش تھی کہ اس کی زبان پر لکنت تھی نہ ذہن پر کوئی مدہوشی طاری تھی۔ وہ میری ایک ایک بات بہت توجہ سے سن رہی تھی اور ایسے پیچیدہ سوال بھی کرتی جارہی تھی جو سلطان شاہ جیسے پارسا کے ذہن کو چھو بھی نہیں سکتے تھے۔

بارہ بجے کے قریب غزالہ بیدار ہوئی اور دَرّانہ وار ویرا کے کمرے میں گھستی چلی آئی۔ بکھرے ہوئے ریشمی بالوں کے نیچے چمکتی ہوئی مخمور نگاہیں میرے چہرے پر جمیں تو میں ان کی تاب نہ لاسکا۔ مجھے ویرا کے ساتھ دن دہاڑے مے نوشی میں مصروف دیکھ کر اُس کے تیور خراب ہوگئے تھے۔ وہ چند ثانیوں تک مجھے گھورتی رہی پھر زبان سے ایک لفظ بھی کہے بغیر وہاں سے چلی گئی۔

"جل تو' جلال تو" میں نے بڑبڑاتے ہوئے اپنی کرسی چھوڑی تو ویرا زور سے ہنس پڑی۔

"کمرے میں جاؤ گے تو وہ تمہیں لات مار کر مسہری سے نیچے پھینک دے گی۔"

"میں اُس کے بھائی کی کمک لینے جارہا ہوں۔ وہ خبیث شاید ابھی تک گہری نیند سو رہا ہے۔"

"اسے قسم دے کر پوچھ لینا۔ اس کے بیشتر خوابوں میں' مَیں ضرور آتی ہوں گی۔"

میں نے سلطان شاہ سے اس کے خوابوں کے بارے میں تو نہیں پوچھا لیکن اسے گہری نیند سے بیدار ضرور کردیا۔ فلیٹ میں چہل پہل شروع ہوگئی۔ غزالہ نے مُنہ ہاتھ دھونے کے بعد باورچی خانہ آباد کردیا۔ میں سلطان شاہ کو مختصر سی لابی میں لے بیٹھا اور اتنی اونچی آواز میں اپنی کہانی سنانے لگا جو غزالہ کے کانوں تک بھی پہنچ سکے۔ ویرا کی موجودگی کی وجہ سے وہ اصل کہانی نہیں تھی لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دونوں' خالی جگہیں خود پُر کرلیں گے۔

اپنی انتھک محنت سے فضا کو سازگار بنانے کے بعد میں نے راولپنڈی پلان کا اعلان کردیا۔

ظفر کے بارے میں میرے اندیشوں سے ان سب کو یکساں واقفیت حاصل تھی اس لیے ویرا کی موجودگی کے باوجود ہم کھل کر اس سفر کی افادیت پر بحث کرتے رہے۔ مَیں ان میں سے کسی کو قائل تو نہیں کرسکا لیکن میں نے غزالہ کو اس امر پر ضرور آمادہ کرلیا کہ وہ دو چار روز کے لیے مجھے پنڈی جانے کی چھوٹ دے دے تاکہ میں اپنی سی آخری کوشش کرنے کے بعد' اپنے ذہنی بوجھ سے چھٹکارا حاصل کرسکوں۔

"ویرا تمہاری فکر میں ساری رات شراب پیتی رہی ہے اور تھوڑی دیر پہلے تک' تمہارے ساتھ پی رہی تھی" آخر میں غزالہ نے تشویش کا ایک پہلو پیدا ہی کرلیا "باہر کی تازہ ہوا لگنے کے بعد اس پر نشہ چڑھنے لگا تو یہ ائرپورٹ پر ڈھیلی جائے گی۔ سفر کا ارادہ کل تک ملتوی کردو۔"

"میں اُن عورتوں میں سے نہیں ہوں جو شراب کی بوتل سونگھ کر ہی نشے میں لڑکھڑانے لگتی ہیں۔" ویرا نے فخر سے کہا "پھر میں غیر ملکی ہوں۔ تمہاری حکومت نے غیر ملکیوں کو خلوت میں شراب سے نہانے کی بھی اجازت دی ہوئی ہے۔ مجھ پر ہاتھ ڈالنے والوں کو میرے سفارت خانے کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"تمہارا سفارت خانہ!" سلطان شاہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا "وہاں ہیری کسنجر بیٹھا ہوا ہے۔ وہ بہت دنوں سے تم کو اپنے چوہے دان میں بند کرنے کی فکر میں ہے۔"

"واہ!" ویرا نے بے ساختہ اس کی تعریف کرڈالی "کبھی کبھی تم سے عقل کی بات بھی سرزد ہوجاتی ہے۔ میں اُس نابنجار کو بالکل ہی بھولی ہوئی تھی۔ اس یاددہانی کے لیے میں تمہاری شکر گزار ہوں۔"

اس بے ہودہ تعریف پر سلطان شاہ کا منہ بن گیا جیسے اس نے شکر کے دھوکے میں کونین کی گولی چبا ڈالی ہو "تم سے بات کرنا اوکھلی میں سر ڈالنے کے مترادف ہوتا ہے۔"

"سر ہر جگہ ڈالنے کے لیے نہیں ہوتا۔ تم میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ تم کبھی بھی کہیں بھی کوئی صحیح چیز نہیں ڈال سکتے۔ ہر کام صرف اپنے سر اور گز بھر کی زبان سے نکالنے کی کوشش کرتے ہو" ویرا نے اس کو تپانے کے لیے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ' معنی خیز لہجے میں کہا۔

سلطان شاہ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اس سے پیشتر کہ وہ کوئی سخت جواب دے کر خوش گوار ماحول کو مسموم کرتا' میں نے درمیان میں ٹانگ اڑادی اور ویرا سے مخاطب ہوکر کہا "آپس میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ سلطان شاہ نے مذاق ہی مذاق میں تمہیں ایک اہم معاملے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ میں کل سے تمہیں یہی یاد دلانا چاہ رہا تھا۔ تمہیں اپنے دوستوں سے میل جول میں بھی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔"

"میں تو پہلے ہی سلطان شاہ کا شکریہ ادا کرچکی ہوں" ویرا معصومیت کے ساتھ بولی "مجھے حیرت ہے کہ میری کل شام کی بے احتیاطی نے رنگ کیوں نہیں دکھایا؟ اسلام آباد کے سفر میں مجھے زیادہ ہی محتاط رہنا ہوگا کیونکہ بیشتر سفارتی افسران' کراچی اور اسلام آباد کے درمیان سفر کرتے رہتے ہیں اور ان میں سے اکثر مجھ سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

اہم مواقع پر بھیس بدل کر لوگوں کو دھوکا دینا' ویرا کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس کی اپنی ڈریسنگ ٹیبل پوری طرح آباد تھی۔ رہی سہی کسر اس نے غزالہ کے سنگھار دان سے پوری کرلی اور ایک ڈیڑھ گھنٹے کی محنت کے بعد وہ بالکل ہی نئے روپ میں ہمارے سامنے تھی۔

اس نے جلد کو جُھلسی ہوئی رنگت دینے والا ٹیننگ سولوشن استعمال کرکے اپنے جسم کے تمام کھلے ہوئے حصوں کی شمالی رنگت تبدیل کرلی تھی۔ ترشے ہوئے سنہرے بالوں کو سیاہ بالوں کی ایک وگ میں چھپالیا تھا جس کے ساتھ مغربی طرز کی مختصر سی چوٹی بھی لٹک رہی تھی۔ رنگین کانٹیکٹ لینسز کے استعمال نے اس کی نیلگوں آنکھوں کو بادامی رنگ دے دیا تھا اور یہ ساری تبدیلیاں اتنی بھرپور تھیں کہ اسے قریب سے دیکھنے میں بھی کسی خامی کا سُراغ لگانا ناممکن تھا۔ وہ ویرا کے طور پر پہچانی ہی نہیں جاسکتی تھی۔

ان تمام امکانی لیکن غیر ارادی تبدیلیوں کے بعد وہ اتفاقی طور پر اسپین یا پُرتگال کی کوئی روایتی دوشیزہ نظر آنے لگی تھی۔ گھٹنوں سے نیچے تک آئے ہوئے کشادہ اسکرٹ' اونچے گلے کے ریشمی بلاؤز اور اسکارف نے اسے ایک قدامت پرست اور شرمیلی لڑکی کا روپ دے دیا تھا۔

"اس روپ میں تم شراب کو ہاتھ نہیں لگا سکو گی" غزالہ نے تحسین آمیز نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "قدامت پسند لڑکیاں ایسی چیزوں سے دور رہتی ہیں۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟" ویرا نے فراخ دلانہ قہقہے کے ساتھ کہا "قدامت پرست عورتیں اور لڑکیاں' دیہاتی راہبوں سے بہت مرعوب ہوتی ہیں۔ یہ بگڑے ہوئے راہب بہت بدمعاش ہوتے ہیں۔ شراب نوشی کو عبادت اور ارتکاز کا ایک لازمہ قرار دیتے ہیں۔ لڑکیاں ان کے نیم تاریک حجروں میں اپنے ایک گناہ کا اعتراف کرنے جاتی ہیں تو واپسی پر ان کے ذہنوں پر دس گناہوں کا بوجھ لدا ہوا ہوتا ہے۔ ایسی لڑکیاں روز شراب نہیں پیتیں لیکن جب پیتی ہیں تو پیتی ہی چلی جاتی ہیں۔ شہروں کے مقابلے میں یورپ کے دیہی علاقوں میں بسنے والی عورتیں اور لڑکیاں آج بھی بہت سادہ لوح اور مظلوم ہیں۔"

"اے! یورپ کی دیہاتی لڑکی! میں تجھے شراب پینے سے نہیں روکوں گا" میں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "لیکن خدا کے لیے یہ تقریر بند کردے ورنہ آدھے پاکستانی نوجوان کل ہی یورپ کے دیہاتوں کی طرف کوچ کرجائیں گے اور ہر ایک چرچ کا راہب بن بیٹھے گا۔"

"یہ لڑکیاں ایسی گری پڑی بھی نہیں ہوتیں کہ ہر کس و ناکس ان پر ہاتھ ڈال دے۔ وہ لڑاکا نہیں ہوتیں لیکن عزت کو خطرہ لاحق ہونے کی صورت میں ہاتھ پیر تک توڑ ڈالتی ہیں۔ انہیں ڈھب پر لانے کے لیے ایک خاص ہُنر اور سلیقے کی ضرورت ہوتی ہے' جس میں بدمعاش راہب طاق ہوتے ہیں۔"

"اس روپ میں تمہارا نام کیا ہوگا؟" اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے ایک ایسا سوال داغ دیا جس کے جواب میں موضوع کا تبدیل ہونا ناگزیر تھا۔

"مس سینتے کاسیلو!" وہ دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ بولی "یہ بہت دلکش نام ہے۔"

ویرا کی تیاری کے دوران میں موقع نکال کر میں نے غزالہ کو بتادیا تھا کہ مافیا والے معاملے میں مجھے بے مثال کامیابی حاصل ہوئی تھی جس کے نتیجے میں حبیب جیوانی کا فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم واصل ہوچکا تھا لیکن میرے اور مافیا کے روابط کے بارے میں ان دونوں کو ویرا سے مکمل رازداری برتنی تھی۔

فون کرنے پر پی آئی اے کے ریزرویشن آفس سے پتا چلا کہ سات بجے اسلام آباد روانہ ہونے والی پرواز پر کافی نشستیں موجود تھیں اور ہم کمپیوٹر نمبر لے کر پونے پانچ بجے تک ائرپورٹ سے براہِ راست ٹکٹ خرید سکتے تھے۔ نمبر لینے کے بعد ہم نے فوراً ہی ائرپورٹ کی طرف دوڑ لگادی کیونکہ اس وقت چار بج چکے تھے اور میں اس پرواز سے رہ جانے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

ویرا نے ائرپورٹ پہنچتے ہی اردو بھول کر مخصوص لب و لہجے میں انگریزی بولنی شروع کردی۔ کمپیوٹر نمبر کے حوالے سے ہمیں سیلز کاؤنٹر سے کنفرمڈ ٹکٹ بھی مل گئے۔ پرواز میں خاصا وقت تھا اس لیے ہم چاروں ایک طرف کھڑے ہوکر باتیں کرتے اور کولڈ ڈرنک پیتے رہے اور چھ بجے غزالہ اور سلطان شاہ کو الوداع کہہ کر لاؤنج میں داخل ہوگئے۔

ہم دونوں چیک اِن کاؤنٹر سے بورڈنگ کارڈ لے کر پلٹے ہی تھے کہ ویرا کی توجہ اس سفید فام کی طرف مبذول ہوگئی جو لاؤنج میں داخلے کے بعد' اپنا سامان رکھنے کے لیے ایکسرے مشین کے سرے پر کھڑا ہوا تھا۔

وہ بانس کی طرح پتلا اور دراز قامت تھا۔ چھ فٹ سے نکلتے ہوئے' منحنی سے وجود پر لباس بے ہنگم انداز میں جھول رہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ سفید فام بیشتر نگاہوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔

"یہ امریکی سفارت خانے کا ملٹری اتاشی' راڈنی گرے ہل ہے" ویرا نے سرگوشیانہ لہجے میں میری معلومات میں اضافہ کیا۔ "اس کا شمار طاقت ور ترین سفارت کاروں میں ہوتا ہے کیونکہ اس کی آخری رپورٹ کے بغیر دونوں حکومتوں میں کوئی دفاعی یا فوجی خریداری کا معاہدہ نہیں ہوسکتا۔"

وہ اپنا مختصر سا سامان پٹے پر رکھ کر پورٹر کے ساتھ مشین کے آخری سرے پر آیا تو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرنے کے بجائے دوڑ رہا ہو۔

"یہ اتنا ہی اہم سفارتی افسر ہے تو اسے اِدھر آنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ وی آئی پی لاؤنج استعمال کرسکتا تھا" میں نے حیرت کے ساتھ کہا۔

"یہ کچھ سنکی واقع ہوا ہے۔ عام لوگوں میں گھل مل کر عوامی انداز میں کام کرنے کا دعوے دار بنا پھرتا ہے لیکن اس کی پیشانی پر ہر وقت سیکڑوں شکنیں پڑی رہتی ہیں۔ یہ چند برس پہلے میرا بوائے فرینڈ رہ چکا ہے۔"

"کیوں میرا خون جلا رہی ہو' اس بانس میں ہڈیوں اور چمڑے کے علاوہ رکھا ہی کیا ہے جو یہ کسی کا بوائے فرینڈ بننے کے قابل ہو۔ اُلّو کا پٹھا' بانس کی اولاد!" میں نے جل کر کہا۔

وہ میرے شانے سے سر ٹکا کر' کھلکھلا کر ہنس پڑی "میں میک اَپ میں نہ ہوتی تو یہ تیر کی طرح میری طرف آتا اور ہائے ڈارلنگ کہہ کر جونک کی طرح مجھ سے چمٹ جاتا۔"

"اور تم اس تصور ہی میں مری جارہی ہو!" میں نے چڑ کر کہا اور اس کا بازو تھام کر آگے چل دیا۔

طیارے میں سوار ہونے کے بعد اس سنکی امریکی سفارت کار کا عوامی انداز کا دعویٰ دھرا کا دھرا رہ گیا کیونکہ وہ فرسٹ کلاس میں سفر کررہا تھا جہاں اسے ٹوکنے والا کوئی نہیں تھا۔

دورانِ پرواز مجھے اپنی سنگین حماقت کا احساس ہوا کہ میں نے اول خان سے ظفر کے دفتر کا پتا لیا تھا اور نہ فون نمبر۔ مجھے اپنی غیر حاضر دماغی پر خاصا تاؤ آیا لیکن میں نے ویرا سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ ہوٹل سے اوّل خان کو فون کرکے بھی وہ معلومات حاصل کی جاسکتی تھیں۔

اسلام آباد کے ایک بڑے ہوٹل میں پہنچے تو پتا چلا کہ جمعرات کی شام تک وہاں کوئی کمرا ملنے کی امید نہیں تھی۔ وہاں کے پبلک فون سے دوسرے ہوٹل فون کیا تو انہوں نے دو دن بعد رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔

میں بھنّا کر پلٹا ہی تھا کہ فون کے قریب منڈلاتا ہوا ایک پستہ قامت شخص میرے پاس آگیا "میں بہترین اکاموڈیشن کا بندوبست کراسکتا ہوں' سر! گھر جیسا آرام اور کرایہ آدھے سے بھی کم۔"

میں نے استفسار طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تو اس نے انگریزی میں مجھے اپنے ساتھ آنے کا مشورہ دیا۔ راستے سے ویرا بھی میرے ساتھ ہولی اور میں نے اسے صورتِ حال سے آگاہ کردیا۔

ہوٹل کے برآمدے سے اترنے کے بعد وہ شخص ایک نیم روشن گوشے میں گملوں کے قریب رک گیا "سیکٹر ایف ایٹ میں

حسین و جمیل جنگل کے کنارے' آبادی کے سرے پر سات کمروں کا گیسٹ ہاؤس ہے۔ فل کارپٹ' کنگ سائز بیڈ' روم ہیٹر' شاور' گرم ٹھنڈا پانی' صبح کا ناشتا اور کرایہ صرف سات سو روپے!" اس کی زبان تیشینی انداز میں چل پڑی "یہ مرگلہ کے دامن میں بہترین گیسٹ ہاؤس ہے جسے مس روحی چلاتی ہیں۔"

"باقی سہولتیں؟" میں نے بائیں ہاتھ کا انگوٹھا اپنے دہانے کی طرف لے جاتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ' یس!" وہ خوش ہو کر بولا "ہر چیز اِن ہاؤس دستیاب ہے۔ گاڑی' فون اور ویڈیو سے لے کر اسکاچ تک' ہر چیز فراہم کی جاتی ہے اور کمروں میں مکمل پرائیویسی ہے۔"

اس نے دو مرتبہ "ہر چیز" پر زور دیا تھا اس لیے میں نے آہستہ سے اردو میں پوچھا "لڑکی وڑکی؟"

اس نے ایک نظر ویرا کی طرف دیکھا جو کہیں اور کھوئی ہوئی تھی پھر میری طرف جھک کر بولا "لوکل سے فارن تک' سب مل جائیں گی۔ میرا یہ کارڈ دکھائیں گے تو مس روحی آپ کو ہر لڑکی کی تصویروں کا البم دکھادیں گی۔ ان کی لڑکیوں کا ہر ہفتے میڈیکل چیک اَپ ہوتا ہے۔ کال پر آنے والیاں اپنا فٹ نیس سرٹیفکیٹ ساتھ لاتی ہیں۔ ایسی سروس پورے شہر میں کہیں اور نہیں ملے گی۔ کالوں کی وجہ سے اب ہلکی پھلکی تفریح بھی موذی بیماریوں کی زد میں آتی جارہی ہے۔ یہ لوگ پیسے کے ساتھ ساتھ ایڈز جیسی بیماری بھی ساتھ لاتے ہیں۔ مس روحی کے گیسٹ ہاؤس میں کالوں کے داخلے پر سخت پابندی ہے' اسی لیے وہ محفوظ ہے۔" اس نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کر میرے حوالے کردیا۔

میرے لیے وہ انکشاف حیران کن تھا کہ اس شہر میں وہ گندے دھندے اس قدر منظم پیمانے پر فروغ پارہے تھے اور مقتدر طبقے اپنی ناک کے نیچے دیکھنے سے قاصر تھے۔ مجھے اس شخص کی باتوں میں دلچسپی محسوس ہونے لگی۔

"تم نے میرے دل میں مس روحی کے لیے تجسس پیدا کردیا ہے۔ وہ اپنی تصاویر کا البم بھی دکھائیں گی؟" میں نے اسی جیسی ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

وہ ہولے سے مسکرادیا اور قدرے شرما کر بولا "وہ بہت شریف خاتون ہیں۔ مستقل مہمانوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ پر انہوں نے ان تمام آسائشوں کا بندوبست کیا ہے۔ وہ خود تو صرف گیسٹ ہاؤس چلاتی ہیں۔ آپ کے ساتھ یہ خوب صورت لڑکی ہے۔ آپ کو بھلا لڑکیوں کی کیا ضرورت ہوگی؟"

"یہ تو جہاز سے ساتھ ہوگئی ہے۔ ایک دو دن میں دل بھر گیا تو مس روحی سے بات کرنی ہوگی۔"

"میں کسی وقت آپ سے ملوں گا" وہ مسلسل چرب زبانی کا مظاہرہ کیے جارہا تھا "آپ کا دل بھر جائے تو اسے مس روحی سے ملادیجئے گا۔ یہ خوشی سے ان کے ساتھ رہنا پسند کرے گی۔ اسے عزت اور تفریح کے ساتھ معقول آمدنی بھی حاصل ہوگی۔ دو ایک لڑکیوں کو تو ایک وزیر صاحب مقامی شہرت بھی دلوا چکے ہیں۔"

وہ انتہا تھی۔ میرے خون میں اچانک ہی حدت پیدا ہونی شروع ہوگئی اور میں نے اس سے فوراً ہی ٹیکسی منگوانے کا مطالبہ کردیا۔ اس نے فضا میں ہاتھ لہرایا اور فوراً ہی کہیں سے ایک چمکتی ہوئی سفید کار نمودار ہو کر ہمارے قریب آرکی۔ ایک عقبی دروازہ ڈرائیور نے کھولا' دوسرا اس مہربان نے خوشامدانہ انداز میں کھول دیا اور اس وقت تک بند نہیں کیا جب تک میں نے اندر بیٹھنے کے بعد اسے سو روپے کا نوٹ نہیں دے دیا۔

"مس روحی کے گھر جانا ہے" مجھے سلام کرنے کے بعد اس نے ڈرائیور کو ہدایت دی اور گاڑی چل پڑی۔

روشن اور کشادہ سڑکوں کے اس شہر میں سفر کرتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم دونوں کسی تاریک اور گندے گڑھے میں گرنے جارہے ہوں لیکن اقامتی سہولتوں کے فقدان کی وجہ سے اس وقت وہ گندہ گڑھا بھی غنیمت تھا ورنہ پنڈی ہی بھاگنا پڑتا۔

مس روحی نہایت پُرکشش اور باوقار خاتون نظر آرہی تھی۔ سر کے بالوں کی آرائش سے لے کر لباس کی تراش خراش اور انتخاب تک میں اعلیٰ ذوق جھلک رہا تھا۔ اس کی عمر تیس برس سے قدرے متجاوز رہی ہوگی لیکن اس نے میک اَپ اور سج دھج کے سہارے کسی لڑکی کا روپ دھارا ہوا تھا۔ اگر مجھے اس کے کاروبار کے بارے میں پیشگی علم نہ ہوچکا ہوتا تو میں یقیناً اس کو وہی تعظیم دیتا جو حسن پرست' پارسا حسینوں کو دیا کرتے ہیں۔

گیسٹ ہاؤس کی مالکہ ہونے کے ساتھ منتظمہ بھی وہ خود ہی تھی۔ گیسٹ ہاؤس تین منزلوں پر مشتمل تھا۔ گراؤنڈ فلور اور پہلی منزل کے علاوہ ایک تہ خانہ بھی تھا جو شاید بقیہ عمارت سے کہیں زیادہ حسین تھا۔ آبادی کے سرے اور خودرَو جنگل کے آغاز پر واقع وہ مکان ایک پہاڑی کے سرے پر واقع تھا جس کی وجہ سے تہ خانہ تین اطراف سے سنگلاخ دیواروں سے گھرا ہوا تھا لیکن جنگل والی چوتھی سمت میں وہ سطح زمین پر ابھرا ہوا تھا۔ خودرُو جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی پتھریلی ڈھلانوں اور اس سے آگے گنجان جنگل کے حسین نظارے کے لیے اس سمت میں شیشے کی دیوار بنائی گئی تھی جس کے باہر مضبوط آہنی گرِل نصب تھی۔ اندر حریری اور دبیز اقسام کے دوہرے پردے تھے جن کی مدد سے اس خواب گاہ میں حسبِ مرضی ماحول پیدا کیا جاسکتا تھا۔ اتفاق سے اس وقت وہی ایک زیریں خواب گاہ خالی تھی۔ اس سے ملحقہ کمرے میں کوئی سرکاری افسر مقیم تھا۔

اس مکان کی تعمیر کچھ ایسی تھی کہ ہر منزل سے نکاسی کے دو راستے تھے۔ ان میں سے ایک لابی اور استقبالیہ سے ہو کر گزرتا تھا اور دوسرا راستہ براہِ راست اس گلی نما گیراج میں کھلتا تھا جو پھاٹک سے شروع ہو کر مکان کی عقبی دیوار تک محیط تھا۔

وہاں ہوٹل جیسی رسمی کارروائیاں نہیں تھیں۔ مس روحی اپنی ڈائری لے کر ہمارے ساتھ ہی اس کمرے میں آگئی۔ وہ مجھ سے زیادہ ویرا پر توجہ دے رہی تھی اور عجیب سی مسکان کے ساتھ مسلسل اسی کو دیکھے جارہی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ہمیں وہاں بھیجنے والا دلال' ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی روحی کو ہمارے کوائف سے آگاہ کرچکا تھا۔ روحی کی نظروں میں' مَیں تو بس چند دنوں کا خریدار تھا جب کہ ویرا کے روپ میں اسے ایک ایسا پنچھی نظر آرہا تھا جو اس کی چھتری پر آبیٹھا تھا اور وہ کئی مہینوں بلکہ سالوں کے لیے اسے پھانسنے کے خواب دیکھ رہی تھی۔

روحی نے اپنی ڈائری میں صرف میرا نام لکھا' میں نے اسے دو ہزار روپے پیشگی دیے اور پھر وِسکی کی فرمائش کرڈالی۔ دراصل آج صبح جن پینے کی وجہ سے میرا سر بھاری ہو رہا تھا جس کا توڑ وِسکی سے ہی ہوسکتا تھا۔ روحی نے کشش انگیز مسکراہٹ کے ساتھ چند نام گنوادیے "آپ کون سی پینی پسند کریں گے؟" اس نے انگریزی ہی میں گفتگو جاری رکھی تھی کیونکہ ویرا بدستور اردو سے ناآشنا بنی ہوئی تھی۔ آپ جناب کا اظہار اس کے لب ولہجے سے ہی کیا جاسکتا تھا ورنہ اس کا لفظی خطاب تم تک محدود تھا کیونکہ انگریزی میں گالی کھانے اور عزت مآب کہلوانے والے کے لیے تُو' تم اور آپ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ تُو کا زمانہ شیکسپیئر کے ساتھ لد گیا تھا اور محمود و ایاز کے لیے ایک ہی صف باقی رہ گئی تھی۔

"اپنی مرضی سے منگوالو" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "لیکن دس منٹ بعد۔"

"ہاں' تمہیں فریش اَپ بھی تو ہونا ہے۔ میں بلیو لیبل یا رائل سلیوٹ لے آتی ہوں" وہ خود ساقی گری پر آمادہ تھی۔

"ان کا خمار صبح سے پہلے نہیں چڑھے گا اور کل کام کا دن ہے۔ بلیک لیبل یا شیواز ٹھیک رہے گی۔"

میں نے مختصر الفاظ میں ویرا کو طمع کے نیچے چھپے ہوئے اس بھڑ خانے کی اصلیت کے ساتھ ہی اپنے اس جھوٹ سے بھی آگاہ کردیا جو میں نے اس کے بارے میں بولا تھا۔ ویرا وہ سب سن کر خوش ہوگئی۔ اس کا خیال تھا کہ تبدیلی کے لیے وہ ایڈونچر اچھا رہے گا۔

اسی اثنا میں' میں نے نو کا ہندسہ ڈائل کر کے لائن حاصل کی اور پھر اول خان کا نمبر ملانے لگا۔

پچھلی رات کی کارگزاری کے بکھیڑے سمیٹنے کے چکر میں وہ اس وقت بھی اسٹیشن فور پر ہی موجود تھا۔ وہ کئی سیکنڈ تک یقین نہیں کرسکا کہ میں اچانک ہی اسلام آباد پہنچ چکا تھا۔

"کم از کم مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم وہاں کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" آخر کار اُس نے سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں۔ فی الحال تو صرف ظفر سے ملنے کا ارادہ ہے۔ اس کے دفتر کا پتا درکار ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ بے کار ہوگا۔ اس کا دفتر نوانٹری زون میں ہے۔ وہاں چڑیا کا بچہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ تم اسے فون کرلینا۔ وہ خود تم سے ملاقات کی کوئی راہ نکال لے گا۔"

اول خان مجھ سے الجھ رہا تھا جب کہ میں زیادہ وقت برباد کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں نے اس سے ظفر کے دفتر کے دو نمبر لینے کے بعد گفتگو کو مختصر کرتے ہوئے فون بند کردیا۔

ریسیور رکھتے ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری طرف سے روحی بول رہی تھی اور اس کی آواز میں خمار آلود بھاری پن نمایاں تھا "نادر صاحب! آپ ذرا سی دیر کے لیے میرے پاس آسکتے ہیں؟"

"ابھی تو میں باتھ روم خالی ہونے کا انتظار کررہا ہوں' کیا بات ہے؟"

"میں دخل اندازی پر معذرت خواہ ہوں" اُس کے لہجے میں لگاوٹ کا عنصر بڑھ گیا "دراصل میں آپ کو تین البم دکھانا چاہ رہی تھی' فون پر یا آپ کے روم میں یہ بات نہیں ہوسکتی۔"

"آج رات تو میں اس البم کو دیکھنا چاہوں گا جو میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ اس سے مایوسی ہوئی تو میں کل ضرور بات کروں گا مگر تمہارے ایجنٹ نے تو کہا تھا کہ تم اس کا کارڈ دیکھے بغیر کسی پر اعتماد نہیں کرتیں؟"

"آپ کی بات اور ہے" اس کی آواز دھیمی ہوگئی "حنیف نے مجھے فون پر سب کچھ بتادیا ہے۔"

"مجھے یہ جاننے میں گہری دلچسپی ہے کہ کیا میں تمہاری تصاویر بھی دیکھ سکوں گا؟"

وہ دھیمے سے ہنس پڑی اور بُرا مانے بغیر بولی "میں پروفیشنل نہیں ہوں لیکن آپ کو دیکھنے کے بعد دوستی کرنے کی خواہش پیدا ہوگئی ہے۔ کوئی زندہ پیکر سامنے ہو تو اس کی تصاویر کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں یہاں اچھا وقت گزار سکوں گا" میں نے خوش دلی سے کہا "فی الحال تو مجھے اسکاچ کا انتظار ہے۔ مس سینتے کا سیلو باتھ روم سے نکلنے ہی والی ہے۔"

"میں پانچ منٹ میں سامان بھجواتی ہوں۔ میرے پاس صرف شیواز رہ گئی ہے۔"

"وہی چلے گی' لیکن تم تو خود ساقی گری کے موڈ میں آئی ہوئی تھیں..."

اس نے خوش خلقی سے میری بات کاٹ دی "میں کباب میں ہڈی بننا پسند نہیں کروں گی۔ آج سینتے نے آپ کو بہت زیادہ متاثر کیا ہوا ہے۔ آج اسے دیکھ لیں' ہم کل بھی مل سکتے ہیں۔"

"تم حسین ہونے کے ساتھ ہی بہت سمجھ دار بھی ہو۔ ایسا کم ہی دیکھنے میں آتا ہے۔"

"شکریہ اور شب بخیر!" اس نے معنی خیز لہجے میں وہ فقرہ ادا کرکے انٹرکام بند کردیا۔

چند روز پہلے کی بات تھی کہ میں بینکاک میں ہونے والے گھناؤنے دھندوں کے بارے میں سوچ سوچ کر پاگل ہوا جارہا تھا۔ جہاز پر سفر کے دوران ٹکرانے والی روزی نامی تھائی نائکہ کی شرمناک سرگرمیوں نے مجھے حیران کردیا تھا کہ کھلے بندوں' جسموں کا بیوپار کرنے والی اس قوم کے معزز لوگ اپنے قومی افتخار کو کیسے بحال رکھتے ہوں گے اور اب مس روحی میرے سامنے تھی' جو کم وبیش ان ہی پیشہ ورانہ خطوط پر دولت بٹورنے میں مصروف تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ہمارے ملک میں روحی جیسی عورتوں کی بہتات نہیں تھی۔ وہ چوری چھپے اور چیدہ چیدہ حلقوں میں گلشن کا کاروبار چلا رہی تھیں جہاں تک رسائی عام آدمی کے بس میں نہیں تھی لیکن تھائی لینڈ میں عموماً اور بینکاک میں خصوصاً دنیا کے اس قدیم ترین پیشے کو ایک اعتبار سے گھریلو صنعت کا درجہ حاصل تھا اور عیاشی کی سہولتیں' مقامی و غیر ملکی یا قلاش و لکھ پتی کے امتیاز کے بغیر ہر کس وناکس کو حاصل تھیں۔ بڑھیا مال کے اونچے دام وصول کیے جاتے تھے اور چالو مال آٹھ' دس امریکی ڈالروں میں بھی ہاتھ آجاتا تھا۔ مس روحی کا راستہ وہی تھا لیکن غنیمت تھا کہ یہ لعنت ابھی گنے چنے قحبہ خانوں تک ہی محدود تھی۔

ہماری خواب گاہ یا کمرے میں مِنی بار موجود تھا۔ چھوٹے سے ریفریجریٹر میں کولڈ ڈرنک اور سوڈے کی بوتلوں کے علاوہ پانی' برف اور پنیر کے پارچے موجود تھے۔ ان میں سے کسی شے میں الکحل شامل نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک عورت خوب صورت ٹوکری میں شیواز ریگل کی بوتل' دو چمکتے ہوئے گلاس اور آئس پاٹ لے آئی۔ ایک پلیٹ میں مونگ پھلی کے نمکین دانوں اور بھنے ہوئے غیر ملکی کاجو کی تھیلیاں بھی موجود تھیں۔ روحی صرف شراب ہی فراہم نہیں کرتی تھی بلکہ ایک اچھی میزبان کی طرح مے نوشی کے لوازم کا بھی خیال رکھتی تھی۔

اندر سے دروازہ بولٹ کرکے' ہم دونوں شیشے کی دیوار کے ساتھ پڑی ہوئی میز کے گرد بیٹھ گئے۔ مکان کے اوپری حصے سے سرسبز جنگل پر روشنی ڈالنے کا انتظام تھا جس کی وجہ سے دور تک پھیلے ہوئے جنگل کا خاصا حصہ واضح طور پر نظر آرہا تھا جب کہ ہمارے دوسرے پہلو پر آرام دہ بستر اور دیگر آسائشیں میسر تھیں۔

اس حسین اور رومان پرور ماحول کا ہوٹل کی ہنگامہ خیز زندگی سے موازنہ کیا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ اسکاچ کا پہلا لارج پیگ ختم کرنے کے دوران میں ہم دونوں' روحی' اس کے دلال اور ان لوگوں کے منظم کاروبار کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں ہمیں جنگل میں چند بھیڑیے بھی اِدھر اُدھر بھاگتے نظر آئے۔ آبادی سے ملحق جنگل میں حیوانی زندگی کے وہ آثار اس ماحول کو پُراسرار بنا رہے تھے۔

گلاس خالی کرکے میں نے فون سنبھال لیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ظفر فرض شناس افسر ہونے کے ساتھ ہی مجرد بھی تھا اور اپنی راتیں دفتر کے قریب ہی گزارنی پسند کرتا تھا۔ اس وقت رات کے دس بجنے والے تھے لیکن اس سے رابطہ ہونے کی موہوم سی امید میں' میں نے اس کا نمبر ملا ہی لیا۔

تیسری گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔ وہ ایس ٹی ایف کا کوئی گارڈ وغیرہ تھا۔ اس نے ظفر کا نام سنتے ہی مجھے لائن ہولڈ کرنے کے لئے کہا اور چند سیکنڈ بعد ظفر لائن پر آگیا۔ اول خان کی طرح وہ بھی یہ جان کر حیران رہ گیا کہ میں اسلام آباد میں موجود تھا۔ میں نے اس پر یہی ظاہر کیا تھا کہ میں کسی ذاتی کام کے سلسلے میں وہاں آیا تھا اور اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر اُس سے ملاقات کرنی چاہ رہا تھا' میں نے ویرا یا اپنے ساتھ آئی ہوئی کسی لڑکی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ظفر کو شاید بلیک ہاک آپریشن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا کیونکہ اس نے اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا۔

دیر ہوجانے کے باوجود وہ اسی وقت آنے کے لئے آمادہ تھا اس لئے میں نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی اور گیسٹ ہاؤس کا پتا دینے کے بعد فون بند کردیا۔ اس نے آدھے گھنٹے میں پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔

میں ویرا کے ساتھ ظفر سے ملاقات کا پروگرام طے کرنے میں مصروف ہوگیا۔ میں نے روحی کو اطلاع دے دی تھی کہ میرا ایک مہمان آنے والا تھا جس کے پہنچتے ہی مجھے اطلاع دے دی جائے تاکہ میں اوپر جاکر اسے خوش آمدید کہہ سکوں۔

ظفر مقررہ وقت سے کئی منٹ پہلے گیسٹ ہاؤس پہنچ گیا۔ پروگرام کے مطابق ویرا باتھ روم میں جا گھسی اور میں کمرے سے نکل کر اوپر چل دیا۔ وہاں مختصر سی لابی میں ایک جوڑا صوفے پر بیٹھا' راز و نیاز میں مصروف تھا۔ روحی اپنی اُدھیڑ عمر ملازمہ کے ساتھ کاؤنٹر پر مصروف تھی اور ظفر ٹہل رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ مجھے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔

ظفر کے سانسوں میں الکحل کی موہوم سی بو رچی ہوئی تھی جس نے مجھے چونکا دیا۔ اس نے میرے سامنے کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا تھا اور میں اسے زاہد ہی سمجھتا چلا آرہا تھا۔ اگر زُہد کے چھلکے میں رِند چھپا ہوا تھا تو میرے کمرے میں اس کے امتحان کا پورا بندوبست تھا۔

میں اُسے اپنے ساتھ کمرے میں لے آیا۔ اندر قدم رکھتے ہی' شیشے کی دیوار کے اس پار نظر آنے والا جنگل کا نیم روشن منظر دیکھ کر وہ مبہوت سا رہ گیا "یہ تو بہت حسین جگہ ہے لیکن خطرناک بھی ہے۔ اس جنگل میں گیدڑ اور جنگلی سور بکثرت پائے جاتے تھے لیکن قرب وجوار میں آبادی بڑھنے کی وجہ سے ان کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے۔ پھر بھی یہ جانور بھوکے ہوں تو شیشہ توڑ کر اندر آسکتے ہیں۔"

"شیشے کے پیچھے لوہے کی مضبوط گرل لگی ہوئی ہے۔" میں نے وضاحت کی۔ کمرے میں روشنی کم ہونے کی وجہ سے وہ گرل پر غور نہیں کرسکا تھا "اس کمرے کا حسن یہی ہے کہ اندر ملگجے سے اجالے میں محفل سجی ہو اور باہر بھرپور چاند کی رات ہو۔ یہ مکان بنانے والے نے لوکیشن کا بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔"

"اندر بوتل کے ساتھ ایک حسینہ ہو" اس نے شیشے کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قہقہہ مار کر کہا "اور باہر گیدڑوں کا غول ہوا ہو کر رہا ہو تو یہ منظر مکمل ہوجاتا ہے۔"

"بوتل سے شوق ہو تو شیواز حاضر ہے" میں نے فوراً ہی اسے پیش کش کی۔

"تنہائی زیادہ کھَلتی ہے تو کبھی کبھار تھوڑی سی پی لیتا ہوں۔ آج ایک پیگ لیا تھا۔ تھوڑی سی چل جائے گی" اس نے بلا جھجک میری دعوت قبول کرلی۔ میں نے دانستہ اسے ایسی کرسی پیش کی کہ اس کا رخ باتھ روم کے دروازے کی طرف رہے اور ویرا باہر آتے ہی اسے دیکھ سکے۔

"اس کمرے میں تمہارے ساتھ اور کون ہے؟" اس نے میز پر رکھے ہوئے دو گلاسوں کو دیکھ کر متجسس انداز میں گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے سوال کیا۔ اس کی توجہ کا مرکز دوسرا گلاس تھا جس کے سرے پر ویرا کی گہری لپ اسٹک کے ہلکے ہلکے داغ نظر آرہے تھے۔

"ایک لڑکی ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا "اُسی کے کام سے یہاں آیا ہوں۔"

"پھر تو بس باہر ہو نکتے ہوئے گیدڑوں کی کمی ہے" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا "تم ہمیشہ اپنا گھر پورا رکھتے ہو" پھر اس نے چونک کر سوال کیا "وہ تمہارے مکاؤ کے سفر کا کیا بنا؟ میں تو تمہاری واپسی سے پہلے ہی ادھر آگیا تھا۔"

"بہت تہلکہ خیز سفر تھا۔ کبھی فرصت سے مل بیٹھنے کا موقع ملا تو وہ کہانیاں سناؤں گا۔ آخری نتیجہ یہ تھا کہ غزالہ وہاں سے میری بیوی بن کر لوٹی ہے" میں نے اپنے اور اس کے لئے اسکاچ انڈیلتے ہوئے کہا۔

اس نے گرم جوشی سے مجھے مبارک باد دی' جس کا میں حق دار تھا لیکن اس سے ملاقات کے بعد میری خلش میں کچھ اور اضافہ ہوچکا تھا۔ اوپر بھی اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے مجھے بے نام سی الجھن ستا رہی تھی۔

"تمہاری ساتھی لڑکی کہاں ہے؟" اُس نے اپنے گلاس سے چھوٹا سا گھونٹ لے کر پوچھا۔

"باتھ روم میں ہے" میں نے مُنہ بنا کر کہا "جہاز پر شوق میں پاکستانی کھانا کھالیا تھا۔ مرچوں نے ہاضمہ الٹ کر رکھ دیا ہے۔ اب دیکھو کب تک نخرے دکھاتی ہے؟"

"کوئی غیر ملکی ہے؟" اس نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"یورپ سے آئی ہے۔ مس سینتے کاسیلو نام ہے۔ دلکش لڑکی ہے لیکن اس کے ہاضمے کی خرابی نے میرا سارا موڈ چوپٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ دو دن بعد وہ واپس چلی جائے گی۔"

"بدہضمی واقعی بہت غیر رومانی بیماری ہے۔ اس تکلیف میں اسے اسکاچ سے پرہیز کرنا چاہئے۔"

"وہ تو اسی کو اپنی بیماری کا شافی علاج قرار دے رہی ہے" میں نے کہا۔

اسی لمحے میرے عقب سے ایک تحیر زدہ آواز ابھری۔ ویرا کے کہے ہوئے فقرے کے الفاظ میرے لئے ناقابلِ فہم تھے لیکن میں جانتا تھا کہ اس نے ظفر کو دیکھتے ہی ہسپانوی زبان میں اسے پہچان لینے کا دعویٰ کیا تھا۔

میری عقابی نگاہیں ظفر کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ویرا کے الفاظ سنتے ہی اس کا چہرہ دھواں ہوگیا تھا اور آنکھوں میں خوف کے سائے تیر گئے تھے لیکن اس نے لمحہ بھر میں ہی خود کو سنبھال لیا تھا "یہ کیا کہہ رہی ہے؟" اس نے کھوکھلی ہنسی کے ساتھ مجھ سے سوال کیا۔

"پتا نہیں" میں نے بے پروائی سے شانے اچکا کر کہا "کبھی کبھار اپنی مادری زبان بولتی رہتی ہے۔"

اسی اثنا میں ویرا اِٹھلاتی ہوئی ہماری میز کے قریب آگئی۔ ظفر مسلسل اسی کی طرف دیکھے جارہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے تشویش اور پریشانی جھلک رہی تھی۔ میں نے انگریزی میں ان دونوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا۔ انہوں نے تپاک سے ہاتھ ملائے لیکن ظفر کا چہرہ سرد اور بے جان ہوچکا تھا۔ وہ مسلسل ویرا کو گھورے جارہا تھا۔

"کیا تم ہسپانوی زبان جانتے ہو؟" ویرا نے اس کی بے رحمانہ نظروں کی پروا کیے بغیر، انگریزی میں سوال کیا۔

"میں نے کافی عرصہ کولمبیا میں گزارا ہے لیکن بدقسمتی سے ہسپانوی زبان کا ایک فقرہ بھی نہیں سیکھ سکا" ظفر نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا "ہاں، نہیں اور شکریہ جیسے دس پانچ الفاظ ضرور سیکھ لیے تھے لیکن تم یہ سوال کیوں پوچھ رہی ہو؟ میں اپنے چہرے مہرے سے ہسپانوی تو نہیں لگتا۔"

ویرا بے خوفی کے ساتھ ہنس پڑی۔ اس نے پورے کمال کے ساتھ اپنی آواز ہی نہیں، ہنسی تک بدل لی تھی "ڈینی نے مجھے پہلے ہی بتادیا تھا کہ تم کئی سال بوگوٹا میں رہے ہو۔ وہاں رہ کر آدمی تھوڑی بہت زبان سیکھ ہی لیتا ہے۔"

"بیٹھ کر باتیں کرو" ظفر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے، دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "تم اچھی اور دلچسپ لڑکی معلوم ہوتی ہو۔ کیا تم نے کبھی کولمبیا کا سفر کیا ہے؟"

"میرے پیٹ میں گڑبڑ ہو رہی ہے" اس نے پروگرام کے عین مطابق معذرت کرلی "میں اوپر جاکر کوئی دوا تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہوں، ورنہ میری یہ رات بستر کے بجائے باتھ روم ہی میں گزرے گی۔"

"اوہ! ایسی نازک صورتِ حال میں، مَیں تمہیں روکنے کی کوشش ہرگز نہیں کروں گا۔"

وہ ہم دونوں کی طرف ہاتھ لہراتی ہوئی، کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ اس بہانے سے اسے روجی کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا سنہرا موقع مل گیا تھا جبکہ روجی بھی اسے اپنی کال گرلز کی ٹولی میں شامل کرنے کے لئے موقعے کی تلاش میں تھی۔

ویرا کے جانے کے بعد، ظفر کافی دیر تک اپنا گلاس دونوں ہتھیلیوں میں دبائے، خالی الذہنی کے عالم میں خاموش بیٹھا رہا۔ اور میں اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر اُس کے ان ہاتھوں کا جائزہ لیتا رہا جن کی لکیروں نے اس کی ذات کے گرد مضبوط تر دفاعی حصار قائم کیا ہوا تھا۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" آخر کار ظفر نے ہی وہ سکوت توڑا "اس کے خدوخال میں ویرا کی کافی مشابہت موجود ہے۔ اگر اس کا رنگ اور حلیہ بدل دیا جائے تو یہ بالکل ویرا معلوم ہوگی۔"

"تم آواز کو بھول رہے ہو" میں نے اسے یاد دلایا "ویرا کی آواز میں مٹھاس اور لوچ ہے۔ سینتے آواز کے اس حُسن سے یکسر محروم ہے۔ ویسے تمہارا اندازہ درست ہے۔ سینتے، ویرا کی فرسٹ کزن ہے۔"

"فرسٹ کزن!" اس نے حیرت سے کہا "ویرا کا تو کوئی خاندان ہی نہیں تھا۔"

"باپ کی طرف سے واقعی خاندان نہیں ہے۔ سینتے اس کی سگی خالہ زاد بہن ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ دونوں لڑکیاں اپنی ننھیال پر گئی ہیں۔" وہ پُرخیال انداز میں بڑبڑایا پھر اس نے اچانک گلاس اٹھا کر، دو بڑے بڑے مسلسل گھونٹوں میں خالی کردیا۔

"ان پر لعنت بھیجو" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا "اور یہ بتاؤ کہ بلیو کراس ڈیل کا کیا ہو رہا ہے؟"

"سامان دھیرے دھیرے منتقل ہو رہا ہے لیکن سینتے تمہارے ساتھ کیا کر رہی ہے؟" اس کا ذہن بدستور ویرا ہی میں الجھا ہوا تھا اور وہ کسی اور موضوع پر بات کرنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ ویرا سے شباہت کی بنا پر اب سینتے تمہیں پسند آگئی ہو؟" میں نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

وہ اچانک ہی سنبھل گیا اور ہنستے ہوئے بولا "اب میری وہ عمر نہیں رہی جب ہر خوب صورت لڑکی سے عشق کرنے کو دل مچلتا ہے۔ یہ شوق اب تم ہی کو سجتا ہے.... اچھا اب میں چلتا ہوں" وہ اچانک ہی کرسی چھوڑ کر اٹھ گیا۔

"ارے، ابھی تو تم آئے ہو اور اتنی جلدی جارہے ہو۔ میں تو دو چار گھنٹے باتیں کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"بس تمہارا فون ملا تو بے دھیانی میں دوڑا چلا آیا۔ مجھے صبح جلدی بیدار ہونا ہے۔"

"پھر بھی ایک گلاس تو اور لو۔ ابھی تو سُرور بھی نہیں آیا ہوگا۔" میں نے اصرار کیا۔

"پھر سہی، اب مجھے اجازت دو" اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ وہ ایک دم ہی روانگی پر تل گیا تھا۔

"آؤ!" میں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا "میں تمہیں باہر تک چھوڑوں گا۔"

زینے طے کرتے ہوئے، ہمارے درمیان قدرے کشیدگی جنم لے چکی تھی۔ اگر وہ ظفر ہی تھا تو پھر اس کی کشیدگی کا کوئی سبب نہیں تھا۔ ویرا کے نمودار ہونے کے بعد سے اس کے رویّے میں عجب سی تبدیلی رُونما ہوچکی تھی۔

ہم اوپر پہنچے تو لابی خالی تھی اور استقبالیہ کاؤنٹر پر اُدھیڑ عمر عورت براجمان تھی۔ ظفر نے وہاں رک کر متجسس انداز میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ اسے واضح طور پر ویرا کی تلاش تھی لیکن وہ مجھ سے کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں کرسکا اور ہم دونوں برآمدہ عبور کر کے بغلی پورچ میں اتر گئے جہاں ظفر کی گاڑی موجود تھی۔

"کل کس وقت ملاقات ہوگی؟" میں نے اُس سے ہاتھ ملاتے ہوئے سوال کیا۔

"وعدہ نہیں کرسکتا۔ جب وقت ملا، فون کرلوں گا۔ تم موجود ہوئے تو آجاؤں گا۔"

"کیوں نہ ہم تمہارے دفتر کا چکّر لگالیں؟" میں نے دانستہ اسے چھیڑا "ذرا سینتے مرعوب ہوجائے گی۔"

"میرا مشورہ مانو تو اسے مرعوب کرنے کی کوششیں کرنے کے بجائے، اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرو۔ سینتے مجھے خطرناک لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ شاید ویرا اس کی مدد سے تمہارے گرد کوئی نیا جال بُننے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس سے آگے تمہیں اختیار ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے مگر اضطراری انداز میں اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"مگر کیوں؟ تمہیں سینتے میں کیا برائی نظر آئی ہے؟ اور پھر ویرا نے تو بلیو کراس ڈیل کے معاملے میں ہمارا ساتھ دے کر اپنی نیک نیتی کا ناقابلِ تردید ثبوت دے دیا ہے۔" میں نے اسے الجھا دیا۔

"بہت سی باتیں صرف محسوس کی جاتی ہیں، بتائی نہیں جاسکتیں۔ میں سینتے کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔ ویرا بھی گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے میں ماہر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بلیو کراس ڈیل سے بھی بڑے کسی چکّر میں ہو۔"

میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ وہ ویرا کے بارے میں بالکل وہی باتیں کہہ رہا تھا جو میں اس کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن کمال کی بات یہ تھی کہ اس نے ایک بار بھی اس حقیقت کا ذکر نہیں کیا تھا کہ بوگوٹا میں کرنل جیسی جونز کے آدمیوں میں، اس کا کوئی ہم شکل بھی موجود تھا۔

"میں آج اسے ٹٹولنے کی کوشش کروں گا" میں نے اس کی دل جوئی کے لئے کہا۔

"اس زیرِ زمین کمرے کے رومان پرور ماحول میں تم اس کے ہتھکنڈوں سے نہیں بچ سکو گے۔ ٹٹولنے کی کوششوں میں وہ تمہارے ہوش وحواس پر چھا جائے گی۔ وہ اندازہ لگا چکی ہے کہ تم اُس سے متاثر ہوچکے ہو۔ اسے میری طرف سے خوف لاحق ہوگیا تھا اس لئے وہ دوا کا بہانہ کر کے وہاں سے چلی گئی۔ تم نے خود دیکھ لیا کہ وہ لابی میں نہیں تھی، کہیں چھپی ہوئی ہوگی اور میرے جاتے ہی، کمرے میں لوٹ آئے گی" ظفر کی زبان آخر کار چل پڑی تھی۔

"وہ مجھے پھانس کر مجھ سے کیا حاصل کرلے گی؟ اپنا ہی پندار گنوائے گی۔"

"میں نے ایک دوست اور خیر خواہ کی حیثیت سے تمہیں سمجھادیا ہے۔ اب عمل کرنا یا نہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔"

"دلیل کے بغیر تمہارے مشورے کی حیثیت رادھا جیسی ہے۔ نہ نو من تیل ہوگا، نہ رادھا ناچے گی" میں نے فوری خیال کے تحت وہ محاورہ زبردستی اپنے فقروں میں شامل کردیا۔

ظفر لمحہ بھر کے لئے متحیر نظر آیا پھر بولا "تمہاری یہ بات میرے سر پر سے گزر گئی۔ کسی کے ناچنے یا نہ ناچنے کا اتنے زیادہ تیل سے کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ آج تم کچھ الجھی الجھی باتیں کر رہے ہو۔"

"مجھے معاف کردو!" میں نے ہنستے ہوئے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا "آج شاید میرا دماغ چل گیا ہے۔"

"چلنے کا تعلق ٹانگوں سے ہوتا ہے۔ دماغ کیسے چل سکتا ہے؟!" اس نے گہری سنجیدگی کے ساتھ اعتراض کیا "سیدھی طرح کیوں نہیں مان لیتے کہ سینتے کاسیلو کے قرب نے تمہارا دماغ خراب کردیا ہے۔"

"میں اعتراف کرتا ہوں کہ تمہاری رائے درست ہے" میں نے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیا۔

"اپنا خیال رکھنا" اس نے میری پشت تھپکتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کوئی نقصان پہنچا تو مجھے دلی اذیت پہنچے گی کہ تم نے میرے مخلصانہ مشوروں پر توجہ نہیں دی۔"

اس نے گاڑی میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی ریورس کر کے وہاں سے روانہ ہوگیا۔

میں بھی بوجھل قدموں سے واپس ہولیا۔ اس ملاقات میں،

میرے شبہات کے بارے میں خاصی پیش رفت ہوئی تھی اور میں البرٹو ویلیسا کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کے بارے میں خاصا پُر یقین ہو چلا تھا۔

ویرا نے باتھ روم سے برآمد ہوتے ہی، ہسپانوی زبان میں اسے پہچان لینے کا جو دعویٰ کیا تھا، اس پر ظفر کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا تھا اور وہ آخر تک خوف زدہ نظر آتا رہا تھا۔ بظاہر وہ میرے ساتھ بیٹھا ہوا تھا لیکن اس کا ذہن مسلسل ویرا ہی میں الجھا رہا تھا، جو اس کے سامنے سینتے کا سیلو بن کھو آئی تھی۔ بعد میں دو اردو محاوروں سے اس کی لاعلمی نے بھی میرے شبہات پر مُہر تصدیق ثبت کردی تھی۔ یقینی طور پر وہ البرٹو ویلیسا ہی تھا جو اردو سیکھنے کے بعد، کسی طویل المیعاد منصوبے کے تحت، ظفر کے روپ میں پاکستان آگیا تھا۔

اس کی آخری گفتگو سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خود بھی اپنی شناخت کے امکانات سے بری طرح خائف تھا لیکن اس بارے میں میرے کردار کا کوئی تعین نہیں کرسکا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس معاملے میں ویرا کو اپنا براہِ راست حریف تصور کر رہا تھا۔ وہ اپنی دانست میں مجھے کامیابی سے دھوکا دے رہا تھا لیکن ویرا اسے پہچان چکی تھی اور ہم لوگوں کو اعتماد میں لیے بغیر، بالا ہی بالا اس پر ہاتھ ڈالنا چاہتی تھی۔ شاید اسے یہ گمان بھی تھا کہ ویرا نے اس تک رسائی کے لئے، اپنی خالہ زاد بہن، سینتے کے ذریعے مجھے اپنا آلۂ کار بنایا تھا۔

لیکن مشکل یہ تھی کہ اپنے تمام تر یقین کے باوجود میں... بےبس تھا۔ البرٹو یا ظفر کے فنگر پرنٹس کی رپورٹ نے اسے بھرپور اور یقینی تحفظ فراہم کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے میں ایس ٹی ایف کے اس اہم افسر کو اس کی جگہ سے نہیں اکھاڑ سکتا تھا اور نہ ہی کسی کو اپنے شبہات اور مشاہدات کا یقین دلا سکتا تھا۔

بظاہر دونوں فریق اپنی اپنی کمزوریوں سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ ہمارے ظاہری مراسم بھی اپنی جگہ پر قائم تھے لیکن ہمارے درمیان بدترین سرد جنگ کا آغاز ہو چکا تھا جو کسی بھی وقت خونریز تصادم میں تبدیل ہو سکتی تھی۔ تصادم میں پہل کا سہرا اسی فریق کے سر جاتا جس کے اعصاب سرد جنگ سے کمزور پڑ جاتے۔

میں لابی میں داخل ہوا تو ویرا ایک بغلی کمرے کے دروازے پر کھڑی، روحی سے گفتگو کر رہی تھی۔ میں اپنے کمرے میں جانے کے بجائے اسی طرف بڑھتا چلا گیا۔ روحی نے دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کیا۔

"تمہاری دوست بہت پیاری اور شرمیلی ہے" روحی نے مجھے آگاہ کیا "ہو سکتا ہے کہ تمہارے فارغ ہو جانے کے بعد، یہ چند روز کے لئے میرے پاس رک جائے، اسے یہاں کا ماحول اور اپنا کمرا بہت پسند آیا ہے۔"

"لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ شرمیلی ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"تمہارا مہمان اسے مسلسل بھوکی نظروں سے گھور رہا تھا، اسی لئے یہ بہانہ کر کے میرے پاس چلی آئی۔ تمہارے دوست کے چلے جانے کی اطلاع ملنے کے بعد ہی یہ باہر آنے کی ہمت کر سکی ہے" روحی نے مجھے ویرا کی کہانی سنادی۔

"تم کمرے میں چلو، میں آتا ہوں" میں نے اس موقعے کو غنیمت سمجھتے ہوئے ویرا سے کہا اور وہ شرماتی، لجاتی ہوئی زینوں کی طرف چل دی۔ دوسرے شعبوں کے علاوہ، وہ اداکاری کے فن میں بھی پوری طرح طاق تھی۔

روحی مجھے ساتھ لے کر کمرے میں داخل ہو گئی۔ وہ کمرا بہت خوب صورت اور نفیس انداز میں سجا ہوا تھا۔ وہ مسہری پر بیٹھ گئی اور میں نے کرسی سنبھال لی۔ روحی سے میری دوستی نہیں تھی۔ وہ خوبرو، خوش لباس اور خوش بدن تھی اس لئے صنفِ مخالف کے لیے نہایت کشش انگیز تھی اور اس سے اسی انداز میں باتیں ہوتی رہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پیشہ ور نہ رہی ہو لیکن ویرا کی طرح شوقین مزاج واقع ہوئی تھی۔ جس پر دل آجائے، اس سے مراسم بڑھانے میں عار محسوس نہیں کرتی تھی۔ اس نے چند منٹ کی گفتگو کے بعد تین مختلف درازوں سے ستائیس البم نکال کر میرے سامنے ڈھیر کر دیئے۔ پوسٹ کارڈ سائز کی رنگین تصاویر پر مشتمل ہر البم میں ایک لڑکی کی مختلف تصاویر تھیں۔ میں نے رسمی طور پر ایک البم کو کھولا تو پہلی تصویر پر نظر پڑتے ہی، البم کو واپس رکھ دیا۔ جسمانی خدوخال اور نشیب و فراز کو گاہکوں کے لئے پوری طرح نمایاں کرنے کے لئے ان تصاویر میں لباس کے استعمال سے گریز کیا گیا تھا اور روحی کے باوقار چہرے پر نگاہ ڈالنے کے بعد یہ یقین کرنا مشکل ہو جاتا تھا کہ وہ ایسی ناشائستہ تصاویر اور اس سے کہیں زیادہ ناشائستہ حرکات سے اپنی روزی کماتی ہوگی۔ میں وہاں ایک بڑے رئیس کے روپ میں پہنچا تھا اس لئے میں نے پندو نصائح کا سارا لینے کے بجائے جب باتیں کریدیں تو معلوم ہوا کہ روحی کا بینکاک اور وہاں کے فروغِ سیاحت کی کارپوریشن سے قریبی تعلق تھا۔ اس نے بینکاک میں نہایت مشکل حالات اور سخت مقابلے کے ماحول میں اپنی روزی کما کر فروغِ سیاحت کے موضوع پر چھ ماہ کا ایک ڈپلوما حاصل کیا تھا۔ تعلیمی ڈپلومے اور بینکاک کے شب و روز کے عملی تجربے کو یکجا کر کے، روحی نے اپنے گیسٹ ہاؤس کی بنیاد رکھی تھی اور بہت کامیاب تھی کیونکہ بہت سے بڑے لوگ صرف اس کے گیسٹ ہاؤس میں ایک دو راتیں بسر کرنے کی آرزو لے کر دور دراز کے شہروں سے اسلام آباد آتے تھے۔ ان بڑے لوگوں میں متعدد پردہ نشینوں کے نام بھی تھے اور یوں روحی کا گیسٹ ہاؤس مؤثر طریقے پر اسلام آباد میں سیاحت کو فروغ دے رہا تھا۔

روحی کو مجھ سے گفتگو میں لطف آ رہا تھا کیونکہ میں اس کی اَنا کی تسکین کے لیے اس کے ہر جائز و ناجائز فعل کی تعریف کر رہا تھا

لیکن میرے پاس اتنا فاضل وقت نہیں تھا۔ میں نے اس سے اگلے دن تک کے لئے اجازت لی اور اپنے کمرے میں لوٹ آیا جہاں ویرا دو گلاس تیار کیے' میری منتظر تھی۔ اس نے بیم گن تھیلے سے نکال کر گود میں رکھی ہوئی تھی۔

"اب میں بھی کسی حد تک تمہاری ہم نوا ہو چلی ہوں" ویرا نے مجھے دیکھتے ہی کہا "میرے دعوے پر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے میرا ایک ایک لفظ سمجھ لیا تھا۔ لیکن پھر فنگر پرنٹس کا کیا راز ہے؟ یہ گورکھ دھندا تو کچھ الجھتا ہی جا رہا ہے۔"

"اردو پر اُس کی دسترس بہت اچھی ہے لیکن مکمل نہیں ہے۔ محاوروں کے معاملے میں وہ بالکل صفر ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اوّل خان کو اپنی بات کا یقین کیسے دلا سکوں گا؟ وہ کچھ ماننے پر آمادہ ہی نہیں ہے۔"

"تھوڑی دیر کے لئے ان الجھنوں کو بھول جاؤ!" ویرا نے گلاس اٹھا کر میری طرف لہراتے ہوئے کہا "یہ رات اور یہ سماں' شاید پھر نہ مل سکے۔ آج ہم اپنے پرانے تعلقات کی تجدید کریں گے' لطف آ جائے گا۔"

میں نے گفتگو کی آوازوں کو دبانے کے لئے قدرے تیز آواز سے ٹیلی ویژن آن کر دیا جس پر یورپی فٹ بال چیمپئن شپ کا ایک ہنگامہ خیز میچ دکھایا جا رہا تھا اور ویرا کے سامنے آ بیٹھا "مبارک ہو کہ آج تمہیں شرمیلی کا انوکھا خطاب ملا ہے اس لیے آج تمہیں بے شرمی کی باتیں کرنے سے گریز کرنا چاہیے" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنا گلاس اٹھا لیا۔

"بہت بہتر" اس نے سعادت مندی کے ساتھ کہا "اب مسئلے دو ہیں۔ اوّل یہ کہ ظفریا البرٹو کو یقین ہو یا نہ ہو لیکن شبہ ضرور ہو گیا ہے کہ ہم اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔ ایسی صورت میں وہ کیا قدم اٹھا سکتا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ جب تک اس کے فنگر پرنٹس کا راز حل نہیں ہوتا' وہ مطمئن رہے گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس نے سرجیکل دستانوں کے قسم کی کوئی جعلی ہاتھوں پر منڈھ لی ہو اور..."

"پہلا یہی امکان میرے ذہن میں آیا تھا مگر یہ لغو ہے" میں نے اس کی بات اچکتے ہوئے کہا "کسی بھی قسم کی جعلی اصل نشانات کو چھپا کر سپاٹ تو کر سکتی ہے' نئے نشانات پیدا نہیں کر سکتی۔ اور نئے نشانات بھی ایسے جو کسی اور شخص کے فنگر پرنٹس سے سو فی صد مشابہ ہوں۔ یہ قطعی ناممکن بات ہے' دوسری طرف یہ بھی ایک مستند حقیقت ہے کہ اربوں کی آبادی میں کسی بھی دو افراد کے فنگر پرنٹس یکساں نہیں ہوتے۔ ہر ہاتھ کا اپنا ہی نمونہ ہوتا ہے۔ یہ معاملہ آسانی سے حل ہوتا نظر نہیں آتا... اب یہ بتاؤ کہ دوسرا مسئلہ کیا ہے؟"

"لاکھ برا سہی' لیکن اس کمرے میں بستر ایک ہی ہے۔ تم کہاں سونا پسند کرو گے؟" اس نے شرارت آمیز انداز میں پوچھا۔

"...اس ماحول میں ایک بستر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ آج تم پر سلطان شاہ کے اثرات نمایاں ہوتے نظر آ رہے ہیں جو کوئی اچھا شگون نہیں ہے۔"

"سونے کا وقت آیا تو دیکھا جائے گا" میں نے بے پروائی سے کہا "ہو سکتا ہے کہ بستر کے وسط میں تہ کیے ہوئے کمبل کی دیوار... حدِ فاصل کا کام کر گزرے۔ اس وقت اس بارے میں سر کھپانا بے سود ہے۔ ذرا شیشے سے باہر دیکھو کہ سرچ لائٹس کی دھیمی روشنی میں دور افتادہ جنگل کس قدر حسین اور پُراسرار نظر آ رہا ہے؟"

ہم لوگ بہت دیر تک وہیں بیٹھے' پیتے اور دنیا جہان کی باتیں کرتے رہے۔ اس وقت ویرا بالکل ہی بدلی ہوئی عورت نظر آ رہی تھی۔ ایک عام عورت کی طرح جو بس اپنے حسین خوابوں کے سہارے جیتی ہے اور عملی زندگی میں برا بھلا جو کچھ مل جائے' خندہ پیشانی سے قبول کر لیتی ہے۔

بارہ بجے گیسٹ ہاؤس سے جنگل پر پڑنے والی سرچ لائٹس بجھا دی گئیں اور شیشے کی دیوار کے اُس پار' یک بیک گھور تاریکی پھیل گئی' ویرا پھریری لے کر رہ گئی "یہ پُرہول اندھیرا تو کھانے کو آ رہا ہے۔"

باہر اندھیرا پھیلنے کے بعد وہاں بیٹھے رہنے میں کوئی لطف باقی نہیں رہا اور ہم نے وہ میز چھوڑ دی۔ ویرا بھاری پردے کھینچنے پر مُصر تھی لیکن میں نے جالی دار' حریری پردے پڑنے کے بعد اسے روک دیا۔ بیم گن میں نے اپنے سرہانے رکھ لی تھی۔

میں نے بستر پر اپنے لیے وہ حصہ منتخب کیا تھا جو شیشے کی دیوار کی سمت تھا جبکہ ویرا کو دروازے والے رخ پر سونا تھا لیکن سوئچ کے ذریعے کمرے میں اندھیرا کرتے ہی ویرا نے اپنی جگہ چھوڑ کر کمبل ایک طرف اچھالا اور ہاتھا پائی کا آغاز کر دیا۔ میں اس کے ساتھ ایک دوسرے کی حدود میں عدم مداخلت کی منصوبہ بندی ضرور کر رہا تھا لیکن اس وقت جو کچھ ہو رہا تھا' وہ میرے لئے غیر متوقع نہیں تھا۔

ویرا کے وجود کی مکاری اور اس کی دیدہ دلیریوں نے ذرا سی دیر میں مجھے ہار ماننے پر مجبور کر دیا اور صورتِ حال پر ویرا کا مکمل راج ہو گیا۔ وہ اس قدر خود سر اور ضدی تھی کہ جو بات سوچ لیتی تھی' ہر صورت میں کر گزرتی تھی۔

آنکھ لگنے سے پیشتر' ہمیں حریری پردوں کی اوٹ سے کئی بار چمکتی ہوئی حیوانی آنکھیں نظر آئیں۔ شاید ہر طرف اندھیرا پھیل جانے کے بعد بھوکے سؤر اور گیدڑ خوراک کی تلاش میں آبادی کے قریب آ گئے تھے۔ میں ان ہی کو دیکھتے دیکھتے' کسی وقت گہری نیند کی دلدلوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

سوتے سوتے مجھے اچانک یوں محسوس ہوا جیسے بھوکے بھیڑیے

میرا لباس نوچ رہے ہوں۔ وجود میں سرایت کر جانے والی دہشت کی سرد لہر کے ساتھ میرا ذہن غنودگی سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ میرا لباس پھر کھینچا گیا۔ اس بار ہلکی سی غراہٹ بھی سنائی دی۔ میں نے بند آنکھوں میں خفیف سی جھریاں پیدا کر کے دیکھا تو سامنے اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہیں تھا اور میں بستر پر ہی موجود تھا۔

"سوتے رہے تو وہ ذبح کر ڈالیں گے" اس بار ویرا کی سرگوشیانہ غراہٹ میں نے واضح طور پر سنی۔ وہ اضطراری انداز میں میرا پائنچا کھینچے جا رہی تھی اور اس کی آواز میں غیر معمولی خوف رچا ہوا تھا۔

"دروازہ کھولو' ورنہ ہم اسے توڑ دیں گے" دروازے پر تیز دستک کے ساتھ ہی ایک بھاری مردانہ آواز گونجی اور میرے ذہن میں یک بیک پوری صورتِ حال واضح ہو گئی۔ ہمارے دروازے پر نامعلوم لوگ موجود تھے اور ویرا ان ہی کی اونچی دستکوں کی وجہ سے مجھ سے پہلے بیدار ہو چکی تھی' اوپر سے بھی کچھ لوگوں کے چلنے پھرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"بیڈ سوئچ آن کرو!" میں نے اپنے سرہانے بیم گن ٹٹولتے ہوئے سرگوشی کی۔

"آن ہے۔ شاید بجلی بھی بند کر دی گئی ہے" وہ میرے کان کے نیچے منمنائی۔

"آؤ!" میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور ہم دونوں دروازے کے برابر میں دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ مجھے حیرت تھی کہ ہمارا دروازہ اتنی دیدہ دلیری کے ساتھ پیٹا جا رہا تھا لیکن گیسٹ ہاؤس کے عملے یا وہاں مقیم مہمانوں میں سے کسی کے کان پر جُوں بھی نہیں رینگی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ اتنی ہڑبونگ کے بعد بھی ہمارا خاموش رہنا' باہر والوں کے حوصلے بلند کر سکتا تھا اس لئے میں نے فوراً ہی اونچی آواز میں ہانک لگائی "یہ کیا بدتمیزی ہے؟ زیادہ پی گئے ہو تو جا کر اپنے کمرے کا دروازہ توڑو۔ یہاں زور آزمائی کیوں کر رہے ہو؟ بلاوجہ ہماری نیند مت خراب کرو!"

"دروازہ کھولو! ہم سینتے کاسیلو سے ملنے آئے ہیں" باہر سے غرا کر کہا گیا۔

"وہ اتنی رات گئے کسی سے ملنا پسند نہیں کرتی۔ تمہیں وقت طے کر کے دن میں آنا ہو گا" میں نے براہِ راست جواب دیا پھر ان کو سنانے کے لئے نسبتاً دھیمی آواز میں ویرا سے انگریزی میں مخاطب ہو گیا "ڈارلنگ! یہ گیسٹ ہاؤس والے کہاں مرے ہوئے ہیں جو اتنی دھاچوکڑی کے بعد بھی ادھر متوجہ نہیں ہوئے؟"

"تم دونوں کے علاوہ ہر فرد اپنی جگہ پر بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ ان سے کسی مدد کی امید نہ رکھو اور شرافت سے دروازہ کھول دو۔ ہمیں دروازہ توڑنا پڑا تو مار مار کر تمہارا بُھرکس نکال دیں گے" باہر سے کسی دوسری آواز نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

گیسٹ ہاؤس کے مہمانوں سمیت' سب لوگوں کو بے ہوش کرنا بچوں کا کھیل نہیں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ پوری تیاریوں کے ساتھ آئے تھے اور ان کی نفری بھی زیادہ رہی ہو گی۔

"ہمت ہے تو دروازہ ہی توڑ ڈالو!" میں نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد کہا "ہم بِن بلائے مہمانوں کے لئے اپنے ہاتھوں سے دروازہ نہیں کھول سکتے۔"

"حرامی کا بچہ!" باہر سے ایک غصیلی آواز ابھری پھر اس نے "دروازہ توڑ دو!" کی ہانک لگائی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر نہایت خاموشی سے دروازے کا بولٹ گرا دیا۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی مختصر سی آواز کے بعد کوئی بھاری بھرکم وجود دروازے سے ٹکرایا اور دروازے کا معمولی سا قفل ٹوٹنے کے ساتھ ہی اپنی جھونک میں کمرے میں آ گرا۔ میں نے پیچھے سے ہاتھ ڈال کر اسے اسی کے زور میں اوپر اچھال دیا۔ وہ مسہری پر سے اڑتا ہوا شیشے کی دیوار پر جا گرا۔ پُرشور چھناکوں میں' میرے شکار کی دلدوز چیخیں بہت نمایاں تھیں۔ شاید ٹوٹنے والے شیشے کے تیز دھار ٹکڑے اس کے بدن میں پیوست ہو گئے تھے۔ اس کے پیچھے دوسرا اور پھر تیسرا اندر آیا اور وہ دونوں بھی گالیاں بکتے ہوئے ایک دوسرے پر ڈھیر ہو گئے۔ غالباً ویرا نے دروازے کی اوٹ سے ٹانگ اڑا کر انہیں منہ کے بل گرایا تھا۔

میں نے پلٹ کر تیزی سے لات گھمائی اور ان میں سے ایک میری زد میں آ گیا۔ وہ کریہہ چیخ مار کر دوبارہ دروازے کی طرف الٹا اور وہاں ویرا اس پر ٹوٹ پڑی۔ تیسرا شخص اٹھ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ اُس کا چہرہ نوچنے کی کوشش میں مجھے پتا چلا کہ اس کے چہرے پر نقاب منڈھا ہوا تھا۔

اس وقت تک بیم گن بدستور میرے ہاتھ میں تھی۔ لیکن میں نے اسے استعمال نہیں کیا تھا۔ وہ تینوں بے خبری میں اس طرح مارے گئے تھے کہ اگر وہ مسلح بھی رہے ہوں تو انہیں اپنے ہتھیاروں کو استعمال کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ بلکہ ان کے پستول وغیرہ شاید ان کی گرفت سے ہی نکل گئے تھے ورنہ انہوں نے بوکھلاہٹ میں ایک آدھ فائر ضرور جھونک مارا ہوتا۔

اس وقت مقابلہ برابر کا تھا۔ شیشے کی دیوار پر گرنے والا اس بری طرح زخمی ہوا تھا کہ دوبارہ اٹھ ہی نہیں سکا تھا اور اپنی جگہ پر پڑا' کراہے جا رہا تھا۔ ایک مجھ سے الجھا ہوا تھا اور دوسرے کو ویرا سنبھال رہی تھی۔ کمرے میں گھور اندھیرا ہونے کی وجہ سے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے لیکن پھر بھی صورتِ حال اتنی مخدوش نہیں تھی کہ میں بیم گن استعمال کر کے کسی قتل میں ملوث ہونے کا خطرہ مول لیتا۔ اسی کے ساتھ مجھے یہ ڈر بھی تھا کہ اس دھینگا مشتی میں بیم گن ایک مرتبہ میرے ہاتھ سے نکل گئی تو دوبارہ ہاتھ نہیں آ سکے گی۔ آثار یہ بتا رہے تھے کہ گیسٹ ہاؤس میں ہمیں گھیرنے کا مکمل بندوبست کر لیا گیا تھا اور ہمیں موقع ملتے ہی وہاں

سے فرار کی راہ اختیار کرنی تھی۔ ان سے مقابلہ کرنے میں سراسر خسارہ ہی خسارہ نظر آرہا تھا۔

ایک بار موقع ملتے ہی، میں نے اپنے حریف کے جبڑے پر بیم گن کا آہنی دستہ رسید کیا اور وہ لڑکھڑا کر مسہری پر ڈھیر ہوگیا۔ میں نے اس مہلت کو غنیمت سمجھتے ہوئے، بیم گن پھرتی سے جیب میں ڈالی اور اس پر ٹوٹ پڑا۔ وہ بالکل ہی بودا نہیں تھا، مکوں، لاتوں اور گھٹنوں کے وحشیانہ استعمال سے مجھے اپنے اوپر سے اچھال پھینکنے کی کوششیں کرتا رہا۔ ادھر میں اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اسے بھی شیشے کی ٹوٹی ہوئی دیوار کی طرف پہنچادوں جہاں وہ مرنے سے محفوظ رہتا لیکن ٹوٹے ہوئے شیشوں سے لہولہان ہو کر لڑنے کی طاقت سے محروم ہوجاتا۔ اس کو حقیقی خطرے کا ذرا بھی ادراک نہیں تھا اس لئے میری کوششیں بار آور ثابت ہو رہی تھیں۔ مسہری کے دوسرے سرے پر پہنچ کر، میں نے لمحہ بھر کے لئے اسے اپنی گرفت سے آزاد کردیا۔ وہ تڑپ کر قالین پر کھڑا ہوا، میں اسی سنہرے موقعے کی تلاش میں تھا۔ میں نے اس کی گردن جکڑ کر اسے اپنی پشت پر سے اسی سمت میں اچھال دیا، جدھر اس کا پہلا ساتھی پڑا ہوا کراہ رہا تھا۔ اس کی دبی دبی چیخیں میری تسلی کے لیے کافی تھیں۔ میں پلٹا تو ویرا میرے سامنے موجود تھی۔ اس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔

"اوپر والے کسی بھی لمحے ادھر آسکتے ہیں" اس نے ہانپتے ہوئے، انگریزی میں کہا "میں نے دروازہ دوبارہ بولٹ کردیا ہے۔ گرل کاٹ کر جنگل کی طرف نکل بھاگو۔ اوپر سے کئی افراد کے چلنے پھرنے کی آوازیں آرہی ہیں۔ ادھر گئے تو ہم بری طرح پھنس جائیں گے۔"

"مگر یہ مضبوط گرل کیسے کٹے گی؟" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"بیم گن کہاں ہے؟" اس نے دانت پیس کر مجھے جھنجوڑ ڈالا۔ "اسے استعمال کیوں نہیں کرتے۔"

میں نے بیم گن کا رخ گرل کی طرف کرکے ٹرائیگر آن کیا اور اپنے ہاتھ کو ایک بڑے دائرے کی صورت میں تیزی کے ساتھ گردش دی۔ کمرا تیز نیلگوں روشنی سے بھر گیا۔ ویرا نے اس روشنی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دونوں کراہتے ہوئے زخمیوں کی کنپٹیوں پر اپنے پستول کا دستا بجایا اور انہیں خاموش کردیا۔

میرے ہاتھ کی گردش مکمل ہوتے ہی آہنی گرل کا کافی بڑا حصہ پُرشور آواز کے ساتھ، باہر کی سنگلاخ زمین پر گر گیا۔ اسی وقت دروازے کو زور وشور سے پیٹا جانے لگا۔ غالباً اوپر والے اپنے ساتھیوں کی تلاش میں ہمارے کمرے تک آپہنچے تھے اور تقریباً چیخ چیخ کر اپنے اندر والے ساتھیوں سے صورتِ حال کے بارے میں دریافت کر رہے تھے لیکن انہیں جواب دینے والے خاموش پڑے گہرے گہرے سانس لے رہے تھے۔

ویرا نے اندازے سے الماری کی طرف چھلانگ لگائی۔ اسی لمحے دروازے پر ایک دھماکا ہوا اور اس کی چولیں چرچرا کر رہ گئیں۔ باہر والوں نے وحشت اور اضطراب کے عالم میں دروازہ توڑنے کی کوششوں کا آغاز کردیا تھا اور وہ کسی بھی لمحے دروازہ گرا کر اندر آسکتے تھے۔

"کہاں مرگئیں؟" میں مضطربانہ انداز میں غرایا اور ویرا ہمارے سامان کا بیگ سنبھالے آگئی۔ میں اس کا ہاتھ تھام کر کٹی ہوئی گرل سے نکل ہی رہا تھا کہ دروازے پر دوسری ضرب لگی۔ اس بار لکڑی ٹوٹنے کی آوازیں بہت نمایاں تھیں۔ یہ بات یقینی تھی کہ دروازہ تیسری ضرب برداشت نہیں کرسکے گا۔

ہم دونوں نے باہر نکلتے ہی، خودرو جھاڑیوں سے ڈھکے ہوئے سنگلاخ میدان سے تاریک جنگلات کی طرف دوڑ لگادی۔ گیسٹ ہاؤس پر چھائی ہوئی مکمل تاریکی اور اندھیری رات کے علاوہ کوئی بات ہمارے حق میں نہیں تھی۔ آگے بھوکے گیدڑ اور جنگلی سور ہمارے استقبال کے لئے تیار تھے اور پیچھے ہمارے خون کے پیاسوں کی ٹولی ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس تھی۔

اونچے نیچے پتھریلے راستے پر ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے میرا ذہن البرٹو ویلیسا میں الجھ گیا۔ ہم پر مارے جانے والے اس ہولناک شب خون نے یہ ثابت کردیا تھا کہ ظفر کے روپ میں البرٹو ویلیسا ہی اسپیشل ٹاسک فورس میں گھسا ہوا تھا اور اس نے اپنی پوزیشن کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایس ٹی ایف ہی کو ہمارے خلاف استعمال کرڈالا تھا ورنہ پاکستان میں اس کا کوئی بھی ہمدرد نہیں تھا۔ کوئی تھا تو بس اوّل خان تھا جو کراچی میں بیٹھا ہوا تھا۔

اس کے بارے میں اول خان کا رویّہ یاد آنے پر میرے حلق میں تلخی سی گھلنے لگی۔ اول خان کسی دشمن کا ہمدرد یا ہم نوا نہیں ہوسکتا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ البرٹو کو ظفر سمجھ رہا تھا۔ فنگر پرنٹس کے موازنے کے بعد تو اسے اس امر میں کوئی شبہ ہی نہیں رہا تھا اور وہ ظفر کے خلاف مزید کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں تھا۔

اس کو البرٹو ویلیسا کی اصلیت کا یقین دلانے کے لئے ضروری تھا کہ ظفر کے فنگر پرنٹس کی پہیلی حل کی جائے، جس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ ایسا لاینحل معمّا تھا کہ اس نے میرے دماغ کی چولیں ہلاکر رکھ دی تھیں۔

تاریک جنگل کے مختلف حصوں سے بھوکے گیدڑوں کی آوازیں آرہی تھیں اور ہمارے پیچھے متعدد غضب ناک آوازیں سنائی دے رہی تھیں جو ہوا کے دوش پر کبھی ہلکی اور کبھی تیز ہوجاتی تھیں۔ میں صرف یہ دعا مانگ رہا تھا کہ ہمارے پیچھے آنے والوں کے پاس طاقتور سرچ لائٹس نہ ہوں۔ بصورتِ دیگر وہ جنگل تو کیا، پاتال میں بھی ہم تک پہنچ سکتے تھے۔

☆☆☆

بھاگتے بھاگتے ویرا کی رفتار سست پڑنے لگی۔ اسی کے ساتھ وہ ہانپ بھی رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟ کیا تھک گئی ہو؟" میں نے اسے اپنے ساتھ تقریباً گھسیٹتے ہوئے سوال کیا۔

"تھکی نہیں ہوں، دھاردار پتھروں نے میرے پیر زخمی کردیے ہیں۔" اس نے بھنّا کر جواب دیا۔

"ایک ہی بات ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا "آخر کو صنفِ نازک ہو نا! اب یہ تو ہونے سے رہا کہ میں تمہیں اپنے کندھے پر لاد کر دوڑنا شروع کردوں۔ تم قتالۂ عالم ہونے کے باوجود قدرے بھاری ہو۔"

"میں زیادہ دیر تک نہیں دوڑ سکوں گی۔" اس نے روہانسی آواز میں احتجاج کیا۔

"نہ دوڑنا لیکن جب تک دوڑ سکتی ہو، پوری قوت صَرف کرکے دوڑتی رہو۔ نقاب پوشوں کی ٹولی ہمارا تعاقب کررہی ہے۔" میں نے عقب سے آنے والی متعدد آوازوں پر کان جماتے ہوئے کہا۔ ہم لوگ ہوا کی مخالف سمت میں دوڑ رہے تھے اس لیے ہمارے پیچھے آنے والوں کے قدموں کی دھمک، غراہٹوں اور دھمکیوں کا آہنگ ہوا کی رفتار میں کمی وبیشی کے ساتھ بڑھ اور گھٹ رہا تھا۔ خاصی دور تک دوڑ لگانے کے بعد مجھے یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ میری دعائیں بارگاہِ ربّ العزت میں شرفِ قبولیت حاصل کرچکی تھیں اور ہمارے پیچھے آنے والے خونخوار شکاری سرچ لائٹس سے محروم تھے۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ دور دور کے علاقے کو روشنی میں نہلا کر ہمارا سراغ لگا چکے ہوتے۔ وہ اندھیرے کی وجہ سے ہمارے بنائے ہوئے راستے پر نہیں آرہے تھے بلکہ ان کا رخ قدرے مختلف تھا کیونکہ ہوا کی رفتار کے اثرات سے قطع نظر، ان کی آوازوں کی شدت غیر محسوس طریقے پر گھٹتی ہی جارہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ خودرو جھاڑیوں اور سبزے سے ڈھکے ہوئے پتھریلے میدان کو عبور کرکے جنگل میں داخل ہونے کے بعد ہم خطرات سے محفوظ ہوسکتے تھے لیکن اس وقت وہ لوگ وقفے وقفے سے ہمیں رک جانے کا حکم دینے کے ساتھ ہی گولی ماردینے کی دھمکی بھی دے رہے تھے جو اُن کا ایک نفسیاتی حربہ تھا اور میں اسے خوب سمجھ رہا تھا۔

"لعنت ہو!" ویرا دوڑتے دوڑتے غصیلی آواز میں بولی "پتا نہیں تمہارے یہاں قول اور فعل میں اتنا تضاد کیوں ہے۔ میرا قیاس ہے کہ یہ ویرانہ اور جنگل کسی زمانے میں سٹی پارک کے لیے مخصوص کیا گیا تھا لیکن ابھی تک نرا جنگل ہی پڑا ہوا ہے.... ہائے، میرا پیر!"

آخر کار ہم خودرو جھاڑیوں کو پیچھے چھوڑ کر چھدرے درختوں کے درمیان گھس گئے۔ رات کے اندھیرے میں، دور سے وہی چھدرے درخت، گھنے جنگل کا سماں باندھتے رہے تھے۔

"اب مجھ سے دوڑا تو کیا، چلا بھی نہیں جائے گا۔" ویرا نے کراہتے ہوئے بدقت تمام کہا۔

اس کی آواز سے کرب کا اظہار ہو رہا تھا اس لیے میں دوڑتے دوڑتے رک گیا۔ وہ میرے ساتھ تقریباً گھسٹتی چلی آرہی تھی اس لیے وہ مجھ سے ایک دو قدم پیچھے ہی رک گئی۔

وہ رکتے ہی زمین پر بیٹھ گئی تھی اس لیے مجھے بھی نیچے بیٹھ جانا پڑا۔ میں نے اظہارِ ہمدردی کے طور پر ٹٹولتے ہوئے، اس کے پیروں کو دریافت کیا تو میرے ہاتھ نے تازہ تازہ خون کی چپچپاہٹ کو واضح طور پر محسوس کیا۔ ویرا کے پیر واقعی بری طرح لہولہان ہوچکے تھے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ اس قدر زخمی ہونے کے باوجود میرا ساتھ دیتی چلی آرہی تھی۔ میرے دل میں اس کے لیے یک بیک ترحم کا جذبہ ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

مجھے ویرا سے اپنی ہمدردی کے اظہار کا خاطر خواہ موقع نہیں مل سکا کیونکہ عقب سے ابھرنے والی غراہٹ خاصی خونخوار محسوس ہوئی تھی۔ میں تیزی سے پلٹا تو درختوں کی اوٹ میں، ایک بھیڑیا اپنے سفید سفید دانت نکالے ہم پر غرا رہا تھا۔ اس کے عقب میں بھی کئی ندیدی نگاہوں کے جوڑے چمک رہے تھے۔

شاید ویرا کے زخمی پیروں سے بہنے والے تازہ خون کی ہوا میں رچی ہوئی بُو نے ان بھیڑیوں کو ہماری طرف متوجہ کردیا تھا۔

میرا اضطراری ردِّعمل تو یہی تھا کہ ویرا سے پستول لے کر اس مختصر سے غول کو فی الفور جہنم واصل کردیا جائے لیکن اپنا تعاقب کرنے والوں کا خیال آتے ہی مجھے وہ ارادہ ملتوی بلکہ منسوخ کرنا پڑا۔ اس وقت تک تعاقب کنندگان کی آوازیں آوارہ ہواؤں کے دوش پر معدوم ہوچکی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ وہ راہ بھٹک کر کسی غلط سمت میں نکل گئے تھے۔ اگر ہم ان بھوکے بھیڑیوں پر فائرنگ کرتے تو گولیوں کا شور انہیں دوبارہ ہماری راہ پر ڈال سکتا تھا اور میں اتنا سنگین خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہی مسئلہ بیم گن کے استعمال میں بھی درپیش تھا۔ وہ ہتھیار بے حد مہلک ہونے کے ساتھ ہی، بے آواز بھی تھا لیکن فاصلے سے وار کرنے کی صورت میں فضا کا نیلگوں روشنی میں نہانا یقینی تھا۔ وہ روشنی بھی دشمنوں کو ہماری راہ پر ڈال سکتی تھی۔

رات کی تاریکی میں، روحی کے گیسٹ ہاؤس سے بھیانک نظر آنے والا وہ جنگل درحقیقت اتنا زیادہ ہولناک نہیں تھا۔ درخت بھی بہت گھنے اور ایک دوسرے میں پیوست نہیں تھے۔ ان کے درمیان سے جابجا تاروں بھرا آسمان نظر آرہا تھا۔ میری دانست میں ویرا کا جلا کٹا تبصرہ درست ہی تھا۔ اسلام آباد جیسے نئے نویلے اور منظم شہر کے ساتھ کسی وحشت ناک جنگل کی سرے سے گنجائش ہی نہیں تھی کیونکہ وہ شہر، پوٹھوہار کے جنگلات کو صاف کرکے ہی بسایا گیا تھا۔ مجھے یاد آنے لگا کہ میں نے بھی کسی کتابچے میں ایف ایٹ سے ملحقہ، ایف نائین کے اس وسیع وعریض علاقے کے بارے

میں بڑھا تھا جسے کسی پارک کے لیے مخصوص کیا گیا تھا اور پارک کو قدرتی رنگ دینے کی خاطر' وہاں موجود درختوں وغیرہ کو برقرار رہنے دیا گیا تھا لیکن اسلام آباد بسنے کے طویل عرصے بعد بھی اس نیم قدرتی پارک میں ترقیاتی کاموں کی ابتدا نہیں کی جاسکی تھی۔ ذہن میں وہ صورتِ حال واضح ہونے کے بعد میرے لاشعور میں جمے ہوئے خوف میں نمایاں کمی ہوگئی۔ اس غیر آباد اور خودرو جنگل میں اِکا دُکا بھیڑیوں کی موجودگی غیر متوقع نہیں تھی لیکن ایسے علاقے میں جنگلی سوروں کا کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ کہانیاں آبادی کے سرے پر رہنے والوں کے دماغوں کی اختراع سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھیں۔

میں نے غور کیا تو وہ تعداد میں کُل چار تھے اور شاید اس علاقے میں ان کی وہی جملہ نفری تھی۔

بھیڑیے عام طور پر انسانوں پر حملے میں پہل نہیں کرتے اور ان سے بچ کر بھاگ نکلتے ہیں لیکن انتہائی بھوک کے عالم میں وہ کسی بھی جاندار پر منہ مارنے سے نہیں چُوکتے۔ ان چاروں بھیڑیوں کی حریصانہ نگاہوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت زیادہ بھوکے نہیں تھے' بس ویرا کے خون کی بُو نے انہیں ہماری طرف متوجہ کردیا تھا اور وہ اپنی مرغوب غذا پر جھپٹنے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے۔

"یہ مصیبت کہاں سے نازل ہوگئی؟" ویرا قدرے خوفزدہ آواز میں منمنائی۔ "اب ہم کیا کریں گے؟ میں بھاگ سکتی ہوں' نہ ان پر فائر کرسکتی ہوں۔ گولی کی آواز دشمنوں کو ہماری طرف متوجہ کر دے گی۔"

"اس جنگل کی تازہ ہوا نے تمہارے دماغ پر خاصا خوشگوار اثر ڈالا ہے۔" میں نے ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کی نیت سے' قدرے خوش دلی کے ساتھ کہا "ویسے بھاگنے کی حماقت بھی نہ کرنا۔ یہ چاروں خاصے بے ہودہ معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے چھوڑ کر' پیچھے سے تم پر ٹوٹ پڑیں گے....."

میرا فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ اس نے غصے میں مجھے دھکا دے دیا تھا۔ میرے حلق سے برآمد ہونے والی خفیف سی اضطراری آواز پر بھیڑیے بھڑک کر اچھلے اور یک بیک ان کی تعداد تین رہ گئی۔ چوتھا شاید میرے اسی ردِعمل سے خوف زدہ ہوکر بھاگ نکلا تھا۔

میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کر' ہولے سے انہیں شُشکارا اور وہ تینوں مزید پیچھے چلے گئے لیکن ان کی چمکتی ہوئی آنکھیں بدستور ہماری طرف نگراں تھیں۔

"تم میں کون سے سرخاب کے پَر لگے ہوئے ہیں جو یہ تم کو کچھ نہیں کہیں گے؟" ویرا غرّا رہی تھی۔

"مجھ میں نہیں' سرخاب کے پَر تمہاری ذات میں لگے ہوئے ہیں۔" میں نے مکار بھیڑیوں پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا "یہ تمہاری صنف اور پُرفریب صورت کا قصور ہے کہ تمہیں دیکھ کر' مرد بھی بھوکے بھیڑیوں کی طرح اپنے دانت تیز کرنے لگتے ہیں۔ اور یہ بے چارے تو واقعی بھیڑیے معلوم ہوتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے!" وہ برہمی کے عالم میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ "تم اپنا بے وقت کی راگنی الاپتے رہو۔ میں خود ہی ان سے نمٹنے کی کوئی راہ نکال لوں گی۔"

"تم بلاوجہ چراغ پا ہو رہی ہو۔ یہ دراصل تمہارے زخمی پیروں سے بہنے والے خون کی بُو پر ادھر آئے ہیں۔" میں نے جلدی سے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا "اور آبادی کے قریب رہنے کی وجہ سے انسانوں سے کسی حد تک مانوس بھی معلوم ہوتے ہیں۔"

"پھر وہی بک بک کیے جارہے ہو۔" وہ جھلّا کر بولی۔ "بھیڑیوں کی نفسیات پر ہم صبح تک بحث کرسکتے ہیں۔ فی الحال انہیں بھگانا ضروری ہے تاکہ میں یکسوئی کے ساتھ اپنے پیروں کے زخم صاف کرسکوں۔"

اسی لمحے قدرے فاصلے سے چُپ چُپ کی حریصانہ آوازیں سنائی دیں اور اس سمت میں نظریں دوڑاتے ہی مجھے مفرور بھیڑیے کی چمک دار آنکھیں نظر آگئیں۔ وہ میدان چھوڑ کر نہیں بھاگا تھا بلکہ اپنے ساتھیوں سے الگ ہوکر اُس طرف چلا گیا تھا جدھر سے ہم آئے تھے۔ وہ بڑے انہماک اور ندیدے پن سے' پتھروں پر ٹپکا ہوا' ویرا کا خون چاٹ رہا تھا اور وقفے وقفے سے ہماری طرف بھی دیکھتا جارہا تھا۔

وہ منظر دیکھ کر مجھے کراہیت کے ساتھ ہی' ہلکا سا خوف بھی محسوس ہونے لگا۔ پیٹ کی ہوس ایک حد سے تجاوز کر جائے تو ہر جان دار اندھا ہوکر اپنے شکار پر پل پڑتا ہے۔ اس وقت اسے مرنے یا مارنے کا ہوش نہیں رہتا۔ ویرا کے خون کے چند قطرے چاٹ لینے کے بعد چوتھا بھیڑیا بے صبری اور ہمت کا مظاہرہ کرسکتا تھا۔

میں نے اپنے قدموں سے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھایا اور پوری قوت کے ساتھ چوتھے بھیڑیے کی کھوپڑی کی طرف روانہ کردیا۔ گھور اندھیرے میں وہ میرا اندازہ ہی تھا جس کا انحصار اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں کی پوزیشن پر تھا۔ کھٹ کی آواز کے ساتھ ہی وہ بھیڑیا غرّاتا ہوا دور بھاگتا چلا گیا۔

ویرا نے میری تقلید میں دوسرا پتھر تین بھیڑیوں کی ٹولی پر دے مارا تھا اور وہ بھی بلبلاتے ہوئے جنگل کی سمت میں بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

بھیڑیوں کی وہ چیخ و پکار ہمارے لیے خطرناک نہیں تھی۔ غالباً وہ ہڈی کے کسی ٹکڑے یا کسی نرم و جوان مادہ کے لیے لڑتے ہوئے بھی اسی قسم کی آوازیں نکالتے' اس لیے ان آوازوں کی بنا پر ہمارے دشمن ہماری کمین گاہ کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتے تھے۔

"خس کم جہاں پاک۔" میں نے آہستگی سے کہا "اب بتاؤ کہ میں تمہارے نرم و نازک پیروں کے لیے کیا کرسکتا ہوں؟ یہاں فرسٹ ایڈ کا سامان تو ملنے سے رہا۔"

"تم کسی درخت پر چڑھ کر سوجاؤ۔ میں اپنی دیکھ بھال خود کرلوں گی۔"

"یہ خیال بھی بُرا نہیں ہے۔" میں نے اس کے جلے کٹے لہجے کو نظرانداز کرتے ہوئے تعریفی لہجے میں کہا "مضبوط شاخوں کے درمیان پھنس کر ہم دونوں ہی رات گزار سکتے ہیں۔"

"تاکہ اجالا پھیلتے ہی ہمارے دشمن ہماری گردنوں میں پھندا ڈال دیں!"

"صبح ہونے میں بہت دیر ہے۔ وہ تاریک جنگل میں اپنی پوری رات برباد نہیں کریں گے۔"

"گیسٹ ہاؤس میں اپنی شرمناک ناکامی کے بعد وہ یہاں ڈیرے بھی ڈال سکتے ہیں۔ تم بھول رہے ہو کہ انہیں ظفر کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔" اس کی آواز سے تشویش جھلک رہی تھی۔ "ہمیں جلد از جلد یہ تاریک اور خودرو جنگل عبور کرکے دوسری طرف نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر یہ سٹی پارک والا ہی علاقہ ہے تو اس کی دوسری جانب سڑک ضرور ہونی چاہیے۔ سڑک نہ بھی ہوئی تو ہم کہیں نہ کہیں آبادی وغیرہ میں ضرور نکل جائیں گے۔ ہمیں ان سے ہر قیمت پر بچنا ہوگا۔"

معاً مجھے خیال آیا کہ روحی کے گیسٹ ہاؤس سے فرار ہوتے ہوئے ویرا ہمارے سامان والا بیگ اٹھالائی تھی اور اس میں ضرورت کی دیگر چھوٹی موٹی اشیا کے علاوہ ہمارے کپڑے بھی تھے۔ لطف کی بات یہ تھی کہ وہ بیگ ویرا ہی کے کندھے سے جھول رہا تھا مگر وہ اسے یکسر بھولی ہوئی تھی۔

میری دو قمیصوں کے علاوہ اس بیگ میں ایسا کوئی کپڑا نہیں تھا جس سے پٹیوں کا کام لیا جاسکے' اس لیے میں نے فوراً ہی ایک قمیص کو لمبی لمبی پٹیوں میں پھاڑنا شروع کردیا اور ویرا ان پٹیوں کو یکے بعد دیگرے اپنے زخمی پیروں پر لپیٹنے لگی۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے میں اس کام میں اس کی مدد کرنے سے معذور تھا۔ وہ خود ہی اندازے سے بہتر تہیں جما کر' مضبوط گرہیں لگا سکتی تھی۔

"اب میں چل سکتی ہوں۔" چند منٹ بعد ہی وہ پُرعزم انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"خدا کا شکر ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "ورنہ میں تو تمہیں اپنے شانوں پر بٹھا کر دوڑ لگانے کی تیاری کرنے لگا تھا۔"

"بعض اوقات تم لفنگوں جیسی گھٹیا باتیں کرنے لگتے ہو۔" اس کی آواز میں تلخی عود کر آئی۔ "تمہیں شرم آنی چاہیے۔ اب تم ایک شادی شدہ آدمی ہو....."

"میں نے ایسی کون سی بے ہودہ بات کہہ دی جو تمہیں میری شادی یاد آنے لگی ہے۔" میں نے اس کے ہمراہ جھاڑیاں وغیرہ عبور کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"کوئی شریف عورت تمہارے کندھوں پر سوار ہونا پسند نہیں کرے گی۔"

"اوّل تو مجھے علم نہیں ہے کہ تم کب سے اچانک شریف ہوگئی ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اپنی طرف تو مرنے کے بعد بڑی بڑی شریف اور باحیا بیبیاں بھی اجنبی مردوں کے کندھوں پر سوار ہوکر آخرت کا سفر طے کرتی ہیں۔ ان کے تابوت کے ہر کونے پر کم از کم ایک مرد ضرور ہوتا ہے۔ ہاں' ولایت کی اور بات ہے۔ وہاں تابوت ڈھونے والی سیاہ گاڑیوں نے گوروں کو اس سعادت سے محروم کیا ہوا ہے۔ شوہر اپنی بیوی کا تابوت ڈرائیور کے حوالے کرکے' اپنا غم غلط کرنے کے لیے گرل فرینڈ کے ساتھ چلا جاتا ہے اور ڈرائیور وہ تابوت گورکنوں کے حوالے کردیتا ہے۔ بیوی کے بوائے فرینڈ کو توفیق ہو تو وہ اس کی قبر پر آکر دو چار آنسو بہالیتا ہے اور بس!"

"بولتے رہو!" میرے خاموش ہونے پر اُس نے استہزائیہ لہجے میں لقمہ دیا "جھینگروں کے شور اور مینڈکوں کی یکساں ٹراہٹوں کے درمیان تمہاری آواز اچھی لگ رہی ہے۔ تم یوں ہی بولتے رہو تو یہ دشوار سفر ذرا آسانی کے ساتھ کٹ جائے گا۔"

"اب لعنت ہو بولنے والے پر!" میری بھی کھوپڑی چٹخ گئی۔ "مجھے جھینگروں اور مینڈکوں سے ملا رہی ہو؟"

وہ دھیمی آواز میں ہنسنے لگی۔ "میں نے یہ کب کہا؟ ویسے پانی جاتا نشیب ہی کی طرف ہے۔"

"ابھی رات بھر ان پتھروں اور ناہموار راستوں پر چلنا پڑے گا تو سارے نشیب و فراز سمجھ میں آجائیں گے۔" میں نے غصے سے کہا "ہوسکتا ہے کہ اس سے پہلے ہی ہمیں گولیوں کی باڑھ پر رکھ لیا جائے۔"

میری برہمی کا اندازہ کرکے اس نے کچھ دیر کے لیے خاموشی اختیار کرلی اور ہم دونوں ایک دوسرے سے مخاطب ہوئے بغیر درختوں کے درمیان اپنا راستہ بناتے رہے۔ ہمارے عقب میں کافی فاصلے پر نظر آنے والی' آبادی کی روشنیاں تھوڑی دیر بعد بالکل معدوم ہوگئیں۔ گھور تاریکی میں صرف آسمان کے ستارے ہی جھلملا رہے تھے۔

کچھ دیر بعد ڈھلان شروع ہوگئی۔ اس کے فوراً بعد ہی ہلکی سی چڑھائی کا سلسلہ تھا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سٹی پارک کے لیے چھوڑے گئے' اس خودرو اور چھدرے جنگل میں' برساتی پانی نے مٹی کاٹ کر اپنی گزرگاہ بنائی ہوئی تھی جو ان دنوں خشک پڑی ہوئی تھی۔

کافی دیر تک ان ناہموار راستوں پر چلنے کے بعد مجھے تھکن کا احساس ہونے لگا' جس کا بڑا سبب یہ تھا کہ ہم دونوں ہی اپنی زبانیں بند کیے چل رہے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ خاموشی مجھے کھلنے لگی لیکن میری انا نے مجھے وہ سکوت توڑنے کی اجازت نہیں دی اور شاید یہی

صورتِ حال ویرا کے ساتھ بھی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ ہم جنگل عبور کرنے کے بجائے' اسی میں گھوم رہے ہیں۔" آخر کار ویرا نے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے' خاموشی کے اس تسلسل کو توڑ ہی دیا۔

"تم آگے آجاؤ' میں تمہارے پیچھے چلنا شروع کر دیتا ہوں۔" میں نے اسے پیشکش کی۔

"میں نے تمہیں مخاطب نہیں کیا تو تم مجھ سے بات کیوں کر رہے ہو؟"

"مجھ سے بات نہیں کی تھی تو کیا اپنا خیال درختوں کو سنا رہی تھیں؟"

"میں بلند آواز میں سوچ رہی تھی۔" اس کی بے پروایانہ آواز ابھری۔ "اب تم بول ہی پڑے ہو تو یہ بھی بتاؤ کہ گیسٹ ہاؤس میں' ہمارے کمرے پر دھاوا بولنے والے کون ہو سکتے تھے؟"

"کمال ہے کہ تم نے ایسا احمقانہ سوال کیا ہے۔ ظفر کے جانے کے بعد آنے والے' اسی کے آدمی ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسلام آباد میں ہمارا کون دشمن ہو سکتا ہے؟"

"ظفر کے آدمیوں کا مطلب ہے کہ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کے آدمی رہے ہوں گے۔ وہ اسلام آباد میں اپنے آدمیوں کا گروہ تو نہیں بنا سکتا تھا۔"

"یہ بھی سامنے کی بات ہے۔ وہ اپنی پوزیشن کا فائدہ اٹھا کر ایس ٹی ایف کو استعمال کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے ہمیں انتہائی خطرناک مجرم قرار دے کر ان لوگوں کو ہمارے پیچھے بھیجا ہو۔ اپنی پول کھل جانے کے بعد وہ ہمیں زیادہ ڈھیل دینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔"

"اس مہم کی ناکامی کے بعد اس کا کیا ردِ عمل ہو سکتا ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔

"وہ پوری طاقت اور نفری کے ساتھ ہماری تلاش شروع کرا دے گا۔"

"تمہارا اندازہ ہے کہ وہ اب بھی ایس ٹی ایف میں جما رہنے کی ہمت کر سکے گا؟"

"وہ ہمیں ہر طرف سے یکہ و تنہا کر کے گھیرنے کے لیے وہاں رہنے پر مجبور ہے۔ ویسے بھی اس کے فنگر پرنٹس کا معاملہ بہت مضبوط ہے۔ جب تک وہ رازِ حل نہیں ہو گا' ہم ایس ٹی ایف سے اس کے قدم اکھاڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔"

"میں ابھی تک تمہارے شبہات سے متفق نہیں ہو سکی ہوں۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "فنگر پرنٹس کی یکسانیت اسے ہر شبہے سے بری کر رہی ہے۔ میری زبان سے ہسپانوی زبان سننے پر اس نے جس ردِ عمل کا مظاہرہ کیا' اس کی بھی کئی تاویلات ہو سکتی ہیں۔ غیر متوقع طور پر ایک اجنبی زبان سن کر کوئی بھی چونک سکتا ہے۔ پھر وہ ہسپانویوں کے درمیان رہا ہے۔ اس زبان سے نہ سہی لیکن اس کے لب و لہجے سے ضرور واقف ہے۔ اس نے یہی سوچا ہو گا کہ تمہارے کمرے میں ہسپانوی زبان بولنے والی لڑکی کہاں سے آگئی۔"

"پھر تم اس پُراسرار حملے کو کس خانے میں فٹ کرو گی؟" میں نے سوال کیا۔

"اس معاملے میں الجھاوے بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔" اس نے بادلِ ناخواستہ اعتراف کیا۔ "فنگر پرنٹس کو نظر انداز کر دیا جائے تو تمہارے شبہات درست معلوم ہوتے ہیں لیکن ٹھوس ثبوت کے بغیر' تم اول خان سمیت' کسی کو بھی اپنا ہم نوا نہیں بنا سکو گے۔"

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ اسے بے نقاب کرنے کے لیے کیا حکمتِ عملی اختیار کرنی ہو گی؟"

"ایک راہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسے اغوا کر کے' اس پر اتنا تشدد کیا جائے کہ وہ خود ہی سچ اگلنے پر مجبور ہو جائے۔" ویرا نے اپنی رائے ظاہر کی۔

"آج کے واقعات کے بعد وہ بہت زیادہ چوکنا ہو جائے گا۔ اس پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں ہو گا۔ جو شخص کئی ہزار میل کا سفر طے کر کے' ایک حساس ادارے میں کسی اور کی جگہ سنبھالنے کا خطرہ مول لے سکتا ہے' اسے آسانی کے ساتھ زیر نہیں کیا جا سکے گا۔"

"تم اول خان کو آج کے واقعات سے آگاہ کرو گے؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد ویرا نے پوچھا۔

"اس بارے میں مجھے سوچنا پڑے گا' لیکن ایک بات طے ہے کہ میں اس بارے میں ظفر سے ضرور بات کروں گا۔ اسے آج کے حملے سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔"

"یہ بالکل احمقانہ فعل ہو گا۔" ویرا نے بے ساختہ کہا "وہ تمہاری تمام کہانی......"

میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی "ہو سکتا ہے کہ اس طرح میں اسے یہ بات باور کرانے میں کامیاب ہو جاؤں کہ مجھے اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہے اور آج ہونے والے حملے کے بارے میں اس کی ذات کو بری الذمہ سمجھ رہا ہوں۔ ویسے بھی وہ مجھ سے زیادہ تمہاری طرف سے بھڑکا ہوا تھا۔"

"اور تمہارا خیال ہے کہ وہ تمہاری اس چال کو نہیں سمجھ سکے گا؟"

"سمجھ بھی لے تو کھل کر کچھ نہیں کہہ سکے گا۔ یہ شطرنج کی ایک بازی ہو گی۔ اگر میں نے معقولیت کے ساتھ بات سنبھال لی تو شاید ہم کوئی قابلِ ذکر پیش رفت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"سرد اعصابی جنگ لڑنے کا خیال برا نہیں ہے لیکن اس بار اسے اپنے ٹھکانے سے آگاہ کرنا مناسب نہیں ہو گا ورنہ ہم بھی برداشت بھی کیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ البرٹو ویلیسا ہی ہے تو اسے اپنا مشن جاری رکھنے کے لیے ہم دونوں کو اپنی راہ سے ہٹانے کا خیال پکا ہو گا۔"

"تم بار بار خود کو بہلانے یا دھوکا دینے کی کوشش کر رہی ہو۔" میں نے قدرے ترش انداز میں کہا "روحی کے گیسٹ ہاؤس پر ہونے والی یلغار نے ہر اگر مگر کو دور کر دیا ہے۔ وہ ہمارے لہو کا پیاسا ہو چکا ہے۔ مجھے اس کے سفاکانہ عزائم کے بارے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے لیکن وہ میری طرف سے مخمصے میں مبتلا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی بھی خطرہ مول لینے کے بجائے' براہِ راست مجھے ہراسانے پر تُل گیا ہو۔"

اس بحث و تمحیص میں تھکان کا احساس بڑی حد تک معدوم ہو گیا اور کچھ دیر بعد ہی ہم نیم گنجان درختوں کے جھنڈ پیچھے چھوڑ کر ناہموار میدان میں نکل آئے جو لمبی لمبی گھاس اور خود رو جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس سے آگے دور تک ویرانہ ہی ویرانہ پھیلا ہوا تھا۔ داہنی طرف' کافی فاصلے پر مرگلہ کی سرسبز پہاڑیاں تاریکی میں بھی اپنا تاریک تر وجود نمایاں کر رہی تھیں۔

آخر کار ہم دھول اور پتھروں سے اٹے ہوئے میدان میں پہنچ گئے۔ اگر اس علاقے میں ٹرکوں وغیرہ نے کوئی کچی راہ گزر بنائی ہوئی تھی تو اتنی رات گئے وہ بھی سنسان پڑی ہوئی تھی۔ ان اطراف میں ٹریفک اور روشنی کا کوئی وجود نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے بس ایک ہی راہ رہ گئی تھی کہ ہم بائیں طرف ... چلنا شروع کر دیں۔ وہ کوشش ہمیں اسلام آباد کی کسی آبادی میں نہ سہی تو شاہراہِ کشمیر تک ضرور پہنچا سکتی تھی جہاں سے ہمیں کوئی نہ کوئی سواری مل سکتی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ مزید آگے بڑھنے سے پہلے شب خوابی کے لباس بدل لیے جائیں۔" میں نے تجویز پیش کی۔

ویرا ہنس پڑی "اس ہیت کذائی میں ہمارا جس سے بھی سامنا ہوا' وہ بھڑک کر بھاگ نکلے گا۔ سونے کے کپڑوں میں ننگے پاؤں پھرنے والوں کو فاتر العقل سمجھا جائے گا۔"

غنیمت یہ تھا کہ بیگ میں ہمارے کپڑوں کے فاضل جوڑے موجود تھے اور اندھیرا ہونے کے باوجود یہ اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ کپڑے مردانہ ہیں یا زنانہ۔ ہم دونوں نے اپنے اپنے جوڑے لیے اور ایک دوسرے سے چند قدم دور جا کر لباس تبدیل کر لیے۔ شب خوابی کے دونوں جوڑے بیگ میں ٹھونس دیے گئے۔

"مجھے تو وحشت میں کپڑوں کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔" کچھ دور چلنے کے بعد ویرا بولی "تم میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تم بدترین حالات میں بھی جزئیات کو نظر انداز نہیں کرتے۔ ہمارے جسموں پر سلیپنگ سوٹ دیکھ کر کوئی بھی رکنے کی زحمت نہ کرتا۔"

"تمہاری موجودگی میں ایسا ہونا ممکن نہیں تھا۔ یہاں کے مرد' عورتوں کے معاملے میں فاقہ زدگی کا شکار رہتے ہیں۔ تمہارے ایک اشارے پر گاڑی رک سکتی تھی۔ نسوانی شباب ہاتھ لگنے کی موہوم سی بھی امید ہو تو ہمارے مرد بڑے سے بڑا عذاب سہہ لینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔"

"آج تمہاری کھوپڑی پر ان ہی باتوں کا راج معلوم ہو رہا ہے۔" وہ میرا بازو نوچتے ہوئے غرائی "میں اکیلی ہوتی تو اور بات تھی' اکیلی عورت کو ہر لفنگا مرد' لقمۂ تر سمجھتا ہے۔ اسلام آباد کے اس ویرانے سے لے کر نیویارک کے ہارلیم اور لندن کے ہیکنی تک میں ایسا ہی ہوتا ہے مگر..."

"تم نیویارک اور لندن کے کالوں والے علاقوں کے حوالے دے رہی ہو" میں نے اس کی بات کاٹ کر احتجاج کیا "اکیلی اور خوب صورت لڑکیوں کے معاملے میں سفید فام آوارہ گرد زیادہ درندے ثابت ہوتے ہیں۔"

وہ تلخ انداز میں ہنس پڑی اور بولی "تم رنگ دار نسلوں کے لوگ بلاوجہ' ہر وقت مغرب میں رہنے والے کالوں سے اپنی رشتے داری جتانے کے چکر میں پڑے رہتے ہو اور وہ تاک تاک کر تم ہی کو نشانہ بناتے ہیں۔ امریکا میں تم پاکستانیوں کو اس قدر تحقیر آمیز انداز میں پاکی کہا جاتا ہے کہ اب یہ لفظ ایک روایتی گالی کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ کسی سفید فام کو سؤر یا حرام زادہ کہہ دو تو وہ اتنا برا نہیں مانے گا جتنا پاکی کہنے پر..."

"شاید ہم کسی سڑک کے قریب پہنچنے والے ہیں" میں نے کافی فاصلے پر ڈوبتی' ابھرتی' متحرک روشنیوں پر نظر جماتے ہوئے اس بحث کا رخ وہیں موڑ دیا "غنیمت ہے کہ تم نے کپڑے بدل لیے ہیں ورنہ شب خوابی کے لباس میں تم ٹرک ڈرائیوروں اور کلینروں کو بہت زیادہ اشتہا انگیز نظر آتیں۔"

"اور تم غیر جانب داری اختیار کر لیتے؟" اس نے غراتے ہوئے سوال کیا۔

"تم شاہراہوں پر لفٹ لینے کے خطرات سے لاعلم ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "باربرداری کی ہر گاڑی میں' اگلی نشست پر دو افراد کے بیٹھنے کی جگہ ہوتی ہے۔ تیسرا مسافر کوئی دلبر ہو تو ڈرائیور اور کلینر اسے اپنے درمیان میں جگہ دے دیتے ہیں' لیکن ہم دو افراد ہیں۔ ڈرائیور مجھے اپنے برابر میں بٹھا لیتا اور کلینر تمہیں اپنے ساتھ کیبن کی چھت پر بنے ہوئے چوبی تابوت میں لے جاتا۔ چلتے ٹرک کے شور میں میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکتا تھا کہ تاروں بھرے آسمان کے نیچے' تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔"

"میرے ساتھ ایسی کوئی صورتِ حال پیش آتی تو میں اپنے حریف کو' بلا تکلف چلتے ٹرک سے نیچے پھینک دیتی۔" ویرا میرے برابر میں آ کر بولی "تمہیں معلوم ہے کہ میں موم کی گڑیا نہیں ہوں۔ مارشل آرٹس میں اپنی مہارت کے ذریعے بڑے بڑے سورماؤں کو خاک چاٹنے پر مجبور کر چکی ہوں۔"

میں اس سے زبانی چھیڑ چھاڑ کرتا رہا اور وہ چیختے ہوئے انداز میں، میرے ساتھ بحث میں الجھی رہی۔

جب تک ہم نئی پارک کے وسیع و عریض رقبے پر اُگے ہوئے خودرو جنگل اور جھاڑ جھنکاڑ میں چلتے رہے، ہمارے ذہنوں پر انجانے خطرات کی دبیز دھند چھائی رہی لیکن اس پُرہول، آسیبی ماحول سے باہر نکل آنے کے بعد ہم دونوں ہی اس بدترین ذہنی دباؤ سے بڑی حد تک نجات حاصل کرچکے تھے۔ گنے چنے آوارہ بھیڑیے، درختوں کی بھول بھلیوں میں رہ گئے تھے اور ہمارے دشمن بھٹک کر کسی اور ہی راہ پر چل پڑے تھے۔

ہمارا یہ سفر سخت اور پُرصعوبت ضرور تھا لیکن ویرا اپنے زخمی پیروں کی پروا کیے بغیر پوری ہمت کے ساتھ میرا ساتھ دے رہی تھی۔ ہماری اس پیش قدمی کے نتیجے میں وہ سڑک لحہ بہ لحہ قریب آتی جارہی تھی جس پر داہنی اور بائیں سمت میں جانے والی اِکا دُکا گاڑیوں کی روشنیاں ہماری امیدوں کا مرکز تھیں۔

اس وقت صبح کے چار بج رہے تھے اور فضا میں سحرخیز پرندوں کی چہکار گونجنے لگی تھی لیکن میں اس خوب صورت قدرتی ماحول سے لطف اندوز ہونے کے بجائے ظفر کے متوقع ردِّعمل میں الجھا ہوا تھا۔

ویرا نے اپنے چہرے مہرے، بالوں کے انداز، لباس، زبان و بیان اور چال ڈھال میں حتی الامکان تبدیلیاں پیدا کرلی تھیں لیکن اپنے خدوخال کو بدلنا اس کے بس سے باہر تھا اسی وجہ سے ظفر کی گھاگ نگاہوں نے اس کی ذات میں ویرا کی جھلک دیکھ لی تھی لیکن میں نے اسے ویرا کی فرسٹ کزن قرار دے کر ظفر کو مطمئن کردیا تھا۔ میری اس قلابازی کے نتیجے میں ظفر ایک طرف مطمئن ہوگیا تھا لیکن دوسری طرف اسے یہ خدشہ لاحق ہوگیا کہ ویرا نے اسے پہچان لیا تھا اور مجھے اعتماد میں لیے بغیر اپنی کزن کے ذریعے اسے گھیرنا چاہ رہی تھی۔ اس بارے میں ظفر نے اشاروں کنایوں کے ذریعے میرے دل میں بھی سینتے کاسیلو کی طرف سے بدگمانیوں کے بیج بونے کی کوشش کی تھی۔ ظفر کے اس رویّے سے یہ بات ثابت ہوتی تھی کہ اس کے شبہات کا سارا زور ویرا کی ذات پر تھا اور وہ مجھے بالکل بے گناہ سمجھ رہا تھا۔

پچھلی رات بھی جن لوگوں نے روحی کے گیسٹ ہاؤس میں ہماری خواب گاہ میں گھسنے کی کوشش کی، انھوں نے میرا نام لیے بغیر صرف اور صرف سینتے کاسیلو سے ملنے کا مطالبہ کیا تھا۔ ظفر کی اس احمقانہ سوچ کی وجہ سے مجھے اپنے لیے ایک نئی راہ بنتی نظر آرہی تھی۔ اگر میں اپنے منصوبے پر کامیابی کے ساتھ عمل کرنے میں کامیاب ہوجاتا تو ظفر کی جڑوں تک میں اترنے کا موقع حاصل کرسکتا تھا۔

مجھے اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ اسلام آباد کو پشاور روڈ سے ملانے والی شاہراہ تھی یا اسی کے متوازی کوئی اور سڑک تھی لیکن غنیمت یہ تھا کہ ہم اس پر وقفے وقفے سے گاڑیوں کی نقل و حمل دیکھتے آئے تھے۔ اپنے اندازے کے مطابق ہم اس وقت اسلام آباد کے مغربی سرے پر آبادی سے باہر موجود تھے۔ بائیں طرف جانے والا ٹریفک شہر میں داخل ہورہا تھا اور میں ایسا کوئی بھی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا اس لیے ہم دونوں سڑک عبور کرکے اس سمت میں کھڑے ہوگئے جدھر سے اسلام آباد سے آنے والی گاڑیوں کے گزرنے کا امکان تھا۔

ابتدائی دس منٹ میں دو کاریں اور ایک ٹرک اسلام آباد کی طرف جاتا ہوا نظر آیا۔ اس کے بعد مخالف سمت سے ایک ٹرک آتا ہوا نظر آیا تو ہم دونوں درختوں کی اوٹ سے نکل کر سڑک کے کنارے آگئے اور لفٹ لینے کے لیے زور و شور کے ساتھ ہاتھ ہلانے لگے۔

چمکتی ہوئی سیدھی سڑک پر ٹرک کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں ڈرائیور نے دور ہی سے ہمیں دیکھ لیا تھا کیونکہ اس ویرانے میں انجن کی تیز اور یکساں گونج میں ایسی تبدیلی رونما ہوچکی تھی جیسے ڈرائیور نے ٹرک کی رفتار کم کرنی شروع کردی ہو۔

آخرکار وہ لدا ہوا ٹرک ہم دونوں سے چند گز کے فاصلے پر رک گیا۔ ڈرائیور کے ساتھ والی نشست سے ایک جواں سال اور خوبرو پٹھان لڑکا اتر کر نیچے آیا۔ ہم لپک کر اس کے قریب پہنچے تو اس کی چمکتی ہوئی پُرشوق نگاہیں ویرا کے سراپا پر مرکوز ہوچکی تھیں۔

"خان صاحب! ہمیں کسی ایسی جگہ تک پہنچادو جہاں سے ہمیں کوئی سواری مل سکے" ویرا نے اسے ریشہ خطمی ہوتے دیکھ کر اس سے خطرناک حد تک قریب ہوتے ہوئے التجا کی اور مزید ستم یہ کیا کہ اپنا داہنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا۔

ٹرک کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں اس پٹھان زادے کا لہو اس کے چہرے پر سمٹ آیا۔ ویرا نے اسے نسوانی قرب ہی سے نہیں، بلکہ اپنے گداز لمس سے بھی نواز دیا تھا۔ دوم یہ کہ اس سفید فام عورت کی زبان سے شستہ اردو سن کر اس خان زادے پر حیرتوں کے پہاڑ بھی ٹوٹ پڑے تھے۔

اس نے اضطراری طور پر اپنا کان کھجایا پھر ہمدردانہ لہجے میں پوچھا "میم صاب! تم اس وقت ادھر کیا کرتی ہے؟ یہ تو خطرناک علاقہ ہے۔"

"واقعی بہت خطرناک علاقہ ہے۔ ہم ڈاکوؤں میں پھنس گئے تھے" ویرا نے کہا۔

کلینر نے اشتباہ آمیز بلکہ خونخوار نظروں سے مجھے گھورا اور ویرا سے سوال کیا "یہ بھی اُن ہی کا ساتھی ہے؟"

"نن... نہیں!" ویرا نے بوکھلا کر وضاحت کی "یہ بے چارہ تو میرا شوہر ہے۔ ڈاکو ہم دونوں کو اغوا کرکے لے جارہے تھے۔ ہم نے بڑی مشکل سے ان کی گاڑی سے کود کر اپنی جانیں بچائی ہیں۔"

"خوچہ میم صاب! پھر تم پولیس ٹیشن چلو" وہ نئی آواز سن کر ...ہا چونک پڑا۔ پتا چلا کہ ہماری بے خبری میں ٹرک ڈرائیور بھی ویرا کی زیارت کے لیے نیچے اتر آیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ام تم کو ادھر ...چھوڑے گی۔ اسلام آباد کی پولیس ایک دم گولی ہے۔ وہ ڈاکو لوگ کو پکڑ لے گی۔"

"اس وقت ہم ننگے پاؤں اور بُری حالت میں ہیں۔ پولیس ہم ...ے بدسلوکی کرے گی۔ ہم سب سے پہلے پنڈی میں اپنے ایک ...ت کے گھر پہنچنا چاہتے ہیں۔ وہ کرنل ہے۔ اس کی موجودگی میں پولیس والے ہمارے بارے میں عزت آمیز رویّہ اختیار کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔"

پھر ویرا نے اچانک ہی پشتو بولنی شروع کرکے ان دونوں کو ہونقا کردیا۔

ویرا نے اپنی بات ختم کی تو وہ دونوں بیک وقت جوش و خروش کے ساتھ بولنے لگے۔ شاید وہ کسی بات پر بحث کررہے تھے۔ ویرا نے ان کی نظریں بچاکر مجھے آنکھ ماری پھر ان کی گفتگو میں دخل انداز ہوکر انہیں خاموش کرادیا اور ہم چاروں ٹرک کی طرف چل دیے۔

ٹرک کا انجن بدستور چل رہا تھا۔ ڈرائیور نے اپنی نشست سنبھالی، ویرا درمیان میں بیٹھ گئی اور میں کھڑکی کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کلینر کسی بندر کی سی پھرتی کے ساتھ اوپر چڑھ گیا اور دروازے بند ہوتے ہی ٹرک آہستگی کے ساتھ حرکت میں آگیا۔

ٹرک چلنے کے ساتھ ہی ڈرائیور کی زبان بھی چل پڑی۔ ویرا بھی اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ وہ دونوں یوں بے تکان بولے جارہے تھے جیسے ان میں برسوں کی پرانی شناسائی رہی ہو۔ مجھے انہوں نے عضوِ معطل سمجھ کر یکسر نظرانداز کیا ہوا تھا۔

"ہم کہاں جارہے ہیں؟" میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو میں نے کسی زن مرید شوہر کی طرح منمناتے ہوئے سوال کرنے کی جسارت کر ہی ڈالی۔

"رخ تاج خان ہمیں پیرودھائی کے اڈّے پر اتار دے گا۔ وہاں سے رات بھر ہر قسم کی سواری مل سکتی ہے" ویرا نے اردو میں میری معلومات میں اضافہ کیا۔

"برادر! تم کیوں ڈرتی ہے؟" ڈرائیور نے ویرا کے دونوں گھٹنوں کے درمیان واقع گیئر لیور کو حرکت دیتے ہوئے بزرگانہ انداز میں کہا "میم صاب نے پشتو بول کر اَمارا دل پشوری کردیا۔ تم بولے گی تو ام تم کو اسی ٹرک میں کرنل کے گھر پہنچائے گی۔ تم مت ڈرو۔ رخ تاج خان ہزاروں ڈاکوؤں کو بھی اکیلا بھگا سکتی ہے۔ میم صاب کی طرح ہمت پکڑو!"

میں اس کی ہرزہ سرائی پر خون کے گھونٹ پی کر خاموش رہا۔ اصل قصور ویرا کا ہی تھا جو دو افراد کے لیے بنائی گئی اس نشست پر رخ تاج خان سے کچھ زیادہ ہی جڑ کر بیٹھی تھی جس کے نتیجے میں رخ تاج خان کی بیٹری ضرورت سے زیادہ چارج ہورہی تھی۔

وہ ٹرک ڈرائیور ہمارے لیے لاکھ اجنبی سہی لیکن ویرا نے مجھے اپنے شوہر کی حیثیت سے متعارف کرا کے ذہنی عذاب میں مبتلا کردیا تھا۔ ڈرائیور سے میرا وہ تعارف نہ ہوا ہوتا تو ویرا اس کی گود میں بھی چڑھ بیٹھتی تو مجھے برا محسوس نہ ہوتا لیکن اس تعارف کے بعد میرے دل و دماغ میں شوہرانہ آن جاگ اٹھی تھی اور مجھے ویرا کا رخ تاج خان کے ساتھ جڑ کر بیٹھنا اور اس سے میٹھی میٹھی باتیں بگھارنا ناقابلِ برداشت محسوس ہورہا تھا، جیسے وہ واقعی میری بیوی رہی ہو۔

میں ویرا کے بال پکڑ کر اسے اپنی طرف گھسیٹ لیتا یا رخ تاج خان کو اس کی سمت کا دروازہ کھول کر سڑک پر پھینک دیتا لیکن نظریۂ ضرورت کے تحت میں کچھ بھی نہ کرسکا۔ وقت کا تقاضا یہی تھا کہ ڈرائیور کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دیے بغیر اس طرح باتوں میں الجھایا جائے کہ پیرودھائی کا لاری اڈا آنے تک وہ کوئی ڈھنگ کی بات سوچ ہی نہیں سکے۔ میرا خیال تھا کہ ویرا اسی پالیسی پر عمل کررہی تھی۔

آخرکار راولپنڈی کے آخری سرے پر واقع پیرودھائی کا اڈّا آگیا۔ ٹرک کے پوری طرح رکنے سے پہلے ہی کلینز میری طرف کی کھڑکی پر اپنی وزنی چپل سے سہارا لیتا ہوا نیچے کود گیا۔

گاڑیوں، بسوں اور مسافروں کی شب و روز آمدورفت کی وجہ سے دن رات مصروف رہنے والا وہ اڈّا اس وقت بھی آباد تھا۔ دکانیں، کیبن اور ٹھیلے بھی موجود تھے لیکن بیشتر رات گزر جانے کی وجہ سے ہر شے سے تکان اور غنودگی ٹپک رہی تھی۔

ٹرک سے اترتے ہوئے، رخ تاج خان کا چہرہ قابلِ دید تھا۔ اس کے ایک ایک نقش میں حسرتوں نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ شاید وہ ویرا کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ پر مزید وقت گزارنے کا متمنی تھا۔ ٹرک کے ڈرائیونگ کیبن سے ایک غیرملکی اور خوبصورت عورت کو برآمد ہوتے دیکھ کر وہاں موجود لوگوں میں زندگی کی سنسنی اور تحیّر آمیز سی لہر دوڑ گئی۔ اِکا دُکا لچر آوازے بلند ہوئے، چند شہدوں نے سیٹیاں بھی بجائیں لیکن جب رخ تاج خان نے سینہ نکال کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں تو ہر شخص لاتعلقانہ انداز میں اپنے پرانے کام میں مصروف ہوگیا۔

رخ تاج خان اور ویرا نے مجھے بدستور بری طرح نظرانداز کیا ہوا تھا۔ اڈّے پر مختلف سمتوں میں جانے والی تین بسیں کھڑی ہوئی تھیں۔ نئے مسافر ملنے کی امید میں تینوں ہی بسوں کے کنڈکٹروں نے اونچی آواز میں اپنے اپنے روٹ اور منزل کا اعلان شروع کردیا تھا لیکن رخ تاج خان، ویرا کا ہاتھ تھام کر ٹیکسیوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ میں کسی زن مرید بلکہ زن گزیدہ شوہر کی طرح سر جھکائے ان دونوں کی تقلید کرتا رہا۔

اس وقت لسانی یک جہتی کے کمالات یکے بعد دیگرے سامنے آتے جارہے تھے۔ ویرا نے پشتو کا سہارا لے کر رخ تاج خان کی

کھوپڑی پر برف جما دی تھی اور رخ تاج خان نے چاق و چوبند ٹیکسی ڈرائیوروں کی خوشامدانہ دعوتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے ایک دور افتادہ ٹیکسی کا رخ کیا تھا جس کا ڈرائیور ایک دروازہ کھول کر عقبی نشست پر گہری نیند سویا ہوا تھا لیکن اس کے باہر نکلے ہوئے پیروں میں پشاوری چپلیں دور ہی سے نظر آرہی تھیں۔

ڈرائیور گہری نیند سے جگائے جانے پر لمحہ بھر کے لیے برہم نظر آیا لیکن ویرا کے رخِ روشن پر نگاہ پڑتے ہی اس پر یک بیک خوش خلقی کا دورہ پڑ گیا۔ جب رخ تاج خان کے ساتھ ہی ویرا نے بھی پشتو بولنی شروع کی تو خوشگوار حیرت سے اس کے دانت نکل پڑے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے دانتوں پر چڑھے ہوئے نسوار کے رنگ نے اس کی مسکراہٹ کو بے رونق اور پھیکا کردیا تھا۔

مسکراہٹ کو زہرناک بنانے میں صرف نسوار ہی کو کمال حاصل نہیں ہے۔ ہروقت پان کی جگالی کرتے رہنے والوں کی مسکراہٹ کو جھیلنا بھی بڑے دل گردے کا کام ہوتا ہے۔ ایک فریق سے پچکاری کی دہشت لاحق رہتی ہے تو دوسرے سے گل کاری کی ہیبت رہتی ہے۔ ہاں، تسلسل سے سگریٹ پینے والوں کے دانتوں کی زردی اور رخنوں میں جمی ہوئی سیاہی اتنی بری نہیں لگتی لیکن ان کے سانسوں سے اڈنے والا تمباکو کا باسی تعفن ناقابلِ برداشت ہوتا ہے لیکن ویرا اس وقت نظریۂ ضرورت کی زنبیل میں اتری ہوئی تھی اس لیے وہ بھی ٹیکسی ڈرائیور کے لیے جواباً مسکراتی رہی۔

ان تینوں کے درمیان کوئی معاملہ طے ہونے کے بعد رخ تاج خان نے ایک گہرا سانس لے کر قہر آلود نظروں سے مجھے گھورا پھر الوداعی مصافحے کے لیے ویرا کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

صاف ظاہر تھا کہ اسے ہم دونوں کی ازدواجی حیثیت پر ذرا بھی شبہ ہوتا تو وہ پُرزور معانقہ کیے بغیر ہرگز ویرا سے رخصت نہ ہوتا۔ وہ اپنی دانست میں ویرا کو اپنی ذات کے طلسم میں گرفتار کرچکا تھا لیکن میں ظالم سماج کی نمائندگی کرتے ہوئے کباب میں ہڈی بلکہ ہڈا بنا ہوا تھا۔ رخ تاج خان نے مجھ سے ہاتھ ملانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔

ٹیکسی ڈرائیور نے ہم زبانی کے اہم اور قریبی رشتے کی خاطر عقبی نشست رگڑ رگڑ کر صاف کی، پھر خیال آنے پر مزید صاف کی اور دروازہ کھول کر کسی فاتح جرنیل کی طرح ہمارے سامنے کھڑا ہوگیا۔

میرے حق میں رخ تاج خان کے تیور کچھ موافقانہ نہیں تھے۔ کچھ عجب نہیں تھا کہ میں ٹیکسی میں سوار ہونے میں پہل کرتا تو وہ مجھے کمر سے پکڑ کر باہر گھسیٹ لیتا، اس لیے میں نے بہ تقاضائے شوہریت، کھلا ہوا دروازہ تھام کر، ویرا کو پہلے سوار ہونے کی دعوت دی اور وہ نہایت دلبرانہ انداز میں رخ تاج خان کی طرف ہاتھ لہراتی ہوئی ٹیکسی میں سوار ہوگئی۔ میں نے اندر گھس کر فوراً دروازہ بند کرلیا۔

لیلیٰ اپنے محمل میں سوار ہوچکی تھی اور مجنوں کی بے قراری بڑھ گئی تھی۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو ایک مرتبہ پھر کچھ سمجھانا یا گمراہ کرنا شروع کردیا۔

"بے چارے مشرقی مرد!" ویرا میری پسلیوں میں اپنی کہنی سے ٹھوکا مارتے ہوئے منمنائی۔ "ایک چالاک مگر خوبصورت عورت ہزاروں کی بھیڑ کو سمندر میں غرق کرسکتی ہے.....“

"زیادہ بک بک مت کرو۔ تم نے اپنے تمام اعضائے خبیثہ کا لمس استعمال کرکے اس کے اعضائے رئیسہ کو ناکارہ کردیا تھا اور وہ کاٹھ کا اُلّو بن کر رہ گیا تھا۔" میں نے دھیمی آواز میں اسے ڈانٹ دیا۔

"میرا کیا بگڑا؟ یا کیا گھس گیا؟" وہ بے حیائی کے ساتھ بولی۔ "قدرت نے انسان کو یہ بدن دیا ہی اس لیے ہے کہ برے وقت میں اس کی مدد سے اپنا دفاع کرے۔ اگر بھیڑیا پیچھے لگ جائے اور تم اپنی ٹانگیں استعمال کرکے فرار کی راہ اختیار نہ کرو تو چند ہی ثانیوں میں مرحوم احمق کہلاؤ گے.....“

"اپنا فلسفہ اپنی ذات تک ہی محدود رکھو تو بہتر ہوگا۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر بدن گھسنے ہی کی بات ہے تو یہ بدترین اخلاقی حرکتوں سے بھی نہیں گھستا لیکن آدمی اپنی ہی نظروں میں ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے اور اس ٹوٹ پھوٹ کا کہیں بھی کوئی علاج نہیں ہے۔"

"تم بھول گئے کہ کس سے بات کررہے ہو۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔ "میں دوسری لڑکیوں کی بات نہیں کرتی، صرف میرے ہی ساتھ تم نہ جانے کتنی بار ٹوٹ پھوٹ چکے ہو لیکن میں نے تو آج تک تمہاری ذات میں ذرا سی بھی تبدیلی محسوس نہیں کی!"

میں اس کو منہ توڑ جواب دینا چاہتا تھا لیکن اسی وقت شاید رخ تاج خان کی تقریر میں کوئی وقفہ آیا اور ٹیکسی ڈرائیور نے اپنی نشست سنبھال کر انجن چلا دیا۔

رخ تاج خان نے بے تابانہ انداز میں کھڑکی کے قریب آکر ایک بار پھر ویرا کو الوداع کہا تو اس کی آواز فرطِ جذبات سے مغلوب ہورہی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے مجھے اس پر ترس آیا لیکن فوراً ہی میرا خون کھولنے لگا۔ سرراہ ملنے والی ایک عورت سے ہونے والی سرسری سی شناسائی میں اس قدر جذباتی ہوکر وہ خود کو عقل سے بالکل ہی پیدل ثابت کررہا تھا۔

آخر کار ٹیکسی چل پڑی۔ جب تک وہ ڈھلان اتر کر جی ٹی روڈ پر نہ مڑ گئی، رخ تاج خان اپنی جگہ پر پتھر کے کسی بت کی طرح جما کھڑا رہا۔ میں نے ایک طویل وقفے کے بعد سگریٹ سلگائی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

جب میں نے کافی دیر تک سکوت توڑنے میں پہل نہیں کی تو ویرا نے انگریزی میں مجھے ٹوکا۔ "معلوم ہوتا ہے، آرام دہ سواری نے ہی تم نے اونگھنا شروع کردیا ہے۔"

"اونگھنے کی تو مہلت ہی نہیں ہے۔" میں نے بے رخی سے جواب دیا۔ "میں فضا میں تمہارے بدن کی وہ بو سونگھنے کی کوشش کررہا ہوں جس نے ٹرک ڈرائیور کو دیوانہ بنا دیا تھا۔"

"تم اس سے جل رہے ہو۔" وہ ہلکا سا قہقہہ مار کر بولی۔ "ارے بابا! اب تو وہ ایک بھولا ہوا خواب بن چکا ہے۔ ہوسکتا ہے زندگی بھر اس سے دوبارہ ملاقات ہی نہ ہو۔"

"میں اس سے کیوں جلنے لگا؟" میں نے بھڑک کر کہا۔ "تم سے کون سا ایسا رشتہ ہے جس کے سبب میں تمہیں گندی بے ہودگیوں سے روک سکوں۔ تم خود اپنا برا بھلا سمجھتی ہو۔" بولتے بولتے میں اچانک ہی چپ ہوگیا۔ میری جلی کٹی باتیں ویرا کے قیاس کی تائید کررہی تھیں۔ اس نے میرے دل کا چور پکڑ لیا تھا۔ اس سے کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود مجھے یہ بات پسند نہیں آئی تھی کہ وہ میرے علاوہ کسی اور سے بھی بے تکلفانہ انداز میں پینگیں بڑھائے، خواہ وہ راستے میں ملنے اور پھر گزر جانے والا اجنبی ہی کیوں نہ ہو۔

"اب غصہ تھوک دو! آئندہ تمہارے سامنے ایسی حرکتیں نہیں کروں گی۔" اس نے بحث کو طول دینے کے بجائے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے اسے کسی سستے سے اقامتی ہوٹل تک پہنچانے کے لیے کہا ہے۔ دھیان رکھنا کہ یہ ہمیں کہیں اور نہ لے جائے۔"

"پنڈی کے ٹیکسی ڈرائیور شریف ہوتے ہیں۔ ایسی بدمعاشیاں زیادہ تر کراچی میں ہوتی ہیں۔" میں نے بھی مفاہمانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "سستے اقامتی ہوٹل میں جاکر تم کیا کروگی؟"

"یہ سب سوچنا تمہارا کام ہے۔ میں نے تو اس خیال سے سستے ہوٹل کا رخ کیا ہے کہ وہاں ہم لوگوں کی غیر معمولی توجہ کا نشانہ نہیں بنیں گے۔ حلیہ درست کرنے کے بعد ہم کہیں بھی گوشہ نشین ہوسکتے ہیں۔"

"گوشہ نشین کیوں؟ اب تو ہمارا اصل کام شروع ہوگا۔" میں نے کہا۔

"ظفر نے مجھے ویرا کی حیثیت سے نہ پہچانا ہو تب بھی وہ سینتے ایلا کے روپ میں مجھے دیکھ چکا ہے۔ ہم دونوں اس کی نظروں میں مشتبہ ہیں۔ وہ اپنے آدمیوں کی ناکامی پر جھلا کر اب ہوٹلوں وغیرہ کو کھنگالے گا۔ شہر میں آوارہ گردی کی صورت میں ہم بے خبری میں مارے جاسکتے ہیں۔"

"گویا اب تم میرے اس خیال سے متفق ہو کہ ظفر کے روپ میں ہرلڈو ویلیسا، اسپیشل ٹاسک فورس میں گھس کر کوئی تخریبی منصوبہ بندی کررہا ہے؟"

"حالات اس کے خلاف جارہے ہیں لیکن جب تک اس کے فنگر پرنٹس کا معاملہ صاف نہیں ہوتا، کوئی یقینی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔"

"میری چھٹی حِس بتا رہی ہے کہ اس کے فنگر پرنٹس میں کوئی محیّرالعقول گھپلا ہوگا۔ آج کے واقعات سامنے آنے کے بعد میں تیزی کے ساتھ کوئی پیش قدمی کرسکوں گا۔ میرا مجرم میرے سامنے ہے، بس اس پر بھرپور انداز میں ہاتھ ڈالنے کی دیر ہے۔"

"تم اس کے بارے میں اتنے ہی پُریقین ہو تو لمبے چوڑے بکھیڑوں میں پڑنے کے بجائے، مختصر راستہ کیوں نہیں استعمال کرتے، وقت کے ساتھ ساتھ توانائی کی بھی بچت ہوگی۔"

"کس راستے کی بات کررہی ہو؟" میں نے متجسّس لہجے میں پوچھا۔

"وہ اسی قدر مشتبہ آدمی ہے تو اسے گھیرنے کے بجائے مار ڈالنا زیادہ آسان ہوگا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن اول خان، ظفر کے بارے میں میرے شبہات سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہ فوراً ہی سمجھ جائے گا کہ ظفر کا قاتل کون ہوسکتا ہے۔ میں نے اسے بے نقاب کیے بغیر اس پر وار کیا تو ایس ٹی ایف والے مجھے ہمیشہ کے لیے بلیک لسٹ کردیں گے۔ اب وہی میرا ایک کھونٹا رہ گیا ہے۔ ان سے بگاڑ مول لینے کے بعد میں چند روز بھی زندہ نہ رہ سکوں گا۔"

ویرا خاموش رہی۔ اس کے پاس میرے استدلال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

اس دوران میں، میں دیکھتا رہا تھا کہ پیرودھائی سے نکلنے کے بعد ٹیکسی بائیں طرف گھومی تھی اور گرانڈ ٹرنک روڈ سے سیدھی مال روڈ کی طرف جارہی تھی۔ پنڈی کے صدر بازار اور راجا ہاتھی چوک کے گردونواح میں بھی کئی ہوٹل تھے لیکن ان میں سے بیشتر کا معیار بستر اور چارپائی والے مسافر خانوں سے صرف اتنا بہتر تھا کہ وہاں کھلی جگہ کے بجائے بند کمروں میں بستر فراہم کیے جاتے تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور ہمیں اُسی طرف لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن میرے ایما پر اس نے اپنی ٹیکسی مری روڈ پر ڈال دی۔

لیاقت چوک سے آگے کا بارونق علاقہ بھی اس وقت ویران پڑا ہوا تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ ڈرائیور نے ٹیکسی ایک چوک کے سامنے روک دی۔ ویرا کی فرمائش پر ڈرائیور نے اندر جاکر خالی کمروں کے بارے میں استفسار کیا۔ وہ واپس آیا تو ہوٹل کا اونگھتا ہوا کلرک اس کے ساتھ تھا۔ شاید ڈرائیور نے اسے بھی ایک غیر ملکی حسینہ کے نزول سے آگاہ کردیا تھا۔

میں نے اپنی پوری کوششیں کرلیں لیکن ڈرائیور نے کرایہ لینے سے صاف انکار کردیا۔ اسے میں اردو میں مخاطب کرکے کرایہ لینے پر مجبور کررہا تھا مگر وہ ویرا سے پشتو میں انکار کررہا تھا۔ اپنے پچھلے تجربے کی بنا پر اس مرتبہ ویرا خاصی محتاط تھی۔ وہ اپنے لبوں پر خلیقانہ مسکراہٹ تک لائے بغیر مذاکرات میں مصروف رہی۔ آخر

اس نے بھی تھک کر ہار مان لی اور ڈرائیور اسے سلام کرکے رخصت ہوگیا۔

ہوٹل کا کلرک ویرا کے حُسن کے نظارے میں ایسا کھویا کہ اسے میرے ننگے اور ویرا کے زخمی پیروں کا خیال ہی نہیں آسکا اور اس نے ایک دن کا پیشگی کرایہ وصول کرکے ایک کمرا ہمارے نام کردیا۔ اس نے خود ہی کمرے تک ہماری رہنمائی کی۔ کمرا ہوادار اور بستر صاف ستھرا تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد میں نے اس سے چپلوں کی فرمائش کی تو پہلی بار اس نے باری باری ہمارے پیروں کا جائزہ لیا اور بھونچکا رہ گیا۔

"میم صاحب کے پیروں میں داد ہیں اور میں اپنے جوتے ٹیکسی میں بھول گیا۔" میں نے پچاس روپے کا نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس وقت پرانی چپلوں سے بھی کام چل جائے گا۔ صبح ہم نئے جوتے خرید لیں گے۔ تمہاری مہربانی ہوگی۔"

چند منٹ بعد ہی نیم استعمال شدہ ہوائی چپلوں کے دو جوڑے ہماری تحویل میں آگئے۔

"اور اب یہ بھی بتا دو کہ فون کہاں ہے؟" چپلیں آجانے کے بعد میں نے اسے پچکارا۔

"میرے کمرے میں۔ لیکن اُس سے صرف لوکل کال کی جاسکتی ہے۔"

"مجھے لوکل کال ہی کرنی ہیں۔" میں نے چپلیں پہنتے ہوئے کہا۔ "جتنی دیر میں، میں اپنی بات کروں، تم ہمارے لیے گرما گرم چائے بنوا دو۔"

اُس کے چہرے پر کسمساہٹ کے آثار اُمڈ آئے اور وہ بولا۔ "ہوٹل میں دو بیرے ہیں لیکن وہ اس وقت کسی قیمت پر نہیں اٹھیں گے۔ مجھے صبح تک ان کی گندی گندی گالیاں سننی پڑیں گی۔ سیٹھ نے ان دونوں کو بہت ڈھیل دے رکھی ہے۔ بارہ بجے ہی کسی خالی کمرے میں گھس کر سو جاتے ہیں۔"

"تم سامان فراہم کردو، چائے میں بنا لوں گی۔" ویرا نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے پیشکش کی اور کلرک کا چہرہ بھی کھل اٹھا۔ اس کا لب و لہجہ پنجابی تھا لیکن مزاج کے اعتبار سے وہ رخ تاج خان کی نسل کا معلوم ہو رہا تھا۔ عورت کے قرب سے محظوظ ہونے والا۔

اپنا تھیلا کمرے میں چھوڑ کر ہم اس کے ساتھ اس کے کمرے میں گئے جہاں دو کرسیوں اور ایک میز کے علاوہ کوئی فرنیچر نہیں تھا۔ اس نے ڈائل میں لگا ہوا تالا کھولا اور ویرا کے ساتھ چائے بنانے کے لیے ہوٹل کے عقبی حصے کی طرف چل دیا۔

ننگے فرش پر اس کے قدموں کی چاپ معدوم ہونے کے بعد میں نے ریسیور اٹھا کر ظفر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف سے پہلی گھنٹی بجتے ہی جواب مل گیا۔ فون اٹھانے والا ظفر ہی تھا۔

"آج میں بال بال بچا ہوں اور اس وقت سخت مشکل میں ہوں۔" میں نے اس کی آواز پہچانتے ہی بِلا کسی تمہید کے اپنی کہانی شروع کردی۔

"اوہ! خدا کا شکر ہے کہ میں نے تمہاری آواز سن لی۔ اپنے کام پر نکلنے سے پہلے میں نے ابھی تمہارے گیسٹ ہاؤس فون کیا تھا لیکن وہاں مسلسل گھنٹیاں بج رہی ہیں، کوئی جواب نہیں مل رہا۔" اس نے مکاری سے کام لیتے ہوئے خود کو روحی کے گیسٹ ہاؤس میں پیش آنے والے واقعات سے بے خبر ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی۔

"وہ سب شاید ابھی تک بے ہوش پڑے ہوں گے۔ رات ہم پر شب خون مارا گیا تھا۔ میں بڑی دقتوں کے بعد ابھی ابھی یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوا ہوں۔"

"لیکن ہوا کیا تھا؟ میری واپسی تک تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔"

"وہ لوگ شاید تمہاری واپسی کے منتظر تھے۔ انہوں نے گیسٹ ہاؤس کی بجلی منقطع کرکے ہمارے کمرے کا دروازہ توڑنے کی کوشش شروع کردی تھیں۔ وہ سینتے کا سیلو سے ملنے پر اڑے ہوئے تھے۔"

"اس وقت وہ کہاں ہے؟ مجھے پہلی ہی نظر میں اس پر شبہ ہوا تھا۔"

"گیسٹ ہاؤس سے بھاگنے کے چند منٹ بعد وہ مجھ سے بچھڑ گئی تھی......"

"اگر وہ لوگ دروازے پر موجود تھے تو تم دونوں کدھر سے باہر نکلے؟ پچھلی کھڑکی میں تو شاید مضبوط آہنی گرل لگی ہوئی تھی جسے کاٹنا آسان نہیں تھا۔" اس کی حیرت سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے ہمارا کمرا چھوڑنے سے پہلے ہی ہر چیز کا گہرا جائزہ لے لیا تھا اور اپنے آدمیوں کو بھیجنے سے قبل پوری طرح مطمئن تھا کہ دروازے کے علاوہ ہم کسی اور سمت سے فرار کی راہ اختیار نہیں کرسکیں گے۔

"بیم گن نے اس گرل کو موم کی طرح پگھلا دیا تھا۔"

"اوہ!" اس کی تحیّر زدہ آواز ابھری۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تمہاری بیم گن اس قدر طاقت ور اور مؤثر ثابت ہوسکتی ہے۔ غنیمت یہ ہوا کہ برے وقت میں وہ کام آگئی۔"

"یہ تم جیسے خیر خواہوں کی دعاؤں کی برکت تھی ورنہ ہم اس زیرِ زمین کمرے میں بری طرح مار لیے جاتے۔ ہمارے دشمنوں کے تیور بہت خراب تھے اور وہ تعداد میں بھی بہت زیادہ تھے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم اُن کی عددی برتری کے باوجود بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے لیکن اس بات کا افسوس ہے کہ تم سینتے کا سیلو کا سراغ کھو بیٹھے ہو۔"

"کیوں؟ کیا ان حملہ آوروں کی طرح تمہیں بھی اس کی تلاش ہے؟" میں نے تحیّر زدہ آواز میں اس سے وہ چبھتا ہوا سوال کر ڈالا۔

"ان لوگوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔" اس نے ایک لفظ پر زور دے کر اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا "دراصل اسی کی وجہ سے میرے شبہات کو تقویت مل رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ویرا لائیڈ نے اپنی کزن کے ذریعے تمہیں بے وقوف بنا کر اپنا کوئی مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"لیکن ابھی تک ایسی کوئی شہادت میرے سامنے نہیں آئی۔ وہ بڑی بے ضرر سی لڑکی ہے۔"

"جب ہی وہ تمہارا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئی۔ اگر وہ اسی قدر معصوم اور بے ضرر تھی تو اسلام آباد جیسے پُرسکون شہر میں اس کے دشمن کیسے پیدا ہوگئے؟"

"وہ بھاگی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہڑبونگ میں مجھ سے بچھڑ گئی ہوگی۔ ہمارے پیچھے مسلح دشمنوں کی بھاری نفری تھی اور آگے ایک خونخوار بھیڑیوں سے بھرا ہوا جنگل تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے ڈر سے جنگل کا رخ ہی نہیں کیا ہو۔ میں سیدھا جنگل میں چلا گیا تھا۔"

ریسیور میں اس کی ہلکی سی استہزائیہ ہنسی گونجی پھر وہ بولا۔ "وہ ہوا ایکڑ پر اُگے ہوئے خود رُو درخت ہیں۔ ان میں بھیڑیے ہو ہی نہیں سکتے۔ یہ سب بیمار ذہنوں کی کہانیاں ہیں۔ انہیں بلیاں اور کتے بھی بھیڑیوں کے روپ میں نظر آتے ہوں گے۔ انسان اس قدر خطرناک مخلوق ہے کہ جہاں اس کے قدم پڑ جائیں، وہاں سے خونخوار درندوں سے لے کر موذی حشرات الارض تک سب ہی فرار کر جاتے ہیں۔ دو چار بھیڑیے ان اطراف میں پھنس کر رہ گئے ہوں تو اور بات ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ دانستہ تم سے بچ کر بھاگی ہے۔"

"اسے بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟ میری ہی طرح وہ بھی یہاں اجنبی تھی۔ ہم نے لوگوں سے جنگل کے بارے میں جو کچھ سنا، اس پر یقین کرلیا۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ لمبا چکر کاٹ کر دوبارہ آبادی میں جا کر کہیں نکل گئی ہوگی اور اپنی اجنبیت کی وجہ سے جلد از جلد سامنے آجائے گی۔ ہوسکتا ہے کہ اسلام آباد کی پولیس ہی اسے آوارہ گردی کے الزام میں گرفتار کرکے تھانے پہنچا دے۔"

"وہ میری وجہ سے فرار ہوئی ہے۔ وہ دوبارہ میرا سامنا کرنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی۔"

"اسے تم سے کیا خطرہ ہوسکتا تھا؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"یہ تمہیں وقت آنے پر معلوم ہوجائے گا۔ فی الحال اس کا سراغ لگانے کی کوشش کرو!"

"ابھی تو پو بھی نہیں پھٹی۔ میں صبح ہونے کے بعد ہی بھاگ دوڑ کرسکوں گا اور ہاں، تم تو ایس ٹی ایف کے ایک ذمّے دار افسر ہو، چاہو تو پورے شہر میں اپنے آدمی اسلام آباد کے چپّے چپّے پر پھیلا سکتے ہو۔ وہ تمہاری نگاہوں سے بچ کر کہیں نہیں جاسکے گی۔"

"مجھے یہ بتانے کی کوشش نہ کرو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں اپنے کام سے اچھی طرح واقف ہوں۔" اس کی جھلائی ہوئی آواز ابھری۔ "اس وقت سینتے کی زندگی کو سنگین خطرہ لاحق ہے۔ اگر وہ میرے یا تمہارے بجائے رات کو آنے والوں کے ہاتھ لگ گئی تو وہ اسے ذبح کر ڈالیں گے۔ میں اسے زندہ پکڑنا چاہتا ہوں۔"

میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ وہ بہت جلد اپنے خول سے باہر آنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ میں نے اسے سلگانے کے لئے معصومانہ حیرت سے کہا۔ "اوہ! تو یہ کہو کہ ان حملہ آوروں کی طرح تم بھی سینتے کو پکڑنا چاہتے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ لڑکی یک بیک اتنی اہم کیوں ہوگئی ہے؟"

"میں فون پر یہ سب نہیں بتا سکتا۔" اس کی آواز بدستور چڑچڑی تھی۔ "یہ بتاؤ کہ تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟ میں تم سے مل کر ہی تمہیں قائل کرسکوں گا۔"

"میں ابھی ابھی راجہ دربار ہوٹل میں پہنچا ہوں اور تھکن سے بدن چُور چُور ہے۔ میں چند گھنٹے یہیں آرام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" میں نے کچھ فاصلے پر دیکھے ہوئے ایک ہوٹل کا نام استعمال کرتے ہوئے کہا "ہوسکتا ہے کہ بعد میں، میں کسی بہتر ہوٹل میں منتقل ہوجاؤں۔"

"میری آمد تک تم راجہ دربار ہوٹل میں ہی رکے رہو گے۔" اُس کا لہجہ تحکمانہ ہوگیا۔ "سینتے کو قابو میں کرنے کے لئے مجھے تمہاری مدد درکار ہوگی۔"

"میں کیوں نہ تمہارے دفتر آجاؤں؟ تم کہاں اتنی زحمت کرو گے؟"

"تم میرے دفتر نہیں آسکتے۔ وہ ممنوعہ علاقے میں واقع ہے جہاں باہر کے کسی آدمی کو کسی بھی قیمت پر داخل ہونے کی اجازت نہیں ملتی۔ یہ بات میں پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں۔ تم راجہ دربار ہوٹل میں ہی رکے رہو۔ میں سورج طلوع ہونے کے بعد وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"میں تمہارا انتظار کروں گا۔ لیکن سینتے کے ساتھ ہی ان لوگوں کا بھی سراغ لگانے کی کوشش کرو جنہوں نے گیسٹ ہاؤس پر حملہ کیا تھا۔"

"اس سے تمہیں کیا حاصل ہوگا؟ میں اپنی افرادی قوت کو بکھیرنا نہیں چاہتا۔"

"وہ مرنے مارنے کے موڈ میں تھے۔ اگر میں ہوشیاری سے کام نہ لیتا تو شاید وہ مجھے گولی ہی مار دیتے۔ مجھے اپنے لہو کے پیاسوں کے بارے میں جاننے کا حق تو حاصل ہے۔ اس سے تم انکار نہیں کرسکتے۔"

"میں کسی بات سے انکار نہیں کررہا۔ معاملہ صرف ترجیحات کا ہے۔ رات کو جو کچھ ہوا، اسے بھول جاؤ۔ اب کوئی تمہارے قریب پھٹک بھی نہیں سکے گا۔"

"کیا تم کسی کو راجہ دربار ہوٹل کی نگرانی پر مامور کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"تمہاری حفاظت کے لئے اب ایسا بندوبست کرنا ناگزیر ہو چکا ہے۔ تم بے فکر ہو کر اپنی نیند پوری کرو۔ باقی باتیں تھوڑی دیر بعد ہوں گی۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

وہ میرے ساتھ دُہرا کھیل کھیلنا چاہ رہا تھا مگر میں بھی اس کے اصل عزائم سے پہلے ہی باخبر تھا اس لئے میں نے اسے اپنے اصل ہوٹل کا نام نہیں بتایا تھا۔ وہ اس ہوٹل کا رخ کرتا تو ویرا کے غائب ہو جانے کے باوجود اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ میں منہ اندھیرے ایک سفید فام لڑکی کے ساتھ وہاں پہنچا تھا۔ اس کے بعد وہ میری طرف سے بھی شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتا۔

اس سے فون پر بات کرتے ہوئے میں نے سوچ لیا تھا کہ ظفر کو چکر دینے کے لئے میں ویرا کو اسی ہوٹل میں بند ہو جانے کا مشورہ دے کر خود فوری طور پر راجہ دربار ہوٹل میں منتقل ہو جاؤں گا۔ ظفر کے آدمی کتنی ہی چھان بین کرتے، انہیں یہی معلوم ہوتا کہ میں راجہ دربار ہوٹل میں اکیلا ہی پہنچا تھا۔ ویرا پورے اطمینان کے ساتھ اسٹار ہوٹل میں روپوش رہ سکتی تھی۔

ایک دوسرے سے الگ الگ رہ کر، ہم نہ صرف ایک دوسرے کی حفاظت کر سکتے تھے بلکہ کوئی برا وقت آنے پر بے فکر ہو کر اپنا بچاؤ بھی کر سکتے تھے۔

اس وقت تک چائے کی آمد کے آثار نہیں تھے۔ اس لئے میں خود بھی باورچی خانے کی طرف چل دیا۔ وہاں جا کر مجھے حیرت ہوئی کہ اس تنگ کمرے میں باورچی خانے کا کوئی ساز و سامان نہیں تھا۔ بس دو گیس کے چولھے اور چند برتن نظر آ رہے تھے یا ایک مقفل الماری تھی۔

میرے استفسار پر کلرک نے بتایا۔ "ہمارے ہوٹل میں بس کمرے ہی کمرے ہیں۔ مسافروں کے لئے کھانا اور ناشتا آس پاس کے ہوٹلوں سے آتا ہے۔ یہاں کھانے پینے کی ایک سے ایک چیز ملتی ہے۔"

"یہ بتا رہا ہے کہ ولایتی اسکاچ بھی آسانی سے مل جاتی ہے۔ ریڈ لیبل چھ سو میں اور ڈی لکس برانڈ آٹھ سو میں مل جاتے ہیں۔ میں نے دو بوتلوں کے لئے کہہ دیا ہے۔" ویرا نے لقمہ دیا۔

میں نے فوری طور پر دو بوتلوں کے سولہ سو روپے کے علاوہ سو روپے کا نوٹ اسے ٹپ میں دے دیا۔ اتنی بڑی بخشش ملنے پر وہ بے چارہ حیرانی کے عالم میں بار بار سلام کرنے لگا۔

"میں چائے پی کر چلا جاؤں گا۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دوستانہ انداز میں کہا "یہ یہیں رہے گی۔ اس کا کھانا پینا کمرے میں پہنچاتے رہنا۔ کسی کو معلوم نہ ہو کہ یہ یہاں ٹھہری ہوئی ہے۔ سستے ہوٹلوں میں رہنے والی اکیلی عورتوں کے گرد اوباش مرد منڈلانا شروع کر دیتے ہیں۔"

"تم فکر ہی نہ کرو!" اس نے اپنا داہنا ہاتھ سینے پر رکھ کر پورے خلوص کے ساتھ کہا "میں یہاں کا چوبیس گھنٹے کا منشی ہوں۔ بیروں کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں۔ میں خود میم صاحب کا خیال رکھوں گا۔ یہ بہت اچھی اور ملنسار عورت ہیں۔"

میں نے وہیں کھڑے کھڑے چائے ختم کی۔ ویرا میری اور منشی کی گفتگو کے بارے میں جاننے کے لئے مضطرب تھی لیکن اس منشی کی موجودگی میں اس موضوع پر بات نہیں ہو سکتی تھی اس لئے مجھے ویرا کے ساتھ دوبارہ اپنے کمرے میں جانا پڑا اور میں نے اسے تازہ ترین صورتِ حال کے ساتھ ہی اپنے منصوبے سے بھی آگاہ کر دیا۔

"شاید ظفر کی شامت ہی آگئی ہے۔" اس نے چہکتے لہجے میں کہا "تمہیں بھول کر بلاوجہ ہی میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ اس کے قریب رہ کر تم اس کی جڑوں پر زیادہ کاری وار کر سکو گے۔"

اسی اثنا میں ہوٹل کا منشی بلیک لیبل اور بلیک ڈاگ اسکاچ کی دو بوتلیں لے آیا۔ بلیک لیبل کی بوتل ویرا نے رکھ لی اور میں بلیک ڈاگ کی بوتل تھیلے میں ڈال کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

بیم گن میری تحویل میں تھی، جب کہ حملہ آوروں سے چھینا ہوا پستول ویرا کے پاس تھا۔ اس طرح ہم دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر خطرات کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں تھے۔

راجہ دربار ہوٹل پر بھی ویرانی کا راج تھا۔ شیشے کے دروازے پر کئی تیز دستکیں دینے کے بعد قفل کھولا گیا۔ یہ تاخیر میرے حق میں سود مند تھی کیونکہ ہوٹل والے میری آمد کے ذریعے پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکتے تھے، جب کہ ظفر میرے بارے میں زیادہ سے زیادہ تفصیلات جاننے کی کوشش کرتا۔

وہاں کسی دشواری کے بغیر مجھے کمرا مل گیا اور میں نے دروازہ بولٹ کر کے بستر پر قبضہ جما لیا۔ ہوٹل کی چھت میسر آجانے کے بعد مجھے اتنا یقین تھا کہ پنڈی کے اس مصروف اور گنجان آباد علاقے میں، کوئی مہم جو میرے کمرے میں گھس کر مار دھاڑ کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ جو کچھ ہونا تھا، ہوٹل سے باہر ہی ہونا تھا۔ اس ذہنی یکسوئی کی وجہ سے نیند نے بہت جلد مجھ پر غلبہ پا لیا۔

میں اندھیرے میں سویا تھا اس لئے مجھے کھڑکی پر پردہ وغیرہ کھینچنے کا دھیان نہیں رہا۔ کمرے کی وہ واحد کھڑکی مشرقی سمت میں تھی اس لئے سورج چڑھتے ہی میرا کمرا تیز روشنی سے بھرتا چلا گیا اور کچھ دیر بعد ہی وہ چکا چوند اتنی بڑھ گئی کہ میرے لئے بستر پر رہنا ناممکن ہو گیا۔

میں تازہ پانی سے غسل کر کے فارغ ہوا تو ہوٹل کا منیجر میرے کمرے میں آپہنچا۔ اس کی آنکھوں سے فکر مندی جھلک رہی تھی۔ شاید ظفر کے بھیجے ہوئے آدمی نے ہوٹل کے عملے سے میرے بارے میں براہِ راست پوچھ گچھ کی تھی جس کی وجہ سے وہ بے چارہ خوف زدہ تھا۔ اسے ڈر تھا کہ میں کہیں کسی جرم کا مرتکب نہ رہا ہوں۔ ایسی صورت میں پولیس کی پکڑ دھکڑ سے اس کا ہوٹل "بدنام" ہو سکتا تھا اور شہر کے شریف لوگ وقتی تفریح کے لئے ادھر کا رخ کرنے سے گریز کرنے لگتے۔ نچلے اور متوسط طبقے کے نام نہاد شرفا کی تفریح میں صنفِ نازک کی شمولیت کے بارے میں اس نے کسی راز داری سے کام لینے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ میرے اطمینان دلانے پر اس کی فکر مندی کو خاصا افاقہ ہوا لیکن پھر بھی وہ پوری طرح مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔

میں ناشتے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ ظفر آپہنچا۔ اس کا چہرہ گمبھیر اور سُتا ہوا تھا۔

میں نے اس سے پہلا سوال سینتے کاسیلو کے بارے میں کیا جس کا جواب نفی میں تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ظفر نے اپنا راز محفوظ رکھنے کے لئے اسپیشل ٹاسک فورس کے چیدہ چیدہ افراد کو سینتے کی تلاش میں لگایا ہوا ہو گا۔ میں نے اسے گمراہ کرنے کے لئے جو کہانی تراشی تھی، اس کی بِنا پر مجھے پورا یقین تھا کہ ظفر کی تلاش صرف اسلام آباد تک ہی محدود رہی ہو گی۔

واقعات کی کڑیاں نشان دہی کر رہی تھیں کہ روحی کے گیسٹ ہاؤس پر یلغار کرنے والے افراد اسی کے بھیجے ہوئے تھے لیکن وہ خود کو معصوم ظاہر کر رہا تھا اس لئے اس کے استفسار پر مجھے وہ کہانی ایک بار پھر دُہرانی پڑی۔ میں نے اپنی کسی بھی بات سے اس پر کوئی شبہ نہیں ہونے دیا بلکہ اس کے اسی نظریے سے اتفاق رائے کا اظہار کرتا رہا جو سینتے کے نامعلوم دشمنوں کی نشان دہی کرتا تھا۔

اس نے باتوں ہی باتوں میں نہایت چالاکی کے ساتھ یہ بھی دریافت کیا کہ میری پنڈی اور اسلام آباد آمد کے بارے میں کون لوگ واقف تھے۔ میری سلامتی کے لئے، اس سوال کا جواب نہایت اہم تھا۔

فنگر پرنٹس کی یکسانیت کو نظر انداز کرنے کے بعد ہر اعتبار سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ وہ ظفر نہیں تھا بلکہ اس کے روپ میں کرنل جیسی جونز کا آدمی 'البرٹو ملیسا' تھا جو ڈیوڈ اسٹارز نامی یہودی قوم پرست تنظیم کے لئے کام کر رہا تھا۔ پاکستان جیسے ملک میں اس کے لئے اپنی سلامتی اور بقا کا مسئلہ بہت نازک تھا۔ اگر اسے میری طرف سے ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو وہ بے دریغ میرا صفایا کر سکتا تھا۔

میں نے اسے بتایا کہ ویرا اور غزالہ کے علاوہ اول خان کو بھی میرے اس سفر کا علم تھا۔ میں نے اسے یہ بھی جتا دیا کہ میں نے اس کے دفتر کا نمبر اول خان سے ہی لیا تھا۔ مقصد صرف اتنا تھا کہ وہ میرے بارے میں کوئی خطرناک ارادہ رکھتا ہو تو اتنے افراد کے باخبر ہونے کی وجہ سے اس پر عمل کرنے سے باز رہے۔

"سینتے کاسیلو لاپتا ہے۔ تم اسی کے کام سے یہاں آئے تھے۔ اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟" اس نے عقابی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اسے ابھی تک تمہارے نظریات کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ رات کے واقعات سے وہ خوف زدہ ہو گئی ہو تو اور بات ہے ورنہ آج اسے کہیں نہ کہیں نمودار ہونا چاہئے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ منظرِ عام پر آتے ہی تمہارے آدمیوں کی تحویل میں چلی جائے گی۔ اس کے بارے میں تمہارے کیا عزائم ہیں؟"

چند ثانیوں کی خیال انگیز خاموشی کے بعد وہ بولا "تم ہمارے طریقۂ کار سے اچھی طرح واقف ہو۔ ہم بلاوجہ کسی کو تنگ نہیں کرتے لیکن جس کے پیچھے لگ جاتے ہیں، اسے اس کے انجام تک ضرور پہنچاتے ہیں۔"

"آخر تم اس پر کس بارے میں شبہ کر رہے ہو؟ وہ ویرا کے ساتھ مل کر کیا کرنا چاہتی ہے؟ ان سوالات کے جوابات دیئے بغیر تم مجھے اس کے قتل پر قائل نہیں کر سکتے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ اسپیشل ٹاسک فورس والے تمام تر ثبوت اور شواہد جمع کئے بغیر کسی کو نہیں مارتے۔"

"ایک بار سینتے کاسیلو ہاتھ آجائے تو میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔" وہ قدرے تذبذب کے بعد بولا "فی الحال میں اس معاملے میں اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ اب میں ایس ٹی ایف کے لئے قابلِ اعتماد نہیں رہا۔"

"یہ اعتماد کی نہیں، فورس کے ڈسپلن کی بات ہے" اس نے خشک لہجے میں کہا "آج سے پہلے بھی تمہیں ان باتوں پر اعتماد میں لیا جاتا رہا، جن سے تمہارا براہِ راست تعلق ہوتا تھا۔ ایس ٹی ایف کی اندر کی کہانیاں تم سے ہمیشہ پوشیدہ رکھی گئی تھیں۔"

"لیکن سینتے کاسیلو سے میرا براہِ راست تعلق ہے۔ وہ میرے ساتھ یہاں آئی ہے۔ میں اس کے بغیر واپس گیا تو ویرا کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ تم میرے اور ویرا کے مراسم سے بخوبی واقف ہو۔"

"سینتے کاسیلو اب ریاستی مسئلہ بن گئی ہے" اس نے مجھے مرعوب کرنے کے لیے کہا "تمہیں رضا کارانہ طور پر اس معاملے سے دست بردار ہو جانا چاہئے۔"

"یعنی میں اس لڑکی کو تمہارے رحم و کرم پر چھوڑ کر واپس چلا جاؤں؟"

"یہ سب سے اچھی بات ہو گی۔ ویرا کو تم آج کی صورتِ حال بتا کر بری الذمہ ہو سکتے ہو۔ اس کے پیچھے کچھ لوگ تمہارے گیسٹ ہاؤس میں پہنچے اور وہ خوف زدہ ہو کر رُوپوش ہو گئی۔ یہ بہت سیدھی اور فطری کہانی ہو گی۔ اس معاملے میں میری دلچسپی کا تذکرہ گول کر کے تم ہر الجھن اور جواب دہی سے بچ جاؤ گے۔"

"لیکن اول خان کو مجھے سب کچھ بتانا ہو گا" میں نے اس سے اتفاقِ رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا "ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے سینتے کاسیلو کے جرائم سے آگاہ کر دے۔"

"ناممکن!" اس نے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا "یہ میرا کیس ہے۔ اول خان اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں جانتا۔ تمہارے بتانے یا نہ بتانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اسے اوپر والوں سے ہی

معلومات حاصل ہوسکیں گی لیکن ہماری فورس میں اپنے سینئر افسران سے سوال جواب کرنے کی روایت نہیں ہے۔"

"اور اگر سینتے کاسیلو تمہارے آدمیوں کو جُل دے کر کراچی نکل گئی؟"

"تو پھر اُسی سے بات کرلینا۔ ایسی صورت میں یہ تمہاری اخلاقی ذمے داری ہوگی کہ اسے وہاں روک کر مجھے اُس کی موجودگی سے آگاہ کرو۔ بصورتِ دیگر تم بھی اس کے شریکِ کار تصور کیے جاؤ گے۔"

"اور میرے بارے میں کیا حکم ہے؟" میں نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔ چاہو تو ابھی واپس' کراچی جاسکتے ہو۔ میں نے سینتے کاسیلو کے معاملے کے نشیب و فراز تمہیں سمجھا دیے ہیں۔ ان پر فرصت میں ایک بار پھر غور کرلینا۔ مجھے اس تصور ہی سے ذہنی اذیت ہوتی ہے کہ فرائض کی بجا آوری کے لیے مجھے اپنے حلیفوں کا حریف بننا پڑے۔"

وہ دشمنی کی کھلی مگر شائستہ دھمکی تھی۔ وہ مجھے جتانا چاہ رہا تھا کہ سینتے کاسیلو کے معاملے میں وہی سب کچھ تھا۔ اول خان پوری کوشش کے باوجود میری کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔

مشکل یہ تھی کہ اسپیشل ٹاسک فورس کی ساخت بہت عجیب اور پُراسرار تھی۔ میں فورس کے صرف ان ہی عہدے داروں سے واقف تھا جو میرے سامنے آچکے تھے۔ ان کے اوپر یا نیچے والوں کا سراغ لگانا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا۔ ان تک رسائی ممکن ہوتی تو میں یہ معلوم کرسکتا تھا کہ ظفر نے ان کو سینتے کاسیلو کا معاملہ کس رخ سے سمجھایا ہے۔ موجودہ حالات میں میرا قیاس یہ تھا کہ ظفر کو سینتے کاسیلو کی طرف سے اپنی شناخت کا ذاتی خطرہ لاحق تھا اس لیے وہ اپنی پوزیشن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے' بالا ہی بالا اسے گھیرنے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے وہ معاملہ اس کے اوپر والوں کے علم میں آجاتا تو وہ انہیں سینتے کاسیلو کی ملک دشمنی کی کوئی بھی فرضی کہانی سنا کر مطمئن کرسکتا تھا۔

اس دوران میں میری تمام تر توجہ ظفر کے ہاتھوں پر مرکوز رہی۔ اس بار میں ایک خاص مقصد کے تحت اس کے ہاتھوں کا جائزہ لے رہا تھا لیکن میں نے اندازہ لگایا کہ وہ گفتگو کے دوران میں اپنے ہاتھوں کے استعمال کا عادی نہیں تھا اور بیشتر وقت ہاتھ گود میں رکھے بیٹھا رہا تھا۔

"تم فکر نہ کرو" میں نے رسمی سی ہنسی کے ساتھ کہا "اپنے فرائض کی ایماندارانہ بجا آوری میں تم مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گے۔ اگر تم سینتے کاسیلو کے جرائم کے بارے میں کھُل کر بات کرو تو ہوسکتا ہے کہ میں خود ہی اسے تلاش کرکے تمہارے سامنے پیش کردوں۔ موجودہ صورتِ حال میں' میں زیادہ سے زیادہ غیر جانب دار ہی رہ سکتا ہوں۔ اگر وہ تمہارے آدمیوں سے مقابلے میں ماری نہ گئی تو میں اُسی سے بہت کچھ معلوم کرلوں گا۔"

"میرا مشورہ ہے کہ تم ویرا سے بات کرو۔ سینتے کاسیلو کی حرکتوں کی پشت پر مجھے اسی کا دماغ کارفرما نظر آرہا ہے۔ اب شاید وہ ہمارے ساتھ مخلص نہیں رہی ہے۔"

"بلیو کراس ڈیل میں اُس کی خدمات سے استفادہ کرنے کے بعد بھی تم ایسی بات سوچ رہے ہو؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"زیرِ زمین دنیا کی رنگینیوں میں زندہ رہنے والوں کے کوئی اصول نہیں ہوتے۔ ان کی وفاداریاں لمحے لمحے رنگ بدلتی رہتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ویرا نے کسی اور سے کوئی معاہدہ کرلیا ہو۔"

"وہ تمہاری منظورِ نظر ہے۔ اس کے ایران روانہ ہونے تک' اس کے بارے میں تمہاری رائے بہت اچھی تھی۔ اس کے دیے ہوئے بارودی پھول سے زخمی ہونے کے بعد بھی تم اس کے گُن گا رہے تھے۔ پھر اس نے کوئٹہ سے فون پر تمہاری خیریت دریافت کرکے اپنی خیر سگالی کا اظہار بھی کردیا تھا۔ اگر تم اس سے براہِ راست بات کرو تو بہتر نتائج حاصل ہوسکتے ہیں۔"

"ضرورت پڑی تو اس سے بھی گریز نہیں کروں گا" وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا "میرے لیے یہ معاملہ بہت اہم اور سنگین ہے۔ غنیمت یہ ہے کہ ابھی تک تمہیں خطرناک چارا بنانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے ورنہ میرا پہلا شکار تم بھی ہوسکتے تھے۔"

"عملاً میں خود کو پابند محسوس کررہا ہوں۔ باہر تمہارے آدمیوں کا پہرا ہے۔"

"وہ سینتے کاسیلو کے منتظر ہیں۔ تم سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ تم چاہو تو انہیں اپنا محافظ بھی سمجھ سکتے ہو۔ ان سے کوئی شکایت پیدا ہو تو فون پر مجھ سے رابطہ کرلینا۔"

اس معنی خیز گفتگو کے بعد وہ لوٹ گیا لیکن میرے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔ اُس سے ہاتھ ملاتے ہوئے' میں نے اس کے داہنے ہاتھ کی پشت پر بھرے ہوئے زخم کا ایک خفیف سا نشان دیکھ لیا تھا جو ہر اعتبار سے بہت خیال انگیز تھا۔

کوئی اگلا قدم اٹھانے کے لیے ایس ٹی ایف کے ان نگہبانوں سے گلوخلاصی ضروری تھی جو راجہ دربار ہوٹل کے باہر پہرا دے رہے تھے۔ میں نے باہر نکلنے سے قبل بلیک ڈاگ کی بوتل سے ایک بڑا پیگ تیار کرکے اپنے معدے میں منتقل کرلیا۔ دن کے اوقات میں میں عموماً اسکاچ نہیں پیتا لیکن اس روز البرٹو ویلیسا جیسے خوف ناک دشمن سے روبرو مذاکرات کے بعد میں کسی ہلکی سی بے اعتدالی کی ضرورت محسوس کررہا تھا۔ میرے کمرے میں ایک تھیلے کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھی' اس لیے میں کمرا مقفل کرکے باہر روانہ ہوگیا۔

ہوٹل کے برآمدے سے اترتے ہوئے میں پوری طرح چوکنّا تھا اس لیے وہ تنومند شخص میری نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکا' جس نے مجھے دیکھتے ہی ایک تھڑے سے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔

میں سڑک پر اترتے ہی اس کی طرف ہولیا۔ ابتدا میں وہ میرے رخ کا اندازہ نہیں کرسکا لیکن فاصلہ کم رہ جانے پر جب اس نے مجھے اپنی طرف آتے دیکھا تو بوکھلا گیا۔

میں نے قریب پہنچ کر دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ بدکے ہوئے' جارحانہ تیوروں کے ساتھ میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے چیف نے بتایا تھا کہ تم میری حفاظت کے لیے یہاں مامور کیے گئے ہو" میں نے نرم لہجے میں کہا "میرا خیال ہے کہ تم میری کچھ مدد بھی کرسکو گے۔"

میرا وہ راست اقدام اس بے چارے کے لیے اس قدر غیر متوقع تھا کہ وہ ہکلانے کے باوجود میری بات کا کوئی جواب نہیں دے سکا اور اسے تسلی دینے کے لیے مجھے دوبارہ کہنا پڑا "تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تم یہیں رکے رہو اور کوئی سفید فام عورت نظر آئے تو اس کا پیچھا کرنا شروع کردینا۔ میں ایک ضروری کام سے فارغ ہوکر ابھی تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔"

"لل... لیکن مجھے تو ہر حالت میں تم پر نگاہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا "عورت کے لیے وہ یہاں انتظار کرے گا۔"

میں نے اس کے اشارے کی سیدھ میں دیکھا تو وہاں پان والے کے کیبن پر اسی جیسا ایک اور شخص بے پروایانہ انداز میں کھڑا ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

"یہ اور بھی اچھی بات ہے" میں نے اطمینان ظاہر کرتے ہوئے کہا "مجھے یہی ڈر تھا کہ میری غیر حاضری میں وہ عورت نمودار ہوکر دوبارہ رُوپوش نہ ہوجائے۔ اب تمہیں میرا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم دونوں ایک ہی ٹیکسی سے چلتے ہیں۔ بس ذرا آگے پیچھے کا خیال رکھنا۔"

وہ سخت تذبذب میں مبتلا ہوگیا تھا۔ شاید اسے اپنی پوری پیشہ ورانہ زندگی میں کبھی بھی ایسی مضحکہ خیز صورتِ حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا جہاں اس کا شکار بنفسِ نفیس اسے ساتھ چلنے کی دعوت دے رہا تھا۔

"تم آگے چلو! میں دوسری ٹیکسی میں پیچھے پیچھے آتا ہوں" اس نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"تمہاری مرضی" میں نے شانے اچکا کر کہا "میں اسلام آباد جارہا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ مری روڈ کی بھیڑ بھاڑ میں ہم ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں گے اور پھر تمہاری گوشمالی کی نوبت آجائے گی۔"

"تمہارے ساتھ جانے میں بھی باس کی ناراضگی کا ڈر ہے۔ ہم دونوں کو تمہاری نظروں سے پوشیدہ رہ کر نگرانی کرنے کا حکم دیا گیا تھا" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"اب تم سامنے آہی گئے ہو تو ساتھ جانے سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

میں نے اُس کے ذہن کو بری طرح الجھانے کی کوشش کی لیکن وہ ظفر کے خوف کی وجہ سے میرے ساتھ جانے پر کسی بھی طرح آمادہ نہ ہوسکا۔ میری تسلی کے لیے صرف اتنا ہی کافی تھا کہ وہاں نگرانی کرنے والوں کی تعداد صرف دو تھی اور اگر میں اپنا پیچھا کرنے والے کو جُل دینے میں کامیاب ہوجاتا تو نہایت بے فکری کے ساتھ اپنے کام سرانجام دے کر واپس لوٹ سکتا تھا۔

وہ ٹریفک کے رش کے اوقات تھے۔ بسوں' ویگنوں اور گاڑیوں کے ہجوم کی وجہ سے مری روڈ کے ہر کراسنگ پر ہڑبونگ اور افراتفری کا عالم تھا لیکن ایس ٹی ایف والے کی ٹیکسی میری ٹیکسی کے ساتھ بالکل لگ کر چل رہی تھی اس لیے اسے ڈاج دینے کا کوئی موقع نہیں تھا۔

صرافہ بازار کے قریب میں نے اچانک ہی ٹیکسی رکوالی اور ڈرائیور کے ہاتھ میں سو روپے کا نوٹ تھما کر اسے وہیں انتظار کرنے کی ہدایت کرتا ہوا ایک ریستوران میں گھس گیا۔ میری توقع کے عین مطابق اس ریستوران میں عقبی دروازہ بھی نظر آرہا تھا۔ میں اندر ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر دوسری طرف سے نکلا اور تیز تیز قدموں سے ایک طرف ہولیا۔ تعاقب کرنے والے کے ہوشیار ہونے سے پہلے میں اس علاقے سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔

راستے ہی سے میں نے دوسری ٹیکسی پکڑلی اور اسے صدر بازار چلنے کی ہدایت دیتے ہوئے' عقبی نشست پر اس طرح دھنس کر بیٹھ گیا کہ باہر سے صحیح طور پر دیکھا یا پہچانا نہ جاسکوں۔

صدر کے علاقے میں کئی پرائیویٹ فون بوتھ بھی موجود تھے لیکن میں نے کشمیر روڈ پر واقع ٹیلی گراف آفس کا رخ کرنا مناسب سمجھا۔ اندر سے ٹوکن لینے کے بعد میں نے دیوار گیر پبلک بوتھ سے ویرا کے ہوٹل کا نمبر ملایا تو منشی نے بہت پھرتی کے ساتھ ویرا کو فون پر بلا دیا۔

"وہ آیا تھا اور اسے صرف تمہاری تلاش ہے" میں نے کسی تمہید کے بغیر ویرا کو آگاہ کیا "وہ مجھے یہ تاثر دیتا رہا کہ وہ اپنے بڑوں کی رضامندی سے تمہارے پیچھے لگا ہے لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ وہ ذاتی طور پر یہ سب کررہا ہے۔ میرے ہوٹل کی نگرانی ہورہی ہے۔ اس لیے تمہیں مجھ سے دور ہی رہنا ہوگا۔"

"وہ میرا جرم کیا بتاتا ہے؟" اس مرحلے پر ویرا کا یہ سوال قطعی فطری تھا۔

"وہ اس بارے میں زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہے۔ آج میں نے اس کے داہنے ہاتھ کی پشت پر ایک نشان دیکھا ہے جو اہم ثابت ہوسکتا ہے۔ میں اب کسی پلاسٹک سرجن سے مل کر اسکن گرافٹنگ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنی چاہتا ہوں۔ اس ملاقات سے شاید فنگر پرنٹس کا معاملہ بھی حل ہوجائے۔"

"اس کے فنگر پرنٹس کا راز کھل جائے تو وہ بدترین مدافعانہ پوزیشن میں آجائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی جگہ چھوڑ کر فرار ہونے پر مجبور ہوجائے" ویرا کی آواز پُرجوش ہوگئی۔

"میں اسے بھاگنے کا موقع نہیں دوں گا" میں نے پُرعزم لہجے میں کہا "اسے گھیر کر ایسی جگہ ماروں گا جہاں اسے پانی بھی نہیں مل سکے گا۔ اس وقت تک تمہیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔"

"میری فکر نہ کرو۔ میں نے ہوٹل کے منشی کو شیشے میں اتار لیا ہے۔ فون کے علاوہ میری تمام ضروریات کمرے میں ہی پوری ہورہی ہیں" وہ قہقہہ مار کر بولی "ویسے میں تمہاری مستقل مزاجی کی معترف ہوگئی ہوں۔ میری اور اول خان کی طرف سے حوصلہ افزائی نہ ہونے کے باوجود تم نے ظفر کو بے نقاب کر ہی لیا ہے۔"

"پلاسٹک سرجن سے ملاقات کے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔"

ویرا سے بات کرنے کے بعد میں دوبارہ سڑک پر آگیا اور صدر کی طرف چل دیا۔

کراچی کے مقابلے میں راولپنڈی کا مزاج اور آبادی کی ہیئت بہت مختلف ہے۔ وہاں امرا کا طبقہ بہت چھوٹا اور محدود ہے بیشتر آبادی کا بلاواسطہ یا بالواسطہ دفاعی اداروں سے تعلق ہے۔ بقیہ لوگ درمیانی درجے کی تجارت سے وابستہ ہیں جس کی بنا پر فیشن اور ذاتی حسن وجمال کے غیر روایتی معیار اور طریقے' پنڈی میں مفقود ہیں۔ جو لوگ ان تعیشات کے شوقین ہیں وہ عموماً کراچی یا پھر لاہور کا رخ کرتے ہیں۔ تین ڈاکٹروں سے رجوع کرنے کے بعد مجھے اس تلخ حقیقت کا ادراک ہوا کہ پنڈی کے کمبائنڈ ملٹری اسپتال کے علاوہ' پورے شہر میں صرف دو پلاسٹک سرجن تھے اور وہ بھی حادثات کا شکار ہونے والوں کا علاج کرتے تھے۔

میں دوپہر کے بعد ہارلے اسٹریٹ پر ایک پلاسٹک سرجن سے اس کی اقامت گاہ پر ملنے میں کامیاب ہوا تو وہ میری آمد کا مدعا سن کر حیران رہ گیا۔ مجھے اُس سے کسی مریض کا علاج نہیں کراتا تھا بلکہ کسی کی جلد کی تبدیلی کے بارے میں صرف اس کی پیشہ ورانہ رائے معلوم کرنی تھی جس کے لیے میں اس کا مروّج معاوضہ ادا کرنے کے لیے تیار تھا۔ اس نے عزت کے ساتھ مجھے اپنی اسٹڈی میں بٹھالیا جہاں اس کی پیشہ ورانہ' حوالہ جاتی کتابوں سے کئی دیوار گیر الماریاں بھری ہوئی تھیں۔

اس نے پیچیدہ اور ثقیل فنی اصطلاحات کے سہارے اپنی گفتگو کا آغاز کیا تو بیشتر باتیں میرے سر پر سے گزر گئیں لیکن میں پورے تحمل کے ساتھ' اس کی گفتگو میں اپنی دلچسپی کا اظہار کرتا رہا اور اس کی گفتگو میں لحہ بہ لحہ روانی آتی چلی گئی' البتہ میں بلڈ گروپ' ٹشوز کی میچنگ اور دیگر موٹی موٹی باتوں کے علاوہ کچھ نہیں سمجھ سکا۔

اس پلاسٹک سرجن کی وہ تمہیدی تقریر خاصی طولانی ثابت ہوئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسے اپنے دل کی برسوں کی بھڑاس نکالنے کے لیے ایک ایسا شکار میسر آگیا تھا جو اپنے وقت کے زیاں کا معاوضہ بھی ادا کرنے پر آمادہ تھا۔ لیکن جب تمہید اور عام اصولوں کا بیان ختم کرنے کے بعد اس نے انسانی جلد کی تبدیلی کے عملی امکانات پر روشنی ڈالنی شروع کی تو مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس مرحلے پر اس کا بیان قابلِ فہم ہو چلا تھا۔

میرے متعدد سوالات کے جواب میں جو صورتِ حال واضح ہوئی وہ کچھ یوں تھی کہ چند بنیادی طبّی لوازم پورے ہونے کی صورت میں ایک زندہ انسان کی جلد دوسرے زندہ انسان کی جلد کی جگہ پیوند کاری کے لیے استعمال کی جاسکتی تھی۔ سن کردینے والی یا بے ہوش کرنے والی ادویات کے استعمال کے باوجود' وہ عمل دونوں فریقوں کے لیے خاصا اذیت ناک ہوسکتا تھا۔ جھلس جانے یا کسی حادثے کا شکار ہونے کی صورت میں' ظاہری بدنمائی کو چھپانے کے لیے ایسی طبی امداد عموماً ناگزیر ہوتی ہے اور اس مقصد کے لیے مریض ہی کے کولہوں' رانوں یا دیگر مستور حصوں کی جلد کاٹ کر ضائع شدہ جلد کی جگہ جوڑ دی جاتی ہے لیکن بلا کسی ضرورت' دو صحت مند افراد کی جلد کی باہمی پیوند کاری خاصی بے رحمانہ ثابت ہوسکتی ہے اور اس کے لیے سرجن کا انتہائی درجے مشاق ہونا ضروری ہے۔

میں بات کو گھما پھرا کر انگلیوں اور ہتھیلیوں کی کھال کی تبدیلی کی طرف لانا چاہ رہا تھا لیکن اس پلاسٹک سرجن کے رویّے کو دیکھتے ہوئے' میں نے وہ ارادہ ترک کردیا۔ میرے ایسے سوالات سے یہ بات بالکل ہی واضح ہوجاتی کہ میں کسی بھی شخص کے فنگر پرنٹس کی تبدیلی کے امکان پر غور کررہا تھا اور وہیں سے سرجن کے ذہن میں شبہات جنم لینے لگتے کہ میں کسی بڑے جرم کے ارتکاب کے لیے وہ ساری معلومات حاصل کرتا پھر رہا تھا۔

میں اس پلاسٹک سرجن کے پاس ڈیڑھ گھنٹا گزارنے کے بعد وہاں سے رخصت ہوا تو مجھے پورا یقین ہوچکا تھا کہ کرنل جیسی جونز نے ظفر کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرتے ہوئے' اس کے دونوں ہاتھوں اور انگلیوں کی کھال اتروا کر البرٹو کے ہاتھوں پر چڑھوادی ہوگی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس عمل میں البرٹو کو بھی صبر آزما تکلیف سے گزرنا پڑا ہوگا لیکن اس کے سامنے کوئی بہت بڑا مقصد رہا ہوگا جس نے اسے وہ اذیت سہنے کا حوصلہ دیا ہوگا جب کہ ظفر کو قربانی کا بکرا بنایا گیا تھا۔ امکان یہی تھا کہ اس کے ہاتھوں کی جلد اتارنے کے بعد اسے بے دردی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہو اور اس کی جگہ البرٹو ویلیسا کو ظفر کے روپ میں پاکستان بھیج دیا گیا ہو۔

نقلی ظفر یا البرٹو ویلیسا کے داہنے ہاتھ کی پشت پر نظر آنے والا لمبا اور باریک سا نشان ایسی پلاسٹک سرجری کا کھلا ثبوت تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ ماہرانہ طبّی معائنے کے نتیجے میں اس کے

دونوں ہاتھوں پر سرجری کی وہ علامات دریافت کی جاسکتی تھیں۔

ان انکشافات کے بعد میرے دل میں نقلی ظفر کے خلاف قہر و غضب کا لاوا کھولنے لگا۔

ہارلے اسٹریٹ سے میں دوبارہ ٹیلی گراف آفس پہنچ گیا۔ وہاں اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک فون کرنے کے امیدوار مردوں اور عورتوں کا خاصا ہجوم تھا۔ وہاں کچھ وقت گزارنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ اس شہر میں ایسے گھرانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی جن کے سربراہ اپنی روزی کمانے کے لیے بال بچوں کو چھوڑ کر مشرقِ وسطٰی کے مختلف ملکوں میں گئے ہوئے تھے اور ان کی عورتیں اپنے سرتاجوں کی آواز سننے کی امید میں اس سرکاری پبلک کال آفس میں انتظار کی گھڑیاں گن رہی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر میں میرا دیا ہوا نمبر پکارا گیا اور میں نے دو نمبر بوتھ کا دروازہ بند کرکے ریسیور اٹھالیا۔

"ظفر پر ہاتھ ڈالنے کا وقت آگیا ہے" میں نے اوّل خان کی آواز سننے کے بعد کہا "اب وہ تمہاری ٹاسک فورس میں ایک دن بھی نہیں گزار سکے گا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی جونک کی طرح تمہارے دماغ سے چمٹ کر رہ گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اسے بھول جاؤ ورنہ ہم دونوں کے مراسم میں فرق آجائے گا۔"

"وہ ہسپانوی زبان جانتا ہے لیکن اس سے انجان بنا رہتا ہے۔ اردو محاوروں کے معاملے میں وہ بالکل صفر ہے اور اب وہ ویرا کے خون کا پیاسا ہورہا ہے کیونکہ اس نے اچانک ہی بامحاورہ ہسپانوی زبان میں اسے پہچان لینے کا دعویٰ کرکے اس کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے" میں نے کہا "اب میں اسے ہرگز نہیں بھول سکتا۔"

"تم فنگر پرنٹس کی رپورٹ کو مسلسل نظرانداز کرتے آرہے ہو" اول خان کا لہجہ خشک تھا۔

"آج میں نے اس کے داہنے ہاتھ کی جلد پر آپریشن کا نشان دیکھنے کے بعد ایک پلاسٹک سرجن سے ماہرانہ رائے لی ہے۔ وہ البرٹو ویلیسا ہے اور اس کے ہاتھوں پر سرجری کرکے ظفر کی کھال کا پیوند لگایا گیا ہے۔"

"یہ ناممکن ہے!" اول خان کی آواز بلند آہنگ خود کلامی کا انداز لیے ہوئے تھی۔

"ابھی تک وہ پورے اعتماد کے ساتھ میدان میں ڈٹا ہوا ہے۔ اگر تم نے فوراً اس پر ہاتھ ڈالنے کا بندوبست نہ کیا تو خطرے کی بھنک پاتے ہی وہ روپوش ہوجائے گا اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔"

"اگر تمہاری ہر بات درست مان لی جائے تب بھی یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ میں کراچی میں بیٹھ کر اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کراسکتا۔ مجھے اوپر والوں سے ذاتی رابطے کرنے ہوں گے۔ ادھر ٹریڈ لائن کے معاملات بہت الجھے ہوئے ہیں۔ سب کچھ قبضے میں آجانے کے باوجود میں وہاں الجھا ہوا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم فوری طور پر پنڈی نہیں آسکتے۔ اگر میں نے کوئی قدم اٹھایا اور میرا وار اوچھا پڑا تو وہ میدان چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔"

"اس کا بھاگ نکلنا ہی اس کے خلاف سب سے بڑا ثبوت ہوگا۔ وہ فورس میں دوبارہ لوٹنے کی جرات نہیں کرسکے گا اور تم بھی ایس ٹی ایف سے اس کے اخراج کے درپے ہو۔"

"شاید تم اس وقت ذہنی پراگندگی کا شکار ہو" میں نے بدمزگی کے ساتھ کہا "ابھی تک مجھے اس کی اصلیت پر شبہ تھا جو اَب پایۂ ثبوت تک پہنچتا ہوا نظر آرہا ہے لیکن ہم اب بھی اس کے عزائم سے لاعلم ہیں۔ وہ پاکستان کیوں بھیجا گیا ہے؟ ایس ٹی ایف میں شامل ہوکر وہ کون سے مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟ یہاں اس کے مزید کتنے مددگار ہیں؟ وہ بھاگ گیا تو ہمیں ان سوالات کے جوابات نہیں مل سکیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی رُوپوشی کے بعد اس کا نمبر دو' اس کے مشن کی سربراہی سنبھال لے۔ ان تمام امکانات کی بیخ کنی کے لیے ہمیں اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنا ہوگا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اول خان نے برا مانے بغیر' میرے خیالات سے اتفاق کرلیا "اس کا زندہ پکڑا جانا بہت ضروری ہے لیکن یہ کام فوراً نہیں ہوگا۔ پہلے اس کا میڈیکل بورڈ ہوگا۔ وہاں سے اس کے دونوں ہاتھوں کی جلد کی سرجری کی تصدیق ہوگئی تو اسے معزول کرکے قید کیا جاسکے گا... میں جلد از جلد پنڈی پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں' اس وقت تک تم اسے الجھائے رکھنے کی کوشش کرو۔"

"تم کراچی سے جلد از جلد کب تک نکل سکتے ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"کل شام سے پہلے ناممکن ہے" اس نے جواب دیا "ٹریڈ لائن کے معاملات کی تفتیش کے لیے کئی فیڈرل ایجنسیوں کے علاوہ ملٹری حکام بھی میدان میں کود پڑے ہیں کیونکہ اس دفتر سے برآمد ہونے والے ریکارڈ میں کئی اہم سیاست دانوں کے علاوہ بڑے سرکاری افسران کی خفیہ فائلیں بھی ملی ہیں۔ یہ معاملہ ہیروئن کی اسمگلنگ سے بھی بہت آگے تک بڑھا ہوا تھا۔ اسے نمٹانا بہت ضروری ہے۔"

"میں کوشش کروں گا کہ تمہاری آمد تک صورتِ حال جوں کی توں رہے لیکن میں کوئی وعدہ نہیں کرسکتا۔ البرٹو اس وقت کسی زخمی ناگ کی طرح بپھرا ہوا ہے۔ میری نگرانی کی جارہی ہے۔ اگر اُس نے چھیڑ چھاڑ میں پہل کردی تو میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھوں گا۔"

"ویرا تمہارے ساتھ ہی رہ رہی ہے؟" اس نے اچانک پوچھ لیا۔

"پچھلی رات ہم پر منظم حملہ ہوا تھا۔ ہمارے ستارے یاور

تھے کہ ہم بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس کے بعد سے ہم دونوں الگ ہوگئے ہیں لیکن البرٹو کے آدمی اسے پورے شہر میں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔"

ویرا کا قصہ چھڑ جانے پر اول خان کی طرف سے سوالات کی بوچھاڑ شروع ہوگئی اور مجھے ابتدا سے پوری کہانی سنانی پڑ گئی جس میں سینتے کاسیلو کا ذکر نمایاں تھا۔

"جب تک سینتے کاسیلو اس کے ہاتھ نہیں آجاتی وہ تم سے کوئی تعرض نہیں کرے گا" پوری کہانی سننے کے بعد اول خان نے اپنی رائے ظاہر کی "تمہاری نگرانی کروا کے وہ ویرا ہی کو گھیرنا چاہ رہا ہے۔ تم سے تصادم کے بعد وہ اس موقعے سے محروم ہوجائے گا۔"

"میں اپنی طرف سے پہل نہیں کروں گا" اس یقین دہانی کے ساتھ میں نے اسے اپنے ہوٹل کے نام' پتے اور فون نمبر سے آگاہ کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

میں' البرٹو کے مامور کیے ہوئے آدمی کو چکمہ دے کر اپنے کاموں پر نکلا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ دھوکا کھانے کا احساس ہوتے ہی اس شخص نے البرٹو کو رپورٹ دی ہوگی اور وہ بری طرح بھنّایا ہوا ہوگا اس لیے میں پی سی او سے نکلتے ہی اپنے ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔

راجہ دربار ہوٹل پر دور سے نظر پڑتے ہی مجھے گڑبڑ کا اندازہ ہوگیا۔ باہر تین سادہ پوش افراد اس طرح مستعد کھڑے ہوئے تھے جیسے کسی بھی لمحے اپنے نادیدہ دشمن پر جھپٹ پڑیں گے۔ ان تینوں میں وہ شخص بھی شامل تھا جسے جُل دے کر میں فرار ہوا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی پہلے حیران رہ گیا پھر اگلے ہی لمحے اس نے میری طرف دوڑ لگادی۔ اس کے دونوں ساتھی اس کے ردِعمل پر حیران تھے۔ میرے قریب پہنچتے ہی اس نے پشت سے میرے دونوں بازو جکڑ لیے اور غراتے ہوئے بولا۔ "اب میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔"

میں ہنس پڑا "میں کہیں نہیں بھاگ رہا۔ مجھے ہوٹل میں جانے دو۔"

"ہاتھ اوپر اٹھا کر ہوٹل کی طرف چل دو" اس نے کسی آتشیں اسلحے کی نال میری پشت سے لگاتے ہوئے میرے ہاتھ چھوڑ دیے "مسخروں کی سی کوئی حرکت کی تو گولی ماردوں گا۔"

اس سے الجھنا بے سود تھا کیونکہ وہ میرے ہاتھوں ایک بار زک اٹھا چکا تھا۔ میں اس کی ہدایت کے عین مطابق خاموشی سے ہوٹل کی طرف چل دیا۔

اندر نقلی ظفر بذاتِ خود موجود تھا اور ہوٹل کے عملے پر برس رہا تھا۔ میرے چہرے پر نگاہ پڑتے اس کا چہرہ مضحکہ خیز حد تک بگڑ گیا۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ میں اس کے آدمی کو دھوکا دے کر فرار ہونے کے بعد دوبارہ اسی چوہے دان میں آ پھنسوں گا۔

"یہ کیا حماقت ہے؟ اسے ہاتھ گرانے دو" نقلی ظفر نے اپنے آدمی کو ڈانٹا پھر ہوٹل کے عملے کو بھی دھتکار کر وہاں سے بھگا دیا۔

"تم اسے چکمہ دے کر کہاں گئے تھے؟" چند ثانیوں تک مجھے گھورتے رہنے کے بعد ظفر نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"کہیں بھی نہیں" میں نے معصومانہ سادگی سے کہا "یہ خود ہی راستے میں کہیں رہ گیا تھا۔"

مجھے لانے والے نے میرے سفید جھوٹ پر بلبلا کر اپنی کہانی شروع کردی۔

"تمہیں دھوکا ہوا ہوگا" میں نے پورے اعتماد سے کہا "میں تو اسلام آباد تک کہیں رکا ہی نہیں۔ تم بھیڑ بھاڑ میں کسی اور ٹیکسی کے پیچھے ہولیے ہوگے" وہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اچانک ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اگر اُس کے پاس ٹیکسی کا نمبر ہوتا تو وہ ڈرائیور سے میری شناخت کروا کر میرا جھوٹ ثابت کرسکتا تھا لیکن غنیمت ہوا کہ اس نے ایسی کوئی دھمکی نہیں دی۔ شاید بوکھلاہٹ میں وہ ٹیکسی کا نمبر نوٹ ہی نہیں کرسکا ہوگا اور ٹیکسی ڈرائیور گڑبڑ کا اندازہ کرکے اس کی ریستوران سے واپسی سے پہلے بھاگ نکلا ہوگا۔

"تم اسلام آباد کیوں گئے تھے؟" نقلی ظفر مسلسل میری طرف دیکھے جارہا تھا۔

"سینتے کاسیلو کی تلاش میں اسلام آباد کے ہوٹلوں کی خاک چھاننے گیا تھا لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔" میں نے بے پروائی سے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہوں" وہ بے بسی سے غرّایا "اب تم میرے آدمی کو ساتھ لیے بغیر کہیں نہیں جاؤ گے۔"

"میں نے تو اسے ساتھ لے جانے کی پیش کش کی تھی لیکن یہ تمہارے خوف سے الگ ٹیکسی میں پیچھا کرنے پر اڑا رہا اور وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔"

"تم نے مجھے یہ بات کیوں نہیں بتائی تھی؟" نقلی ظفر نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"سر، غلطی ہوگئی" وہ گڑگڑایا "ہمیں چھپ کر نگرانی کرنی تھی لیکن یہ سیدھا میرے پاس پہنچ گیا تو میں پریشان ہوگیا تھا۔ اب میں سائے کی طرح اس کے ساتھ لگا رہوں گا۔"

"باہر جاؤ اور میرا انتظار کرو" وہ قہربار لہجے میں بولا۔ اپنے ماتحت کے باہر جانے تک وہ خاموش رہا پھر مجھ سے مخاطب ہوگیا۔ "شاید تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ اس وقت تم کس پوزیشن میں ہو؟"

"تم جو چاہو کہہ سکتے ہو لیکن میرا ضمیر صاف ہے۔ میری نیت میں کھوٹ ہوتا تو میں دوبارہ ادھر لوٹنے کی حماقت نہ کرتا۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ سینتے کاسیلو سے دوستی ہونے کی وجہ سے تم مجھے بھی مشتبہ سمجھ رہے ہو اور مجھے چارا بنا کر سینتے کو پکڑنا چاہ رہے ہو۔"

"اور تم سینتے کو بچانا چاہ رہے ہو؟" اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"ایسا ہوتا تو میں اس وقت اسلام آباد کے ہوٹلوں کے دھکے کھا کر واپس نہ آیا ہوتا" میں نے ترش روئی کے ساتھ کہا "میں اپنے قومی مفادات پر کوئی مفاہمت نہیں کرسکتا۔ سینتے اگر میری دوست ہے تو تم ایک ذمّے دار افسر ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ سینتے کو تلاش کرکے' خود تمہارے سامنے کھڑا کردوں تاکہ تم اس سے پوچھ گچھ کرکے ایک مرتبہ اپنا اطمینان کرلو۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا دامن بے داغ نکلے گا۔"

اس کی آنکھوں سے بے یقینی جھلکنے لگی "تم سچے دل سے یہ باتیں کہہ رہے ہو؟"

"میرا ماضی میرا سب سے بڑا گواہ ہے۔ ملا سرکار کے خاتمے سے لے کر آج تک میں نے کبھی قومی مفادات پر آنچ نہیں آنے دی لیکن اب تم نے مجھ پر ناروا پابندیاں لگا کر یہ ثابت کردیا ہے کہ تم اپنے علاوہ اور کسی کو محبِ وطن نہیں سمجھتے۔ میں سینتے کی تلاش سے دست بردار ہوتا ہوں۔ تم خود ہی اس کا کھوج لگاؤ گے۔ میں تمہارے ماتحتوں کے ہاتھوں نئی ذلتیں بھگتنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

میری ان کڑوی کسیلی باتوں نے اُس پر خاطر خواہ اثر کیا اور وہ نرم پڑتے ہوئے بولا "تم بلاوجہ برا مان رہے ہو۔ میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔ ہم اپنے قاعدوں کے قیدی ہوتے ہیں...."

"مجھے یہ سب نہ بتاؤ!" میں نے بے رخی سے اس کی بات کاٹ دی "اسپیشل ٹاسک فورس میں کمانڈر کی مرضی قانون کا درجہ رکھتی ہے۔ اپنی خواہشات کو قاعدوں کا سہارا نہ دو۔"

"مجھے اب بھی تم سے کوئی پرخاش نہیں ہے" اُس کا لہجہ دوستانہ ہوگیا۔ "تم بالکل ٹھیک سمجھے ہو کہ سینتے سے دوستی کی وجہ سے تم چیک لسٹ پر آگئے ہو۔ اگر تم مجھ سے بھرپور تعاون کا وعدہ کرو تو میں اپنی ذمّے داری پر تمہیں مکمل آزادی دینے کو تیار ہوں۔ تمہاری کوئی نگرانی نہیں کی جائے گی۔"

"تعاون کے لیے میں کوئی بونڈ نہیں بھر سکتا۔ کیا میرے اب تک کے عمل سے تم نے میرے رجحان کا اندازہ نہیں لگایا؟ میں اس ملک میں قانون کو مطلوب ہوں۔ یہاں مجھے صرف اسپیشل ٹاسک فورس والوں کا سہارا ملا ہوا ہے۔ ان سے بھی بگاڑ ہوگیا تو میں کہاں جاؤں گا؟ اگر تم اس سیدھی سی بات کو ذہن نشین کرلو تو تمہیں میری وفاداری پر شبہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی۔ "اب تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ میری خواہش ہے کہ وہ بدذات لڑکی تمہارے ذریعے ہی ہمارے قبضے میں آئے۔"

"میں کوشش کروں گا لیکن ایک بات ابتدا ہی سے میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔"

"اس وقت اسے بھی صاف کرلو تو بہتر ہوگا۔" اس نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"اگر سینتے کاسیلو اتنی ہی بڑی مجرمہ ہے تو تم نے اسے اسی وقت کیوں نہیں پکڑا جب اسے گیسٹ ہاؤس میں پہلی مرتبہ میرے کمرے میں دیکھا تھا؟ اس وقت تم نے ویرا کے حوالے سے اُسے خطرناک قرار دینے کے علاوہ مزید کچھ نہیں کہا تھا لیکن اب وہ ایک بھیانک روپ اختیار کرتی جارہی ہے۔"

"اس وقت میں نے ویرا کے حوالے سے جو کچھ کہا وہ میری ذاتی رائے تھی۔" اس نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر ایک کہانی شروع کردی لیکن سینتے کو دیکھتے ہی میرے ذہن کو کرنٹ سا لگا تھا۔ اسی وجہ سے میں تمہارے پاس سے اچانک ہی واپس چلا گیا تھا۔ دفتر میں' میں نے پرانے ریکارڈ کی چھان بین کی تو مجھے سینتے کی تصویر کے ساتھ کافی مواد مل گیا۔ ہمارے ریکارڈ میں اس کا نام گلوریا کلارک ہے اور یہ اسرائیلی سیکرٹ سروس' موساد کے لیے کام کرتی رہی ہے۔ تم خود سوچ سکتے ہو کہ پاکستان میں کسی اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ کی موجودگی کتنی خطرناک اور باعثِ تشویش ہوسکتی ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ اس نے تم کو بھی ورغلا لیا ہے۔"

وہ اول درجے کا جھوٹا اور مکار تھا۔ وہ اسرائیلی نسل پرستوں کے خلاف پاکستانیوں کی نفرت سے بخوبی واقف تھا اس لیے اُس نے سینتے کے خلاف' میرے دل میں نفرت ابھارنے کے لیے اسے بلا تامل اسرائیلی ایجنٹ قرار دے دیا تھا جبکہ حقیقت میں سینتے کاسیلو یا گلوریا کلارک کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔

وہ میرے جذبات سے کھیلنا چاہ رہا تھا جب کہ میں اس سے کھیل رہا تھا اس لیے میں نے شدید ردِعمل کا اظہار کرتے ہوئے حیرت سے کہا۔ "وہ اسرائیلی ایجنٹ ہے؟ پھر تو اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر یہ بات ثابت ہوجائے تو میں اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کر ڈالوں گا۔"

"میں بھی یہی کہنا چاہ رہا ہوں۔" اس نے کہا۔ "اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ تم سینتے کو پکڑنے میں میری مدد کرو گے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس نے اپنی بے گناہی ثابت کردی تو میں اس سے معافی مانگ لوں گا۔"

اس وقت میری پوزیشن بہت نازک تھی۔ وہ سارا کھیل میرا ہی سجایا ہوا تھا لیکن نقلی ظفر مجھے بھول کر سینتے کے خون کا پیاسا ہورہا تھا۔ میں اس کی غلط فہمی برقرار رکھتے ہوئے ہی اس کے عزائم سے باخبر رہ سکتا تھا۔ اسے میری نیّت پر ذرا بھی شبہ ہوجاتا تو پوری بساط الٹ سکتی تھی۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ سینتے کاسیلو کی تلاش کے لیے ویرا کو بھی یہاں بلالوں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اسلام آباد میں سینتے کے خفیہ روابط سے واقف ہو۔" میں نے باتوں ہی باتوں میں خیال ظاہر کیا۔

"ضرور بلالو لیکن اس معاملے میں ویرا پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی تمام ترہمدردیاں سینتے کے ساتھ ہوں گی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اسے ہمارے ہاتھ ہی نہ آنے دے۔"

"اسے سنبھالنا میرا کام ہے۔ میں ویرا سے تمہارے شبہات کا ذکر ہی نہیں کروں گا۔ اس کے لیے گیسٹ ہاؤس پر حملہ کرنے والے نامعلوم دشمنوں کی کہانی چلتی رہے گی۔ باقی معاملات بعد میں دیکھ لیے جائیں گے۔" میں نے اسے اطمینان دلانے کی نیت سے کہا۔

میری تجویز پر اُس کا چہرہ کِھل اٹھا۔ "میں اپنی جانب سے یہ تجویز پیش نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ تم نے میرا دل خوش کردیا ہے۔ میری اور تمہاری سوچ میں حیرت ناک حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔"

وہ کچھ دیر بعد واپس چلا گیا۔ اس دوران میں' مجھے اس کے بائیں ہاتھ پر نگاہ ڈالنے کا موقع مل گیا تھا اور اس ہاتھ پر بھی سرجری کے خفیف سے نشانات پائے گئے تھے۔

میں نے ویرا کو طلب کرنے کی بات اس مقصد سے چھیڑی تھی کہ میں سینتے کا سیلو والا ڈراما ختم کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کردار نے اپنا مقصد بخوبی پورا کرلیا تھا اور اس کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ دوسری طرف ویرا کے لیے وہ روپ خطرناک بھی ہوتا جارہا تھا۔ وہ ویرا کے روپ میں آنے کے بعد پوری بے خوفی کے ساتھ نقل و حرکت کرسکتی تھی۔ ظفر کے آدمی سینتے کے خیالی کردار کو ڈھونڈتے ہی رہ جاتے۔

میری پچھلی رات بھاگ دوڑ میں گزری تھی اور صبح بھی جلدی آنکھ کھل گئی تھی اس لیے میں اپنے کمرے میں اندھیرا کرکے بستر پر دراز ہوگیا۔ مختصر سی نیند لینے کے بعد میں نہا دھو کر تازہ دم ہوا اور ہوٹل سے نکل کھڑا ہوا۔ بازاروں اور گلیوں میں کافی چہل قدمی کرنے کے باوجود میں اپنے تعاقب کا اندازہ لگانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ نقلی ظفر نے مجھے اس بارے میں یقین دہانی ضرور کرا دی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ وہ مجھے کھلی چھوٹ دینے کے بجائے' میری نقل و حرکت پر پوری پوری نگاہ رکھے گا۔ شاید اس نے پچھلے تلخ تجربے کی بنا پر کسی گھاگ آدمی کو میرے پیچھے لگایا تھا جس کا سراغ لگانا مشکل تھا۔

میں نے ایک پبلک کال آفس سے پہلے ویرا کو فون کرکے پروگرام سمجھایا کہ اسے سینتے کا سیلو کا بہروپ ختم کرکے اپنے اصل حلیے میں میرے پاس پہنچنا تھا۔ امکان یہ تھا کہ سینتے کے سلسلے میں نقلی ظفر کے آدمی شاید ائرپورٹ کی بھی نگرانی کررہے ہوں گے اس لیے میں نے ویرا سے کہا کہ وہ ظفر سے ملاقات ہونے کی صورت میں بس سے اپنی آمد کا ذکر کرے لیکن ویرا کے پاس اس سے بہتر تجویز موجود تھی۔ اس نے کہا کہ وہ فلائنگ کوچ کے ذریعے چار پانچ گھنٹے میں لاہور پہنچ جائے گی اور پھر کراچی سے براستہ لاہور' پنڈی آنے والی پہلی پرواز سے واپس لوٹ آئے گی۔ وہ خود بھی اپنے بہروپ سے جلد از جلد نجات حاصل کرنا چاہتی تھی۔

وہ طریقہ ہر اعتبار سے محفوظ تھا۔ نقلی ظفر کے آدمی یہ دیکھ لیتے کہ ویرا کراچی سے آنے والی پرواز سے پنڈی پہنچی ہے تو انہیں ویرا اور سینتے کے بارے میں پورا یقین ہوجاتا کہ وہ دو الگ شخصیات ہیں۔ ان کے لیے یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا کہ ویرا اس طیارے میں کراچی سے سوار ہوئی تھی یا لاہور سے سفر کا آغاز کیا تھا۔ ویرا سے بات ختم کرنے کے بعد میں نے کراچی فون کیا تو میری کال غزالہ نے ہی ریسیو کی۔

"شکر ہے کہ تمہیں کراچی کا خیال تو آیا۔" اس کی آواز سے خوش طبعی جھلک رہی تھی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ اپنی سہیلی سے تمہاری کوئی جھڑپ ہوگئی ہے جب ہی تمہیں گھر یاد آیا ہے۔"

"تمہاری بددعا سے ہم دونوں الگ الگ ہوٹلوں میں رہ رہے ہیں۔ یہاں کھیل شروع ہوچکا ہے۔ بس یہ دھیان رکھنا کہ اتفاق سے ظفر کا فون آجائے تو اسے یہ نہ بتانا کہ ویرا میرے ساتھ پنڈی گئی تھی۔"

"اس کے روپ بدل کر سفر کرنے کے بعد اس اعتراف کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ اتنی بات اب میں بھی سمجھ لیتی ہوں' یہ بتاؤ کہ تمہاری واپسی کب تک ہو رہی ہے؟"

"کل رات ہی یہاں پہنچے ہیں۔ واپسی میں دو تین دن اور لگیں گے۔ فی الحال میرا کوئی مستقل ٹھکانا نہیں ہے۔ موقع نکال کر میں خود ہی تمہیں فون کرتا رہوں گا۔ سلطان شاہ کے کیا حال چال ہیں؟"

"تمہاری غیر حاضری میں وہ بہت سنجیدہ اور بردبار ہوجاتا ہے۔" نقرئی ہنسی کے ساتھ جواب آیا۔

میں نے اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے فون بند کردیا۔ کراچی فون کرنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ میرے باہر نکلنے کے بعد' میرا تعاقب کرنے والا اس پی سی او میں پہنچے تو اسے یہ ضرور معلوم ہو کہ میں نے کراچی فون کیا تھا۔ وہ نقلی ظفر کو گمراہ کرنے کی ایک چال تھی۔ وہ یہی سمجھتا کہ میں نے ویرا کو پنڈی طلب کرنے کے لیے کراچی بات کی تھی۔

طویل چہل قدمی کے بعد میں اپنے ہوٹل میں لوٹ آیا اور کمرا بند کرکے بلیک ڈاگ کی باقی ماندہ بوتل سے عرقِ نشاط کشید کرنے میں مصروف ہوگیا۔

میں کھانے سے فارغ ہوکر گہری نیند سویا ہوا تھا کہ دروازہ پیٹے جانے کے مسلسل شور سے ہڑبڑا کر میری آنکھ کھل گئی۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ دوبارہ کوئی مصیبت نازل ہوگئی تھی۔ میں نے رِسٹ واچ پر نظر ڈالی تو وہ صبح کے تین بجا رہی تھی۔ میں نے تکیے کے نیچے سے بیم گن نکالی اور بستر چھوڑتے ہوئے۔ "کون ہے؟" کی ہانک لگائی۔

"نیچے تمہارا فون ہے' جلدی آکر بات کرلو۔" وہ ہوٹل کے ایک بیرے کی آواز تھی۔

میں بولٹ گرانے کے بعد تیزی سے نیچے پہنچا تو دوسری طرف سے ویرا بول رہی تھی۔

"میں نائٹ کوچ سے پنڈی پہنچ گئی ہوں اور فلیش مین ہوٹل میں تمہاری منتظر ہوں۔ مجھے ائرپورٹ سے اغوا کرنے کی کوشش کی گئی۔ میں ان میں سے ایک کو زخمی اور دوسرے کو شاید زیادہ زخمی کرکے بمشکل یہاں تک پہنچی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ تمہارے دوست کی نیّت میں ابھی تک فتور باقی ہے۔"

"میں ابھی آرہا ہوں۔ میرا انتظار کرو!" میں نے کوئی جوابی تبصرہ کیے بغیر کہا۔

"کمرا مِس لیزلی گومز کے نام پر لیا گیا ہے۔ بائیس نمبر!" اسی کے ساتھ فون بے جان ہوگیا۔

ہوٹل کا منیجر اپنی گہری نیند خراب ہونے کی وجہ سے بیزاری کے عالم میں مجھے گھورے جارہا تھا۔ میرے فارغ ہونے پر ترش روئی کے ساتھ بولا۔ "صاحب! تمہاری وجہ سے ہم مصیبت میں آگئے ہیں۔ دوپہر میں اسپیشل پولیس والوں کی گارڈ نے دھاوا بول دیا تھا اور اب اس فون نے پریشان کردیا۔"

"فکر نہ کرو۔ میں ابھی یہ ہوٹل چھوڑ رہا ہوں۔" میں نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "میرا حساب کیا ہے؟"

"حساب کتاب تو صبح سیٹھ ہی کرے گا۔" اس نے بے پروائی سے کہا کیونکہ میں نے ہوٹل میں زیادہ رقم جمع کرائی ہوئی تھی۔ "کل کسی وقت آکر حساب کرلینا۔"

میں نے کمرے میں جاکر اپنا تھیلا سمیٹا اور لباس تبدیل کرکے ہوٹل چھوڑ دیا۔

باہر نکلتے ہی میں نے ایک انسانی ہیولے کو ایک گلی میں غائب ہوتے دیکھا اور گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ البرٹو ویلیسا اپنی کمینگی اور وعدہ خلافی کے بارے میں میری تمام توقعات پر پورا اتر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ائرپورٹ سے ویرا کے اغوا کی ناکام کوشش بھی اسی کے آدمیوں کی حرکت تھی۔ ویرا نے دوسرے آدمی کو زیادہ زخمی کرنے کا تذکرہ کرکے یہ واضح کردیا تھا کہ وہ مارا گیا تھا۔ اس وقت تک اس بات کی ساری علامات موجود تھیں کہ البرٹو ویلیسا ہمارے خلاف اسپیشل ٹاسک فورس کی نفری استعمال کررہا تھا اس طرح اس نے ویرا کے ہاتھوں ایس ٹی ایف کا ایک آدمی مروا دیا تھا اور اوپر والے اس کی ان گندی حرکتوں سے بے خبر تھے۔

میں ہوٹل سے نکل کر لیاقت چوک پہنچا تو وہاں سے ٹیکسی مل گئی۔ وہ نہ بھی ملتی تو میں پیدل ہی فلیش مین تک مارچ کرسکتا تھا۔ اس طرح میرا تعاقب کرنے والا کہیں نہ کہیں میری نظر میں آسکتا تھا۔

ویرا اپنے کمرے میں میری منتظر تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے مجھے بتایا کہ اپنا بچاؤ کرتے ہوئے اس کا بایاں بازو زخمی ہوگیا تھا لیکن پھر بھی وہ اپنے دونوں دشمنوں پر حاوی رہی تھی۔ اس نے میرے اندازے کی تائید کرتے ہوئے بتایا کہ ان میں سے ایک بے ہوش ہوگیا تھا جبکہ دوسرے کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور اس کے جاں بر ہونے کی ذرا بھی امید نہیں تھی۔ ویرا نے ان دونوں کو پچھلے پائیدان میں ڈال کر ان ہی کی کار میں پنڈی تک کا سفر طے کیا تھا پھر وہ کار سیٹلائٹ ٹاؤن کے قریب چھوڑ کر ایک ٹیکسی سے ہوٹل میں پہنچ گئی تھی۔

ویرا سے معلومات حاصل کرنے کے بعد میرے لیے اپنے غصے پر قابو پانا دشوار ہوگیا۔ میں البرٹو کو فون کرکے اس سے شدید احتجاج کرنا چاہتا تھا لیکن ویرا نے مجھے روک دیا۔ اس کے ایک آدمی کو ہلاک کرکے ویرا نے اس پر اپنی بالادستی ثابت کردی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ لاش دستیاب ہونے کے بعد البرٹو ہی کی جانب سے کسی ردِعمل کا انتظار کرنا زیادہ مناسب رہے گا۔

مری روڈ کے سستے ہوٹلوں کے مقابلے میں فلیش مین ہوٹل کا وہ روشن' صاف ستھرا اور کشادہ کمرا ایک نعمت سے کم نہیں تھا۔ میرا غصہ فرو کرنے کے لیے ویرا نے فوراً ہی اپنی بوتل سے اسکاچ کے دو پیگ بنا لیے اور ہم گزرے ہوئے واقعات پر رائے زنی میں مصروف ہوگئے۔

کراچی سے اوّل خان کی آمد کا ذکر سن کر ویرا چونک پڑی۔

"ہمیں اُس کے آنے سے پہلے ہی کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔" اس نے کہا۔ "اول خان کے آتے ہی وہ سمجھ لے گا کہ اس کے گرد جال کسا جارہا ہے۔ اس وقت اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہوجائے گا۔"

"اول خان کی مدد کے بغیر ہم ایس ٹی ایف کے بڑوں سے رابطہ نہیں کرسکتے۔"

"اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اسے گھیر کر پکڑلو۔ اس وقت وہ آسانی سے ہاتھ آجائے گا۔"

"ایس ٹی ایف والوں پر اس کا شدید ردِعمل ہوسکتا ہے۔ یہ بات پہلے بھی ہوچکی ہے۔"

"اب صورتِ حال مختلف ہے۔ تم اس کے فنگر پرنٹس کا راز معلوم کرچکے ہو۔ تم نے اول خان کو بھی اعتماد میں لے لیا ہے۔ اگر وہ ہمارے ہاتھوں مارا بھی گیا تو ہم یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ وہ ظفر نہیں بلکہ ایک خطرناک غیر ملکی ایجنٹ تھا اور ایس ٹی ایف میں گھس کر تمہارے قومی مفادات کو سبوتاژ کررہا تھا۔"

ویرا کی بات معقول تھی۔ ہمارے سارے خدشات اسی وقت تک درست تھے جب تک ہمیں البرٹو ویلیسا کے فنگر پرنٹس کا حیرت انگیز راز معلوم نہیں ہوا تھا۔ اس انکشاف نے تو اول خان کے اعتماد کی بنیادیں بھی ہلا کر رکھ دی تھیں اور وہ بذات خود پنڈی آنے پر آمادہ ہوگیا تھا۔

ویرا نے مشورہ دیا کہ میں اس کے اغوا کی ناکام کوشش کا ذکر کیے بغیر' نقلی ظفر کو اسی وقت اپنے ہوٹل آنے کی دعوت دوں اور پھر ہم اسے لے کر کسی دور افتادہ ویرانے کی طرف نکل جائیں۔

جہاں آزادانہ تشدد کے ذریعے اس کی زبان کھلوانے کی کوششیں کی جاسکیں لیکن میں نے وہ مشورہ رد کردیا۔

"اس حرام زادے نے میری نگرانی ختم کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن نگرانی مسلسل جاری ہے۔ اتنا فرق ضرور پڑا ہے کہ میرا پیچھا کرنے والے بہت زیادہ محتاط ہوگئے ہیں۔ میری راجہ دربار ہوٹل سے یہاں منتقلی کی خبر ملنے پر وہ ضرور کسی ردِعمل کا مظاہرہ کرے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ سینتے کاسیلو کی روپوشی سے جھلا کر ہم دونوں ہی کو پکڑوانے کا فیصلہ کرچکا ہو۔ اس وقت ہمیں پہل کرنے کے بجائے' اس کے ردِعمل کا انتظار کرنے کی ضرورت ہے۔"

"تم شاید بھول رہے ہو کہ پہل کرنے والا ہر حالت میں فائدے میں رہتا ہے!"

"مجھے سب یاد ہے لیکن میں البرٹو کی اعصابی اور ذہنی حالت کے پیشِ نظر انتظار کرنے کو بہتر سمجھ رہا ہوں۔ اس کی حماقتوں کی وجہ سے ہمیں کوئی نہ کوئی بڑی کامیابی نصیب ہو ہی جائے گی۔"

اسی وقت دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔ اس ہوٹل میں انٹرکام پر پیشگی اطلاع کے بغیر کسی ملاقاتی کا یوں براہِ راست کمرے پر چلا آنا حیرت ناک تھا۔ ہم دونوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر میں نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

البرٹو ویلیسا دروازہ کھلتے ہی مجھے دھکیلتا ہوا اندر گھس آیا۔ اس کے تیور خاصے خشمناک تھے اور وہ اکیلا نہیں تھا' اس کے پیچھے چار صحت منداور مضبوط آدمی بھی تھے جو اُس کی تقلید کرتے ہوئے کمرے میں آگئے تھے۔ آخری آدمی نے دروازہ بند کردیا۔

"جو جہاں ہے' وہیں رک جائے اور اپنے ہاتھ سر سے اوپر اٹھالے۔ تم پانچوں میں سے جس نے بھی میری اس ہدایت سے انحراف کیا' اسے میں بے دریغ گولی ماردوں گا۔" ان کے اندر آتے ہی میں نے پھرتی کے ساتھ بیم گن نکال کر' سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔

کمرے کا دروازہ کھولے جانے کے بعد وہ لوگ جس دیدہ دلیرانہ انداز میں اپنی بالادستی کا اظہار کرتے ہوئے اندر گھستے چلے آئے تھے' اس کی بنا پر میری کھوپڑی یک بیک چیخ اٹھی تھی اور میں نے البرٹو ویلیسا کے ساتھ' ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر' برابری سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میں اسے پوری وضاحت کے ساتھ یہ بات بتادینی چاہتا تھا کہ وہ اپنی اداکاری میں بری طرح ناکام رہا ہے اور ہم لوگ اسے اسپیشل ٹاسک فورس کے ایک ذمے دار افسر کے بجائے' ملک دشمن اور غدار تصور کرتے ہیں کیونکہ وہ ظفر کی شخصیت چُرا کر ہمارے ایک اہم اور حساس ادارے میں گھس بیٹھنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

میری دھمکی سنتے ہی' البرٹو ویلیسا کمرے کے وسط سے پلٹا' وہ واقعی بلا کا مکار اور بہت بڑا اداکار تھا کیونکہ چند لمحوں پہلے تک' اس کے چہرے پر نظر آنے والی درشتی اور خشمناکی پل بھر میں کافور ہوچکی تھی اور اس کی چمکدار آنکھیں متحیرانہ انداز میں میری طرف نگراں تھیں۔

"کیوں؟ آخر کیوں۔۔۔؟" اس نے اپنی حیرت کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے مجھ سے احتجاج کیا۔ "کیا تم بھی میرا ساتھ چھوڑ کر ویرا اور اس کے ہمدردوں سے مل گئے ہو؟"

"میں تم پانچوں کی بدمعاشی کا مظاہرہ دیکھنے تک غیر جانب دار تھا لیکن اب مجھے تم لوگوں کی حرکات میں مجرمانہ آثار نظر آرہے ہیں۔ میں بدمعاشی کا جواب بدترین بدمعاشی سے دوں گا۔۔۔"

"تم بلاوجہ برہم ہو رہے ہو!" البرٹو ویلیسا نے میری بات کاٹتے ہوئے نرمی کے ساتھ کہا "میں مانتا ہوں کہ ہمارا یوں اندر گھس آنا' شائستگی کے خلاف تھا لیکن شاید تم بھول رہے ہو کہ ہم نہایت غیر معمولی صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ ایسے حالات میں اضطراری طور پر بہت کچھ ہوجاتا ہے۔"

غنیمت یہ تھا کہ پہلے البرٹو ویلیسا' پھر اس کی تقلید میں بقیہ چاروں نے اپنے ہاتھ اٹھالیے تھے جس سے ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ ہوٹل کی حدود میں براہِ راست تصادم سے گریز ہی کرنا چاہ رہے تھے۔

"میں تمہیں سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ ہم تمہارے دوست ہیں۔ اسپیشل ٹاسک فورس کے ساتھ تمہارے مراسم غیر روایتی اور دوستانہ رہے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ جلدبازی میں قائم کی ہوئی کسی رائے کی وجہ سے ان مراسم کو تباہ نہ کرو۔" وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے حیرت ناک سکون اور نرمی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ "میں تفصیلات میں پڑنا نہیں چاہتا۔ پوری کہانی سن لینے کے بعد تم میری ذہنی کیفیت کو بہتر طور پر سمجھ سکوگے۔ میں اس وقت کئی بڑی مشکلات سے دوچار ہوں۔"

اس وقت میری نگاہیں البرٹو ویلیسا پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ اس کے ماتحت اس کی زندگی کو داؤ پر لگا کر کوئی حرکت کرنے کی جرات نہیں کرسکتے تھے' اس لیے میں نے بیم گن کی نال بھی براہِ راست اسی کے سینے کی طرف اٹھائی ہوئی تھی۔

میرے دل میں اس کی طرف سے قہروغضب کا ایک طوفان بھرا ہوا تھا لیکن میں ایک ہی سانس میں اپنی ساری بھڑاس نکال کر اسے قبل ازوقت اپنے کھیل سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے میں نے اس کے خلاف کوئی دوٹوک

رویّہ اختیار کرنے کے بجائے' اپنے ذہنی انتشار کا کھلا مظاہرہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ میں وہی کچھ کرنا چاہتا تھا جس کی وہ مجھ سے توقع کررہا تھا لیکن آسانی کے ساتھ نہیں۔ چند موٹی موٹی باتیں اسے جتانی ضروری ہوگئی تھیں۔

"یہ راجہ دربار جیسی' تیسرے درجے کی کوئی سرائے نہیں ہے جو تم چار اجنبیوں کے ساتھ' سینہ تان کر میری خواب گاہ میں گھس آئے۔ میں یہ۔۔۔" میں نے بدستور بپھرے ہوئے انداز میں کہا لیکن البرٹو ویلیسا نے میری بات درمیان میں سے ہی اچک لی۔

"ان میں کوئی بھی اجنبی نہیں ہے۔ یہ چاروں ایس ٹی ایف کے جانباز ہیں اور دوستوں کے احترام کی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں۔ میں ان کی۔۔۔"

اس بار میں نے اسے بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا اور دوبارہ اپنا احتجاج شروع کردیا "آج دوپہر میں ایس ٹی ایف کے آدمیوں نے راجہ دربار ہوٹل کے باہر میرے ساتھ غنڈا گردی کی پھر اندر تم نے مجھ پر آنکھیں نکالنی شروع کردیں اور اس وقت پھر وہی سب ہونے کے آثار نظر آرہے ہیں۔ مجھے تو یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے تم نے مجھے اچانک کسی اور عینک سے دیکھنا شروع کردیا ہے۔"

"اپنی انگلی ٹریگر پر سے ہٹالو۔" اس نے تقریباً خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "تم بہت زیادہ غصے میں ہو' کہیں غیرارادی طور پر تمہاری انگلی کے عضلات نہ کھنچ جائیں۔" پھر وہ فوراً ہی اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "تم میں سے کوئی ڈیبی کی مرضی کے خلاف حرکت نہیں کرے گا۔ ڈیبی کے ہاتھ میں کوئی عام کھلونا نہیں' بلکہ بیم گن دبی ہوئی ہے جس کے فائر ہوتے ہی گولی نہیں چلتی بلکہ لیزر شعاعوں کی مہلک اور بے آواز دھار' اپنی راہ میں آنے والی ہر شے کو راکھ کردیتی ہے۔"

"ویسے یہاں عام کھلونا بھی ہے۔" ویرا نے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا پستول فضا میں لہراتے ہوئے کہا "اس کے میگزین میں سات جان دار گولیاں موجود ہیں اور میرا نشانہ بالکل بے خطا ہے۔"

"تم خاموش رہو!" البرٹو ویلیسا اس کی طرف متوجہ ہو کر سرد لہجے میں بولا "ڈیبی کو بلاوجہ مشتعل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ غصہ ٹھنڈا ہوجانے کے بعد ہم کھل کر بات کریں گے۔"

ویرا بے پروائی سے اپنے شانے جھٹک کر مسکرادی۔ اس وقت' اس کی مسکراہٹ بہت سرد اور سفاکانہ نظر آئی تھی۔ اس نے بھرپور انداز میں ان پانچوں کو اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔

میں چند ثانیوں تک خاموشی کے ساتھ' غصیلے انداز میں اسے گھورتا رہا پھر غراتے ہوئے بولا "تمہاری پے درپے وعدہ خلافیوں کے بعد' میں تم پر آنکھیں بند کرکے اعتماد نہیں کرسکتا۔ اپنے چاروں آدمیوں کو باہر بھیجنے کے بعد ہی تم مجھے اپنی حقیقت پسندی یا معقولیت کا یقین دلاسکوگے۔"

"تم چاروں باہر جاؤ اور میری واپسی کا انتظار کرو۔" البرٹو ویلیسا نے فوراً ہی فرمان جاری کردیا۔

وہ چاروں' اپنے ہاتھ گرائے بغیر' بیک وقت نکاسی کے راستے کی طرف پلٹے ہی تھے کہ میں نے للکار کر انہیں روک لیا "ٹھہرو!" پھر میں البرٹو سے ہی مخاطب ہوگیا "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ یہ چاروں یہاں سے نکلنے کے بعد' بھاری کمک لے کر' دوبارہ یہاں نہیں آئیں گے۔"

"تم مجھے اپنا یرغمالی بنارہے ہو۔" وہ حیرت اور قدرے صدمے کے ساتھ بولا "تمہیں ذرا سا بھی خطرہ محسوس ہو تو مجھے اڑادینا۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اپنے کمانڈر کی ایسی موت پسند نہیں کریں گے۔"

"جاؤ!" میں نے تحکم آمیز لہجے میں کہا "اور دروازہ بند کردو!"

"اجازت ہو تو میں اپنے ہاتھ گرا کر کرسی پر بیٹھ جاؤں؟" ان چاروں کے چلے جانے کے بعد' البرٹو ویلیسا کے لہجے سے رہی سہی آن بھی رخصت ہوگئی۔

"ہاتھ گرانے سے پہلے تم کو اپنی جامہ تلاشی دینی ہوگی!" میں نے پسپا ہوئے حریف پر دباؤ بڑھایا۔

"میں تیار ہوں۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "میری اندرونی جیب میں' بھرا ہوا سروس پستول موجود ہے۔ اس کے علاوہ تمہیں کچھ نہیں مل سکے گا۔"

میں نے آنکھ سے ویرا کو اشارہ کیا اور اس نے پل بھر میں البرٹو ویلیسا کو نہتا کردیا۔ اس کی جامہ تلاشی میں اعشاریہ تین دو کے بھرے ہوئے پستول کے علاوہ اور کچھ برآمد نہیں ہوا تھا۔

"اب تم اپنے ہاتھ گرا کر بیٹھ سکتے ہو۔ چاہو تو تمہیں اسکاچ کا ایک گلاس بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"مجھے اس کی ضرورت ہے۔" اس نے میرے لہجے کی تلخی کو نظرانداز کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ وہ واقعی ایک گھاگ آدمی تھا اور براوقت آجانے پر مصلحتوں کی آخری حدود سے تجاوز کرجانے میں بھی کوئی برائی نہیں سمجھتا تھا۔

اسے اچھی طرح میرے تیوروں کا اندازہ ہو چکا تھا۔

میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد اپنا گلاس اٹھالیا۔ بیم گن بدستور میرے ہاتھ میں موجود تھی لیکن اس کی نال فرش کی سمت میں جھکی ہوئی تھی۔ اسی اثنا میں ویرا نے اسکاچ کا ایک گلاس البرٹو دیلیسا کے حوالے بھی کردیا۔ اس نے ویرا کا شکریہ ادا کرتے ہی گلاس اپنے منہ سے لگالیا۔

میرے لیے وہ صورتِ حال بہت دلچسپ اور سنسنی خیز تھی۔ دو خونخوار حریف ایک ہی چھت کے نیچے' ایک دوسرے کے سامنے موجود تھے اور اپنے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مذاکرات کے خواہاں تھے۔ مجھے البرٹو دیلیسا کے شرمناک عزائم کے بارے میں کوئی شبہ نہیں تھا جب کہ وہ میرے اخذ کیے ہوئے نتائج کے بارے میں بے یقینی اور تذبذب کا شکار تھا اور میں اسی فرق سے فائدہ اٹھانے پر تلا ہوا تھا۔

"اب بتاؤ کہ تم میری کن پے درپے وعدہ خلافیوں پر اشتعال میں آئے ہوئے ہو؟" البرٹو دیلیسا نے اپنا گلاس آدھا کرنے کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں کمرے کی فضا میں چھایا ہوا سکوت توڑا۔

"اسلام آباد میں' روحی کے گیسٹ ہاؤس میں ہم پر جو شب خون مارا گیا' اس کے بارے میں ابھی تک کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ نامعلوم حملہ آوروں کا سراغ لگانے کے بجائے تم ہم پر دباؤ بڑھاتے جارہے ہو۔ یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے تمہیں میری کہانی پر یقین نہ آیا ہو۔" میں نے اس کے خلاف فردِ جرم کو طویل کرنے کی نیت سے' ابتدا سے ہی بات شروع کردی۔

"وہ بہت پرانا قصہ نہیں ہے۔" البرٹو دیلیسا نے مدافعانہ لہجے میں کہا "گیسٹ ہاؤس کی مالکہ نے تمہاری کہانی کی حرف بحرف تصدیق کی ہے۔ وہاں کے تہ خانے والے کمرے میں پھیلی ہوئی تباہی اور خون کے دھبے' تمہارے بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس لیے اس معاملے پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے۔ میرے آدمی اس معاملے پر کام کررہے ہیں۔ انہیں کچھ نہ کچھ وقت تو دینا ہی ہوگا۔ ان سے فوری نتائج حاصل کرنے کی توقع زیادتی کے مترادف ہوگی۔ تم ان کاموں کی مشکلات سے بخوبی واقف ہو۔"

"وقت گزرنے کے بعد وہ ہوا میں تحلیل ہوجائیں گے۔" میں نے تیزی سے کہا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ان میں سے کم از کم دو نقاب پوش بری طرح لہولہان ہونے کے بعد بے ہوش ہوگئے تھے۔ انہیں طبّی امداد کے لیے فوری طور پر اسلام آباد یا راولپنڈی کے کسی اسپتال میں لے جایا گیا ہوگا۔ خون نہ دیے جانے کی صورت میں ان کی موت ناگزیر نظر آرہی تھی۔ اگر تم اسپتالوں کے ریکارڈ کی چھان بین پر پوری طرح دھیان دیتے تو اب تک اصل مجرم نہ سہی' ان کے زخمی ساتھی ہی تمہاری گرفت میں آچکے ہوتے لیکن تم انہیں سینتے کاسیلو کے دشمن قرار دے کر نظرانداز کرنے کا فیصلہ کرچکے ہو۔"

"تم حد سے تجاوز کررہے ہو!" پہلی زک یاد آتے ہی وہ بلبلا اٹھا۔ اس میں یہ اعتراف کرنے کا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ حملہ کرنے والے بھی اسی کے آدمی تھے' انہیں ایک تیسرا فریق قرار دینے کی کوشش میں وہ کہہ رہا تھا۔ "ہم پاکستان کی سرزمین پر یہاں کے قانون کی سربلندی کے لیے کام کرتے ہیں۔ وہ سینتے کاسیلو کے دشمن تھے تب بھی انہیں یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ جب اور جہاں چاہیں' خون کی ہولی کھیلنی شروع کردیں۔ ہم انہیں کیفرِ کردار کو پہنچائیں گے مگر ہمیں وقت درکار ہے۔"

"پھر تم نے میری بات پر اعتماد نہیں کیا۔ حملے سے بچ نکلنے کے بعد میں نے تمہیں خود اپنی کمین گاہ کا پتا بتایا تھا اور تم نے حفاظت کے بہانے میری نگرانی شروع کرادی۔ کل دوپہر تمہارے آدمیوں نے میرے ساتھ بہت توہین آمیز سلوک کیا تھا۔ خود تمہارا رویّہ بھی قابلِ تعریف نہیں تھا۔"

"میرا اندازہ تھا کہ سینتے کاسیلو جلد از جلد تم سے ملنے کی کوشش کرے گی۔ صرف اسی لیے وہ جال بچھایا گیا تھا۔ اس کے بارے میں تمہیں برا نہیں ماننا چاہیے۔"

"مجھے برا نہیں ماننا چاہیے؟" میں آنکھیں نکال کر' حیرت سے غرایا "وہ لوگ میری گردن دبوچ کر' پستول کی زد پر مجھے تمہارے سامنے لائے تھے اور تم کہتے ہو کہ مجھے برا نہیں ماننا چاہیے؟"

"خیر۔ وہ میرے آدمیوں کی ناسمجھی اور بدتمیزی تھی۔ میں نے اُس وقت بھی انہیں پھٹکارا تھا اور اب میں خود تم سے معذرت خواہ ہوں۔ ہمیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنے دل برے نہیں کرنے چاہئیں۔"

"لیکن سینتے کاسیلو کہاں ہے؟ میں اس کی سلامتی کے بارے میں سخت فکرمند ہوں۔" ویرا نے موقع ملتے ہی اپنی تشویش بھی ظاہر کردی کیونکہ اس کا اصل رول تو سینتے کاسیلو کی فرسٹ کزن ہی کا تھا اور اسے سینتے کے بارے میں فکرمند ہونا ہی چاہیے تھا!

"اس پر بعد میں بات ہوگی۔" البرٹو دیلیسا ہاتھ اٹھاکر اضطراری انداز میں بولا "پہلے ذہنی کی غلط فہمیوں کا رفع کیا جانا ضروری ہے۔ ہم نے ساری باتوں کو ایک دوسرے میں گڈمڈ کردیا تو ہم مصالحت کے بجائے محاذ آرائی میں ہی الجھے رہ جائیں گے۔ میں تم سے ویسے بھی تفصیلی بات کرنی چاہتا ہوں۔"

"ان سب باتوں کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "میں نے ویرا کو تمہارے مشورے کے بعد ہی یہاں بلایا ہے لیکن اس کے ساتھ بھی بہت برا سلوک کیا گیا ہے۔ پنڈی کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی' اسے بدترین تشدد اور دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ یہ رویّہ میرے لیے ناقابلِ قبول ہی نہیں بلکہ سراسر ناقابلِ فہم ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اس طرح کون سی خیرسگالی کی فضا پیدا کرنی چاہ رہے ہو؟"

میں نے دانستہ ائرپورٹ پر ویرا کو پیش آنے والے واقعات کا تفصیلی حوالہ نہیں دیا لیکن البرٹو دیلیسا واقعی اول درجے کا مکار تھا۔ میری بات سنتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور اذیت ناک انداز میں بڑبڑایا "مجھے شبہ ہے کہ یہی ہوا ہوگا اور اب تم میرے بدترین اندیشوں کی تائید کررہے ہو۔"

وہ خاموش ہو کر ہتھیلیوں میں ہی اپنا سر یوں جھٹکنے لگا جیسے اسے واقعی کوئی ذہنی صدمہ پہنچا ہو۔ جب اس کا سکوت طویل ہوگیا تو سلسلۂ کلام جاری رکھنے کے لیے مجھ ہی کو لب کشائی کرنی پڑی۔ "میں ساری رات اسی حالت میں نہیں گزار سکتا۔ پہیلیاں بجھوانے کے بجائے' کھل کر بتاؤ کہ تم اپنے کن اندیشوں سے خوف زدہ تھے؟ میں تمہارے کن اندازوں کی تائید کررہا ہوں؟"

اس نے ہتھیلیوں میں سے اپنا سر اٹھایا اور میری طرف دیکھتے ہوئے' متاسفانہ انداز میں بولا "تمہیں معلوم ہے کہ میں سینتے کاسیلو پر ہاتھ ڈالنا چاہ رہا ہوں۔ روحی کے گیسٹ ہاؤس میں پیش آنے والے واقعات کے بعد سے وہ لاپتا ہے۔ اس کے لیے دو ہی امکانی راستے رہ گئے ہیں۔ وہ دوبارہ تم تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرے یا پھر اسلام آباد سے فرار کی راہ اختیار کرلے۔ میں نے اپنے طور پر ان دونوں امکانات کے انسداد کی پیش بندی کی ہوئی تھی۔ ایک طرف تمہاری حفاظت یا نگرانی کی جارہی تھی۔ سینتے ادھر کا رخ کرتے ہی میرے آدمیوں کی گرفت میں آجاتی۔ دوسری طرف میں نے شہر سے نکاسی کے تمام راستوں پر اپنے آدمی مامور کیے ہوئے تھے جن میں ائرپورٹ بھی شامل تھا۔ مجھے تھوڑی دیر پہلے ہی اطلاع ملی ہے کہ سینتے کاسیلو اسلام آباد انٹرنیشنل ائرپورٹ پر دیکھی گئی تھی۔ میرے دو آدمی اسے پکڑ کر اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہوگئے لیکن اب وہ دونوں لاپتا ہیں۔ ان ہی کے ساتھ سینتے کا بھی کوئی سراغ نہیں مل رہا۔"

"تمہیں یہ اطلاع کس نے دی تھی؟" میں نے اپنی طرف سے اس کی معلومات میں کوئی اضافہ کیے بغیر' محتاط انداز میں سوال کیا۔

"ان کے تیسرے ساتھی نے۔" اس نے بتایا "ائرپورٹ پر میرے تین آدمی مامور تھے۔"

"اتنی رات گئے سینتے کس پرواز سے فرار ہونے کی تیاری کررہی تھی؟"

"اسے کراچی سے' لاہور کے راستے آنے والی نائٹ کوچ کے مسافروں کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ سینتے کے دھوکے میں ویرا سے ٹکرا گئے ہوں گے۔" وہ بولا۔

"انہوں نے یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ سینتے اسلام آباد میں رُوپوش تھی تو وہ کراچی والی پرواز سے کیسے آسکتی تھی؟" میں نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔

"نچلی سطح کے کارکن بسوں اور ٹرینوں میں سفر کرتے ہیں۔" وہ بے چارگی کے ساتھ بولا "انہیں ہوائی سفر کے طور طریقوں سے زیادہ واقفیت نہیں ہوتی۔ انہوں نے تو بس ویرا کو دیکھا ہوگا اور جوش میں آگئے ہوں گے۔ تم کو ماننا پڑے گا کہ سینتے اور ویرا میں حیرت انگیز مشابہت پائی جاتی ہے۔"

"تم کہانیاں تراشنے میں یدِطولیٰ رکھتے ہو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "تمہیں اسپیشل ٹاسک فورس کے بجائے ٹیلی وژن کے لیے کہانیاں لکھنے والوں کی صف میں شامل ہونا چاہیے تھا۔"

"کہانی نہیں' یہ میرا اندازہ ہے۔ تم نے ویرا کے ساتھ بدسلوکی کی شکایت کرکے میری آنکھیں کھولی ہیں۔ ورنہ میں تو اب تک سینتے کاسیلو کی گرفتاری کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اب بات سمجھ میں آرہی ہے کہ کراچی سے آنے والی نائٹ کوچ سے ویرا اسلام آباد پہنچی ہے اور میرے آدمی بلاوجہ ہی ہوا میں ہاتھ پیر چلاتے پھر رہے ہیں۔ ویرا کے ساتھ ہونے والی بدسلوکی میں میری منصوبہ بندی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ یہ سب ویرا اور سینتے کی حیرت ناک مشابہت کی وجہ سے ہوا ہے۔"

بات کرتے کرتے وہ اچانک خاموش ہو کر حیرت سے پلکیں جھپکانے لگا اور چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پوچھنے لگا "اگر ویرا یہاں موجود ہے تو میرے آدمی کہاں گئے؟"

"کہیں نہ کہیں گئے ہی ہوں گے۔" میں نے بے پروایانہ

لہجے میں کہا "تم یہ بتاؤ کہ تمہیں ویرا کی آمد کا علم نہیں تھا تو تم اپنے آدمیوں کے ساتھ یہاں کیوں چڑھ آئے؟ تمہیں تو اپنے ٹھکانے پر رک کر اپنے آدمیوں کے پہنچنے کا انتظار کرنا چاہیے تھا کیونکہ وہ مفرور سینتے کو لے کر آرہے تھے۔"

"میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ ویرا یہاں موجود ہوگی۔" اس نے نہایت صفائی کے ساتھ جھوٹ بولا۔ "میں بتا چکا ہوں کہ میرے آدمی سینتے کی آمد کی امید پر' راجہ دربار ہوٹل کی نگرانی کررہے تھے۔ مجھے اطلاع دی گئی کہ تم راجہ دربار ہوٹل سے نکل کر یہاں آئے ہو تو میں نے ادھر دوڑ لگادی۔"

"جب سینتے کو تمہارے آدمی پکڑ ہی چکے تھے یا کم از کم تم ایسا سمجھ رہے تھے تو پھر میرے پیچھے یہاں آنے کا کیا جواز تھا؟ یہاں تم کون سا تیر مارنے کی توقع کررہے تھے؟" میں اس کی پے در پے قلابازیوں کو ان کے آخری انجام تک پہنچانے پر تلا ہوا تھا۔

"مجھے شبہ ہوا تھا کہ کہیں سینتے کاسیلو' فلش مین ہوٹل میں مقیم نہ رہی ہو اور تم کسی ذریعے سے اس کی گرفتاری سے باخبر ہونے کے بعد ادھر آئے ہو تاکہ اس کے کمرے میں موجود بعض اہم اشیا یا دستاویزات اپنی تحویل میں لے سکو۔ ان امکانات کے سدِ باب کے لیے فوری طور پر میرا یہاں پہنچنا ناگزیر تھا۔ اگر سینتے میرے آدمیوں کی گرفت میں آچکی تھی تو اس کے خلاف میسر ہونے والی شہادتیں بھی میرے قبضے میں آنی چاہیے تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں وقت ضائع کیے بغیر اس ہوٹل کی طرف دوڑ پڑا۔"

"آخری نتیجہ یہ ہے کہ تم میری طرف سے بدستور بدگمان ہو۔" میں نے بیم گن کی نال کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "میں نے ابتدا ہی میں تم کو یقین دہانی کرائی تھی کہ میں اپنے اور ویرا کے قریبی مراسم کی وجہ سے سینتے کاسیلو کی سلامتی کا ذمے دار ضرور تھا لیکن سینتے کی ملک دشمن سرگرمیوں کے ثبوت سامنے آجانے کے بعد' میں ان مراسم کی پروا کیے بغیر اسے قانون کے حوالے کرنے میں ذرا بھی تردّد نہ کرتا لیکن تم نے میری اس یقین دہانی پر اعتبار نہیں کیا۔ مجھے جھوٹی تسلیاں دے کر میرے خلاف کام کرتے رہے؟"

اس نے اپنا سر جھکالیا۔ "میں اپنے منصب کی ذمے داریوں کی وجہ سے مجبور تھا۔ تمہارا ماضی تمہاری حب الوطنی کا سب سے بڑا گواہ تھا لیکن حالات کسی اور رخ کی نشاندہی کررہے تھے۔ سینتے کاسیلو تمہارے ساتھ یہاں آئی تھی۔ ہماری فائلوں میں وہ گلوریا کلارک کے نام سے موجود ہے اور وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس' موساد کی صفِ اول کی کارکن ہے۔ اتنی بڑی مجرمہ کے معاملے میں ذاتی مراسم اور دوستی کی وجہ سے کوئی رُو رعایت نہیں کی جاسکتی تھی۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" ویرا زہریلے لہجے میں پھنکاری۔ "سینتے کاسیلو ایک معصوم اور سادہ لوح لڑکی ہے۔ اس نے زندگی بھر اسرائیلی سیکرٹ سروس تو کجا' اسرائیل کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ گلوریا کلارک کا کردار تمہارے اپنے ذہن کی تخلیق معلوم ہوتا ہے۔ تم بلاوجہ اس پر الزام تراشی کررہے ہو۔"

"اگر وہ اسی قدر معصوم اور بے گناہ ہے تو کہاں رُوپوش ہے؟ اسے سامنے آنا چاہیے۔ مجھے تم دونوں سے کوئی پرخاش نہیں۔ سینتے کو تلاش کرکے میرے سامنے لے آؤ تو ساری غلط فہمیاں رفع ہوجائیں گی۔"

"اور تم مار مار کر اُس کے جسم کا ایک ایک ریشہ الگ کردو گے؟" ویرا غرائی۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس پر تشدد نہیں کیا جائے گا۔ ہمارے پاس ایسے ناقابلِ تردید ثبوت موجود ہیں جنہیں وہ کسی حالت میں نہیں جھٹلا سکے گی۔ اس نے اقبالِ جرم نہ کیا تو میں اسے چھوڑ دوں گا۔"

"تم ہم دونوں سے کوئی پرخاش نہ ہونے کا اعلان کرکے پھر جھوٹ بول رہے ہو' حالانکہ تم مجھ سے شبہ ظاہر کرتے رہے ہو کہ ویرا اور سینتے ملی بھگت کرکے کوئی سازش کرنے کی کوشش کررہی ہیں۔"

"اس میں کلیدی کردار سینتے کا ہے۔ ویرا' اس سے رشتے داری کی وجہ سے شبے کی زد میں آتی ہے۔ لیکن تم نے مجھے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ ویرا کو لے جانے والے' میرے آدمی کہاں ہیں؟"

"ان کی فکر نہ کرو۔ انہیں' ان کی غلط فہمی کی مناسب سزا مل چکی ہے۔ بے ہوش ہونے والے کو ہوش آئے گا تو وہ خود ہی اپنے ساتھی کی لاش لے کر تمہارے ٹھکانے پر پہنچ جائے گا۔"

"لاش!" وہ اپنی کرسی پر سے اچھل پڑا۔ "تو کیا ویرا نے ان میں سے کسی کو قتل کردیا؟"

"دو حریف ٹکراتے ہیں تو عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا "وہ ان کو نہ مارتی تو خود ماری جاتی۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ ان میں سے ایک ہی مارا گیا۔ دوسرا صرف زخمی اور بے ہوش ہوا تھا۔ اگر وہ بھی بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے مرگیا تو یہ اس کی سراسر بدقسمتی ہوگی۔"

"یہ بہت برا ہوا۔ ویرا کے ہاتھوں ایس ٹی ایف کے ایک اہل کار کے قتل کے بعد میں اسے بھی نظر انداز نہیں کرسکوں گا۔ حالات بگڑنے کی ذمے داری مجھ پر نہیں ہوگی اور نہ ہی تمہیں مجھ سے شکوہ ہونا چاہیے۔"

"حالات اس وقت بگڑیں گے جب تمہیں اس کی اجازت دی جائے گی۔" میں نے چبھتے ہوئے' معنی خیز لہجے میں کہا۔ "ویرا کو اپنی مدافعت میں ہر قدم اٹھانے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔"

"کیا مطلب؟" اس بار وہ اچھل کر کرسی سے کھڑا ہوگیا اور میں نے فوراً ہی اسے بیم گن کی نال کی زد میں لے لیا تاکہ وہ غیر ضروری طور پر کسی پھرتی کا مظاہرہ نہ کرسکے۔

"پُرسکون رہ کر بات کرو!" میں نے بیم گن کی نال کی جنبش سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم اپنی فورس کے ایک ذمے دار افسر ہو۔ بسوں اور ریلوں میں سفر کرنے والے' نچلے درجے کے ایک کارکن کی موت پر تمہیں اس طرح بھڑکنا زیب نہیں دیتا۔"

"میں نے وہ الفاظ تحقیر کی نیت سے نہیں کہے تھے۔" اُس نے میری بات کاٹ کر احتجاج کیا "میں اپنے ہر آدمی کی بہادری کی قدر کرتا ہوں۔ کسی کی عزتِ نفس کو ٹھیس نہیں پہنچاتا۔ میرے ایک آدمی کو قتل کرکے ویرا نے ناقابلِ معافی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس واقعے کو کس خانے میں ڈالا جائے گا۔"

"اس ناقابلِ معافی جرم پر تم شاید میرا نرخرا چیرنے کی کوشش کرو گے؟" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں اسے چڑانے کی کوشش میں سوال کیا۔ "یا کھلے میدان میں سُولی پر لٹکوادو گے؟"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم لوگ کیا چاہتے ہو؟" چند ثانیوں کی بوجھل خاموشی کے بعد البرٹو ڈیلیسا بولا تو اس کی آنکھوں سے حقیقی فکر مندی جھلک رہی تھی۔

"ہم تمہارے اوپر والے کسی افسر سے ملنا چاہتے ہیں۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"وہ کس بارے میں؟" فرطِ حیرت سے اس کا مُنہ کھل گیا۔ شاید میرا مطالبہ اس کے لیے غیر متوقع تھا۔

"ویرا کے بارے میں۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ "اس کا معاملہ اب تمہارے بس سے باہر نظر آتا ہے۔" وہ میرا فوری خیال تھا۔ اگر صورتِ حال خود ہی ایک ایسے رخ پر جارہی تھی تو مجھے اسپیشل ٹاسک فورس کے افسرانِ بالا تک رسائی کے لیے اول خان کی آمد کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

"اپنے کسی بھی آدمی کے قاتل کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے معاملے میں' مَیں واقعی مجبور ہوں۔" اس نے اپنی فرض شناسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے' بے بسی سے کہا "تم چاہو تو میں ابھی اور اسی وقت تمہاری ملاقات کا بندوبست کرواسکتا ہوں لیکن ہمیں یہاں سے اسلام آباد جانا ہوگا۔"

"ہمیں اسلام آباد جانے میں کوئی عذر نہیں لیکن تم نے تو بتایا تھا کہ تمہارا دفتر ایسے ممنوعہ علاقے میں واقع ہے جہاں کسی بھی غیر متعلقہ فرد کو' کسی قیمت پر داخلے کی اجازت نہیں دی جاتی۔"

"میں اب بھی اپنے اُس بیان پر قائم ہوں۔" اس کے لبوں پر پہلی بار خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "میں تمہیں اپنے دفتر نہیں لے جاسکتا۔ ہم بیس اسٹیشن جائیں گے جہاں ہمارا بیس کمانڈر ہوتا ہے۔ میں براہِ راست اسی تک رسائی رکھتا ہوں۔"

"یہ سفر صرف ہم تینوں کریں گے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "تمہارے آدمی ہمارے ساتھ ہوں گے اور نہ ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"تو کیا تم مجھے گن پوائنٹ پر وہاں تک لے جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟" حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے لیکن اب میں تم پر اندھا اعتماد نہیں کرسکتا۔ تمہارے اپنے فلسفے کے مطابق ہم تمہیں اپنی حفاظت میں لے جانا چاہتے ہیں۔" میں نے حفاظت پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"کم از کم میرا ڈرائیور تو میرے ساتھ ہی جائے گا؟" اس نے پُرامید لہجے میں سوال کیا۔

"کوئی ہرج نہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا "ہم محاذ آرائی کے قائل نہیں ہیں جب کہ تم اس بار ہماری بیخ کنی پر تلے ہوئے ہو۔ کیا پتا کہ تمہارے آدمی راستے میں کوئی شرارت کر بیٹھیں۔"

"چلو!" وہ کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں انہیں یہاں سے واپس لوٹا دوں گا۔"

ہم تینوں ہی اپنے گلاس خالی کرچکے تھے۔ اس لیے فوراً ہی کمرے سے باہر نکل آئے۔

البرٹو ڈیلیسا اس وقت تک میرا ذہن پڑھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا' اس لیے اس نے ہوٹل سے باہر آکر نہ صرف اپنے چاروں ساتھیوں کو واپس روانہ کردیا بلکہ آخری لمحات پر اس نے اپنے ڈرائیور کو بھی ان ہی کے ساتھ بھیج دیا۔ میں نے بھی کوئی تعرض نہیں کیا۔ دو کے مقابلے میں صرف ایک آدمی پر نگاہ رکھنا' ہمارے لیے سہل ہوتا۔ اگر وہ خود ہی ہمارے لیے ایسی سہولت فراہم کررہا تھا تو یہ خوشی کی بات تھی۔

وہ پانچوں سوزوکی ہائی روف وین سے رخصت ہوگئے تو البرٹو ویلیسا ہمیں لے کر اپنی ہارڈ ٹاپ جیپ کی طرف بڑھ گیا، جو تھوڑے فاصلے پر نیم تاریکی میں کھڑی ہوئی تھی۔

"پہلے تم ڈرائیور کو اپنے ساتھ لے جانا چاہ رہے تھے، اب اسے کیوں روانہ کر دیا؟ گاڑی کون چلائے گا؟" ویرا اس سے وہ سوال پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں ڈرائیونگ جانتا ہوں۔" اس نے جذبات سے عاری انداز میں کہا "کوئٹہ جانے والی پرواز کے لیے میں نے ہی تمہیں ائرپورٹ تک چھوڑا تھا یہ اور بات ہے کہ واپسی پر میں تمہارے دیے ہوئے بارودی پھول کا شکار ہو کر زخمی ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب ڈینی میرے آدمیوں کی موجودگی پسند نہیں کر رہا تو کیوں نہ میں ڈرائیور کو بھی رخصت کر دوں۔ اب میں اکیلا ہی تم دونوں کے ساتھ چلوں گا۔"

البرٹو ویلیسا جیپ لے کر روانہ ہوا تو ویرا اس کے برابر والی نشست پر براجمان تھی۔ میں عقبی نشست پر بیٹھ گیا تھا۔ میری پچھلی رات اسلام آباد کے ویران اور ناہموار ہٹی پارک میں بھاگتے دوڑتے گزری تھی اور وہ شب بھی بستر سے کمر لگائے بغیر بسر ہوتی نظر آ رہی تھی۔

مال روڈ سے جیپ مری روڈ پر مڑی تو اس مصروف سڑک پر دور دور تک ٹریفک کا نام و نشان نہیں تھا۔ اس وقت صبح نمودار ہونے والی تھی اور رات بھر کی رہی سہی مصروفیات بھی چندپل کو ستانے کے لیے دم توڑ چکی تھیں۔ جیپ تیزی کے ساتھ سیاہ سڑک پر فراٹے بھرتی رہی۔ ہمارے پیچھے سڑک ویران پڑی ہوئی تھی یعنی تعاقب نہیں کیا جا رہا تھا۔

یہ اتفاق تھا یا البرٹو ویلیسا کا وجدان کہ سیٹلائٹ ٹاؤن کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ اچانک ہی اپنے آدمیوں کے بارے میں سوال کر بیٹھا۔ "ان دونوں کو تم نے کہاں چھوڑا تھا؟"

"وہ کہیں بھی ہو سکتے ہیں۔" ویرا نے بے پروایانہ انداز میں کہا "ہو سکتا ہے کہ ان کی گاڑی اسی علاقے میں کھڑی ہو۔ دراصل یہ شہر میرے لیے اجنبی ہے۔ مجھے اندازہ نہیں ہے کہ میں نے ان سے کہاں اپنی جان چھڑائی تھی۔ تم ان کے بارے میں اتنے فکر مند کیوں ہو؟ وہ دودھ پیتے بچے نہیں تھے۔"

"تم لوگوں سے ہی معلوم ہوا ہے کہ ان میں سے ایک بے ہوش ہے اور دوسرا مُردہ۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اب دوسرا بھی قریب المرگ نہ ہو؟ میری بروقت توجہ سے کم از کم دوسرے کی جان تو بچائی جا سکتی ہے۔"

"تمہارا جذبہ قابلِ قدر ہے۔" ویرا بے رحمانہ ہنسی کے ساتھ بولی۔ "لیکن اس اجنبی شہر کے بارے میں میرا حافظہ ناقص ہے۔ مجھے موجودہ پچویشن کا ذرا سا بھی اندازہ ہوتا تو میں ان ہی میں سے کسی سے جائے واردات کا محلِ وقوع معلوم کرنے کے بعد اپنی کارروائی کا آغاز کرتی۔"

"تم میرا مضحکہ اڑا رہی ہو۔" اس بار البرٹو کو ویرا کا تبصرہ برہم کر گیا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔" ویرا جلدی سے بولی "میں پوری سنجیدگی سے بات کر رہی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں، میں ان سے بہت کچھ پوچھ سکتی تھی۔ مجھے زیر کر لینے کے بعد وہ دونوں بہت مطمئن اور خوش و خرم تھے۔ اُن کی اسی بے فکری کی وجہ سے میں ان کو زیر کرنے میں کامیاب ہو سکی تھی۔"

وہ اتنا ناسمجھ نہیں تھا کہ ویرا کی اس بودی دلیل سے بہل جاتا۔ اس نے زبان سے کوئی ترش فقرہ ادا نہیں کیا لیکن اپنے غصے کا سارا بوجھ جیپ کے ایکسلریٹر پر ڈال دیا اور ایک جھٹکے کے ساتھ جیپ کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔

فیض آباد چوک سے بائیں طرف شاہراہِ اسلام آباد بھی خالی پڑی ہوئی تھی۔ وہ سڑک، مری روڈ کے مقابلے میں زیادہ کشادہ اور ہموار تھی۔ البرٹو کے تیور دیکھتے ہوئے، میرا خیال تھا کہ اس موڑ کے بعد وہ جیپ کے انجن کو آخری حد تک تھراٹل دے بیٹھے گا لیکن غیر متوقع طور پر اس نے رفتار کم کر لی۔ شاید اس کے لاشعور میں بھی وفاقی دارالحکومت کی ٹریفک پولیس کا خوف جاگزیں تھا اور وہ ان کی کسی بازپرس میں الجھ کر اپنا وقت خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ہم نے البرٹو ویلیسا کا دفتر دیکھا تھا نہ اسپیشل ٹاسک فورس کے بیس اسٹیشن سے واقف تھے۔ اس لیے ہمیں اسلام آباد میں اپنی منزل کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا۔ جیپ، زیرو پوائنٹ کا چوراہے والا سگنل عبور کرنے کے بجائے داہنی طرف، شاہراہِ کشمیر پر گھوم گئی۔

میرے ذہن میں پرانے واقعات سر ابھارنے لگے جب میں نے ان ہی اطراف میں ایک خطرناک مہم سر کرنے کے لیے سلطان شاہ کو بھیجا تھا۔

جب خیابانِ دستور والا سہ راہا بھی پیچھے رہ گیا تو مجھے شاہ بری امام کا مزار اور نور پور شاہاں کا علاقہ یاد آنے لگا۔ شاید البرٹو ہمیں ان ہی اطراف میں لے جا رہا تھا لیکن میں نے اس بارے میں سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھنے کا عہد کیا ہوا تھا۔

فضا میں سبزے کے ساتھ ہی راول ڈیم کے پانی کی بو بھی ہوئی تھی کیونکہ ہم راول ڈیم کے شمال میں واقع عقبی ے گزر رہے تھے۔ سفر تیزی کے ساتھ طے ہوتا رہا۔ جانب نظر آنے والے راستے ایک ایک کر کے گزرتے میرا اندازہ تھا کہ ہم نور پور شاہاں وغیرہ جانے والے کو چھوڑ کر، مری جانے والی راہ پر بڑھ آئے تھے۔ وہ تنگ اور بالکل ویران تھا۔

آخر کار البرٹو نے ایک مقام پر جیپ روک کر ویلز ڈرائیو گیئر لگایا اور پھر جیپ داہنی طرف کے کچے ناہموار راستے پر اتار دی۔ دور تک جاتی ہوئی، لیمپس کی روشنی میں صاف نظر آ رہا تھا کہ اس راستے پر کا گاڑیوں کی ہی آمد و رفت رہتی تھی اور ان کے ٹائروں نشانات نے غیر مسطح، کچی زمین پر ایک راستہ سا بنا دیا تھا وہ کوئی عام گزرگاہ نہیں تھی۔

معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا کمانڈر تاریکی اور ویرانے کا دلدادہ ہے۔" موقع میسر آنے پر ویرا، اس پر چوٹ کیے نہ رہ سکی۔ "ہم تو عمر بھر بھی اس تک نہیں پہنچ سکتے "

"اس تک رسائی حاصل کرنا عام لوگوں کے بس سے باہر ۔ شاید ڈینی کو اس حقیقت کا علم ہے جب ہی اس نے مجھ ملاقات کروانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔" البرٹو کی آواز بوط اور پُراعتماد تھی۔ شاید اس نے ڈرائیونگ کے دوران کھویا ہوا اعتماد بحال کر لیا تھا۔

"میں تمہارا شکرگزار ہوں کہ تم نے میری خواہش کو رد کیا۔ اب ہم بہت جلد کسی مصالحتی مرحلے پر پہنچ جائیں ۔" میں نے اسے بے فکر رکھنے کی نیت سے کہا۔

"ہاں۔ یہ مصالحت اب ناگزیر ہو چکی ہے۔" اس کی ال آواز ابھری۔

درمیان میں پہاڑیاں اور پتھریلے ٹیلے آجانے کی وجہ وہ سیدھا راستہ نہیں تھا۔ پیچ و خم کی وجہ سے جیپ کی تار خاصی کم تھی۔ آخر کار وہ کچا راستہ دو اونچے ٹیلوں کے ن سے گزرتا ہوا نظر آیا اور البرٹو نے جیپ روک لی۔

"اس ویرانے میں کیوں رک گئے؟" ویرا کی اضطراری ز ابھری۔ "ٹیلوں کے درمیان میں راستہ صاف پڑا ہوا ۔ گاڑی آگے بڑھاؤ۔"

شناخت کرائے بغیر ہم نے اپنا سفر جاری رکھا تو بے گولیاں ہماری کھوپڑیوں میں سوراخ کر دیں گی۔ چند صبر کرلو۔ سب کچھ تمہارے سامنے آجائے گا۔" البرٹو جواب دینے کے ساتھ ہی جیپ کے ہیڈ لیمپس گل کر کے کیبن لائٹ آن کر دی۔

تقریباً ایک منٹ تک وہی صورتِ حال برقرار رہی اور میرے تنفس کی رفتار تیز ہونے لگی۔ میری چھٹی حس اچانک ہی خطرے کا اعلان کرنے لگی تھی لیکن میں ان حالات میں کسی خطرے کا ادراک کرنے سے قاصر تھا۔ ان کارروائیوں میں تجسس اور سنسنی کا عنصر تو بڑی حد تک نمایاں تھا لیکن اسپیشل ٹاسک فورس کے بیس اسٹیشن جانے میں کوئی خطرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے البرٹو ویلیسا کیبن لائٹ کی روشنی میں کچھ نادیدہ محافظوں کو ہماری نفری دکھانی چاہ رہا تھا۔ ایک منٹ بعد اس نے کیبن لائٹ آف کی تو میرے تنے ہوئے اعصاب نرم پڑ گئے۔ روشنی کی موجودگی میں، نجانے کیوں یہ خیال آ رہا تھا کہ ہم پر کسی بھی لمحے، ٹیلوں کی طرف سے بے آواز گولیوں کی باڑھ آ پڑے گی اور ہم احمقوں کی طرح مارے جائیں گے۔

فلیش مین جیسے آباد اور بارونق ہوٹل سے روانہ ہوتے ہوئے میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ البرٹو ہم لوگوں کو ایسے اجاڑ اور تاریک ویرانے میں لے جائے گا۔

البرٹو نے وقفے وقفے سے، جیپ کے ہیڈ لیمپس چار بار روشن کر کے بند کیے۔ اس نے پانچویں بار ہیڈ لیمپس جلائے تو ایک حیرت ناک منظر ہمارا منتظر تھا۔

دونوں ٹیلوں کے درمیان، نجانے کہاں سے ایک قد آور بندر آموجود ہوا تھا اور اپنے ہاتھ میں موجود ڈنڈی پر لگا ہوا سفید پرچم لہرا لہرا کر ہمیں آگے جانے کا اشارہ دے رہا تھا۔ جیپ کے حرکت میں آتے ہی، وہ بندر جست لگا کر ایک ٹیلے کی اوٹ میں کہیں غائب ہو گیا۔

"حیرت ناک!" ویرا بڑبڑائی۔ "یہ بندر تو بہت تربیت یافتہ معلوم ہوتا ہے۔"

"یہاں بندروں سے حیرت ناک کام ہی لیے جاتے ہیں۔ اندر جا کر تمہاری طبیعت خوش ہو جائے گی۔"

"ہم اندر نہیں جائیں گے۔" ویرا کی آواز یک لخت سرد اور سفاکانہ ہو گئی۔ "میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ جیپ یہیں روک دو ورنہ گولی مار دوں گی۔" یہ کہتے ہوئے، ویرا نے اپنے پستول کی نال البرٹو کی کھوپڑی سے لگا دی۔

اس وقت تک جیپ دونوں ٹیلوں کے درمیان سے گزر چکی تھی۔

"مگر کیوں؟" البرٹو نے احتجاج کیا "میں تمہیں، تمہاری ہی خواہش پر، یہاں لایا تھا۔"

"ہم ایس ٹی ایف۔ کے بیس اسٹیشن جانا چاہتے تھے۔

کرنل جیسی جونز کے چنگل میں نہیں۔" ویرا کسی شیرنی کی طرح غرائی "میں بندروں کو سدھانے کے کرتب کو لمبیا میں خوب دیکھ چکی ہوں۔ بندر دکھا کر تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں' البرٹو!"

"میں ظفر ہوں' تم مجھے کس نام سے پکار رہی ہو؟" اس کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری۔ اسی کے ساتھ اس نے پوری قوت سے جیپ کے بریک لگا دیے اور جیپ کے ٹائر کچی زمین پر خاصی دور تک گھسٹتے چلے گئے۔

وہ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ ویرا اچھل کر ونڈ شیلڈ سے جا ٹکرائی۔ اس کا پستول والا ہاتھ بھی بہک کر نیچے جھک گیا۔ مزید ستم یہ ہوا کہ میں بھی جھٹکے کی وجہ سے اپنی نشست سے تقریباً اڑتا ہوا' اس پر جا پڑا۔

ہم دونوں کے سنبھلنے سے بیشتر ہی' البرٹو اپنی سمت کا دروازہ کھول کر اندھیرے میں چھلانگ لگا چکا تھا۔ میں نے سنبھل کر پیچھے لوٹنے کے بجائے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور بے تحاشا اگنیشن سے جھولتی ہوئی چابی تلاش کرنے کی کوشش کی جو بے سود ثابت ہوئی۔ البرٹو اس غیر متوقع موڑ پر بھی حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے چابی اپنے ساتھ لے جانا نہیں بھولا تھا۔

باہر چند سیکنڈ تک کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی وزنی دھمک سنائی دیتی رہی جو یک بیک ہی موقوف ہو گئی۔ شاید البرٹو نے کسی آڑ میں پناہ لے لی تھی۔

ویرا کی زبان سے کرنل جیسی جونز کے چنگل کا ذکر سنتے ہی میری کھوپڑی پر اچانک چودہ طبق روشن ہو گئے تھے اور اپنی چھٹی حس کی مسلسل وارننگ کا سبب بھی سمجھ میں آ گیا تھا۔

"تم دونوں بلاوجہ مجھ سے بدظن ہو گئے ہو۔" ایک ڈیڑھ منٹ کے سکوت کے بعد اندھیرے میں سے البرٹو کی آواز ابھری۔ "یہ ایس ٹی ایف کا کیمپ ہی ہے۔ ویرا کو نامعلوم کیوں کرنل جیسی جونز کا خیال آ رہا ہے؟ میں ظفر ہی ہوں۔ اگر تم دونوں مجھے ساتھ لیے بغیر' یوں ہی بھٹکتے رہے تو اس کیمپ کے بے رحم محافظ تمہیں گولیوں سے بھون کر رکھ دیں گے۔ یہ نہ بھولو کہ بندروالے ٹیلے پار کرنے کے بعد تم ہماری ممنوعہ حدود میں داخل ہو چکے ہو جہاں اجنبیوں کے لیے صرف اور صرف موت ہی پائی جاتی ہے۔"

"ویرا پر لعنت بھیجو!" میں نے فوراً ہی جواب دیا "میں تو تمہارے ساتھ چلنے پر اب بھی آمادہ ہوں۔ ویرا کو قائل بھی کیا جا سکتا تھا لیکن تم خود ہی ہمیں چھوڑ کر بھاگ نکلے ہو۔"

"ویرا کے دماغ کا فتور گہرا معلوم ہوتا ہے۔ تم خود سن چکے ہو کہ اس نے مجھے البرٹو ویلیسا کے نام سے پکارا تھا۔

البرٹو' کرنل جیسی جونز کا قریبی ساتھی اور بدقسمتی سے میرا ہم شکل تھا۔ ویرا کی کھوپڑی میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ میں البرٹو ویلیسا ہوں اور شاید اسی لیے' اس نے اپنی کزن کو تمہارے ساتھ اسلام آباد بھیجا تھا تاکہ مجھے گھیر سکے۔"

"تم بلاوجہ پرانی باتیں دل میں لیے بیٹھے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر ہانک لگائی۔ "ویرا نے مجھ سے بھی اپنے اس شبے کا ذکر کیا تھا۔ مجھے تمہارے پرانے اور موجودہ فنگر پرنٹس کی رپورٹ مل چکی ہے جو میں نے ویرا سے چھپا رکھی ہے۔ مجھے تمہارے کام اور طریقہ' کار سے شدید اختلاف ہے لیکن مجھے تمہارے ظفر ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے۔"

میں نے ویرا کے شانے پر ہاتھ مارنا چاہا تو وہ سیٹ کی ٹھوس پشت گاہ سے جا ٹکرایا۔ میں بوکھلا کر بائیں طرف مڑا۔ اس سمت کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور ویرا کی سیٹ خالی تھی۔ شاید اس کی مہم جوئی کی رگ پھڑک اٹھی تھی اور وہ البرٹو سے دست بدست مقابلے کا ارادہ کر کے باہر نکل پڑی تھی۔

البرٹو مسلح ہوتا تو ہمارے لیے ایک پل بھی جیپ میں ٹھہرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لیکن ہم اسے فلیش مین ہوٹل میں ہی غیر مسلح کر چکے تھے۔ اسی وجہ سے میں ویرا کے بارے میں بھی زیادہ فکر مند نہیں تھا۔ وہ کسی بھی طرح' البرٹو کو ہوشیار کیے بغیر' اس کے سر پر پہنچنے میں کامیاب ہو جاتی تو ہمارا شکار دوبارہ ہاتھ آنے کے قوی امکانات موجود تھے۔

ویرا کو اس تک پہنچنے کا موقع فراہم کرنے کے لیے البرٹو ویلیسا کو باتوں میں الجھائے رکھنا ضروری تھا تاکہ اس کی ساری توجہ میری طرف مرکوز رہے' اس لیے میں نے ثانیوں کے توقف کے بعد ہی' اپنی تقریر دوبارہ شروع کر دی۔ "جیپ سے بھاگ کر تم نے مجھے مایوس کیا ہے۔"

میرے آخری فقرے نے اس کی کھوپڑی چٹخا دی اور وہ میری بات کاٹ کر جھنائے ہوئے انداز میں بول پڑا۔ "تم بھاگنے' بھاگنے کی کیا رٹ لگائی ہوئی ہے؟ ویرا ایک پاگل جذباتی عورت ہے۔ وہ میری کھوپڑی سے پستول کی نال لگائے تھی اور کسی بھی لمحے میرے سر میں پگھلا ہوا سیسہ اتار سکتی تھی۔ میں خود کو اس کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ تو' اپنی دانست میں' تم دونوں کو زبردست دھوکا دے کر نکلنے میں کامیاب ہوا ہوں۔"

"خیر! اب تم واپس لوٹ آؤ۔ ویرا تمہیں پریشان نہیں کرے گی۔" میں نے کہا۔

"جب تک تم دونوں مسلح ہو' یہ ناممکن ہے۔ میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔" اس کی آواز

در فیصلہ کن تھی۔ "مجھے معلوم ہے کہ تمہارے پاس میرے پستول کے علاوہ دو پستول ہیں۔ ایک میرا اور دوسرا ویرا کا۔ تم یہ تینوں ہتھیار فضا میں میری طرف اچھال دو۔ میں جب تک ان کے گرنے کی آواز نہیں سن لیتا' تمہاری طرف نہیں آؤں گا۔"

"ہم اتنے قیمتی ہتھیار اس ویرانے میں برباد کر دیں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"فکر نہ کرو۔ بعد میں ہم جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں انہیں تلاش کر لیں گے لیکن یہ میری تحویل میں رہیں گے۔ یہ شرط منظور ہے تو بات کرو' ورنہ میں دوسری راہ لوں گا۔"

"ہیم گن ایک حساس ہتھیار ہے۔" میں نے اسے ٹالنا چاہا۔ "زمین پر گرنے سے وہ تباہ ہو جائے گا۔"

"ویرا کی حماقت کی یہ قیمت تو تمہیں ادا کرنی ہی ہو گی۔ تینوں ہتھیار یکے بعد دیگرے پھینکو گے تاکہ تین الگ الگ واضح آوازیں سنی جا سکیں۔ یہ خیال رکھنا کہ میرے کان ہیم گن کے پانے اور پستول کے گرنے سے پیدا ہونے والی آوازوں میں بخوبی تمیز کر سکتے ہیں۔ مجھے دھوکا دینے کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکے گی۔" وہ اپنی شرائط میں ذرا بھی نرمی کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

"اچھا' تو ہمیں چند منٹ کی..." میری بات ادھوری ہی رہ گئی کیونکہ فضا میں "اوغ" کی ایک کراہ کے ساتھ البرٹو کے نامانوس الفاظ اور فقرے گونج اٹھے تھے۔

شاید ویرا کو دبے قدموں اس کے سر پر پہنچنے کا موقع مل گیا تھا اور البرٹو اس ناگہانی مصیبت پر بے ساختہ اپنی مادری زبان کا سہارا لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

میں نے فوراً ہی جیپ سے چھلانگ لگا دی اور پوری قوت کے ساتھ اس سمت میں دوڑ لگا دی' جدھر سے لڑائی کی آوازیں آ رہی تھیں۔

البرٹو دشمن ملک کی سرزمین پر موجود ایک پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ کا کردار ادا کر رہا تھا۔ ایسے لوگوں کی زندگی کا ہر لمحہ موت کے جبڑوں سے گزرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ایسے ہر ایجنٹ کی پہلی غلطی ہی عموماً ان کی آخری غلطی ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس کے بعد اجل انہیں اپنے آہنی چنگل میں جکڑ لیتی ہے۔ پھر وہ' یہ بھی جانتے ہیں کہ مشن میں کامیابی کے بعد زندہ لوٹیں تو اپنی سرزمین پر ہر عزت اور اعزاز کے حقدار قرار دیے جاتے ہیں۔ ایام امن میں دشمن کی سرزمین پر فرائض کی انجام دہی میں مارے جائیں تو ان کا وطن انہیں اپنانے کے بجائے' ان سے لاتعلقی اختیار کر لیتا ہے۔ ایسی سرد اور بھیانک لاتعلقی کہ انہیں اپنے وطن کی مٹی تک نصیب نہیں ہوتی۔ البرٹو اضطرار کی حالت میں ہسپانوی زبان کا سہارا لے بیٹھا تھا لیکن مصیبت میں گھر جانے کے باوجود اسے ہوش آ گیا کہ اپنی مادری زبان سے لاعلمی کا ڈراما رچا کر ہی وہ ظفر بنا رہنے میں کامیاب تھا۔ اس لیے اُس نے فوراً ہی اردو اور انگریزی کی ملی جلی گالیوں کا سہارا لینا شروع کر دیا۔ ویرا کی مسلسل خاموشی اور البرٹو کی نہ رکنے والی آوازوں سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ ویرا اس پر بھاری پڑ رہی تھی۔

ویرا بظاہر بہت نرم و نازک سی عورت تھی۔ اس کی قامت و جسامت کو دیکھتے ہوئے' یہ اندازہ لگانا ناممکن تھا کہ وہ مار دھاڑ میں اپنے سے کہیں توانا مردوں کو بھی زیر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ میں اس کے داؤ پیچ کی مثالی برتری کا بارہا مشاہدہ کر چکا تھا۔ اس میں دوسری خوبی یہ تھی کہ وہ بلا کی بے خوف واقع ہوئی تھی۔ حالات کیسے ہی برے اور خطرناک کیوں نہ ہوں' وہ اپنے ذہن میں سما جانے والے جوابی حربوں کو عملی جامہ پہنانے میں پہل کرنے کا موقع کبھی نہیں کھوتی تھی اور اس وقت بھی اس نے شاید البرٹو کو بے خبری میں جا لیا تھا۔ مجھے سب سے زیادہ خوف اس امر کا تھا کہ ہم دو ٹیلوں والے درّے سے بہت دور نہیں تھے۔ اگر وہاں ایک تربیت یافتہ بندر دیکھا گیا تھا تو اس سے کام لینے والے مسلح آدمیوں کی موجودگی بھی خارج از امکان نہیں تھی۔ البرٹو کی اضطراری آوازیں اور گالیاں' ان کو بہ آسانی ہم لوگوں کی طرف متوجہ کر سکتی تھیں۔

ایک بار البرٹو کو کمک مل جاتی یا طاقت کا توازن ہمارے خلاف ہو جاتا تو ہمارا اس جال سے نکلنا ناممکن ہو جاتا جو البرٹو نے ہمارے لیے بچھایا تھا۔

میں ان آوازوں کے منبع سے تھوڑی ہی دور تھا کہ اچانک میرے کانوں میں ویرا کی گھٹی گھٹی سی چیخ آئی۔ میری ہی طرح اسے بھی دوسروں کے متوجہ ہونے کا اندیشہ لاحق رہا ہو گا۔ اسی لیے اُس نے اپنی بے ساختہ چیخ کو حتی الامکان دھیما رکھنے کی کوشش کی تھی۔ یوں محسوس ہوا جیسے ویرا' البرٹو کی کسی جوابی کارروائی کی زد میں آ گئی ہو۔ اس کی وہ چیخ فوراً ہی دبی دبی' ناہموار غراہٹوں میں تبدیل ہو گئی جیسے وہ تشدد سہنے کے کسی مسلسل عمل سے دوچار ہو چکی ہو۔

فضا میں میرے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز پہلے ہی گونج رہی تھی۔ پھر اچانک ہی اندھیرے میں کسی اور کے بھاگنے کی آوازیں آنے لگیں۔ میرے اعصاب پر سنسنی آمیز ہیجان طاری ہونے لگا۔ غنیمت یہ تھا کہ بھاگنے والے کے

قدموں کی تیز دھمک بتدریج دور ہوتی جارہی تھی جس کا مطلب تھا کہ البرٹو میری مداخلت کے امکان سے خوف زدہ ہوکر میدان سے بھاگ نکلا تھا۔

ویرا کی آوازیں معدوم ہوچکی تھیں مگر میں اپنے' پہلے سے قائم کیے ہوئے اندازے کی بنا پر اس کی طرف بڑھتا رہا پھر اچانک ہی مجھے رک جانا پڑا کیونکہ میر۔ ۔گے ایک پتھریلی ڈھلان پھیلی ہوئی تھی اور بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز بہت دور جاچکی تھی۔

"ویرا!" میں نے اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے' نشیب میں پھیلی ہوئی تاریکی میں نظریں دوڑاتے ہوئے ہولے سے پکارا تاکہ میری آواز زیادہ دور تک نہ پھیل سکے۔

"وہیں ٹھہرو' میں اوپر آرہی ہوں۔" نشیب سے اس کی جھلّائی ہوئی آواز ابھری۔ "معلوم ہوتا ہے کہ وہ خبیث مار کھانے کے باوجود بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا؟"

"تم جہاں ہو' وہیں ٹھہری رہو۔ اب ہمارا جیپ کی طرف لوٹنا خطرناک ثابت ہوگا۔ ہمیں کسی اور راستے سے باہر نکلنے کی کوشش کرنی ہوگی۔" میں نے اس خطرناک ڈھلان پر اترتے ہوئے کہا۔

وہ ڈھلان بھربھری مٹی اور ڈھیلے پتھروں پر مشتمل تھی۔ اس پر اندھیرا مستزاد تھا۔ میں بہت سنبھل سنبھل کر اترنے کے باوجود کئی بار پھسلنے سے بار بار بچا اور ہر مرتبہ کنکروں اور پتھروں کا بڑا سا ڈھیر نشیب میں لڑھکتا چلا گیا۔ یہ غنیمت رہا کہ ویرا' اوپر سے ہونے والی اس ناگہانی بوچھاڑ سے محفوظ رہی۔

ویرا کے پیر پچھلی رات سے زخمی تھے۔ ویرا نے ان زخموں کو معمولی خراشوں سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی اور کسی مرہم وغیرہ کے استعمال کے نتیجے میں اس قابل ہوچکی تھی کہ کسی بھی دشواری کے بغیر' آسانی کے ساتھ چل پھر رہی تھی۔ کسی بھی جسمانی تکلیف کو خاطر میں نہ لانا اس کا مزاج تھا۔ میرے استفسار پر اس نے جھلّائے ہوئے انداز میں اس پتھر کو کوسا جو اُس کی جوتی کے نیچے سے اچٹ گیا تھا۔ البرٹو نے اس کا توازن بگڑنے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے' اسے نیچے دھکیل دیا۔ ڈھلان پر لڑھکنے کی وجہ سے اس کی کہنیوں وغیرہ پر خراشیں آئی تھیں جو کم از کم اس وقت نقل و حرکت میں مانع نہیں تھیں۔ ویرا کو اپنی چوٹوں کے احساس سے زیادہ اس بات پر غصہ تھا کہ اس کی ذرا سی لغزش کی وجہ سے ہاتھ آیا شکار نکل گیا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ مزید چند سیکنڈ کے لیے اپنے قدموں پر جمی رہتی تو البرٹو کو خاک چاٹنے پر مجبور کرسکتی تھی۔

"تربیت یافتہ بندر پر نظر پڑتے ہی' تمہیں اچانک کیا ہوگیا تھا؟" میں نے اس کے ساتھ ایک طرف بڑھتے ہوئے سوال کیا۔ "تم اپنی زبان بند رکھتیں تو بہت کچھ سامنے آسکتا تھا۔"

"اوہ خدا!" ویرا حیرت سے بولی "تو کیا تمہیں اب بھی اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ ہمیں گھیر کر اپنی کچھار میں لے جارہا تھا جہاں ہمارا کوئی پُرسانِ حال نہ ہوتا۔"

"میرا ماتھا تو اسی وقت ٹھنکا تھا جب البرٹو نے اپنے آدمیوں کے ساتھ ڈرائیور کو بھی روانہ کردیا تھا مگر میں سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کے حقیقی نمائندوں کو واپس بھیج کر ہمیں اپنے خفیہ اڈّے پر لے جانے کی منصوبہ بندی کررہا ہے۔ میں یہ سوچ کر خاموش رہ گیا تھا کہ وہ شاید ہمیں ضرورت سے زیادہ خوش کرنے کے چکر میں اِ... لوٹا رہا ہے۔"

"لیکن میرے ذہن سے وہ بوجھ نہیں ہٹ سکا تھا۔ بندر کو دیکھتے ہی میرے ذہن میں جھماکا ہوا اور میں خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔ البرٹو کو بندروں کو سدھانے میں قابلِ رشک مہارت ہے۔ کولمبیا میں کرنل جیسی جونز کا گروہ' منشیات کی نقل و حمل اور خفیہ پیغام رسانی میں بندروں کو بکثرت استعمال کرتا ہے۔ اتنی کھلی ہوئی باتیں سامنے آجانے کے بعد تمہاری مصالحانہ کوششیں بے سود تھیں۔ وہ سمجھ چکا ہے کہ یہاں اس کی شخصیت بے نقاب ہوچکی ہے اور سرد جنگ کسی بھی لمحے کھلی محاذ آرائی کی صورت اختیار کرسکتی ہے۔ اسی خیال کے تحت میں خاموشی سے اس کی طرف چل دی تھی۔ اس معاملے کو طول دینے کے بجائے اب جلد از جلد ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

"میں شرط لگانے کے لیے تیار ہوں کہ فنگر پر ٹس والی بات نے اسے متاثر کیا ہوگا۔ ان واقعات کے بعد بھی ایس ٹی ایف سے فرار نہیں ہوگا۔ میرا مقصد اُسے اندھیرے میں رکھنا تھا تاکہ ہماری ناکامی کی صورت میں وہ فرار نہ ہوسکے۔ میرا خیال ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔"

"یہ تو وقت ہی بتا سکے گا۔ فی الحال تو یہاں سے نکلنے کی فکر کرو۔" وہ پُرتشویش انداز میں بڑبڑائی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اس غیر آباد علاقے کے ایک بڑے حصے کو اپنے قبضے میں لیا ہوا ہے اور یہیں سے اپنا آپریشن چلا رہے ہیں۔"

"البرٹو نے یہاں میری توقع سے زیادہ' ہاتھ پیر پھیلائے ہوئے ہیں۔ ابھی تک میں نے پوری توجہ اس کی ذات پر مرکوز کی ہوئی تھی لیکن اب اندازہ ہورہا ہے کہ اس نے یہاں پورا ...ہ قائم کیا ہوا ہے۔ یہ غنیمت ہے کہ اس سے براہِ راست ...دم ہونے کے ساتھ ہی' اُس کا یہ خفیہ ٹھکانا بھی ہماری ...وں میں آگیا ہے۔ اس سے ہمارا کام آسان ہوجائے گا۔"

"ٹھکانا کہاں؟ ابھی تو ہم نے صرف راستہ ہی دیکھا ... آگے جاکر' یقیناً کوئی عمارت وغیرہ بھی موجود ہوگی۔ ہم ...اس کا بھی سراغ لگانا پڑے گا۔"

"یہ بتاؤ کہ تمہارا پستول کہاں ہے؟" میں نے چونک کر ...ال کیا۔

"مجھے' آنے والی مشکلات کا اندازہ تھا' اس لیے دونوں ...ہول محفوظ ہیں۔"

اسی وقت اوپر سے کسی کے زور زور سے بولنے کی ...ازیں آنے لگیں۔ ہم نے پیش قدمی ترک کرکے اپنی ...ری توجہ ان ہی آوازوں پر مرکوز کی تو اندازہ ہوا کہ البرٹو ...بلیسا کے آدمی ہماری تلاش میں نکل پڑے تھے اور ان کی ...رف سے ہمیں سامنے آنے کی ہدایت کی جارہی تھی۔

آوازوں کی سمت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ لوگ جیپ ...، قرب و جوار میں موجود تھے۔ ہم دونوں خاموشی کے ساتھ ...ب کھاڑی میں دبک گئے تاکہ اوپر سے دیکھنے والوں کو ...رے ہیولے بھی نظر نہ آسکیں۔

"مجھے ڈر تھا کہ مار دھاڑ میں تم اپنے ہتھیاروں سے ...روم نہ ہوگئی ہو۔۔۔۔"

"پستول نکالنے کی نوبت ہی نہیں آسکی تھی۔" اس نے ...بات کاٹ کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "میں تو اس مردود ...بے ہوش کرکے قابو میں کرنے کے چکر میں گئی تھی لیکن ...برا پیر ہی پھسل گیا۔"

"پھر وہی پیر!" میں ہولے سے کراہا۔ "خدا کے لیے ...ے بھول جاؤ اور اب آگے کی فکر کرو۔ لاؤ' ایک پستول مجھے ...ے دو۔ میں بیم گن کسی خاص ضرورت پر ہی استعمال کروں ...گا۔"

"تم ہتھیار ڈال کر سامنے نہ آئے تو ہم تمہیں گھیر کر ...ار ڈالیں گے۔" کافی فاصلے سے ایک چیختی ہوئی آواز سنائی ...دی۔ "تم اس علاقے سے کسی بھی قیمت پر باہر نہیں نکل سکو ...گے۔"

"اگر ہم اس حکم پر عمل کرگزریں تو خوشی اور حیرت ...سے البرٹو کا ہارٹ فیل ہوجائے گا" میں نے ویرا کے کان میں ...سرگوشی کی۔

"تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے؟" وہ غرّائی۔ "اوپر مسلح ...افراد کا راج ہے اور ہمارے پاس صرف ایک ایک میگزین ہے جسے خالی کرنے کے بعد ہمارے پستول لوہے کے بے وقعت ٹکڑے بن کر رہ جائیں گے۔ انہیں یہ بھی اندازہ ہے کہ ہم پیدل چل کر یہاں سے زیادہ دور نہیں نکل سکے ہوں گے اس لیے وہ اپنی بیشتر توجہ اسی علاقے پر مرکوز رکھیں گے' اس لیے ہمیں یہاں سے بھاگنے کی فکر کرنی چاہیے۔"

"وہ بھی کرلیں گے لیکن تم مجھ پر چڑھی کیوں آرہی ہو؟ اس اندھیرے اور تنہائی میں کچھ فاصلہ برقرار رکھو۔ میری کھوپڑی سنک گئی تو ہم دونوں ہی قابلِ اعتراض حالت میں پکڑے جائیں گے۔" اس بار میں واقعی سنجیدہ تھا کیوں کہ ویرا کے بدن اور ریشمی بالوں سے پھوٹنے والی تیز حیوانی مہکار' میرے نتھنوں میں گھس کر' میرے حواس پر اثر انداز ہورہی تھی۔

"کاش غزالہ تمہاری ان آوارہ خیالیوں سے واقف ہوسکے۔" وہ شاید دانت پیستے ہوئے بولی تھی۔ "موت کے سائے میں بھی تمہارے ذہن پر رنگ رلیاں منڈلا رہی ہیں۔"

اس نے دور سرکنا چاہا لیکن میں نے اضطراری طور پر اس کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر کس لیا۔

اوپر سے یکے بعد دیگرے تین بے آواز فائر ہوئے۔ سناٹے میں کھٹ کھٹ کی آوازیں نمایاں تھیں۔ وہ اپنی دانست میں ہمیں خوف زدہ کرنے کی کوشش کررہے تھے۔

اس کے بعد وہ ویرانہ رائفل کے پُرشور نغمے سے گونج اٹھا۔ شاید بے آواز فائروں کو ناکافی سمجھتے ہوئے دھماکوں کا اظہار ضروری سمجھا گیا تھا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے' مختلف سمتوں میں کئی فائر کیے گئے اور ایک مرتبہ پھر فضا پر سناٹا چھا گیا۔

ہم دونوں کئی منٹ تک خاموش بیٹھے رہے پھر ویرا نے بھنّا کر میرا ہاتھ اپنی کمر سے نکال دیا۔ "آدمی بنو اور یہاں سے نکلو۔ شاید وہ آگے چلے گئے ہیں۔"

ہم دونوں سیدھے کھڑے ہونے کے بجائے' جھک کر آگے بڑھنے لگے کیونکہ کچھ فاصلے پر ڈھلان کا سلسلہ ختم ہوکر میدان سے ملتا ہوا نظر آرہا تھا جہاں ہمارے تاریک انسانی ہیولے دور سے بھی دیکھ لیے جانے کا سنگین خطرہ موجود تھا۔

معاً میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اوپر دشمنوں کی نقل و حرکت کے دوران' کسی گاڑی کے انجن وغیرہ کا کوئی شور نہیں سنائی دیا تھا۔ نہ ہی انہوں نے البرٹو کی چھوڑی ہوئی جیپ کو اسٹارٹ کرکے' اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی تھی۔ اس کا مقصد تھا کہ اس کی کمین گاہ کہیں آس پاس ہی تھی لیکن حیرت ناک بات یہ تھی کہ البرٹو بلیسا کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ہمیں اس علاقے میں دور دور تک روشنی کی

کوئی رمق یا کسی عمارت کے آثار نظر نہیں آئے تھے جسے سراغ بنا کر ہم اپنی تلاش کی ابتدا کرتے۔

ویرا اِس معاملے میں میری ہم خیال تھی لیکن اس نے مجھے فوری طور پر واپسی کی اجازت نہیں دی۔ اس کا کہنا تھا کہ جیپ میں یا اس کے آس پاس، دشمن کے کسی آدمی کی موجودگی کا قوی امکان تھا۔ وہ اپنی جگہ گھات لگائے بیٹھا رہتا اور جب ہم میدان صاف پا کر جیپ پر قبضہ کرنے کی نیّت سے اوپر پہنچتے تو وہ اچانک ہی ہمیں بے بس کر کے پکڑ لیتا۔

اس دلیل میں خاصا وزن تھا۔ اس وقت ہم لوگ اسلام آباد کے آخری سرے سے بھی بہت آگے تھے۔ اگر ہم اس کچے ویرانے سے نکل کر کسی نہ کسی طرح پختہ سڑک تک پہنچ بھی جاتے تو اس ویران سڑک پر کسی سواری کا ملنا ناممکنات میں سے ہوتا۔ اسلام آباد سے مری جانے والی سڑک پر دن میں بھی زیادہ ٹریفک نہیں ہوتا اس لیے صبح کے ان اوّلین لمحات میں وہاں لفٹ ملنی ناممکن تھی۔ اس ویرانے سے فرار کے لیے کوئی نہ کوئی سواری ہماری ضرورت تھی اور البرٹو کے آدمی ہماری اس ضرورت سے بخوبی آگاہ تھے۔

ایک طویل چکر کاٹ کر ہم اپنے اندازے سے بائیں طرف ہو لیے۔ اس سمت میں برساتی پانی کے تیز بہاؤ کی کاٹ سے زمین میں ایک گہرا نالا سا پیدا ہو گیا تھا۔ ہم اسی کے سہارے چل پڑے۔ میرا خیال تھا کہ اس بار ہم جیپ کے دوسرے پہلو سے ہو کر، دو ٹیلوں والے اس درّے تک پہنچ سکتے تھے جہاں ایک تربیت یافتہ بندر نے البرٹو کی جیپ کو اس علاقے میں داخل ہونے کی اجازت دی تھی۔

مجھے کافی دیر سے سگریٹ کی شدید طلب ستا رہی تھی لیکن وہاں وہ شوق مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں نے گاڑی کے ذریعے اس علاقے میں داخلے کے راستے پر سخت کنٹرول قائم کیا ہوا تھا لیکن کسی برقی باڑھ وغیرہ کی غیر موجودگی میں وہاں سے پیدل نکلنے میں کوئی قابلِ ذکر دشواری نہیں ہونی چاہیے۔ ہم سڑک کے کنارے، کسی اوٹ میں بیٹھ کر سورج طلوع ہونے کا انتظار کر سکتے تھے۔ وہاں سے اسلام آباد یا اگلی سمت میں کسی آبادی تک پہنچنے کی صورت بعد میں نکالی جا سکتی تھی۔

"دیکھو!" چلتے چلتے، اچانک ویرا میرا بازو بھینچتے ہوئے، مدّھم ہذیانی آواز میں بولی اور میں غیر ارادی طور پر، اس کے ساتھ زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

میں نے اس کی بتائی ہوئی سمت میں، نالے کے داہنے کنارے کی طرف دیکھا تو مجھے وہاں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ میں کئی سیکنڈ تک اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر گھورتا رہا۔ پھر ویرا کی الجھن آمیز آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "میں نے ابھی ابھی وہاں ایک متحرک ہیولا دیکھا تھا جو میرے بولتے ہی غائب ہو گیا۔"

مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ہزاروں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس وقت ہم ہر اعتبار سے بہت بری پوزیشن میں تھے۔ ہم خشک برساتی نالے کی تہ میں تھے اور ہمارے دونوں طرف اونچائیاں تھیں جہاں سے دشمن ہمیں تاک تاک کر نشانے بازی کر سکتا تھا۔

میں نے ویرا کا ہاتھ تھام کر فوراً ہی نالے کے بائیں کنارے کی طرف دوڑ لگا دی۔

ہم چند ہی قدم گئے ہوں گے کہ اچانک پشت سے کوئی لجلجا وجود میرے اوپر آ پڑا۔

اس وجود کا جھٹکا میرے ساتھ ہی ویرا نے بھی محسوس کیا۔ میں نے پوری قوت سے کہنی چلائی اور اسی لمحے مجھے ادراک ہوا کہ میرا مقابلہ اپنے کسی ہمسر وجود سے نہیں تھا بلکہ وہ ایک بندر تھا جو نہایت خاموشی کے ساتھ، اچھل کر میرے شانوں پر آ پڑا تھا اور اپنی استخوانی انگلیاں میرے دونوں شانوں کی کچھ مخصوص رگوں میں جمانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس دوران میں، میں نے اپنی پوری شعوری کوشش سے کوئی آواز نہیں نکالی تھی۔ بندر بھی حیرت ناک طور پر بالکل خاموش رہ کر اپنی جارحانہ کارروائیوں میں مصروف تھا۔ میں نے پوری قوت کے ساتھ جھٹکا دے کر اپنے بدن کو آگے کی طرف جھکایا اور بندر میرے شانوں پر اپنی گرفت کھو کر، فضا میں اُڑتا ہوا، میرے سامنے آ گرا۔

"فائر نہ کرنا۔" ویرا کو بندر پر پستول نکالتے ہوئے دیکھ کر، میں نے جلدی سے کہا اور بندر کے پیٹ میں پوری قوت سے لات رسید کرنے کی کوشش کی لیکن بندر نے پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور میں فضا میں لہرا کر رہ گیا۔

وہ درمیانی جسامت کا، ایک صحت مند بندر تھا اور سو فیصد پالتو بلکہ تربیت یافتہ نظر آ رہا تھا۔ وہ ہم دونوں سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھا۔ اس نے محفوظ فاصلے سے، سر مٹکاتے ہوئے، ہم دونوں کا جائزہ لیا اور بالکل غیر متوقع طور پر فضا میں چھلانگ مار کر، ویرا کے سینے پر آ رہا۔

بندر کے ٹکراتے ہی ویرا ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ پشت کے بل زمین پر گر گئی۔

میں نے لپک کر پیچھے سے بندر کی گردن دبوچ لی۔ اس بار بندر کا ردّ عمل وحشیانہ ثابت ہوا۔ اس نے اپنے دہانے

غصیلی آوازیں نکالتے ہوئے' پنجوں سے میرے ہاتھوں پر حملہ کردیا اور مجھے فوری طور پر اس کی گردن چھوڑ دینی پڑی۔ گرتے ہوئے بندر کے وجود کو' ویرا نے اپنی ٹھوکر سے اُڑا دیا۔

اس بار بندر کو اندازہ ہوگیا کہ وہ ہم دونوں سے نہیں جیت سکے گا۔ اس نے زمین پر ٹکتے ہی' ہم دونوں کی طرف دیکھا اور پوری قوت سے اسی سمت دوڑ لگا دی' جدھر ہم جا رہے تھے۔

"یہ پلٹ کر اپنے ٹھکانے کی طرف بھاگا ہے۔" میں نے عجلت کے عالم میں کہا۔ "اس کے پیچھے ہو لو۔ شاید ہمیں فرار کا بہتر موقع مل جائے۔" یہ کہتے ہی میں نے بندر کے پیچھے دوڑ لگادی۔

ذرا سی دیر میں بندر ہماری نگاہوں سے اندھیرے میں اوجھل ہوگیا۔ اندھیرا نہ بھی ہوتا تو ہم اس کی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ اس کے غائب ہونے سے پہلے ہم نے یہ ضرور دیکھ لیا تھا کہ وہ آگے چل کر خشک برساتی نالے کے ساتھ جانے کے بجائے داہنی طرف ہو لیا تھا۔ ہم بھی خاموشی سے اس سمت میں بڑھتے رہے۔

چند منٹ کے بعد جب سامنے درختوں کا ایک کنج' سیاہ دھبے کی صورت میں نظر آیا تو ہمیں پہلی بار اندازہ ہوا کہ ہم لوگ ایک غیر محسوس ڈھلان پر چڑھ رہے تھے۔ ڈھلان کے دوسری جانب ہونے کی وجہ سے وہ کنج ہماری نظروں سے اوجھل تھا لیکن چڑھائی ختم ہوتے ہی نظر آنے لگا تھا ورنہ ہم اس کنج سے کبھی بھی بہت دور نہیں رہے تھے۔

اس علاقے میں' اس وقت تک ہمیں درختوں وغیرہ کی افزائش کے آثار نظر نہیں آئے تھے اس لیے اس دھبّے کے بارے میں تجسّس کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔

پھر ہمیں درختوں کے تاریک ہیولوں کے درمیان کسی مختصر سی عمارت کا تاریک تر ہیولا بھی نظر آنے لگا اور میرے دل کی دھڑکنوں کی رفتار یک بیک تیز ہوگئی۔

دو ٹیلوں والے راستے پر ایک تربیت یافتہ بندر کی موجودگی' پھر البرٹو ویلیسا کے فرار کے بعد ان اطراف میں متعدد افراد کی پُراسرار نقل و حرکت اور فائرنگ کے بعد ایک اور بندر سے ہمارا مقابلہ اس امر کی غمازی کر رہا تھا کہ وہاں جو لوگ بھی قابض تھے' اس وقت بھی پوری طرح چوکنے اور بیدار تھے۔ دوسری طرف وہاں درختوں میں گھری ہوئی وہی ایک عمارت نظر آ رہی تھی اور آثار بتا رہے تھے کہ وہاں دور دور تک کسی اور مکان یا آبادی کا وجود نہیں پایا جاتا تھا۔ یہ امکان غالب تھا کہ وہ عمارت ان ہی لوگوں کے تصرف میں تھی لیکن وہاں پھیلا ہوا گھور اندھیرا کوئی اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔ یہ بات بھی قرین قیاس نہیں لگتی تھی کہ انہوں نے اپنے علاقے میں کچھ غیر متعلقہ افراد کے گھس آنے کی وجہ سے احتیاطاً اس عمارت کی تمام روشنیاں گُل کردی ہوں۔

ہم نے آنے والے کسی برے وقت کے لیے اپنی توانائیاں محفوظ رکھنے کے لیے بھاگنے کا سلسلہ موقوف کرکے اپنی پیش قدمی کی رفتار سست کردی۔

ویرا اس عمارت کے قریب جانے کے حق میں نہیں تھی۔ ہمیں ان لوگوں کی نفری اور ہتھیاروں کی نوعیت کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ادھر جانا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہو سکتا تھا۔ بہتر صورت یہ ہوتی کہ اول خان کے آجانے کے بعد' بھاری کمک کے ساتھ اس علاقے کا محاصرہ کرکے کارروائی کی جاتی اور وہاں موجود ہر ذی روح کو پکڑ لیا جاتا لیکن مجھے اس سے اختلاف تھا۔

اسپیشل ٹاسک فورس کی بات اور تھی۔ وہ سرکاری تنظیم نہ سہی لیکن بظاہر اسے ریاستی اداروں کی بھرپور پشت پناہی حاصل تھی' اس لیے وہ لوگ ہر جگہ بھاری لاؤ لشکر رکھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتے تھے اور البرٹو ویلیسا اپنی پوزیشن کا مجرمانہ فائدہ اٹھاتے ہوئے ایس ٹی ایف کے محبِ وطن کارندوں کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر گزرتا تھا لیکن البرٹو ویلیسا بذات خود ایک مجرم تھا۔ اس کا دُہرا کردار سخت ترین رازداری کا متقاضی تھا۔ اسی وجہ سے وہ انسانی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کے بجائے' حتی الامکان بندروں سے کام لے رہا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس کا ساتھ دینے والوں کی تعداد' چند افراد پر مشتمل ہوگی۔ اگر ان میں سے دو چار ہماری تلاش میں نکلے ہوئے تھے تو اس عمارت میں کسی بڑے مقابلے کا امکان نہیں رہ جاتا تھا۔ اگر ہم ان سے لڑ بھڑ کر انہیں زیر کرنے میں ناکام رہتے تو ہوشیاری کے ساتھ پسپائی کی راہ ضرور اختیار کر سکتے تھے۔

ویرا مجھے قائل کر سکی' نہ میں اُسے اس کے موقف سے ہٹانے میں کامیاب ہو سکا۔ البتہ وہ ہر حال میں میرا ساتھ دینے پر ضرور آمادہ تھی۔

اس ویرانے میں وہ سرسبز قطعۂ زمین رات کے اندھیرے میں عجیب آسیبی سماں باندھ رہا تھا۔ قریب پہنچ کر ہم دونوں اپنی پشت سے پشت ملا کر درختوں کی اوٹ میں ہو گئے تاکہ اپنے چاروں طرف نگاہ رکھ سکیں۔ ہمیں

پوزیشن میں کھڑے ہوئے خاصا وقت گزر گیا لیکن کہیں سے کوئی آہٹ یا سرسراہٹ تک نہیں سنائی دی۔ تاریکی بھی گھور اور مکمل تھی کہ اس میں روشنی کی ایک کرن تک کا وجود نہیں تھا۔

وہ مختصر سے رقبے پر بنا ہوا' قدیم طرز کا ایک منزلہ مکان تھا جس کی کھڑکیاں ٹھوس لکڑی کی بنی ہوئی تھیں ان میں شیشہ سرے سے استعمال ہی نہیں ہوا تھا۔

"یہاں تو میدان صاف معلوم ہوتا ہے۔" ویرا نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی۔ "ایسا تو نہیں کہ ہم کسی غلط جگہ سر مار رہے ہوں۔"

میں اسے اشارہ کرکے ایک طرف بڑھ گیا۔ وہاں سے واپس لوٹنے سے پہلے میں اچھی طرح قرب و جوار کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ درختوں کے درمیان ایک مقام پر ہینڈ پمپ نظر آیا جس کے نیچے زمین میں اچھی خاصی نمی موجود تھی' جس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی متروکہ مکان نہیں تھا۔

تقریباً پوری عمارت کا طواف کر لینے کے بعد' ہم درختوں کی اوٹ سے نکل کر کھلی جگہ میں آئے تو اچانک ہی ایک پاٹ دار آواز نے ہمیں بری طرح چونکا دیا۔ "ہاتھ اوپر اٹھالو' تم لوگ گھیر لیے گئے ہو۔"

ویرا نے اس دھمکی کی پروا کیے بغیر' گنجان درختوں میں چھلانگ لگا دی۔ میں بھی بلا سوچے سمجھے اس کی تقلید کر گزرا۔ فوراً ہی فائر ہوا اور گولی میرے سر سے ذرا فاصلے سے گزر گئی۔ پھر دوسرا فائر ہوا۔ اس بار ہم اس کی زد سے باہر تھے۔

وہ فائر بے آواز نہیں تھے اور گولیاں بھی یکے بعد دیگرے چلائی گئی تھیں گویا فائر کرنے والا اکیلا ہی تھا۔ ہم درختوں کے درمیان سے گزر کر عمارت کے عقبی حصے کی طرف بڑھنے لگے لیکن اس بار ہمارے ستارے گردش میں آچکے تھے۔ اچانک ہی اوپر سے کوئی وزنی چیز' پھیلتی ہوئی ہمارے اوپر آگری۔ ہم نے اس سے بچ کر بھاگنا چاہا مگر اسی وقت ہمارے قدموں کے نیچے سے زمین سرکنے لگی پھر ہم دونوں ہی گر گئے۔

پھندوں پر ہاتھ پڑتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ ہمارے اوپر جال پھینکا گیا تھا۔ ہم اس میں پھنس چکے تھے اور جال تیزی کے ساتھ کھینچا جا رہا تھا۔ اسی کے ساتھ ایک چوبی کھڑکی پُرشور آواز کے ساتھ کھلی اور روشنی کی چادر باہر تک پھیل گئی۔

پھر کہیں سے ایک آدمی کود کر ہمارے سامنے آگیا۔ یہ اُس کی کھلی حماقت تھی۔ ہم بہت آسانی کے ساتھ اسے گولی مار سکتے تھے لیکن اس کے نتیجے میں شاید ہمیں فوراً ہی بھون ڈالا جاتا کیونکہ اسی لمحے اندھیرے میں سے بے آواز فائر ہوئے اور متعدد گولیاں آسمان کی طرف تیرتی چلی گئیں۔

"تم لوگوں نے ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں تمہارے بدن چھلنی کر ڈالوں گا۔" اندھیرے میں سے غرّاتی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ اس وقت تک جال رک چکا تھا۔

"ہم ظفر بھائی کے مہمان ہیں۔" میں نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ان ہی کی تلاش میں ادھر آئے ہیں۔ وہ ایک غلط فہمی کی وجہ سے ہم سے بچھڑ گئے تھے اور ابھی تک لاپتا ہیں۔"

"بکواس بند کرو!" ہمارے سامنے کھڑا ہوا آدمی اپنی رائفل کی نال اٹھاتے ہوئے' غصے کے عالم میں بولا۔ "شرافت سے اپنے ہتھیار نکال کر پھینک دو ورنہ مار مار کر بُھرکس نکال دیا جائے گا۔" فقرہ ختم کرکے اس نے اپنے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکالی اور ایک قریبی درخت سے وہی بندر جو فرار ہوا تھا' ہم پر آکر کودا۔

ہم جال میں گرے ہوئے تھے اور وہ بندر ہمارے جسموں پر اچھل کود کر رہا تھا۔ ہمارے ہاتھ پیر اس بری طرح جال کے پھندوں میں الجھے ہوئے تھے کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق حرکت بھی نہیں دے سکتے تھے۔ بس اِدھر اُدھر کروٹیں بدل کر خود کو بندر سے بچا سکتے تھے۔

چند منٹ کے بعد جال کی رسّی کو اس حد تک ڈھیلا کیا گیا کہ ہم بدقت تمام اپنے قدموں پر کھڑے ہوگئے۔ بندر ایک مرتبہ پھر اندھیرے میں غائب ہوگیا تھا۔

"اسپیشل ٹاسک فورس والے ظفر بھائی کہاں ہیں؟" میں نے ایک مرتبہ پھر ہانک لگائی۔

"چلو!" اندھیرے میں کھڑے ہوئے آدمی نے میری بات سنی ان سنی کرکے کہا۔ "تم نے ذرا سی بھی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو رسّی کو جھٹکا دے کر تمہیں گرا دیا جائے گا اور اس بار ہم سب مل کر' ٹھوکروں سے تمہاری تواضع کریں گے۔"

جال کا دوسرا سرا اندھیرے میں غائب تھا۔ ہمارے سامنے کھڑے ہوئے شخص نے اپنی پتلون کی بیلٹ کے ساتھ لگی ہوئی سرچ لائٹ روشن کردی اور ہمارے سامنے سے ہٹ کر ہمیں ایک طرف چلنے کا حکم دیا۔ روشنی ایسے رخ سے ڈالی جارہی تھی کہ جال کا منہ بدستور اندھیرے میں تھا۔

وہ ایک عجیب تجربہ تھا۔ قدم قدم پر منہ کے بَل نیچے

گرنے کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ جال کو صرف اتنی ڈھیل دی جا رہی تھی کہ ہم پورے جال کو گھسیٹتے ہوئے' آہستہ آہستہ آگے بڑھ سکیں۔ غنیمت یہ تھا کہ بندر کی اچھل کود کے بعد ہم پر کوئی اور تشدد نہیں کیا گیا تھا۔

عمارت کے داخلی دروازے کے ذریعے ہمیں کشاں کشاں ایک بڑے کمرے میں پہنچایا گیا جو اپنی وضع کے اعتبار سے کوئی دفتر معلوم ہو رہا تھا اور بڑی میز کے عقب میں رکھی ہوئی' گھومنے والی کرسی پر' ظفر براجمان تھا۔ اس کے تیوروں سے برہمی نمایاں تھی۔ اس کے سامنے میز پر ایک کلاشنکوف رکھی ہوئی تھی۔

کمرے میں ایک چوبی اسٹول پر پٹرومکس لیمپ جل رہا تھا۔ شاید وہ عمارت بجلی کی سہولت سے محروم تھی اور پچھلی کھڑکی سے نظر آنے والی روشنی پٹرومکس لیمپ ہی کی تھی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہاری صورت نظر آئی۔" میں نے ظفر پر نگاہ پڑتے ہی تشکر آمیز لہجے میں کہا۔ "تم سے بچھڑ کر ہم تو بے شمار دشواریوں میں گھر گئے ہیں۔"

"شٹ اَپ! اب یہ ڈرامے بازی زیادہ دیر نہیں چل سکے گی۔" وہ میز پر مکا مارتے ہوئے دہاڑا۔ "آج میں تم دونوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر کے' تمہاری لاشیں کسی ویرانے میں پھنکوا دوں گا۔"

"شاید ویرا کی غیر ذمّے داری نے تمہیں ہماری طرف سے بدظن کیا ہے۔" میں نے مصالحانہ لہجہ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ اس کے لیے تم سے معافی مانگ لے گی۔ دراصل میں نے ذاتی وجوہ کی بنا پر اسے تمہاری فنگر پرنٹ رپورٹ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ یہ میرا اور۔۔۔"

"میری فنگر پرنٹ رپورٹ کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟" وہ میری بات کاٹ کر' پھاڑ کھانے والے انداز میں غرّایا۔ "اور ان معلومات میں تمہارا کون کون شریک ہے؟"

"اوّل خان اور شاید تمہارے بڑے۔" میں نے محتاط لہجے میں کہا۔ "لیکن بات آگے بڑھنے سے پہلے میں یہ جاننا پسند کروں گا کہ یہ کیا مقام ہے؟ مجھے یہاں دور دور کوئی ایس ٹی ایف والوں کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آ رہے۔ یہ ویرانہ تو کسی نازی۔۔۔"

اس نے دوبارہ میری بات کاٹ دی۔ "اس وقت تمہاری پسند اور مرضی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ تم میرے قیدی ہو اور تمہیں صرف میرے سوالوں کے جواب دینے ہیں۔" پھر وہ پُرجوش انداز میں اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "میں ایس ٹی ایف ہوں۔ میرے اس دعوے پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ میں اس حیثیت میں تمہاری گردن بھی توڑ سکتا ہوں۔"

"مگر کیوں؟ تم کو ہم سے کیا شکایت ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"زندہ یا مُردہ۔ مجھے ہر قیمت پر سینتے کا سیلو درکار ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ویرا اُس کی پناہ گاہ سے ضرور واقف ہوگی۔ میں اس لڑکی کو اس کی بدتمیزی کی سزا دے کر رہوں گا۔"

"وہ غائب ہے۔" ویرا بولی۔ "میں جب سے یہاں آئی ہوں' تمہاری اور تمہارے آدمیوں کی نظر میں ہوں۔ اس نے تمہارے ساتھ کیا بدتمیزی کی ہے؟"

البرٹو ویلیسا نے اچانک ہی دانت پیس پیس کر' کوئی اجنبی زبان بولنی شروع کر دی اور ویرا کے چہرے پر ہلکی سی تمسخر آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آخر کار تمہارے اعصاب جواب دے ہی گئے!" اس کے خاموش ہونے پر ویرا نے اردو میں' فاتحانہ انداز میں کہا۔ "وہ مجھے نہیں ملی ہے مگر وہ میرے ہی ایما پر یہاں آئی تھی۔ مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ تم ظفر نہیں بلکہ البرٹو ویلیسا ہو۔ تمہارے اعتراف کے بعد مجھے پورا اندازہ ہو گیا ہے کہ یہ تمہارا ذاتی کیمپ ہے اور تم کسی سازشی ارادے سے ہمیں یہاں لے کر آئے ہو۔"

میں نے اس "انکشاف" پر شدید حیرت کا مظاہرہ کیا لیکن البرٹو ویلیسا اس وقت صرف ویرا کی طرف متوجہ تھا۔ میں نے کن انکھیوں سے جائزہ لیا کہ ہمارے جال کا دہانہ اس کمرے کے دروازے سے باہر تھا اور کمرے میں ہم تینوں کے علاوہ کوئی اور متنفس موجود نہیں تھا۔ ہمیں وہاں تک لانے والا بھی اس کمرے سے باہر ہی رک گیا تھا۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود' البرٹو کے ساتھیوں میں سے صرف ایک شخص ہی ہمارے سامنے آیا تھا جو مقامی تھا۔ دوسرے کی آواز سنائی دی تھی۔

"مجھے ابتدا سے ہی خطرہ تھا کہ تم کسی بھی وقت میرے راستے میں دیوار بن سکتی ہو۔" البرٹو ویلیسا نفرت آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "میں ایس ٹی ایف کو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں ٹھکانے لگانے کے بعد' میں سینتے کا سیلو کو بھی ڈھونڈ نکالوں گا اس کے بعد میری راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔"

"یہ تمہاری خام خیال ہے' البرٹو!" میں نے اُسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "تم جو دعوے چاہو کرتے رہو لیکن ایس ٹی ایف میں واپسی کی بات نہ کرو۔ ہم دونوں ہی بہت سوچ سمجھ کر تمہارے ساتھ آئے ہیں۔ جب تم نے اپنے ڈرائیور کو بھی واپس کیا تو ہم نے تمہارا ارادہ بھانپ لیا تھا۔ ہم پورے حساب کتاب کے ساتھ یہاں آئے ہیں اور اس بار ہمارا حساب کتاب غلط نہیں ہو سکتا۔"

وہ استہزائیہ انداز میں زور سے ہنسا اور لنگڑاتا ہوا' کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "کچھ دن پہلے میرے تازہ فنگر پرنٹس لیے گئے تو میں واقعی پریشان ہو گیا تھا لیکن اب تم لوگوں کے سارے کارڈز میرے سامنے ہیں۔ میری فنگر پرنٹ رپورٹ اطمینان بخش ہے۔ تم دونوں کے جہنم واصل کیے جانے کے بعد سینتے کا سیلو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ اول خان تمہارے سہارے چلتا ہے۔ تمہارے بعد اُس کی بھی کمر ٹوٹ جائے گی۔ وہ اکیلا ہوا تو میرے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کر سکے گا اور میں تمہارے ایٹمی منصوبوں کو کھنڈرات میں بدل ڈالوں گا۔"

"بندروں کی مدد سے؟" ویرا نے اُسے چڑانے والے انداز میں سوال کیا۔

"ہاں بندروں کی مدد سے!" وہ غصے میں آ گیا۔ "بندروں پر کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتا۔ میرے تین بندر کہوٹہ کی وادی میں دن رات دندناتے پھرتے ہیں اور ان کے جسموں میں نصب انفراریڈ کیمرے' لاسلکی نظام کے تحت حیرت ناک تصاویر بھیجتے رہتے ہیں۔ بلیو کراس ڈیل کو بچا کر تم لوگوں نے کوئی بڑا کام نہیں کیا ہے۔۔ جس دن اس ایٹمی کھیپ کا آخری ٹریلر کہوٹہ پہنچے گا' وہی بندر بربادی کا سامان اس ممنوعہ وادی میں لے جائیں گے اور پھر تم لوگوں کا اسلامی بم کا سنہرا خواب ہمیشہ کے لیے بکھر جائے گا۔"

کسی بھی عام آدمی کی طرح' اپنے کارناموں اور بڑائی کا اظہار کرنا' البرٹو ویلیسا کے خون میں شامل تھا۔ وہ ویرا کے طیش دلانے پر' اپنے عزائم پر روشنی ڈال رہا تھا اس لیے میں نے ان دونوں کی گفتگو میں دخل دینا مناسب نہ سمجھا اور کسی احمق کی طرح منہ کھولے' جال میں کھڑا رہا۔

"پھر وہ خبریں درست ہی معلوم ہوتی ہیں کہ کرنل جیسی جونز' امریکا کے نسل پرست یہودیوں کے ہاتھوں بک گیا ہے۔" ویرا نے اس پر اگلا کاری وار کرتے ہوئے کہا۔

وہ ایک دم چونک پڑا۔ "کہاں کی خبریں؟ سارے معاملات نہایت رازداری سے طے ہوئے تھے۔ تم بلا وجہ ہَوائی اُڑا رہی ہو۔ گنے چنے لوگوں کے علاوہ کسی کو اس کی بھنک بھی نہیں ہے۔"

"خبریں نہ ہوتیں تو ہمیں' تمہارے فنگر پرنٹس چیک کرانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔"

"وہ صرف اور صرف تمہارے ذہن کا فتور معلوم ہوتا ہے کیونکہ بوگوٹا میں تم مجھے اور ظفر کو یکجا دیکھ چکی تھیں۔ اب میں تمہارے شیطانی ذہن کو ہمیشہ کے لیے گہری نیند سُلا دوں گا۔ تمہاری دردناک موت کے بعد' کوئی بھی ان تمام کڑیوں کو یکجا کر کے' میری ذات پر شبہ نہیں کر سکے گا۔ شاید تمہارے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا کہ اس ڈیل کے بعد ہم دنیا بھر کے بکھیڑوں سے آزاد ہو چکے ہیں۔"

"ڈیوڈ اسٹارز ارب پتی یہودیوں کا ٹولہ ہے۔ وہ دنیا بھر میں کسی کو بھی خرید لینے کی بھرپور استطاعت رکھتے ہیں۔" ویرا نے سکون سے ٹکڑا لگایا۔

ڈیوڈ اسٹارز کے نام پر البرٹو ویلیسا کا منہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ ویرا کے خاموش ہونے پر وہ سرد لہجے میں بولا۔ "تم بہت کچھ جان چکی ہو تو میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ ہمیں خطیر معاوضہ ہی نہیں ملا بلکہ اسرائیل سے باہر بھیجی جانے والی ہیروئن کی ایجنسی بھی مل گئی ہے اور یہ عمر بھر کا خفیہ سودا ہے۔"

"ہیروئن؟" اب ویرا کے چونکنے کی باری تھی۔ "یہ واقعی میرے علم میں نہیں تھا' لیکن تم اپنا یہ سب کچا چٹھا مجھے کیوں سنا رہے ہو؟"

"کیونکہ تم مرنے والی ہو۔ تمہیں یہ باتیں بتاتے ہوئے میری انا کو تسکین مل رہی ہے۔ پاکستان کی سرزمین پر میرے ان کارناموں کو سراہنے والا کوئی نہیں ہے۔ تل ابیب کے مضافات میں سرکاری طور پر ہیروئن بنانے کی اس فیکٹری کے بارے میں' میں نے ہی کرنل جیسی جونز کو بتایا تھا۔ اسرائیلی اس فیکٹری کو اپنی ایٹمی سرگرمیوں سے بھی زیادہ رازداری سے چلا رہے ہیں اور ان کی تیار کی ہوئی بہترین کوالٹی کی ہیروئن تیار شدہ ادویات کے ساتھ بڑی باقاعدگی سے برآمد کی جاتی ہے۔ ہیروئن سے حاصل ہونے والے خطیر زرِ مبادلہ سے اسرائیل کی معیشت دن بدن طاقت ور ہوتی جا رہی ہے کیونکہ اس کا ایک پیسہ بھی کہیں خورد برد نہیں ہوتا۔"

"تم اعترافات کیے جاؤ لیکن ہمیں مارنا تمہارے لیے آسان نہیں ہوگا۔" میں نے موقعے کی نزاکت بھانپتے ہوئے گفتگو میں دخل انداز ہونا ضروری سمجھا۔

"مجھے کون روک سکے گا؟" وہ شیخی کے ساتھ بولا۔ "میرا ایک برسٹ تم دونوں کو فنا کر دے گا۔"

"جو کچھ ہم جانتے ہیں' وہ اوّل خان کے علم میں بھی ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "ہمارے غائب ہوتے ہی وہ

تم کو اپنے چنگل میں لے لے گا اور تمہیں کہیں امان نہیں مل سکے گی۔"

"وہ میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔" البرٹو ویلیسا کو غصہ آگیا۔ "میں نے بڑے صبر اور تحمل کے ساتھ ایس ٹی ایف میں اپنی جڑیں بنائی ہیں۔ کوئی بھی اُس کے ہذیان پر دھیان نہیں دے گا۔"

"لیکن تمہارے دونوں ہاتھوں کی جِلد پر پلاسٹک سرجری کے نشانات دریافت ہونے کے بعد صورتِ حال یکسر بدل جائے گی۔ تم طاعون زدہ چوہے کی طرح نالیوں میں گھستے پھرو گے اور تمہیں کہیں امان نہیں مل سکے گی۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

اس بار البرٹو ویلیسا نہ صرف چونکا بلکہ اس کے چہرے کا رنگ بھی اُڑ گیا۔ وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "تم لوگ واقعی بہت دور تک جا چکے ہو۔ جو تباہی آنی ہے وہ ہر حالت میں آکر رہے گی لیکن میں تم دونوں کو زندہ چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

وہ میز پر پڑی ہوئی کلاشنکوف اٹھانے کے لیے جھکا۔ کلاشنکوف میں میگزین چڑھا ہوا تھا۔ اس کی انگلی کی ایک ہی جنبش ہمیں خون میں نہلا سکتی تھی۔ ہمارے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔

جس وقت البرٹو ویلیسا پورے انہماک کے ساتھ ویرا سے گفتگو کرنے میں مصروف تھا تو میں نے جال کی ڈھیل کا فائدہ اٹھاتے ہوئے' اپنے جسم کو ہلا جُلا کر قدرے بہتر پوزیشن بنالی تھی۔ میں نے البرٹو ویلیسا کی چند ثانیوں کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے' پھرتی کے ساتھ اپنی جیب سے بیم گن نکال لی۔

میں نے بیم گن بلند کی ہی تھی کہ البرٹو ویلیسا نے اس کی جھلک دیکھ لی اور ایک تیز' غصیلی چیخ کے ساتھ میز کے پیچھے گر گیا۔ میں نے اسی لمحے بیم گن چلا کر پیٹرو مکس لیمپ کا خاتمہ کردیا اور کمرے میں گھور اندھیرا پھیل گیا۔ اسی کے ساتھ ویرا نے کھلے ہوئے دروازے کی طرف فائر جھونک مارا۔ شاید وہ بھی موقعے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اپنا پستول نکال چکی تھی۔

پھر دو واقعات بیک وقت ہوئے۔ البرٹو ویلیسا نے اندھیرے کمرے میں پوزیشن بنا کر ہمارے اوپر کلاشنکوف کا برسٹ مارا' باہر والوں نے جال کو شدید جھٹکا دیا اور ہم دونوں چیختے ہوئے فرش پر ڈھیر ہوگئے۔ جال کو تیزی کے ساتھ کھینچا جارہا تھا۔

کمرے میں سخت افراتفری پھیل گئی البرٹو کو گمان ہوا کہ شاید ہم اس کے برسٹ سے زخمی ہوکر چیخے اور گرے تھے۔ ویرا نے نہ جانے کس طرح اُسے اٹھتے ہوئے دیکھ لیا۔ ایک فائر ہوا اور وہ کمرا البرٹو کی بے ساختہ چیخ سے لرز اٹھا۔ اسی کے ساتھ کمرے میں متعدد وزنی چیزیں گرنے کی آوازیں بلند ہوئیں۔

میں نے گھسٹتے ہوئے جال کے اگلے حصے کو کاٹنے کے لیے' بیم گن کا اندھا دھند استعمال شروع کردیا۔ حیرت ناک سرعت کے ساتھ ہمارے جسموں پر پھندوں کا کھنچاؤ کمزور پڑنے لگا۔

"دیکھو! یہ حرامی نکلنے نہ پائیں' میرا داہنا بازو زخمی ہوگیا ہے۔" کمرے میں البرٹو ویلیسا حلق کے بل چیخا اور باہر اس کے کسی آدمی نے بوکھلا کر بے مقصد فائرنگ شروع کردی۔

صرف چند ثانیوں میں وہ تمام واقعات اس تیزی کے ساتھ رونما ہوئے کہ ان میں تقدیم اور تاخیر کا امتیاز کرنا ناممکن تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے سب کچھ ایک ساتھ ہو رہا ہو۔

تاریک کمرے میں البرٹو ویلیسا زخمی حالت میں' فرنیچر کی آڑ میں چھپا ہوا تھا۔ باہر اس کے مسلح ساتھی موجود تھے۔ ہمیں کٹتے بلکہ جلتے ہوئے جال میں گھسیٹا جارہا تھا۔ اس سے قبل کہ ہم دونوں پختہ فرش پر گھسٹتے ہوئے' دروازے سے باہر نکل جاتے' بیم گن کی دھار نے ہمارے آگے تنے ہوئے نائیلون کے جال کو اس حد تک کاٹ دیا کہ ہم مزاحمت کرنے کے قابل ہوگئے۔ ایک طرف میں نے چوکھٹ میں پیر اڑا دیئے۔ دوسری طرف ویرا نے دیوار کا سہارا لے کر رکاوٹ پیدا کردی اور اسی کے ساتھ میں نے جال کے رہے سہے پھندے کاٹ کر' اسے دو حصوں میں تقسیم کردیا۔ جال کا بیشتر حصہ تیزی کے ساتھ آگے سرکتا چلا گیا جب کہ اس کا کچھ حصہ ہمارے جسموں سے الجھا رہ گیا۔

ہم دونوں نے بہت پھرتی کے ساتھ خود کو کٹے ہوئے جال سے آزاد کرایا اور میں نے بیم گن بائیں ہاتھ میں منتقل کر کے' اپنی جیب سے پستول بھی نکال لیا۔

وہ فیصلے کی بہت نازک گھڑی تھی۔ البرٹو ویلیسا کے پاس کلاشنکوف موجود تھی لیکن اس نے اپنا داہنا بازو زخمی ہونے کا اعلان کرکے' بالواسطہ طور پر یہ اعتراف کرلیا تھا کہ وہ فائرنگ کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ ہم اس کی طرف پیش قدمی کرکے اسے بہ آسانی جہنم واصل کرسکتے تھے لیکن خطرہ

...ہیں اسی اثنا میں البرٹو کے ساتھی دروازے پر قابض ...ہمارے فرار کا واحد راستہ بھی مسدود نہ کردیں اور ہم ...اصل حریف کو ختم کرنے کے بعد خود بھی بے موت ...ے جائیں۔

...باہر البرٹو ویلیسا کے کتنے مسلح ساتھی موجود تھے؟ اس ...میں ہمیں کچھ علم نہیں تھا۔ ان میں کم از کم ایک شخص ...کان فائرنگ کیے جارہا تھا اور فضا میں تیزی کے ساتھ' ...ہوئے بارود کی تیز بُو بھرتی جارہی تھی۔ میں نے فوراً ہی ...کیا کہ ان مخدوش حالات میں البرٹو ویلیسا کی ہلاکت ...زیادہ اہمیت ہماری سلامتی کی تھی۔ ہم اس کے ناپاک ...سے واقف ہوچکے تھے اور وہ خود بھی اسپیشل ٹاسک ...میں واپسی کے امکانات سے مایوس ہوچکا تھا۔ دونوں ...زندہ رہتے تو بعد میں بھی ایک دوسرے سے نمٹ سکتے ...

ہم دونوں نے اسی کمرے کے دروازے کے دونوں ...' دیوار کی اوٹ میں پوزیشن لے لی۔

"فائر کرتے ہوئے باہر نکلنے کی کوشش کرو!" میں نے سرگوشیانہ آواز میں ویرا سے کہا پھر ہم دونوں نے' کھلے ہوئے دروازے سے ہاتھ باہر نکال کر فائر کردیے۔

باہر سے کھٹ پٹ کی پُرشور آوازیں آئیں لیکن ہماری چلائی ہوئی گولیاں بار آور ثابت نہیں ہوسکیں۔ گھور اندھیرے میں کسی کا نشانہ لینا آسان نہیں رہا تھا۔

جال کٹنے کے بعد باہر والوں کو ہماری آزادی کا احساس ہوچکا تھا اس لیے وہ روشنی کے استعمال سے گریز کررہے تھے۔ شاید عقبی کمرے میں جلتا ہوا پیٹرومکس لیمپ بھی بجھا دیا گیا تھا کیونکہ عمارت میں گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں نے دیوار کی اوٹ سے اپنا سر آگے نکال کر' بیرونی حصے کا جائزہ لینا چاہا لیکن اسی لمحے کوئی بھاری وجود پوری قوت کے ساتھ میری ٹانگوں سے آٹکرایا۔

وہ جھونک اس قدر شدید تھی کہ میں دیوار کا کنارا نہ تھام لیتا تو بری طرح پختہ فرش پر ڈھیر ہوجاتا۔ اپنے حملے میں ابتدائی ناکامی پر وہ تربیت یافتہ بندر ذرا بھی بد دل نہیں ہوا بلکہ کسی جونک کی طرح میری پنڈلیوں سے لپٹ کر میرے پاؤں اکھاڑنے کی سرتوڑ کوششیں کرنے لگا۔

اس ناگہانی آفت پر میں چند لمحوں کے لیے بوکھلا کر رہ گیا پھر میں نے محض اندازے سے پستول کی نال نیچے جھکا کر فائر کر دیا۔ بندر نے ایک کریہہ چیخ مار کر میری پنڈلیاں آزاد کردیں اور فرش پر تڑپنے لگا۔

میں نے پلٹ کر جھلاّہٹ کے عالم میں ایک فائر اس میز کی طرف بھی جھونک مارا جس کے پیچھے البرٹوو ۔یلیسا نے پناہ لی ہوئی تھی اور فضا میں اس کی ایک ہلکی سی چیخ گونج کر رہ گئی۔ اس کی آواز سے صاف ظاہر تھا کہ میری چلائی ہوئی گولی نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا' بس وہ اپنے اضطراری ردِعمل پر قابو رکھنے میں ناکام رہا تھا۔

باہر والا مختصر وقفوں کے ساتھ فائرنگ کرکے اپنا میگزین برباد کیے جارہا تھا لیکن میں نے یہ بات نوٹ کی تھی کہ ہماری طرف سے کئی راست فائر ہونے کے باوجود اس نے دروازے کی طرف گولی نہیں چلائی تھی۔ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ البرٹوو ۔یلیسا ہمارے ساتھ پھنسا ہوا تھا اور وہ ذہنی طور پر اس امکان سے خوف زدہ معلوم ہو رہے تھے کہ کہیں ان کی چلائی ہوئی گولی' ان ہی کے سربراہ کا مقدر نہ بن جائے۔

میں نے ہاتھ سے ویرا کو اشارہ کیا اور پھرتی کے ساتھ سینے کے بَل فرش پر لیٹ گیا۔ اس وقت تک کمرے میں تڑپتا ہوا بندر دم توڑ چکا تھا مگر میرے ذہن پر یہ خوف ضرور سوار تھا کہ وہاں کوئی دوسرا بندر موجود ہوا تو وہ براہِ راست میری کھوپڑی پر ہی چڑھتا چلا آئے گا۔

ہم دونوں گھٹنوں اور کہنیوں کے بَل' فرش پر گھسٹتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھے اور اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نکاسی کے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

''خبردار جو کوئی حرکت کی۔'' اندھیرے میں سے کوئی چلّایا۔ ''تم لوگ ہماری زد میں ہو۔''

میرے بدن میں خوف اور دہشت کی ایک لہر سرایت کر گئی۔ پھر تاریکی میں ایک انسانی ہیولا' پنجوں کے بل دوڑتا ہوا' کمرے کی طرف لپکا اور دیوار کے ساتھ چپک کر اندھیرے میں مدغم ہوگیا۔

وہ ایک بہترین موقع تھا۔ میں نہایت آسانی کے ساتھ اس کے سینے میں پگھلا ہوا سیسہ اتار سکتا تھا لیکن میں نے اسے' اس کے حال پر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔

فائر کرکے میں اسے تو مار لیتا لیکن اس عمل کے نتیجے میں اس کے ساتھی یا ساتھیوں کو ہماری پوزیشن کا اندازہ ہوجاتا۔ وہ ایک بار یہ سمجھ لیتے کہ ان کا باس ہمارے ساتھ نہیں تھا تو وہ ہم پر جہنم کا دہانہ کھول سکتے تھے جب کہ ہم دونوں کے پستولوں میں گنی چنی گولیاں باقی رہ گئی تھیں جو کسی بھی اندھا دھند مقابلے میں ہمارا مؤثر دفاع کرنے کے لیے ناکافی ثابت ہوتیں اور ہم پکڑ لیے یا مار لیے جاتے۔

بنیادی مسئلہ وہی ایک تھا کہ ہم اس وقت ناکافی تیاری کے ساتھ' دشمن کے تیار کیے ہوئے چوہے دان میں پھنسے ہوئے تھے اور دشمن کے خاتمے سے کہیں زیادہ اہمیت ہماری آزادی کی تھی۔

وہاں اندر اور باہر' یکساں اندھیرا پھیلا ہوا تھا لیکن نکاسی کے کھلے ہوئے دروازے سے آسمان نظر آنے لگا تھا۔ میں اسی طرح رینگتا ہوا سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ ویرا کھلی فضا کو سامنے دیکھ کر خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ اس نے اپنے قدموں پر اٹھ کر باہر بھاگنا چاہا لیکن بدقسمتی سے دیکھ لی گئی۔

پُرشور دھماکے سے ایک فائر ہوا اور گولی میرے اوپر سے گزر گئی۔ ویرا خوش قسمتی سے صاف بچ گئی تھی۔

ویرا میں جنگ و جدل کی چالوں کو سمجھنے کا کچھ قدرتی میلان تھا۔ وہ کود کر باہر نکل گئی لیکن اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ فائر کرنے والا اس کے تعاقب میں ضرور آئے گا۔ اس نے باہر قدم جماتے ہی' دیوار کی آڑ لے کر' اندر ایک فائر کر دیا۔ کسی کے اچھل کر گرنے کی آواز آئی اور میں بھی بحفاظت باہر پہنچ گیا۔

اب وہاں رکنا ہمارے لیے خطرناک ہوسکتا تھا۔ ہم دونوں نے پوری قوت سے درختوں کے جھنڈ کی طرف دوڑ لگا دی اور اپنے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو پھلانگتے ہوئے' سیدھے نکلتے چلے گئے۔ البرٹوو ۔یلیسا کا کوئی آدمی بروقت ہمارے پیچھے آنے کی ہمت نہیں کرسکا تھا۔

ہم درختوں میں رکنے یا چھپنے کے بجائے' ان کے پار میدان میں نکلتے چلے گئے۔ اس وقت ان لوگوں سے جلد از جلد اور زیادہ سے زیادہ دور نکل جانے میں ہی ہماری عافیت تھی۔

البرٹوو ۔یلیسا کے آدمی کی جلائی ہوئی سرچ لائٹ کی روشنی میں' میں نے زمین پر گاڑیوں کے ٹائروں کے متعدد نشانات ضرور دیکھے تھے لیکن یہ بات حیران کن تھی کہ ہمیں اس عمارت کے قرب و جوار میں کوئی گاڑی نظر نہیں آئی تھی۔ وہ لوگ آبادی بلکہ پختہ سڑک سے بھی بہت دور' ایک اجاڑ ویرانے میں رہ رہے تھے۔ یہ بات خاصی ناقابلِ فہم تھی کہ وہ اپنی روزمرّہ ضروریات کا سامان کس طرح لاتے ہوں گے؟ اس سوال کے دو ہی جوابات ہو سکتے تھے۔ یا تو ان کے لیے شہر سے کوئی اور رسد پہنچاتا تھا یا پھر انہوں نے رازداری کے پیشِ نظر' اپنی گاڑی کسی بند گیراج میں چھپائی ہوئی تھی۔

میرے لیے وہ مسئلہ بہت اہم تھا۔ اگر ہم پیدل ہی فرار ہونے کی کوشش میں لگے رہتے اور وہ لوگ گاڑی لے کر ہماری تلاش میں نکل کھڑے ہوتے تو ہماری تمام کوششوں پر پانی پھر کر رہ جاتا کیونکہ اس مقام سے سڑک تک کا فاصلہ کافی زیادہ تھا اور قرائن بتا رہے تھے کہ ہم صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے سڑک تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔ راستہ بھٹکنے کی صورت میں ہماری دشواریاں ناقابلِ تصور حد تک بڑھ سکتی تھیں۔ پستولوں میں باقی رہ جانے والی چند گولیاں ان لوگوں سے کسی دوسرے تصادم کے لیے ناکافی تھیں۔

میں نے ویرا کو اپنی تشویش سے آگاہ کیا تو وہ مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے بولی ''وہ لوگ گاڑی پر ہی نکلیں گے۔ البرٹو یقینیت پر ہمیں دوبارہ پکڑنے کی کوشش کرے گا۔ اس بات کا بنگلے میں گاڑی ہو یا نہ ہو' وہ لوگ ایس ٹی ایف کی جیپ استعمال کریں گے۔''

البرٹو' اسپیشل ٹاسک فورس کی ہارڈ ٹاپ جیپ میں ہمیں یہاں لایا تھا۔ جیپ اسی مقام پر موجود تھی جہاں ہمارے تصادم کا آغاز ہوا تھا لیکن اس کی چابی البرٹوو ۔یلیسا کی تحویل میں تھی۔

ہم دونوں نے اپنی یادداشت کے سہارے' اپنا رخ اسی خشک برساتی نالے کی طرف کرلیا' جس کے ذریعے ہم جیپ تک رسائی حاصل کرسکتے تھے۔

اندھیرے میں کسی بڑی کامیابی کی امید تو نہیں تھی لیکن پھر بھی جیپ کے تاروں کو جوڑ کر اسے اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی جاسکتی تھی۔ ایک بار انجن چل پڑتا تو اسٹیئرنگ لاک کو جھٹکوں کی مدد سے توڑا جاسکتا تھا۔ اگر ہم کو کوئی کامیابی نہ ہوتی اور البرٹوو ۔یلیسا کے آدمیوں کی آمد کا خطرہ نظر آتا تو ہم جیپ کے انجن کو ناکارہ کرکے ان لوگوں کو بھی پیدل گھسٹنے پر مجبور کرسکتے تھے۔ برابری سے ہونے والی اس مقابلے کی دوڑ میں وہ قیامت تک بھی ہمیں نہیں پکڑ سکتے تھے۔

جیپ کی طرف واپس جانے میں دوسرا بڑا فائدہ یہ تھا کہ ہم راستہ بھٹکنے کے خطرے سے محفوظ رہ سکتے تھے اور ٹائروں کے نشانات کے سہارے' دو ٹیلوں والے درّے سے گزر کر سڑک تک پہنچ سکتے تھے۔

یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہم نے واپسی کے لیے صحیح سمت کا انتخاب کیا تھا کیونکہ تھوڑی ہی دیر بعد ہمیں برساتی نالہ نظر آگیا۔ اس بار ہم اس میں اترنے کے بجائے' کنارے کنارے دوڑتے رہے۔

آخرکار ہم ہانپتے کانپتے جیپ تک پہنچ ہی گئے۔ اس کی اگنیشن کِی ضرور غائب تھی لیکن دروازے غیر مقفل تھے۔ میں نے بانٹ اٹھا کر دیکھ بھال شروع کردی۔ ویرا اسٹیئرنگ کالم کے نیچے' سوئچ سے منسلک تاروں کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگئی۔ اندھیرے کی وجہ سے ویرا کو خاصی دقت ہو رہی تھی۔ اچانک ہی مجھے اپنا سگریٹ لائٹر یاد آیا اور ویرا کو اپنا کام کرنے کے لیے روشنی میسر آگئی۔

جیپ کی کیبن لائٹ کا رابطہ بھی غالباً اگنیشن سوئچ سے ہی تھا کہ وہ روشن نہیں ہوسکی۔ پھر جب ویرا نے کئی منٹ کے بعد دو تار جوڑے تو ڈیش بورڈ پر اگنیشن کی روشنیاں جل اٹھیں۔ اسی کے ساتھ کیبن لائٹ بھی آن ہوگئی۔ ویرا اپنی اس کارکردگی پر خوشی سے اچھل پڑی۔

میری دوسری کوشش میں اسٹیئرنگ کا قفل ٹوٹ گیا۔ سیلف اور بیٹری کے تار کو اسکرو ڈرائیور کی مدد سے عارضی طور پر شارٹ کرکے انجن اسٹارٹ کرنا کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ کسی وجہ سے اس میں دشواری ہوتی تو تھوڑی سی محنت کے بعد' کچی زمین پر' جیپ کو دھکا دے کر اسٹارٹ کیا جاسکتا تھا۔

جیپ کا انجن بیدار ہونے کے ساتھ ہی فضا میں رائفل کا ایک پُرہول فائر گونج اٹھا۔ شاید البرٹوو ۔یلیسا کے ساتھی ہمارے سروں پر آپہنچے تھے۔ میں نے پھرتی کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ ویرا میرے برابر میں بیٹھ گئی اور میں نے جیپ کو تیزی سے واپس گھمالیا۔

دوسرا فائر ہوا تو شعلے کی وجہ سے ہمیں آنے والوں کی سمت کا بھی اندازہ ہوگیا۔ اس طرف سے' سرمئی آسمان کے پس منظر میں تین تاریک ہیولے بہت تیزی سے آگے بڑھے چلے آرہے تھے۔

''کیوں نہ انہیں روند ڈالنے کی ایک کوشش کرہی لی جائے؟'' میں نے تلخی کے ساتھ کہا ''جیپ ہاتھ لگنے کے بعد ہمیں ان پر برتری حاصل ہوچکی ہے۔''

''سیدھے نکل چلو!'' ویرا سخت لہجے میں بولی ''ان کے پاس رائفل بھی ہے۔ کوئی گولی ریڈی ایٹر یا انجن کے کسی حساس حصے پر پڑ گئی تو ہم پھر یتیم ہو کر رہ جائیں گے۔ میں بھاگ بھاگ کر نڈھال ہوچکی ہوں۔ مجھ سے ایک منٹ بھی نہیں دوڑا جائے گا۔''

''چلو!'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ ''سواری مل جانے کے بعد تمہاری نزاکتیں بھی سر ابھار رہی ہیں۔''

آنے والے مایوسی اور جھلاّہٹ کے عالم میں اپنا اسلحہ

برباد کیے جا رہے تھے لیکن ہمیں اُن سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس عمارت میں البرٹوو یلیسا کے علاوہ بس وہی تین نفوس موجود تھے جو اپنی ناکامی کے بعد ہتھیار اٹھا کر ادھر دوڑے چلے آئے تھے۔

ان لوگوں کے تربیت یافتہ بندروں کا معاملہ غیر یقینی تھا۔ ان میں سے ایک میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ دوسرے سے دو ٹیلوں والی گزرگاہ پر ملاقات ہونے کا امکان تھا۔

"بندر کتنا بھی تربیت یافتہ ہو' حیوان ہی ہوتا ہے۔" ویرا نے پُرتشویش انداز میں کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ اس مقام کی نگرانی کے لیے بندر کے ساتھ کوئی نہ کوئی آدمی بھی موجود ہوگا۔"

"آدمی ہوتا تو ضرور نیچے آتا۔ ابھی چند منٹ میں پوری صورتِ حال واضح ہوجائے گی۔"

"صورتِ حال واضح ہونے کے بعد ہم کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔ وہاں جو کوئی بھی ہے' بلند ٹیلے پر بیٹھا ہوا ہے۔ ان لوگوں کی تعداد ضرور کم ہے لیکن یہ بہت منظم ہیں۔ اس راستے کی نگرانی کرنے والے کے پاس رائفل سے کم' کوئی ہتھیار نہیں ہوگا۔ وہ اوپر ہی سے ہمیں نشانے پر لے لے گا۔"

"البرٹوو یلیسا والے ہیڈ لیمپس کے سگنل کو آزمائیں گے۔" میں نے لمحہ بھر کے سکوت کے بعد کہا "اس کے بعد جو ہوگا' وہ دیکھ لیا جائے گا۔ دشمنوں کے نرغے میں ہمیں ہر بات اپنی سہولت کے مطابق نہیں مل سکتی۔ ہمیں مرنے یا مارنے کے جذبے کے ساتھ اس آخری رکاوٹ کو عبور کرنا ہوگا۔"

"ہم راستہ کاٹ کر ان ٹیلوں سے بچ بھی سکتے ہیں۔ ہم راستہ بھٹک بھی گئے تو تھوڑی دیر میں تلاش کرلیں گے۔ جیپ ہاتھ آجانے کے بعد ہم بہت بہتر پوزیشن میں آگئے ہیں۔"

ویرا کی وہ تجویز معقول اور قابلِ عمل تھی۔ تاریکی کا اتھاہ سحر غیر محسوس طریقے پر ٹوٹنا شروع ہوگیا تھا۔ اندھیرے میں اتنی کمی ضرور آگئی تھی کہ روشنی کے بغیر بھی کچھ فاصلے تک بینائی کام کرنے لگی تھی۔

ہم البرٹوو یلیسا کے پاگل کتّوں کو بہت دور چھوڑ آئے تھے لیکن میرا ذہن بار بار ان ہی لوگوں کی طرف بھٹک رہا تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس کی بات اور تھی۔ اس محبِ وطن فورس کا پورا ماتحت عملہ اپنے افسروں کے احکام پر عمل کرنے کا پابند تھا۔ وہ لوگ پیشہ ورانہ طور پر تصویر کے اسی رخ پر دھیان دیتے تھے جو ان کا افسر اجاگر کرتا تھا۔ البرٹوو یلیسا وہاں ظفر کے روپ میں براجمان تھا۔ اس نے اسلام آباد اور راولپنڈی میں' ایس ٹی ایف کے عملے کو اس قدر بے رحمی سے ہمارے خلاف استعمال کیا کہ ان میں سے متعدد افراد ہمارے ہاتھوں بری طرح زخمی ہوئے اور کم از کم ایک آدمی ویرا کے ہاتھوں مارا بھی گیا لیکن اس پورے عمل میں ان لوگوں کی بدنیتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ وہ پورے خلوص کے ساتھ یہ سمجھتے رہے کہ وہ اپنے افسرِ مجاز کی ہدایت پر ملک دشمن عناصر کی سرکوبی کا مقدس فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اس لیے ان میں سے کسی پر' کسی بھی قسم کی الزام تراشی نہیں کی جاسکتی تھی لیکن البرٹوو یلیسا کے خفیہ کیمپ میں مقامیوں کی موجودگی حیران کن تھی۔ البرٹو نے اپنے آدمیوں کی موجودگی کی پروا کیے بغیر' پاکستان کے عظیم ترین قومی مفادات کے خلاف زہر اگلا تھا جس کا مقصد تھا کہ اس کے مذموم مقاصد اپنے آدمیوں سے پوشیدہ نہیں تھے۔ وہ کیسے بے ضمیر اور مفاد پرست لوگ تھے جو محض چند ٹکوں کی خاطر اس کے دست و بازو بنے ہوئے تھے؟

لیکن پھر مجھے ملا سرکار کے سیکڑوں اندھے پیروکار یاد آئے جو اس کی باغیانہ تعلیمات کے پرستار تھے۔ غلام رسول جیسا معزز اور نیک نام سیاستداں یاد آیا جو اپنے مفادات کے حصول کے لیے ملک دشمن قوتوں کا آلۂ کار بنا ہوا تھا اور اپنی ساکھ کے سہارے' ان کے مقاصد کی آبیاری کررہا تھا۔ وہ بارسوخ سردار یاد آیا جس کا بیٹا ہیروئن کی اسمگلنگ میں ملوث تھا اور مافیا کا مقامی چیف بیٹے کے جرم کی پاداش میں اس سردار کو اپنے مقصد کے لیے خریدنا چاہتا تھا۔ وہ سیٹھ حبیب جیوانی کی اپنی خواہش نہیں تھی بلکہ مدر مافیا کے بڑوں نے اسے وہ مذموم کام سونپا تھا اور پھر حبیب جیوانی بھی خود کس سے کم تھا؟

خرابی یہ تھی کہ ہر معاشرے میں دولت کے حصول کی دوڑ زور پکڑ چکی تھی۔ شرافت اور پارسائی کسی کے لیے بھی عزت اور افتخار کا باعث نہیں رہی تھی۔ دولت کی فراوانی کو شناخت بنالیا گیا تھا۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ دولت کیسے اور کہاں سے آئی۔ اسی لیے بعض لوگ ملک' قوم اور اپنے ضمیر کو بیچ کر بھی دولت بنانے پر تلے ہوئے تھے اور اس مرض سے روئے زمین کا کوئی حصہ محفوظ نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر البرٹوو یلیسا کو اپنے کارندوں اور جاں نثاروں کے انتخاب کی کھلی سہولت میسر تھی۔

"کہاں کھوگئے؟ وہ ٹیلے نظر آنے لگے ہیں۔" ویرا نے میرے بازو پر ہاتھ مارتے ہوئے' سامنے اشارہ کیا اور میں اپنے خیالات کے گرداب سے باہر آگیا۔

بائیں طرف کا راستہ نسبتاً بہتر تھا۔ میں نے جیپ اسی طرف موڑ لی۔

دور تک پڑتی ہوئی' ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں معاً مجھے خیال آیا کہ ہماری وہ احتیاط کچھ زیادہ مؤثر نہیں تھی۔ ان ٹیلوں پر اگر کوئی بھی موجود تھا تو اس نے روشنیوں کی وجہ سے ہمیں دیکھ لیا ہوگا۔ ہمارے راستہ بدلنے کی وجہ سے اسے یقین ہوگیا ہوگا کہ ہم اس کے دوستوں میں سے نہیں تھے۔ اگر ہم پوری رفتار سے سیدھے ہی چلتے رہتے تو اسے ہمارے بارے میں سوچنے اور فیصلہ کرنے کے لیے زیادہ وقت نہیں مل سکتا تھا۔

ایک ڈیڑھ کلومیٹر دور نکل آنے کے بعد میں نے جیپ کو داہنی طرف گھما لیا کیونکہ اتنے فاصلے پر ہم رائفل کی رینج سے باہر تھے۔

انجن سے چاروں پہیّوں کے منسلک ہونے کی وجہ سے جیپ کی رفتار کم تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک حیرتناک منظر ہمارے سامنے تھا۔ جیپ کے راستے میں وہی قد آور بندر حائل تھا جسے ہم آتے ہوئے دیکھ چکے تھے۔ اس کے داہنے ہاتھ میں پستول سے لمبی نال والا ایک عجیب سا ہتھیار موجود تھے۔ وہ پستول لہرا کر ہمیں رکنے کا اشارہ کررہا تھا۔ میں نے ہیڈ لیمپس کی بیم پوری طرح روشن کردی۔ میرا اندازہ تھا کہ آنکھیں چُندھیانے کی وجہ سے بندر ہمارا راستہ چھوڑ دے گا لیکن وہ چند قدم سرکنے کے باوجود میدان میں ڈٹا رہا۔

جیپ کی رفتار میں کوئی کمی نہ ہوتے دیکھ کر' بندر نے اپنے ہتھیار سے فائر کردیا اور گولی جیپ سے خاصے فاصلے سے گزر گئی۔

اس وقت وہی ایک بندر ہمارا حریف تھا اس لیے میری نگاہیں اس کی ہر حرکت کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کے پہلے فائر سے ہی یہ ظاہر ہوگیا کہ اسے گولی چلانے کی تربیت ضرور دی گئی تھی لیکن اپنی جبلی بے چینی کی وجہ سے درست نشانہ لینا' اس کے بس سے باہر تھا۔ ویسے بھی اس بندر کی وضع ایسی خوف آور تھی کہ اسے ہتھیار بدست دیکھ کر ہر معقول آدمی سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑا ہوتا اور شاید اس بندر کے تعین کا مقصد بھی ادھر بھٹک آنے والے لوگوں کو خوف زدہ کرکے بھگانا ہی تھا۔

میں نے جیپ کا رخ براہِ راست بندر کی طرف موڑ دیا۔ اس بے زبان لیکن خطرناک حیوان کو پہلی بار ہمارے سفاکانہ عزائم کا احساس ہوا اور اس نے پے در پے دو گولیاں چلادیں۔ ان میں سے پہلی بہت دور سے گزری اور دوسری آسمان کی طرف تیرتی چلی گئی۔ بندر نے پلٹ کر اچانک ہی اپنے مسکن کی طرف دوڑ لگادی۔

بندر کی بدقسمتی تھی کہ وہ علاقہ قدرے ہموار تھا۔ وہاں کوئی بھی ایسا گڑھا یا کٹاؤ موجود نہیں تھا جو جیپ کی رفتار پر اثر انداز ہوتا۔ بندر نے اِدھر اُدھر بھاگ کر جان بچانے کی سر توڑ کوششیں کیں لیکن میں نے نہایت بے رحمی کے ساتھ اسے آہنی بمپر کی شدید ضرب سے دور اچھال دیا۔ بندر بری طرح بلبلاتا ہوا' زمین پر گرا تو اس کے دوبارہ سنبھلنے سے پہلے ہی میں نے اسے جیپ کے نیچے روند ڈالا۔ بندر کی آخری چیخیں بہت لرزہ خیز تھیں جنہیں جیپ کے غرّاتے ہوئے انجن کا شور بھی نہیں دبا سکا تھا۔

"یہ آج کا سب سے افسوسناک حادثہ تھا۔" ویرا مغموم لہجے میں بولی۔

"حادثہ اتفاقاً ہوتا ہے۔ یہ سوچا سمجھا واقعہ تھا۔ اس کا خون البرٹوو یلیسا کے سر ہوگا۔ وہ اپنے بھیانک عزائم کی تکمیل کے لیے ان بے زبانوں کو بھی بے رحمی کے ساتھ رگید رہا ہے۔ میرے پاس اس بندر کو زندہ چھوڑنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔"

"ہاں!" وہ اچانک ہی ہنس پڑی۔ "اس کی موت سے دوسرے بندروں کو عبرت حاصل ہوگی اور وہ البرٹوو یلیسا کا ساتھ دینے سے صاف انکار کردیں گے۔ اسے زندہ چھوڑنے سے دوسرے بدمعاش بندروں کی غیر ضروری حوصلہ افزائی ہوسکتی تھی۔"

میں جیپ کے کیبن میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں' اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

ہم لوگ اسلام آباد کی حدود میں داخل ہوئے تو ہمارے عقب میں صبح کا اجالا پھیل چلا تھا اور سڑکوں پر دودھ اور اخبار والوں کی گاڑیوں وغیرہ کی آمدورفت شروع ہوچکی تھی۔

ہوٹل میں ہمارے ایک دو جوڑوں یا باقی ماندہ اسکاچ کے علاوہ ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس کے لیے ہم طویل سفر طے کرکے پنڈی جاتے۔ اسی ہوٹل میں مقیم رہنے کی صورت میں البرٹوو یلیسا کی طرف سے کسی خطرناک انتقامی کارروائی کا خطرہ تھا اس لیے میں نے ٹھکانا بدلنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

آب پارہ کے علاقے میں' ایک ہوٹل کے سائن بورڈ پر نظر پڑنے کے بعد' میں نے جیپ ایک دور افتادہ اور ویران پارک کے کنارے کھڑی کی اور ہم دونوں پارک میں سے ٹہلتے ہوئے ہوٹل کی طرف آگئے جہاں نہایت آسانی کے

ساتھ الگ الگ بستروں والا ڈبل بیڈ روم مل گیا۔

اس وقت مجھے بہت شدت کے ساتھ اول خان کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ موجود ہوتا تو اس کی نفری کے ساتھ ہم دوبارہ البرٹو ویلیسا کے ٹھکانے پر یلغار کرکے خاصی کامیابی حاصل کرسکتے تھے۔

ویرا کمرے میں پہنچتے ہی غسل خانے میں جا گھسی اور میں سگریٹ سلگا کر فون پر اسٹیشن فور کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔ سلسلہ ملنے پر معلوم ہوا کہ اول خان دفتر نہیں پہنچا تھا۔ مجھے اول خان کے گھر کا نمبر زبانی یاد تھا۔ وہاں پہلی ہی کوشش میں اول خان سے بات ہوگئی۔

خیر خیریت کے رسمی تبادلے کے بعد اول خان نے اپنی کتھا شروع کردی۔ ٹریڈلائن والے قصے نے اس کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ حبیب جیوانی کے کمرے میں موجود' ایک تجوری سے کئی اہم اور معتبر سرکاری اہل کاروں کے پسینہ پسینہ کردینے والے' شرمناک ویڈیو کیسٹ دستیاب ہوئے تھے جو شاید کی کلب کے دنوں میں مخصوص مقاصد کے لیے تیار کیے گئے تھے۔ ان کی وجہ سے سرکاری حلقوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ فائلوں کی حد تک معاملات قابو میں تھے لیکن ویڈیو فلمیں برآمد ہونے کے بعد فوجی حکام ان بدکردار اہل کاروں کی فوری گرفتاری پر تلے ہوئے تھے جب کہ حکومت کی سیاسی مصلحتیں ان کارروائیوں میں رکاوٹ بن رہی تھیں۔ ان معاملات پر فیصلہ ہونے تک' تمام ملزموں کی نگرانی کا کام ایس ٹی ایف کو سونپ دیا گیا تھا تاکہ ان میں سے کوئی بھی' اپنے ہمدردوں اور خیرخواہوں کی مدد سے' ملک سے باہر فرار ہونے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد اسے یاد آیا کہ میں بھی کسی اہم مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔

"بات بگڑ چکی ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "البرٹو ویلیسا نے پچھلی رات ہمیں اپنے خفیہ کیمپ میں گھیرنے کی کوشش کی تھی۔ ہم بہت مشکل سے اپنی جانیں بچا کر ابھی واپس لوٹے ہیں اور ایک نئے ہوٹل میں مقیم ہیں۔"

"لیکن حالات اتنی تیزی کے ساتھ قابو سے باہر کیوں ہوگئے؟" اس انکشاف پر وہ حیران تھا۔

میں نے اختصار کے ساتھ اسے تمام حالات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "سرد جنگ نے اس کے اعصاب کو بکھیر کر رکھ دیا تھا اور وہ ہر قیمت پر کچھ کر گزرنے پر تل گیا تھا۔ میں فوری طور پر کچھ نفری ساتھ لے کر' اس کے خفیہ کیمپ پر جوابی کارروائی کرنی چاہتا ہوں۔ تم اس سلسلے میں کیا کرسکتے ہو؟"

"شاید کچھ بھی نہیں۔" اس کا جواب مایوسانہ تھا۔ "ظفر کا نام آتے ہی رکاوٹ پیدا ہوجائے گی۔"

"ظفر کا نام ہی نہ لو۔ کچھ ملک دشمن عناصر کی سرگرمیوں کے حوالے سے تم بات کرسکتے ہو۔"

"بعد میں ظفر کا نام سامنے آئے گا تو سارا بھرم جاتا رہے گا۔ اس کے فنگر پرنٹس کے معاملے میں' میں پہلے ہی اپنے کمانڈر سے مراسم میں سرد مہری محسوس کررہا ہوں لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ وہ خود کو البرٹو ویلیسا تسلیم کرتا ہے یا اب بھی ظفر ہونے کے دعوے پر اڑا ہوا ہے؟"

"میں نے اسے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ میں نے اسے بتایا ہے کہ ساری کہانی تمہارے علم میں بھی ہے۔ وہ اب ایس ٹی ایف کے دفاتر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرسکے گا۔ اس کی اصلیت ثابت کرنے کے لیے اس کی غیر حاضری بلکہ فرار ہی سب سے بڑا ثبوت ثابت ہوگا۔ وہ ہمارے سامنے اپنی اصلیت کا اعتراف کرچکا ہے۔"

"اس کی روپوشی خطرناک ثابت ہوگی۔ اسے زندہ ہاتھ آنا چاہیے تھا تاکہ اس کے ہاتھوں کی جلد کے طبی معائنے کے بعد اس کی دہری شخصیت کا پردہ چاک کیا جاسکتا۔"

"اپنی بات ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس اب بہت کچھ مواد موجود ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا "اس کے خفیہ کیمپ پر چھاپا مار کر بہت کچھ حاصل ہوگا۔ سب سے بڑا ثبوت کھوٹہ کی وادی سے ملے گا جہاں حساس ترین' انفراریڈ کیمروں سے لیس' تین بندر دندناتے پھر رہے ہیں۔ اس نے خود ہی شیخی میں آکر' ہمیں ان بندروں کے سنسنی خیز وجود سے آگاہ کیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ان کیمروں کا لاسلکی رابطہ البرٹو کے کیمپ میں نصب کسی ریڈیو فوٹو ریسیور سے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ تم فی الحال صبر اور انتظار کرو۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اول خان کی تفکر آمیز آواز ابھری۔ "میں آج شام کی پرواز سے اسلام آباد پہنچنے کی پوری پوری کوشش کروں گا۔"

"تمہارا قیام کہاں ہوگا؟ اور تم سے رابطے کی کیا صورت ہوگی؟"

"میں فورس کے ریسٹ ہاؤس میں ٹھہروں گا۔ تم اپنا نمبر مجھے نوٹ کرادو۔"

"اس نے اپنی دانست میں تمہیں موت کے دہانے پر پہنچا دیا تھا' اس لیے اس نے تمہیں بہت سی اہم باتیں بتا ڈالی ہیں۔" فون نمبروں کے تبادلے کے بعد' اول خان نے کہا۔ "پاکستان کے خلاف ڈیوڈ اسٹارز کے عزائم اور اسرائیل کی جانب سے ہیروئن کی سرکاری سطح پر پیداوار اور برآمد کے معاملات بہت اہم ہیں۔ ان کے بارے میں ہمیں تفصیلی بات چیت کرنی ہوگی تاکہ متعلقہ حکام کو باخبر کیا جاسکے۔ یہ کام میری آمد کے بعد ہی ہوسکے گا۔ اس دوران میں' میں کوشش کرتا ہوں کہ کھوٹہ میں پائے جانے والے تین بندروں کا سراغ لگا کر انہیں پکڑ لیا جائے تاکہ البرٹو کے خلاف جلد از جلد ٹھوس شہادتیں سامنے آسکیں۔"

"ہوسکے تو بلیو کراس ڈیل والے ٹریلروں کی نقل و حرکت سے نقلی ظفر کو لاتعلق کرانے کا بندوبست بھی کرڈالو۔ اس بارے میں اس کے عزائم بہت بھیانک ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آج کی چوٹ کھانے کے بعد وہ آخری ٹریلر کی آمد کا انتظار کیے بغیر کوئی کارروائی کر گزرے!"

"یہ سب پہلو میری نگاہوں میں آگئے ہیں لیکن میں تم سے بے بنیاد وعدے نہیں کرسکتا۔ ملکی مفادات مجھے بھی اتنے ہی عزیز ہیں جتنے تم کو ہوسکتے ہیں۔ مجھ سے جو کچھ بھی بن پڑا' میں کر گزروں گا۔ ظفر کے معاملے میں اب دھند صاف ہوچکی ہے اور میں تم سے پوری طرح متفق ہوں۔"

اس کے بعد اول خان سے مزید بحث کی گنجائش نہیں تھی کیونکہ مجھے اس کی فرض شناسی میں ذرا بھی شبہ نہیں تھا۔ چند سیکنڈ کے بعد میں نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

ویرا کو باتھ روم میں گئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ اندر سے شاور سے پانی گرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ میرے دل میں بھی بے اختیار غسل کرنے کی خواہش جاگ اٹھی اور میں نے اٹھ کر' کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کرلیا۔

○☆○

مسلسل دو راتوں کی بے خوابی اور بھاگ دوڑ کے بعد میں گہری نیند سویا ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی کی مسلسل آواز نے مجھے بیدار ہونے پر مجبور کردیا۔ میں نے کسل مندانہ انداز میں ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

"کراچی سے کال ہے' سر!" آپریٹر نے مشینی انداز میں وہ فقرہ ادا کرکے لائن ملادی۔

"ہیلو ڈینی! میں اول خان بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے ہیجان آمیز آواز سنائی دی۔

"میں سن رہا ہوں۔" اس کی آواز میں کوئی ایسی بات تھی کہ میری نیند یکلخت کافور ہوگئی۔

"اسپیشل ٹاسک فورس کے لاجسٹکس سیکیورٹی سیل میں خوفناک دھماکے کے ساتھ آگ لگ گئی ہے جو قابو سے باہر ہے۔ اس حادثے میں بھاری نقصان ہونے کے امکانات ہیں۔"

"یہ کہاں کی بات ہے اور اس معاملے سے ہمیں کیا دلچسپی ہوسکتی ہے' اول خان!" میں نے اپنا سر جھٹک کر اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"جس یونٹ میں آگ لگی وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا یونٹ ہے۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "اور دوسری بات یہ ہے کہ لاجسٹکس سیکیورٹی سیل اسلام آباد میں واقع ہے۔ ظفر اسی سیل میں تعینات ہے۔ میں نے البرٹو ویلیسا کے بارے میں فون کیا تو مجھے یہ اطلاع دی گئی ہے۔ ظفر یا البرٹو کو صبح سویرے دفتر میں آتے ہوئے دیکھا گیا تھا لیکن آخری خبریں یہی ہیں کہ کسی نے اسے آگ میں گھری ہوئی عمارت سے باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آگ نے ایک بڑے بارودی ذخیرے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔"

"اوہ!" بے اختیار میری مٹھیاں بھنچ گئیں۔ "معلوم ہوتا ہے کہ بدترین ناکامی نے البرٹو کا دماغ الٹ دیا ہے اور وہ انتقامی کارروائیوں پر اتر آیا ہے۔"

"مجھے شبہ ہے کہ کہیں اس نے خودکشی نہ کرلی ہو۔" اول خان کی آواز مجھے کسی کنوئیں کی تہ سے آتی ہوئی معلوم ہوئی۔ "وہ اپنے ساتھ ہی بہت کچھ لے ڈوبا ہے۔ یہ میری ذاتی رائے ہے جس کا اظہار میں صرف تم سے کررہا ہوں۔ ابھی یہ بات تمہاری ذات تک محدود رہنی چاہیے۔"

"یہ ناممکن ہے۔ میں نے آخر تک اسے دیکھا ہے۔ وہ زندگی کے ہر سانس کے لیے لڑنے والا آدمی ہے۔ وہ ایسا بزدلانہ قدم نہیں اٹھا سکتا۔ وہ آتش زنی کا بندوبست کرکے' خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکل گیا ہوگا۔ یہ اس کا کوئی نیا کھیل معلوم ہوتا ہے۔"

"اس آگ نے فورس کے ہر بڑے کو الجھا لیا ہے۔ میرے اوپر والے کوئی دوسری بات سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بندروں والی کہانی تو میں چھیڑ ہی نہیں سکا۔ وہ اس قدر عجیب اور ناقابلِ یقین بات ہے کہ میں کسی کو بھی آسانی سے ہم خیال نہیں بنا سکتا۔ عملاً سب کچھ جوں کا توں رہ گیا ہے۔ دعا کرو کہ شام کو میری آمد سے پہلے اس آگ پر قابو پالیا جائے۔ بصورتِ دیگر میں اسلام آباد آکر بھی کچھ نہیں کرسکوں گا۔"

"یہ بہت خوفناک صورتِ حال ہے' اول خان! شاید اس کی سازش کا مقصد بھی یہی ہے کہ تمہاری پوری قیادت

آتش زدگی کے معاملے میں الجھ کر مفلوج ہوجائے اور اُسے کھوٹہ والے بندروں پر کام آگے بڑھانے کی مہلت مل جائے۔ اس نے وقت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور بظاہر کامیاب نظر آرہا ہے۔ تم نے کچھ نہ کیا تو شاید تم پوری عمر اپنی اس کوتاہی کو معاف نہیں کرسکو گے۔"

"یہ بھی عین ممکن ہے۔" میری بات فوراً ہی اس کے ذہن میں آگئی۔ "لیکن میں حالات کے سامنے بے بس ہو کر رہ گیا ہوں۔ تم بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ کس سے بات کروں؟"

"فوج کے ذمے داروں سے بات کرو۔ وہ سب کچھ کرسکتے ہیں......"

"کراچی کی حد تک میں ایریا کمانڈر سے ہر بات کرسکتا ہوں۔ اسلام آباد کے معاملات میری بساط سے باہر ہیں۔" اس نے میری بات کاٹ کر بے چارگی کے انداز میں کہا۔

"تم خبر تو دے سکتے ہو۔ عمل کرنا یا نہ کرنا ان کے اختیار میں ہوگا۔"

"ہمیں اپنی حدود میں رہتے ہوئے بے حساب آزادیاں ہیں لیکن حدود سے آگے کی پابندیاں بھی اسی قدر کڑی اور روح فرسا ہیں۔ میں ڈسپلن کی خلاف ورزی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ تم اپنے طور پر کسی بھی اتھارٹی سے رابطہ کرکے خطرات کی نشان دہی کرسکتے ہو۔" اس کی آواز سے بے بسی مترشح تھی۔

"میری بات پر یقین کرنے سے پہلے ہر افسر میری شناخت طلب کرے گا اور تم اس معاملے میں میری مجبوریوں سے پوری طرح باخبر ہو۔ میرا نام ایک بار ریکارڈ پر آگیا تو مجھے اپنے پچھلے گناہوں کا حساب دینے میں دانتوں پسینہ آجائے گا۔ مجھے تمہاری آمد کا انتظار ہی کرنا پڑے گا۔ اتنی کم مدت میں وہ کچھ بھی نہیں کرسکے گا۔"

"یہ نہ کہو" اول خان نے فوراً ہی کہا تھا۔ "وہ اور کچھ کرسکے یا نہ کرسکے، اتنی مہلت مل جانے پر کھوٹہ سے اپنے تربیت یافتہ بندر ہٹا ضرور سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس بارے میں کیا کیا جاسکتا ہے۔ تم شام تک یہاں پہنچنے کی تیاری کرو۔" اس سے بات کرتے ہوئے میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہ سوا گیارہ بجا رہی تھی۔ میں اچھل کر بستر سے نیچے آگیا۔ البرٹوو یلیسا کو اس وقت تک بھی بہت کافی مہلت مل چکی تھی اور اسے روکنے کے لیے کسی نہ کسی محاذ پر الجھانا ضروری ہوگیا تھا۔

میں نے فوری طور پر ویرا کو بھی جھنجھوڑ کر بیدار کردیا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"نیند تو پوری ہو لینے دیتے۔" اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا "اس وقت کون سی آفت آئی ہوئی تھی کہ تم نے مجھے ادھوری نیند سے اٹھادیا؟"

"ہم بستر پر پڑے خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے ہیں اور البرٹو کسی پاگل کتے کی طرح ہر طرف دانت مارتا پھر رہا ہے۔ اس نے اپنے دفتر کو بھی آگ کے شعلوں کی نذر کر دیا ہے۔"

"آگ لگادی ہے؟" اس نے حیرت سے کہا "اتنا کچھ ہوجانے کے بعد بھی وہ ادھر جانے کا خطرہ مول لے بیٹھا؟ میں اُسے اس قدر بے جگر نہیں سمجھتی تھی۔"

"بے جگری سے زیادہ، یہ اس کے تجربے اور اندازوں کا کمال ہے۔ اسے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ہم دفتر میں اس کا داخلہ روکنے کے لیے فوری طور پر کچھ نہیں کرسکیں گے اس لیے وہ بے خوفی کے ساتھ وہاں گھس گیا۔ اندر والے، باہر والوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے میں بڑا کمال رکھتے ہیں۔"

ویرا نے بستر پر بیٹھے بیٹھے ایک زہد شکن انگڑائی لی اور میں نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے اپنا منہ دوسری طرف پھیرلیا۔ "ایسی حرکتیں نہ کیا کرو۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ دعوتِ گناہ دینا، گناہ سے بھی بدتر قرار دیا جاتا ہے اور اس وقت تم اسی کی مرتکب ہو رہی ہو۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ مجھے یہ وعظ سنانے کے لیے بیدار کیا ہے؟"

"وہ آتش زنی کی بہت بڑی واردات ہے۔ ایس ٹی ایف کے سارے اعلیٰ دماغ اس میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ البرٹوو یلیسا اس تعطل سے فائدہ اٹھا کر اپنے جاسوس بندروں کو کھوٹہ سے نکال لے جانے میں کامیاب ہوجائے۔ ایسا ہوگیا تو وہ اگلی بار ان ہی تجربے کار بندروں کو تباہی کے سازوسامان سے لیس کرکے ان مضافات میں بھیجے گا اور کوئی ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔"

"یہ تو صرف مسئلہ ہوا۔" وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی۔ "تمہارے ذہن میں اس کا کیا حل ہے؟"

"تم باقاعدہ سفری دستاویزات پر پاکستان آئی ہوئی ہو، میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی اسی شناخت کے حوالے سے انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر کو فون پر ان خطرناک بندروں کے بارے میں مطلع کردو تاکہ وہ لوگ فوری طور پر البرٹوو یلیسا کی کسی سازش کا انسداد کرسکیں۔"

"اتنا سا کام تو تم بھی کرسکتے تھے۔ کیا تمہیں آئی بی کے ڈائریکٹر کا فون نمبر تلاش کرنے میں کوئی دشواری ہے؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے، ترشی سے پوچھا۔

"میرے ساتھ شناخت کا مسئلہ ہے۔ پھر تم ایک غیر ملکی خاتون ہو۔ میرا خیال ہے کہ تمہاری بات دھیان سے سنی جائے گی۔ مقامی آدمی کی طرف سے کسی بین الاقوامی سازش کے اچانک انکشاف کو ہر شخص بے اعتباری سے سنے گا۔"

وہ مسکرانے لگی۔ "غیر ملکی یا امریکن؟ سنا ہے کہ تمہارے ملک میں بارشیں زیادہ ہونے یا سرے سے نہ ہونے تک کی ذمے داری امریکا پر ڈالنے کا فیشن چلا ہوا ہے اور میرا پاسپورٹ امریکن ہے۔"

"جو جی چاہے سمجھ لو۔ اپنی معلومات کا ذریعہ تم اپنے چند دوستوں کو قرار دے سکتی ہو۔"

وہ بحث کیے بغیر اس کام پر رضا مند ہوگئی اور میں ڈائریکٹری سے نمبر تلاش کرنے میں مصروف ہوگیا۔

اول تو ویرا کی انگریزی بہت نستعلیق اور شگفتہ تھی پھر اس کا مترنم نسوانی لب ولہجہ اس کی گفتگو میں چار چاند لگا دیتا تھا۔

اس کے اولین فقرے پر ہی اس طاقت ور وفاقی محکمے کے ڈائریکٹر کے پی اے نے کال اپنے افسر سے ملادی۔ میری توقع کے عین مطابق ویرا اسے مرعوب کرنے میں کامیاب رہی تھی۔

ویرا نے نہایت باوقار انداز میں اپنا تعارف کراتے ہوئے اصل بات شروع کردی۔ "میں امریکن ہوں اور مجھے مقامی معاملات سے کوئی سروکار نہیں ہے لیکن مجھے اپنے ایک غیر ملکی دوست کے ذریعے ایک خطرناک سازش کا سراغ ملا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ میری کہی ہوئی باتوں کو شاید معتبر نہ سمجھا جائے۔"

وہ چند ثانیوں تک دوسری طرف سے کی جانے والی یقین دہانیاں سنتی رہی، پھر بولی "میں اس عزت افزائی کے لیے ممنون ہوں۔ دراصل میرا ملک اصولی طور پر پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف ہے لیکن میں ذاتی طور پر اس مخالفت کو متعصبانہ اور جہالت انگیز سمجھتی ہوں۔ ہر شعبے میں علمی اور عملی ترقی حاصل کرنا ہر آزاد ملک کا بنیادی حق ہے اور اس حق کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز سازش کا درجہ رکھتی ہے۔ میرے دوست نے مجھے بتایا ہے کہ تمہارے ملک میں کچھ غیر ملکی مفاد پرست ہاتھ پیر پھیلا رہے ہیں۔ ان کی نگاہیں کھوٹہ نامی کسی آبادی پر ہیں جس کے قرب وجوار میں کچھ ایٹمی تنصیبات پائی جاتی ہیں۔ ان تنصیبات کے بارے میں خفیہ معلومات حاصل کرنے کے لیے، ان لوگوں نے حساس ترین کیمروں کے ساتھ، تین تربیت یافتہ بندر اس علاقے میں چھوڑے ہوئے ہیں۔ آج صبح سے اگلے تین دنوں کے درمیان، ان بندروں کو اس علاقے سے نکالے جانے کی کوشش کی جائے گی۔ میرا خیال ہے کہ ایسا ہوا تو یہ تمہارے ملک کا بہت بڑا نقصان ہوگا۔"

اس نے ایک بار پھر خاموشی اختیار کرلی۔ اس بار وقفہ قدرے طویل تھا۔ پھر بات آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔ "میرا کام صرف اطلاع دینا تھا تاکہ میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہ رہے۔ کارروائی کا فیصلہ کرنا تم لوگوں کا حق ہے۔ ویسے میری ناقص رائے میں اولین قدم یہ ہونا چاہیے کہ کھوٹہ میں آزادانہ گھومنے والے تینوں بندروں کا سراغ لگایا جائے۔ اگر وہاں بندر واقعی موجود ہیں تو انہیں فوری طور پر پکڑلینا چاہیے۔ سازشیوں کی ان تک رسائی سے پہلے ان کا پکڑا جانا ضروری ہے۔ میٹل ڈی ٹیکٹر، ایکسرے یا پھر پیٹ کی سرجری کے ذریعے ان کے جسموں میں چھپے ہوئے کیمروں کا سراغ لگانا زیادہ مشکل نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں اپنا موجودہ پتا بتانے سے معذور ہوں۔" اگلے وقفے کے بعد ویرا نے خوش خلقی کے ساتھ کہا "ہر جگہ کے سرکاری بکھیڑے، کم وبیش یکساں ہوتے ہیں۔ میں ان میں الجھ کر اپنا یہ سیاحتی دورہ برباد نہیں کرنا چاہتی۔ کوئی ناگزیر ضرورت ہو تو میرے سفارت خانے کے ذریعے مجھ سے نیویارک میں رابطہ کیا جاسکتا ہے۔ سرکاری خرچ پر دوبارہ پاکستان آکر مجھے دلی مسرت ہوگی۔"

"ویلکم اینڈ بائے۔" کے اختتامی فقرے کے ساتھ ویرا نے فون بند کیا تو میں نے فرطِ ممنونیت سے اسے بے اختیار اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

دوسرے معاملات میں ذہین وفطین ہونے کے باوجود، ویرا ایسے لطیف جذبات کے معاملے میں بالکل کوری تھی۔ اس نے میری ہم آغوشی کو تجدیدِ محبت کا اظہار سمجھتے ہوئے جوابی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا اور کمرے کی فضا چٹاچٹ کی کئی پے درپے آوازوں سے گونج اٹھی۔

"تم نے کمال کردیا۔" میں نے کھلنے سے پہلے اس سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔ "اس قدر مدلل اور غیر جانبدارانہ انداز میں اسے متاثر کرنا تمہارے ہی بس کی بات تھی۔ یہ کام میں دس کوششوں میں بھی نہیں کرسکتا تھا۔ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی امریکی مخالفت اور اپنی بے لاگ رائے کا اظہار کرکے تم نے اپنی کہانی کو اس قدر جان دار بنالیا تھا کہ تمہاری کال سے فارغ ہوتے ہی، ڈائریکٹر کے دفتر میں بھونچال

آگیا ہوگا۔"

"ہم امریکنوں میں ایک خوبی یہی ہے کہ دوسروں کو پسند ہو یا ناپسند' ہم اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کرنے سے نہیں چُوکتے۔ میں تو تمہاری قوم میں بھیڑ چال کا رجحان دیکھ کر حیران رہ گئی ہوں۔ اچھے اچھے' پڑھے لکھے لوگوں کی بھی اپنی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ جدھر اکثریت کا رخ ہوتا ہے' اسی طرف چل پڑتے ہیں جب کہ امریکا میں فردِ واحد بھی پلے کارڈ لے کر' ایوانِ صدر کے سامنے' حکومت کے خلاف مظاہرہ کرتا ہے تو پریس اس کا پورا پورا احترام کرتا ہے اور حکومت بھی اس کا نوٹس لینے پر مجبور ہوتی ہے۔ تمہارے یہاں کوئی سرپھرا ایسا کر گزرے تو سب سے پہلے اخبارات ہی اس کا مضحکہ اڑانا شروع کردیں گے۔"

"امریکنوں کی پاکیٔ داماں کی حکایت کو اتنا نہ بڑھاؤ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "ابھی ایٹمی ترقی کی مخالفت کے حوالے سے بھی تم کچھ کہہ چکی ہو۔ ایک اچھائی دس برائیوں کا نعم البدل نہیں ہوسکتی۔"

"دراصل آزادانہ اظہارِ رائے والا انفرادی مزاج ہی امریکا کا قومی مزاج بن گیا ہے۔ تمہیں کتنا ہی برا لگے مگر امریکا کے بیشتر شہری بے مہار ایٹمی ترقی کے سخت مخالف ہیں اور ان کی ہر حکومت اپنی اس خواہش کو ہر صورت میں عملی جامہ پہنانے پر تلی رہتی ہے۔ جس دن وہاں کی رائے عامہ تبدیل ہوگئی' حکومت کی پالیسی میں بھی انقلاب آجائے گا۔ یہ بہت سیدھی اور اصولی بات ہے جو بہت سے لوگ نہیں مانتے۔"

"امریکا جیسے ملک کی تعلیم یافتہ پبلک کی رائے کو بدلنا اتنا آسان نہیں ہے۔"

"وہاں تعلیم کی شرح اونچی اور معیار بہت بلند ہے اس لیے انہیں متاثر کرنا بہت آسان ہے۔ موثر دلائل کے علاوہ وہ کسی بات کو نہیں مانتے۔ اسی لیے وہاں بڑی بڑی لابسٹ فرمیں کام کررہی ہیں جو لاکھوں ڈالر مشاہرہ لے کر' بین الاقوامی حکومتوں کے لیے کام کرتی ہیں اور میڈیا کے ذریعے عوام کے ذہنوں کو بنانے کے ساتھ ساتھ' واشنگٹن کے حکام پر دباؤ ڈالتی ہیں۔ متنازعہ مسائل پر ہر ملک ان فرموں سے مدد لینے پر مجبور ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ باقاعدہ اعداد و شمار کے ذریعے اپنے ہم وطنوں کے تازہ ترین رجحانات سے واقف رہتے ہیں اور ہر مسئلے پر اسی لحاظ سے موثر نفسیاتی مہم چلاتے ہیں اور عموماً مطلوبہ نتائج حاصل کرلیتے ہیں۔"

"مجھے امریکا جانے کا موقع نہیں ملا۔ اس لیے میں تم سے بحث نہیں کرتا لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہاں بھی بڑے بڑے گھپلے ہوتے ہیں۔ جمی لائیڈ کیا کررہا ہے؟ اس کی رسائی کن لوگوں تک ہے؟ یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔ جو قوم اپنی نئی نسل کو منشیات کے زہر سے بچانے کے لیے اپنی دست نگر قوموں کے نوجوانوں میں وہی زہر پھیلانے لگے' اسے کبھی بھی راست رو' اصول پرست یا فراخ دل قرار نہیں دیا جاسکتا۔"

"تم ذاتیات پر اتر آئے ہو اس لیے یہ تقریر یہیں ختم سمجھو۔" اس نے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "یہ بتاؤ کہ اب کیا ارادہ ہے؟ لنچ کا وقت ہونے والا ہے لیکن مجھے ابھی تک بیڈ ٹی بھی نہیں ملی ہے۔"

"لنچ تو ناشتے کے بعد ہی اچھا لگتا ہے۔" میں نے فون پر روم سروس کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا "میں ابھی ناشتا منگوائے لیتا ہوں۔ اس کے بعد نیچے' بازار سے کچھ کپڑے وغیرہ خریدنے نکلیں گے۔"

"بازار جاؤ گے؟" وہ غسل خانے کی طرف جاتے جاتے رک کر پلٹ پڑی۔ "کیا تم اتنی جلدی بھول گئے کہ البرٹو ویلیسا ہر طرف ہماری بو سونگھتا پھر رہا ہوگا؟"

"اور تم یہ بھول رہی ہو کہ اب اسے ظفر کے روپ میں ایس ٹی ایف کے عملے پر دسترس حاصل نہیں ہے۔ البرٹو کے روپ میں وہ خود ایک مجرم ہے۔ وہ کبھی بھی منظرِ عام پر آنے کی حماقت نہیں کرے گا۔ اس سے اتفاقی ٹکراؤ کا امکان ہزاروں میں ایک سے بھی کم ہے۔" اس سے بات پوری کرتے ہی میں نے روم سروس کو ناشتا لانے کا آرڈر دے ڈالا۔

"جب ہی اس نے لاجسٹکس سیکیورٹی سیل میں گھس کر اسے آگ لگادی!"

"وہ اس کا اپنا دفتر رہ چکا تھا۔ وہ وہاں کے چپے چپے اور ایک ایک فرد سے واقف تھا۔ اسے یہ بھی اندازہ تھا کہ اس کے فراڈ کی اطلاع اتنی جلد ماتحت عملے تک نہیں پہنچ سکے گی۔"

"میری بلا سے۔ تم چلو گے تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ کراچی میں تو غزالہ ہر وقت ہم دونوں پر کڑی نظر رکھنے لگی ہے۔" یہ کہہ کر وہ کولہے مٹکاتی ہوئی دوبارہ غسل خانے کی طرف چل دی اور میں چاروں ہاتھ پیر پھیلا کر بستر پر دراز ہوگیا۔

میرا وہ اطمینان زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکا۔ فون کی گھنٹی بجی تو مجھے پہلا خیال یہ آیا کہ شاید روم سروس انچارج مجھے ناشتے کی فراہمی سے معذوری سے باخبر کرنا چاہ رہا تھا لیکن پتا چلا کہ وہ کراچی کی کال تھی۔

اس مرتبہ بھی اوّل خان لائن پر تھا اور مجھے لاجسٹکس سیکیورٹی سیل کے جلتے ہوئے ملبے سے ظفر یا البرٹو ویلیسا کی مسخ شدہ لاش برآمد ہونے کی اطلاع دے رہا تھا۔

*

اوّل خان کراچی میں بیٹھا ہوا تھا اور وہاں سے وہی خبریں دینے کی استطاعت رکھتا تھا جو اسے اپنے ذرائع سے موصول ہوتی تھیں اس لیے میں نے ایس ٹی ایف کے لاجسٹکس سیکیورٹی سیل کی آتش زنی میں البرٹو ویلیسا کی موت کے بارے میں کوئی بحث نہیں کی اور اوّل خان نے وہ خبر سنانے کے بعد' شام کو اپنی آمد کا یقینی وعدہ کرتے ہوئے' فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

میں نے نئی سگریٹ سلگائی اور دوبارہ بستر پر دراز ہوکر اپنے خیالات میں ڈوب گیا۔

البرٹو ویلیسا' تخریب کاری اور دہشت گردی کے میدان میں کوئی نو آموز نہیں تھا جو میں یہ مان لیتا کہ وہ اپنے دفتر کو آگ لگاتے ہوئے خود بھی جہنمی شعلوں کی زد میں آکر اتفاقاً جل مرا ہوگا۔ وہ اس قدر گھاگ اور تجربے کار تھا کہ بڑی سے بڑی کارروائی کرتے ہوئے بھی اپنے تحفظ کے مسئلے کو ایک لمحے کے لیے بھی نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے جل مرنے کی خبر کسی بھی طرح میرے حلق سے نہیں اتر پا رہی تھی۔

لیکن مجھے اس معاملے پر زیادہ دیر تک دماغ سوزی کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ویرا نے شاید غسل خانے میں نہاتے ہوئے فون کی گھنٹی کی آواز سن لی تھی اس لیے وہ اپنا غسل مختصر کرکے' اپنے بدن پر باتھ روب پہن کر باہر نکل آئی تھی۔

"کون تھا؟ کس کا فون تھا؟" اس نے اپنی کمر کے گرد باتھ روب کی بیلٹ کستے ہوئے متجسسانہ لہجے میں سوال کیا۔ میری نگاہیں اس پر جم کر رہ گئیں۔ گیلے بالوں کے نیچے اس کے گلابی چہرے پر انوکھا ہی نکھار نظر آرہا تھا۔ پھر اس کے بدن پر لباس کے بجائے' تولیے کا ڈھیلا ڈھالا سا کوٹ موجود تھا جو روایتی طور پر بٹنوں سے محروم تھا۔ آگے سے کھلے ہوئے اس باتھ روب کے دونوں حصوں کو صرف بیلٹ نے یکجا کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے ویرا کی گردن سے کمر تک وی کی شکل میں کھلا گریبان خاصا اشتعال انگیز سماں باندھ رہا تھا۔ اس کی شہابی جِلد کے نشیب و فراز پر رکے ہوئے پانی کے شفاف قطرے موتیوں کی طرح جھلملا رہے تھے۔ میرے انہماک کو محسوس کرکے وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"کیا گھور رہے ہو؟ میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا۔ کس کا فون آیا تھا؟"

"فون پر لعنت بھیجو!" میں نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا "اور شریفانہ لباس پہنو۔"

"اس میں کیا خرابی ہے؟" اس نے ایک قدم بڑھاتے ہوئے شوخی سے کہا۔

"مہذب بیویاں بھی غسل خانے سے ایسے بے ہودہ لباس میں برآمد نہیں ہوتیں۔ باتھ روب پہننے کے لیے نہیں' بدن کو خشک کرنے کے لیے ہوتا ہے..."

اس نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "مجھے یہ دیکھ کر خوشگوار

حیرت ہوئی ہے کہ درمیانے درجے کے اس ہوٹل میں مسافروں کو تولیوں کے ساتھ باتھ روب بھی فراہم کئے جاتے ہیں۔ یہ سہولت تو یورپ کے فائیو اسٹار ہوٹلوں میں بھی نہیں ملتی۔ مجھے تو غسل کا لطف آگیا ہے۔ تمہاری کھوپڑی میں بخارات جمع ہورہے ہیں تو تم اپنی آنکھیں بند کرلو۔ میں بدن خشک کرنے کے بعد ہی کپڑے بدلوں گی۔"

"یوں کہو کہ تم باتھ روب استعمال کرکے لُٹیا پیسہ وصول کررہی ہو۔"

"باتھ روب پر لعنت بھیجو۔ میں نے تم سے پوچھا تھا کہ وہ فون کس کا تھا؟"

"فون تو کہیں بھی نہیں کھسکا تھا۔ شروع سے اپنی جگہ پر ہی رکھا ہوا ہے" میں نے اسے سلگانے والے انداز میں کہا اور وہ مُکّا تان کر میری طرف دوڑ پڑی۔

"اول خان، اول خان!" وہ منظر اس قدر ہوش رُبا تھا کہ میں اس کے حرکت میں آتے ہی دونوں ہاتھ اٹھا کر مدافعانہ انداز میں بول پڑا۔

ویرا کو احساس بھی نہیں ہوسکا کہ اس کے جھپٹنے میں کیا رمز پنہاں تھا کہ میں نے فوراً سپر ڈال دی لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس مرحلے پر طبیعیات کے تمام قوانینِ حرکت بیک وقت روبہ کار آگئے تھے۔ ویرا کے جان دار جسم نے جوں ہی آگے لپکنے کی کوشش کی تو باتھ روب کا بے جان پیرہن اس تیز رفتاری کا ساتھ نہیں دے سکا۔ اس کا چاک دامن پیچھے لہراتا رہا اور ویرا گویا اس میں سے طلوع ہوئی پڑ رہی تھی۔ میں رات کا وصال گزیدہ تھا اس لیے اتنے قلیل عرصے میں دوبارہ مقتل میں اترنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"اس بار وہ کیا کہہ رہا تھا؟" ویرا نے اپنی جگہ رک کر تیکھے تیوروں کے ساتھ پوچھا۔

"تم بہت خود سر ہوتی جارہی ہو" میں نے ایک گہرا سانس لے کر شکست خوردہ انداز میں کہا "وہ بتا رہا تھا کہ ایس ٹی ایف کے آتش زدہ اڈّے کے ملبے میں سے البرٹو کی سوختہ لاش برآمد ہوئی ہے۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" ویرا نے بے ساختہ حیرت کے ساتھ کہا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا" میں نے اس کی تائید کی "البرٹو اپنی زندگی کے ایک ایک سانس کے لیے لڑنے والا آدمی تھا۔ یہ مانا ہی نہیں جاسکتا کہ اس نے لاجسٹکس سیکیورٹی سیل کو نذرِ آتش کرنے کے ساتھ ہی مایوسی کے عالم میں خود کو زندہ جلا کر خود کشی کرلی ہوگی۔"

"نہ ہی یہ امکان حلق سے اترتا ہے کہ وہ آگ لگاتے ہوئے، حادثاتی طور پر آگ کی زد میں آگیا ہو" ویرا نے ایک کرسی پر دراز ہوتے ہوئے پُرخیال لہجے میں کہا "یہ کیسے معلوم ہوا کہ ملبے سے ملنے والی لاش لازمی طور پر ظفر یا البرٹو ہی کی ہے؟"

"اول خان نے سنی سنائی خبر مجھ تک پہنچائی ہے۔ اس بارے میں وہ میرے کسی سوال کا ٹھوس جواب نہیں دے سکا۔ دراصل ایس ٹی ایف کے بڑوں کو ظفر کے کردار پر کسی قسم کا شبہ نہیں تھا، اس لیے اس بارے میں چھان بین کی کوئی ضرورت محسوس کئے بغیر ظاہری حقائق کو تسلیم کرلیا گیا ہوگا۔"

"وہ ہمیں پھر چوٹ دے گیا" ویرا پُرتشویش انداز میں بڑبڑائی۔

میں چونک پڑا "کیوں؟ ہمیں کیسے چوٹ ہوسکتی ہے؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"شاید تم نے اس معاملے کی نزاکت پر غور کرنے کی سرے سے ضرورت ہی محسوس نہیں کی" وہ بغور میری طرف دیکھتے ہوئے، طنزیہ لہجے میں بولی۔

"اس کی ہلاکت پر مجھے اب بھی یقین نہیں ہے لیکن مجھے اس معاملے میں ابھی تک کسی پیچیدگی کا اندازہ نہیں ہوسکا ہے؟" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"آج سے پہلے تک ظفر کی دوہری شخصیت کا راز صرف ہمارے اور اول خان کے درمیان محدود رہا تو اب اس کی مفروضہ لاش برآمد ہونے کے بعد کون ہمارے یا اول خان کے شبہات پر کان دھرے گا؟"

"کیا تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ اسی جلی ہوئی لاش کو ظفر کی لاش تسلیم کرکے دفن کردیا جائے گا اور البرٹو ویلیسا کے بارے میں کوئی پیش رفت نہیں ہوسکے گی؟"

اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے، پُراعتماد لہجے میں کہا "میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ ملبے سے ملنے والی لاش کی جو حالت ہو، سو ہو لیکن اس کے دونوں ہاتھ اس بری طرح جلا دئے گئے ہوں گے کہ ان سے فنگر پرنٹس اٹھانا ناممکن ہوگا۔ نہ ہی اس کے ہاتھوں کی جلد پر موجود مائیکرو سرجری کے نشانات کا سراغ لگایا جاسکے گا۔ اس کے خلاف ہماری سب سے مضبوط اور ناقابلِ تردید دلیل یہی تھی کہ سرجری یا اسکن گرافٹنگ کے ذریعے اس کے دونوں ہاتھوں اور انگلیوں کے نشانات تبدیل کرکے اسے ظفر کی جگہ لینے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ ہم یہ بات ثابت نہ کرسکے تو ہماری کہانی کسی کی توجہ حاصل نہیں کرسکے گی۔"

وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اس وقت تک میرا ذہن اتنی دور تک نہیں جاسکا تھا لیکن مشکوک لاش کی برآمدگی کا وہی ایک مقصد ہوسکتا تھا کہ البرٹو کی ذات روشنی میں نہ آسکے اور وہ ایس ٹی ایف کے اختیارات سے محروم ہونے کے بعد زیرِ زمین رہ کر اپنے مذموم عزائم پر کام جاری رکھ سکے۔

اسپیشل ٹاسک فورس میں، ظفر کے روپ میں اس کی شمولیت ہی اس امر کی غماز تھی کہ وہ کسی طویل المدت منصوبے کے تحت پاکستان آیا یا بھیجا گیا تھا۔ اگر اسے اپنا مشن پورا ہونے سے پہلے ہی پاکستان سے فرار ہونا پڑتا تو اس کی پوری سازش بدترین ناکامی سے دوچار ہوسکتی تھی۔ اسے جوں ہی یہ معلوم ہوا کہ میں اس کے دوہرے روپ کے اصل راز سے واقف ہوچکا ہوں تو اس کے شاطر ذہن نے فوراً ہی متبادل منصوبہ تیار کرلیا۔ اس منصوبے کی کامیابی کی صورت میں اسے اسپیشل ٹاسک فورس جیسے منظم اور بااختیار ادارے کی طرف سے کسی بھی مداخلت کا خطرہ باقی نہ رہتا۔ ساری لڑائی میرے اور اس کے درمیان رہتی جس کا توڑ کرنا اس کے لیے بہت زیادہ دشوار ثابت نہ ہوتا اور وہ اپنے کام کو آگے بڑھانے میں کامیاب ہوجاتا۔ وہ ایس ٹی ایف میں شامل رہ کر یہ دیکھ چکا تھا کہ ملکی مفادات کے تحفظ کے معاملے میں وہ تنظیم کس قدر مؤثر بلکہ خوں خوار ثابت ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے اس نے اس نیم عسکری قوت سے مخاصمت کی راہیں مسدود کرنے کی کوشش کی تھی جو بادی النظر میں بار آور ثابت ہوتی نظر آرہی تھی۔ اسے ناکام بنانے کی بس ایک ہی صورت تھی کہ ہم لوگ البرٹو کو اس کی کمین گاہ سے نکال کر اسپیشل ٹاسک فورس کے بڑوں کے روبرو کھڑا کردیتے تاکہ وہ اس کے ہاتھوں کے خوردبینی معائنے کے بعد یہ یقین کرلینے پر مجبور ہوجاتے کہ وہ ظفر نہیں بلکہ اس کے فنگر پرنٹس میں لپٹا ہوا کوئی خطرناک سازشی ہے جو اُن کی آنکھوں میں دھول جھونک کر عرصہ دراز تک اُن کے سینوں پر مونگ دلتا رہا ہے۔

ویرا میرے ذہن کو الجھا کر اپنا بدن خشک کرنے میں مصروف ہوچکی تھی۔ بظاہر وہ میری طرف سے یکسر بے پروا نظر آنے کی کوشش کررہی تھی لیکن اس کی حرکات و سکنات سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ اس کے ذہن میں اس وقت بھی کیڑے کلبلا رہے تھے جب کہ میرا ذہن الجھاؤ کا شکار ہونے کے بعد ہر جمالیاتی تحریص و ترغیب سے بے نیاز ہوچکا تھا۔

میں خالی خالی نظروں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے اسی پہیلی میں الجھا رہا پھر اچانک ہی مجھے اس اندھیری سرنگ میں روشنی کی ایک کرن نظر آئی اور میں بے تابانہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم ٹھیک سوچ رہی ہو لیکن اس معاملے میں البرٹو ویلیسا سے چُوک ہوئی ہے۔ وہ اتنی آسانی کے ساتھ کہیں بھی روپوش ہونے میں کامیاب نہیں ہوسکے گا۔" میں نے پُرجوش انداز میں کہا۔

ویرا چونک کر مجھے استفسار طلب نگاہوں سے گھورنے لگی۔

"ذرا اس کا سبب بھی بیان کرڈالو۔"

"البرٹو کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے، اس کا خفیہ ٹھکانا ہماری نظروں میں آچکا ہے۔ ہم اس کی نشان دہی کرکے اپنے دعوے میں وزن پیدا کرسکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ اتنا احمق نہیں ہے۔ اس مضافاتی ویرانے میں ہمیں کچھ بھی نہیں مل سکے گا۔ اس نے پہلی فرصت میں اس ٹھکانے کو خیرباد کہہ دیا ہوگا۔"

"ہوسکتا ہے کہ ہمیں وہاں تربیت یافتہ بندر یا مُردہ بندر کی لاش نہ ملے لیکن اس دور افتادہ عمارت میں پائے جانے والے تصادم کے آثار بہت کچھ ثابت کرسکتے ہیں۔ وہاں خاصی فائرنگ ہوئی تھی۔ دوسری طرف کے کم از کم دو افراد کا خون بھی بہا تھا۔ یہ نشانیاں ہماری مدد کریں گی۔"

"آرزو تو میری بھی یہی ہے" وہ سپاٹ لہجے میں بولی "لیکن میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہمارا واسطہ بہت چالاک حریف سے پڑا ہے، وہ پیش قدمی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے قدموں کے نشانات مٹادینے کا عادی معلوم ہوتا ہے۔ کاش اس سے کہیں کوئی چُوک ہوگئی ہو۔"

ویرا قرینے کا لباس پہن رہی تھی کہ روم سروس کا ایک آدمی ناشتا لے آیا۔ اتنی تاخیر سے ناشتا طلب کئے جانے کی وجہ سے اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ مچل رہی تھی۔ ویسے بھی ہم نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنے ناموں کا اندراج مسٹر اور مسز تنویر کے طور پر کرایا تھا۔ ہماری عمروں اور چہروں پر دمکتے ہوئے پُرجوش عزائم کی وجہ سے، وہ ادھیڑ عمر شخص ہم دونوں کو ہنی مون زدہ، نیا نیا جوڑا سمجھ بیٹھتا تو اس کے لیے اسے قصوروار نہیں ٹھہرایا جاسکتا تھا۔ ہوٹل کی پُرسکون خلوت میں طویل رات گزارنے کے بعد فریق کے مہتابی شبابی وجود پر تازہ تازہ غسل کی بھرپور نمی جھلملا رہی ہو تو تاڑنے والے کہانی کی ناگفتہ کڑیاں خود ہی ملا لیتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد ہم دونوں ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔ ہم کراچی سے ایک دو فاضل جوڑوں کے علاوہ، کچھ بھی نہیں لائے تھے۔ اور وہ بھی ہمارے پرانے ہوٹل میں رہ گئے تھے۔ آثار سے ظاہر ہورہا تھا کہ ہمیں اسلام آباد میں قدرے طویل قیام کرنا پڑے گا اس لیے لباس اور دیگر اشیائے ضرورت کی فوری خریداری ناگزیر ہوگئی تھی۔

ہوٹل سے نکلنے کے بعد ہم خیابانِ کشمیر پر آنے کے بجائے، آب پارہ کے بازار کے عقبی حصے کی طرف چل دیئے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ جدید ترین اور بہترین ساز و سامان کی بیشتر قابلِ ذکر دکانیں مین روڈ پر ہی واقع ہیں لیکن میں البرٹو کی طرف سے شدید ذہنی انتشار میں مبتلا ہوچکا تھا۔ اس نے ہمارے ہاتھوں مار کھانے کے فوراً بعد ہی جو جوابی اقدام کئے تھے، ان کی روشنی میں یہ امکان بھی بعید از قیاس نہیں تھا کہ وہ ہماری تلاش میں شہر کی خاک چھانتا پھر رہا ہو۔ اس نے اپنے جل مرنے کا ڈراما کھیل کر اپنی بے جگری کا ثبوت فراہم کردیا تھا۔ اگر وہ ہم دونوں کو ڈھونڈ کر ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہوجاتا تو شاید دنیا کی کوئی طاقت پاکستان میں البرٹو ویلیسا جیسے خطرناک بین الاقوامی مجرم کا وجود ثابت نہیں کرسکتی تھی۔ اس خطرے کی وجہ سے میں نے مین روڈ کا رخ کرنے سے گریز کیا تھا اور اسی بلاک کی عقبی دکانوں اور اندرونی مارکیٹوں سے ہی اپنی فوری ضروریات پوری کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اول خان کی آمد تک ہمارے پاس وقت ہی وقت تھا۔ اس

لیے ہم بے فکری کے ساتھ دکانوں کا طواف کرتے رہے لیکن ویرا کے مطلب کا کوئی اچھا لباس نظر نہیں آسکا۔ ہم نے وہیں سے ٹیکسی پکڑی اور چند منٹ کی مسافت طے کرکے جناح سپر مارکیٹ پہنچ گئے۔

اس بازار میں مقامی ملبوسات کے ساتھ ہی غیر ملکیوں کی ضروریات کا سازو سامان بھی بھرا ہوا تھا۔ پہلی ہی دکان سے ویرا نے اپنی شاپنگ مکمل کرلی۔ چار بجے کے قریب مجھے بھوک چمکنے کا احساس ہوا۔ میرے استفسار پر ویرا نے بھی کچھ کھانے کی خواہش کا اظہار کیا اور ہم ایک ریستوران میں جاگھسے۔

ہم ریستوران میں ایک میز کے گرد کرسیاں سنبھال ہی رہے تھے کہ اچانک ویرا کے چہرے کا رنگ متغیّر ہوگیا۔ وہ اپنی کرسی کو بھول کر ایک جانب گھورے جارہی تھی جیسے اسے وہاں کوئی غیر متوقع اور حیرت ناک چیز نظر آگئی ہو۔ میں نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اسی سمت میں نظریں دوڑائیں تو میں بھی چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ وہاں ایک میز کے گرد ایک جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ ان میں سے مرد کا چہرہ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔

"اسے اس بری طرح گھورنے کی ضرورت نہیں" میں نے ویرا کو کہنی مارتے ہوئے آہستگی کے ساتھ کہا "اسے نظرانداز کرکے، خاموشی سے اپنی کرسی پر بیٹھ جاؤ۔"

وہ یوں چونکی جیسے میں نے اسے گہری نیند سے بیدار کردیا ہو، پھر خفّت آمیز ہنسی کے ساتھ بولی "میں سمجھ رہی تھی کہ وہ میرا وہم ہے لیکن غنیمت ہے کہ تم نے بھی اسے پہچان لیا ہے۔"

"نہ پہچاننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تمہاری یادداشت قابلِ رشک ہے۔"

وہ البرٹو کے ان ساتھیوں میں سے ایک تھا جنہوں نے اسلام آباد کے مضافاتی ویرانے میں ہم دونوں کو جال پھینک کر پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ اس مقابلے میں ہمیں البرٹو کے ساتھیوں کی صحیح تعداد کا اندازہ نہیں ہوسکا تھا کیونکہ وہ لوگ اندھیرے میں چھپے ہوئے تھے لیکن اسی ریستوران کی میز پر بیٹھا ہوا شخص، سوفی صد وہی تھا جو اپنی رائفل سمیت، روشنی میں ہمارے سامنے آکودا تھا۔

ان دونوں کی میز پر چائے کے لوازم کی موجودگی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ دونوں کافی دیر سے وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ لڑکی خاصی خوبرو اور متناسب الاعضا تھی اور ہنس ہنس کر بے تکلفانہ انداز میں اپنے ساتھی سے باتیں کررہی تھی۔ وہ کسی ندیدے مرد کی طرح، پورے انہماک سے اسی لڑکی کو دیکھے جارہا تھا۔ ہماری میز اس کے بغلی رخ پر تھی اس لیے وہ شاید ہماری موجودگی کا ادراک ہی نہیں کرسکا تھا ورنہ ہماری طرح اسے بھی اپنے ردِعمل پر قابو پانا دشوار ثابت ہوسکتا تھا۔

"یہ دونوں ہم سے پہلے یہاں موجود نہ ہوتے تو میں کسی بھی قیمت پر اسے اتفاق تسلیم نہیں کرسکتا تھا" میں نے اپنے چہرے کو کلائی کی آڑ میں چھپاتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "شاید قسمت ہم پر مہربان ہورہی ہے۔ ہمیں ہر قیمت پر اسے پکڑنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

"ہمیں میز بدل لینی چاہیے" ویرا نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "اسے سرسری طور پر بھی اپنے قرب وجوار کا جائزہ لینے کا دھیان آگیا تو وہ ہمیں دیکھ کر پہچان لے گا۔"

ویرا کی تجویز معقول تھی۔ اس وقت ریستوران میں صرف چند ہی میزیں آباد تھیں۔ میں نے ویٹر کی آمد سے پہلے ہی وہ میز بدلنے کا ارادہ کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑدی۔

ریستوران کے ایک دور افتادہ گوشے میں میز خالی تھی۔ وہاں سے ہم پہچانے جانے کے خطرہ مول لئے بغیر ان دونوں کی نگرانی کرسکتے تھے۔

ریستوران میں آتے ہوئے، ہم دونوں ہی کھانا کھانے کا ارادہ کرکے آئے تھے لیکن البرٹو ویلیسا کے ایک ساتھی کی موجودگی کی وجہ سے میں نے اپنا ارادہ تبدیل کردیا اور چائے کے ساتھ کچھ اسنیکس کا آرڈر دینے پر اکتفا کیا تاکہ ہمیں اچانک ہی ریستوران چھوڑنے کی ضرورت محسوس ہو تو کھانے کی طوالت ہمارے آڑے نہ آسکے۔

"ادھر کچھ عشق ومحبت کا معاملہ معلوم ہوتا ہے" ویرا نے نئی میز پر اپنی جگہ سنبھالنے کے بعد کہا "تم بلاوجہ اپنے اور میرے معدے پر جبر کررہے ہو۔ وہ دونوں فی الحال یہاں جمے رہنے کے موڈ میں نظر آرہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کھانا ختم کرلینے کے بعد بھی ہمیں ان کے انتظار میں یہاں بیٹھے رہنا پڑے۔"

"پیشہ ور بدمعاش عشق ومحبت کے چکروں سے عموماً دور رہتے ہیں" میں نے اپنے لیے سگریٹ منتخب کرنے کے بعد پیکٹ ویرا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "تم بھول رہی ہو کہ اسی شہر میں ہم روحی کے گیسٹ ہاؤس میں ایک رات گزار چکے ہیں۔ وہ اس سے زیادہ حسین اور دلکش لڑکیاں فراہم کرنے کی دعوے دار تھی۔ وہ لڑکی جس بے تکلفی اور اعتماد سے ہنس ہنس کر باتیں بگھار رہی ہے اس سے صاف ظاہر ہورہا ہے کہ وہ کوئی گھریلو خاتون نہیں بلکہ کوئی پیشہ ور کال گرل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہمارے شکار نے پچھلی رات کی کلفت کو بھلانے کے لیے اس سے آج کا سودا کیا ہو....."

"پیشہ ور لڑکیوں میں کوئی کھلاڑی اتنی گہری دلچسپی نہیں لیتا؟" اس نے میری بات کاٹ کر فوراً ہی اعتراض جڑدیا "وہ اس لڑکی کے سامنے کاٹھ کا اُلّو بنا ہوا ہے۔"

"بے دلی سے بہترین شراب بھی پی جائے تو نشہ نہیں ہوتا" میں نے اس کی سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "ہر برے کام کے لیے انہماک ضروری ہوتا ہے۔ وہ شب بسری سے پہلے موڈ بنانے کا قائل معلوم ہوتا ہے۔"

ویرا وقت گزاری کے لیے بحث پر آمادہ ہوگئی اور میں نے بھی اس سے الجھنے کا فیصلہ کرلیا۔

... کھولتی ہوئی، عمدہ چائے کے ساتھ لذیذ اسنیکس سے ہم زیادہ دیر تک لطف اندوز نہیں ہوسکے۔ میں چائے کی دوسری پیالی سے پہلا گھونٹ ہی لے پایا تھا کہ ہمارے شکار نے اپنی جگہ چھوڑدی اور ریستوران سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتا چلاگیا۔ میں نے بھی فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑدی۔

"تم لڑکی پر نگاہ رکھو!" میں نے عجلت میں ویرا سے کہا "وہ ہماری واپسی سے پہلے اٹھ جائے تو تم بھی ٹیکسی سے ہوٹل لوٹ جانا۔ میرا خیال ہے کہ وہ آدمی واپس یہیں آئے گا تو میں بھی اسی کے ساتھ لوٹ آؤں گا۔ جاتے ہوئے، سامان کے تھیلے اپنے ساتھ لے جانا نہ بھول جانا۔"

ہوٹل کے عملے کو اپنے اوپر کسی شبے کا موقع دیے بغیر، میں مناسب رفتار سے چلتا ہوا، ریستوران سے باہر نکلا تو میرا شکار کچھ فاصلے پر واقع پارکنگ لاٹ کی طرف جارہا تھا۔

میں تذبذب میں مبتلا ہوگیا۔ اگر وہ اپنی گاڑی سے کوئی چیز لے کر واپس آنے کا ارادہ رکھتا تھا تو مجھے وہیں رک کر اس کی واپسی کا انتظار کرنا چاہیے تھا اور اگر وہ اپنی ساتھی لڑکی کو چھوڑ کر کہیں جانے کا ارادہ رکھتا تھا تو مجھے اس کے تعاقب کے لیے کسی سواری کا بندوبست کرنے کی ضرورت تھی۔

میں غیر ارادی طور پر ایک خالی ٹیکسی کے قریب جاکر رک گیا۔

مجھے جلد ہی اس تذبذب سے نجات مل گئی کیونکہ مجھے پارکنگ لاٹ سے ایک سرخ کار باہر نکلتی ہوئی نظر آگئی۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر وہی شخص براجمان تھا۔ میں تیزی کے ساتھ دروازہ کھول کر خالی ٹیکسی کی عقبی نشست پر سوار ہوگیا۔ میرے اس رویّے پر ڈرائیور نے گردن گھما کر حیرت سے میری طرف دیکھا لیکن اس سے قبل کہ وہ مجھ سے کچھ کہتا، میں نے جیب سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھادیا۔

"یہ سرکاری کام ہے" میں نے خشک اور بھاری لہجے میں کہا۔ "سرخ کار کے پیچھے چلو! تم نے اس کا پیچھا کرنے میں احتیاط سے کام لیا تو تمہیں ایک اور نوٹ مل سکتا ہے۔ کرایہ اس کے علاوہ ہوگا۔"

ہر بڑے شہر کے ٹیکسی ڈرائیوروں کی طرح، وہ بھی نہ جانے کتنی بار ایسی صورتِ حال سے دوچار ہوچکا ہوگا۔ عورتوں، مجرموں اور دشمنوں کا پیچھا کرنے والے بے وسیلہ لوگوں کو ہر جگہ ٹیکسی ڈرائیوروں پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے اور وہ معقول انعام ملنے کی صورت میں عموماً پوری راز داری اور ذمے داری سے اپنا فرض نبھاتے ہیں۔

اس نے میرے ہاتھ سے نوٹ لیتے ہی، اپنی سال خوردہ ٹیکسی کا انجن اسٹارٹ کیا اور ٹیکسی رینگتی ہوئی، سڑک پر نکل آئی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس وقت تک میرا شکار، میری موجودگی سے واقف نہیں ہوسکا تھا۔

... ٹیکسی ڈرائیور نے مجھے قطعاً مایوس نہیں کیا اور نہایت احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے، ہوشیاری کے ساتھ سرخ کار کا پیچھا کرتا رہا۔ انعام کے علاوہ سرکاری کام والی بات نے بھی اس پر اپنا اثر دکھایا تھا۔

تقریباً دس منٹ تک وہ کار اسلام آباد کی صاف ستھری سڑکوں پر دوڑتی رہی، پھر مرگلہ روڈ پر ایک وسیع وعریض بنگلے کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوگئی۔ میرے ڈرائیور نے اس بنگلے سے چند سو گز دور نکلنے کے بعد ٹیکسی فٹ پاتھ سے لگا کر روک دی۔

"صاب! بُرا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں ؟" چند ثانیوں کی بوجھل خاموشی کے بعد ڈرائیور نے میری طرف گھوم کر خاصے معذرت خواہانہ انداز میں سوال کیا۔

میں اپنا سر اثبات میں ہلا کر رہ گیا۔ اُس وقت میرا ذہن اپنے شکار کی اس عمارت سے واپسی کے وقت کا تعین کرنے میں الجھا ہوا تھا۔

"لال گاڑی والا تمہیں کس سلسلے میں مطلوب ہے؟" میرے ایما پر اُس نے سوال کیا۔

"وہ اہم سرکاری رازوں کو اِدھر اُدھر کرتا ہے، اسی لیے اس پر نظر رکھی جارہی ہے۔"

"اوہ!" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "ہوسکتا ہے کہ وہ کافی دیر تک واپس نہ لوٹے۔ میں ٹیکسی اگلی گلی میں کھڑی کرلیتا ہوں۔ یہاں ہم لوگ کسی کی نظروں میں آجائیں گے۔ اس اڈّے کے چاروں طرف خاصی دیکھ بھال ہوتی رہتی ہے۔ ہم الجھن میں بھی پڑسکتے ہیں۔"

اس کی زبان سے اڈّے کا ذکر سن کر، میں چونک پڑا "کیا تم اس عمارت سے واقف ہو؟"

"یہ شہباز خان کا اڈّا ہے اور یہاں ہر وقت دوچار بارسوخ افسر یا تاجر موجود رہتے ہیں۔" اس نے غیر ضروری طور پر اپنا لہجہ دھیما کرتے ہوئے، ڈرامائی لہجے میں کہا "اندر ولایتی شراب اور ہر قوم کی لڑکیوں کی ریل پیل رہتی ہے، جن سے شہباز خان ہر رات لاکھوں روپے کماتا ہے۔"

"پھر تو تم روحی کے اڈّے سے بھی واقف ہوگے؟" میں نے اس پر اپنی معلومات کا رعب ڈالنے کے لیے پوچھا۔

"روحی تو شہباز خان کی رکھیل ہے۔ لوگ اس کے یہاں آتے ہیں اور وہ اپنا دل پشوری کرنے کے لیے روحی کے پاس جاتا ہے۔ پرسوں روحی کے اڈّے پر ایک بڑی واردات بھی ہوچکی ہے۔ شریف اور عزت دار لوگ اب ادھر کا رخ کرنے سے کترانے لگیں گے۔ ویسے شہباز خان میرا بہت اچھا واقف کار ہے۔ تگڑے گاہک لانے پر کئی بار مجھے انعام بھی دے چکا ہے۔ تم چاہو تو میں اس سے لال گاڑی والے کے بارے میں معلومات حاصل کرسکتا ہوں۔"

میں نے اسے کڑی نظروں سے گھورا اور کہا "مجھ سے الگ ہونے کے بعد تم ہر بات بھول جاؤ گے۔ یہ بہت اونچا کھیل ہے۔ تم

نے اس میں اپنی ٹانگ اڑائی تو بے موت مارے جاؤ گے۔"

"ارے باپ رے!" اس نے بوکھلا کر اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگائے پھر مستعدی کے ساتھ پوچھا "میرے لیے کیا حکم ہے؟ ٹیکسی گلی میں لے جاؤں یا یہیں کھڑا رہوں؟"

"اپنے عقب نما آئینے میں دیکھتے ہوئے، آہستہ آہستہ آگے چلو پھر اسی سڑک پر واپس لوٹ آؤ۔ اسے باہر نکلنے میں زیادہ دیر نہیں لگانی چاہیے" میں نے اسے ہدایت کی۔

اس عمارت کے بارے میں جان لینے کے بعد، میں نے حساب لگایا تھا کہ میرے شکار کو کسی نئی لڑکی کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی ساتھی ریستوران میں اس کی منتظر تھی۔ غالب امکان یہی تھا کہ وہ لڑکی کے شباب کو دو آتشہ بنانے کے لیے ولایتی شراب کی جستجو میں وہاں تک آیا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو وہ خود دوڑ لگانے کے بجائے، ریستوران سے فون کر کے بھی متعلقہ آدمی سے بات کر سکتا تھا۔ اس وقت اس کے سر پر اپنی ساتھی لڑکی کے دلآویز پیکر کا بھوت سوار تھا اس لیے مجھے پورا یقین تھا کہ وہ شہباز خان کے اڈے سے جلد از جلد باہر نکلنے کی کوشش کرے گا کیونکہ اسے وہاں صرف پیسے دے کر شراب کی بوتل لینی تھی۔

سڑک پر کچھ دور جانے کے بعد، ڈرائیور اچانک ہی تحسین آمیز انداز میں بول پڑا "تمہارا اندازہ واقعی درست ثابت ہوا۔ لال گاڑی باہر نکل کر واپس مڑ رہی ہے۔"

میری گردن غیر ارادی طور پر پیچھے گھوم گئی۔ اس اثنا میں لال گاڑی سڑک پر آچکی تھی۔

اس سڑک پر عام طور پر ٹریفک کا زیادہ ہجوم نہیں ہوتا، اس لیے ڈرائیور نے ٹیکسی فوراً ہی واپس گھمالی اور درمیانی فاصلے کا بڑھتا ہوا فرق کم کرنے کے لیے یکایک ہی رفتار بڑھانی شروع کردی۔

لال گاڑی کے پہلے موڑ سے ہی میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ واپس ریستوران کی طرف جارہا تھا۔

"مجھے لال گاڑی سے پہلے اسی مقام پر پہنچادو جہاں سے ہم نے سفر کا آغاز کیا تھا" میں نے اس کو اگلی ہدایت دی اور اس پرانی ٹیکسی کی رفتار میری توقع سے بھی زیادہ تیز ہوتی چلی گئی۔

میں نے میٹر پر ایک نگاہ ڈالی اور مزید دو سو روپے ڈرائیور کے حوالے کردیے۔

"اب تمہیں ایک کام اور کرنا ہوگا" پیسے دینے کے بعد میں نے کہا "لال گاڑی والا جب گاڑی پارک کر کے کہیں جائے تو تم اس کی کار کے پچھلے ٹائر کی ہوا نکال دینا یا اس میں پنکچر کردینا۔"

اس وقت تک وہ بلا چون و چرا، میری ہر بات مانتا چلا آرہا تھا لیکن اس مرحلے پر اس نے متردد انداز میں کہا "میں تمہارے حکم پر یہ سب کر تو رہا ہوں لیکن سچ بات یہ ہے کہ میرا دل ڈوب رہا ہے۔ کوئی گڑبڑ ہوئی تو میرے بال بچوں کو کوئی دو وقت کی روٹی کے لیے بھی نہیں پوچھے گا۔ ہم غریب لوگ اپنی دال روٹی ہی میں مگن رہتے ہیں، صاحب! ہمیں زیادہ کی کوئی ہوس نہیں ہوتی۔ تمہارے انعام جتنی رقم میں دو دن میں بھی مشکل سے کماتا ہوں۔"

میں نے اس کے خوف کا سبب بھانپتے ہوئے، نرمی سے کہا۔ "میری دی ہوئی رقم سے فکر میں نہ پڑو۔ تمہاری حد تک یہ بالکل سیدھا سادہ کام ہے۔ لال گاڑی کا ایک ٹائر ناکارہ کر کے، تم وہاں سے چلے جانا۔ آگے کا معاملہ میں خود سنبھال لوں گا۔ اس میں تمہیں نہیں الجھاؤں گا۔"

ڈرائیور میری بات کے جواب میں کچھ نہیں بولا۔ اس نے مہارت اور تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے، مجھے بہت جلد میری منزل پر اتار دیا۔ میں دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر تھپکی دے کر ٹیکسی سے اترا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ریستوران کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اُس وقت تک لال گاڑی کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

ریستوران کے دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی میری کھوپڑی بھنّا سے اُڑ گئی۔

میرے شکار والی میز بالکل سامنے ہی تھی لیکن اس وقت وہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ میرے شکار کی ساتھی لڑکی میری غیر حاضری میں کہیں غائب ہوچکی تھی۔

میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ مجھے زبردست چوٹ دی گئی تھی۔ شاید میرا شکار، میری موجودگی سے واقف ہوگیا تھا لیکن وہ شروع سے آخر تک نہایت کامیابی کے ساتھ خود کو بے خبر ظاہر کرتا رہا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لگا کر ہوٹل سے باہر لے گیا اور پیچھے سے اس کی ساتھی لڑکی غائب ہوگئی۔ دوسری طرف میں نے اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی وجہ سے اسے کھودیا۔ اگر میں اس کا پیچھا نہ چھوڑتا تو شاید وہ خود ہی مجھے غچا دے کر نکل بھاگنے کی کوشش کرتا اور میں ناکامی کے بعد پیچ و تاب کھاتا رہ جاتا۔

وہ خیالات میرے ذہن میں ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں آکر گزر گئے اور ان کے فوراً بعد ہی مجھے خیال آیا کہ اس لڑکی کی نگرانی کے لیے ویرا موجود تھی۔ لڑکی نکل بھاگی تھی تو ویرا کو بھی اس کے پیچھے جانا چاہیے تھا یا پھر میری ہدایت کے مطابق ہوٹل لوٹ جانا چاہیے تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہی میری نظریں اپنی میز کی طرف اٹھ گئیں۔ ویرا بدستور وہاں براجمان تھی اور ہاتھ لہرا کر مجھے اپنی طرف آنے کا اشارہ کررہی تھی۔

میں اپنے قیاسات کی برق رفتاری پر جھنجلا کر رہ گیا۔ لڑکی کے غائب ہونے کے بارے میں کچھ سوچنے سے پہلے مجھے ویرا کی میز کی طرف دیکھ لینا چاہیے تھا۔ لیکن وہ سب میرے بس سے باہر تھا۔ ان دنوں میں خطرات سے لڑ کر ہی جی رہا تھا۔ اس لیے ہر منفی صورتِ حال پر ذہن کسی ارادے کے بغیر ہی چل پڑتا تھا۔

"اندر گھستے ہی ٹھٹک کر رک کیوں گئے تھے؟" ویرا نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

"مجھے واپس لوٹنے میں زیادہ دیر نہیں ہوئی لیکن لڑکی غائب ہے۔ وہ کہاں گئی؟" میں نے کرسی سنبھالتے ہوئے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"اسے میں نے بھگادیا" وہ فخریہ لہجے میں بولی "اب تمہارا شکار اکیلا رہ گیا ہے۔ اس سے ہم آسانی سے نمٹ سکیں گے" پھر وہ بری طرح چونک کر بولی "مگر اسے تم کہاں چھوڑ آئے؟"

"اگر اس کا مقدر خراب ہے یا اس کے دماغ میں کیڑے پڑ گئے ہیں تو وہ ضرور ادھر آئے گا" میں نے بھنّا کر کہا "لیکن تمہیں اس لڑکی پر طبع آزمائی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میرے سامنے بددماغ شوہروں جیسی حرکتیں کرنے کی ضرورت نہیں" وہ ترشی کے ساتھ بولی مگر فوراً ہی خود بخود ہنس پڑی۔ "تمہارا اندازہ درست تھا۔ وہ ایک ڈرپوک سی کال گرل تھی۔ جب میں نے اسے بتایا کہ وہ ایک جنونی قاتل سے اپنے وقت اور جسم کا سودا کر بیٹھی ہے تو وہ بے چاری اس بری طرح خوف زدہ ہوئی کہ اپنی جیب سے بِل ادا کر کے رفوچکر ہوگئی۔ میرا خیال تھا کہ اس لڑکی کی وجہ سے ہمیں اپنے شکار کو پھانسنے میں دشواری ہوسکتی ہے۔ میں نے تمہارے لیے سہولت پیدا کرنے کی کوشش کی اور تم بلاوجہ مجھے آنکھیں دکھا رہے ہو۔ کبھی تو میرے بھی کسی کام کی تعریف کردیا کرو۔"

"تم نے میرا سارا منصوبہ چوپٹ کردیا ہے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا "لڑکی کو موجود نہ پاکر، وہ مجھ سے زیادہ بوکھلا جائے گا اور ہمیں فوراً ہی اس پر ہاتھ ڈالنا پڑ جائے گا۔ وہ شراب لینے گیا تھا اور اب کسی بھی لمحے یہاں پہنچنے والا ہوگا۔"

"وہ آگیا!" ویرا میری بات پوری ہوتے ہی بول پڑی۔ اس کی نگاہیں دروازے کی طرف تھیں۔

میں نے آہستگی سے اپنی کرسی کا رخ گھما کر کن انکھیوں سے اس طرف دیکھا تو وہ شخص بری طرح بوکھلایا ہوا نظر آیا۔ وہ دروازے کے قریب کھڑا، گھور اندھیرے سے تیز روشنی میں پھینکے جانے والے کسی الو کی طرح، تیزی سے اپنی پلکیں جھپکاتے ہوئے دیدے نچا رہا تھا۔ اس نے جس حسین و جمیل لڑکی کی صحبت سے لطف اندوز ہونے کے لیے پاپڑ بیلے تھے، وہ یک بیک غائب ہوچکی تھی اور وہ خود قابلِ رحم حالت میں نظر آرہا تھا۔

پھر وہ استفسار کے لیے ریستوران کے مختصر سے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ اب یہاں نہیں رکے گا" میں نے ویرا کو آگاہ کیا "میں اس کے پیچھے نکلوں گا۔ تم بِل ادا کر کے آجانا۔ باہر مجھ سے ملاقات نہ ہو تو ہوٹل کی طرف چلی جانا۔ پتا نہیں اب کہاں کہاں کی خاک چھاننی پڑے گی؟"

"ہوسکے تو باہر میرا انتظار کرلینا۔ میں بِل ادا کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گی۔"

میں اسے گھورتا ہوا، وہاں سے اٹھ کر نکاسی کے راستے کی طرف چل دیا۔

لڑکی کے غائب ہونے کی وجہ سے اس شخص کا ذہن پراگندگی کا شکار ہوگیا تھا جس کے اثرات، اس کی چال ڈھال تک پر مرتب ہورہے تھے۔ وہ متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا بے اعتمادی کے عالم میں اپنی گاڑی کی طرف جارہا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ ریستوران کے عملے نے اس لڑکی سے ویرا کی ملاقات کے بارے میں زبان نہیں کھولی تھی ورنہ وہ ریستوران سے نکلنے سے پہلے ویرا کی طرف ضرور متوجہ ہوتا اور ہم دونوں کو پہچانتے ہی، اسے حقیقی خطرے کا ادراک ہوجاتا، جس کے بعد صورتِ حال کوئی بھی ہنگامی موڑ لے سکتی تھی۔

باہر آنے کے بعد میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ مجھے لانے والی ٹیکسی اس علاقے میں موجود نہیں تھی۔ شاید ٹیکسی ڈرائیور اپنا کام مکمل کرنے کے بعد، میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے، وہاں سے رخصت ہوچکا تھا۔

وہ شخص اپنی گاڑی تک پہنچا اور جب میں نے لال گاڑی کو فوری طور پر پارکنگ لاٹ سے باہر رینگتے ہوئے دیکھا تو مجھے شدت کے ساتھ اپنی بے بضاعتی پر غصہ آنے لگا لیکن لال گاڑی کی حرکت ہموار نہیں تھی۔ گاڑی کا پچھلا حصہ کافی ڈگمگا رہا تھا۔ چند سیکنڈ میں ہی اس شخص کو بھی گڑبڑ کا اندازہ ہوگیا۔ لال گاڑی رک گئی اور وہ شخص کار سے باہر نکل کر اپنی سمت کے عقبی پہیے کی طرف متوجہ ہوگیا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ میرے تین سو روپے رائیگاں نہیں گئے تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے اپنے خوف کے باوجود میری ہدایات پر پوری طرح عمل کیا تھا۔ لال گاڑی کا ٹائر ناکارہ ہوجانے کی وجہ سے وہ شخص فوری طور پر وہاں سے روانہ ہونے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔

میں دور کھڑا رہا اور اسے گاڑی میں سے اوزار نکال کر وھیل بدلنے کی تیاریاں کرتے دیکھتا رہا۔ اسی اثنا میں ویرا بھی فارغ ہوکر مجھ سے آن ملی۔

"یہاں کھڑے کیا سوچ رہے ہو؟" اس نے میری پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں سامان کے تھیلے لٹکے ہوئے تھے۔

"وہ اپنی گاڑی کا ناکارہ پہیہ تبدیل کررہا ہے" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا "میں اس کی طرف جارہا ہوں۔ موقع محل کی مناسبت سے تم مداخلت کا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہو۔"

"تم فکر نہ کرو۔ اب وہ ہماری گرفت سے بچ کر نہیں جاسکے گا۔"

قدرے آگے جا کر میں نے اس کی پوزیشن کا اندازہ لگایا پھر ایک لمبا چکر کاٹ کر، اس کی پشت کی جانب سے اس کے سر پر جا پہنچا۔ اس وقت تک وہ وھیل کے نٹ ڈھیلے کر کے گاڑی کو جیک پر اٹھا چکا تھا اور ہاتھ سے نٹ کھول کر وھیل نکالنے میں مصروف تھا۔

آس پاس کئی گاڑیاں ضرور موجود تھیں لیکن اس لاٹ میں کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔ دکانوں اور برآمدوں میں موجود لوگ اتنی دور سے کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ میں نے نہایت آہستگی اور خاموشی کے ساتھ بیم گن نکال کر اس کا آہنی نوزل اس کی گردن سے لگادیا۔

"ذرا بھی ہلنے جلنے کی کوشش کی تو میں تمہیں پل بھر میں جلا کر خاک کردوں گا" میں نے بیم گن والے ہاتھ کو اپنے جسم کی اوٹ میں چھپاتے ہوئے غرا کر کہا۔

وہ اضطراری طور پر بری طرح بدکا' جوں ہی اس کی نگاہ میرے چہرے پر پڑی' خوف اور دہشت سے اس کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ "تت...... تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ رات کے واقعات میں میرا کوئی قصور نہیں تھا" اس نے ہکلاتے ہوئے بدقت تمام اپنی صفائی پیش کی۔

"ڈرو نہیں!" میں نے مکاری سے کام لیتے ہوئے اسے دلاسا دیا "مجھے تم سے کچھ معلوم کرنا ہے۔ تعاون کروگے تو تھوڑی دیر بعد گلوخلاصی ہوجائے گی ورنہ......" میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور بیم گن کا رخ جیک راڈ کی طرف کرکے اس کا ٹریگر دبادیا۔

بیم گن کے نوزل سے خارج ہونے والی مہلک شعاعوں کی پتلی سی نیلگوں دھار' دن کے اجالے میں معدوم ہوکر رہ گئی تھی لیکن اس نے جیک راڈ کو دو حصوں میں تبدیل کردیا تھا۔ مڑی ہوئی آہنی سلاخ کا وہ حشر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے گہرے ہوگئے اور اس نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا "اجازت ہو تو میں ٹائر بدل لوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کوئی گڑبڑ نہیں کروں گا۔"

میں نے اسے تیزی سے پہیہ بدلنے کی ہدایت کی اور اشارے سے ویرا کو اپنی طرف بلالیا۔

ویرا نے آتے ہی اندازہ لگالیا کہ صورتِ حال میرے قابو میں تھی۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر سامان کے تھیلے پسنجر سیٹ پر ڈالے اور جھک کر بقیہ تینوں دروازے بھی غیر مقفل کردئے۔

اس وقت کوئی شخص ادھر آنکلتا تو یہی سمجھتا کہ ہم تینوں مل کر اس گاڑی کا ناکارہ پہیہ بدلنے کی کوشش کررہے ہیں۔ میں نے اسے وہشت زدہ کرنے کے بعد بیم گن اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے اسے یہ بتادیا تھا کہ میں اپنی جیب میں سے ہی اس کی کھوپڑی کو نشانہ بنا سکتا تھا۔

چند منٹ بعد ویرا اس گاڑی کو چلارہی تھی اور میں اپنے شکار کے ساتھ عقبی نشست پر براجمان تھا۔

"میں حلفیہ کہتا ہوں کہ مجھے تم دونوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ظفر نے کل دوسری مرتبہ مجھے بلوایا تھا اور ایک رات کے لیے دو ہزار روپے معاوضہ دیا تھا۔ میں نے جو کچھ کیا' ظفر کے حکم پر کیا تھا" کچھ دیر کی بوجھل خاموشی کے بعد اس نے خود ہی بھرائی ہوئی آواز میں بولنا شروع کردیا۔

"ظفر کون ہے؟" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"بڑے کمرے میں جو کلا شنکوف والا بیٹھا ہوا تھا' اسی کا نام ظفر ہے۔ وہ ان لوگوں میں سب سے بڑا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے کل رات سے پہلے صرف ایک مرتبہ اس کے لیے کام کیا تھا۔ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ اس کی تم سے کیا دشمنی چل رہی ہے۔ ویسے وہ خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"کل رات وہاں کتنے آدمی تھے؟" میں نے اس سے اگلا سوال کیا۔

"ظفر سمیت چھ افراد تھے۔ ان میں سے دو کو تم نے زخمی کردیا تھا۔ تم لوگوں کے نکل بھاگنے کے بعد وہ غصے میں پاگل ہوا جارہا تھا۔ اور ذرا ذرا سی بات پر ہر ایک کو کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ اسے بھی گولی کا زخم آیا تھا۔"

"وہ ویران عمارت کب سے تم لوگوں کے زیرِ استعمال ہے؟"

"میں نے بتایا نا کہ میں کل پہلی بار وہاں گیا تھا۔ وہ عمارت ان لوگوں کی دیکھی بھالی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کافی عرصے سے اسے استعمال کررہے ہوں۔"

"ظفر اور اس کے آدمیوں کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میرے لیے وہ سب نئے لوگ ہیں۔ پنڈی میں پہلے کبھی ان سے واسطہ نہیں پڑا۔"

"تمہارا ان سے رابطہ کیسے ہوتا ہے؟ ان کے ٹھکانے کہاں کہاں ہیں؟"

"راجا بازار میں میری پرانی بیٹھک ہے۔ دونوں مرتبہ ظفر نے خود ہی مجھے فون کیا تھا۔ بعد میں اس کے آدمی مقررہ وقت پر مجھے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ مجھے اس سے رابطہ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔"

"وہ لڑکی کون تھی؟ تم اس کے ساتھ بارونق علاقوں میں کیا کرتے پھر رہے تھے؟"

"وہ ایک مہنگی کال گرل تھی۔" اس نے کھسیائے ہوئے انداز میں اعتراف کیا "ظفر نے گیارہ بجے مجھے لال مسجد کے پاس اتارا تھا تو اس کے بعد وہ لڑکی خود ہی مجھ سے آٹکرائی تھی۔ میں یہ گاڑی کرائے پر لینے گیا تو وہ پہلے سے وہاں موجود تھی۔ میں شام کو آکر اسے اپنی بیٹھک پر لے جانے والا تھا لیکن وہ اچانک ہی کہیں غائب ہوگئی۔ میں نے تو اسے پیسے بھی نہیں دئے تھے۔ ہوٹل والے بتارہے تھے کہ وہ چائے وغیرہ کا بل اپنی گرہ سے ادا کرکے عجلت میں وہاں سے گئی تھی۔"

میں اس کی زبان سے گیارہ بجے کا ذکر سن کر چونک پڑا۔ اول خان کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق ظفر کو صبح سویرے لاجسٹکس سیکیورٹی سیل کے دفاتر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ اس کے بعد وہاں خوفناک آگ لگ گئی اور ظفر کو کسی نے بھی وہاں سے باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن میرے قیدی کی کہانی

کچھ اور ہی بتارہی تھی۔ ظفر گیارہ بجے تک اسلام آباد میں دندناتا رہا تھا اور یہ بات اس امر کا کھلا ثبوت تھی کہ آتش زدہ ملبے سے برآمد ہونے والی سوختہ لاش جعلی تھی۔ ظفر کے روپ میں چھپے ہوئے البرٹو ملیسا نے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے ایس ٹی ایف کے کسی اہل کار کو سرسری طور پر اپنا روپ دے کر آگ میں جھونک ڈالا تھا اور بعد میں اسی بدنصیب کو ظفر سمجھ لیا گیا تھا۔

"اگر وہ گیارہ بجے تک تمہیں اپنے ساتھ لیے پھر رہا تھا تو وہ کہاں کہاں گیا تھا؟ اس ویرانے میں تو سارا قصہ پوچھنے سے پہلے ہی نمٹ گیا تھا" میں نے اس کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"شاید تم لوگ ظفر کی کوئی جیپ لے بھاگے تھے" اس نے قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہنا شروع کیا "یہ معلوم ہونے کے بعد ظفر اپنے آدمیوں کو وہیں چھوڑ کر میرے ساتھ نکل آیا تھا۔ اس کی گاڑی میں ہی چلا رہا تھا...."

"ایک منٹ!" میں نے اس کی قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ "گاڑی کہاں سے آئی؟"

"دو گاڑیاں گیراج میں بند کی گئی تھیں۔ میں نے ان میں سے شیراڈ نکالی تھی" اس نے بتایا۔

"اپنی کہانی جاری رکھو!" اسے خاموش پاکر میں نے لقمہ دیا۔ "مجھے ظفر کی نقل و حرکت کی ایک ایک تفصیل درکار ہے۔ مجھے اچھی طرح علم ہے کہ وہ کن مقامات پر گیا تھا۔ تم سے ذرا سی بھی لغزش ہوئی تو تمہارا انجام آہنی جیک راڈ سے مختلف نہیں ہوگا۔"

"وہ اسلام آباد کے پہاڑی سلسلے کے ساتھ واقع ایک کیمپ میں گیا تھا" اس نے چند ثانیوں کے بعد کہنا شروع کیا۔ "وہاں کوئی باوردی فوجی نہیں تھا لیکن تین باڑھوں میں گھرے ہوئے اس علاقے میں گولا بارود اور دوسرے فوجی ہتھیاروں سے لدے ہوئے ٹرک بکھرے ہوئے تھے۔ کئی جگہ ترپالوں سے ڈھکے ہوئے انبار موجود تھے۔ ظفر اس فوجی یا نیم فوجی کیمپ کی ایک رہائشی بیرک میں گیا تھا۔ میں باہر ہی اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ پونے سات بجے وہ ایک اور آدمی کے ساتھ نمودار ہوا۔ دوسرا آدمی جسامت اور لباس میں اسی جیسا تھا۔ میرے ساتھ وہ دونوں اس کیمپ کے دفتری علاقے میں گئے۔ وہاں ظفر سامنے سے اندر چلا گیا۔ دوسرا آدمی کسی چھاپا مار کی طرح چھپتا اور دبکتا ہوا پچھلی طرف چلا گیا۔ کچھ دیر بعد پچھلی سمت سے ایک سایہ نمودار ہوا تو میں اسے ظفر کا ساتھی سمجھا لیکن اس کے قریب آنے پر پتا چلا کہ وہ ظفر ہی تھا۔ اس نے اپنے چہرے کا خاصا حصہ مفلر میں لپیٹا ہوا تھا۔ میرے لیے وہ باتیں ناقابلِ فہم تھیں۔ پھر میں اسے لے کر باہر آگیا۔ ہم نے دوبارہ اس ویران مضافاتی عمارت کا چکر لگایا تو وہاں سناٹا تھا اور عمارت مقفل پڑی ہوئی تھی۔ ظفر کے آدمی وہاں سے واپس جاچکے تھے۔ ادھر کا جائزہ لینے کے بعد ہم دوبارہ کیمپ کی طرف آئے تو ہمیں دور سے ہی فلک بوس شعلوں کی چادر نظر آئی۔ اسی کے ساتھ فضا ہولناک دھماکوں سے بھی لرز رہی تھی۔ ظفر نے ادھر جانے کا ارادہ ترک کردیا اور اس کی ہدایت پر ہم شہباز خان کے اڈے پر پہنچ گئے۔ شہباز خان شاید ظفر کا پرانا دوست ہے۔ ہم نے وہیں ناشتا کیا پھر وہ دونوں ایک کمرے میں چلے گئے۔ وہاں سے واپسی پر ظفر نے مجھے لال مسجد کے پاس اتار دیا اور خود شیراڈ لے کر کہیں واپس چلا گیا۔ یہ میری پوری کتھا ہے۔ اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تم تھوڑی دیر پہلے شہباز خان کے اڈّے پر کس سے ملنے گئے تھے؟"

"اوہ! تو میرا تعاقب بھی ہوتا رہا ہے؟" وہ حیرت کے ساتھ بولا۔ "دراصل میں اسکاچ کی بوتل لینے کے لیے گیا تھا۔ آج کل پنڈی میں اسکاچ مشکل سے ملتی ہے۔ مجھ سے مری یا کوئٹہ کی وھسکی کی تیز بُو برداشت نہیں ہوتی۔ وہ دونوں ہی بہت تیزی کے ساتھ دماغ کو چڑھتی ہیں۔"

"ظفر کے ساتھ بیرک سے آنے والے دوسرے آدمی کا نام کیا تھا؟"

"گاڑی میں انہوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی تھی اس لیے مجھے اس کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔"

"اس کی کوئی واضح شناخت تمہیں یاد ہے؟" میں نے پُرخیال لہجے میں پوچھا۔

"نہیں!" اس نے بلا توقف کہا پھر ذہن پر زور دینے کی کوشش کرتے ہوئے بولا "ان دونوں کے خدوخال ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف تھے لیکن جسموں اور چہروں کی بناوٹ حیرت ناک حد تک یکساں تھی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ دوسرے آدمی کی داہنی آنکھ کے کونے پر کسی پرانے زخم کا نشان تھا۔ ہوسکتا ہے کہ میرا یہ خیال غلط ہو کیونکہ اس وقت روشنی کم تھی اور وہ ایک ہی بار میرے سامنے آیا تھا۔"

"اب ظفر کہاں مل سکے گا؟" میں نے پہلو بدل کر اپنی پوزیشن درست کرتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم" اس نے بے بسی سے کہا "اس سے میری واقفیت اتنی مختصر ہے کہ مجھے یہ تک نہیں معلوم کہ وہ یہاں کیا کرتا پھر رہا ہے۔ میں معقول معاوضے پر چوری' ڈکیتی اور اغوا سے لے کر قتل تک کرتا رہا ہوں لیکن ظفر نے دونوں مرتبہ مجھے بہت معمولی کاموں کی ذمے داری سونپی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مجھے آزمانے کے بعد رفتہ رفتہ بڑے کاموں میں ڈالنا چاہتا ہو۔"

"وہ ظفر نہیں بلکہ ایک بہت بڑا غیر ملکی مجرم ہے" آخر کار میں نے اسے پوری صورتِ حال سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کرہی لیا کیونکہ اس وقت تک گاڑی اسلام آباد کی آبادی کو پیچھے چھوڑ کر اسی راستے پر دوڑ رہی تھی جو پچھلی رات ظفر نے ہمیں لے جانے کے لیے اختیار کیا تھا۔

"غیر ملکی مجرم!" وہ میرے انکشاف پر بھونچکا رہ گیا "وہ تو ہر طرح مقامی معلوم ہوتا تھا۔"

"اپنی جلد کا رنگ بدل لوں تو اپنی اردو کی وجہ سے میں بھی پاکستانی معلوم ہونے لگوں گی" ویرا نے میری معنی خیز گفتگو کا رخ بھانپتے ہوئے پہلی بار زبان کھولی۔

"وہ صرف غیر ملکی نہیں بلکہ کٹر نسل پرست یہودیوں کا جاسوس ہے" میرے لہجے میں خود بخود تلخی عود کر آئی "اس نے تمہاری مدد سے ایک بہت اہم کیمپ کو آگ لگائی ہے جہاں کروڑوں کا مالی نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔ جانی نقصانات اس کے علاوہ ہوں گے۔ تمہارے خلاف فرد جرم بہت سنگین ہے۔"

"کک.... کیا مطلب؟" میرے امکانی عزائم کو بھانپتے ہی اس کی آواز پر لکنت طاری ہوگئی۔

"تمہیں زندہ رکھ کر، میں ظفر کے ہاتھ مضبوط کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا" میں نے پھرتی کے ساتھ بیم گن کی نال اس کے بائیں پہلو میں اڑاتے ہوئے کہا "تم ویسے بھی قتل، ڈکیتی اور اغوا کے اقبالی مجرم ہو۔ اتنے جرائم کے ارتکاب کے بعد تمہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

اس نے اپنی پشت سے اچک کر میری گردن دبوچنے کی کوشش کی لیکن اس کو بیم گن کی ہلاکت خیزی کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ میں نے ٹریگر پر انگلی کا ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ مہلک شعاعیں اس کی پسلیوں کو چھیدتی ہوئی شاید اس کے دل میں اتر گئیں اور اس کا بدن ایک ہولناک تشنج کے ساتھ یک بیک بے جان ہوگیا۔

"یہ بھی گیا" ویرا نے عقب نما آئینے میں میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "اب میرا اور تمہارا اسکور برابر ہوگیا ہے۔"

"تم نے مجبوری کے تحت اسپیشل ٹاسک فورس والے کو مارا تھا" میں نے اپنے حریف کے بے جان وجود کو ایک طرف دھکیلتے ہوئے کہا "میں نے صحیح آدمی کو ٹھکانے لگایا ہے۔ ان دونوں کا آپس میں موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے اب یہ کھیل طول پکڑتا ہوا نظر آرہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں بھی جلد ہی اسکور بنانے کا کوئی مناسب موقع مل جائے۔ فی الحال میں تم سے آگے ہوں۔"

میرے ایما پر ویرا نے گاڑی کچے میں اتار دی۔ ناہموار زمین پر ڈرائیو کرتے ہوئے گاڑی ایک ٹیلے کی اوٹ میں پہنچی تو میں نے اسے رکوا کر اپنے حریف کی بے جان لاش باہر لڑھکا دی اور بمشکل ڈیڑھ دو منٹ کے بعد ہم دوبارہ اسلام آباد کی طرف واپس جارہے تھے۔

★★★

اول خان اسلام آباد میں پیش آنے والے واقعات پر بہت ملول اور دل گرفتہ تھا۔

اسے پہلا دکھ اس بات کا تھا کہ البرٹو ویلیسا نے اپنے پس پردہ عزائم کے حصول کے لیے اسپیشل ٹاسک فورس کی نفری کو بہت بے رحمی کے ساتھ استعمال کیا تھا جس کے نتیجے میں فورس کا ایک آدمی ویرا کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ ہم سے پوری طرح متفق تھا کہ ویرا کے سامنے خوں ریز مقابلے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں چھوڑا گیا تھا۔ اس کے ستارے یاور تھے کہ لاہور سے واپسی پر وہ اغوا ہونے یا مارے جانے سے بال بال بچ گئی تھی۔ وہ اپنے اغوا کنندگان کے خلاف بے دردانہ رویّہ اختیار نہ کرتی تو خود موت کا شکار ہوسکتی تھی۔ وجوہ اور اسباب خواہ کچھ بھی رہے ہوں، اٹل حقیقت یہ تھی کہ فورس کا ایک جاں باز اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا اور اول خان اپنی فورس کے ہر کارکن پر بجا طور پر ناز کیا کرتا تھا۔ اسے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس کا کوئی قریبی عزیز مارا گیا ہو۔

دوسرا معاملہ لاجسٹکس سیکیورٹی سیل کی آتش زنی کا تھا۔ وہ ادارہ دفاعی نوعیت کے اہم سازو سامان کی فوجی اور برآمدی مقاصد کے لیے نقل و حرکت کی بیشتر کارروائیوں کا ذمّے دار تھا۔ اکثر اوقات باہر سے آنے والی کھیپیں بھی اسی ادارے کی نگرانی میں منزل مقصود تک پہنچائی جاتی تھیں۔ آتش زنی کے نتیجے میں سیل کی کافی گاڑیاں تباہ ہوگئی تھیں۔ اسلحہ تیار کرنے والی فیکٹریوں سے آئی ہوئی بہت سی پیٹیاں بھی جل کر راکھ ہوگئی تھیں۔ فورس کے ذمّے داروں نے سردھڑ کی بازی لگا کر ناقابلِ تلافی نقصانات سے خود کو بچالیا تھا۔ لیکن پھر بھی اس پُراسرار آگ نے بھاری مالی نقصان پہنچایا تھا۔ سب سے زیادہ فکر انگیز بات یہ تھی کہ ناقابلِ شکست حفاظتی انتظامات کے باوجود اس سانحے کو نہیں روکا جاسکا تھا اور قومی اہمیت کی تنصیبات کی سلامتی کے تمام ذمّے دار سر جوڑ کر اپنی حکمتِ عملیوں پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہوگئے تھے تاکہ آئندہ ایسے کسی اور واقعے کو رونما ہونے سے روکا جاسکے۔

حیرت ناک بات یہ تھی کہ اس خوف ناک بارودی آگ سے لڑنے والے متعدد فرض شناس کارکن زخمی ضرور ہوئے تھے لیکن مرنے والا صرف ایک ہی تھا جسے ظفر کے طور پر شناخت کیا گیا تھا۔

اول خان مُردہ خانے میں، اس کی جلی ہوئی لاش دیکھ کر آیا تھا۔ اس نے ویرا کے اس دعوے کی تصدیق کی تھی کہ متوفی کے دونوں ہاتھ جل کر اس طرح کوئلہ ہوگئے تھے کہ ان سے کچھ بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بیلٹ، جوتوں اور بٹنوں وغیرہ کے بچے ہوئے دھاتی حصوں اور لباس سے برآمد ہونے والی چابیوں کی بنا پر اسے ظفر کی لاش قرار دیا گیا تھا۔

ایس ٹی ایف کے افسران کی صفوں پر ایسی سوگوار اور ماتمی کیفیت طاری تھی کہ اول خان اس لاش کے بارے میں زبان کھولنے کی ہمت نہیں کرسکا تھا۔ اس کی دلیل وہی تھی کہ ہمارے اٹھائے ہوئے نکات سے وہ پوری طرح متفق تھا لیکن ایک جلی ہوئی مشتبہ لاش برآمد ہونے کے بعد ہر ثبوت ضائع ہوگیا تھا اور وہ محض زبانی دلائل کی بنیاد پر کسی کو بھی اپنا ہم نوا نہیں بنا سکتا تھا۔

ہم دونوں نے نہایت صبرو تحمل اور خاموشی کے ساتھ اس کی کہانی سنی اور جب اس نے اپنے دل کی کافی بھڑاس نکال لی تو ...نے اسے البرٹو ویلیسا کے خفیہ ٹھکانے کے وجود پر دھیان دینے ...مشورہ دینے کے ساتھ ہی ان باتوں سے بھی آگاہ کردیا جو مجھے لال ...ازی والے بدمعاش سے معلوم ہوئی تھیں۔

"اگر کوئی ایسا گواہ موجود ہے جس نے ظفر کو گیارہ بجے تک دیکھا ہے تو تمہارا دعویٰ درست ثابت ہوجاتا ہے۔" اول ...نے پُر تفکر لہجے میں کہا "لیکن تم اسے ہلاک کرچکے ہو۔ بات آجاتی ہے کہ ہماری زبانی باتوں پر کون کس حد تک یقین کرسکتا ہے۔"

"ظفر کو اکیلا دیکھا گیا تھا" میں نے اسے یاد دلایا "جب کہ اس کے ساتھ دوسرا آدمی بھی تھا۔ اس سیل کے عملے میں سے دوسرا ...شخص بھی لاپتا ہوگا۔ ہمیں اس کے بارے میں چھان بین کرنی ہوگی۔"

"وہ کام بھی اتنا مشکل نہیں ہوگا۔ ایک آدھ دن میں ...رے گم شدہ آدمی کا نام خود بخود سامنے آجائے گا۔"

"اس کی داہنی آنکھ کے گوشے پر پرانے زخم کا ایک نمایاں نشان دیکھا گیا تھا" میں نے کہا۔

اول خان نے حیرت اور صدمے کے عالم میں آنکھیں پھاڑ کر باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا پھر کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "ایسا نشان تو صرف آصف علی کے چہرے پر تھا۔ وہ میرے ساتھ ...بھی رہ چکا ہے۔ جسمانی طور پر وہ واقعی ظفر سے بڑی حد تک مشابہت رکھتا تھا۔ دوسرے آدمی کی یہ نشانی تم نے پہلے نہیں بتائی تھی۔"

میں نے اسے یہ یاد دلانے کی کوشش نہیں کی کہ میں نے ابتدا ...میں ہی یہ بات بتادی تھی لیکن وہ اپنی منتشر خیالی کی وجہ سے اس پر غور نہیں کرسکا تھا۔

"پھر تو یہ معاملہ بہت سلجھ جاتا ہے۔" ویرا بولی "اگر آصف علی زندہ ہے تو وہ لاش ظفر کی ہی ہے اور اگر آصف علی لاپتا ہے تو ...ملبے سے دو لاشیں ملنی چاہیے تھیں۔ دوسری لاش کس کی تھی اور ...کہاں غائب ہوگئی؟ ساری گتھی کا حل اسی ایک سوال کے جواب ...میں پوشیدہ ہے۔"

"مجھے فوراً واپس لوٹنا پڑے گا" اول خان اپنی کرسی چھوڑ کر ...کھڑا ہوا "میں موقع پر موجود رہ کر ہی اس معاملے کو صحیح طور پر ...حل کرسکوں گا۔"

"ہمارے سامنے دو مسئلے ہیں" میں نے اپنی بات اسے ذہن ...نشین کرانے کی نیت سے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "پہلا ...ملبے سے ملنے والی لاش ظفر کی نہیں تھی، وہ زندہ ہے۔ دوسرا یہ ...وہ ظفر نہیں بلکہ اس کے روپ میں البرٹو ویلیسا ہے۔ پہلے مسئلے کا حل آصف علی کی دستیابی یا گم شدگی میں ملے گا۔ دوسرا مسئلہ حل کرنے میں البرٹو کے خفیہ اڈے پر ریڈ سے مدد ملے گی۔"

"اگر وہ لاش آصف علی کی ثابت ہوجاتی ہے تو ظفر کی رُوپوشی خود بخود اسے مشکوک بنادے گی" اول خان نے کہا۔ "میں ہر امکان پر نظر رکھوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ میں فوری طور پر ریڈ کا بندوبست کرانے میں کامیاب ہوجاؤں۔ ایسی صورت میں تم کو ساتھ چلنا پڑے گا۔"

"فکر نہ کرو۔ میں پانچ منٹ کے نوٹس پر کہیں بھی جانے کے لیے تیار ملوں گا۔"

میں نے ہوٹل کی لابی سے اول خان کو رخصت کردیا اور اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔

میرے ہاتھوں مرنے والے بدمعاش نے بتادیا تھا کہ اس کی گاڑی کرائے کی تھی اس لیے ہم نے اسے زیادہ دیر تک اپنے ساتھ رکھنے کا خطرہ مول لینے کے بجائے، شکر پڑیاں کی پہاڑی سے ملحقہ باغ کے ایک ویران حصے میں چھوڑ دیا تھا اور ہم لوگ کسی سواری کی نعمت سے محروم تھے اس لیے میں نے اپنے ہوٹل کی روم سروس کے ذریعے کھانا منگوالیا تاکہ اول خان کے ساتھ بھاگ دوڑ میں ہمارے معدے کسی بے جا زیادتی سے محفوظ رہ سکیں۔

وہ پوری رات نیم خوابی اور انتظار کی ملی جلی کیفیت میں گزر گئی لیکن اوّل خان واپس آیا، نہ اس کا کوئی پیغام موصول ہوا۔ صبح آٹھ بجے فون کی پہلی گھنٹی بجتے ہی میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف اول خان تھا۔ وہ مجھے فوری طور پر بلا رہا تھا اور اس مقصد کے لیے گاڑی روانہ کرچکا تھا۔

وہ عجلت میں معلوم ہوتا تھا اس لیے اُس نے اپنا پیغام دیتے ہی فون کا سلسلہ منقطع کردیا اور مجھے اس سے ویرا کے بارے میں دریافت کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ جب میں نے ویرا کو اپنی روانگی کے بارے میں آگاہ کیا تو وہ میرے ساتھ چلنے پر مُصر ہوگئی۔

تھوڑی دیر بعد ہوٹل کے استقبالیہ کلرک نے فون پر گاڑی کی آمد کی اطلاع دی تو مجھے مجبوراً ویرا کو اپنے ساتھ لینا پڑا۔ گاڑی نے ہمیں تقریباً دس منٹ میں ایک بنگلے میں پہنچادیا۔ وہاں اول خان میرے انتظار میں برآمدے میں ٹہل رہا تھا۔ ویرا کو دیکھ کر اُس نے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کیا تو میں نے سمجھ لیا کہ وہ اس معاملے میں ویرا کو الگ تھلگ رکھنا چاہ رہا تھا لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا اور ویرا کو واپس لوٹانا کسی بھی طرح مناسب نہیں تھا۔

"معاملات بہت الجھے ہوئے ہیں" ڈرائنگ روم کی طرز پر آراستہ ایک کمرے میں پہنچنے کے بعد اول خان نے فکر مندانہ لہجے میں بتایا "آصف علی کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ اس کے کمرے سے ٹائپ کیا ہوا ایک پیغام ملا ہے جس میں اس نے فورس کے سخت ڈسپلن سے اپنی بے زاری کا اظہار کرتے ہوئے، فرار کا اعتراف کیا ہے۔ نیچے اس کے دستخط بھی ثبت ہیں۔ وہ پیغام ملنے کے بعد میں

نے اپنے کمانڈر کو پوری صورتِ حال سے آگاہ کردیا ہے۔ میرے اوپر والوں کے نقطۂ نظر سے صورتِ حال بہت زیادہ دھندلائی ہوئی ہے لیکن گوگو کا عالم ہونے کے باوجود ملبے سے ملنے والی لاش کی براہِ راست تدفین کے بجائے مکمل پوسٹ مارٹم کروانے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے۔"

"یہ دانش مندانہ فیصلہ ہے" میں نے کہا "آصف علی کسی بھی قیمت پر ظفر کا آلۂ کار نہیں بن سکتا تھا۔ عین ممکن ہے کہ البرٹو ویلیسا نے اسے کسی اہم مشن کا حوالہ دے کر اپنے ساتھ الجھایا ہو پھر اسے زہر دے کر ہلاک کردیا ہو۔ ایک مردہ شخص کو آسانی کے ساتھ نذرِ آتش کیا جاسکتا ہے۔ آصف علی کی طرف سے پیغام تیار کرنا البرٹو ویلیسا جیسے مجرم اور جعل ساز کے لیے کوئی بڑا کام نہیں تھا۔"

"میں نے ان ہی خطوط پر بات آگے بڑھائی ہے" اس نے جوشیلے انداز میں کہا "اب یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ وہ لاش بہت غیر فطری حالت میں ملی ہے۔ جل مرنے والے لوگ، دم توڑنے سے پہلے جس جاں گسل جدوجہد، اذیت اور جسمانی تبدیلی سے گزرتے ہیں، لاش سے وہ سب ظاہر نہیں ہورہا۔ لاش نکالنے والے عملے کا بیان ہے کہ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے مرنے والے نے سکون سے لیٹ کر خود کو نذرِ آتش کیا ہو۔"

"اور آصف علی کے پیغام پر کس ردِعمل کا اظہار کیا جارہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہی البرٹو ویلیسا کی سب سے بڑی غلطی ہے۔ جو شاید عجلت میں سرزد ہوئی ہے" اول خان نے بتایا "آصف علی کے دوستوں اور ماتحتوں کا بیان ہے کہ وہ اپنی سروس سے بہت خوش تھا۔ آخری لمحے تک بھی اس نے کسی بددلی یا مایوسی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ پیغام اس کی ذات پر زبردستی تھوپا گیا ہے۔"

اول خان کی وہ گفتگو بہت حوصلہ افزا تھی۔ سب کچھ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد حالات ایک مرتبہ پھر بہتر صورت اختیار کرتے جارہے تھے۔ اسپیشل ٹاسک فورس والوں کا تعاون میسر آجانے کے بعد البرٹو ویلیسا کو بہت سرعت کے ساتھ آہنی چنگل میں لیا جاسکتا تھا۔

"اب اگلا پروگرام کیا ہے؟ تم یہاں کب تک رہوگے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"دراصل میں اپنے کمانڈر سے تمہارا تعارف کرانا چاہ رہا تھا، اسی وجہ سے یہ بریفنگ دی ہے۔ اس کے بعد ہم چھ نفری جماعت کے ساتھ البرٹو ویلیسا کے خفیہ اڈے کی طرف چلیں گے۔"

"اس ملاقات میں ویرا کی شرکت سے کوئی مسئلہ تو پیدا نہیں ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"بلیو کراس ڈیل والے معاملے کے بعد درپردہ کام کرنے والا ہر اہم آدمی ویرا سے غائبانہ تعارف حاصل کرچکا ہے۔ میرا کمانڈر بہت متجسس طبیعت کا مالک ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس کا کوئی بھونڈا سوال ویرا کو بددل نہ کردے۔ وہ اپنے دشمنوں اور دوستوں کے بارے میں یکساں طور پر باخبر رہنے کی کوشش کرتا ہے۔"

"تم نے بہت ہوشیاری اور خوب صورتی سے مجھے بریف کردیا ہے" ویرا نے مسکراتے ہوئے کہا "اب میں تمہارے کمانڈر کے کسی سوال کا برا نہیں مانوں گی۔"

"تم فوراً بات پکڑ لیتی ہو" اول خان ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا "یہ بریفنگ نہیں، میرا حقیقی خدشہ تھا۔ ہم لوگ احسان فراموش نہیں ہیں۔ تمہیں اپنا محسن مان لینے کے بعد، ہم تمہاری دل آزاری نہیں کرنا چاہتے لیکن اسی کے ساتھ، میں اپنے کمانڈر کے سوالات پر کوئی قدغن نہیں لگا سکتا۔"

اول خان ہمیں وہیں چھوڑ کر، خوشگوار موڈ میں اندر چلا گیا۔ اُس کی واپسی خاصے طویل وقفے کے بعد ہوئی تو ایک گراں ڈیل اور دبنگ قسم کا آدمی اس کے ساتھ تھا۔ آنے والے کی عقابی آنکھوں میں چمک اور پیشانی کی لکیروں میں کچھ ایسا وصف تھا کہ ہم دونوں ہی اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

وہ لیڈیز فرسٹ کے اصول کا قائل نظر آتا تھا کیونکہ اس نے آتے ہی ویرا کا رخ کیا تھا۔ اول خان کے تعارف اور پُرتپاک مصافحے کے بعد اس نے بزرگانہ انداز میں ویرا کے داہنے رخسار کو تھپتھپاتے ہوئے کہا "مجھے یہ جان کر دلی مسرت ہوئی ہے کہ تم نے بدترین حالات سے گزرنے کے بعد اب آبرومندانہ انداز میں زندہ رہنا سیکھ لیا ہے۔ شاید اب ڈان مریانو، فخر کے ساتھ تمہیں اپنی بیٹی کہہ سکے گا۔"

اس کی زبان سے ڈان مریانو کا نام سن کر ویرا کا منہ فرطِ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ یہ حقیقت بہت کم لوگوں کو معلوم تھی کہ ویرا کے باپ، جمی لائیڈ نے اٹلی میں ڈان مریانو کا روپ دھار کر اپنی بیٹی کو زندگی کی ان تلخ ترین حقیقتوں سے روشناس کرایا تھا جن سے گزرنے کے بعد ویرا ہر مشکل کو ہیچ سمجھنے لگی تھی لیکن برف کی طرح سفید بالوں اور گھنی بھنوؤں والا وہ پاکستانی اتنے اعتماد سے بات کررہا تھا جیسے وہ خود بھی ڈان مریانو کا لنگوٹیا رہا ہو۔

"میرے لیے وہ دَور ایک خواب تھا" ویرا نے تحیر آمیز لہجے میں کہا "لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ ڈان مریانو ہی میرا حقیقی باپ تھا؟ خود مجھے بھی یہ بات بہت بعد میں معلوم ہوئی تھی۔"

"میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے، مائی بے بی!" اس نے اپنی کنپٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "مجھے اس وقت بھی معلوم تھا کہ جمی لائیڈ نے اپنی بیٹی کو مردانہ انداز میں تربیت دینے کے لیے ڈان مریانو کا روپ دھارا ہوا ہے۔"

وہ صورتِ حال کو سختی کے ساتھ اپنی گرفت میں رکھنے کا فن جانتا تھا کیونکہ اس نے ویرا کو زیادہ جذباتی ہونے کا موقع نہیں دیا۔ [...] اچانک ہی میری طرف متوجہ ہوگیا۔ میرے بارے میں اس نے [...] گنے چنے الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا، وہ میرا سینہ پھلانے [...] کے لیے کافی تھے۔

میرا اندازہ تھا کہ وہ تعارفی ملاقات، خصوصی حالات کی وجہ [...] تفصیلی تبادلۂ خیال کا رخ اختیار کرلے گی مگر ایسا نہیں ہوا۔ [...] ہمارے ساتھ چند منٹ گزارنے کے بعد وہ اسی مرعوب کُن انداز [...] میں واپس لوٹ گیا اور اول خان ہمارے ساتھ رہ گیا۔

"مجھے حیرت ہے کہ تمہارے ملک میں بھی ایسے باخبر لوگ [...] پائے جاتے ہیں" اس کے چلے جانے کے بعد، ویرا نے متحیرانہ [...] انداز میں کہا "فورس میں آنے سے پہلے یہ کہاں ہوا کرتا تھا؟"

"میں اس کے ماضی سے لاعلم ہوں" اول خان نے معذرت [...] خواہانہ انداز میں وہ سوال ٹال دیا۔

چند لمحوں بعد، اول خان نے روانگی کا اعلان کردیا۔ میں نے [...] پارٹی کے بقیہ شرکا کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ پہلے [...] سے گاڑی میں بیٹھے ہمارا انتظار کررہے تھے۔

ڈرائیور سمیت، وہ کل پانچ نفوس تھے جو ایک کوسٹر میں موجود تھے۔ ایک آدمی ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر تھا۔ بقیہ تین آخری نشست پر تھے۔ ہم تینوں درمیانی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ترتیب، مورچہ بندی کے حساب سے اختیار کی گئی تھی۔ کوسٹر پر کسی بھی حملے کی صورت میں وہ لوگ ہمارے لیے [...] ڈھال ثابت ہوسکتے تھے۔ اس مہم میں اول خان، ان کا سربراہ تھا۔ ہم دونوں اس کے ساتھی تھے، اس لیے وہ لوگ ہم تینوں ہی کو یکساں عزت و احترام دے رہے تھے۔

کوسٹر روانہ ہونے کے بعد میں راستے اور منزلِ مقصود کے بارے میں بتانے لگا تو اول خان نے ڈرائیونگ سیٹ والے کو بھی اس گفتگو میں شامل کرلیا۔ وہ ان پانچوں میں سب سے سینئر معلوم ہوتا تھا۔

اسلام آباد کے سرے پر آباد، سفارت کاروں کے رہائشی علاقے سے آگے نکلنے کے بعد ہمارے پاس گفتگو کے تمام امکانی موضوعات یکے بعد دیگرے ختم ہوچکے تھے۔ اس لیے ہر شخص اپنی [...] سمت کی کھڑکی سے باہر پھیلے ہوئے قدرتی مناظر کا نظارہ کرنے میں مصروف ہوگیا۔

جب مجھے راستے کے اطراف میں کچھ مانوس علامات نظر آنی شروع ہوئیں تو میں نے ڈرائیور کو کوسٹر کی رفتار کم کرنے کی ہدایت [...] کی۔ پھر داہنی طرف کی کچی زمین پر ٹائروں وغیرہ کے نشانات نظر آتے [...] ہی میں نے گاڑی کچے میں اتارنے کا مشورہ دے ڈالا۔

کوسٹر اس ناہموار اور پُرپیچ راستے پر اچھلتی کودتی آگے بڑھتی [...] رہی۔ پھر وہ دو ٹیلے بھی آگئے جن کے درمیان سے وہ کچا راستہ گزرتا تھا اور جہاں تربیت یافتہ بندر کی نگرانی سے ہمارا واسطہ پڑچکا تھا۔ اس وقت وہاں کوئی بندر متعین تھا نہ کوئی متنفس۔ ہماری کوسٹر بلاکسی مزاحمت یا روک ٹوک کے، اس راستے پر آگے بڑھتی رہی اور تھوڑی ہی دیر بعد اس ویرانے میں موجود عمارت کے آثار نظر آنے لگے۔

میرے لیے حیران کن بات یہ تھی کہ درختوں کے کنج میں گھری ہوئی اس عمارت کے قرب و جوار میں زندگی اور کچھ مصروفیت کے نمایاں آثار نظر آرہے تھے۔

"ہمیں اسی عمارت کی طرف جانا ہے نا؟" ڈرائیور نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا پھر میرا اثباتی جواب سننے کے بعد وہ کافی اونچی آواز میں بڑبڑانے لگا "کہیں کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔ یہاں تو شاید اقوامِ متحدہ کی کسی ایجنسی والے بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں کوئی ہیر پھیر کیسے ہوسکتا ہے؟"

"اقوامِ متحدہ کی ایجنسی!" میں نے حیرت سے دہرایا پھر زور دے کر کہا "رات کو یہاں خوں ریز تصادم ہوا ہے۔ میں بذاتِ خود ہر کارروائی میں شریک تھا۔ یہ اقوامِ متحدہ والے کہاں سے آن ٹپکے؟"

"میرا خیال تھا" ڈرائیور نے بحث میں الجھنے کے بجائے، معذرت خواہانہ لہجے میں وضاحت کی "ہوسکتا ہے کہ مجھے غلط فہمی ہورہی ہو۔ ویسے ان ہی اطراف میں اقوامِ متحدہ کے کسی ذیلی ادارے کی ایک سروے ٹیم آئی ہوئی ہے۔ وہ لوگ راول ڈیم سے اس کے پچھلے دیہاتوں تک پانی کی لائن ڈالنے کے کسی امدادی منصوبے پر کام کررہے ہیں۔ تم اس عمارت کے بارے میں اتنے پُراعتماد ہو تو اقوامِ متحدہ والے کہیں اور ہوں گے۔"

مجرموں کا متوقع ٹھکانا سامنے آجانے کی وجہ سے بقیہ چاروں افراد نے اپنے خودکار آتشیں ہتھیار سنبھال لئے تھے اور وہ سب ہی اپنی اپنی جگہوں پر چوکنے نظر آنے لگے تھے۔

ایک ہلکا سا موڑ گھومنے کے بعد جوں ہی ہم لوگ اس عمارت کا مشاہدہ کرنے کی بہتر پوزیشن میں آئے تو مجھے یک بیک یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔

اس عمارت کی ایک دیوار پر بلیک بورڈ کی طرز کا ایک بڑا سا بورڈ آویزاں تھا جو رات کے اندھیرے میں کسی کو نظر نہیں آسکا تھا۔ مخصوص سرکاری طرز کے اس سیاہ بورڈ پر لکھے ہوئے سفید حروف ڈرائیور کے خیال کی تائید کررہے تھے۔ وہ اقوامِ متحدہ کے ترقیاتی فنڈ والوں کے فراہمیِ آب کے ایک منصوبے کا سائٹ آفس تھا۔ پھر ہمیں وہ گاڑیاں بھی نظر آنے لگیں جو وہاں پہلے سے موجود تھیں۔

"فی الحال شاید ہتھیاروں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی" میں نے متفکرانہ لہجے میں اول خان سے کہا "تمہارے ساتھیوں کو ان کی نمائش سے گریز کرنا چاہیے۔ اس وقت تو یہاں اچھا خاصا دفتر نظر آرہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ پچھلے چند گھنٹوں میں یہاں کیا کایا پلٹ ہوئی ہے؟"

"بوکھلانے کی ضرورت نہیں" اول خان نے تشفی آمیز لہجے میں کہا "اب ہم یہاں آہی گئے ہیں تو تھوڑی دیر میں ہر بات خود بخود سامنے آجائے گی" اس کے بعد وہ اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہوکر انہیں نئی صورتِ حال کے بارے میں بریف کرنے لگا۔ اس بریفنگ کے نتیجے میں تمام آتشیں ہتھیار فوراً ہی نگاہوں سے اوجھل کردئے گئے اور کوسٹر آہستگی سے درختوں کے درمیان پارک کردی گئی۔

اس عمارت کے داخلی دروازے پر موجود چوکیدار نے پُرتشویش نظروں سے کوسٹر کی طرف دیکھا۔ وہ واقعی ایک دفتر معلوم ہورہا تھا۔ چند گھنٹوں کے وقفے میں اس عمارت کا حلیہ ہی بدل کر رہ گیا تھا۔ باہر دو گاڑیاں اور دو موٹر سائیکلیں بھی موجود تھیں۔ ان میں سے ایک گاڑی پر سرکاری نمبروں والی سبز پلیٹ لگی ہوئی تھی۔

"پہلے ہم تینوں ہی صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہیں" اول خان نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

ہم نیچے اترے تو میری تجسس آمیز نگاہیں قرب وجوار کا جائزہ لے رہی تھیں۔ داخلی دروازہ وہی تھا جس سے ہم فرار ہوئے تھے لیکن وہاں فائرنگ وغیرہ کے ذرا بھی آثار باقی نہیں تھے۔

"ہم اسلام آباد سے آئے ہیں اور تمہارے بڑے صاحب سے ملنا چاہتے ہیں" اول خان نے چوکیدار کے قریب رک کر اپنا مدعا بیان کیا۔ چوکیدار نے ہمیں اندر لے جاکے انتظار گاہ میں بٹھاکر ایک رقعے پر اول خان کا نام لیا اور مستعدی کے ساتھ واپس لوٹ ہی رہا تھا کہ اول خان نے اسے روک لیا۔

"یہ دفتر کب تک کھلا رہتا ہے؟" اس نے سرسری لہجے میں چوکیدار سے پوچھا۔

"صبح آٹھ سے تین بجے تک!" چوکیدار نے مودب ہوکر جواب دیا "صاحب لوگوں کی کوئی میٹنگ ہو تو دیر بھی ہوجاتی ہے لیکن اندھیرا پھیلنے سے پہلے سب لوگ چلے جاتے ہیں کیونکہ یہاں بجلی نہیں ہے۔"

"اس کے بعد یہاں کون دیکھ بھال کرتا ہے؟" اول خان نے غیر محسوس طریقے پر تفتیش شروع کردی تھی۔

"کوئی بھی نہیں۔ بس دروازے مقفل کردئے جاتے ہیں۔ یہاں دفتری ریکارڈ اور فرنیچر کے علاوہ رکھا ہی کیا ہے جس کی دیکھ بھال کی فکر کی جائے۔ اولیانو صاحب بہت نیک اور کفایت شعار آدمی ہے۔ وہ غیر ضروری مدوں میں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرتا۔ حد تو یہ ہے کہ اس نے اپنا دفتر ائرکنڈیشنڈ کرنے کے لیے آج تک جنریٹر کی خریداری میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لی۔ گرمی ہوتی ہے تو نیکر اور بنیان پہن کر کام کرتا ہے۔"

"نام سے غیر ملکی معلوم ہوتا ہے" اول خان نے اسے اکسانے کے لیے تبصرہ کیا۔

"کولمبیا کا رہنے والا ہے۔" چوکیدار کے انکشاف نے ہم تینوں کو چونکا دیا، وہ کہہ رہا تھا "اسے اقوامِ متحدہ نے ہمارے گاؤں تک پانی پہنچانے کے منصوبے پر بھیجا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جتنی رقم ائرکنڈیشنز اور جنریٹر پر صرف ہوگی، اس سے پانی کی لائن دو کلومیٹر آگے کی آبادی تک لے جائی جاسکتی ہے۔" پھر اس کا لہجہ یک بیک رازدارانہ ہوگیا "سماجی بہبود کے ایک اسسٹنٹ ڈائریکٹر صاحب بھی اس منصوبے پر لگائے گئے ہیں۔ وہ اولیانو صاحب کی کفایت شعاری اور سادگی سے بہت بیزار ہیں کیونکہ انہیں بھی گرمی میں کام کرنا پڑتا ہے۔"

اول خان نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور بات ختم کرتے ہوئے بولا "تم ہماری پرچی اس تک پہنچادو۔ وہ واقعی ملنے کے قابل معلوم ہوتا ہے۔"

"یہ کوئی بہت لمبا چکر معلوم ہوتا ہے۔" چوکیدار کے چلے جانے کے بعد ویرا پُرجوش لیکن سرگوشیانہ لہجے میں بولی "اولیانو بھی کولمبین ہے۔ شاید اسی کی ملی بھگت سے یہ دفتر، رات کے اندھیرے میں البرٹو ویلیسا کے آدمی استعمال کرتے رہے ہیں۔ یہاں سب کچھ وہی ہے۔ بس ان لوگوں نے جانے سے پہلے تصادم کی علامات مٹادی ہیں۔ کون یقین کرسکے گا کہ اقوامِ متحدہ کا یہ دور افتادہ دفتر بین الاقوامی مجرموں کا گڑھ ہوگا؟"

ہماری گفتگو مزید طول نہیں پکڑ سکی کیونکہ چوکیدار تقریباً فوراً ہی ایک پستہ قد، سفید فام کے ساتھ لوٹ آیا تھا۔ وہ سفید فام صحت منداور ورزشی جسم کا مالک تھا۔ اس کے بھورے بال کنپٹیوں پر سے سفید ہوچکے تھے۔ اس کے بدن پر خاکی نیکر اور سفید بوشرٹ موجود تھی۔ پیروں میں ٹینس شوز اور آنکھوں پر سنہرے اور پتلے فریم والی عینک جس کے سفید عدسوں کے پیچھے اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں دوستانہ چمک نظر آرہی تھی۔

"ہم ایک فیڈرل سیکیورٹی ایجنسی سے آئے ہیں" اول خان نے تعارف کرانے کی ذمے داری اپنے سر لیتے ہوئے کہا۔ اولیانو نے ہم تینوں سے بہت تپاک کے ساتھ ہاتھ ملایا اور پھر دوستانہ انداز میں ہمیں اپنے کمرے میں لے گیا۔ وہ وہی کمرا تھا جہاں پچھلی رات البرٹو ویلیسا کلاشنکوف لیے ریوالونگ چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ اول خان کی زبان سے فیڈرل سیکیورٹی ایجنسی کا ذکر سن کر اولیانو نے ذرا بھی اثر نہیں لیا تھا۔ اگر وہ مجرموں کے ساتھ ملا ہوا تھا، تو یقینی طور پر وہ بے پناہ خود اعتمادی کا مالک تھا۔

چند منٹ کی رسمی گفتگو کے بعد چائے آگئی اور اسی دوران میں اول خان نے اصل موضوع چھیڑ دیا۔

"ہمیں مصدقہ خبر ملی ہے کہ کل رات یہ عمارت کچھ خطرناک مجرموں کے تصرف میں تھی" وہ کہہ رہا تھا "یہاں گولیاں بھی چلی تھیں اور دو تین افراد زخمی ہوئے تھے۔ ہم اس بارے میں چھان بین کرنے کے لیے آئے ہیں۔"

"یہاں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا" اولیانو نے سخت لہجے میں کہا۔ "آج صبح یہ دفتر کھولا گیا تو یہاں ہر چیز معمول کے مطابق اپنی اصل حالت میں تھی۔ تمہاری اطلاع کسی غلط فہمی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔" اس کی انگریزی بہت شاندار تھی۔

"ہوسکتا ہے کہ تم لوگوں کی لاعلمی میں کچھ لوگ اس عمارت کو استعمال کرتے رہے ہوں۔" اول خان نے کہنا چاہا لیکن اولیانو نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی۔

"یہ ناممکن ہے" اس نے خشک لہجے میں کہا "ایسا ہوا ہوتا تو ہمیں یہاں کچھ نہ کچھ علامات ضرور ملتیں" اس کے لبوں پر سے نرم مسکراہٹ یکلخت کافور ہوچکی تھی۔

اسی وقت ایک مقامی بھی وہاں آپہنچا۔ وہ حکومت کے سماجی بہبود کے محکمے کا اسسٹنٹ ڈائریکٹر تھا جسے اولیانو کی مدد کرنے کے لیے اس منصوبے پر مامور کیا گیا تھا۔ اولیانو نے نہایت استہزائیہ اور کسیلے لہجے میں اسے اول خان کے ظاہر کئے ہوئے شبہات سے آگاہ کیا تو وہ اپنا سر ہلانے لگا۔

"روشنی سے محروم اس ویرانے میں کون آئے گا؟" وہ کہنے لگا۔ "یہاں میرے علاوہ عملے کے سات افراد کام کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو یہ شبہ نہیں ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ یہاں آنے والے غیر مرئی وجود کے مالک ہوں اور ان کی مار دھاڑ سے کوئی چیز اپنی جگہ سے نہ ہلی ہو۔ سنا ہے کہ جن بھوت تو ٹھوس چیزوں میں سے صاف گزر جاتے ہیں۔"

اولیانو نے مضحکہ اڑانے کے اس انداز پر ایک جان دار قہقہہ لگایا اور بولا "تمہارے آدمی کسی آسیب کو پکڑنے میں مہارت رکھتے ہوں تو انہیں بے شک یہاں مامور کردو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

اس دوران میں میری متجسس نگاہیں ایک دیوار میں گولیوں کے دو سوراخ دیکھ چکی تھیں۔ میں نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اولیانو سے کہا "ان سوراخوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

اولیانو اُدھر دیکھنے کی زحمت کئے بغیر بولا "یہاں کے فرش اور دیواروں میں تمہیں سیکڑوں سراخ مل جائیں گے۔ بعض میں سے سانپوں کے بچے اور کھن کھجورے بھی نکلتے رہتے ہیں۔ میں ان خرافات پر اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کرسکتا۔ میں یہاں انسانی خدمت کے ایک مشن پر آیا ہوں اور اسی میں مصروف رہنا چاہتا ہوں۔"

وہ ذرا بھی تعاون کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میرا تو اندازہ تھا کہ وہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ہماری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کے رویے پر اول خان کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا تھا۔

"اگر ہم اپنے طور پر اس عمارت کی تلاشی لینا چاہیں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟" اول خان نے خود پر قابو رکھتے ہوئے نہایت تحمل کے ساتھ سوال کیا۔

"میں اس توہین پر اپنا دفتر بند کرکے تمہاری حکومت کے ساتھ ہی اپنے ہیڈ کوارٹر سے بھی شکایت کروں گا۔" وہ ترش لہجے میں بولا۔ "تم لوگ اپنے کچھ شبہات دور کرنے کی نیت سے یہاں آئے ہوتے تو میں تم سے پورا پورا تعاون کرتا لیکن تم نے مصدقہ خبر کا حوالہ دے کر میری اور میرے عملے کی بے عزتی کی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم لوگ یہاں آب رسانی کے نیک منصوبے کی آڑ میں مجرموں کی پشت پناہی کررہے ہیں؟"

"یہ تمہاری خیال طرازی ہے" ویرا نے گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا "ہم میں سے کسی نے ایسی کوئی بات نہیں کی البتہ یہ شبہ ضرور ظاہر کیا ہے کہ تمہاری لاعلمی میں شاید کچھ لوگ تمہارے دفتر کو اپنے نامعلوم مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہے ہوں۔ ان کے لیے 'بعد میں اپنی آمد کی نشانیاں مٹادینا کوئی بڑا کام نہیں ہوگا۔"

"تم مقامی نہیں ہو۔ پھر تمہاری ان لوگوں کے ساتھ یہاں آمد کا کیا مطلب ہے؟" اولیانو نے ویرا کو گہری نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

اول خان نے زبان کھولنی چاہی لیکن ویرا نے اپنی کسی حکمتِ عملی کی وجہ سے اسے بولنے کا موقع دئے بغیر اپنی بات شروع کردی "صرف میں ہی غیر ملکی نہیں ہوں۔ تمہارے دفتر کو اپنی آماج گاہ بنانے والے مجرموں کا سرغنہ بھی غیر ملکی ہے۔ وہ کولمبیا سے یہاں آیا ہوا ہے۔"

کولمبیا کے ذکر پر اولیانو کے چہرے پر الجھن کے آثار نمودار ہوگئے "یہ میری طرف تو اشارہ نہیں ہے؟"

"تم غلط سمجھے" ویرا نے مسکراتے ہوئے کہا "مجھے علم نہیں تھا کہ تم بھی کولمبیا کے باشندے ہو؟" پھر اس نے اچانک ہی ہسپانوی زبان بولنی شروع کردی۔

اولیانو نے خوش گوار حیرت کے ساتھ ہسپانوی زبان میں ہی اس کا جواب دیا اور وہ دونوں سرگرمی کے ساتھ مذاکرات میں مصروف ہوگئے۔ میرے لیے وہ زبان یکسر اجنبی تھی لیکن میں نے ویرا کی زبان سے دو مرتبہ البرٹو ویلیسا کا نام سنا تو میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ اولیانو کو اس کی مادری زبان کا چارا ڈال کر راہ پر لانے کی کوشش کررہی تھی۔

"آپ لوگوں کا تعلق کس وفاقی ادارے سے ہے؟" ان دونوں کی مصروفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسسٹنٹ ڈائریکٹر نے اول خان سے اردو میں بات شروع کردی۔

"ہم اپنی شناخت ظاہر نہیں کرسکتے" اول خان نے نرمی سے کہا "کوئی فرد اپنے قانونی حقوق کے نام پر ہمیں زیادہ مجبور کرے تو ہم قومی سلامتی کے ایکٹ کے تحت اسے حراست میں لینے کا اختیار

ضرور رکھتے ہیں۔ ایسا کوئی بھی مطالبہ سرکاری فرائض کی انجام دہی میں مداخلتِ بے جا کے زمرے میں آتا ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ اس بوسیدہ اور دور افتادہ عمارت پر اس قسم کا شبہ کیا جارہا ہے" اس نے اپنے پہلے سوال کے جواب پر اصرار کرنے کے بجائے، اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے کہا "ہمیں اپنے دفتر کے لیے اسلام آباد میں ایک شان دار بنگلا فراہم کیا گیا تھا لیکن ہمارا چیف نیم پاگل آدمی ہے۔ فیلڈ سروے کے دوران یہ متروکہ عمارت نظر آئی تو وقت اور فنڈز کی بچت کے لیے اپنا پورا دفتر یہاں اٹھالایا۔ یہاں ہم ہینڈ پمپ کے ذریعے کنوئیں کے پانی پر گزارہ کرنے پر مجبور ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ ان حالات میں ہمیں محروم لوگوں کی پریشانیوں کا حقیقی احساس ہوسکے گا اور یہ منصوبہ مثالی مدت میں مکمل ہوجائے گا۔"

"باتوں کی حد تک تو اس کا فلسفہ درست ہی معلوم ہوتا ہے۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عملے کا ہر شخص اس خانہ بدوشی کی زندگی سے نالاں ہے لیکن اس کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا کیونکہ وہ فوراً ہی ایسے لوگوں کا تبادلہ کرادے گا۔ ہم لوگ یہاں ڈیپوٹیشن پر آئے ہوئے ہیں۔ مراعات اور الاؤنسز کی صورت میں ہر شخص کو ڈھائی سے تین گنا تنخواہ مل رہی ہے۔"

میں اس کی محدود اور خود غرضانہ سوچ پر دل ہی دل میں سلگ کر رہ گیا۔ اس جیسے لوگوں نے اپنی خود غرضی کی وجہ سے ہر اہم قومی معاملے کو ذاتی مراعات اور بھتّوں کی سولی پر لٹکایا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اولیانو، ویرا سے فارغ ہوکر اول خان کی طرف متوجہ ہوا تو اس کا لہجہ مصالحانہ تھا "میں البرٹو نام کے کسی آدمی سے واقف نہیں ہوں لیکن یہ معاملہ میرے ایک ہم وطن کی مشتبہ سرگرمیوں سے تعلق رکھتا ہے اس لیے میں تمہیں اس عمارت کی تلاشی کی اجازت دے رہا ہوں۔ تمہاری ساتھی خاتون بہت مہذب اور سلجھی ہوئی شخصیت کی مالک ہے۔ اس نے مجھے معاملے کی نزاکت کے بارے میں قائل کرلیا ہے۔"

اولیانو نے اپنے اسسٹنٹ ڈائریکٹر کو ہم لوگوں کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرنے کی ہدایت کی اور ہم اس کا شکریہ ادا کرکے، اس کے دفتر سے باہر نکل آئے۔

غور سے دیکھنے پر بیرونی ہال کی دیواروں پر گولیوں کے مزید دو سوراخ مل گئے۔ ان سوراخوں پر محنت کی جاتی تو گولیاں بھی برآمد کی جاسکتی تھیں لیکن وہ وقت کا بے مصرف زیاں ہوتا اس لیے ہم تینوں آگے بڑھ گئے۔ وہاں اس قدر مکمل طور پر جھاڑو پھیری گئی تھی کہ میرے ہاتھوں تباہ ہونے والے پیٹرومیکس لیمپ تک کا سراغ نہیں مل سکا اور ہم لوگ ایک مرتبہ پھر اولیانو کے تعاون کا شکریہ ادا کرکے، وہاں سے بے نیل و مرام لوٹ آئے۔

کوسٹر میں واپس لوٹتے ہی اول خان نے ویرا پر اعتراض جڑدیا کہ اس نے اولیانو سے قطعی غیر ضروری طور پر البرٹو ویلیسا کا ذکر کیا تھا۔ وہ اعتراض سن کر ویرا مسکرانے لگی۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ البرٹو سے ناواقف تھا تو اس کے لیے وہ نام مہمل تھا اور اگر وہ اس کا ساتھی ہے تو میری زبان سے اس کا نام سن کر چوکنا ہوگیا ہوگا" اس نے کہا "شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہو کہ البرٹو ویلیسا کا حوالہ دینے کے بعد اس نے مجھ سے رازداری کا وعدہ لے کر نہایت فکرمندی کے ساتھ اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ وہ البرٹو کو تو نہیں جانتا البتہ ظفر نامی ایک پاکستانی سے اس کے گہرے مراسم ہیں کیونکہ ظفر ہسپانوی زبان پر بہت ماہرانہ عبور رکھتا ہے۔ ظفر خود ہی اس تک پہنچا تھا اور دوستی ہوجانے کے بعد اولیانو کی سرکاری فیکس مشین سے اکثر و بیشتر باہر پیغام رسانی کرتا رہتا ہے۔ وہ خود وہاں بیٹھ کر پیغام وصول بھی کرتا ہے۔"

"ظفر اور البرٹو ویلیسا کے درمیان اس نے کیسے تعلق پیدا کرلیا؟" میں نے پوچھا۔

"اس کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں ہے کہ ان دونوں میں کوئی تعلق ہوگا۔ دراصل وہ ہم لوگوں کی آمد سے خوف زدہ تھا۔ ظفر اس پر چھا جانے کی کوششوں میں مصروف ہے اس لیے اولیانو اس کی طرف سے شبہات میں مبتلا ہوگیا ہے۔ اس نے مجھے اپنا ہمدرد سمجھ کر اس مشکوک معاملے پر بات کی ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ کہیں ظفر نے کسی معاملے میں اسے بلیک میل کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔ یہ باتیں اگلی کسی ملاقات پر معلوم ہوسکیں گی۔ اولیانو نے مجھے کسی بھی وقت اپنے گھر آنے کی دعوت دی ہے۔"

"یہ تو کسی نئی کہانی کی ابتدا معلوم ہورہی ہے" اول خان بول پڑا "اتنی ہی بات ہے تو ہمیں اس میں اپنا پیر پھنسانے سے گریز کرنا چاہیے۔ اولیانو خود بھی اسے دھتکار کر بھگا سکتا ہے۔"

"اس نے ظفر کی طرف سے بھیجے جانے والے پیغامات پر کوئی روشنی ضرور ڈالی ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ان پیغامات کی نوعیت سے لاعلم ہے۔ اسے الجھن ہے کہ ظفر اس کی مشین کیوں استعمال کرتا ہے جبکہ وہ اپنے پیغامات کسی بڑے ڈاک خانے سے بھی بہ آسانی بھیج سکتا ہے۔ پیغامات کی وصولی کی بات البتہ مختلف ہے۔"

"میری رائے ہے کہ تم اس کے گھر ضرور جاؤ اور اس سے وہ فیکس نمبر حاصل کرنے کی کوشش کرو جن پر البرٹو ویلیسا رابطہ کررہا ہے۔ شاید ان نمبروں کی مدد سے ہم اس کے بیرونِ ملک رابطوں کو ختم کرسکیں۔"

"یہ سب آئندہ کے امکانات ہیں۔" اول خان ایک گہرا سانس لے کر بولا "فی الحال ہم جو مقصد لے کر ان مضافات میں آئے تھے وہ پورا نہیں ہوسکا۔ البرٹو ویلیسا کہیں بھی اپنی موجودگی کے ثبوت چھوڑنے کا عادی نہیں ہے۔ اب جلی ہوئی لاش کے

...ٹ مارٹم کی رپورٹ آنے کے بعد ہی صورتِ حال واضح ہوسکے ...ی"

"ہم کہوٹہ میں گھومنے والے کیمرا بردار بندروں کو بالکل ہی ...ولے ہوئے ہیں" ویرا نے وہ ذکر چھیڑ کر ہم دونوں کو بری طرح ...ونکا دیا "اگر انٹیلی جنس بیورو والوں نے کوئی کارروائی کی ہے تو ...ب سے بہت پہلے اس کے نتائج سامنے آچکے ہوں گے۔ ہمیں ...دھر کی بھی خبر لینی چاہیے۔"

"کیا اس سلسلے میں تم نے کسی اتھارٹی کو متوجہ کرنے کی ...وشش کی تھی؟" اول خان نے پوچھا۔

"ویرا نے انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر کو گمنام فون کیا تھا۔" ...یں نے بتایا۔

اول خان کا چہرہ مایوسانہ انداز میں لٹک گیا "گمنام فون کالز پر ...کہیں بھی کوئی کارروائی نہیں کی جاتی۔ البرٹو ویلیسا اب تک ان ...تینوں بندروں کو اس وادی سے نکلوالے جانے میں کامیاب ہوگیا ...ہوگا۔"

"میں نے خود کو لاابالی سیاح ظاہر کرتے ہوئے، اپنا نام پوشیدہ رکھنے کا جواز اس کے ذہن نشین کرادیا تھا۔" ویرا نے وضاحت کی۔ "اس نے مجھ سے فوری کارروائی کروانے کا پختہ وعدہ کیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے وعدے پر عمل کرہی گزرا ہو۔ ان لوگوں سے چیک کرنے میں کیا ہرج ہے؟"

بقیہ سفر خاموشی کے ساتھ گزرا۔ ہم تینوں ہی اپنے اپنے خیالات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اول خان کے ساتھ آنے والے پانچوں آدمیوں کو بھی بے نیل و مرام واپسی پر چپ لگی ہوئی تھی۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے ٹھکانے پر واپس پہنچتے ہی اول خان فون پر مصروف ہوگیا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کررہا تھا کہ انٹیلی جنس بیورو تک کس کی بھرپور رسائی تھی۔ پے درپے تین فون کالز کے بعد اسے مطلوبہ آدمی کا نمبر ملا تو اس نے فون پر رسمی علیک سلیک کے فوراً بعد ہی اصل موضوع پر گفتگو شروع کردی اور چند منٹ بعد فون بند کردیا۔

"ایک گھنٹے کے اندر اندر ادھر کی رپورٹ مل جائے گی۔ اس دوران میں تم یہیں آرام کرو۔ میں تمہارے لیے چائے کا بندوبست کرکے اپنے کمانڈر کو رپورٹ دینے جارہا ہوں" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری غیر موجودگی میں فون آجائے تو کیا کریں؟" میں نے احتیاطاً پوچھ لیا۔

"اس کی گھنٹی نہیں بجے گی۔ اس نمبر پر دوسرا انسٹرومنٹ بھی لگا ہوا ہے۔ ادھر سے کوئی بھی اٹھالے گا۔" وہ یہ کہتا ہوا اس کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

ویرا استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے احمقانہ انداز میں منہ چلاتے ہوئے، اسے آنکھ ماری تو وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اب تمہاری کھوپڑی پر بھی برف جمنی شروع ہوگئی ہے" اس نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "ابھی تک پورے قصے کے سر پیر کا ہی پتا نہیں چل رہا ہے۔ البرٹو ویلیسا کی تلاش تو اس کے بہت بعد کی بات ہے۔ پتا نہیں ہم کب تک یہاں بیٹھے رہیں گے۔"

"تم بیٹھنا نہ چاہو تو کھڑی بھی ہوسکتی ہو۔ ویسے اس بھاگ دوڑ کے نتیجے میں ایک اہم بات ضرور معلوم ہوگئی ہے۔"

"وہ کیا؟" اس نے بے ساختہ سوال کیا۔

"دنیا گول ہے" میں نے اپنی شہادت کی انگلی کو فضا میں گردش دیتے ہوئے کہا "جہاں سے چلتے ہیں، دوبارہ وہیں آکھڑے ہوتے ہیں۔ جب تک اسپیشل ٹاسک فورس کے بڑوں کو ظفر اور البرٹو ویلیسا کا فرق نہیں سمجھایا جاتا، کچھ بھی نہیں ہوسکے گا۔"

"کیوں نہ میں دوبارہ سینتے کاسیلو کا روپ دھار کر اسلام آباد اور راولپنڈی کے مصروف علاقوں میں آوارہ گردی شروع کردوں؟" اس نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

"اس سے کیا ہوگا؟" میں نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"ہوسکتا ہے کہ البرٹو ویلیسا مجھے دیکھ کر میرے پیچھے لگ جائے!" اس نے پُرامید لہجے میں کہا۔

"اس خیال میں بھی نہ رہنا۔ اب وہ تمہارا پیچھا نہیں کرے گا۔ اس کے ٹھکانے ایک ایک کرکے نکلتے جارہے ہیں۔ وہ تم کو دیکھتے ہی گولی مارے گا اور فرار ہوجائے گا۔ وہ اپنی تباہی کا ذمے دار سینتے کاسیلو کو گردان رہا ہوگا۔ اس گڑے مردے کو اب نہ اکھاڑنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔"

چائے نوشی کے دوران بھی ہم ایک دوسرے کی متعدد تجاویز پر دماغ سوزی کرتے رہے لیکن کہیں بھی کوئی بات بنتی نظر نہیں آئی۔ اصل خرابی یہ تھی کہ فریقِ مخالف بدترین دباؤ میں آنے کے بعد میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ وہ روپوش رہ کر کہاں اور کس سمت میں کام کررہا تھا؟ ہم اس سے بھی لاعلم تھے۔ اِن حالات میں

ہمارے لیے انتظار کرنے کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار باقی نہیں رہ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اول خان واپس آیا تو وہ دور ہی سے بہت خوش نظر آرہا تھا۔

"بظاہر ہماری آخری کارروائی چوں چوں کا مربا ثابت ہوئی ہے لیکن اس کے نتائج سے متاثر ہوکر' کمانڈر نے ظفر کی تلاش کی مہم شروع کرانے کا فیصلہ کرلیا ہے" اس نے مسرت آمیز لہجے میں ہمیں آگاہ کیا "وہ اس فیصلے کی منظوری لینے کے لیے ہیڈ کوارٹرز گیا ہے۔"

"یہ بہت بڑی کامیابی ہے" میں نے اعتراف کیا "اب البرٹو و یلیسا کے گرد ہمارا دائرہ بہت تیزی کے ساتھ تنگ ہونا شروع ہوجائے گا۔"

"البرٹو و یلیسا کا نام ہم لوگوں تک محدود رہے گا۔ فورس کے چیدہ چیدہ کارکن بظاہر ظفر ہی کو تلاش کریں گے۔"

"تو کیا ملبے سے برآمد ہونے والی لاش کو آصف علی کی لاش قرار دے دیا جائے گا؟" میں نے حیرت سے پوچھا "اس کی پوسٹ مارٹم رپورٹ اتنی جلدی تو نہیں آسکتی۔"

"بظاہر واقعات کو جوں کا توں تسلیم کرلیا جائے گا یعنی ظفر جل کر مرگیا اور آصف علی نے پیغام چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کرلی۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آنے پر وہ لاش آصف علی کی ثابت ہوئی تو اسے خاموشی سے اس کے ورثا کے حوالے کردیا جائے گا۔ اس طرح فورس کے پورے عملے کو بھی اصل واقعات کا علم نہیں ہوسکے گا۔"

"اتنی پیچیدگی میں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ بعد میں جب بھی اصل واقعات سامنے آئیں گے تو کیا تمہاری فورس کے ماتحت عملے میں بد دلی نہیں پھیلے گی؟ اتنی راز داری میری سمجھ سے بالا تر ہے۔"

"کسی بھی ادارے میں اوپر کی سطح پر کوئی کرپٹ' بدعنوان یا غدار بے نقاب ہوتا ہے تو نچلے عملے میں بد دلی اور مایوسی ضرور پھیلتی ہے۔ اجتماعی مورال گر جاتا ہے۔ ان مسائل کا مقابلہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ البرٹو و یلیسا کافی مدت سے فورس میں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے کچھ ہمدرد اب بھی موجود ہوں اور ان کے ذریعے اسے اندر کی خبریں مل رہی ہوں۔ اسے اندھیرے میں رکھنے کے لیے یہ چکر چلانا ضروری ہی نہیں' ناگزیر ہے۔ ایک بار اسے جہنم واصل کردیا گیا تو سارے معاملات تیزی کے ساتھ ٹھیک ہوتے چلے جائیں گے۔ کمانڈر نے بہت سوچ سمجھ کر یہ پلان طے کیا ہے۔"

"ظفر کی تلاش پر مامور کیے جانے والے کارکنوں میں بھی اس کا کوئی ہمدرد شامل ہوسکتا ہے۔" میں پوری کوشش کرنے کے باوجود اس کے پُرپیچ طریقۂ کار سے متفق نہیں ہو پا رہا تھا۔

"وہ بہت دیکھ بھال کر چُنے جائیں گے۔ انہیں ان کی فارمیشنوں سے الگ کرکے براہِ راست میری تحویل میں دے دیا جائے گا اور میں یہیں بیٹھ کر اس مشن کو چلاؤں گا۔ ظفر کی جگہ البرٹو و یلیسا جیسے مجرم کا ہماری صفوں میں گھس آنا' اسپیشل ٹاسک فورس کی تاریخ کا بدترین سانحہ ہے اور اس سے ہم اسی انداز میں نمٹنے کی منصوبہ بندی کررہے ہیں۔ اس بارے میں تم اپنے ذہن کو زیادہ نہ تھکاؤ!"

وہ اول خان کی طرف سے مجھ کو عدم مداخلت کا شریفانہ مشورہ تھا۔ اس بارے میں اس کی مجبوریاں قابلِ فہم تھیں اس لیے میں نے اس موضوع پر اپنی زبان سختی سے بند کرلی۔

ویرا نے وہاں سے روانگی کا ارادہ ظاہر کیا تو اول خان نے ہمیں متوقع فون کال آنے تک رکنے کی دعوت دی جو ہم نے بخوشی قبول کرلی۔ کھوٹہ میں آوارہ گردی کرنے والے' کیمرا بردار بندروں کے انجام سے ہمیں بھی گہری دلچسپی تھی۔ وہ خبر مل جانے کے بعد ہم یکسوئی کے ساتھ واپس جاسکتے تھے۔

متوقع فون کال تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد آئی۔ دوسری طرف سے غالباً سنسنی خیز خبریں سنائی گئی تھیں کیونکہ اول خان کے منہ سے باربار متحیرانہ کلمات نکل رہے تھے۔ اس کے کہے ہوئے فقرے اس قدر ادھورے اور مختصر تھے کہ ان سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ البتہ اس کے تاثرات سے ایک بات ظاہر ہورہی تھی کہ کامیابی اور ناکامی سے قطع نظر انٹیلی جنس والوں نے ویرا کی گمنام مخبری پر کارروائی ضرور کی تھی۔

"نیچے سے اوپر تک تہلکہ مچا ہوا ہے" اول خان نے فون رکھتے ہوئے' والہانہ انداز میں مجھے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا "ان تینوں بندروں کے پکڑے جانے کے بعد ہر شخص ہل کر رہ گیا ہے۔ اس کامیابی میں تمہارا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ تاخیر ہونے کی صورت میں وہ بندر لاپتا ہوسکتے تھے۔"

"میرا نہیں' اس کا زیادہ ہاتھ ہے" میں نے اول خان کو ویرا کی طرف گھماتے ہوئے پوری سنجیدگی کے ساتھ کہا "تمہیں میرے بجائے اسی سے بغل گیر ہونا چاہیے۔ وہی گمنام فون میں نے کیا ہوتا تو شاید میری پوری بات سننے کی زحمت بھی نہ کی جاتی اور وہ بندر جدھر منہ اٹھتا' اسی طرف بھاگ جاتے۔"

"بے انتہا خوشی اور غم کے موقعے پر ہر قسم کی آزادی مل جاتی ہے۔ تم جوش میں میرے گلے لگ بھی جاتے تو میں کوئی اعتراض نہ کرتی۔ خوشی میں ایسی بے اعتدالیاں ہو ہی جاتی ہیں۔" ویرا ہنستے ہوئے بولی۔

"یہ دعوت ہے" میں نے اول خان کو اکسانے کی کوشش کی اور وہ کھسیانے پن کے ساتھ مسکرا کر رہ گیا۔ عورتوں کے معاملے میں وہ سدا کا کم ہمت اور ڈرپوک تھا۔

"تمہیں تفصیلی خبر ملی ہے یا بس خلاصہ بتایا گیا ہے؟" ویرا نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔

"خلاصہ بھی بہت ہوش رُبا ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں کمانڈر کے دفتر میں کہانی سناؤں گا تاکہ اسے دُہرانے سے بچ سکوں۔ وہ بھی ہیڈ کوارٹرز سے لوٹ آیا ہوگا۔ اب البرٹو و یلیسا کا وجود ہر شک و شبے سے بالاتر ہوگیا ہے۔"

اس کی بات درست تھی۔ اگر وہ اتنی اہم خبر کمانڈر تک فوراً نہ پہنچاتا تو اپنے فرض میں کوتاہی کرتا۔ دوسری طرف اس کے لیے یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ وہ ہمیں منتظر چھوڑ کر اپنے کمانڈر کے دفتر کی طرف دوڑ لگا دیتا اور اسے پوری کہانی سنانے کے بعد ہماری طرف رجوع کرتا۔

اول خان ہمیں پی اے کے کمرے میں بٹھا کر پہلے اکیلا اندر گیا پھر فوراً ہی باہر آکر ہم دونوں کو بھی اپنے ساتھ اندر لے گیا۔ کمانڈر نے اپنی کرسی سے اٹھ کر ہم دونوں کا استقبال کیا تھا "سنا ہے کہ تم لوگوں نے کوئی اور بھی بڑی کامیابی حاصل کی ہے؟" اس نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔

"کوشش ضرور کی تھی۔ اس کے نتائج اول خان سے معلوم ہوسکیں گے۔" میں نے کہا۔

اول خان اس وقت تک البرٹو و یلیسا کے بارے میں معذرت خواہانہ رویّہ اختیار کرتا چلا آیا تھا اس لیے اس نے کھوٹہ کے بندروں کی تحیّر خیز کہانی سے اپنے کمانڈر کو آگاہ نہیں کیا تھا۔ اس نے نہایت اختصار کے ساتھ اسے البرٹو و یلیسا کے انکشاف اور ہمارے جوابی اقدام سے آگاہ کرتے ہوئے کہا "حیرت ناک بات یہ ہے کہ آئی بی کے ڈائریکٹر نے اس گمنام فون کال پر فوری کارروائی کرتے ہوئے' اپنا ایمرجنسی اسکواڈ کھوٹہ کی طرف روانہ کردیا۔ چند گھنٹوں کی ناکابندی کے بعد ہی انہیں ایک گاڑی میں تین بندر نظر آئے۔ گاڑی چلانے والے کو گرفتار کرکے بندروں پر قبضہ کرلیا گیا۔ ایمرجنسی اسکواڈ والے تین گاڑیوں میں واپس لوٹ رہے تھے تو قیدی کی گود میں بیٹھا ہوا ایک بندر طاقتور دھماکے سے پھٹ گیا۔ اس دھماکے میں قیدی کا پورا چہرہ اُڑ گیا تھا اور وہ موقعے پر ہی مرگیا۔ اس مقامی کی ابھی تک شناخت نہیں ہوسکی ہے۔"

"قیدی کا کوئی بیان وہاں ریکارڈ کرلیا گیا تھا؟" کمانڈر نے گہری دلچسپی کے ساتھ پوچھا۔

"یہ نہیں معلوم' سر!" اول خان نے ادب سے جواب دیا۔ "میں نے اپنے ذاتی ذرائع سے یہ ادھوری اطلاعات حاصل کی ہیں۔ پوری تفصیلات یقیناً بہت حیران کن ثابت ہوں گی۔"

"آئی بی کے معاملات میں ہم دخل انداز نہیں ہوسکتے۔ ہماری تسلی کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ان لوگوں نے کھوٹہ میں فوٹو گرافی کرنے والے بندروں کو پکڑ لیا ہے لیکن میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ بندر کس طرح فوٹو گرافی کرتے ہوں گے اور ان تصاویر کا کیا بنتا ہوگا؟" کمانڈر نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

اول خان نے پُرامید نظروں سے میری طرف دیکھا تو میں نے کہا "یہ اصل بات کا پتا تو بندروں کا تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد کوئی ماہر ہی لگا سکے گا۔ ہمارے سامنے البرٹو و یلیسا نے جو کچھ ہرزہ سرائی کی تھی' اس کے مطابق ان بندروں کے جسموں میں انفراریڈ کیمرے پوشیدہ ہونے چاہئیں جو کسی لاسلکی نظام کے تحت تصاویر کہیں بھیجتے رہتے ہیں۔ یہ بہت جدید اور بیش قیمت کیمرے ہونے چاہئیں۔"

"حیرت ناک اور ناقابلِ یقین باتیں ہیں" کمانڈر اس مختصری تفصیل سے مرعوب ہوکر بڑبڑایا "اور ان میں سے ایک بندر بم کی طرح پھٹ بھی گیا۔ غنیمت ہے کہ اب ان لوگوں کے پاس مزید دو بندر ہیں جن کو چیر پھاڑ کر وہ عجیب کیمرے نکالے جاسکتے ہیں۔"

"دو نہیں.... اب ان کے پاس ایک ہی بندر رہ گیا ہے" اول خان نے تصحیح کی۔

"تیسرا بندر کہاں گیا؟" کمانڈر نے بھی میرے ساتھ وہ سوال کیا تھا۔

"وہ ایک مشہور پرائیویٹ اسپتال کے آپریشن تھیٹر میں پھٹ گیا۔ نہ صرف تھیٹر کا بڑا حصہ تباہ ہوگیا بلکہ ایک سرجن اور اس کے معاون کو کافی زخم بھی آئے ہیں" اول خان نے بتایا۔

"وہ کیسے پھٹ گیا؟ کیا ان بندروں میں کوئی ریموٹ یا ٹائمنگ ڈیوائس لگی ہوئی ہے؟" کمانڈر کے لیے وہ خبر پریشانی کا باعث ثابت ہوئی تھی۔ "اس طرح تو تیسرا بندر بھی ضائع ہوجائے گا اور وہ لوگ اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں کرسکیں گے۔"

"ان بندروں کی اگلی ٹانگوں کے درمیان' سینے کی جلد کے نیچے وہ کیمرے اس طرح چھپائے گئے ہیں کہ لینس کا گول حصہ جلد سے باہر نکلا ہوا ہے۔ ان کیمروں کے ساتھ کوئی ایسا میکانزم بھی پوشیدہ ہے جسے چھیڑتے ہی' بندر سمیت سب کچھ تباہ ہوجاتا ہے۔ بندروں کو لے جانے والے نے خودکشی کرنے کے لیے اسی میکانزم سے چھیڑ چھاڑ کی ہوگی۔ سرجن نے کیمرا نکالنے کے چکر میں' نادانستگی میں اس میکانزم کو متحرک کردیا ہوگا کیونکہ اس دھماکا خیز میکانزم کا اصل مقصد ہی ان کیمروں کو اجنبیوں کی تحویل میں جانے سے بچانا رہا ہوگا" اول خان نے بتایا "یہ باتیں سنی سنائی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اصل صورتِ حال کچھ اور ہی ہو۔"

"اب وہ تیسرے بندر پر طبع آزمائی کررہے ہوں گے؟" کمانڈر نے وہ فقرہ اس قدر عجیب انداز میں ادا کیا کہ میں بدقت تمام اپنا بے ساختہ قہقہہ روکنے میں کامیاب ہوسکا۔

"اس بندر کو بے ہوش کرکے سخت حفاظت میں رکھا گیا ہے۔ اس کے تفصیلی معائنے کے لیے باہر سے کسی ماہر کو بلانے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ وہ اس آخری بندر کے ضائع ہونے کے امکان سے سخت خوف زدہ ہیں۔ وہ اسے ہاتھ بھی نہیں لگا رہے تھے۔"

"اس قدر مہلک اور خطرناک بندر ان کے ہاتھ لگ گئے۔

ہیں۔ وہ بندر بھی کسی عام جگہ نہیں بلکہ کھوٹہ جیسی حساس وادی میں آزادانہ گھوم رہے تھے۔ اس وقت انٹیلی جنس والے سخت دباؤ کا شکار ہوں گے کیونکہ ان کے پاس کوئی مربوط کہانی نہیں ہے۔ ملک میں غیر ملکی سازشی عناصر دندناتے پھر رہے ہیں لیکن کسی کو ان کی سرگرمیوں کا علم نہیں ہے۔ ایک امریکی عورت ان کو بندروں کی موجودگی کی اطلاع دیتی ہے جو سو فی صد درست ثابت ہوتی ہے۔ اب ہر شخص ان بندروں کی موجودگی کا پس منظر جاننا چاہ رہا ہوگا لیکن آئی بی والوں کے پاس کوئی جواب نہیں ہے "گراں ڈیل کمانڈر نے پُرتشویش لہجے میں اس صورتِ حال کا احاطہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہمیں ان سے رابطہ کرلینا چاہیے" اول خان نے دبے لہجے میں کہا "ہماری فراہم کی ہوئی اطلاعات ان کو بہتیری پریشانیوں سے نجات دلوا سکتی ہیں۔"

"میں سوچوں گا" کمانڈر کی آنکھوں سے فکرمندی مترشح تھی۔ "آئی بی والے کچھ عرصے سے سیاست اور سیاست دانوں کے جوڑ توڑ میں اس بری طرح الجھے ہیں کہ قومی سلامتی سے تعلق رکھنے والے دوسرے اداروں سے ان کے تعلقاتِ کار بہت کمزور ہو چکے ہیں۔ مجھے ان سے رابطے کے لیے کوئی مناسب وسیلہ تلاش کرنا ہوگا۔"

وہ اپنا فقرہ ادا کرتے ہوئے، کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ تخلیہ چاہتا تھا۔ اول خان نے اس کا مدعا سمجھتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس کی تقلید میں ہم دونوں بھی کمانڈر سے ہاتھ ملا کر، اس کے وسیع لیکن سادہ سے کمرے سے باہر نکل آئے۔

اس وقت تک میرا ذہن سامنے کی باتوں میں الجھا ہوا تھا لیکن اول خان کی تازہ کہانی سامنے آنے کے بعد میرا ذہن بہت دور تک بھٹکنے لگا تھا۔

واقعات نے ثابت کردیا تھا کہ ان بندروں کے جسموں میں صرف حساس کیمرے ہی پوشیدہ نہیں تھے بلکہ ان کے تحفظ کے لیے بارودی مادّہ بھی نصب کیا گیا تھا۔ اس قدر خطرناک بندروں کا بیرونِ ملک سے لایا جانا محال ہی نہیں، ناممکن نظر آتا تھا۔ فضائی قزاقی، بین الاقوامی دہشت گردی اور تخریب کاری کے بڑھتے ہوئے واقعات کی وجہ سے دنیا کے ہر خطے میں ہوائی اڈوں پر جانچ پڑتال کے حفاظتی انتظامات اتنے سخت کروئے گئے تھے کہ دیکھ بھال کے جدید ترین آلات اور تجربے کار عملے کو دھوکا دے کر، ان بندروں کو طیاروں کے ذریعے ملک میں لانا بظاہر ناممکن تھا۔ ملی بھگت کے ذریعے ان بندروں کو جہاز پر سوار کرا بھی دیا جاتا تو پاکستان پہنچنے پر انہیں پکڑا جا سکتا تھا۔ بحری راستے سے ان بندروں کا لایا جانا بعید از قیاس معلوم ہوتا تھا۔ ایک یہ امکان ضرور تھا کہ خلیج کی ریاستوں سے آنے والی، اسمگلروں کی کسی لانچ کے ذریعے ان بندروں کو کراچی کے مضافات میں کسی ویران ساحل پر اتارا گیا ہو اور وہاں سے انہیں سڑک کے ذریعے اندرونِ ملک لے آیا گیا ہو۔ لیکن وہ طریقہ کار بھی پُرپیچ ہونے کے ساتھ پُرخطر بھی تھا۔

البرٹو ویلیسا کے بدلے ہوئے فنگر پرنٹس کی بنا پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ اس مجرمانہ اور سفاکانہ فعل میں کرنل جیسی جونز کو کسی ماہر ترین سرجن کا بھرپور تعاون حاصل تھا۔ جلد کی تبدیلی یا اسکن گرافٹنگ کے فن پر قابلِ رشک عبور رکھنے والا وہ سرجن بہت آسانی کے ساتھ کیمرے وغیرہ، بندروں کے جسم کی جلد میں چھپا سکتا تھا۔ ان لوگوں کے نقطۂ نظر سے آسان ترین صورت یہ ہوتی کہ مقامی طور پر حاصل کئے ہوئے، مخصوص نسل کے بندروں کو تربیت دی جاتی .... پھر وہی سرجن کسی فرضی نام پر سفر کرکے پاکستان آتا اور پوری پوری رازداری کے ساتھ مطلوبہ سامان ان بندروں کے جسموں میں نصب کرکے خاموشی سے واپس لوٹ جاتا۔ اس کی آمد کا سب سے اہم فائدہ یہ ہوتا کہ عملی نزاکتوں کے پیشِ نظر، کیمروں کے رخ میں مطلوبہ تبدیلیاں بھی عمل میں لائی جا سکتی تھیں۔

اگر میری وہ سوچ درست تھی تو البرٹو پاکستان میں اکیلا اور بے سروسامان نہیں تھا۔ اس نے ایک طرف اسپیشل ٹاسک فورس میں اپنے قدم جمائے ہوئے تھے تو دوسری طرف اولیانو سے اپنی دوستی کی آڑ میں اقوام متحدہ کے آب رسانی کے منصوبے کے دفاتر کو استعمال کر رہا تھا۔ اس کے ہمدردوں اور تنخواہ دار کارکنوں کی وہ نفری ہماری نگاہوں سے اوجھل تھی جس کی مدد سے وہ اپنی تخریبی سرگرمیاں آگے بڑھا رہا تھا۔

اس کے ساتھ حریص، خودغرض اور بے ضمیر مقامیوں کے تعاون کی دو مثالیں ہمارے سامنے آ چکی تھیں۔ اولیانو کے دفتر میں محاذ آرائی کے دوران میں متعدد مقامی اس کے ساتھ موجود تھے۔ ان میں سے راجا بازار والا غنڈا، بعد میں میرے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچ گیا تھا۔ دوسرا مقامی وہ تھا جو کھوٹہ سے بندروں کو نکال کر لے جاتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ وہ یقینی طور پر اپنے جرم کی ہولناک سنگینی سے پوری طرح واقف تھا۔ اسی لیے اس نے گرفتار ہونے کے بعد خودکشی کرلی تھی کیونکہ اسے اپنے کرتوتوں کا انجام سامنے نظر آنے لگا تھا۔

راجا بازار والے غنڈے کے ذکر پر اول خان چونک پڑا۔ "اسے میں بھول ہی گیا تھا۔ اس کے قتل کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تو البرٹو ویلیسا کے کان کھڑے ہو جائیں گے۔ وہ گیارہ بجے تک البرٹو کے ساتھ تھا۔ وہ سمجھ لے گا کہ بعد میں ہم نے اس شخص کی زبان کھلوانے کے بعد اسے مارا ہے۔"

"یہ تو سامنے کی بات ہے لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"فرق تو کسی بات سے بھی نہیں پڑتا" اول خان چڑ کر بولا "تم

میری کہی ہوئی باتوں کو بہت جلد بھول جاتے ہو۔ کمانڈر اپنے پلان کے مطابق البرٹو کو اندھیرے میں رکھ کر گھیرنا چاہ رہا ہے۔ اس میں ہماری بھی کچھ مصلحتیں ہیں۔ اس لاش کے بارے میں خبریں آنے سے ہمارے مقاصد کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"اس خبر کو اخبارات میں شائع ہونے سے رکوا دو۔ پریس کے بارے میں یہاں ایسے قوانین موجود ہیں جن کے ذریعے اخبارات وغیرہ کو کچھ بھی چھاپنے یا نہ چھاپنے کا پابند کیا جا سکتا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تمہاری کھوپڑی الٹی چل رہی ہے" وہ میری تجویز پر بھنّا کر بولا "کیا تم نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ تم نے اس کی لاش ایک ایسے مقام پر پھینکی ہے جہاں چیل کووں کے حملہ آور ہونے کے بعد ہی کسی کو لاش کی موجودگی کا علم ہو سکے گا؟"

"میں نے ضرور کہا تھا۔ تو کیا تم اس کی لاش غائب کروانے کے بارے میں سوچ رہے ہو؟"

"آسان ترین راستہ وہی ہے۔ ذرا اس جگہ کا محل وقوع سمجھاؤ" اول خان کا منہ بدستور بگڑا ہوا تھا۔

اس نے ایک آدمی کو وہیں طلب کیا اور اسے لاش کو ٹھکانے لگانے کی ہدایات دے کر لوٹا دیا۔

"تم یہاں مہمانوں کی طرح نہیں رہ رہے" میں نے اس آدمی کے چلے جانے کے بعد، بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی تمہیں خاصے اختیارات مل گئے ہیں۔"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ البرٹو ویلیسا کی تلاش کے لیے مجھے یہاں روک لیا گیا ہے۔ اختیارات کے بغیر پوسٹنگ سرکاری محکموں میں ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں اس کا رواج نہیں ہے۔ آدمیوں کا انتخاب ہو جائے تو مجھے اپنا یونٹ از سرِنو تشکیل دینا ہوگا۔ میرا دفتر اسی عمارت میں رہے گا۔"

"تم اپنے یونٹ اور دفتر کے معاملات دیکھو۔ ہم چلتے ہیں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اب تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ اس عمارت کا پچھلا حصہ گیسٹ ہاؤس کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ تمہیں یہیں، میرے ساتھ رہنا ہوگا۔ تم دونوں کے لیے الگ الگ کمروں کا انتظام کردیا جائے گا۔"

"ہم ایک کمرے میں بھی رہ سکتے ہیں۔ البتہ بستر الگ الگ درکار ہوں گے" میں نے ویرا کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

"جب تک غزالہ کراچی میں ہے، تم اپنی من مانی کرنے کے لیے آزاد ہو" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"ہمارے یہاں قیام کرنے میں تمہارے کمانڈر کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟" ویرا نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں، وہ تم دونوں کی بے لوث کارکردگی سے بہت متاثر ہے۔ ویسے یہ دھیان رکھنا کہ وہ پینے پلانے کا شوقین ہے۔ اسے تم دونوں کی بلانوشی کی بھنک بھی مل گئی تو دفتری مسائل سے فارغ ہو کر تمہارے ساتھ ہی بیٹھنے لگے گا۔ سنا ہے کہ پینے کے بعد وہ بہت جذباتی اور غصیلا ہو جاتا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو، ملکۂ جذبات میرے ساتھ ہے" میں نے ویرا کی پشت پر تھپکی دیتے ہوئے کہا "اس کے جذبات کو یہ سنبھال لے گی۔ غصے سے میں نمٹ لوں گا۔"

"تم حد سے زیادہ منہ پھٹ اور بے لگام ہوتے جا رہے ہو۔" ویرا کو غصہ آ گیا "اب تم نے میرے بارے میں کوئی الزام تراشی کی تو میں تم پر ہاتھ چھوڑ بیٹھوں گی۔"

میں نے ایک گہرا سانس لے کر چھت کی طرف دیکھا اور کہا۔ "مغربی عورتوں میں یہی ایک خرابی ہوتی ہے۔ ادھر کی عورتیں ایک بار ہاتھ پکڑ لیں تو قبر میں اترتے ہوئے بھی مشکل ہی سے چھوڑتی ہیں۔"

"تم دونوں اپنے دل کی بھڑاس نکالو۔ میں تمہارے کمرے دیکھ کر آتا ہوں" اول خان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں اسے ٹالنا چاہ رہا تھا" اس کے چلے جانے کے بعد، میں نے سنجیدگی سے کہا "یہاں رہنے سے ہمیں تحفظ کے علاوہ دوسری تمام سہولتیں حاصل رہیں گی لیکن ہم اپنی آزادانہ مرضی سے کوئی بھی قدم نہیں اٹھا سکیں گے۔ اول خان ہر بات میں مداخلت کرتا رہے گا۔"

"بولتے رہو، میں سن رہی ہوں" مجھے خاموش پا کر اس نے خشک لہجے میں کہا۔

"میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہمیں اولیانو سے خاصی مدد مل سکتی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اول خان میرے ارادے کی مخالفت کرے گا لیکن میں آج شام ہی اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ ویسے بھی وہ تم کو اپنے گھر آنے کی دعوت دے چکا ہے۔ وہ ہم سے ملنے سے انکار نہیں کرے گا۔"

"تم اسی قدر بے چین ہو تو تفریح کے بہانے یہاں سے نکل سکتے ہو" اس نے کہا پھر چونک کر بولی "اول خان، البرٹو ویلیسا کو اندھیرے میں رکھنے کے بارے میں اس قدر حساس ہے لیکن وہ اولیانو کے دفتر بھی جا چکا ہے۔ اس بات کو تو کسی بھی صورت میں نہیں چھپایا جا سکے گا۔"

"اسے چھپانے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ وہاں ہونے والی محاذ آرائی کے بعد ہمارا اُدھر نہ جانا غیر فطری ہوتا۔ ہم نے وہاں البرٹو ویلیسا کے جل مرنے یا روپوش ہو جانے کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔"

"اور شاید میں نے بھی اس بارے میں اپنی زبان بند رکھی تھی" اس نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"گفتگو ہسپانوی زبان میں ہوئی تھی اس لیے میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"نہیں، میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی" وہ چند ثانیوں کی تفکر آمیز خاموشی کے بعد بولی "ویسے پہلی بار ہی تمہارا اولیانو کے گھر جانا مناسب نہیں ہوگا۔ وہ میرے ساتھ تمہیں دیکھ کر بھڑک بھی سکتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ اس نے تم سے رازداری کا وعدہ لے کر کچھ باتیں کی تھیں۔ تم اس کے سامنے مجھے اپنا بوائے فرینڈ ظاہر کرسکتی ہو۔ یہ بات حقیقت سے زیادہ دور بھی نہ ہوگی اور وہ مطمئن ہوجائے گا۔"

"بہرحال، کوشش کرلینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ تمہارے برعکس میرا اندازہ ہے کہ وہ ہماری کوئی خاص مدد نہیں کرسکے گا۔ میں جانے سے پہلے اسے فون کروں گی تو اس سے تمہارے بارے میں ذکر بھی کردوں گی۔"

"نن... نہیں، ہرگز نہیں" میں نے جلدی سے کہا "اسے تمہاری طرف سے اتنی جلد ملاقات ہونے کی توقع نہیں ہوگی۔ میں کوئی پیشگی اطلاع دیے بغیر اس کے گھر پہنچ کر اس کا ردِ عمل دیکھنا چاہتا ہوں۔"

اول خان واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں اخبار دبا ہوا تھا جو اس نے میری گود میں ڈال دیا۔

"تمہارا خیال تھا کہ قوانین کی وجہ سے اخبارات پر سرکاری گرفت مضبوط ہے۔ اب خود ہی دیکھ لو کہ چند گھنٹوں میں ناکارہ ہوجانے والے اس چیتھڑے میں کیا ہرزہ سرائی کی گئی ہے؟" اس نے تلخ انداز میں کہا۔

میں نے اس انگریزی اخبار کے پہلے صفحے پر نظریں دوڑائیں تو مجھے سیاہ حاشیے میں وہ خبر نظر آگئی۔ مقامی کونسل کا کام وفاقی ایجنسی نے سنبھال لیا۔ اس مضحکہ آرائی کے تحت کھوٹہ سے تین بندروں کو لے جانے والے ایک بے گناہ شہری کی بے جا گرفتاری پر انٹیلی جنس بیورو اور اس کے اعلیٰ افسران پر دل کھول کر کیچڑ اچھالی گئی تھی۔ اس اخبار کے نامہ نگار کو شاید بعد کے سنسنی خیز واقعات کا علم نہیں ہوسکا تھا۔

"اب بتاؤ کہ یہاں کون کام کرسکتا ہے؟" مجھے وہ خبر پڑھنے کا موقع دینے کے بعد اول خان نے تلخی سے پوچھا "مزدور زمین کے سینے پر کدال چلاتا ہے، یہ لوگ اپنی روزی کمانے کے لیے کاغذ پر قلم چلاتے ہیں لیکن انہوں نے اپنی روزی کی ایک نیو سینس ویلیو بنالی ہے جیسے یہ پورے ملک کے ٹھیکے دار ہوں۔ جب دل چاہتا ہے کسی کی بھی پگڑی اچھال دیتے ہیں۔ آئی بی والے تو بے چارے اس خبر کی تردید بھی نہیں کرسکتے۔ گرفتاری ضرور ہوئی تھی لیکن وہ لوگ اس کے پس منظر کی وضاحت کرنا شروع کردیں تو قومی سلامتی کے اہم ترین معاملات تیسرے درجے کے چائے خانوں میں کھلی بحث کا موضوع بن جائیں گے۔ میں نے یہ خبر دیکھ کر اپنا سر پیٹ لیا تھا۔"

میں اخبار ویرا کی طرف بڑھا چکا تھا۔ وہ خبر پڑھ لینے کے بعد بولی "اخبارات کا ملک کی پوری آبادی سے براہِ راست رابطہ ہوتا ہے۔ حکومت بھی اپنی بات عوام تک پہنچانے کے لیے ان کی محتاج ہوتی ہے۔ اپنی اس طاقت کے گھمنڈ میں آکر بعض گھٹیا اخبارات دنیا کے ہر حصے میں اپنی حکومتوں تک کو بلیک میل کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ انہیں پڑھ کر نظر انداز کردینا ہی سب سے بہتر ہوتا ہے۔"

اول خان اس بات پر کافی دیر تک غصے میں کھولتا رہا۔ جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے بتایا کہ اسی عمارت کے رہائشی حصے میں ہمارے لیے ایک بڑا کمرا تیار کرنے کے ساتھ ہی ایک چھوٹی گاڑی بھی مخصوص کردی گئی تھی۔ ان انتظامات کو اول خان کے کمانڈر کی بھرپور تائید حاصل تھی۔

ہم دونوں فوری طور پر اپنے کمرے میں منتقل ہوگئے۔ وہ کمرا ائرکنڈیشنر، گیس ہیٹر اور چھوٹے ریفریجریٹر سمیت، ہر سہولت سے آراستہ تھا۔ شاید وہ ڈبل بیڈ روم تھا کیونکہ دوہری مسہری کے ساتھ پڑی ہوئی دوسری مسہری، بقیہ فرنیچر سے مختلف ڈیزائن کی تھی جسے شاید ہنگامی ضرورت کے تحت وہاں ڈال دیا گیا تھا۔

اول خان نے ہوٹل سے ہمارا سامان منگوانے کے لیے اپنے آدمی کو بھیجنے کی پیش کش کی لیکن ہم دونوں ہی وہاں سے نکلنے کے موڈ میں تھے اس لیے میں نے اسے ٹال دیا۔

اس عمارت کے رہائشی حصے میں آمدورفت کے لیے ایک بغلی پھاٹک موجود تھا جو ذیلی سڑک پر کھلتا تھا۔ چوکیدار کو اپنی جلد واپسی کے بارے میں بتا کر ہم دونوں وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

ہوٹل کا حساب بے باق کرنے اور وہاں سے اپنا مختصر سا سامان اٹھانے کے بعد ہم نے شکرپڑیاں سے ملحقہ باغ کا چکر لگایا تو میرے ہاتھوں مرنے والے غنڈے کی لال گاڑی وہاں موجود نہیں تھی۔ مشتبہ اور لاوارث گاڑیوں کے سلسلے میں اسلام آباد پولیس کی وہ کارکردگی واقعی قابلِ رشک تھی۔

ویرا پنڈی کے صدر بازار کے کسی ہوٹل میں کڑاہی مرغ کا لنچ کرنے پر مُصر تھی۔ اس کے بعد وہ اسی علاقے کی ایک مشہور دکان سے دل بھر کر پستہ آئس کریم کھانا چاہتی تھی۔ اس لیے میں نے باغ میں سے باہر نکلنے کے بجائے گاڑی کا رخ اس راستے کی طرف موڑ لیا جو آگے جاکر شاہراہ اسلام آباد سے مل جاتا تھا۔

اس سنسان اور پُرسکون راستے پر کار چلاتے ہوئے، میرا ذہن ماضی کی طرف بھٹک گیا۔

ہیروئن کے انسداد سے شروع ہونے والی وہ کہانی دن بدن نئے رخ اختیار کرتی جارہی تھی۔ اس مہلک اور نشہ آور سفوف سے حاصل ہونے والا کالا دھن سیاست اور معاشرت کے ہر شعبے میں اپنا اثر و نفوذ بڑھاتا جارہا تھا۔ میں نے پاکستان میں شی کے کاروبار کو بالکل ٹھپ کردیا تھا۔ حبیب جیوانی کی عبرت ناک موت کے ساتھ ہی مقامی مافیا ختم ہوکر رہ گئی تھی۔ جب تک مدر مافیا والے کسی نئے مہرے کو کھڑا نہ کرتے، پاکستان میں ان کے دھندے نہیں چل سکتے تھے۔ لیکن ہیروئن کی کوکھ سے جنم لینے والی کہانیاں بدستور میرا پیچھا کررہی تھیں۔

ملا سرکار کو جہنم واصل کردینے کے بعد بھی میں اس کے سرپرستوں کی ریشہ دوانیوں کا مکمل انسداد نہیں کرسکا تھا۔ شری ان سنگھ جیسے گھاگ سفارت کار کی موت کے بعد اس کے جانشین پیدا ہوچکے تھے۔ وہ لوگ اپنے امریکی آقاؤں کی مدد و سرپرستی کے ذریعے شی کا تعاون حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش میں مصروف تھے لیکن الحدید نامی لانچ اور اس پر لدے ہوئے جدید ترین ہتھیاروں کے پکڑے جانے کے بعد شی کوئی کارنامہ دکھانے کے قابل نہیں رہ گئی تھی۔ اس طرف سے مایوس ہوجانے کے بعد وہ لوگ پاکستان کی سرزمین پر واقع بڑے بڑے آبی ذخائر کو بارود سے اُڑا کر معاشی شہ رگ کو کاٹ دینے کی منصوبہ بندیاں کررہے تھے۔

دوسری طرف ناراض امریکی دوستوں نے جمی لائیڈ کی مدد حاصل کرکے ایٹمی آلات اور سازوسامان کی اس بڑی کھیپ کو تباہ کرنے کی ناکام کوشش کی تھی جو بلیو کراس ڈیل کے نام سے ایران سے پاکستان منتقل کی جارہی تھی۔ ان مصائب سے نمٹتے ہی البرٹو ڈیلیسا کا ہوّا سامنے آگیا تھا۔ وہ مردود اپنے متعصب یہودی آقاؤں کے ایما پر براہِ راست کھوٹہ کی تنصیبات کو تباہ کرنے کے درپے تھا۔ ڈیوڈ اسٹارز نے اس کے منصوبے کی کامیابی کے لیے اپنے خزانوں کے منہ کھولے ہوئے تھے اور کچھ بعید نہیں تھا کہ البرٹو ڈیلیسا کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے کرنل جیسی جونز بذات خود میدانِ عمل میں کود کر اپنی سرگرمیاں تیز کردیتا۔

یوں معلوم ہورہا تھا جیسے پاکستان کی بقا، سلامتی اور ترقی سارے عالمی منصوبہ سازوں کے پروگرام سے متصادم ہو۔ اس ملک پر ہیروئن کی تیاری اور تجارت کی سربراہی کے الزام سے شروع ہونے والی عالمی مہم اب خوں ریز دشمنی کی حدود سے بھی متجاوز نظر آرہی تھی۔ پاکستان کے خلاف ایک کھلی جنگ کا اعلان نہ کرکے، انہوں نے ہر طرف محاذ کھولے ہوئے تھے اور ان سے چو طرفہ یلغار جاری تھی۔

ان کٹھن دنوں میں ویرا نے قابلِ رشک حد تک میرا ساتھ دیا تھا اور اب آخر میں اس نے اپنی صلاحیتوں کی بنا پر اولیانو کو شیشے میں اتارا تھا۔ مجھے اولیانو سے اہم سراغ ملنے کی امید تھی جو البرٹو کے تابوت کی آخری کیل ثابت ہوسکتا تھا۔

معاً مجھے خیال آیا کہ اولیانو، اقوام متحدہ کی طرف سے شروع کیے ہوئے آب رسانی کے ایک منصوبے کا سربراہ تھا۔ وہ راول ڈیم پر کام کررہا تھا جو راولپنڈی اور اسلام آباد کے مکینوں کے لیے پانی فراہم کرنے والا واحد ذخیرہ تھا اور دوسری طرف بھارتی شاطر تربیلا اور منگلا ڈیم کے آبی ذخائر میں ریموٹ کنٹرولڈ، واٹر پروف بموں کے بھاری صندوق پہنچانے کے لیے، آنے والے مون سون کے تیز سیلابی ریلوں کا انتظار کررہے تھے۔ کیا ان میں آپس میں کوئی تعلق تھا؟ کیا اولیانو بھی کسی بڑی سازش کا ایک مہرہ بن کر مناسب وقت کا انتظار کررہا تھا؟

وہ سارے امکانات اس قدر بھیانک اور ڈراؤنے تھے کہ میں بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔

"بیٹھے ہی بیٹھے کانپ رہے ہو" ویرا نے مضحکہ اُڑانے والے انداز میں کہا۔

"خیال آگیا تھا کہ کہیں اولیانو بھی بھارتیوں کی طرح راول ڈیم کی بنیادوں میں بارود بھرنے کی تیاریاں نہ کررہا ہو۔" میں نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے اپنے وہم سے آگاہ کردیا۔

"زیادہ غور کرنے پر آدمی کا اپنا سایہ بھی بدن سے الگ ہوکر طرح طرح کے ناچ دکھا کر ڈرانے لگتا ہے" اس نے ایک بے رحمانہ قہقہے کے ساتھ کہا "اتنی باریکی کے ساتھ سوچو گے تو اعصاب زدہ ہوکر رہ جاؤ گے۔ اولیانو بے چارہ ایک سیدھا سادہ اور مسکین سا آدمی ہے۔ اس کی اتنی پرواز نہیں ہوسکتی۔"

"شیر پر برا وقت آتا ہے تو اس پر گیدڑ بھی غرانے لگتے ہیں۔" میں نے دھیمے سے کہا۔

"شاید تم غزالہ سے دور ہونے کی وجہ سے اداسی کا شکار ہوگئے ہو" اس نے اسی موڈ میں کہا "میری ذات میں کوئی کشش محسوس نہ ہورہی ہو تو تم روحی یا شہباز خان کے اڈّے سے بھی کوئی لڑکی لا سکتے ہو۔"

میں ایک دم اچھل پڑا اور اس کی ٹانگ پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے بولا "بعض اوقات تم کمال کی بات کہہ جاتی ہو جس سے کوئی نئی راہ نظر آنے لگتی ہے۔"

"اور بعض اوقات تم بالکل جنگلی ہوجاتے ہو" وہ اپنی ٹانگ سہلاتے ہوئے منہ بنا کر بولی "میں نے ایسی کیا بات کہہ دی تھی کہ تم آپے سے باہر ہوگئے؟"

"شہباز خان!" میں نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا "البرٹو ڈیلیسا کا سراغ حاصل کرنے کے سلسلے میں وہ، اولیانو کے بعد دوسرا اہم آدمی ثابت ہوسکتا ہے۔ لال گاڑی والے کے بیان کے مطابق ظفر اور شہباز خان میں گہری دوستی ہے۔ وہ شراب اور لڑکیوں کا گھناؤنا دھندا کرتا ہے تو دوسرے جرائم بھی ضرور کرتا ہوگا۔"

"لڑکیاں ایک نعمت ہوتی ہیں۔ ان کی سرپرستی کو گھناؤنا دھندا مت کہو" اس نے آنکھیں موند کر ہولے سے کہا "میں خود بھی وہ زندگی گزار چکی ہوں۔ تم اندازہ نہیں کرسکتے کہ سیکڑوں خوب صورت، خوش بدن اور نازک مزاج لڑکیوں پر حکمرانی کرنے والا، ڈان مرسیانو روم اور میلان کے رؤسا میں کس طرح پوجا جاتا تھا۔ ان لوگوں کا بس چلتا تو وہ ڈان مرسیانو کو میلان کے سب سے بڑے چرچ میں بٹھا کر اُس کی پرستش کرنا شروع کردیتے۔"

"ڈان مریسانو تمہارے باپ کا بگڑا ہوا ایک روپ تھا اس لیے تم ایسا سوچ رہی ہو ورنہ کوئی لڑکی اپنی خوشی سے نیلامی نہیں چڑھتی۔ یہ سب مجبوریوں کے سودے ہوتے ہیں۔"

"ان میں سے بہتیری لڑکیاں ضرورت مند نہیں بلکہ بارسوخ امرا کے ساتھ عیش و عشرت میں وقت گزارنے کی شوقین تھیں۔ اس معاملے میں تم مجھ سے بحث نہیں کرسکتے۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ لڑنے پر آمادہ ہوگئی۔

"لعنت بھیجو اس بحث پر!" میں نے ترشی سے کہا۔ "میں شہباز خان کی بات کررہا تھا اور تم کیا ذکر لے بیٹھیں۔"

"جب بھی میرا پیر تمہاری دُم پر پڑتا ہے تو اسی طرح اپنا پیچھا چھڑا لیتے ہو۔" وہ چیخ کر بولی۔

وہ کافی بحث اور تکرار کے بعد راہِ راست پر آسکی۔ جب اس کی سنجیدگی دوبارہ بحال ہوئی تو اس نے مجھ سے اتفاق کیا کہ ہم نے اول خان سے شہباز خان کا ذکر نہ کرکے ایک بڑی غلطی کی تھی۔

راولپنڈی کے صدر بازار میں ہم نے درمیانے درجے کے ایک ہوٹل کے فیملی کیبن میں بیٹھ کر ویرا کا پسندیدہ لنچ کیا اور آئس کریم کھانے کے بعد آہستہ آہستہ اسلام آباد کی طرف روانہ ہوگئے۔

شام کا دھندلکا پھیلنے تک ہم اسلام آباد کی پُرفضا سڑکوں پر ڈرائیونگ کرتے رہے۔ اس دوران میں ہم نے دور ہی سے اولیانو کے مکان کا جائزہ بھی لے لیا تھا تاکہ بعد میں مکان تلاش کرنے کی زحمت سے بچے رہیں۔

ٹھیک سات بجے ویرا نے کار سے اتر کر ستون پر لگا ہوا بٹن دبایا تو گھنٹی کی آواز کے ساتھ ہی چوکیدار نے پھاٹک کھول کر کچھ پوچھنے کا ارادہ کیا لیکن ویرا کی سفید چمڑی پر نظر پڑتے ہی وہ چوکڑی بھول گیا اور اُس کا داہنا ہاتھ غیرارادی طور پر اپنی پیشانی تک اٹھتا چلا گیا۔

چوکیدار نے بوکھلائے ہوئے انداز میں یوں پھاٹک کھولا تھا جیسے وہ آنے والوں کے اعلیٰ منصب سے بخوبی واقف رہا ہو میں بے تکلفانہ انداز میں اپنی گاڑی پورچ تک لیتا چلا گیا۔ ویرا ٹہلتی ہوئی اندر داخل ہوگئی۔

میں پھاٹک کھلتے ہی یہ دیکھ کر چونکا تھا کہ اولیانو کی سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی، عمارت کے بغلی گیراج میں کھڑی ہوئی تھی۔ بغیر دروازے کے اس گیراج میں موجود گاڑی میں اولیانو کے دفتر کے باہر بھی دیکھ چکا تھا۔ اس کے علاوہ گہرے سبز رنگ کی ایک کار پورچ میں بھی موجود تھی۔ میرے لیے یہ بات خاصی ناقابلِ یقین تھی کہ اولیانو جیسا کفایت شعار افسر اپنی اکیلی ذات کے لیے دو گاڑیاں استعمال کرتا ہو۔

مجھے گاڑی سے اتر کر انتظار کرنا پڑا لیکن ویرا کے قریب پہنچتے ہی دروازہ کھلا اور اولیانو روشن برآمدے میں نکل آیا۔ اس نے ویرا کو دیکھتے ہی ہسپانوی زبان میں کچھ تحیّر زدہ آوازیں نکالنی شروع کردی تھیں۔ ہم دونوں نے برآمدے کی سیڑھیاں طے کیں تو اولیانو نے لپک کر نہ صرف ویرا سے ہاتھ ملایا بلکہ ویرا کے داہنے رخسار کا چٹ پٹا سا بوسہ بھی لے ڈالا جو میری طبیعت پر خاصا ناگوار گزرا۔

ویرا ماضی میں جو کچھ بھی کرتی پھرتی رہی ہو وہ قصۂ پارینہ تھا۔ اس وقت وہ میرے ساتھ آئی ہوئی ایک معزز خاتون تھی جس کے ساتھ اولیانو کا استقبالیہ رویّہ خاصا جارحانہ تھا۔

کئی سیکنڈ کے طویل وقفے کے بعد اولیانو کو میری موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے میری طرف ہاتھ بڑھانے کے ساتھ ہی ہسپانوی زبان بولنی شروع کردی لیکن میں نے فوراً ہی اسے ٹوک دیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں دنیا کے ایک وسیع علاقے میں بولی جانے والی، اس عظیم زبان سے یکسر نابلد ہوں۔" میں نے اس کے خلاف اپنی بھڑاس پر قابو رکھتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ کہا۔

"یہ میرا بوائے فرینڈ تنویر ہے۔" ویرا نے تقریباً میرے ساتھ ساتھ کہا۔

"اوہ، مسٹر تنویر! مجھے تم سے مل کر دلی مسرت ہوئی۔ تم بہت خوش نصیب ہو کہ تمہیں ویرا جیسی حسین اور خوش ذوق گرل فرینڈ ملی ہے۔" اس نے باچھیں پھیلاتے ہوئے انگریزی میں کہا۔

"شکریہ! مجھے بھی بہت خوشی ہوئی۔" اس کو انگریزی میں جواب دیتے ہوئے میں اردو میں ویرا سے مخاطب ہوگیا۔ "یہ بڈھا بہت حرامی ہے۔ میری آڑ میں تمہیں مکھن لگانے کی کوشش کررہا ہے۔"

ویرا یوں سرہلا کر رہ گئی جیسے میں نے کوئی خوشگوار بات کی ہو۔

"مسٹر تنویر نے ابھی کیا کہا تھا؟" اولیانو نے میرے بجائے ویرا ہی سے سوال کرنے کو ترجیح دی تھی۔ "یہ تو شاید انگریزی نہیں کوئی اور زبان تھی۔"

"تنی اپنی مادری زبان میں تمہاری خوش ذوقی کی تعریف کررہا تھا۔"

"تنی؟ یہ کیا ہوا؟" اولیانو نے منہ پھاڑ کر حیرت سے سوال کیا۔

"میں تنویر کو پیار سے تنی کہتی ہوں۔" ویرا نے دہ فی البدیہہ جھوٹ بول کر مجھے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ "تم بھی مسٹر وسٹر کے چکر کو چھوڑو۔ تم اسے تنی یا تنویر کے نام سے پکار سکتے ہو۔ اگر تم برا نہ مانو تو کیا ہم تمہیں اولی کے مختصر نام سے مخاطب کرسکتے ہیں؟"

"اوہ، سویٹ!" اولیانو جھوم اٹھا۔ "تم تو ناموں کو خوبصورت اختصار دینے کی ماہر معلوم ہوتی ہو۔ مجھے حیرت ہے کہ مجھے آج تک اتنا پیارا نک نیم کیوں یاد نہیں آیا؟"

"اس لیے کہ تمہارے سر پر آج تک ویرا کے حسین وجود کا نہیں پڑا تھا۔" میں نے فراخدلانہ مسکراہٹ کے ساتھ وہ جلا بھنا تبصرہ کیا تو اولیانو منہ بنا کر سنہری عینک کی اوٹ سے مجھے گھورنے لگا۔

"اسے یوں نہ دیکھو۔" ویرا مجھے آنکھ مارتے ہوئے فوراً ہی بول پڑی۔ "اس کی انگریزی ذرا کمزور ہے۔ اس کے ذہن میں یقیناً کوئی اچھی بات رہی ہوگی۔"

وہ ویرا کی طرف دیکھ کر فدویانہ انداز میں ہنس پڑا اور فضا میں اسکاچ کا ہلکا سا بھبکا تیر گیا۔

وہ ہمیں لے کر اندر داخل ہوا تو ڈرائنگ روم میں، دروازے کے ساتھ والی تپائی پر اسکاچ کا گلاس رکھا ہوا تھا۔ اس میں برف کے کئی ڈلے بھی تیر رہے تھے۔

"معاف کرنا، میں تمہارے آنے سے پہلے پی رہا تھا۔" اس نے اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر کہا۔ "تم دونوں کیا لینا پسند کروگے؟ ہارڈ یا سافٹ ڈرنک؟"

"سورج ڈھل چکا ہے۔" ویرا دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "اور تم پہلے سے پی رہے ہو تو ہارڈ ڈرنک ہی چلے گا بلکہ اسکاچ بہتر رہے گی، سوڈے کے بغیر۔ صرف برف کے ساتھ!"

اولیانو کے بدن پر اس وقت سفید نیکر اور سفید ٹی شرٹ موجود تھی۔ پیروں میں پیچھے سے پچکی ہوئی سلیم شاہی جوتی چپل کے طور پر پھنسی ہوئی تھی۔ مجموعی طور پر وہ اپنے صبح والے روپ سے بہت مختلف اور خوش مزاج نظر آرہا تھا۔ ویرا نے اپنی ذات کے بارے میں اس کی دلچسپی کو بھانپ لیا تھا اور وہ دیدۂ و دانستہ ادائیں دکھا کر اس پستہ قامت مگر رنگین مزاج بڈھے کے جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کررہی تھی۔

"میرے گھر میں چوکیدار کے علاوہ کوئی ملازم نہیں ہے۔" اس نے ایک مرتبہ پھر ویرا ہی سے مخاطب ہوکر معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ "میں اندر سے بوتل، گلاس اور آئس پاٹ لے کر آتا ہوں۔"

"تم اکیلے اتنی چیزیں کیسے لاؤ گے؟ چلو، میں تمہاری مدد کرتی ہوں۔" ویرا اپنی کمر کو بل دیتی اور کولہے لچکاتی ہوئی اس کی طرف بڑھی تو خوشی سے بڈھے کا چہرہ گلنار ہوگیا۔

"بلکہ میں بھی کچھ نہ کچھ اٹھا لاؤں گا۔" میرے لیے وہاں رکے رہنا دشوار تھا۔

اولیانو نے میری طرف ایک خشک سی نگاہ ڈالی اور اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ مجھے ہاتھ پکڑ کر زبردستی وہیں بٹھا دیتا اور خود ویرا کے ساتھ اندر چل دیتا۔

میں ویرا کے ساتھ وہاں آنے پر خود کو دل ہی دل میں لعنت ملامت کرنے لگا۔ مجھے اولیانو کی عاشق مزاجی اور ویرا کے فراخ دلانہ موڈ کا ذرا بھی اندازہ ہوتا تو میں ہرگز ادھر کا رخ نہ کرتا۔ اولیانو کی خوش مزاجی میں اس اسکاچ کا بھی خاصا دخل تھا جو ہمارے پہنچنے سے پہلے اس کے معدے میں منتقل ہوچکی تھی لیکن ویرا! اس پر تو رہ رہ کر میرا خون بری طرح کھول رہا تھا۔

باہر پورچ میں موجود سبز گاڑی بدستور میرے سر پر سوار تھی۔ اگر وہاں ہمارے علاوہ کوئی اور آیا ہوا تھا تو اسے اولیانو کی مے نوشی میں شریک ہونا چاہیے تھا۔ میں نے دوسرے گلاس کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں لیکن وہاں کسی اور متنفس کی موجودگی کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔

شیواز ریگل کی کندن کی طرح جھلملاتی ہوئی بوتل، اولیانو نے شاید اسی وقت کھولی تھی۔ وہ خود شیشے کے گلاس میں پی رہا تھا لیکن ہمارے لیے اس نے کیبنٹ میں سے بلور کے دو دمکتے ہوئے گلاس نکالے۔ ریفریجریٹر میں سے آئس ٹرے نکال کر برف کے یکساں ٹکڑے آئس پاٹ میں ڈالے اور پھر ہمارا سہ نفری قافلہ ڈرائنگ روم میں واپس آکر ایک گوشے میں براجمان ہوگیا۔ ویرا فوری طور پر اسکاچ کے گلاس تیار کرنے لگی۔ اولیانو نے بھی اپنا گلاس خالی کرکے اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ پھر تینوں گلاس فضا میں لہرا کر، ایک کھنک کے ساتھ ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ اولیانو نے وہ جام ویرا کے نام تجویز کیا اور ہم تینوں نے اس تلخ سیال کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے کر گلاس اپنی اپنی میزوں پر رکھ لیے۔

اوہ! گھر میں تمہارا کوئی اور مہمان تو نہیں ہے اولی؟" ویرا نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے، اس سے سوال کیا تو میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ ذہنی آوارگی کے عالم میں بھی ویرا کو اپنا کام یاد تھا۔

"کیوں؟" اولیانو نے آنکھیں پھیلا کر حیرت سے پوچھا۔ "تمہیں یہ خیال کیسے آیا؟"

"بس ایسے ہی۔" ویرا نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ سرسری انداز میں کہا۔ "پورچ میں موجود گاڑی کی وجہ سے خیال آگیا تھا۔ ہم لوگ ویسے بھی کسی پیشگی اطلاع کے بغیر آئے ہیں۔"

لمحہ بھر کے لیے اولیانو کی چمکتی ہوئی آنکھیں دھندلا گئیں۔ اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار ابھرے لیکن اس نے فوراً ہی اپنے اضطراری ردِّعمل پر قابو پاتے ہوئے بے معنی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "نہیں، کوئی نہیں ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم میرے گھر آئی ہو۔ اطلاع دے کر آتیں تو میں شاید ڈھنگ سے تمہارا استقبال کرتا۔"

"ہم اپنی عزت افزائی پر حیران ہیں۔ اسلام آباد میں رہنے والے غیرملکی دوست غیرملکیوں سے بھی الگ تھلگ رہتے ہیں۔ مقامیوں سے تو ان کی طبیعت ہی نہیں ملتی۔" ویرا نے تعریفانہ انداز میں کہا۔ "دراصل میں نے صبح تمہاری پریشانی کا اندازہ لگا لیا تھا اسی وجہ سے میں اس وقت یہاں موجود ہوں۔"

"صبح تمہاری زبان سے ہسپانوی زبان سن کر میرا دل کھل اٹھا

تھا۔" وہ ایک اور گھونٹ لے کر بولا۔ "اسلام آباد میں باہر سے آئے ہوئے کافی لوگ رہتے ہیں لیکن ان میں ہسپانوی زبان جاننے والا شاید کوئی نہیں ہے۔ ظفر کے بعد تم دوسری شخصیت ہو جسے میری مادری زبان پر پورا عبور حاصل ہے۔"

میں نے محسوس کیا کہ اس نے سبز گاڑی کی موجودگی کا کوئی جواز پیش کرنے کے بجائے نہایت خوبصورتی کے ساتھ اس کا ذکر ہی گول کر دیا تھا۔

"صبح کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ تم کسی وجہ سے ظفر سے خائف ہو۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ کہیں بھی جانے والے غیرملکیوں کو اپنے بدقماش ملاقاتیوں سے کیسے کیسے سنگین خطرات لاحق ہو جاتے ہیں۔ ایسے ملاقاتی' مقامی ہونے کی وجہ سے عموماً اثر و رسوخ کے مالک بھی ہوتے ہیں اور ان کے خلاف کی جانے والی شکایات کی کہیں بھی کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ تم ہم پر پورا پورا اعتماد کر سکتے ہو۔" ویرا نے دلفریب انداز میں اس کو

اولیانو نے الجھن آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا جیسے میری موجودگی میں بات کرنے سے ہچکچا رہا ہو۔ پھر یکایک ہی اس نے ہسپانوی میں کوئی فقرہ ادا کیا اور ویرا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ تم کو صورت سے خطرناک نظر آ رہا ہو لیکن تنی تو کسی بچے کی طرح معصوم ہے۔" ویرا نے اس کی بات کا جواب انگریزی میں دیا تھا۔ "اس بے چارے کے تو ابھی دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے ہوں گے۔"

"ہم..... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اولیانو نے بوکھلا کر دونوں ہاتھوں سے میرا بازو دباتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ "دراصل یہ ہماری پہلی ملاقات ہے۔ میں اتنی جلدی کسی پر کیسے اعتماد کر سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے' اولی!" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری الجھن کو سمجھ رہا ہوں۔ تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔" پھر میں نے ویرا پر آنکھیں نکالنی شروع کر دیں۔ "تمہاری یہ حرکت تہذیب اور شائستگی کے خلاف تھی۔ تمہیں اولی کو اسی زبان میں جواب دینا چاہیے تھا جس میں سوال کیا گیا تھا۔ بعض اوقات تمہاری یہ حرکتیں میری طبیعت پر گراں گزرنے لگتی ہیں لیکن تم بار بار بہک جاتی ہو۔ میں تم کو....."

"بس' بس۔ اب اس بے چاری کو اتنا شرمندہ نہ کرو کہ اس کا اچھا خاصا موڈ برباد ہو جائے۔" اولیانو نے میری بات کاٹتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں ویرا کی سفارش کرتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اس نے مذاق کی نیت سے ایسا کیا ہو۔ اگر تم نے میرے سوال کا برا نہیں مانا تو مجھے بھی ویرا سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ اس خوبصورت اور خوش ادا ڈارلنگ سے تو کسی کو بھی شکایت نہیں ہو سکتی۔"

"میں واقعی مذاق کر رہی تھی۔" ویرا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "مجھے تو شبہ بھی نہیں تھا کہ تم دونوں مذاق ہی مذاق میں اتنے سنجیدہ ہو جاؤ گے۔"

"چلو' تنی کی طرف سے میں معافی مانگے لیتا ہوں۔" اولیانو کو اسی بہانے سے اپنی جگہ سے اٹھ کر ویرا سے چپک کر بیٹھنے کا سنہرا موقع مل گیا۔ "غصہ تھوک دو اور اس وقت کو خوش گوار انداز میں گزارنے کی کوشش کرو۔"

ویرا نے خوفزدہ سی نظروں سے میری طرف دیکھا پھر اولیانو کی طرف دیکھ کر ہنس پڑی۔ "دیکھو! یہ تنی مجھ کو گھور رہا ہے۔ تم اس سے وعدہ لو کہ یہ یہاں سے واپسی پر مجھے نہیں ڈانٹے گا۔"

ویرا کی طرف سے قربت کے اس غیر معمولی اظہار پر اولیانو کا منہ احمقانہ انداز میں کھل گیا۔ میں نے بے بسی کے ساتھ ہنستے ہوئے ویرا سے کہا۔ "لو' بابا! میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب اس موضوع پر بات نہیں کروں گا۔"

اسی لمحے مجھے محسوس ہوا کہ ڈائننگ روم سے آگے پھیلی ہوئی اندھیرے کی چادر میں کوئی لپک کر ایک طرف سے دوسری طرف گیا ہے۔ اندھیرے کی وجہ سے مجھے کچھ نظر نہیں آیا تھا لیکن میری چھٹی حس نے مجھے خبردار کر دیا تھا۔

ویرا اور اولیانو نے ایک مرتبہ پھر ہسپانوی زبان میں باتیں کرنی شروع کر دی تھیں۔ اس بار ابتدا ویرا نے کی تھی۔ میں نے دو تین لمبے لمبے گھونٹ لے کر اپنا گلاس خالی کیا اور صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اولیانو کے استفسار پر میں نے ٹوائلٹ کی ضرورت کا اظہار کیا تو اس نے اٹھنے کی زحمت کیے بغیر مجھے ڈائننگ روم سے آگے جا کر روشنی کرنے اور باتھ روم تک پہنچنے کے بارے میں ہدایات دے ڈالیں۔ وہ شاید تہ دل سے میرے وہاں سے دفعان ہونے کا خواہاں تھا کیونکہ اس طرح اسے ویرا کے ساتھ کم از کم چند منٹ کا تخلیہ میسر آ سکتا تھا۔

اس وقت میں خود بھی اندر جا کر' اپنا وہم دور کرنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ اس لیے میں مزید کوئی بات کیے بغیر تیزی کے ساتھ ڈائننگ روم کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

ڈائننگ روم سے ملحق راہداری میں شاید دونوں طرف تاریک کمرے تھے۔ داہنی طرف والے کمرے میں سے دھمک کی ایک موہوم سی آواز آئی۔ اولیانو نے مجھے بائیں طرف والی خواب گاہ کے باتھ روم کا راستہ بتایا تھا مگر میں اس کی ہدایت کو نظرانداز کر کے داہنی طرف والے کمرے میں گھس گیا اور اسی کے ساتھ کوئی سایہ کھلی ہوئی کھڑکی میں سے تیزی کے ساتھ باہر کود گیا۔

"رکو! ورنہ میں گولی مار دوں گا۔" میں دبی دبی غراہٹ کے ساتھ لپک کر کھڑکی کے قریب پہنچا تو اس بنگلے کے تاریک عقبی حصے میں ایک سایہ دوڑتا ہوا نظر آیا۔ میں نے لحظہ بھر کے لیے بھاگتے ہوئے اس سائے کا جائزہ لیا پھر اپنی جیب سے بیم گن نکال کر میں بھی تاریکی میں باہر کود گیا۔

اولیانو کے بنگلے کے عقبی حصے میں تاریکی کا راج تھا لیکن پھر بھی میں نے کھڑکی سے پہلی نگاہ ڈالتے ہی یہ بھانپ لیا تھا کہ اس راستے سے فرار ہونے والا انسانی ہیولا کسی مرد کا نہیں بلکہ عورت کا تھا۔ شاید اس کے پیروں میں اونچی ایڑی والے سینڈل نہیں تھے اسی لیے وہ خاصی تیزی کے ساتھ دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ اس کے بدن کے لوچ اور لچک سے کوئی بھی یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ عورت ہے۔

"رک جاؤ' ورنہ میں گولی مار دوں گا۔" میں نے اس کے تعاقب میں دوڑتے ہوئے ایک مرتبہ پھر دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔ وہ لحہ بھر کے لیے ٹھٹکی۔ شاید اس نے میرے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سن کر' پیچھے مڑ کر درمیانی فاصلے کا اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی۔ اپنے راستے پر سے دھیان ہٹتے ہی' اسے کسی ابھری ہوئی چیز سے ٹھوکر لگی اور وہ مختصر سی اضطراری چیخ کے ساتھ زمین پر گر گئی۔

وہ نہ بھی گری ہوتی تو میں چند ثانیوں بعد اسے پکڑ ہی لیتا کیونکہ اس کے مقابلے میں میری رفتار بہت تیز تھی۔ وہ گری تو میں لحہ بھر میں اس کے سر پر پہنچ گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں کا سہارا لے کر کچی زمین پر سے اٹھنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ اس کے غیر مسلح ہونے کا اطمینان ہونے کے بعد میں نے خاموشی کے ساتھ بیم گن اپنی جیب میں ڈال لی۔ چند ثانیوں کے بعد وہ اپنے قدموں پر کھڑی ہوئی تو سانس چڑھ جانے کی وجہ سے اس کا سینہ کسی لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور اندھیرے میں بھی اس کی بڑی بڑی آنکھیں بلور کے ڈلوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ دھان پان سا جسم ہونے کی وجہ سے اس کی کشیدہ قامتی کچھ زیادہ ہی نمایاں ہو رہی تھی۔

"تم کون ہو؟ اندر اندھیرے میں کیا کر رہی تھیں؟" میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے غرا کر سوال کیا۔

"تم کون ہو؟" اس نے میرے سوالات کے جوابات دینے کے بجائے ہانپتے ہوئے مجھ ہی سے سوال کر ڈالا۔ "اور اس طرح میرے پیچھے بھاگنے کا کیا مطلب ہے؟ میں اولیانو کی مہمان ہوں۔"

اس کے لب و لہجے میں حلاوت تھی لیکن تلفظ پر پنجابی زبان کی نمایاں چھاپ تھی۔ میں نے اس کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "مہمان کھڑکیوں سے کود کر نہیں بھاگا کرتے....."

"میری مرضی' میں کہیں سے بھی جاؤں۔" وہ بگڑ کر بولی۔ میرے لہجے کی غیر ارادی نرمی نے اس کا حوصلہ بحال کر دیا تھا اور وہ بحث پر آمادہ نظر آنے لگی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ لیکن تمہاری سبز کار' آگے پورچ میں کھڑی ہوئی ہے۔ تمہیں وہاں تک تو جانا ہی ہو گا۔" میں نے نرمی سے اس کا بازو تھامتے ہوئے کہا۔ "ویسے بھی تم اولیانو سے ملے بغیر اس مکان سے باہر نکلی ہو۔ مہمان اپنے میزبان سے ملے بغیر یوں رخصت نہیں ہوا کرتے۔"

اس نے تنک کر ایک جھٹکے سے اپنا بازو آزاد کرایا اور برہمی کے ساتھ بولی "خبردار! میرے بدن کو ہاتھ لگانے کی کوشش نہ کرنا۔ میں کوئی ایسی ویسی عورت نہیں ہوں....."

"میں یہی جاننا چاہ رہا ہوں کہ تم کون ہو اور تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔ "تم غصہ دکھاتی رہو گی تو اولیانو تمہارا تعارف کرا دے گا۔"

اس نے بے ساختہ انداز میں اولیانو کو ایک ہلکی پھلکی سی پنجابی گالی دی اور میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ وہ اپنے طور طریقے سے کوئی سکھنی معلوم ہو رہی تھی ورنہ اپنی طرف کی تعلیم یافتہ پنجابی عورتوں میں ایسے بے حجاب اندازِ گفتگو کا کوئی رواج نہیں تھا۔

"میں اس کا دماغ درست کر دوں گی۔" وہ اپنی روانی میں کہہ رہی تھی۔ "یہ کہاں کی شرافت ہے کہ ایک طرف مجھے بلا لیا اور دوسری طرف تم جیسے لفنگے کو بھی بلا لیا۔ ہر آدمی کی کوئی نہ کوئی عزت ہوتی ہے لیکن اس بھاڑو کو تو دوسروں کی عزت کا ذرا بھی پاس نہیں ہے۔"

"جے واہ گورو جی کی!" میں نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے فوری خیال کے تحت کہا۔ "تم ٹھیک کہتی ہو۔ سفید چمڑی والے عزت اور بے عزتی کی باریکیوں کو ذرا بھی نہیں سمجھتے....."

"تم سکھ ہو؟" اس نے میری بات کاٹ کر تحیرزدہ لہجے میں سوال کیا۔

"آہستہ بولو!" میں نے ایک مرتبہ پھر اس کا نرم نرم بازو دباتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "دیواروں اور درختوں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ میں کسی مصلحت کی وجہ سے یہاں ملا بنا ہوا ہوں۔"

"میرا نام نلنی کور ہے۔" وہ دبی دبی آواز میں بولی۔ "اس حرامی نے مجھے خود فون کر کے بلایا تھا۔ تم لوگوں نے گھنٹی بجائی تو میں ڈر کر خود ہی اندر چھپ گئی تھی۔ میرا آدمی یہاں کے سفارت خانے میں آفس سپرنٹنڈنٹ ہے۔ اسے بھنک بھی مل گئی کہ میں اس سے چھپ کر کسی سے ملتی ہوں تو وہ کرپان سے میری گردن اڑا دے گا۔"

"آؤ۔" میں نے اسے عمارت کے بغلی حصے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور وہ اس بار بے چون و چرا کیے' میرے ساتھ چل پڑی۔ مجھے سکھ فرض کر لینے کے بعد اس کا رویہ یک بیک تبدیل ہو گیا تھا۔

"تمہارا آدمی اتنا خوں خوار ہے تو نلنی جی' تم اولیانو سے کیوں ملتی ہو؟"

"بس' مجھے ملک ملک کے مردوں سے دوستی کرنے کا شوق ہے۔" اس نے ذرا بھی شرمائے بغیر اعتراف کیا۔ "میرے ایک دوست نے مجھے اولیانو سے ملایا تھا پھر وہ خود غائب ہو گیا اور اب شاید اسی نے ہم دونوں کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ کیا تم بھی

سفارت خانے میں کام کرتے ہو؟"

"میں سفارت خانے میں کام نہیں کرتا۔ خفیہ ادارے کا آدمی ہوں۔ تم مجھے بتاؤ کہ تمہیں کون تنگ کررہا ہے تو میں اس کی ایسی کی تیسی کرڈالوں گا۔ اس آدمی نے تمہارے علاوہ اور کس کو تنگ کیا ہوا ہے؟"

"اولیانو کو!" اس نے کہا۔ "اس نے چھپ کر ہم دونوں کی ویڈیو فلم بنائی ہے اور اب اس کے ذریعے اولیانو کو اپنے دباؤ میں لیا ہوا ہے۔ کیا پتا کہ وہ کسی روز مجھ سے بھی کوئی مطالبہ کر بیٹھے!"

میرے لیے اس کا وہ انکشاف سنسنی خیز تھا۔ میں نے ہُنکارا بھرتے ہوئے کہا۔ "تمہاری بات بالکل درست ہے لیکن وہ خبیث آدمی کون ہے جو اسے تنگ کررہا ہے۔"

"اس سے ایک پارٹی میں دوستی ہوئی تھی۔" نلنی ایک گہرا سانس لے کر بولی "بعد میں بھی ہم ہوٹلوں میں ملتے رہے۔ وہ خود کو کسی سرکاری ادارے کا بہت بڑا افسر بتاتا تھا۔ میں اس کے پتے یا ٹھکانے سے واقف نہیں ہوں لیکن اس کا نام ظفر ہے۔ ذرا پکی عمر کا بہت شان دار آدمی ہے۔"

اس کے خاموش ہونے پر میں نے ظفر کا حلیہ بیان کرنا شروع کردیا اور اس کی خوبصورت آنکھیں حیرت سے کشادہ ہوتی چلی گئیں۔ اس وقت تک ہم دونوں' اس عمارت کے تاریک عقبی حصے سے گھوم کر بغلی راستے پر مڑ چکے تھے اور وہ راستہ روشن تھا۔ اس روشنی میں مجھے یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی تھی کہ نلنی کور سبک اندام اور دراز قامت ہونے کے ساتھ ہی دلکش نقوش کی مالک بھی تھی۔

"تم نے لفظوں میں اس دھی کے خصم کی تصویر کھینچ کر رکھ دی۔" نلنی نے بے ساختگی کے ساتھ کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہوا ہے۔ تم اسے کیسے جانتے ہو؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ میں اسی کی گھات میں لگا ہوا ہوں۔ جس دن میرا ہاتھ پڑ گیا' اسے اٹھا کر سرحد پار لے جاؤں گا۔ وہ ہمارے لیے بہت کام کا آدمی ہے۔" میں نے حسرت سے کہا۔

"تم اولیانو سے بات کرو۔" سرحد پار کا ذکر سن کر نلنی پُرجوش لہجے میں بولی۔ "وہ اولیانو کو فون کرتا رہتا ہے۔ میں نے اسے کئی بار یہاں دیکھا بھی تھا۔ پہلی بار وہی مجھ کو یہاں لے کر آیا تھا۔ آج کل وہ خود بھی ظفر سے تنگ آیا ہوا ہے۔ اس کی مدد سے تم ظفر کو آسانی سے پکڑ سکتے ہو۔"

"دیکھو' ابھی تمہارے سامنے بات کرتا ہوں۔ شاید وہ راہ پر آجائے۔"

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے برآمدے سے گزر کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو اولیانو' ویرا پر جھکا پڑ رہا تھا اور وہ اسے خود سے دور رکھنے کے لیے خاصی محنت کررہی تھی۔ اولیانو اپنی فطرت، کے اعتبار سے انتہائی حریص بُڈھا تھا اور اس خلوت سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے کوشاں تھا۔ اولیانو کی پشت ہماری طرف تھی اس لیے وہ ہماری آمد سے آگاہ نہیں ہوسکا۔ میں غصے میں ہونے کے باوجود ٹھٹک کر دروازے ہی میں رک گیا لیکن نلنی کور سے وہ سب برداشت نہ ہوسکا۔ وہ میرے عقب سے جھپٹ کر نکلی اور سیدھی اولیانو کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

وہ دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھ کر' کسی بھوکی شیرنی کی طرح تن کر کھڑی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اولیانو' ویرا کے پُرخمار پیکر کو بھول بھال کر' ہکلاتا ہوا صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو اس بدمعاشی کے لیے مجھے اندر والے کمرے میں چھپنے کا مشورہ دیا تھا!" نلنی نے اولیانو کو قہربار نظروں سے گھورتے ہوئے 'جارحانہ لہجے میں کہا۔

"یہ ....یہ کوئی بدمعاشی نہیں تھی۔" اولیانو نے لُکنت آمیز لہجے میں کہا۔ "ویرا نے مجھے اپنی کلائی گرانے کا چیلنج دیا تھا۔ ہم اسی مقابلے کے لیے اپنی پوزیشن درست کررہے تھے۔ مم..... مگر تم اچانک کہاں سے آگئیں؟"

"یہ خود سے نہیں آئی بلکہ لائی گئی ہے۔" میں نے اسے اپنی موجودگی سے آگاہ کرتے ہوئے کہا اور وہ داخلی دروازے کی سمت سے میری آواز سن کر یوں اچھل پڑا جیسے بے خبری میں اس پر بجلی کا ننگا تار آگرا ہو۔

"اوہ..... تم!" اس کی حیرت سے پھیلی ہوئی آنکھیں میری طرف مرکوز ہوگئیں اور وہ مدافعانہ بے بسی کے ساتھ بولا۔ "مم..... میں تو بس یوں ہی' ویرا کے ساتھ ہلکا پھلکا مذاق کررہا تھا۔"

"وہ تمہارا اور ویرا کا معاملہ ہے۔" میں نے بے اعتنائی کے ساتھ کہا۔ "میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ گھر میں ہم لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا تو یہ پونے چھ فٹ کی عورت کہاں سے نکل پڑی؟"

"یہ میری دوست کلنی نور..... نن..... نہیں ... نلنی کور ہے۔ تمہاری اچانک آمد کی وجہ سے میں نے اسے اندر بھیج دیا تھا۔ پورچ میں کھڑی ہوئی سبز کار دراصل اسی کی ہے۔"

"اور تمہاری یہ اماں کون ہے؟" نلنی کور نے ہاتھ نچا کر' ویرا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ انگریزی زبان کا سہارا لینے کی وجہ سے وہ اس بار کوئی فی البدیہہ گالی استعمال نہیں کرسکی تھی۔

"زبان سنبھال کر بات کر' لڑکی!" ویرا غیر متوقع طور پر طیش میں آگئی۔ "میں ایک سیکنڈ میں تیری زبان حلق سے باہر کھینچ لوں گی۔"

اولیانو فوراً ہی اچھل کر ان دونوں کے درمیان نہ آگیا ہوتا تو شاید بات بڑھ جاتی۔ اس نے فضا میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے 'گہرے گہرے سانسوں کے درمیان کہا "تم دونوں کو آپس

میں لڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں دو عورتوں کے ساتھ ہی دو مرد بھی موجود ہیں۔ تم میری دوست ہو تو ویرا تنی کی دوست ہے۔ تمہیں اس کی توہین کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں بھی میرے معزز مہمان ہیں۔"

نلنی کی الجھن آمیز نگاہیں میری طرف اٹھیں تو میں بول پڑا۔ "میرا خیال ہے کہ تم غصہ تھوک دو۔ شاید اولیانو نشے کی جھونک میں ویرا سے زور آزمائی کررہا تھا۔"

"یہ ہے ہی حرام دا پتّر!" نلنی کور غصے کی زیادتی کی وجہ سے ملی جُلی پنجابی اور اردو میں پھٹ پڑی۔ "اب تم دیکھنا کہ تمہارے چلے جانے کے بعد میں اسے چاروں ہاتھ پیروں پر چلوا کر' اس کو ٹھوکریں ماروں گی اور اسے اپنے قریب بھی نہیں آنے دوں گی۔"

"ہم چلے گئے تو یہ تماشا کیسے دیکھیں گے؟" ویرا نے اردو میں سوال کرکے اسے چونکا دیا۔ اس نے خود پُرسکون رہ کر' نلنی کو اولیانو کے خلاف اشتعال دلانے کی کوشش کی تھی۔

"تم انگریز نہیں ہو؟" نلنی کور نے حیرت کے ساتھ ویرا سے سوال کیا۔

ویرا نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا "ہر سفید فام کو جاہل لوگ انگریز سمجھتے ہیں۔ تم تو پڑھی لکھی اور سمجھدار معلوم ہوتی ہو۔ تمہیں ایسی بے ہودہ غلطی نہیں کرنی چاہیے۔ تم نے یہی قیاس آرائی کسی فرنچ کے بارے میں کی ہوتی تو تم اس کی دوستی سے ہاتھ دھو چکی ہوتیں۔"

گفتگو کا رخ تبدیل ہونے کے ساتھ ہی ان دونوں کا غصہ بھی فرد ہوگیا تو میں نے انہیں مناسب اور محفوظ ترتیب کے ساتھ نشستیں سنبھالنے میں مدد دی اور اولیانو پھرتی کے ساتھ نلنی کے لیے بھی بلور کا ایک گلاس لے آیا۔ نلنی انکار کرتی رہی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ہماری آمد سے پہلے ایک پیگ لے چکی تھی اور زیادہ شراب نوشی کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ ذرا سی بے اعتدالی بھی اس کے بہکنے کا سبب بن جاتی تھی لیکن میں نے زبردستی اس کے لیے ایک پیگ بنا ہی دیا۔ وہ ایک سردارنی تھی اور میرے ذہن میں اس وقت سرداروں کی دانش وری کے سدابہار لطیفوں کی ایک برات سی اتری چلی آرہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ ذرا سا بہکنے کے بعد' وہ سکھنی مزید دلچسپ ہوجائے گی اور دیگر باتوں کے علاوہ ہمارے کام کے موضوع پر بھی کُھل کر بات کرسکے گی۔

اولیانو کو مسلسل ایک ہی پریشانی لاحق تھی کہ نلنی مکان کے اندرونی حصے میں چھپی ہوئی تھی اور میں بھی پیشاب کرنے کے ارادے سے اندر ہی گیا تھا پھر ہم دونوں صدر دروازے سے کیوں کر داخل ہوئے تھے؟

نلنی تو خیر اسے بری طرح نظر انداز کرنے پر تُلی ہوئی تھی' میں بھی خاصی دیر تک اسے ٹالتا رہا لیکن آخر کار مجھے اس کو پوری تفصیل سے آگاہ کرنا ہی پڑ گیا۔

"اگر وہاں کھٹکا ہوا تھا تو تمہیں کھڑکی سے کود کر بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟" میری کہانی سن لینے کے بعد اولیانو نے نلنی پر خفگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہیں رک کر آنے والے کا سامنا کرنا چاہیے تھا۔ میری چھت کے نیچے تمہیں کوئی بھیانک خطرہ تو لاحق نہیں ہوسکتا تھا۔"

"سردار جوگیندر سنگھ ویسے تو میرا مریل سا شوہر ہے لیکن بات پتے کی کہتا ہے۔" نلنی ترنگ میں آکر بولی۔ "وہ کہتا ہے کہ جب کوئی مرد تنہائی میں پرائی عورت کی طرف بڑھتا ہے تو اس کے من کی کیچڑ میں پاپ کے کنول کِھل رہے ہوتے ہیں۔ میں اس ڈراؤنے اندھیرے میں کیسے ٹھہر سکتی تھی؟"

اولیانو اس کے جواب پر برا سا منہ بنا کر رہ گیا اور ویرا مسکرانے لگی۔

"تم اپنے شوہر کو مریل کہہ رہی ہو اور اس سے بہت زیادہ ڈرتی بھی ہو۔" میں نے اسے چھیڑا۔

"وہ بس دوسروں کے سامنے مریل بنا رہتا ہے۔ میرے حق میں تو بھیڑیا ہے بھیڑیا۔ جب جوش میں آتا ہے تو کاٹ کر اور بھنبھوڑ کر میرے بدن کو نیلا اودا کر دیتا ہے۔ اس کی اسی حرکت سے اکتا کر میں نے دوسرے مردوں سے دوستی کا راستہ نکالا تھا۔" اس نے اردو میں جواب دیا۔

"کیا تمہارے شہر کے سارے مرد مر گئے تھے جو غیر ملکیوں کے پیچھے بھاگتی پھرتی ہو؟" میں نے اولیانو کو اپنے گلاس کی طرف متوجہ پاکر' اپنا سوال بھی اردو ہی میں کرڈالا۔

نلنی نے اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر گہرا سانس لیا اور بولی۔ "ایسا ہی سمجھ لو۔"

"سمجھاؤ گی تو سمجھ بھی لوں گا۔" میں نے شوخی کے ساتھ کہا۔

"میں نے بہت ساری عورتوں سے پوچھا تھا۔" وہ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد بولی "لیکن سب کا دکھ ایک ہی تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پٹیالے کے سردار بھیڑیوں کی نسل سے ہیں۔ جو سردارنیاں تگڑی ہیں' وہ اپنے مردوں کو دو چار ہاتھ مار کر بدلہ لے لیتی ہیں۔ دوسریوں کو صبر کرنا پڑتا ہے۔"

"یہ تم سے کیا کہہ رہی تھی؟" میرے زوردار قہقہے نے اولیانو کو چونکنے پر مجبور کردیا۔

"اپنی ازدواجی زندگی کا المیہ سنا رہی تھی۔" میں نے سرسری انداز میں جواب دیتے ہوئے مطلب کی بات چھیڑ دی۔ "تم ظفر کے بارے میں ویرا کو کچھ بتانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اگر تم دونوں اپنے مذاکرات ختم کرلو تو ہم نو بجے سے پہلے یہاں سے روانہ ہونا چاہیں گے۔"

اولیانو کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا اور اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں نلنی کی طرف دیکھا۔

"اس کی طرف مت دیکھو۔" میں نے اسے اطمینان دلاتا

چاہا۔ "یہ مجھے ظفر کے تیار کیے ہوئے وڈیو کیسٹ کے حوالے سے تمہاری اور اپنی پریشانی کی کہانی سنا چکی ہے۔"

"اوہ۔" اولیانو ایک گہرا سانس لے کر اپنی کرسی میں دھنس گیا۔ "کمال ہے کہ یہ چند ہی منٹ میں تم سے اتنی بے تکلف ہوگئی کہ اپنا سارا کچا چٹھا اگل بیٹھی۔ مجھے تو اسے اپنی راہ پر لانے کے لیے بہت محنت کرنی پڑی تھی۔"

"اپنے اپنے طریقہ کار کی بات ہوتی ہے۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا "تمہارے اور نلنی کے وڈیو کیسٹ کی بات تو صاف ہوچکی ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کے ذریعے ظفر تم سے کیا کام لینا چاہ رہا تھا۔"

وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش رہ کر ہم تینوں کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "بتادوں گا۔ میں نے ویرا کو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ہی اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی۔"

میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ نلنی کی موجودگی میں زبان کھولنے سے گریز کررہا تھا۔ اس کی احتیاط یا مجبوری کو سمجھتے ہوئے میں نے بھی اس پر زور ڈالنا مناسب نہیں سمجھا۔

نلنی درست کہہ رہی تھی۔ وہ گلاس خالی ہونے تک 'اسکاچ اس کے دماغ میں گھس چکی تھی اور وہ بہکے ہوئے انداز میں نت نئی بولیاں بول رہی تھی۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ویرا کو اشارہ کیا اور وہ نلنی کے خالی گلاس میں کندن انڈیلنے لگی۔ اولیانو نے' نلنی کے ساتھ ہونے والی اس زیادتی پر احتجاج کرنا چاہا لیکن میں نے سختی کے ساتھ اسے خاموش کردیا۔

"اسے بہکنے دو۔" میں نے کہا۔ "اگلا گلاس خالی کرنے کے بعد وہ ذہنی طور پر ناکارہ ہو کر رہ جائے گی اور تم بے فکری کے ساتھ اپنے مسائل پر بات کرسکو گے۔"

نلنی گہرے سرور کے عالم میں' سردار جوگیندر سنگھ کو اپنی مادری زبان میں مادر پدر آزاد گالیاں سناتے ہوئے' اپنی نازک ازدواجی محرومیوں کا شکوہ کررہی تھی۔ نشے کی حدِ فاصل عبور کرلینے کے بعد اسے اس بات کا ہوش نہیں رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جانے والا تھا۔

جھوم جھوم کر' اگلے گلاس سے شراب پیتے ہوئے' نلنی مسلسل بے ربط باتیں کیے جارہی تھی۔ اس مقام پر میں نے اسے نظرانداز کرکے اولیانو کو بولنے کی دعوت دی تو وہ کچھ سراسیمہ نظر آنے لگا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے حوصلہ دینے کی نیت سے کہا۔ "اول تو نلنی تمہاری کوئی بات نہیں سنے گی اور اس نے کچھ سن بھی لیا تو وہ اسے یاد نہیں رکھ سکے گی۔ تم بے فکری کے ساتھ اپنی کتھا سناتے چلے جاؤ۔ ہم زیادہ دیر تک یہاں نہیں ٹھہر سکیں گے۔"

"نلنی کو ویرا کے ساتھ چھوڑ کر ہم اندر چلتے ہیں۔ وہاں اطمینان سے باتیں ہوسکیں گی۔" اس نے پُرتشویش اور دھیمے لہجے میں تجویز پیش کی۔

وہ اپنے مسئلے کی رازداری کے سلسلے میں بہت زیادہ فکرمند نظر آرہا تھا اس لیے میں نے کسی پس و پیش کے بغیر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میرے اس عمل پر ویرا کی نگاہوں میں ناپسندیدگی کی علامات ابھر آئی تھیں لیکن میں نے آنکھ سے اشارہ کرکے اسے خاموش کردیا اور اولیانو کے ساتھ اندر چل دیا۔

اولیانو مجھے اپنے ساتھ لے کر اسی کمرے میں داخل ہوا جہاں سے نلنی نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ اس نے دیوارگیر سوئچ بورڈ کا بٹن دبا کر روشنی کی تو مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ دُہرے بستر والی آرام دہ اور آراستہ خواب گاہ تھی جہاں ایک گوشے میں چار نفیس کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔

"صبح تم لوگوں نے میرے دفتر میں جو باتیں کی تھیں' انہوں نے مجھے شدید الجھن میں ڈالا ہوا ہے۔" چند ثانیوں کی تفکر آمیز خاموشی کے بعد اولیانو نے زبان کھولی۔

"تم مجھے اپنے راز میں شریک کرکے اپنا ذہنی بوجھ ہلکا کرسکتے ہو۔" میں نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔ "میں اب بھی اس دعوے پر قائم ہوں کہ تمہارا دفتر بعض جرائم پیشہ لوگوں کے استعمال میں رہتا ہے۔"

"وہاں کی بات اور تھی۔ میں تمہارے ساتھ آئے ہوئے سرکاری افسروں کے سامنے اپنے شبہات کا اظہار کرتا تو خود میری پوزیشن مشکوک ہوجاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں خود بھی صورت حال سے مطمئن نہیں ہوں۔ میں اپنے اسٹاف سے پہلے دفتر پہنچنے کا عادی ہوں۔ میں نے وہاں کئی مرتبہ ایسی علامت دیکھی ہیں جس سے شبہ ہوتا ہے کہ دفتری اوقات کے بعد وہ عمارت کچھ پُراسرار لوگوں کے تصرف میں رہتی ہے۔"

"اگر تم اس معاملے میں ملوث نہیں ہو تو اطمینان سے پولیس کو اطلاع دے کر ان لوگوں کا راستہ مسدود کراسکتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ خفیہ نگرانی کرواکر' کچھ مجرموں پر ہاتھ ڈالنے میں بھی کامیاب ہوجاتے۔"

"میں نے پولیس سے رجوع کیا تو ظفر مجھے منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔"

"اس معاملے میں ظفر کہاں سے آکودا؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ساری خرابی اسی کی وجہ سے ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "مجھے حیرت ہے کہ وہ ایک اہم وفاقی ادارے کا ذمے دار افسر ہوتے ہوئے بھی مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہے۔ میں اس کے بارے....."

میں نے اضطراری انداز میں اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔ "تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ کسی اہم وفاقی ادارے میں ملازمت کرتا ہے؟"

"اس نے خود ہی بتایا تھا۔ اس کے بارے میں میری جملہ معلومات' اُسی کی بتائی ہوئی باتوں تک محدود ہیں۔" سنجیدہ موضوع چھڑ جانے کی وجہ سے وہ نشے کی جھونک سے قطعی آزاد ہوچکا تھا۔ "وہ اوّل درجے کا جھوٹا اور مکّار ہے۔ اس کا کسی سرکاری ادارے سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔"

"اب تو یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ کل رات میرے دفتر میں واقعی کافی ہڑبونگ ہوئی ہے۔ تم لوگوں کے چلے آنے کے بعد میں نے دیواروں میں گولیوں کے کم از کم سات نشانات دیکھے ہیں۔ ان میں تین میرے کمرے کی دیواروں میں پائے گئے ہیں۔"

وہ خود ہی راہِ راست پر آرہا تھا اس لیے میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔ "کل رات وہاں جو کچھ ہوا' وہ ہمارے علم میں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ ان واقعات میں ظفر کس طرح ملوث ہے؟"

"مجھے تفصیل یاد نہیں لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ ظفر کسی بہانے سے خود ہی مجھ سے آٹکرایا تھا۔" اس نے جھجکتے ہوئے اپنی بات شروع کی۔ "ہسپانوی زبان پر اس کی قابل رشک مہارت کی وجہ سے' میں بہت تیزی کے ساتھ اس کے قریب ہوتا چلا گیا۔ وہ وقتاً فوقتاً میرے دفتر بھی آتا رہتا تھا۔ ایک دن اس نے مجھ سے اجازت چاہی کہ وہ رات بھر کے لیے ایک اہم قیدی کو میرے دفتر میں رکھ سکے تو میں نے نہایت برہمی کے عالم میں اس کی بات مسترد کردی۔ اب مجھے خیال آتا ہے کہ ظفر نے میرے انکار پر اپنی تحقیر محسوس کی تھی اور شاید وہ اُسی وقت سے اپنی منصوبہ بندی میں مصروف ہوگیا تھا۔ اس کے بعد ہی اس نے نلنی کو مجھ سے متعارف کرایا۔"

"اور تمہیں معلوم تھا کہ نلنی بھارتی سفارت خانے کے ایک اہل کار کی بیوی ہے؟"

"یہ بات تیسری یا چوتھی ملاقات میں میرے علم میں آئی۔ ویسے بھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ میں پیڑ گننے کے بجائے آم کھانے کا عادی ہوں اور وہ مجھے بڑی فیاضی سے مل رہے تھے۔"

"اس کے بعد' تمہارے ساتھ ظفر کا کیا رویّہ رہا؟" میں نے اسے اصل موضوع یاد دلاتے ہوئے کہا۔

"اس نے مجھ سے کئی بار البرٹو ملیسا نامی' کسی کولمبین کا ذکر کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ شخص بوگوٹا میں خاصا مشہور اور اثر و رسوخ کا مالک تھا لیکن میں بدقسمتی سے اس شخص سے ناواقف تھا۔ آج صبح ویرا نے ہسپانوی زبان میں البرٹو ملیسا کا ذکر چھیڑا تو مجھے پہلی بار اس نام کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ اسی کے ساتھ میرے ذہن میں ظفر کی یاد تازہ ہوگئی اور میں نے ویرا کو اپنے گھر آنے کی دعوت دے ڈالی۔ نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔"

"نلنی سے تمہارے عاشقانہ مراسم استوار ہونے کے بعد ظفر کا کیا کردار رہا تھا؟"

"میرا خیال ہے کہ یہی سب سے اہم بات ہے۔" وہ کھانستے ہوئے بولا۔ "نلنی بھرپور مردانہ رفاقت سے ترسی ہوئی' ایک شادی شدہ عورت ہے۔ وہ اسی حوالے سے نت نئے تجربوں کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہے۔ اسے مجھ سے ملوانے کے چند دنوں بعد' ظفر نے ایک مرتبہ پھر میرے دفتر کے استعمال کا معاملہ چھیڑا تو میں نے درشت انداز میں اپنا پرانا مؤقف دُہرا دیا۔ میں اپنے ملک کی جانب سے ایک اہم سفارتی منصب پر فائز ہوں۔ میں اس منصب سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے ملک کی ساکھ کو نقصان پہنچانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اس رات ظفر میرے ساتھ پیتا رہا پھر اس نے سرسری انداز میں مجھے ایک فلم دیکھنے کی پیشکش کی۔ وڈیو کیسٹ وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ ٹیلی ویژن کی اسکرین روشن ہوئی تو میرا دماغ ماؤف ہو کر رہ گیا کیونکہ وہ میری اور نلنی کی خلوت کی تفصیلی فلم تھی۔ نلنی بہت بے ہودہ اور جارح عورت ہے اس لیے میں وہ پوری فلم نہیں دیکھ سکا۔ میرے شدید اصرار پر' وڈیو کا بٹن آف کرتے ہوئے' ظفر نے مجھے آگاہ کیا کہ وہ اپنی کچھ ناگزیر ضروریات کے لیے میرے دفتر کو استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور اگر میں نے اس بارے میں ذرا بھی لب کشائی کی تو وہ میری اور نلنی کی وڈیو فلم تمام سفارتی حلقوں میں پہنچادے گا۔ میں آج بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اسے میرے دفتر کے استعمال کے لیے' میرے ساتھ ایسی گھٹیا حرکت کی کیا ضرورت تھی؟ وہ اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کے لیے کوئی جگہ کرائے پر بھی لے سکتا تھا۔"

وہ بات اس کے لیے ناقابل فہم تھی لیکن میرے لیے صاف اور واضح۔ پہلے البرٹو اپنی اصل قومیت کا فائدہ اٹھا کر اولیانو کو گھیرنا چاہ رہا تھا۔ جب اسے اندازہ ہوا کہ اولیانو کولمبین ہوتے ہوئے بھی اس نام سے لاعلم ہے تو اس نے نلنی والا حربہ آزمانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ ظفر کے روپ میں اسپیشل ٹاسک فورس میں ایک ذمے دار عہدے پر فائز تھا اس لیے آبادی میں کوئی مکان خریدنے یا کرائے پر لینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ مشتبہ افراد کی آمد و رفت اور مجرمانہ سرگرمیوں کی وجہ سے ایسا کوئی بھی ٹھکانا' جلد یا بدیر لوگوں کی نظروں میں آسکتا تھا جب کہ ویران اور دور افتادہ



علاقے میں واقع' اولیانو کا دفتر اس کے گھناؤنے مقاصد کے لیے ہر اعتبار سے موزوں تھا۔ اولیانو کو قابو میں رکھ کر وہ پوری بے فکری سے اپنا کام جاری رکھ سکتا تھا۔

"میں اب بھی ظفر سے خوف زدہ ہوں۔" کچھ دیر کے بعد اولیانو نے کہا۔ "اگر اسے بھنک بھی مل گئی کہ میں نے اس کی بلیک میلنگ کے بارے میں تم کو اعتماد میں لیا ہے تو وہ مجھے رسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔ میں اس خطرے سے ہر صورت میں محفوظ رہنا چاہتا ہوں۔"

"تمہیں اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ کل رات کے واقعات کے بعد وہ رُوپوش ہوگیا ہے۔ وہ تم سے رجوع کرے تو تم اپنے رویّے میں کوئی تبدیلی نہ آنے دینا اور خاموشی سے مجھے فون پر خبر کردینا۔ یہ میری ذمے داری ہے کہ اس کی گرفتاری کے بعد تمہارا نام یا نلنی والا اسکینڈل بالکل نہیں اچھالا جائے گا۔"

"تم کہتے ہو تو میں مانے لیتا ہوں ورنہ سرکاری اداروں کا اپنا طریقہ' کار ہوتا ہے۔ وہ لگے بندھے انداز میں کام کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ انہیں کسی کی ذاتی مجبوریوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔"

"یہ دیکھنا میرا کام ہے۔" میں نے اس کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کرسی چھوڑ دی۔

ہم دونوں ڈرائنگ روم میں پہنچے تو نلنی صوفے کی پشت گاہ سے اپنا سر ٹکائے اونگھ رہی تھی اور ویرا اکتائے ہوئے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ "یہ اب ایک دو گھنٹے سے پہلے نارمل نہیں ہوسکے گی۔"

"یہ ہمارا نہیں' اس بڈھے کا مسئلہ ہے۔" میں نے اردو میں کہا "اب یہاں سے نکل چلو۔"

اس وقت تک اولیانو کے سر سے عشق کا بھوت اتر چکا تھا اور وہ سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔ میں نے رابطے کے لیے اسے ایس ٹی ایف کے ریسٹ ہاؤس کا نمبر دیا اور ہم دونوں وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ "بلیک میلنگ کی وہی گھسی پٹی کہانی ہے جو ازل سے چلی آرہی ہے۔" راستے میں اولیانو کی کہانی میری زبانی سننے کے بعد ویرا نے تبصرہ کیا "لیکن اس کا شکار ہونے والے کو یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ محسوس ہوتا ہے۔"

"میرے حساب سے یہ بھاگ دوڑ بے سود ہی رہی۔" میں نے کہا۔ "اولیانو کے بیان سے صرف یہ بات صاف ہوئی ہے کہ ظفر دفتری اوقات کے بعد زبردستی اس عمارت کو استعمال کرتا رہا ہے۔ اس کی موجودہ کمین گاہ کے بارے میں ہم اب بھی تاریکی میں ہیں۔"

"ہمیں صبر کے ساتھ اس کے نمودار ہونے کا انتظار کرنا ہوگا۔ کھوٹہ والے بندروں کے پکڑے جانے کے بعد وہ کوئی نیا منصوبہ بروئے کار لانے پر مجبور ہوجائے گا۔"

"اور یہ امکان بھی ہے کہ وہ کچھ عرصے کے لیے پاکستان سے فرار ہوجائے اور حالات سازگار ہونے کے بعد دوبارہ' خاموشی سے یہاں پہنچ جائے۔ ایسی صورت میں ہم کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔"

"پتا نہیں اس بارے میں اسپیشل ٹاسک فورس والے کیا کررہے ہیں۔" ویرا کے لہجے سے فکرمندی عیاں ہو رہی تھی۔

"لیکن ظفر ایک مجرم ہے۔ اس کے ذہن پر یہ خوف ضرور سوار ہوگا کہ اس کے فرار کے انسداد کے لیے ہوائی اڈوں وغیرہ پر کڑی نگرانی شروع کرادی گئی ہوگی۔"

"اسے یہ خوف اسی وقت ہوگا جب لاجسٹکس سیکیورٹی سیل کی آتش زدگی میں جل کر مرنے والے' آصف علی کا قصہ منظرِ عام پر آئے گا۔ فی الحال تو ایس ٹی ایف والے اس معاملے کو دبائے رکھنے کے موڈ میں نظر آرہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں البرٹو کا حوصلہ بڑھ جائے گا۔"

"ہماری بات نہیں ہوئی لیکن مجھے یقین ہے کہ اول خان اور اس کے افسران اس پہلو سے غافل نہیں ہوں گے اور ملک سے نکاسی کے راستوں پر نگاہ رکھی جارہی ہوگی۔ ایسا نہ کیا گیا ہو تو ان لوگوں کی ساری منصوبہ بندی پر پانی پھر جائے گا اور البرٹو صاف نکل جائے گا۔"

"کیوں نہ شہباز خان کے اڈے کا چکر بھی لگا لیا جائے؟" میں نے ویرا سے کہا۔ "آخر میں وہی ہمارے سامنے رہ گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے البرٹو ویلیسا کا کوئی سراغ مل سکے۔"

"اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا لیکن براہِ راست اس سے مل کر کوئی نتیجہ نہیں نکل سکے گا۔" وہ گہری سوچ کے ساتھ بولی۔ "گھاگ مجرم جس سے دوستی کرلیتے ہیں۔ اس سے آخری سانس تک وفا کرتے ہیں۔ شہباز خان کچھ جانتا بھی ہوگا تو صرف دھونس اور دھمکیوں سے اپنی زبان نہیں کھولے گا۔"

وہ معقول بات کہہ رہی تھی اس لیے میں نے براہِ راست شہباز خان کے اڈے کا رخ کرنے کا ارادہ ملتوی کردیا اور اول خان کے دفتر والی عمارت کی طرف روانہ ہوگیا۔

اس وقت دفتر والا حصہ بند ہوچکا تھا۔ عمارت کے اقامتی حصے میں بھی سناٹا نظر آرہا تھا۔ چوکیدار نے بتایا کہ اول خان کافی دیر سے باہر گیا ہوا تھا اور اس کی واپسی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

تازہ دم ہونے کے بعد میں نے پوری صورتِ حال کا سرسری جائزہ لیا تو ہماری اس مہم میں البرٹو ویلیسا کے دو مقامی مددگار ہمارے سامنے آسکے تھے۔ ان میں سے ایک شخص' کھوٹہ کی وادی سے بندروں کے ساتھ گرفتار ہونے کے بعد مرگیا تھا۔ دھماکے سے پھٹنے والے بندر کے ساتھ اس کا چہرہ بھی اڑ گیا تھا جس کی وجہ سے اس کی شناخت نہیں ہوسکتی تھی۔ دوسرا' راجا بازار والا بدمعاش تھا جو ہماری نظروں میں آنے کے بعد ہمارا قیدی بنا تھا۔ اس وقت ہمارے پاس کوئی محفوظ ٹھکانا نہیں تھا اس لیے ہم اسے قید رکھنے

کے بجائے ہلاک کرنے پر مجبور ہوگئے۔ ہم نے اس کی لاش شہر سے باہر' ایک ویرانے میں پھینکی تھی لیکن بعد میں اول خان نے اسے وہاں سے بھی غائب کرانے کا بندوبست کردیا تھا۔ اس طرح ہماری نگاہوں میں آنے والے دونوں آدمی اس دنیا میں نہیں رہے تھے لیکن ان میں یہ فرق تھا کہ بندر کے ساتھ مرنے والے کی ہلاکت کی خبر اخبارات میں شائع ہونے کی وجہ سے البرٹو کے علم میں آسکتی تھی جبکہ راجا بازار والے بدمعاش کا انجام صیغۂ راز میں تھا۔ میں نے عبدل نامی اس بدمعاش کا تعاقب کرتے ہوئے' شہباز خان کے اڈے کا محلِ وقوع اور پتا ذہن نشین کرلیا تھا لیکن اس کے فون نمبر سے میں لاعلم تھا۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری میں محمد شہباز' شہباز احمد اور اسی سے ملتے جلتے ناموں کی ایک طویل قطار موجود تھی لیکن پتے کے سہارے میں نے اس کا نمبر تلاش کر ہی لیا۔

"کیا اسے فون کرنے کا ارادہ کررہے ہو؟" ویرا نے میری مصروفیت کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"یہی راہ سب سے بہتر نظر آتی ہے۔" میں نے اسے جواب دیتے ہوئے ریسیور اٹھالیا۔ سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے فوراً ہی کسی لڑکی نے فون اٹھایا تھا۔

"شہباز سیٹھ سے بات کرادو۔" میں نے بدلی ہوئی اور قدرے نحیف آواز میں پورے اعتماد سے کہا۔

"تم کون بول رہے ہو؟" میرے پُراعتماد لہجے نے شاید اس لڑکی کو حیران کردیا تھا۔

"عبدل بول رہا ہوں۔ مجھے شہباز سیٹھ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے اصرار کیا۔

"وہ اس وقت اپنے دوستوں اور مہمانوں کے ساتھ مصروف ہے اور کسی سے بات نہیں کرے گا۔ تم اپنا پیغام دے دو۔ میں موقع ملتے ہی تمہارا پیغام اسے دے دوں گی۔"

"تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔ میں لائن ہولڈ کر رہا ہوں۔ تم اسے میرے بارے میں بتا دو۔ اگر وہ بات کرنے سے انکار کردے تو میں تمہیں تنگ نہیں کروں گا۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ وہ اس وقت کوئی بات نہیں سنے گا اور مجھے ڈانٹ دے گا۔ ایسا ہی ضروری ہے تو تم بارہ بجے کے لگ بھگ فون کرلینا۔ اس وقت وہ خود ہی فون اٹھائے گا۔" دوسری طرف سے مشورہ دیا گیا۔

"تم بات نہیں سمجھ رہیں۔" میں نے تقریباً کراہتے ہوئے کہا۔ "میں نے یہ فون بھی بہت مشکل سے کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بارہ بجے تک میں زندہ ہی نہ رہ سکوں......"

"اوہ! تو کیا تم زخمی ہو؟" لڑکی نے میری بات کاٹ کر تیزی سے سوال کیا تھا۔

اس بار میرا تیر نشانے پر لگا تھا۔ میں نے ویرا کو آنکھ مارتے ہوئے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "مجھے دو کاری زخم آئے ہیں اور ان سے مسلسل خون بہہ رہا ہے۔"

"ایسی خراب حالت میں تم کہاں سے فون کررہے ہو؟" ایسے معاملات کے بارے میں وہ لڑکی خاصی سوجھ بوجھ کی مالک معلوم ہوتی تھی۔

"میں کھڑکی کا شیشہ توڑ کر اس ویران مکان میں داخل ہوا ہوں۔" میں نے فی الفور وہ بہانہ تراشتے ہوئے کہا۔ "میں پچھلے ایک گھنٹے سے یہاں چھپا ہوا ہوں۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ یہاں فون بھی موجود ہے......"

اس لڑکی نے ایک مرتبہ پھر میری بات کاٹ دی۔ "تم مجھے فون نمبر دے کر اپنے زخموں کی مرہم پٹی کرانے کی کوشش کرو۔ میں باس سے ابھی فون کرواتی ہوں۔ اس وقت تمہارے زخموں سے بہتے ہوئے خون کا روکا جانا بہت ضروری ہے ورنہ تم واقعی مرجاؤ گے۔"

"تمہاری ہمدردی کا شکریہ۔ لیکن تم بہت زیادہ بحث کرتی ہو۔ مجھے یہاں کا فون نمبر معلوم نہیں ہے اس لیے میں تمہیں نمبر نہیں دے سکتا۔ تم اپنے باس سے میری بات کرادو تو میں تمہارا احسان مند رہوں گا۔"

"ہولڈ کرو' میں کوشش کرتی ہوں۔" میری ضد کے آگے اسے ہتھیار ڈالنے ہی پڑ گئے۔

خاصے طویل وقفے کے بعد میرے کانوں میں ایک بھاری اور درشت آواز گونجی۔ "تم کون ہو اور بلاوجہ مجھے کیوں فون کیا ہے؟ میں کسی عبدل کو نہیں جانتا۔"

"تم بھول رہے ہو' سیٹھ!" میں نے جلدی سے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "میں کل صبح ظفر کے ساتھ تمہارے پاس آیا تھا اور ہم نے ایک ساتھ ناشتا کیا تھا پھر تم ظفر کے ساتھ اندر چلے گئے تھے......!"

"اوہ! میں سمجھ گیا۔ تو تم ظفر کے ساتھ آئے تھے۔ شاید دوپہر میں تم دوبارہ اسکاچ کی بوتل لینے بھی آئے تھے؟" ایک صحیح حوالہ ملنے پر اس کی یادداشت نے فوراً کام کرنا شروع کردیا۔

"ہاں۔ خدا کا شکر ہے کہ تم نے مجھے پہچان لیا۔ میں اس وقت بہت بری اور زخمی حالت میں ہوں۔" میں نے اطمینان کا گہرا سانس لینے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"لڑکی تمہارے بارے میں مجھے بتا چکی ہے۔" اس کی آواز سے بے پروائی مترشح تھی۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟"

"مجھے ظفر کا پتا درکار ہے۔ اس وقت میں بہت خراب حالت میں ہوں۔ مجھے فوری مدد کی ضرورت ہے۔ میں اکیلا کسی بھی اسپتال میں گیا تو گولیوں کے زخموں کی وجہ سے دھر لیا جاؤں گا۔ ویسے بھی مجھ سے چلا نہیں جارہا......"

"تمہیں یہ زخم کیسے آئے؟" اس نے میرے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"ظفر کے مخالفوں سے سامنا ہوگیا تھا۔ میرے ستارے اچھے تھے کہ زخمی ہوکر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا ورنہ وہ دونوں مجھے زندہ نہ چھوڑتے۔ تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ ظفر کہاں مل سکتا ہے؟" "یہ بہت ٹیڑھا مسئلہ ہے۔" اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔ "میں مار دھاڑ اور خون خرابے کے معاملات سے بہت دور رہتا ہوں کیونکہ میری لائن کچھ اور ہے۔ اسی لیے میں اپنا کوئی آدمی بھی تمہاری طرف نہیں بھیج سکتا۔ ویسے یہ سیدھا پولیس کیس ہے۔ میں تمہیں ظفر کا ٹھکانا بھی نہیں بتا سکتا۔ وہ خود بھی اپنے دشمنوں سے چھپتا پھر رہا ہے۔ اس سے بات ہوئی تو میں اسے تمہارے بارے میں آگاہ کردوں گا۔"

"اس وقت تک تو شاید میں زندہ ہی نہیں رہوں گا۔" میں نے مایوسی کے عالم میں کہا۔ "بے بسی اور تنہائی کی اس موت کے تصور سے تو میرا رواں رواں کانپ اٹھا ہے۔" آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے میری آواز پر غیر ارادی طور پر رقت طاری ہوگئی۔ میرے اس لب و لہجے نے اس کا دل موم کردیا اور اس نے فی الفور کہا۔ "تم اس ویران گھر میں واقعی زندہ درگور ہو جاؤ گے۔ میں تمہیں اپنی برادری کا آدمی سمجھ کر تمہیں بتا رہا ہوں کہ ظفر سیٹلائٹ ٹاؤن کی ایک کوٹھی میں روپوش ہے لیکن تم اس کو نہیں بتاؤ گے کہ تمہیں اس کا پتا مجھ سے ملا ہے۔ تم مجھ سے حلفیہ وعدہ کرو گے تب ہی میں تم کو اس کا فون نمبر دوں گا۔ میں ظفر جیسے جگری دوست کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ اس نے مجھے سخت ترین رازداری کی تاکید کی تھی۔ تمہاری حالت اس قدر نازک نہ ہوتی تو میں کسی بھی قیمت پر تمہیں یہ نمبر نہ دیتا۔"

خوشی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ شہباز خان جیسے خطرناک اجنبی کو یوں شیشے میں اتار لینا میری بہت بڑی کامیابی تھی پھر اس کی عائد کی ہوئی شرط میرے اپنے مفاد میں تھی۔ وہ مجھے ظفر کا فون نمبر دے کر بے غم ہوجاتا اور اسے اس گفتگو کی ہوا بھی نہ لگنے دیتا۔ اس طرح ہمیں اس کے خلاف بھرپور کارروائی کرنے کا سنہرا موقع مل سکتا تھا جس کے نتیجے میں البرٹو ہمارے جال میں آسکتا تھا۔ "میں کلام پاک کی قسم کھاتا ہوں کہ ظفر کو تمہاری مدد کے بارے میں نہیں بتاؤں گا۔ میں بس زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ بچ گیا تو عمر بھر تمہارا احسان مند رہوں گا۔ مرگیا تو اللہ تمہیں تمہاری نیک نیتی کا اجر دے گا۔" میں نے کسی قریب المرگ بھکاری کی طرح' رقت آمیز لہجے میں کہا۔

"تم زندہ رہو گے۔" وہ میری بھرپور صداکاری سے متاثر ہوکر میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بولا۔ "میرے پیشہ ورانہ اصول مانع نہ ہوتے تو میں اپنے کسی آدمی کو تمہاری طرف ضرور بھیجتا۔ لیکن اب ظفر ضرور تمہاری خبر گیری کرے گا۔ تم اس کا نمبر لکھ لو۔" اس نے مجھے نمبر لکھوایا اور میری زبان سے اس کے لیے دعاؤں کا ایک دریا رواں ہوگیا۔ اس نے میری قطع کلامی کر کے مجھے سپردِ خدا کرتے ہوئے فون بند کردیا۔

میری نگاہ میں وہ اتنی بڑی کامیابی تھی کہ میں ریسیور کریڈل پر رکھتے ہی اچھل کر مسہری سے نیچے آگیا۔

"خوشی میں آپے سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں۔" ویرا' جو میری پوری گفتگو سنتی رہی تھی' ناک منہ چڑھا کر بولی۔ "اس سے بات کرتے ہوئے تم ایک بے ضمیر گداگر معلوم ہو رہے تھے۔ تمہیں خود کو اس قدر گرا کر بات کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میری اس صداکاری کی وجہ سے البرٹو ویلیسا کی کمین گاہ کا پہلا سراغ ملا ہے ورنہ آپریٹر شہباز خان کو فون پر بلانے تک پر آمادہ نہیں تھی۔ اس بار ہم پوری تیاری کے ساتھ البرٹو پر وار کرسکیں گے اور وہ کسی بھی طرح ہمارے پھندے سے نہیں بچ سکے گا۔" میں نے ترشی کے ساتھ اسے جواب دیا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی۔ "بس' اتنی سی بات پر چڑ گئے۔"

"چڑنے والی بات ہی ہے۔ میں فون پر بات کر رہا تھا اور موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے' بات کو بڑھاتا چلا جا رہا تھا اور تم نے دور سے جائزہ لے کر بڑے آرام سے ایک اعتراض جڑ دیا۔"

"وہ کہاں چھپا ہوا ہے؟" اس نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"سیٹلائٹ ٹاؤن' راولپنڈی میں۔" میں نے کہا۔ "یہ وہی علاقہ ہے جہاں تم نے لاہور سے واپسی کے بعد' ایس ٹی ایف والوں کی گاڑی چھوڑی تھی۔ اس کا شمار پنڈی کی قدیم متمول آبادیوں میں ہوتا ہے۔ فون نمبر کی مدد سے پتے کا سراغ اول خان ہی لگا سکے گا۔"

"تمہارے ملک کی ایک ادا مجھے بہت پسند آئی ہے۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

"وہ کیا؟"

"اچھے کاموں کو ایک آدھ بار سرانجام دے کر پورے خلوص سے ترک کردیا جاتا ہے لیکن بری روایات کو زندہ رکھنے کی سرتوڑ کوششیں کی جاتی ہیں جو بار آور ثابت ہوتی ہیں۔" اس نے کہا۔

"تمہیں یہ بات اس وقت کیسے یاد آگئی؟ کیا ہماری گفتگو سے اس کا کوئی واسطہ ہے؟"

"بہت گہرا واسطہ ہے۔ مہذب ملکوں میں ناموں کے ساتھ نمبروں کی ترتیب والی فون ڈائریکٹریاں بھی چھاپی جاتی ہیں۔ میں نے بس کراچی میں ایسی ایک پرانی ڈائریکٹری دیکھی تھی جو بیشتر نمبروں کی تبدیلی کی وجہ سے اپنی افادیت کھو بیٹھی ہے۔ دوسرے شہروں میں شاید اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ وہ ہوتی تو ابھی چند سیکنڈ میں ظفر کی کمین گاہ کا پتا معلوم ہوجاتا۔"

میں خاموشی سے سر ہلا کر رہ گیا۔ ویرا کا مشاہدہ اتنا تیز تھا کہ اپنے گرد و پیش کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اس کی نظروں سے محفوظ نہیں رہتی تھی اور اس کا ہر ٹیڑھا سوال مجھے عموماً لاجواب کردیتا تھا۔

ہم دونوں شہباز کی کمین گاہ کے سراغ کے سلسلے میں ہونے والی' حوصلہ افزا پیش رفت پر تبادلۂ خیال میں مصروف تھے کہ

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے بے دلی کے ساتھ ریسیور اٹھا لیا۔ میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ فون کال میرے لیے بھی ہوسکتی تھی۔ اس پر' غیر متوقع طور پر غزالہ کی آواز سن کر میرا دل خوش ہوگیا۔ اس نے نہایت شائستہ اور باوقار انداز میں میرے بارے میں دریافت کیا تھا۔

"خادم تمہاری آواز سن رہا ہے' ڈارلنگ!" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔

"تم پنڈی جا کر مجھے بھول ہی گئے ہو۔" غزالہ میری آواز سنتے ہی پھٹ پڑی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وفورِ جذبات سے اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "میرا خیال تھا کہ اگر تم وہاں کچھ الجھنوں میں پھنس گئے ہو تو کم از کم مجھے روزانہ فون ضرور کرتے رہو گے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ فالتو وقت میں ویرا تمہیں مصروف رکھنے لگی ہے اور تم رفتہ رفتہ مجھے بھولتے جا رہے ہو......"

"صبر سے کام لو غزالہ!" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔ "تم نے تو ایک ہی سانس میں شکایتوں کے دفتر کھول دیے۔ میں نے تمہیں کل یا پرسوں ہی تو فون کیا تھا۔"

"تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ کہیں قدم جماتے ہی مجھے اپنے نمبر سے آگاہ کرو گے لیکن پھر تم بھول گئے۔ میں نے کئی جگہ ناکام کوششیں کرنے کے بعد' اول خان کی بیوی سے اس کا نمبر لیا ہے اور تم اس نمبر پر موجود ہونے کے باوجود میری دسترس سے باہر تھے۔"

"میں آج ہی یہاں منتقل ہوا ہوں۔" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "تم چاہو تو اُس سے اس امر کی تصدیق کرسکتی ہو۔ وہ آئے گا تو میں اس سے تمہاری بات کرادوں گا۔"

"اب تم کب تک اسلام آباد میں بیٹھے رہو گے؟" آخرکار اس نے وہ سوال کر ہی ڈالا۔

جب تک میری اس سے شادی نہیں ہوئی تھی وہ بدترین حالات کا مقابلہ کر کے بھی تنہا زندگی گزارتی رہی تھی۔ میں محض اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر' اس کے پیچھے لمبے لمبے سفر کرتا رہا لیکن وہ کہیں بھی میری مدد کی محتاج نہیں تھی لیکن جب سے مکاؤ کے ڈون کوانگ فو نے اپنے نادر شاہی احکام کے ذریعے میری اور اس کی شادی کرائی تھی' وہ تیزی کے ساتھ میرے سہارے کی عادی ہوتی چلی جا رہی تھی۔ سچ بات یہ ہے کہ میری طرف سے کفالت کے علاوہ تحفظ اور گہری رفاقت کی فراہمی پر اس کا پورا پورا حق بھی تھا لیکن میری ناگزیر مجبوریاں' بدستور میرا تعاقب کر رہی تھیں اور میں اسے پہلے کی طرح' اکیلا چھوڑنے پر مجبور ہوگیا تھا۔

"میں فارغ ہونے کے بعد ایک لمحے کے لیے بھی یہاں نہیں رکوں گا۔" میں نے پُرزور لہجے میں اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ "آج کچھ اہم پیش رفت ہوئی ہے۔ شاید میں ایک آدھ روز میں یہاں سے نکل سکوں۔"

ریسیور پر اس کے ایک گہرے سانس کی آواز ابھری پھر اس نے کہا۔ "میں تم کو بلاوجہ پریشان نہیں کرنا چاہتی لیکن اب مجھے اپنی تنہائی سے خوف آنے لگا ہے کیونکہ یہاں بھی کچھ نئے خطرات سر ابھارنے لگے ہیں۔"

اس کی زبان سے خوف کا لفظ سن کر میں حیران رہ گیا۔ "تم کن حالات کی بات کر رہی ہو؟ تمہاری زبان سے ڈر اور خوف کے الفاظ بہت نامانوس لگتے ہیں۔"

"ڈینی! میں فولاد کی بنی ہوئی نہیں ہوں۔ گوشت پوست کا وجود رکھنے والی ایک زندہ عورت ہوں۔ میں کب تک اندھے خطرات سے کھیلتی رہوں گی؟ دو روز سے میں ہر ہلکی سی آہٹ پر بھی بری طرح چونک پڑتی ہوں۔"

"دو روز سے کیا تبدیلی رُونما ہوئی ہے۔ تم مجھ سے کھل کر بات کرو۔" میں نے اس پر دباؤ ڈالا۔

"دو دن سے کچھ مشتبہ افراد' میرا اور سلطان شاہ کا پیچھا کر رہے ہیں۔ وہ تعداد میں کئی ہوتے ہیں اور ہم جہاں بھی جاتے ہیں وہ سائے کی طرح اپنی گاڑیوں میں ہمارا تعاقب کرتے ہیں۔"

میں بری طرح چونک پڑا کیونکہ وہ تشویش ناک خبر تھی۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "ان کا مقصد کیا ہے؟ کیا وہ اتنے احمق ہیں کہ خود کو تمہاری نظروں سے محفوظ بھی نہیں رکھ سکتے۔"

"وہ ہم سے پوشیدہ رہنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ میرا تو اندازہ ہے کہ انہوں نے ہمیں دیدہ و دانستہ اپنی موجودگی کا احساس دلانے کی کوشش کی ہے۔ ان کا رویّہ بہت وحشت انگیز اور عجیب ہے۔ وہ چھپتے ہیں اور نہ کھل کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ کہیں میدان صاف ہو تو دور ہی سے ہتھیار لہرا لہرا کر شاید ہمیں خوف زدہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مجھے ہر لمحہ یہ خوف لاحق رہنے لگا ہے کہ کہیں وہ دروازہ توڑ کر فلیٹ میں نہ گھس آئیں۔"

"تو کیا فلیٹ کی بھی نگرانی کی جا رہی ہے؟" اس کی کہانی نے مجھے پریشان کردیا تھا۔

"وہ ہر وقت ہمارے قرب و جوار میں منڈلاتے رہتے ہیں۔ آج سلطان شاہ ان کو چیک کرنے کے لیے' صبح کے چار بجے گاڑی لے کر نکلا تو اس وقت بھی بڑی بڑی' بے ترتیب داڑھیوں والے دو لحیم شحیم قبائلی اپنی کار میں اس کے پیچھے ہولیے۔ صبح کا سناٹا ہونے کے باوجود انہوں نے سلطان شاہ کو گھیرنے کی کوئی کوشش نہیں کی اور واپسی میں ایک بار پھر کہیں غائب ہوگئے۔"

وہ واقعی بہت روح فرسا صورتِ حال تھی۔ "ایسا تو نہیں کہ وہ سلطان شاہ کے خاندان کے دشمنوں میں سے ہوں۔ ان لوگوں میں خاندانی رقابتیں عجیب و غریب انداز میں پشت در پشت چلتی ہیں۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔

"میں نے بھی یہ سوچا تھا لیکن سلطان شاہ نے میری تردید کردی۔ ان اطراف کے لوگ انتقام سے اندھے ہوکر آتے ہیں اور براہِ راست مرنے مارنے پر تلے رہتے ہیں۔ اس قسم کی اعصاب شکن آنکھ مچولی کھیلنا ان کی مردانگی اور روایات کے

خلاف ہے۔"

"تم دونوں فلیٹ چھوڑ کر' چند روز کے لیے جہانگیر کے گھر منتقل کیوں نہیں ہوجاتے؟ وہاں تمہیں گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔" میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد کہا۔

"اس کی بیوی کا رویّہ توہین آمیز اور ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔ میں ان لوگوں سے خوفزدہ نہیں بلکہ پریشان ہوں اور تمہیں یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ کراچی میں بھی تمہاری کچھ ذمے داریاں ہیں۔"

"مجھے اندازہ ہے کہ تم دونوں ڈرپوک نہیں ہو لیکن ان نامعلوم لوگوں کا پُراسرار رویّہ تشویش کا باعث ہے۔ یہ پتا چلنا ضروری ہے کہ وہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ہی ان کے بارے میں کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ ویسے میں فوری طور پر اول خان کے ذریعے ایس ٹی ایف کے محافظوں کا بندوبست کرائے دیتا ہوں تاکہ یہ معاملہ خونریز تصادم کا روپ نہ دھار سکے۔"

"مجھے کسی تصادم کی بھی فکر نہیں ہے۔ موت صرف ایک بار اور وہ بھی اپنے مقررہ وقت پر آنی ہے۔ اس سے پہلے کوئی کسی کو نہیں مار سکتا اور وقت آجائے تو اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ اس وقت تم شہر سے باہر ہو۔ مجھے یہ کمی بری طرح کھل رہی ہے۔"

"میں اب جلد ہی یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوں۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "لیکن تم دونوں غیر ضروری دلیری کا مظاہرہ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ پتا نہیں کب ان لوگوں کے تیور بدل جائیں۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ تمہاری نگرانی کے ذریعے کسی اور تک پہنچنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں میری یا ویرا کی تلاش ہو۔ وہ تم دونوں کو ہراساں کرکے ہمارا رخ کرنے پر مجبور کرنا چاہ رہے ہوں۔"

"تمہارا یہ اندازہ زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے۔" وہ پُرجوش لہجے میں بولی۔ "کمال ہے کہ یہ بات میری سمجھ میں کیوں نہیں آسکی۔"

میں نے اسے تسلی دینے کے بعد' سلطان شاہ سے بات کی تو وہ بھی میری طویل غیر حاضری سے ناخوش تھا اور اس کا ذمے دار ویرا کو سمجھ رہا تھا۔ اس سے گفتگو کے دوران میں یہ پتا چلا کہ ان لوگوں کا پیچھا کرنے والوں میں سے بیشتر کی وضع قطع سرحدی قبائلیوں یا افغانوں سے مشابہ ہے۔ ان کی اصل قومی یا علاقائی حیثیت کا تعین ان سے بات چیت کرنے کے بعد ہی کیا جاسکتا تھا جس کی نوبت نہیں آئی تھی۔

میں نے سلطان شاہ کو ان لوگوں سے کسی دانستہ تصادم سے گریز کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کردیا اور ویرا کے پاس آبیٹھا۔ کراچی کی اس صورتِ حال نے مجھے مضطرب کردیا تھا۔ ویرا بھی وہ نئی کہانی سن کر فکرمند نظر آنے لگی تھی لیکن البرٹو ویلیسا کا معاملہ اس نہج پر پہنچ چکا تھا کہ ہم اسے ادھورا چھوڑ کر' کراچی روانہ نہیں ہوسکتے تھے۔ اگر حالات ہمارا ساتھ دیتے تو وہ معاملہ اسی رات بھی نمٹ سکتا تھا۔

غزالہ لاکھ بے خوف اور دلیر سہی لیکن ایک مشرقی لڑکی تھی۔ وہ جب تک تنہائی کا شکار رہی' سب کچھ بھول بھال کر' پوری قوت سے اپنے حریفوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتی رہی لیکن ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے میری ذات کا ازدواجی سہارا میسر آتے ہی وہ تیزی کے ساتھ اپنے نسوانی خول میں سمٹ کر ایک روایتی عورت بن گئی تھی جو تحفظ اور عافیت کے لیے ہمیشہ اپنے مرد کی طرف دیکھتی ہے۔ میں نے ہزاروں ارمانوں اور طویل جدوجہد کے بعد اسے اپنایا تھا' اس لیے میں اس کی پریشانی کو اپنے دل کی گہرائیوں میں موجزن محسوس کر رہا تھا۔ یہ میرا فرض بنتا تھا کہ میں اولین فرصت میں کراچی واپس پہنچ کر اس کے مسائل کا ازالہ کروں۔

اول خان کراچی سے عارضی طور پر اسلام آباد آیا ہوا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ یہاں اسے ہنگامی ضرورت کے تحت' البرٹو کے خلاف منظم کی جانی والی مہم کی نگرانی کا کام سونپ دیا گیا تھا۔ اس کا قیام بھی عمارت کے اسی رہائشی حصے میں تھا جس میں ہم دونوں مقیم تھے۔ اسے جلد یا بدیر واپس آنا تھا اس لیے ہم دونوں اس کے انتظار میں مسلسل جاگتے رہے۔

اس کی واپسی دیر گئے ہوئی۔ اس وقت ہمارا وال کلاک ایک بجا چکا تھا۔ اول خان روشنی دیکھ کر' سیدھا ہمارے کمرے میں چلا آیا تھا۔ اس کے چہرے پر گہرا اضمحلال طاری تھا۔

"البرٹو اور ظفر کے معاملے نے بہت نازک صورت اختیار کرلی ہے۔" اس نے ہماری مزاج پرسی کے بعد ہمیں آگاہ کیا۔ "اس اسکینڈل کا انکشاف ہوتے ہی' اسپیشل ٹاسک فورس بدترین بلکہ بے رحمانہ تنقید کی زد میں آگئی ہے۔ یہ سوال بڑی شدومد کے ساتھ اچھالا جارہا ہے کہ اگر ہم اپنی ہی صفوں کو دشمن کے ایجنٹوں سے پاک نہیں رکھ سکتے تو قومی سلامتی کے دیگر اہم معاملات میں کیا کارکردگی دکھا سکتے ہیں۔"

"یہ سوال معقول ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن اسے اٹھانے والے کون لوگ ہیں؟"

"ابتدا آئی بی والوں کی طرف سے ہوئی تھی۔ کہوٹہ سے پکڑے جانے والے بندروں کے معاملے کی سنگینی کو کم کرنے کے لیے انہوں نے یہ مسئلہ چھیڑا تھا۔ پھر قومی سلامتی سے تعلق رکھنے والے تمام ادارے اسی میں الجھ کر رہ گئے۔ ہم لوگوں کو اپنی صفائی پیش کرنے میں دانتوں پسینہ آگیا۔"

"اگر ایس ٹی ایف غیر سرکاری تنظیم ہے تو سرکاری اداروں کو اس پر تنقید کا کیا حق؟ یہ کام تو سرکاری پیسے پر چلنے والے اداروں کے ہوتے ہیں؟" میں نے وہ چبھتا ہوا سوال کرڈالا۔

"یہ سب رسمی باتیں اور قانونی موشگافیاں ہیں ورنہ سب جانتے ہیں کہ ایس ٹی ایف جیسا بڑا ادارہ سرکاری چشم پوشی' بھاری فنڈز اور مربوط وسائل کے بغیر نہیں چلایا جاسکتا۔ بعض بد طینت افسران تو اس فورس کو سرکاری دامادی کا طعنہ بھی دیتے ہیں۔"

"میری دانست میں' دھماکے سے پھٹنے والے دو بندروں کا معاملہ زیادہ سنگین اور فوری توجہ کا طالب تھا۔ ظفر یا البرٹو تو بہرحال میدان چھوڑ کر بھاگ ہی نکلا ہے۔"

"یہ ساری مصیبت ہمارے بڑوں نے خود مول لی ہے۔" اول خان متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "انہوں نے دوسروں کے ردِعمل کا اندازہ کے بغیر' البرٹو کی پوری کہانی' من وعن اجلاس میں پیش کردی۔ جیسے ہی یہ انکشاف ہوا کہ کہوٹہ سے پکڑے جانے والے بندر البرٹو کے پروردہ تھے' بات ایک دم بگڑ گئی۔ خرابی یہ ہوئی ہے کہ وہ تینوں پُراسرار بندر پکڑ لیے گئے ہیں جبکہ البرٹو ویلیسا آزاد اور روپوش ہے۔ سارا زور اس بات پر ہے کہ اس جیسا خطرناک آدمی ایک ناکامی پر خوفزدہ ہونے کے بجائے جھلا کر دوسرا کاری وار بھی کرسکتا ہے۔ ہمارے پاس اس بارے میں مبہم یقین دہانیوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔"

میں اپنی پیش رفت کا ذکر کرکے اسے ہیجان میں مبتلا کردینے سے پہلے دیگر معاملات صاف کرنے چاہتا تھا اس لیے میں نے دوبارہ تربیت یافتہ بندروں کا ذکر چھیڑ دیا۔ "تیسرے بندر کی کیا پوزیشن ہے؟ تم نے بتایا تھا کہ اس کے لیے باہر سے کوئی ماہر آنے والا تھا۔"

"آئرش ری پبلکن آرمی کی تازہ دہشت گردیوں کی وجہ سے برطانوی ماہر فوری طور پر ملک چھوڑنے سے قاصر ہے اور ہمارے لوگ' بے ہوش بندر کو لندن بھیجنے سے خوف زدہ ہیں۔ انہیں ڈر ہے کہ دورانِ سفر میں' کسی اتفاقی حادثے کی بنا پر وہ بندر بھی دھماکے سے پھٹ گیا تو طیارہ ہی تباہ ہوجائے گا۔ لوگ اسے ہاتھ لگاتے ہوئے بھی ڈر رہے ہیں۔ اس کی حفاظت کے لیے ماتحت عملے پر انحصار کرنے کے بجائے' چوٹی کے پندرہ ماہرین دن رات بندر کی نگرانی کر رہے ہیں۔ وہ بھی ایک بھیانک خواب بنا ہوا ہے۔"

"بندروں کے بارے میں فون پر مخبری کرنے والی غیر ملکی عورت کے بارے میں بھی سوچا جارہا ہوگا؟ کیونکہ وہ بھی اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ تھا۔"

"شاید ہماری طرف سے وہ بات بھی صاف کردی گئی ہے۔ ویرا کا نام ظاہر کیے بغیر یہ بتا دیا گیا ہے کہ خود کو امریکی ظاہر کرنے والی وہ عورت دراصل ہماری باقاعدہ انفارمر تھی۔ ایسا نہ کیا جاتا تو شاید آئی بی والے ساری کارروائی کا کریڈٹ خود ہی لے جانے کی کوشش کرتے اور ہماری پوزیشن مزید خراب ہوجاتی۔ اس وقت البرٹو کی زندہ یا مردہ گرفتاری ہمارے لیے عزت کا سوال بن گئی ہے۔"

"اس بارے میں ہم ابھی بات کرتے ہیں۔" ویرا نے گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا۔ "ڈینی نے اس بارے میں کچھ تیر مارے ہیں لیکن اس سے پہلے ہمیں کراچی کے بارے میں بات کرلینی چاہیے۔"

"کراچی کے بارے میں؟" اول خان ویرا کی بات پر بری طرح چونک پڑا۔

"کراچی میں غزالہ اور سلطان شاہ کو کچھ غنڈے تنگ کررہے ہیں۔" میں نے بات سنبھالتے ہوئے کہا۔ "ان کا کچھ بندوبست کرنا ہے کہ تعاقب اور فلیٹ کی نگرانی کا سلسلہ ختم ہوسکے۔"

اول خان ہمیشہ سے ان دونوں کو بھی عزیز رکھتا تھا اور اس معاملے سے لاتعلق نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے استفسار پر مجھے اختصار کے ساتھ وہ کہانی دہرانی پڑگئی۔ اول خان ان لوگوں کو پکڑوا کر بند کروانا چاہتا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ وقتی طور پر انہیں مار بھگانا ہی کافی تھا۔ کراچی لوٹنے کے بعد ہم لوگ از سرِ نو اس معاملے کا جائزہ لے سکتے تھے۔

"انہوں نے ڈھٹائی یا ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تو مارے جائیں گے۔" اول خان نے فون سنبھالتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔ "بھرے پرے شہر میں ایسی بدمعاشی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔"

"ان میں سے ایک آدھ کو پکڑ کر بازپُرس بھی کرلی جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ اس طرح ان کے نامعلوم عزائم سامنے آسکیں گے۔ ان کا اب تک کا رویّہ ناقابلِ فہم اور الجھن آمیز ہے۔" میں نے کہا۔

اول خان نے شاید کراچی میں' اپنے اسٹیشن کا نمبر ملایا تھا۔ فون پر شاہد نامی کسی شخص کو طلب کرنے کے بعد وہ کافی دیر تک اسے واضح اور سخت ہدایات دیتا رہا۔ اس کے احکام کا نچوڑ یہ تھا کہ اس معاملے میں ضرورت سے زیادہ ملوث ہوئے بغیر' غزالہ اور سلطان شاہ کو نامعلوم بدمعاشوں کے خوف و ہراس سے نجات دلا کر ان کی مسلسل حفاظت کا معقول بندوبست کیا جائے۔ ان ہدایات سے فارغ ہوکر اُس نے اپنی غیر حاضری کی غیر متوقع طوالت کے بارے میں کچھ مبہم سی بریفنگ دی اور پھر فون بند کرکے ویرا کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"کراچی کا معاملہ تو یوں سمجھو کہ نمٹ ہی گیا۔ شاہد بہت فرض شناس آدمی ہے۔ وہ اسی وقت کارروائی شروع کردے گا۔ اب تم بتاؤ کہ ڈینی نے کیا تیر مارا ہے۔ اور ہم البرٹو کے خلاف کیا کرسکتے ہیں؟"

"احتیاط سے کام لیں تو ہم اسے پکڑ بھی سکتے ہیں۔" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کاغذ کا رقعہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کاغذ پر شہباز خان کا دیا ہوا نمبر درج تھا۔

میری بات پر اول خان کی آنکھیں حیرت اور بے اعتباری سے پھیل گئیں۔ اس نے کاغذ کے پرزے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟ یہ تو کسی کا فون نمبر معلوم ہوتا ہے۔"

"کسی کا نہیں' بلکہ البرٹو ویلیسا کی موجودہ کمین گاہ کا فون نمبر ہے۔ وہ سیٹلائٹ ٹاؤن کے کسی مکان میں روپوش ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اسے آگاہ کیا۔

خوشی سے اول خان کا چہرہ کھِل اٹھا اور اس نے حیرت سے

پوچھا۔ "سچ کہہ رہے ہو نا؟"

"میں سنجیدہ معاملات میں مذاق کا قائل نہیں ہوں۔" میں نے پوری متانت کے ساتھ جواب دیا۔ "اس فون نمبر کی مدد سے عمارت کا سراغ لگا کر دھاوا بولنا تمہاری ذمے داری ہے۔"

"لیکن تمہیں یہ نمبر کہاں سے مل گیا؟" اول خان کے لیے میری بات پر یقین کرنا دشوار ہو رہا تھا۔

"اس کے نصیب کی خرابی یا اپنے ستاروں کی یاوری سمجھ لو۔" میں مسکرا کر رہ گیا۔ "مجھے ایک راہ سوجھی تھی اس پر عمل کیا تو نتیجے میں یہ نمبر ہاتھ لگ گیا۔"

"یہ نمبر حاصل کرنے کے لیے ڈیڈی بے چارے کو اپنی عزتِ نفس کی قربانی دینی پڑی ہے۔" ویرا نے میری بات میں ٹکڑا لگاتے ہوئے کہا۔ "ورنہ شہباز خان تو اس سے سیدھے منہ بات کرنے کا بھی روادار نہیں تھا۔"

"یہ شہباز خان کون ہے؟" اول خان کی حیرت میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"اسلام آباد میں قحبہ گری کے ایک بڑے اڈے کا مالک اور البرٹو کا دوست ہے مگر اسے ظفر ہی کے روپ میں جانتا ہے۔" اس کا تجسس دور کرنے کے لیے میں نے ابتدا سے ہی کہانی چھیڑ دی۔

"حیرت ناک کامیابی ہے۔" اول خان جو حیرت سے منہ پھاڑے میری کہانی سن رہا تھا، میرے خاموش ہونے پر بولا تھا۔ "تم ہر وقت بیدار مغز رہتے ہو اور پوری صورتِ حال پر تمہاری گہری نظر رہتی ہے۔ سچ پوچھو تو میرے نزدیک عبدل نامی اس بدمعاش کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ ایک غیر متعلقہ آدمی تھا جو تمہاری راہ میں آ کر مارا گیا لیکن تم نے، اس کے ساتھ گزارے ہوئے وقت کی پوری قیمت وصول کر لی ہے۔"

"مجبوری ایسے تمام امکانات پر دماغ سوزی کرنے پر مجبور کرتی ہے ورنہ یہ کوئی کمال نہیں ہے۔ مجھے بھی اچانک ہی عبدل کا خیال آیا تھا۔ اسے مارتے ہوئے میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں اس کا نام استعمال کر کے کوئی بڑا فائدہ اٹھا سکوں گا۔ بس شہباز خان کے لیے میری کہانی زوردار ثابت ہوئی تھی۔"

میرا خیال تھا کہ اول خان وہ نمبر ملتے ہی البرٹو کی طرف کوچ کرنے کی تیاریاں شروع کر دے گا لیکن وہ فون پر کسی کو اس نمبر پر کام کرنے کی ہدایت دینے کے بعد گہری سوچ میں پڑ گیا۔

"اب تم کس سوچ میں پڑ گئے ہو؟" میں نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی۔

"اس بار میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔ اس علاقے کے تفصیلی سروے کے بعد ہی البرٹو کے فرار کی راہیں مسدود کی جا سکیں گی اور اس کے لیے وقت درکار ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ اس دوران میں، خاموشی کے ساتھ شہباز خان کو اٹھا لیا جائے۔"

"ایسی غلطی بھی نہ کرنا۔" میں نے بوکھلا کر کہا۔ "تمہیں اس پر ہاتھ ڈالنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"اگر اس نے البرٹو ویلیسا کو بتا دیا کہ وہ اس کا فون نمبر زخمی عبدل کو دے بیٹھا ہے تو وہ فوراً ہی اپنا ٹھکانا بدل دے گا کیونکہ زخمی عبدل نے اس سے رابطہ نہیں کیا ہے۔" اول خان نے کہا۔ "اسے شبہ ہو جائے گا کہ اس کا فون نمبر کسی غلط آدمی کو دے دیا گیا ہے۔"

"اس کا دور دور تک کوئی امکان نہیں ہے۔" میں نے اس کی پوری بات سننے کے بعد کہا۔ "شہباز خان اسے آگاہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ وہ دونوں بہت گہرے دوست ہیں۔ اگر شہباز خان خود عبدل سے نہ ملا ہوتا تو شاید میرے ساتھ کسی بھی ہمدردی کا مظاہرہ نہ کرتا۔ اس نے اپنی دانست میں ظفر کے ایک جاں نثار کی مدد کی ہے لیکن وہ ظفر سے اس بات کا ذکر نہیں کرے گا۔ میں اس کی حلف والی شرط کے بارے میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں۔"

"تم اتنے پُریقین ہو تو بھی اسے احتیاطاً اٹھوا لینے میں کیا حرج ہے۔" اول خان اس بارے میں بدستور فکرمند تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں فون پر ایک دوسرے سے بات کرتے رہتے ہوں۔ اگر شہباز خان اچانک غائب ہو گیا تو اس کی عدم موجودگی کو البرٹو اپنے لیے خطرے کی گھنٹی سمجھ سکتا ہے۔ ہماری ایسی کسی کوشش کا کوئی امید افزا نتیجہ برآمد نہیں ہو سکے گا۔ زیادہ سے زیادہ اس کی نگرانی کرائی جا سکتی ہے۔"

"میں تو اس بار البرٹو ویلیسا کی کمین گاہ کے قرب و جوار سے گزرنے والی، زیرِ زمین سیوریج لائن کو بھی اپنے ذہن میں رکھوں گا۔ ہر طرف سے راہیں مسدود پا کر وہ کسی گٹر لائن میں بھی اتر سکتا ہے۔" وہ شہباز خان کے بارے میں میرے استدلال کا قائل ہو گیا تھا، اس لیے دوسرے موضوع پر آ گیا۔

ویرا بے اختیار مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "گٹر کی زیرِ استعمال لائنوں میں فاسد مادوں کے علاوہ اس قدر زہریلی گیسیں ہوتی ہیں کہ ان میں اترنے والا زندہ بچ ہی نہیں سکتا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم آج رات کارروائی کرنے کے موڈ میں نہیں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے تفصیلی معلومات صبح ہی مل سکیں گی۔ اس وقت دفاتر بند ہونے کی وجہ سے کہیں سے کوئی بات معلوم نہیں ہو سکے گی۔ صبح نقشوں وغیرہ کی مکمل اسٹڈی کرنے کے بعد، کل رات کے اندھیرے میں وہاں آپریشن کیا جائے تو زیادہ بہتر رہے گا۔"

"یعنی کل دن بھر اندھیرا پھیلنے کا انتظار کیا جائے گا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"دن میں دوسری تیاریاں کی جائیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ میں اپنی نفری کو کہیں چھوٹی سی مشق بھی کرا ڈالوں۔ دن کے اجالے میں بھاری نقل و حرکت کو پوشیدہ رکھنا ناممکن ہوتا ہے۔ کسی بھی خفیہ کارروائی کے لیے رات کا اندھیرا بہت معاون اور مددگار ثابت ہوتا ہے۔" اس نے کہا۔

"کرفیو اور بلیک آؤٹ کی فوجی اصطلاحات نے شاید ایسی ہی ضروریات کی بنا پر جنم لیا ہے۔" ویرا، اول خان کی محتاط روی سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے موڈ میں تھی۔

"کہہ سکتی ہو۔" اول خان نے اعتراف کیا۔ "فضائی حملوں سے بچاؤ کے علاوہ یہ دونوں طریقے دشمنوں کے مفتوحہ علاقوں میں اپنا مؤثر کنٹرول قائم کرنے میں اکسیر ثابت ہوتے ہیں۔"

ویرا نے اپنے ہی شہری علاقوں میں کرفیو کے فراخ دلانہ استعمال کا نازک موضوع چھیڑنے کی کوشش کی لیکن میں نے فوراً ہی دوسری بات چھیڑ دی۔ "تمہیں آپریشن کا چارج تو مل گیا ہے لیکن آدمی میسر نہ ہونے کی وجہ سے تمہارا یونٹ تشکیل نہیں پا سکا ہے۔ تم نفری کہاں سے لاؤ گے؟"

"مختصر سے نوٹس پر کوئی بھی یونٹ میری کمان میں آ سکتا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "لیکن احکام جاری ہو چکے ہیں۔ صبح میرے یونٹ کے چالیس آدمی یہاں موجود ہوں گے۔ وہ سب ہماری فورس کے تجربہ کار اور ذہین آدمی ہیں جو بہادری کے محیرالعقول کارنامے انجام دینے کی شہرت رکھتے ہیں۔"

"اب گیند تمہارے کورٹ میں ہے۔ ہم تو صرف کامیابی کی دعا ہی کر سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "البرٹو زندہ پکڑا جائے تو اسپیشل ٹاسک فورس کو سرخروئی حاصل ہو سکتی ہے۔"

اول خان میری بات کا جواب نہیں دے سکا کیونکہ فون کی گھنٹی نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ اس نے دوسری طرف کی بات سننے کے بعد جوں ہی قلم اور پیڈ سنبھالا تو میں اس کے سر پر جا کھڑا ہوا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ کاغذ پر سیٹلائٹ ٹاؤن کا ایک پتا نوٹ کر رہا تھا جو البرٹو کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ پنڈی یا اسلام آباد میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو اول خان کے ایک اشارے پر پوری تن دہی سے کوئی بھی کارنامہ سرانجام دے سکتے تھے۔

فون سے فارغ ہوتے ہی اول خان اٹھ کھڑا ہوا۔ "اب تم دونوں آرام کرو۔ میں اپنا دفتر آباد کرتا ہوں تاکہ صبح کے لیے فون پر کچھ ہدایات جاری کر سکوں۔ لیکن تم اس خیال میں نہ رہنا کہ اس بار مجھے صرف تمہاری دعاؤں کی ضرورت ہے۔ آنے والی مہم میں تم کو پوری سرگرمی سے حصہ لینا ہے۔"

"ہماری وجہ سے تمہارے ٹیم ورک میں خلل پڑ سکتا ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "ہمیں اس مہم میں شامل ہو کر دلی مسرت ہو گی لیکن ہمیں زبردستی کھپانے کی کوشش نہ کرنا۔"

"یہ حقیقت ہے کہ میں نے اپنے کیریئر کی نمایاں ترین کامیابیاں تم لوگوں کے تعاون سے حاصل کی ہیں۔" اس نے دروازے پر رک کر، ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا۔ "البرٹو کی گرفتاری کی صورت میں مجھے ایک اور بڑی کامیابی اپنی منتظر نظر آ رہی ہے۔ تمہاری اب تک کی محنت کے نتیجے میں سامنے آنے والے حقائق نے اسپیشل ٹاسک فورس کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ہمارے بڑوں کو پہلی بار یہ اندازہ ہوا ہے کہ وہ اپنے جس ڈھانچے کو ناقابلِ تسخیر اور سازشوں سے محفوظ تصور کرتے رہے ہیں وہ کتنا غیر محفوظ ہے۔ البرٹو ویلیسا کی کمین گاہ کا فون نمبر حاصل کر کے تم نے ایک بار پھر میرا سر بلند کر دیا ہے۔"

"یہ رسمی باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔" میں نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "یہ محض اتفاقات ہی تھے کہ ہماری ایک ٹیم بن گئی ورنہ ہمارے راستے بادی النظر میں الگ الگ نظر آتے تھے۔"

وہ اپنا سر جھٹکتا ہوا ہمارے کمرے سے چلا گیا اور ویرا ایک زہد شکن انگڑائی لے کر بستر پر دراز ہو گئی۔ "یہ اچھا ہی ہوا کہ اس نے معاملہ کل پر ٹال دیا ورنہ آج کی رات بھی برباد ہو جاتی۔ نیند سے میرا دماغ بری طرح بوجھل ہو رہا ہے۔" اس نے کسلمندانہ انداز میں کہا۔

"اور مجھے یہ تاخیر گراں گزر رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہماری کراچی واپسی میں مزید ایک دن کی دیر ہو گی۔" میں نے کہا۔ "اول خان کے انتظامات کے باوجود میں ان دونوں کی طرف سے فکرمند ہوں۔"

"دونوں کا نام بدنام نہ کرو۔ غزالہ کا نام لیتے ہوئے کیوں شرما رہے ہو؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں سلطان شاہ کو اپنے بھائی کی طرح سمجھتا ہوں۔"

"سمجھنے اور ہونے میں بڑا فرق ہے۔" وہ شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "غزالہ ایک طویل عرصے تک تمہاری محبوبہ رہنے کے بعد اب تمہاری حقیقی بیوی ہے۔"

میں اس سے الجھنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس لیے اُس کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر دوسری مسہری کی طرف بڑھ گیا جو میرے لیے اس کمرے میں ڈال دی گئی تھی۔

بستر پر دراز ہوتے ہوئے مجھے خیال تھا کہ اول خان فون پر مصروف رہے گا تو ہمارے انسٹرومنٹ کی گھنٹیاں ہمارے سکون میں مخل ہوتی رہیں گی لیکن کافی دیر تک ڈائلنگ کے ساتھ کوئی آواز نہیں سنائی دی تو میں نے مطمئن ہو کر اپنی آنکھیں موند لیں۔ غالباً ہمارے کمرے میں رکھے ہوئے انسٹرومنٹ کا دفتری نمبروں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

بستر کی نرم اور حرارت آگیں آغوش میسر آتے ہی مجھے احساس ہوا کہ میرا بدن بھی آرام کا طلب گار تھا۔ میں نے کمرے کی روشنیاں گل کر کے مدھم روشنی والا بلب آن کیا اور تھوڑی ہی دیر میں نیند کی ملائم اور دلدلی وادیوں میں اترتا چلا گیا۔

سائرن کی تیز چیخ کی وجہ سے میری نیند اچاٹ ہو گئی۔ کئی بار سر جھٹکنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ میرے سرہانے کی تپائی پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بول رہی تھی۔ میں نے ناگواری کے ساتھ وال کلاک کے روشن ڈائل پر نگاہ ڈالی تو وہاں سوئیاں صبح کے سوا چار بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔ گھنٹی مسلسل بجے جا رہی تھی۔ میں نے

بیزاری کے ساتھ ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے غزالہ کی نیند کے اثرات سے عاری آواز سن کر میرا ذہن فوراً ہی بیدار ہوگیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ میں نے تمہیں گہری نیند سے بیدار کیا ہے؟" میری آواز سن کر غزالہ نے صحیح اندازہ لگایا تھا۔

"سب چلتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم اب تک کیسے جاگ رہی ہو؟ اور اس وقت فون کیوں کیا ہے؟"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے ایما پر یہاں اسپیشل ٹاسک فورس والے حرکت میں آچکے ہیں۔"

"اول خان نے ڈیڑھ بجے کے قریب اپنے کسی آدمی کو ہدایات دی تھیں لیکن اس وقت تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو؟ کیا مزید کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ ہمارے فلیٹ کے قرب و جوار میں کوئی کارروائی کرکے ان بدمعاشوں کو بھگا دیا گیا ہے کیونکہ اب سے آدھے گھنٹے قبل ان میں سے کسی نے یہاں فون کیا تھا۔ وہ بہت غصے میں تھا اور اس نے سلطان شاہ سے بہت تلخ کلامی کی ہے۔ تم اسی سے بات کرلو۔"

غزالہ نے مجھے کچھ بولنے کا موقع دیئے بغیر، فون سلطان شاہ کے حوالے کردیا۔ اس اثناء میں میں دیکھ چکا تھا کہ ویرا بھی بستر پر پڑی نیم وا آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"کس کا فون ہے؟" اس نے ہلے بغیر، نندا سی آواز میں سوال کیا۔ اور میرا جواب سن کر دوسری طرف کروٹ بدل کر دوبارہ سونے کی کوششوں میں مصروف ہوگئی۔

سلطان شاہ نے خیر، خیریت کے تبادلے کے بعد مجھے جو کچھ بتایا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ان لوگوں کو دراصل میری ہی تلاش تھی۔ انہوں نے اس کا کوئی سبب نہیں بتایا تھا لیکن فون کرنے والے نے دوٹوک الفاظ میں یہ دھمکی ضرور دی تھی کہ ان لوگوں کی حمایت میں میدان میں اترنے والے انہیں نہیں بچا سکیں گے۔ وہ موقع ملتے ہی غزالہ کو اٹھا لے جائیں گے اور اسے علاقہ غیر کے کسی ارباب یا سردار کے ہاتھوں بیچ دیں گے۔

یہ بات واضح تھی کہ غزالہ کو اغوا اور پھر فروخت کرنے کی بات منتقمانہ مزاج کی پیداوار تھی۔ اس کی بنا پر ان نامعلوم لوگوں کے اصل عزائم کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی تھی۔ قابلِ غور نکتہ یہ تھا کہ وہ میری تلاش میں سرگرداں تھے لیکن اس کی وجہ سلطان شاہ کو نہیں بتائی تھی۔ سلطان شاہ سے بات کرنے والا اپنے لب و لہجے کی بنا پر افغان معلوم ہورہا تھا۔ میں نے اپنے ذہن پر لاکھ زور ڈالا لیکن یاد نہ کرسکا کہ سیٹھ حبیب جیوانی والی مافیا کے علاوہ، ایسے لوگوں سے میرا کہاں واسطہ پڑا تھا؟ اور اگر وہ مافیا سے لین دین کرنے والوں میں شامل تھے تو میری دانست میں ان کے ایسے جارحانہ رویے کا کوئی معقول سبب نہیں تھا۔ وہ معاملات حبیب جیوانی خود ہی نمٹاتا رہا تھا۔ میری تو بس چند پاوندوں وغیرہ سے ملاقات تھی اور ان سے میرے مراسم میں کبھی کوئی تلخی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

"غزالہ کے بارے میں ان کی دھمکی کو سرسری سمجھ کر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔" میں نے سلطان شاہ سے پوری صورتِ حال سمجھنے کے بعد کہا۔ "میری واپسی تک اسے فلیٹ ہی میں محدود رہنا چاہیے۔ وہ اسے ایک بار علاقہ غیر میں لے گئے تو اسے وہاں سے واپس لانا بہت مشکل ہوگا۔ زرخرید عورتوں کے بارے میں قبائلی بہت تندخُو اور ضدی ثابت ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی دوبارہ فون کر بیٹھے تو ان کے مطالبات معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ تم کہہ سکتے ہو کہ وہ لوگ تمہارے ذریعے اپنے مطالبات مجھ تک پہنچا کر جواب حاصل کرسکتے ہیں۔"

"میں نے آج بھی کئی بار پوچھنے کی کوشش کی لیکن وہ غصے کے عالم میں اپنی ہی بکتا رہا۔ اس نے میری کوئی بات سننے یا سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ میں اگلی بار پھر کوشش کرلوں گا۔" سلطان شاہ نے جواب دیا۔

"یہاں البرٹو یلیسا والا قصہ کل رات تک نمٹنے کی امید ہے۔ اس کے بعد میں وقت ضائع کیے بغیر پہلی پرواز سے کراچی پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ ویسے اور کیا حال چال ہیں؟"

"میرا خیال ہے کہ مجھے ایک اور بات بھی تمہارے کان میں ڈال دینی چاہیے۔" اس کی متردّد آواز ابھری۔ "تمہارے لیے ہانگ کانگ یا مکاؤ سے دوبار فون آچکا ہے۔ دونوں بار تمہارے اور ویرا کے بارے میں پوچھا گیا تھا۔"

اپنے سرسری سوال کے جواب میں ملنے والی اس غیر متوقع اطلاع نے مجھے چونکا دیا۔ "یہ کب کی بات ہے؟"

"پہلا فون تو تمہاری روانگی کے اگلے ہی دن آیا تھا۔ دوسرا فون کل شام آیا تھا۔"

"لیکن تم لوگوں نے اب تک اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ اس دوران میں، میں کراچی فون کرتا رہا ہوں۔" میں نے قدرے برہمی کے ساتھ سوال کیا۔

"غزالہ نے منع کردیا تھا۔ وہ تمہاری واپسی کا انتظار کرنا چاہ رہی تھی۔"

"ہم شترمرغ نہیں ہیں جو ریت میں منہ ڈال کر طوفان ختم جانے کا تصور کرلیں۔ معلوم ہوتا ہے تم دونوں اب خود کو مجھ سے بہتر یا افضل سمجھنے لگے ہو۔" میں نے اسے پھٹکار دیا۔

"تمہاری غیر حاضری میں مجھے غزالہ کی دل جوئی کے لیے اس کی بات ماننی پڑتی ہے۔" میری برہمی پر سلطان شاہ کے لہجے میں بے چارگی سمٹ آئی۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ ہانگ کانگ یا مکاؤ کی کال تھی؟ اسے کیا جواب دیا گیا تھا۔" میں نے فون پر بات بڑھانے سے گریز کرتے ہوئے ترش لہجے میں پوچھا۔

"دونوں بار چینی لب و لہجے میں انگریزی بولنے والی ایک ہی آواز سنائی دی تھی اور مخصوص انٹرنیشنل ٹون والی وہ کالز غزالہ نے ہی وصول کی تھیں۔" وہ مجھے تفصیلات بتاتے ہوئے بولا۔ "پہلی بار اس کے رانگ نمبر کہنے پر فون بند کردیا گیا۔ دوسری بار یہ جواب سن کر نمبر دُہرایا گیا تو غزالہ نے کہہ دیا کہ اس نے حال ہی میں یہ خالی مکان کرائے پر لیا ہے۔ اگر ڈینی اور ویرا نام کا کوئی جوڑا اس مکان میں رہتا تھا تو اس کے آنے سے پہلے ہی مکان خالی کرکے کہیں اور منتقل ہوچکا تھا۔ اس پر مزید بحث کے بغیر فون بند کردیا گیا۔"

"فون کرنے والے سے، اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا گیا؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں، غزالہ کا خیال تھا کہ اس کی ذات میں دلچسپی لے کر وہ اس کے ذہن میں شبہات پیدا کرسکتی تھی۔ اسے خدشہ ہے کہ کہیں اب ڈون کوانگ فو نے تمہاری تلاش شروع نہ کرادی ہو۔"

"اب میری دی ہوئی ہدایات گرہ میں باندھ لینا۔ غزالہ سے واپسی پر ہی بات ہوگی۔"

فون بند کرنے کے بعد میری نیند کافور ہوچکی تھی۔ کمرے میں ویرا دوبارہ سو گئی تھی اور میں روشنی کرکے اس کی نیند میں خلل ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے شب خوابی کے لیے پہنی ہوئی شلوار قمیص پہن کر اس خواب ناک کمرے سے باہر نکل آیا۔ وقت گزاری کے لیے میں اس عمارت کے اگلے حصے میں گیا تو ایک کمرا روشن اور کھلا ہوا تھا۔ میں اول خان کی مزاج پُرسی کے لیے بے دھڑک اسی طرف بڑھ گیا لیکن دروازے پر پہنچتے ہی مجھے ٹھٹک کے اپنی جگہ رک جانا پڑا کیونکہ اس کمرے میں اول خان کے ساتھ مزید چار افراد موجود تھے۔ میرے لیے وہ چاروں ہی چہرے اجنبی تھے۔ وہ اول خان کے ساتھ متعدد نقشوں اور فائلوں کے مطالعے میں غرق تھے۔

اول خان نے شاید اپنی چھٹی حس کے زیرِ اثر، سر اوپر اٹھایا تو خلافِ توقع مجھے دروازے پر موجود پاکر اس کے چہرے پر خوشگوار حیرت پھیل گئی۔ "تم ابھی تک جاگ رہے ہو؟" اس نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے تحیّر زدہ لہجے میں کہا۔ "آؤ، اندر آجاؤ۔ اتفاق سے کچھ مطلوبہ ریکارڈ ہاتھ آگیا تھا۔ ہم لوگ اسی میں الجھے ہوئے تھے۔"

اول خان کی تقلید میں بقیہ چاروں افراد نے بھی مؤدب انداز میں اپنی کرسیاں چھوڑ دی تھیں۔

ان میں سے دو اول خان کے ماتحت تھے۔ تیسرا پنڈی کے بلدیاتی ادارے کا ریکارڈ آفیسر تھا۔ چوتھا اس کا پی اے تھا۔ اول خان کی خواہش پر ان دونوں کو نیند سے اٹھا کر متعلقہ ریکارڈ سمیت وہاں لایا گیا تھا لیکن وہ دونوں ہی اہمیت ملنے پر بہت خوش نظر آرہے تھے۔ مجھے ان سے متعارف کرانے کے بعد اول خان ایک الگ کمرے میں لے گیا اور ہنستے ہوئے بولا۔ "شاید حبیب جیوانی کے دفتر سے نکلنے والا زیرِ زمین راستہ ابھی تک میرے دماغ پر چھایا ہوا ہے جو میں سیٹلائٹ ٹاؤن میں بھی ایسے امکان پر غور کررہا تھا۔ وہاں کی سب سے بڑی گٹر لائن کا قطر صرف دو فٹ ہے اور اس میں سے کسی آدمی کے زندہ گزرنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"لیکن تمہاری میز پر تو بہت سے کاغذات اور نقشے بکھرے ہوئے نظر آرہے ہیں۔"

"وہ اس علاقے میں قطعاتِ اراضی کی تقسیم اور سڑکوں، گلیوں وغیرہ کے محل وقوع سے متعلق ہیں۔ اب تک جو صورتِ حال سامنے آئی ہے، اس کے مطابق ہم تمیں مکانوں کے ایک بلاک کو چاروں طرف سے گھیر کر البرٹو کی تمام راہیں مسدود کرسکتے ہیں۔ کل اس کی کمین گاہ کی اندرونی ساخت کے نقشے بھی آجائیں گے۔ عمارت کے مکینوں اور قرب و جوار کے بارے میں بھی اطلاع موجود ہوں گی۔ میرا خیال ہے کہ دوپہر تک ہماری تیاریاں مکمل ہوچکی ہوں گی۔"

"ایک شخص کو پکڑنے کے لیے یہ تیاریاں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی محسوس ہورہی ہیں۔" میں نے دبے لفظوں میں کہا۔

"یہ دیکھو کہ وہ کون ہے۔" اول خان نے کہا۔ "وہ ہماری صفوں میں شامل نہ رہا ہوتا تو شاید میں بھی اسے اتنی اہمیت نہیں دیتا۔ وہ سازشوں کی جس بین الاقوامی کڑی سے منسلک ہے، اس کی اہمیت کی وجہ سے میں اسے زندہ پکڑنا چاہ رہا ہوں۔ پھر تم یہ بھی سوچو کہ اس ایک آدمی کو قابو میں لانے کے لیے ہمیں تمیں مکانوں کی مکمل ناکا بندی کرنے کے ساتھ قرب و جوار کی آبادی کو بھی ذہن میں رکھنا ہے۔ کسی بھی وجہ سے وہاں بھگدڑ مچ گئی تو البرٹو کو نکل بھاگنے کا موقع مل جائے گا۔ وہ لاکھ خطرناک اور وطن دشمن ہو مگر ہم اس کی گرفتاری کے لیے بے گناہ شہریوں کے خون سے اندھا دھند ہولی نہیں کھیل سکتے۔ تیاریاں کرتے ہوئے ہمیں ان امکانات کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔"

وہ خالص طور پر اول خان کا پیشہ ورانہ معاملہ تھا اس لیے میں نے اس پر بحث کرنے سے گریز ہی کیا اور اُسے کراچی کی تازہ ترین صورتِ حال پر لے آیا۔ اس کے لیے یہ بات اطمینان بخش تھی کہ اس کے آدمی مستعدی کے ساتھ حرکت میں آئے تھے اور ان کے اقدام کے تسلی بخش نتائج سامنے آگئے تھے۔ اسے فون پر دی جانے والی اغوا کی دھمکی کی ذرا بھی فکر نہیں تھی۔ کیونکہ جرائم پیشہ افراد کی ٹولی کے مقابلے میں، اسے اپنے آدمیوں کی صلاحیتوں پر پورا اعتماد تھا۔

"البرٹو کے ملک سے فرار کے سلسلے میں کوئی روک تھام کی گئی ہے؟" مجھے اپنے ذہن میں چُبھتا ہوا وہ سوال اچانک ہی یاد آگیا جو میں نے اول خان کے سامنے رکھ دیا۔

اُس نے ہنستے ہوئے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم نے اس کا سراغ لگانے کے لیے جو کچھ کیا، اس کا ہماری منصوبہ بندی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ میرے کمانڈر نے صورتِ حال کا ادراک ہوتے ہی ملک سے روانگی کے ہر امیگریشن کنٹرول پوائنٹ پر آدمی مامور کردیئے تھے۔ ہم لوگوں کو قوی شبہ تھا کہ وہ یہاں رکنے کے بجائے فوری طور پر بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ اس نے تمہاری

صلاحیتوں کا شاید صحیح اندازہ نہیں لگایا تھا۔"

وہ لوگ اپنے کام میں مصروف تھے اور میری موجودگی میں اول خان اس پر پوری توجہ دینے سے اخلاقاً گریز کر رہا تھا اس لیے میں اس سے آرام کرنے کا بہانہ کر کے واپس لوٹ آیا۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے اس مہمان خانے میں قیام کرنے والوں کی جملہ ضروریات پوری کرنے کا معقول بندوبست تھا۔ میں نے اپنی سحر خیزی کی بنا پر صبح سات بجے ہی ناشتا کر لیا اور پھر اخبار لے بیٹھا۔ پورا اخبار تشدد اور جرائم کی خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ذرائع ابلاغ کی برق رفتار ترقی کے نتیجے میں جرائم کی لہریں حیرت ناک سرعت کے ساتھ کرۂ ارض کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل رہی تھیں۔

میں نو بجے کے قریب کمرے میں واپس گیا تو ویرا بدستور گہری نیند میں سو رہی تھی۔

میرے پاس کوئی کام باقی نہیں رہا تھا جس کی وجہ سے میں کوفت میں مبتلا ہو چلا تھا۔ اول خان سے ذرا سی دیر کے لیے ملاقات ہوئی۔ بقیہ وقت میں نے بیزاری کے عالم میں گزارا۔

ویرا کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد میں نے کارڈز نکال لیے۔ ابتدا میں مَیں نے بے پروائی کے ساتھ کھیلنا شروع کیا تو ویرا نے اپنے ہاتھ دکھانے شروع کر دیے۔ اس کے ساتھ، طویل رفاقت میں ایسے لمحات کبھی بھی میسر نہیں آسکے تھے جب اس کے ساتھ تاشوں پر ہارنے اور جیتنے کی نوبت آتی۔ اس نے مہارت کے ساتھ بے ایمانی شروع کی تو میں حیران رہ گیا اور کھیل میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔

چار بجے کے قریب اول خان اپنے کمانڈر کے ساتھ ہمارے دروازے پر پہنچا تو ہم دونوں گہرے انہماک کے ساتھ کھیل میں ڈوبے ہوئے تھے۔ دروازے پر ہونے والی بھاری دستک کے جواب میں، میں نے بے پروائی سے "کم ان" کی ہانک لگائی تھی لیکن آنے والوں کو دیکھ کر ہم دونوں ہی بوکھلا گئے۔

اس وقت ہم دونوں میز کرسی کے بجائے، دوہرے بستر کی صاف ستھری چادر پر ایک دوسرے کے سامنے آلتی پالتی مارے بیٹھے ہوئے تھے۔ درمیان میں پتے بکھرے ہوئے تھے۔ ایک طرف سگریٹ کے مسلے ہوئے ٹکڑوں سے بھری ایش ٹرے موجود تھی جس کے اردگرد، چادر پر سگریٹوں کی راکھ پھیلی ہوئی تھی۔ اول خان کی بات اور تھی لیکن ایسی گندی حالت میں اس کے کمانڈر کا سامنا کرنا ہم دونوں کے لیے شرمندگی کا باعث تھا۔

میں کمانڈر کے استقبال کے لیے مسہری سے اتر کر اُس کی طرف لپکا۔ لیکن اس نے بے تکلفانہ انداز میں مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ "شاباش! پوری فورس کو دھندے سے لگا کر خود کارڈز کھیل رہے ہو۔"

"بس، وقت گزارنے کی کوشش کر رہے تھے۔" میں نے خفت آمیز لہجے میں کہا۔

"اور تم بھی شاندار عورت ہو۔" مجھ سے معانقہ کرنے کے بعد اس نے جارحانہ انداز میں ویرا کا داہنا ہاتھ تھاما تو مجھے ڈر ہوا کہ وہ ایک ہی جھٹکے میں اس کے سینے سے جا لگے گی لیکن کمانڈر کا مصافحہ کرنے کا طریقہ بہت نرم تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے مردوں جیسی عادات رکھنے والی عورتیں اچھی لگتی ہیں اور تم دونوں کی جوڑی کا تو جواب ہی نہیں ہے۔"

ویرا شائستگی کے ساتھ مسکرا دی۔ "غنیمت ہے کہ ڈیِنی کی بیوی یہاں نہیں ہے ورنہ وہ اس خراج پر برا مان جاتی۔ وہ بہت ذکی الحس عورت ہے۔"

"اچھا! تو تم شادی شدہ ہو؟" کمانڈر نے حیرت کے ساتھ مجھ سے پوچھا اور میرے خفیف سے اقرار پر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میرا تو خیال تھا کہ کنوارے مرد ہی بے خوف و خطر ہو کر خطرات کے منہ میں چھلانگ لگانے کے عادی ہوتے ہیں لیکن تم نے میرا خیال غلط ثابت کر دیا ہے۔"

"دراصل ڈیِنی کی شادی ابھی نئی نئی ہے۔" ویرا کو ایک بار پھر چوٹ کرنے کا موقع مل گیا۔ "پرانی عادتیں رفتہ رفتہ ہی پیچھا چھوڑتی ہیں۔"

کمانڈر نے زوردار قہقہہ لگایا۔ اول خان بھی ہنس پڑا اور ویرا تو پہلے ہی مجھے سلگانے والے انداز میں مسلسل مسکرائے جا رہی تھی۔

"تم دونوں کی نوک جھونک بھی دلچسپ ہے۔" کمانڈر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "میں تمہیں البرٹو ویلیسا کی کامیاب تلاش کی مبارک باد دینے آیا تھا۔ اس معاملے میں تمہاری مسلسل کامیابیوں نے مجھے حیرت زدہ کر دیا ہے۔" وہ سنجیدہ ہو چکا تھا لہٰذا ماحول پل بھر میں بدل کر رہ گیا تھا۔

"وہ ہاتھ آجائے تو کامیابی مکمل ہو گی۔ ابھی تو وہ آزاد ہی ہے۔" میں نے دھیمے سے کہا۔

"میرے جوان پوری طرح تیار ہیں۔" وہ کسی فوجی کمانڈر کی طرح اول خان کی پشت پر زور سے ہاتھ مار کر بولا۔ "رات کو تمہارا حریف تمہارے قدموں میں ہو گا۔ ان لوگوں کا آپریشن پلان بہت زبردست ہے۔"

"یقیناً!" میں نے سر ہلا کر کہا۔ "اول خان کی محنت اور فرض شناسی نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا ہے۔"

"اس جھگڑے سے نمٹ لو تو کبھی مل کر بیٹھیں گے۔ شارپنگ وغیرہ نہ کی جائے تو میں بھی بہت شوق سے کارڈز کھیلتا ہوں۔ چاہو گے تو ہلکے پھلکے ڈرنک کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔"

وہ اول خان کو ہمارے پاس چھوڑ کر واپس لوٹنے کے ارادے سے پلٹا تو میں نے اسی وقت اپنی معذرت پیش کر دی۔ "اس بار میں معافی چاہتا ہوں۔ کراچی میں میری فوری موجودگی ضروری ہے۔ البرٹو کا قصہ نمٹنے کے بعد میں صبح کی پرواز سے لوٹ جاؤں گا۔ دوبارہ آنا ہوا تو ضرور حاضر ہو کر یہ اعزاز حاصل کروں گا۔"

"نیور مائنڈ!" وہ بہت کھلے دل کا آدمی تھا۔ "اگلی بار بھولنا نہیں۔ اور ہاں، یہ کوئی اعزاز نہیں ہو گا کیونکہ میرے ساتھ کھیلنے والے عموماً ہار کر اٹھتے ہیں۔ ذرا تیاری کے ساتھ آنا۔"

وہ چلا گیا اور اول خان نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم نے ہمت کر کے اُس سے معذرت کر لی۔ اگر تم اپنا وعدہ پورا کیے بغیر واپس لوٹ جاتے تو وہ کچوکے دے دے کر میری زندگی اجیرن کر دیتا۔ اب اس نے تمہاری معذرت کا ذرا بھی برا نہیں مانا۔"

"ایسے لوگوں سے صاف اور سیدھی بات کرنے میں عافیت رہتی ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم کسی پیشگی اطلاع کے بغیر اُسے یہاں کیوں لے آئے؟"

"وہ خود ہی اِدھر آیا تھا۔ مجھے تم لوگوں کو باخبر کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔" وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ رات بھر جاگ کر کام کرنے کی وجہ سے اس کے بشرے سے تکان مترشح ہو رہی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے کام سے فارغ ہو کر ادھر آئے ہو۔" ویرا نے دوسری کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔

"فارغ ہی سمجھو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "اصل فراغت تو اُس وقت حاصل ہو گی جب البرٹو کو لاک اپ میں ڈال دیا جائے گا۔"

"روانگی سے پہلے، نہا دھو کر کچھ آرام کر لو تو تازہ دم ہو جاؤ گے۔" میں نے مشورہ دیا۔

"اب یہی ارادہ ہے۔ تمہیں بریف کرنے کے لیے یہاں رک گیا ہوں۔ وہ عمارت چوہدری سرور دین نامی کسی شخص نے پچھلے ایک سال سے کرائے پر لی ہوئی ہے۔ عمارت میں ہر وقت چار چھ مرد موجود رہتے ہیں لیکن اُن کا کسی سے میل جول نہیں ہے۔ محلے والوں کو بھی ان سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں رہنے والوں کے علاوہ بہت زیادہ بھانت بھانت کے لوگوں کی آمد و رفت نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آج رات بھی وہ اکیلا نہیں ہو گا۔" ویرا آہستہ سے بولی۔ "اس کے آدمی مقابلہ کیے بغیر ہار ماننے پر آمادہ نہیں ہوں گے اور خون خرابا ضرور ہو گا۔"

"بس یہی سب سے بڑی فکر ہے۔" وہ سر ہلا کر بولا۔ "مکان کے نقشوں کے مطالعے کے بعد ہم نے برق رفتار کمانڈو آپریشن کا فیصلہ کیا ہے۔ بعد کے حالات کا انحصار اسی کمانڈو آپریشن کی کامیابی یا ناکامی پر ہے۔ محاصرے وغیرہ کا بنیادی منصوبہ اپنی جگہ پر برقرار ہے۔"

"یہ بہت خطرناک اور نازک فیصلہ ہے۔" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ "اگر کسی طرح انہیں خوفزدہ کر کے وہاں سے نکل بھاگنے پر مجبور کر دیا جائے تو کیا وہ آسانی سے نہیں گھیرے جاسکیں گے؟"

"تم انہیں کس طرح خوفزدہ کرو گے۔" اول خان کی پیشانی پر تفکر آمیز لکیریں ابھر آئیں۔

"شہباز خان کی صورت میں ہمارے پاس ایک کارآمد مہرہ ہے۔" میں نے کہا۔

"بات واضح نہیں ہوئی۔" اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"اسے تو تم چھیڑنا ہی نہیں چاہتے تھے۔"

"بدلے ہوئے حالات کی روشنی میں ہم اپنی حکمتِ عملی پر بھی نظرثانی کر سکتے ہیں۔" میں نے اپنا گلا صاف کر کے بات شروع کی۔ "شہباز خان کو اگر خاموشی کے ساتھ آخری لمحات میں اٹھا کر اعتماد میں لیا جائے تو وہ فون کر کے البرٹو کو یہ وحشت ناک خبر سنا سکتا ہے کہ عبدل زخمی حالت میں پکڑا گیا ہے اور کچھ سادہ پوش لوگ عبدل کو لے کر اس کے پاس پہنچے تھے اور اس سے سیٹلائٹ ٹاؤن کے اس مکان کا پتا معلوم کرنا چاہتے تھے جہاں وہ روپوش ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ ان کے تشدد کے نتیجے میں اس نے صرف فون نمبر دے دیا ہے تاکہ ظفر کے لیے کچھ وقت حاصل کر سکے۔ یہ خبر البرٹو کے قدم اکھاڑ دے گی۔ فون نمبر سے پتا معلوم کرنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ وہ یقیناً باہر نکلنے کی کوشش کرے گا اور ہم اپنی سہولت کے مطابق کہیں بھی اس کے پورے گروہ کو گھیر سکتے ہیں۔ گھر کے مقابلے میں وہ لوگ کھلے علاقے میں زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔"

"بظاہر تو یہ تجویز محفوظ معلوم ہوتی ہے۔" اول خان متاثر ہو کر بولا۔ "ان کی کچھار میں ہاتھ ڈالنے کے مقابلے میں انہیں باہر ہانک لانا زیادہ بہتر ہو گا۔"

"معاملہ نمٹنے تک شہباز کو اپنی تحویل میں رکھا جا سکتا ہے۔" ویرا بھی اس تجویز سے متفق نظر آنے لگی۔ "وہ ایک بے غیرت دلال ہے۔ البرٹو کے اصل پس منظر سے واقف ہوتے ہی ہتھیار ڈال دے گا۔ اس کی تسلی کے لیے اسے یہ لالچ بھی دیا جا سکتا ہے کہ اس نے تعاون کیا تو اس کے کاروبار کو نہیں چھیڑا جائے گا۔ وہ انکار کر کے اپنی مکمل تباہی کا خطرہ مول نہیں لے گا۔"

"ہم میں اتفاق رائے ہو تو میں اس تجویز پر اپنے کمانڈر کی رائے بھی لے سکتا ہوں۔"

"اتفاق رائے ہونے سے پہلے میں اس تجویز کے ایک خطرناک ردِعمل کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں۔" انہیں کسی بھی اختلاف پر آمادہ نہ پا کر میرا ذہن اپنی ہی تجویز کے ناقدانہ تجزیے میں مصروف ہو چکا تھا۔

"وہ بھی سامنے آجائے تو ہمیں صحیح فیصلہ کرنے میں آسانی ہو سکتی ہے۔" اول خان سخت تذبذب کے عالم میں مبتلا نظر آنے لگا تھا۔

"البرٹو ویلیسا کا پہلا اور فطری ردِعمل تو وہی ہونا چاہیے جو میں بتا چکا ہوں لیکن وہ اسپیشل ٹاسک فورس میں رہ چکا ہے۔ اگر اس نے ہماری چال کو سمجھ لیا تو اپنے سر پر منڈلاتے ہوئے خطرے کو بھانپ کر وہ اپنے ساتھیوں سمیت پڑوس کے مکانات میں گھس

کر مکینوں کو یرغمال بنا سکتا ہے۔ اگر اس نے ان سب کو ہلاک کرنے کی دھمکی کے سہارے فرار ہونے کا فیصلہ کرلیا تو ہم اپنی تمام تیاریوں کے باوجود اس پر گولی نہیں چلا سکیں گے۔ اگر وہ لوگ چھ بھی ہیں تو وہ بہت آسانی کے ساتھ دس بیس افراد کے کسی کنبے کو اپنے خودکار آتشیں ہتھیاروں سے دہشت زدہ کرکے یرغمالی بنا سکتے ہیں۔"

"وہ حرام زادہ یہی کرے گا۔" اول خان دانت پیستے ہوئے غرّایا اور میں حیران رہ گیا کیونکہ میں نے اس کے منہ سے پہلی بار گالی سنی تھی۔

"وہ شکاریوں کے غول میں گھرے ہوئے بھیڑیے کی طرح خطرناک انداز میں سوچے گا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اس نے ایک بار کچھ بے گناہ شہریوں پر قابو پالیا تو وہ ملک چھوڑنے کے لیے بھی ان کا دباؤ ڈال سکتا ہے۔ ہم اس کے مطالبات کے سامنے بے بس ہوجائیں گے۔ ایک مجرم کی گرفتاری کے لیے ہم کسی بے گناہ یرغمالی کی جان سے نہیں کھیل سکیں گے۔ پورے ملک میں ایک طوفان کھڑا ہوجائے گا۔"

"تم جانتے بوجھتے ہم دونوں کا امتحان لے رہے تھے؟" ویرا چڑ کر بولی۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "وہ میری ایک فوری تجویز تھی جو میں نے تبادلۂ خیال کرنے کی نیت سے پیش کی تھی۔ جب تم لوگوں نے اس کے کسی منفی پہلو پر غور نہیں کیا تو مجھے خود ہی اس کے بخیے ادھیڑنے پڑے اور ایک نئی صورتِ حال ذہن میں آگئی۔"

"پھر اب تم کیا کہتے ہو؟" اول خان کی آواز میں ہلکی سی سرد مہری در آئی تھی۔

"اس تجویز کی افادیت کے مقابلے میں خطرہ زیادہ سنگین ہے۔" میں نے اپنی ایماندارانہ رائے دے ڈالی۔ "میں اپنی تجویز پر عمل کرانے کے حق میں نہیں ہوں۔"

"پڑوسیوں کو یرغمال بنانے والی صورت تو کمانڈو ایکشن کی ناکامی کے بعد بھی رونما ہوسکتی ہے۔" ویرا' اول خان کے منصوبے کے پورے پوسٹ مارٹم پر اتر آئی تھی۔

"کمانڈوز محاصرہ مکمل ہونے کے بعد حرکت میں آئیں گے۔" اول خان نے میرے ذہن میں موجود بات کہی تھی۔ "پورے پلان میں اس بات پر پورا زور دیا گیا ہے کہ وہ ملحقہ مکانات کا رخ بھی نہ کرسکیں۔ ایک بار کھلے مقابلے کا آغاز ہوگیا تو میری مسلح نفری اندر اتر کر پوزیشنیں لے گی اور عمارت سے باہر نکلنے والے ہر ذی روح کو گولیوں کی باڑھ پر رکھ لے گی۔ یہ امکان بہت کمزور بلکہ دور از کار ہے۔"

"پھر تو ہم شہباز خان سے فون کرانے سے پہلے بھی اسی قسم کی تیاریاں کرسکتے ہیں۔ ان کے پاس اندر رہ کر مقابلہ کرنے یا باہر نکل کر مرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ باقی نہیں رہے گا۔" ویرا بولی۔

"فون ملنے کے بعد وہ بھرپور تیاریوں کے ساتھ منظم ہوکر کسی ایک ہی رخ سے باہر نکلیں گے۔ انہیں پہلے سے اندازہ ہوگا کہ باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں ان کے لیے خطرات پوشیدہ ہوسکتے ہیں۔ اس لیے پہل کرنے کا موقع اُن کے پاس ہوگا۔ اُن کے پہلے وار میں ہماری صفوں میں دراڑ پڑ سکتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ ہمارے سنبھلنے سے پہلے نکل جائیں۔ اچانک کیا جانے والا کمانڈو ایکشن ناکام ہوا تو وہ افرا تفری اور بے سروسامانی کے عالم میں غیر منظم صورت میں باہر آکر مارے جائیں گے۔ جس کے جدھر سینگ سمائیں گے وہ اُدھر ہی بھاگے گا اور موت کے چنگل میں جا گرے گا۔ وہ کسی ایک سمت میں مشترکہ دباؤ ڈالنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گے اور وہی ہماری جیت ہوگی۔ چالاک دشمن کو مارنے سے پہلے بکھر جانے پر مجبور کردینا' سب سے کامیاب ثابت ہوتا ہے۔" میں نے ویرا کو قائل کرنے کے لیے پوری تفصیل سے اپنی رائے بیان کر دی۔

"یہ اس آپریشن اور مجوزہ شہباز پلان کا بھرپور اور حقیقی عسکری تجزیہ ہے۔" اول خان نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "ہم متبادل تجاویز پر اسی طرح تقابلی تجزیے کرکے' کوئی ایک راہ اپناتے ہیں۔ میں تم سے پوری طرح متفق ہوں اور اپنے اصل منصوبے پر قائم ہوں۔"

"میں بھی بحث برائے بحث کر رہی تھی۔" ویرا چڑچڑے انداز میں بولی۔ "مجھے گروہ بند لڑائیوں کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ میں تو ضرورت پڑنے پر فوری فیصلے کرنے کی عادی ہوں۔ وہ فیصلے عموماً درست ثابت......"

"مجھے یاد ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "تم نے جہانگیر کے مکان پر ماجے کے آدمیوں کی یلغار کی قیادت کی تھی جب کہ دوسری طرف میں خود تیار تھا۔ اس مقابلے میں کئی آدمی گنوانے کے علاوہ تم خود بھی زخمی ہوگئی تھیں۔ میں تمہاری نفری اور قوت کی طرف سے فکرمند تھا لیکن ہم کامیاب رہے تھے۔"

"تو کیا تم دونوں کے درمیان ایسی بھیانک خونریزیاں بھی ہوتی رہی ہیں؟" اول خان حیران رہ گیا۔

"ہماری اصل دوستی نے ایسی ہی دشمنیوں کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اب پرانے زخموں کو نہ کریدو۔" ویرا منہ بنا کر بولی۔ "میں تمہاری اسی عادت سے چڑتی ہوں کہ تم اپنے زورِ بیان کا ناجائز استعمال کرتے ہو۔ اپنی ایک ہی تجویز کی حمایت اور پھر مخالفت میں دلائل دے کر تم نے میرے ذہن کو پراگندہ کردیا ہے۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ میں نے دانستہ ایسا نہیں کیا۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "مجھ میں اور تم میں یہی فرق ہے کہ تم اپنی بات پر اڑ جاتی ہو اور میں ہر وقت کھلے ذہن کے ساتھ سوچتا ہوں۔ بعد والی باتیں مجھے پہلے ہی سوجھ جاتیں تو شاید میں شہباز کے استعمال کا ذکر تک نہ کرتا۔"

"تو پھر سب کچھ جوں کا توں رہے گا؟" اول خان نے بات ختم کرنے کے لیے مداخلت کی۔

ہم دونوں کی مشترکہ رضامندی حاصل کرنے کے بعد اُس نے ہمیں نو بجے روانگی کے لیے تیار رہنے کی ہدایت کی اور وہاں سے رخصت ہوگیا۔

"مجھے اب بھی شبہ ہے کہ تم اول خان کو گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔" دوبارہ تخلیہ ہوجانے پر ویرا نے آنکھیں نکال کر تیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"تم باؤلی ہوگئی ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس کو گھسنے سے مجھے کیا حاصل ہوسکتا تھا؟"

"آدمی بہت سی باتیں صرف اپنی تسکین کے لیے کرتا ہے۔ ضروری تو نہیں کہ اسے اپنے ہر فعل سے کوئی مالی یا جسمانی فائدہ ہی حاصل ہو۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ بحث پر تلی رہی۔

"یہ ذہنی مریضوں کے کام ہوتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "اور میں ابھی تک اس صف میں شامل نہیں ہوا ہوں۔ میں اول خان کی کافی عزت کرتا ہوں۔"

بات ختم کرنے کے لیے میں کمرے سے اٹھ کر' باہر لان پر پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف چل دیا۔ ویرا باورچی خانے کی طرف ہولی تاکہ خدمت گار کو بلا کر کمرے کو صاف کرواسکے۔

نہا دھو کر سویرے سے کھانا کھالینے کے بعد ہمارے پاس کافی وقت تھا۔ میں اس سے پہلے بڑے بڑے معرکوں سے گزر چکا تھا۔ اس بار ہمارا مقابلہ صرف البرٹو اور اس کے پانچ چھ حواریوں سے تھا لیکن میں اپنے وجود میں عجیب سی بے چینی سرایت کرتی ہوئی محسوس کر رہا تھا۔

اس اعصابی دباؤ سے نجات حاصل کرنے کی نیّت سے میں نے کولمبیا سے آئے ہوئے اولیانو کو فون کرنے کا خیال ظاہر کیا تو ویرا نے بھی میری تائید کی۔ اولیانو کا البرٹو سے براہِ راست تعلق ضرور تھا لیکن وہ اس قدر محدود تھا کہ میں اول خان سے اس کا ذکر کرنا ہی بھول گیا تھا۔ اس بے چارے کو سرے سے یہ علم نہیں ہوسکا تھا کہ ہم دونوں اولیانو کے گھر گئے تھے اور اس کی بلیک میلنگ کی کہانی کے ساتھ واپس آئے تھے۔

البرٹو ویلیسا' اولیانو کو بلیک میل کرکے نہ صرف اُس کا دفتر استعمال کرتا رہا تھا بلکہ بیرونِ ملک پیغام رسانی کے لیے اس کی گھریلو فیکس مشین بھی استعمال کرتا رہا تھا۔ میں یہ سوچ کر اس کے گھر گیا تھا کہ بات بن گئی تو میں اس سے البرٹو کے رابطے کے نمبر وغیرہ بھی دینے کی بات کروں گا لیکن نلنی کا قصہ شروع ہوجانے کی وجہ سے بیرونِ ملک کے فون اور فیکس نمبروں والا معاملا میرے ذہن سے محو ہوگیا تھا۔

میں نے اولیانو کا نمبر ملایا تو اس نے خود ہی میری کال وصول کی اور مجھے پہچانتے ہی اس نے مزاج پرسی کیے بغیر اپنا شکوہ شروع کردیا۔ "اوہ ڈیر! تم لوگوں نے کل رات میرے ساتھ بڑا ظلم کیا۔ نلنی کو ضرورت سے زیادہ شراب پلا کر میرے سر پر مسلط کر گئے۔ وہ بارہ بجے یہاں سے جانے کے قابل ہوئی تھی۔ اس کے انتظار میں دیر تک جاگنے کی وجہ سے میری طبیعت بھی خراب ہوگئی تھی۔"

"میرا تو خیال تھا کہ ایک بہکی ہوئی جواں سال عورت تمہاری رات کو بہت حسین بنا دے گی اور تم اس کا شکوہ کر رہے ہو؟" میں نے بے تکلفی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"نئی عورت ہوتی تو شاید میں بھی یہی سوچتا۔" وہ موڈ میں معلوم ہو رہا تھا۔ "لیکن نلنی میرے لیے بہت پرانی ہوچکی ہے۔ مجھے ہر وقت نئے پن کی تلاش رہتی ہے۔"

"اپنی اس فہرست میں میری گرل فرینڈ کا نام شامل نہ کرلینا۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "پتا نہیں تم نے میری غیر موجودگی میں اُس سے کیا باتیں کی تھیں کہ وہ کئی بار تمہارا ذکر کرچکی ہے۔"

"تو پھر کسی وقت اسے لے آؤ نا! میں وعدہ کرتا ہوں کہ اُس پر ڈورے نہیں ڈالوں گا۔"

"تمہارے نئے پن کے شوق نے مجھے فکر میں مبتلا کردیا ہے۔"

"وہ مذاق کی بات تھی۔ دراصل ویرا بہت ذہین عورت ہے۔ حسین عورت اگر ذہین بھی ہو تو اس کے ساتھ وقت گزارنے میں عجیب لطف آتا ہے۔"

"دیکھو' ایک آدھ دن میں آئیں گے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ پھر پوچھا۔ "ظفر کے بارے میں کیا خیر خبر ہے؟"

"وہ غائب ہے۔ ضرورت پیش آئے گی تو خود ہی رابطہ کرے گا۔" پھر وہ چونکتے ہوئے بولا۔ "فیکس پر اُس کا ایک پیغام بھی آیا ہوا ہے۔ اسے اپنے متوقع پیغامات کی آمد کا اندازہ رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ آج کل میں مجھ سے ضرور رابطہ کرے گا۔"

"کیا پیغام ہے؟" وہ انکشاف سن کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔

"بالکل سادہ کاغذ پر ہسپانوی زبان میں کسی نے اپنی آمد کا بہت مختصر سا پیغام دیا ہے۔ ڈیئر ظفر' اتوار کو آرہا ہوں۔ تاریخ' وقت یا پرواز کا نام تک نہیں ہے۔"

"اور یہ پیغام کہاں سے بھیجا گیا ہے؟" میرے ذہن میں ہلچل سی پیدا ہونے لگی تھی۔

"یہ بھی نہیں معلوم' عجیب مبہم سا پیغام ہے۔ اوپر ظفر کا نام نہ ہوتا تو یہ سمجھنا دشوار تھا کہ وہ پیغام کس کے لیے دیا گیا ہے۔"

"فیکس پر تو بھیجنے والے کا نمبر اور نام وغیرہ بھی آتا ہے!" میں نے حیرت سے کہا۔

"صرف اسی صورت میں جب وہ مشین کی یادداشت میں ڈالا گیا ہو اور مشین کی شناخت کا بٹن آن ہو۔ بٹن آف کردو تو کچھ پتا نہیں چلتا۔" میرے لیے وہ نئی اطلاع تھی۔

"اور اگر مشین کی میموری میں غلط نمبر ڈال دیا جائے تو وہ وہی بھیج دے گی؟" میں نے اپنی معلومات میں اضافے کی نیّت سے سوال کیا۔

"بالکل! تم اپنی مشین سے ایسا پیغام بھیج سکتے ہو جو میری مشین سے بھیجا ہوا معلوم ہو گا بلکہ تم غلط کوڈ وغیرہ استعمال کر کے ایسا مقامی پیغام بھیج سکتے ہو جو امریکا سے آیا ہوا معلوم ہو گا۔ مشینیں کیسی ہی غضب کی کیوں نہ ہوں انسان کے اشاروں کی غلام رہتی ہیں۔ اسی وجہ سے تجارتی اور بینکاری کے معاملات میں فیکس کو اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جاتا جب تک کوئی مستند ضمانت میسر نہ ہو۔"

"تم میرے لیے اس پیغام کی ایک فوٹو کاپی رکھ لینا۔" میں نے کہا۔ "اگر ظفر اصل لینے کے لیے آجائے تو وہ اسے دے دینا۔ یہ پیغام اہم معلوم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ظاہری الفاظ کی آڑ لے کر کچھ اور کہنے کی کوشش کی گئی ہو۔ وہ کاغذ دیکھنے کے بعد ہی اصل بات کا اندازہ ہو سکے گا۔"

"میں رکھ لوں گا۔" اس کی سعادت مندانہ آواز ابھری۔ "تو تم کل ویرا کے ساتھ آرہے ہو نا؟"

"اچانک مجھے یاد آیا کہ میں اگلی صبح کراچی روانہ ہونے کا ارادہ کر چکا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ "میں آؤں یا نہ آؤں ویرا ضرور آئے گی لیکن یہ یاد رکھنا کہ وہ خوبصورت اور ذہین ہونے کے ساتھ ہی مردمار بھی ہے۔ غصہ آجائے تو کسی کا بھی لحاظ کیے بغیر ہاتھ چھوڑ بیٹھتی ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں اسے غصہ دلانے والی بات نہیں کروں گا۔" وہ خوش ہو گیا۔

"اور، ہاں! اسے وہ نمبر بھی دے دینا جن سے ظفر رابطہ کرتا رہا ہے۔"

"تھوڑی سی محنت کرنی پڑے گی۔ لیکن خیر، میں نمبر بھی دے دوں گا۔" وہ فراخ دلی پر آمادہ تھا۔

میں نے فون بند کر دیا۔

"وہ کرنل جیسی جونز کا پیغام بھی ہو سکتا ہے۔" میری بات سن کر ویرا پُرجوش لہجے میں بولی۔ "لیکن تم نے اُس سے میری آمد کا وعدہ کیوں کر لیا؟ میں تمہارے ساتھ کراچی واپس جاؤں گی۔"

"میرے ساتھ غزالہ کی مجبوری ہے۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "جب میں اسے بتاؤں گا کہ کام ہونے کے باوجود میں تمہیں چھوڑ کر کراچی چلا آیا تو وہ خوش ہو جائے گی۔ اولیانو سے وہ کاغذات لینے ضروری ہیں۔ آخری پیغام اور پرانے نمبروں کی مدد سے بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اولیانو سے فارغ ہو کر تم رات کی پرواز سے لوٹ آنا۔"

ویرا کی آنکھیں کسی انجانے جذبے سے چمکنے لگیں۔ "تو تم مانتے ہو کہ غزالہ کو میرا اور تمہارا ایک ساتھ رہنا پسند نہیں ہے؟"

"وہ اب ایک شادی شدہ عورت ہے۔ تم خود سمجھ سکتی ہو کہ وہ اس بارے میں کیا سوچتی ہو گی۔ غنیمت یہ ہے کہ اُسے ابھی تک ہمارے مراسم کی اصل حدود کا علم نہیں ہے۔"

"اور تم ان حدود کو برقرار رکھ کر خوش ہو؟" اس نے تجسس کے ساتھ پوچھا۔

"تم یہاں آنے کے بعد خود دیکھ چکی ہو کہ میں کیا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور وہ خوش ہو گئی۔

ٹھیک نو بجے ایک سیاہ ٹویوٹا کار ہمیں لے جانے کے لیے تیار تھی۔ وہ عام نمبر پلیٹ والی ایک اچھی کار تھی جس میں ٹرانسیٹر بھی لگا ہوا تھا۔ اول خان ڈرائیور کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھ گیا۔ ہم دونوں پچھلی نشست پر بیٹھ گئے جہاں دو پستول بھی موجود تھے جن کے میگزین چڑھے ہوئے تھے۔

گاڑی میں لگے ہوئے اپریٹس سے ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ گاڑی حرکت میں آنے کے بعد اول خان نے آواز بڑھا دی اور ہمیں اس نظام پر نشر ہونے والے پیغامات واضح طور پر سنائی دینے لگے۔ مختلف افراد کوڈ نمبروں کے حوالے سے ایک دوسرے کو نقل و حرکت کے بارے میں آگاہ کر رہے تھے۔

"اس آپریشن میں ہمارے علاوہ اسّی افراد شریک ہیں۔" اول خان ہمیں بتانے لگا۔ "اس وقت وہ سب سرکاری کالج کے میدان میں جمع ہو رہے ہوں گے۔ آپریشن کے آغاز کا وقت پونے دس بجے شب مقرر کیا گیا ہے۔ یہ لوگ مقررہ وقت سے صرف پانچ منٹ پہلے اپنی اپنی جگہوں پر پہنچیں گے تاکہ ہمارے حریفوں کو خبردار ہونے کے لیے زیادہ وقت نہ مل سکے۔ پونے دس بجے کمانڈو ایکشن شروع ہو گا۔ اگر ان لوگوں کو نہ روکا گیا تو زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں بساط سمٹ جائے گی ورنہ معاملہ طول پکڑ سکتا ہے۔"

"البرٹو و یلیسا کے فون کے بارے میں کیا کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سات بجے اس کا فون ایکسچینج سے بند کیا جا چکا ہے۔ میں نے سات بج کر دو منٹ پر نمبر ڈائل کر کے دیکھ لیا تھا۔ اس کی لائن بے جان پڑی ہوئی تھی۔"

"شاید بجلی بھی بند کرا دی گئی ہو گی۔" ویرا نے قیاس آرائی کی۔ "معمول کی لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے یہ کام بھی آسانی سے ہو گیا ہو گا؟"

"مکمل اندھیرا ہمارے لیے نقصان کا سبب بن سکتا تھا اس لیے اس علاقے میں بجلی کی فراہمی کو یقینی بنا لیا گیا ہے البتہ اسٹریٹ لائٹس آف کرا دی گئی ہیں۔ تم دونوں کے لیے، اگلی نشستوں کے نیچے دو بھری ہوئی کلاشنکوفیں رکھی ہوئی ہیں۔ ضرورت کے وقت تم آزادانہ طور پر انہیں استعمال کر سکتی ہو۔ اس آپریشن میں ہمارے آدمی اوسی کوڈ کے تحت پیغامات کا تبادلہ کریں گے۔ فیلڈ میں سات اپریٹس موجود ہوں گے۔ اس گاڑی میں موجود افراد کا یا یوں سمجھو کہ میرا مکمل کوڈ اوسی فور ہے یعنی آپریشن سینٹر نمبر چار۔ اوسی فور کے لیے آنے والے پیغامات میرے لیے ہوں گے۔"

"اوسی فور!" میں نے ہنس کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ چار کا ہندسہ تمہیں بہت پسند ہے۔ کیونکہ کراچی میں تمہارے یونٹ کو اسٹیشن فور کہا جاتا ہے اور یہاں تم اوسی فور ہو۔"

"یہ اتفاق ہے۔ اوسی فور میرا انتخاب ہے لیکن کراچی والے یونٹ کو مرکزی کمان کی طرف سے نام دیا گیا ہے۔ اس میں میری مرضی یا پسند کا کوئی دخل نہیں ہے۔" اس نے میرے مذاق کا برائے منائے بغیر کہا۔

"اگر تم ذہنی طور پر الجھے ہوئے نہ ہو تو ایک بات بتاتا چلوں؟" میں نے موقع غنیمت جان کر پوچھا۔ "اس کا تعلق یواین والے اولیانو کی ذات سے ہے۔"

"ضرور۔" وہ چونک کر بولا۔ "اس بے چارے کو تو میں بالکل ہی بھولا ہوا ہوں۔"

"وہ بے چارہ نہیں، بہت ٹیڑھا آدمی ہے۔ البرٹو اسے اس کی رنگین مزاجی کی بنا پر بلیک میل کر کے اس کا دفتر استعمال کرتا رہا تھا۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

مجھے اندازہ تھا کہ ہم لوگوں کے پاس بہت کم وقت رہ گیا ہے اس لیے میں نے اولیانو کی پوری کہانی چند منٹ میں ہی پوری کر لی۔

"میں حیران ہوں کہ اس بار تم نے جہاں بھی ہاتھ ڈالا ہے، وہاں سے کامیاب و کامران ہو کر لوٹے ہو۔" اس نے تحیّر زدہ آواز میں کہا "سب سے اہم بات یہ ہے کہ تم نے اولیانو سے آخری فیکس کی نقل اور البرٹو کے استعمال میں رہنے والے فیکس نمبر لینے کا بندوبست کر لیا ہے۔ ان چیزوں کے ذریعے ہم کو البرٹو و یلیسا کے کرتوتوں سے زیادہ بہتر واقفیت حاصل ہو سکے گی۔"

"مجھے شبہ ہے کہ فیکس پر آنے والا پیغام کرنل جیسی جونز کا ہو گا" ویرا نے اپنی بات دہرائی۔ "ہو سکتا ہے کہ اس پیغام کے حروف کو گھٹا بڑھا کر کوئی پوشیدہ پیغام بھی دیا گیا ہو۔"

"ہمارے پاس کرپٹوگرافی کے ماہرین بھی ہیں۔ پیغام تو ذرا سی دیر میں پڑھ لیا جائے گا۔"

میں کچھ بولتے بولتے خاموش ہو گیا کیونکہ اس بار اپریٹس پر اول خان کے لئے پیغام آرہا تھا۔

"اوسی ون کالنگ اوسی فور...... ساری نفری مقررہ مقام پر پہنچ چکی ہے۔ میں نے سب کی ٹرن آؤٹ چیک کر لی ہے۔ جوان پوری طرح تیار ہیں۔ مورال بہت اونچا ہے۔ ہم ساڑھے نو بجے یہاں سے نکلنا شروع کریں گے تاکہ مقررہ وقت پر سب اپنی اپنی جگہوں پر ہوں..... اوور!"

اچانک میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا اور میں اپنی جگہ پر سن ہو کر رہ گیا۔ مجھے ٹریڈ لائن کے دفتر پر ہونے والی کارروائی یاد آگئی تھی جس کا راز محض ایک ٹرانسیٹر کی وجہ سے سیٹھ حبیب جیوانی پر افشا ہو گیا تھا۔ حبیب جیوانی کا پولیس کے محکمے سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن ایک عیاش افسر کی بددیانتی کی وجہ سے وہ اہم مواصلاتی آلہ اُس کی تحویل میں چلا گیا تھا کہ البرٹو و یلیسا ایک مدت تک اسپیشل ٹاسک فورس میں افسری کرتا رہا تھا۔ اگر وہ بھی ایسے ہی کسی اپریٹس پر قابض تھا تو ہماری وہ تمام مشق بے سود تھی۔

وہ اپنا اپریٹس آن کر کے پوری کارروائی کا ایک ایک لفظ سن سکتا تھا۔

"کہاں غائب ہو؟" اول خان کی تیز آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ میری غائب دماغی کے دوران میں اپنی بات مکمل کر کے فارغ ہو چکا تھا اور مجھ سے بات کرنی چاہ رہا تھا۔

"اگر یہ اپریٹس البرٹو و یلیسا کے پاس بھی ہے تو....." میں نے اسے اپنی فکرمندی کے سبب سے آگاہ کرنا چاہا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔

"مومن ایک سوراخ سے اتنی جلدی دوبارہ نہیں ڈسا جاتا۔ مجھے ٹریڈ لائن والا تلخ تجربہ یاد تھا۔ البرٹو ایک نہیں بلکہ تین مختلف اپریٹس اپنے ساتھ لے گیا ہے اور ان کا استعمال ترک کر دیا گیا ہے۔ آج کل ہم آرمی والوں سے مستعار لئے ہوئے سسٹم سے کام چلا رہے ہیں۔ اس کے فرشتوں کو بھی ہمارے عزائم کی بھنک نہیں مل سکے گی۔ مجھے خوشی ہے کہ تم ہر بات پر گہری نظر رکھ رہے ہو۔ یہ سب ہماری خوش بختی اور البرٹو و یلیسا کی تباہی کی علامات ہیں۔ آگے کا بندوبست اولیانو کر دے گا۔ اگر وہ پیغام کرنل جیسی جونز کا ہی ہے تو وہ پاکستان میں قدم رکھتے ہی پکڑ لیا جائے گا۔ ابھی اتوار میں کئی دن باقی ہیں۔ غیر ملکی فضائی کمپنیوں کی تمام بین الاقوامی پروازیں صرف کراچی میں اترتی ہیں۔ ہم اس ہوائی اڈے پر اپنی تمام توجہ مرکوز کر کے کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔"

وہ ان دنوں کی بات ہے جب پاکستان کے دوسرے شہروں سے بین الاقوامی پروازوں کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا اور سارا ٹریفک صرف کراچی سے گزرتا تھا۔

دس بجنے سے پچیس منٹ پہلے ہم مری روڈ پر سیٹلائٹ ٹاؤن کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"اگلی سڑک سے گاڑی بائیں طرف موڑ کر تیسری گلی کے نکڑ پر لگے ہوئے درخت کے نیچے روک لو!" اول خان نے ڈرائیور کو اس طرح ہدایات دیں جیسے وہاں کا چپّہ چپّہ اس کا دیکھا بھالا ہو۔ میں حیران رہ گیا۔

جوں ہی گاڑی اُس کے بتائے ہوئے سنسان مقام پر رکی، وہ "ابھی آتا ہوں" کہہ کر گاڑی سے اترا اور تیزی کے ساتھ اگلی گلی میں گھستا چلا گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس کے شہری لباس میں ایک پستول اور اس کے تین فاضل میگزین سے زیادہ اور کچھ لے جانے کی گنجائش نہیں تھی۔

وقت بہت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور میرے دل کی دھڑکنیں بار بار بے ترتیب ہوتی رہیں۔ میں البرٹو و یلیسا کی کمین گاہ کے قرب و جوار میں رونما ہونے والے حالات کا نقشہ اپنے ذہن میں جمانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس وقت تک، سب کچھ اتنا غیر یقینی تھا کہ میرے ذہن میں ادھورے نقشے بنتے اور بگڑتے رہے۔

"اوسی تھری! ایڈوانس! اپوزیشن لو! اوور" ڈیش بورڈ کے

خانے میں رکھے ہوئے ایرپیس سے اوسی ون کی مرتعش اور ہیجان آمیز آواز ابھری۔

میں نے اپنی رِسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو دس بجنے میں اکیس یا بائیس منٹ باقی تھے۔

لمحہ بھر بعد فضا کسی طاقت ور انجن کی غضبناک غراہٹ سے لرز اٹھی۔ ایک سمت سے دھول کے مرغولے اڑاتا ہوا' ایک ٹرک نمودار ہوا اور نہایت خطرناک تیز رفتاری کے ساتھ پانچویں گلی میں گھستا چلا گیا۔ تقریباً فوراً ہی اس کے انجن کی آواز معدوم ہوگئی۔ میں یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ ٹرک روک دیا گیا تھا یا انجن بند کرکے اپنے ہی زور میں خاموشی سے آگے بڑھتا چلا جارہا تھا۔

"ہرپارٹی اپنی اپنی پوزیشن دے..... اوور!" اوسی ون پر حالات کے دباؤ کی وجہ سے دورے کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس وقت میری رِسٹ واچ میں دس بجنے میں بیس منٹ باقی تھے یعنی سب لوگوں کا پوزیشن پر موجود ہونے کا وقت ہوچکا تھا۔

"اوسی ٹو..... آن ٹارگٹ' سر! اوور۔" باری باری پیغامات آنے لگے۔ ان آوازوں میں ڈسپلن اور ہیجان کا اس قدر عجیب امتزاج تھا کہ مجھے فضا یک بیک گمبیھر ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اول خان بدستور غائب تھا۔ پتا نہیں وہ کہاں اور کس فراق میں گیا تھا۔

"آوازوں کے اس ہیجان خیز سیلاب میں میرے لئے یہاں بیٹھے رہنا دشوار ہورہا ہے۔" میں نے ویرا کے کان میں کہا "میرے اعصاب چٹخنے لگے ہیں۔ میں آگے جارہا ہوں۔"

ویرا نے سختی کے ساتھ میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ "پاگل نہ بنو! ان میں سے ہر ایک اپنی طے شدہ پوزیشن پر ہے۔ اول خان نے اپنی پوزیشن کا بھی تعین کرلیا ہوگا۔ تم کہاں جاؤ گے؟ ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں اپنوں کی ہی کسی بھٹکی ہوئی گولی کا نشانہ بن جاؤ۔ میں بھی مضطرب ہورہی ہوں لیکن ہمارے لئے یہیں بیٹھے رہنا بہتر ہے۔"

اس وقت مجھے دھیان آیا کہ میں نے اول خان کے پاس موجود نقشوں میں دلچسپی نہ لے کر' اپنے اوپر بڑا ظلم کیا تھا۔ وہ سارا دن دفتر میں کاغذات اور نقشوں میں سر کھپاتا رہا تھا۔ شاید اس نے اپنے آدمیوں سے اس علاقے کا سروے کرانے کے بعد نقشوں پر ہر درخت' کھمبے' مکان اور گٹر تک کے نشانات لگا لیے تھے اور اپنے آدمیوں کو ان ہی نشانیوں کے سہارے ان کی جگہیں سونپی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اس علاقے میں قدم رکھے بغیر' اپنے ڈرائیور کو بائیں موڑ کے بعد تیسری گلی کے نکڑ پر لگے ہوئے درخت کا حوالہ دے کر مجھے حیران کردیا تھا۔ مجھے کہیں پڑھی ہوئی بات بھی یاد آگئی جس کے مطابق' فنونِ حرب میں جنگی نقشہ نویسی اور نقشہ خوانی کی کلیدی اہمیت تھی۔ ان پر عبور حاصل کئے بغیر کوئی افسر اپنے سپاہیوں کو کامیابی سے نہیں لڑا سکتا تھا۔

میں نے وہ سب سوچتے ہوئے بھی' رِسٹ واچ کو مسلسل اپنے سامنے رکھا ہوا تھا۔ اس کی سیکنڈ کی سوئی کا ہر جھٹکا مجھے اپنے دماغ پر ہتھوڑا مارتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

اس علاقے میں سب ہی بڑے بڑے مکانات تھے اور لوگ اپنے وسیع و عریض گھروں میں محدود رہنے کے عادی معلوم ہوتے تھے۔ اس لئے باہر کوئی بھیڑ بھاڑ نہیں تھی لیکن لوگوں کی آمد و رفت کا بالکل موقوف ہونا میرے لئے حیران کن تھا۔ ایس ٹی ایف والوں کی پیشگی بھاگ دوڑ کے بغیر لوگوں کا دور رہنا قرین قیاس نہیں تھا یا پھر پنڈی والوں کے حساب سے اس موسم میں پونے دس بجے کا وقت سو جانے کا ہوتا تھا۔

تاریک گلیوں اور خوابناک روشنیوں میں لپٹے ہوئے مکانات کے درمیان ہونے والے' اس پُراسرار کھیل نے خاصا ڈراؤنا سماں باندھا ہوا تھا۔ ٹھیک پونے دس بج گئے لیکن فضا پر وہی بھرپور سناٹا چھایا رہا جس کی شاید اپنی ہی ایک گونج تھی لیکن چند سیکنڈ بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ فضا کسی خود کار رائفل کی گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے لرز اٹھی۔ فضا میں ایک کربناک چیخ گونجی۔ اس کے معدوم ہونے سے پہلے بیک وقت کئی رائفلیں چلیں اور ان فائروں کے نتیجے میں ابھرنے والی دلدوز چیخ' گولیوں کے ہولناک دھماکوں میں دب کر رہ گئی۔ میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ وہ آوازیں بہت دور کی نہیں تھیں۔ میں جائے واردات پر موجود نہ ہونے کے باوجود' اپنے تجربے کی بنا پر اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ دو فریقوں کا تصادم تھا۔ ایک جانب سے خود کار کلاشنکوف کی باڑھ ماری گئی جس نے کسی کو چاٹ لیا پھر رائفلیں استعمال کی گئیں اور انہوں نے بھی کسی کی زندگی کا چراغ گل کردیا۔ رائفلوں والے یقینی طور پر اول خان کے آدمی تھے۔ تصادم کا مطلب تھا کہ البرٹو ویلیسا غافل نہیں تھا اور وہ مقابلہ طول پکڑنے والا تھا۔ فائرنگ تھم چکی تھی لیکن اس کے ردِ عمل میں کئی مکانوں سے خوف زدہ چیخیں ضرور ابھری تھیں۔

"اوسی ٹو کا ایک آدمی اسٹون پوائنٹ کے ساتھ زخمی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالو!" وہ شاید اوسی ٹو یونٹ کے سربراہ کی آواز تھی اور وہ کمانڈو یونٹ تھا۔

"اوسی فور کی گاڑی پوائنٹ تھری پر لے آؤ۔" اس بار اول خان کی آواز سنائی دی تھی۔ اس کے ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی تیزی سے آگے بڑھائی اور پانچویں گلی میں لیتا چلا گیا۔ اول خان کہہ رہا تھا "زخمی کو میری گاڑی میں فوراً اسپتال لے جاؤ' مہمان بمپر ٹو میں رکیں گے۔ ڈیئی' تم سن رہے ہو نا؟ اوور!"

"ہاں' لیکن سمجھ نہیں رہا۔ تمہارا ڈرائیور سمجھا دے گا۔ اوور اینڈ آل" میں نے مضمحل آواز میں جواب دے کر ایرپیس کا بٹن چھوڑ دیا۔ سیاہ کار کے ہیڈ لیمپس بدستور تاریک تھے۔

"تم اس ٹرک میں رکو گے!" ڈرائیور نے کرولا ایک مہیب اور خاموش ٹرک کے قریب روکتے ہوئے کہا۔ ہم دونوں ہی خاموشی سے نیچے اتر گئے اور کار تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

ایک کمانڈو کے زخمی ہونے کی خبر افسوسناک تھی۔ بیکار میں مصروف لوگ' اندازے سے اسے زخمی کہہ رہے تھے لیکن کون کہہ سکتا تھا کہ وہ کسی طبّی امداد کے انتظار میں واقعی زندہ بھی تھا!

ہم دونوں اونچے ٹرک کے کیبن میں چڑھ گئے۔ اسٹیئرنگ وھیل پر بیٹھے ہوئے' رائفل بردار ڈرائیور نے ہمیں کالی کار سے اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا اس لئے اس نے ہم سے کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ سیٹ کے ایک کونے میں سمٹ گیا۔ ٹرک کے کیبن میں ٹرانسیٹر موجود نہیں تھا۔

کچھ دور جا کر سیاہ کار بھی رک گئی۔ اس طرف ملگجے اندھیرے میں متعدد تاریک دھبے متحرک نظر آرہے تھے۔

چند منٹ بعد آگے سے پھر فائرنگ کی آوازیں ابھریں جو ملے جلے ہتھیاروں کی تھیں۔ ان کے جواب میں کئی کلاشنکوفیں چل پڑیں۔ کلاشنکوفوں کی قہربار برسات میں دوسرے ہتھیار خاموش ہوگئے۔ کلاشنکوفیں بدستور موت کے نغمے الاپتی رہیں پھر فضا میں یکے بعد دیگرے دو چیخیں ابھریں۔ طویل اور روح فرسا انسانی چیخیں' جن میں واضح طور پر موت کی دہشت رچی ہوئی تھی۔

پھر یکلخت فضا پر غیر فطری سا سکوت چھا گیا۔ ہم دونوں بالکل خاموشی کے عالم میں اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے۔ پھر میں نے سیاہ کار کو واپس آنے کے بجائے بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے دیکھا۔ غالباً زخمی یا مردہ کمانڈو کو اس میں ڈال دیا گیا تھا اور ڈرائیور اسے اسپتال لے جارہا تھا۔

خاموشی اور سناٹا اس وقت کاٹتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ طویل لمحوں کے بعد سامنے سے ایک رائفل بردار دوڑتا ہوا آیا اور اس نے ہانپتے ہوئے ہم دونوں سے مخاطب ہوکر کہا "تم دونوں آجاؤ۔ اوسی فور بلا رہا ہے۔"

ہم دونوں ہی بے تابانہ انداز میں کیبن کا دروازہ کھول کر یکے بعد دیگرے نیچے کود پڑے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ اس کشادہ گلی میں موجود ہر رکاوٹ کے پیچھے ایک مسلح سادہ پوش آدمی گھات لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ رائفل بردار کی معیت میں ہم زرد احاطے والی اس عمارت کے قریب پہنچ گئے جس کے باہر مسلح افراد کی بھاری نفری پھیلی ہوئی تھی اور ان میں اعتماد پایا جاتا تھا۔ احاطے کا آہنی پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ اندر بھی متعدد افراد رائفلیں تانے' سینے کے بل زمین سے چپکے ہوئے تھے۔ ان سب سے آگے' پختہ برآمدے میں اول خان کلاشنکوف تھامے' لڑ مرنے والے انداز میں اندر دیکھ رہا تھا۔

"آؤ!" مجھے دیکھتے ہی وہ ایک جھٹکے سے عمارت میں گھس گیا۔ "البرٹو ویلیسا کو دیکھ لیا گیا ہے۔ اس نے خود کو کمرے میں بند کرلیا ہے۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور ہیں۔"

"اس کے باقی آدمی کہاں ہیں؟" میں نے پیش قدمی کرتے ہوئے پوچھا۔

"چار زخمی حالت میں پکڑ لئے گئے۔ ایک کا چہرہ اُڑ گیا۔" اول خان کی آواز میں درندگی جھلک رہی تھی۔

ہم چند سیکنڈ میں اس بند دروازے کے سامنے پہنچ گئے جس کے ساتھ تین کلاشنکوف بردار کھڑے ہوئے تھے اور اندر سے کچھ ناقابلِ فہم سرگوشیانہ آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"البرٹو' دروازہ کھول دو ورنہ ہم تمہارے چیتھڑے اُڑا دیں گے۔" اول خان نے اپنے ہاتھ میں موجود کلاشنکوف کا آہنی دستہ دروازے پر مارتے ہوئے غضبناک لہجے میں کہا۔

اندر مکمل خاموشی چھا گئی اور اول خان نے اپنی کلاشنکوف سیدھی کی اور اس کا سارا میگزین دروازے کے ایسے مقامات پر خالی کردیا جہاں قفل یا بولٹ ہوسکتے تھے۔ اول خان نے دروازے کے سامنے سے ہٹ کر' اس پر زوردار ٹھوکر ماری۔ تیز چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ کُھل گیا لیکن سامنے کوئی نہیں تھا۔

اول خان اپنی کلاشنکوف میں نیا میگزین لوڈ کررہا تھا کہ اندر سے پستول کا فائر ہوا۔ ایک دردناک چیخ کے ساتھ کوئی دھماکے کے ساتھ نیچے گرا۔ پھر کسی کی ہذیانی چیخ سنائی دی۔ دوسرا فائر ہوا اور وہ چیخ بھی موت کے درد میں ڈھل گئی۔ شاید دہشت سے البرٹو کا دماغ الٹ گیا تھا اور اس نے اپنے دونوں آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اب وہ اندر اکیلا رہ گیا تھا۔

ویرا نے اضطراری انداز میں چیخ کر ہسپانوی زبان میں کچھ کہا۔

"اوہ! تو تم پھر آپہنچی ہو!" اندر سے البرٹو کا ہذیانی قہقہہ گونجا۔ سب کو سنانے کے لئے اس نے اردو بولی تھی "لو' پھر میں خود ہی باہر آجاتا ہوں۔"

وہ بالکل غیر متوقع طور پر اپنے دونوں ہاتھوں میں موجود پستولوں سے اندھا دھند گولیاں برساتا ہوا باہر نکلا۔ لوگ اوٹ میں ہونے کے باوجود اس وحشیانہ وار سے نہیں بچ سکے۔ دو بے ساختہ غراہٹیں گونجیں' ایک گولی عین میرے قدموں میں آکر لگی۔ ویرا بھی بال بال بچی اور اول خان نے صورتِ حال کی سنگینی کو بھانپتے ہوئے اس درندے کو مزید خون ریزی سے روکنے کے لئے اپنی کلاشنکوف سے اس کا بدن چھلنی کردیا۔

البرٹو ویلیسا کا مکروہ وجود' ایک بار فضا میں چکرایا پھر تشنج کے عالم میں پختہ فرش پر گر گیا۔ دونوں پستول اس کی گرفت سے نکل کر دور جا گرے تھے۔

اول خان دونوں ہونٹ بھینچے اسے گھورتا رہا پھر اس نے غصے سے بے قابو ہوکر' اس کے ادھڑے ہوئے چہرے پر ٹھوکر رسید کردی۔ پھر وہ فوراً ہی ان لوگوں کی طرف مڑا جو البرٹو کے پستول سے زخمی ہوئے تھے۔

ان دونوں کے زخم معمولی تھے۔ اندھا دھند چلائی ہوئی ایک گولی نے ایک کا شانہ اور دوسری گولی نے دوسرے کی ران کا گوشت ادھیڑ ڈالا تھا۔ کوئی گولی کسی کے جسم میں پیوست نہیں ہوئی تھی۔

"قیدیوں اور لاشوں کے ساتھ واپسی کی تیاری کرو!" اول خان نے دونوں زخمیوں کو دلاسا دینے کے بعد ایک ایرپیس بردار

شخص سے کہا "مکان کو سیل کرانے کے بعد تین آدمی یہاں چھوڑ دو۔ واپسی میں دیر نہیں ہونی چاہئے۔ فائرنگ بند ہونے کے بعد لوگ گھروں سے باہر نکلنے شروع ہو جائیں گے۔"

وہ شاید اوسی دن یا اول خان کا نائب تھا۔ اس سے فارغ ہو کر اول خان ہم دونوں کو زینوں کے راستے چھت پر لے گیا۔ وہاں ایک بگڑی ہوئی بلکہ ڈراؤنی لاش پڑی ہوئی تھی۔ شاید اس کے چہرے پر بیک وقت کئی گولیاں لگی تھیں جنہوں نے اس کا پورا چہرہ اُڑا دیا تھا۔ خون آلود گردن کے اختتام پر بس کچھ چیتھڑے جھول رہے تھے جنہیں چہرے کا نام دیا جا سکتا تھا۔

"اس شخص نے ہمیں سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔" اول خان کی آواز دل گرفتہ ہو گئی۔ "خدا کرے کہ بٹ صرف زخمی ہوا ہو۔ وہ میرے بہترین آدمیوں میں سے ہے۔"

"یہ یہاں چھت پر کیا کر رہا تھا؟" ویرا نے متاسفانہ حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"یہ شاید اپنے معمول کے مطابق چھت پر چھپ کر عمارت کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ جب مقررہ وقت پر کمانڈو دیوار پھاند کر اندر کود رہے تھے تو اس نے ان میں سے کسی ایک کو دیکھ لیا اور اس پر پورا برسٹ خالی کر دیا۔ میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن سنا ہے کہ اس کے پورے بدن میں گولیاں لگی ہیں۔ وہ گرتے ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس شخص کے فائر کرتے ہی میرے دوسرے آدمیوں نے دیوار سے اوپر ابھرا ہوا' اس کا چہرہ دیکھ لیا۔ یہ نشانہ لینے کے لئے اوپر اٹھنے پر مجبور تھا پھر اس پر بیک وقت کئی رائفلیں فائر ہوئیں اور یہ جہنم واصل ہو گیا۔"

ہم تینوں بوجھل قدموں کے ساتھ نیچے آئے تو اس قلیل سی مدت میں وہاں سے سب کچھ سمیٹ لیا گیا تھا۔ البرٹو ویلیسا کی لاش بھی غائب ہو چکی تھی۔ ہمارے نیچے آتے ہی ایک آدمی اوپر والی لاش کی طرف دوڑ گیا۔ مسلح افراد سے بھری ہوئی اس عمارت میں ہم تینوں کے علاوہ صرف چار نفوس باقی رہ گئے تھے۔

ہماری روانگی سے پہلے ہی' اوپر جانے والا بغیر سر کی لاش کو اپنے کندھے پر لاد کر تیزی کے ساتھ پھاٹک کی طرف چل دیا تھا۔ اس طرح وہاں صرف وہی تین آدمی رہ گئے تھے جنہیں عمارت کی نگرانی کرنی تھی۔

ان تینوں کو بریفنگ دینے کے بعد اول خان شکست خوردہ انداز میں ہمارے ساتھ واپس چل دیا۔

"تم افسردہ کیوں ہو؟ بٹ زندہ ہو گا۔" میں نے اسے دلاسا دینا چاہا۔

اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیر رہی تھی۔ اس نے گلوگیر آواز میں کہا "خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ میں نے کلاشنکوف کا پورا برسٹ کھانے والوں کو بہت کم زندہ بچتے دیکھا ہے۔"

"تمہارے یہ تین آدمی یہاں ناکافی رہیں گے۔" چند ثانیوں کے بعد ویرا نے اسے ایک معقول بات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا "تھوڑی دیر بعد یہاں مشتعل تماشائیوں کی بھیڑ جمع ہونی شروع ہو گی تو تمہارے تین آدمی ان کو نہیں سنبھال پائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں بلوہ......"

"پولیس آ رہی ہے۔ میری گاڑی پولیس کی آمد کے بعد ہی یہاں سے روانہ ہو گی۔" اس نے بات کاٹ کر کہا "ہم لوگ غیر ضروری طور پر پبلک میں آنا پسند نہیں کرتے۔"

اُس کی زبان سے گاڑی کا ذکر سن کر میں نے اسے یاد دلانا چاہا کہ اس کا ڈرائیور زخمی کمانڈو کو لے کر اسپتال گیا ہوا ہے لیکن پھر میں خاموش ہی رہا۔ اس دل گرفتہ ماحول میں ذرا ذرا بات پر چھیڑ چھاڑ کچھ مناسب نہیں تھی۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ اسی ٹرک سے واپس جانے کا ارادہ رکھتا تھا جسے اس نے بمپر ٹو کا نام دیا تھا۔ اس ٹرک کے عقبی حصے میں اول خان کے مسلح آدمیوں کے ساتھ ہی قیدی بھی تھے اور دو عدد لاشیں بھی۔

ہمارے وہاں پہنچنے تک پولیس کی دو گاڑیاں' سائرن بجاتی ہوئی آ پہنچیں۔ انہوں نے ہم لوگوں سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ نہ ہی اول خان نے انہیں بریف کرنے کی کوئی ضرورت محسوس کی۔ ان کے آگے نکلتے ہی ہم تینوں بھی ٹرک کے کیبن میں پھنس کر بیٹھ گئے اور ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کر دیا۔

البرٹو ویلیسا جو ہم سب کے لئے ایک ڈراؤنا آسیب بن کر رہ گیا تھا' اس وقت مُردہ حالت میں ہماری تحویل میں تھا لیکن میرا ذہن ان واقعات میں الجھا ہوا تھا جن کا آغاز اس کی عبرتناک موت کے بعد ہونا تھا۔ اول خان شاید مسلسل بٹ ہی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا اور ویرا جو بدترین حالات میں بھی قہقہے لگانے پر قادر تھی' مجبوراً خاموش تھی۔

ہم تینوں اپنے اپنے خیالات میں گم اور خاموش تھے۔ ماحول بوجھل اور سوگوارانہ تھا۔ ایک بڑا مقابلہ جیتنے کی جو خوشی ہونی چاہئے تھی' وہ یکسر مفقود تھی اور ٹرک تیز رفتاری کے ساتھ اسلام آباد کی طرف سفر کر رہا تھا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات بارہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں